

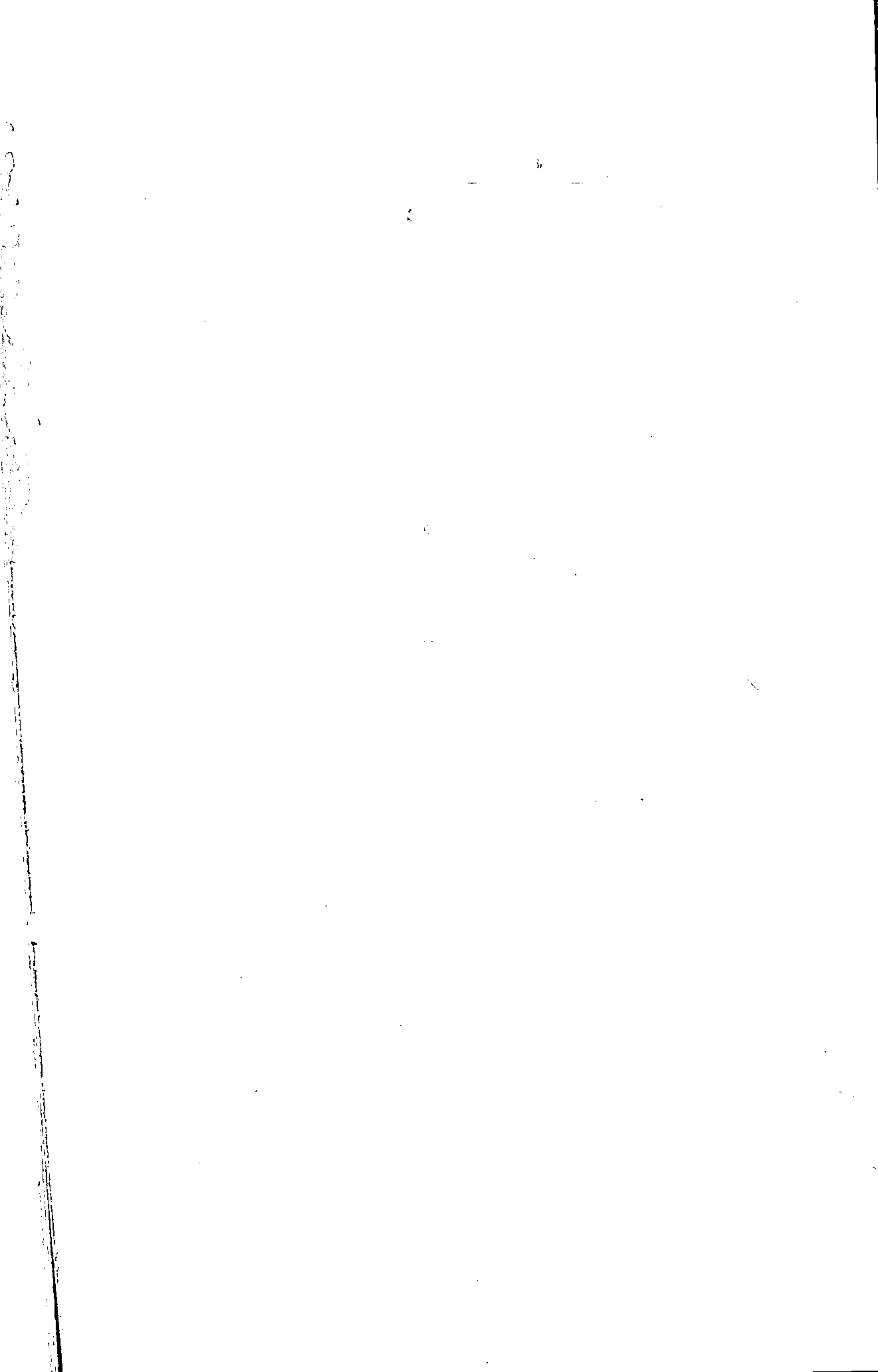
# فقه إسلامي: دلائل ومساائل

الفقه الإسلامي وأدلته

(جلد سوم)

ترجمہ  
محمد طفیل الباشی

تالیف  
وصبہ الزحیٰبی



# فقہ اسلامی - دلائل و مسائل

(الفقہ الاسلامی و أدلتہ)

شرعی دلائل، مذہبی آراء، اہم فقہی مسائل و نظریات اور احادیث نبویہ  
کی تحقیق و تخریج کا مجموعہ

جلد سوم

(روزہ، زکوٰۃ اور حج)

تالیف

وہبہ الزحیلی

ترجمہ

محمد طفیل الباشمی

ادارہ تحقیقات اسلامی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی - اسلام آباد

۲۰۱۱ء

جملہ حقوق بحق ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد محفوظ ہیں۔

اس کتاب کا کوئی حصہ ناشر کی تحریری اجازت کے بغیر کسی بھی شکل میں شائع نہ کیا جائے، البتہ تحقیقی مقاصد یا تبصرے کی غرض سے ضروری اقتباسات نقل کیے جاسکتے ہیں۔

297-03  
9139

159150

جلد سوم

کتاب: فقہ اسلامی: دلائل و مسائل (جلد سوم)

تالیف: وہبہ الزحیلی

ترجمہ: محمد طفیل ہاشمی

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لائبریری، ادارہ تحقیقات اسلامی

کوائف فہرست سازی دوران طباعت

وہبہ الزحیلی

فقہ اسلامی: دلائل و مسائل

(ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد)

حواشی۔

۱۔ فقہ اسلامی ۲۔ فقہ اسلامی، فقہی مسائل

۳۔ فقہ اسلامی، تعلیم و مطالعہ

۱۔ ہاشمی، محمد طفیل (مترجم) ب۔ عنوان

اشاعت: ۲۰۱۱ء

297.14dc21

ISBN: 978-969-408-303-2

مطبع: مطبع ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

## فہرست

## موضوع

	باب سوم: روزہ اور اعتکاف
۳	فصل اوّل: روزہ (الصوم)
	بحث اوّل: روزے کی تعریف، اس کا وقت، اس کے فوائد،
۴	رمضان اور لیلة القدر کی فضیلت
۴	مطلب اوّل: روزے کی تعریف، اس کا رکن، وقت اور فوائد
۹	مطلب دوم: رمضان اور لیلة القدر کی فضیلت
۱۵	مطلب سوم: رمضان میں وقوع پذیر ہونے والے اہم تاریخی واقعات
۱۸	بحث دوم: روزے کی فرضیت اور اس کی اقسام
۱۸	روزے کی فرضیت اور اس کی تاریخ
۲۰	روزے کی اقسام
۲۰	پہلی قسم: واجب
۲۱	دوسری قسم: حرام روزہ
۳۷	تیسری قسم: مکروہ روزہ
۳۲	چوتھی قسم: نفل یا مستحب روزے
۳۷	نفل روزوں کے بارے میں فقہی آراء
۳۹	اوّل: جو ہر سال آتے ہیں
۳۹	دوم: جو ہر مہینے آتے ہیں
۳۹	سوم: جو ہر ہفتے آتے ہیں

بحث سوم: روزہ کب واجب ہوتا ہے؟ رویت ہلال کا ثبوت  
اور مطالع کا اختلاف

۴۳

مطلب اوّل: روزہ کب واجب ہوتا ہے؟

۴۳

۱۔ نذر

۴۳

۲۔ کفارے

۴۳

۳۔ ماہ رمضان کے کسی حصے (دن یا رات) کا پالینا

۴۳

مطلب دوم: رمضان اور شوال کا چاند ثابت ہونے کا طریقہ

۴۴

مطلب سوم: اختلاف مطالع

۵۴

بحث چہارم: روزے کی شرائط

۶۰

مطلب اوّل: روزے کے وجوب کی شرائط

۶۰

مطلب دوم: روزے کے صحیح ہونے کی شرائط

۶۸

۱۔ رات سے نیت کرنا

۷۱

۲۔ فرض روزے میں نیت کی تعیین

۷۴

۳۔ پختہ نیت

۷۵

۴۔ ہر روز الگ نیت کرنا

۷۸

نیت کا طریقہ اور اس کے اثرات

۷۸

نیت کا اثر

۷۹

روزے کی شرائط کے بارے میں فقہی آراء کا خلاصہ

۸۰

بحث پنجم: روزے کی سنتیں، آداب اور مکروہات

۸۷

مطلب اوّل: روزے کی سنتیں اور آداب

۸۷

مطلب دوم: روزے کے مکروہات

۹۳

- ۹۴ مختلف مذاہب میں روزے کے مکروہات کا خلاصہ
- ۹۸ بحث ششم: جن عذروں کی بنا پر روزہ چھوڑنا جائز ہے
- ۹۹ ۱۔ سفر
- ۱۰۳ ۲۔ بیماری
- ۱۰۷ ۳۔ حمل اور رضاعت (بچے کو دودھ پلانا)
- ۱۰۷ ۴۔ بڑھاپا
- ۱۰۸ ۵۔ شدید بھوک اور پیاس
- ۱۰۸ ۶۔ اکراہ (زبردستی)
- بحث ہفتم: جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے
- ۱۱۳ اور جن سے نہیں ٹوٹتا
- حنفیہ: ۱۔ وہ امور جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے
- ۱۱۴ اور صرف قضا واجب ہوتی ہے کفارہ نہیں
- ۱۔ کوئی ایسی چیز کھالے جو نہ تو غذا ہو
- ۱۱۴ اور نہ غذا کے مفہوم میں شامل ہو مثلاً دوا۔
- ۱۱۵ ۲۔ کسی شرعی عذر کی بنا پر غذا یا دوا کھالے
- ۱۱۶ ۳۔ نامکمل جنسی عمل
- ۲۔ وہ امور جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا
- ۱۱۷ اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں
- ۱۔ شرعی عذر کے بغیر غذا کھانا یا کوئی ایسی چیز
- ۱۱۸ جو غذا کے مفہوم میں ہو
- ۱۱۸ ۲۔ مکمل جنسی عمل

- ۱۱۹ وہ امور جن سے حنفیہ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا
- ۱۲۲ مالکیہ: جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں:
- ۱۔ وہ امور جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے
- ۱۲۲ اور صرف قضا واجب ہوتی ہے
- ۲۔ وہ امور جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے
- ۱۲۵ اور قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں
- ۱۲۸ وہ امور جن سے مالکیہ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا
- ۱۳۰ شافعیہ: جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں:
- ۱۔ جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور صرف قضا واجب ہوتی ہے
- ۱۳۰ ۲۔ جن سے قضا، کفارہ، اور تعزیر واجب ہوتے ہیں۔
- ۱۳۲ ۳۔ وہ امور جن سے شافعیہ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا
- ۱۳۷ حنابلہ: روزے کو توڑنے والی چیزوں سے صرف قضا واجب ہوگی
- ۱۳۸ یا قضا اور کفارہ دونوں
- ۱۔ جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے
- ۱۳۸ اور صرف قضا واجب ہوتی ہے
- ۲۔ جن چیزوں سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں
- ۱۳۶ وہ امور جن سے حنابلہ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا
- ۱۵۰ بحث ہشتم: روزے کی قضا، کفارہ اور فدیہ
- ۱۵۰ مطلب اول: روزے کی قضا
- ۱۵۰ ۱۔ جن وجوہ سے روزہ چھوڑنا ضروری ہو جائے
- ۱۵۱ ۲۔ قضا کا حکم
- ۱۵۵ مطلب دوم: کفارہ



متعدد کفارے یا مختلف ایام میں متعدد بار روزہ توڑنے

۱۶۱

کا ایک ہی کفارہ

۱۶۲

دانستہ روزہ توڑنے کے بعد عذر پیش آجانا

۱۶۳

مطلب سوم: فدیہ

۱۶۷

ضمیمہ: منت کے روزے اور نمازیں وغیرہ ادا کرنے کا حکم

۱۹۱

فصل دوم: اعتکاف

بحث اوّل: اعتکاف کی تعریف، اس کا شرعی حکم،

۱۹۲

اس کا مقصد، جگہ اور وقت

۲۰۱

بحث دوم: اعتکاف کا حکم، اعتکاف میں کیا کیا چیزیں واجب ہیں

۲۰۱

مطلب اوّل: اعتکاف کا حکم

۲۰۳

مطلب دوم: نذر اعتکاف

۲۰۷

بحث سوم: اعتکاف کی شرائط

۲۱۰

بحث چہارم: معتکف کے لیے پابندیاں اور جائز امور

بحث پنجم: اعتکاف کے آداب اور مکروہات۔

۲۲۱

اعتکاف کو توڑنے والی چیزیں

۲۳۰

بحث ششم: اعتکاف ٹوٹ جائے تو کیا حکم ہے؟

باب چہارم: زکوٰۃ اور اس کی اقسام

۲۴۵

فصل اوّل: زکوٰۃ

بحث اوّل: زکوٰۃ کی تعریف، اس کی حکمت و فرضیت

۲۴۶

اور زکوٰۃ روکنے والے کی سزا

۲۴۶

۱۔ زکوٰۃ کی تعریف

۲۴۸	۲۔ زکوٰۃ کی حکمت
۲۵۱	۳۔ زکوٰۃ کی فرضیت
۲۵۲	۴۔ زکوٰۃ روکنے والے کی سزا
۲۵۵	بحث دوم: زکوٰۃ کا سبب، اس کی شرائط اور رکن
۲۷۸	بحث سوم: زکوٰۃ کے واجب ہونے اور اسے ادا کرنے کے اوقات
۲۷۸	مطلب اول: زکوٰۃ کے وجوب کا وقت
۲۷۹	مطلب دوم: زکوٰۃ کے ادا کرنے کا وقت
۲۸۰	مطلب سوم: سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا
۲۸۲	مطلب چہارم: زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد مال ضائع ہو جانا
۲۸۳	بحث چہارم: جن اموال پر زکوٰۃ واجب ہے ان کی اقسام
۲۸۵	مطلب اول: نقدی (سونا، چاندی اور کرنسی نوٹ) پر زکوٰۃ
۳۲۳	مطلب دوم: معدنیات اور دینیوں پر زکوٰۃ
۳۲۵	۱۔ حنفی مذہب
۳۲۸	۲۔ مالکی مذہب
۳۳۱	۳۔ شافعی مذہب
۳۳۳	۴۔ حنبلی مذہب
۳۳۹	مطلب سوم: مال تجارت پر زکوٰۃ
۳۳۹	۱۔ مال تجارت کا مفہوم
۳۴۰	۲۔ مال تجارت پر زکوٰۃ کی شرائط
۳۴۶	۳۔ مال تجارت اور اس پر قیمت لگانے کا طریقہ
۳۵۰	۴۔ نفع، اضافہ اور غیر تجارتی مال کو اصل مال کے ساتھ ملانے کا حکم
۳۵۲	۵۔ مالکیہ کے نزدیک مال تجارت پر زکوٰۃ مقرر کرنے کا طریقہ

- ۳۵۵ ۶۔ شرکت مضاربت پر زکوٰۃ
- ۳۵۶ مطلب چہارم: غلے اور پھلوں پر زکوٰۃ (یعنی زمینی پیداوار پر زکوٰۃ)
- ۳۵۷ ۱۔ غلے اور پھلوں پر زکوٰۃ کی فرضیت اور فرضیت کا سبب
- ۳۵۸ ۲۔ غلے اور پھلوں پر زکوٰۃ کی شرائط
- ۳۶۲ ۳۔ کس مقدار پر زکوٰۃ واجب ہے؟
- ۳۶۷ ۴۔ کم از کم نصاب جس سے غلے اور پھلوں کی زکوٰۃ شروع ہوتی ہے
- ۳۷۱ ۵۔ واجب مقدار اور اس کی کیفیت
- ۳۷۳ ۶۔ زکوٰۃ کے وجوب کا وقت
- ۳۷۵ ۷۔ جن فصلوں کو باہم ملا دینا جائز ہے
- ۳۷۹ ۸۔ وقف پھلوں پر زکوٰۃ
- ۳۸۱ ۹۔ کرائے پر لی ہوئی زمین پر زکوٰۃ
- ۳۸۲ ۱۰۔ خراجی زمین کی زکوٰۃ
- ۳۸۷ ۱۱۔ ٹیکس وصول کرنے والا اور عشور کا ٹیکس
- ۳۹۰ ۱۲۔ زکوٰۃ نکالنا اور زکوٰۃ معاف کرنا
- ۳۹۰ ۱۔ زکوٰۃ نکالنے کا رکن
- ۳۹۰ ۲۔ زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ
- ۳۹۱ ۳۔ زکوٰۃ نکالنے کا وقت
- ۳۹۲ ۴۔ پھلوں کا اندازہ کر کے زکوٰۃ مقرر کرنا
- ۳۹۵ ۵۔ زمینی پیداوار کی زکوٰۃ کن وجوہ سے ساقط ہو جاتی ہے؟
- ۳۹۶ مطلب پنجم: جانوروں اور مویشیوں پر زکوٰۃ
- ۳۹۷ ۱۔ جانوروں پر زکوٰۃ کا شرعی حکم

- ۳۹۷ -۲- جانوروں پر زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط
- ۴۰۲ -۳- ان جانوروں کی اقسام جن میں زکوٰۃ واجب ہے
- ۴۰۲ - اونٹوں میں زکوٰۃ
- ۴۰۸ - گایوں میں زکوٰۃ
- ۴۱۱ - بھیڑ، بکریوں میں زکوٰۃ
- ۴۱۳ - گھوڑوں، خچروں اور گدھوں میں زکوٰۃ
- ۴۱۵ -۴- جانوروں وغیرہ میں دو شریک مالکوں کی زکوٰۃ
- ۴۲۳ -۵- جانوروں کی زکوٰۃ کے متفرق احکام
- بحث پنجم: کیا عمارتوں، کارخانوں، محنت، ملازمت اور آزادانہ صنعت و حرفت کی آمدن پر زکوٰۃ واجب ہے؟
- ۴۳۶ مطلب اول: عمارتوں اور کارخانوں وغیرہ پر زکوٰۃ
- ۴۳۸ مطلب دوم: محنت، ملازمت اور آزادانہ صنعت و حرفت کی آمدنی پر زکوٰۃ
- ۴۳۹ بحث ششم: زکوٰۃ کے مصارف
- ۴۳۹ مطلب اول: زکوٰۃ کے مستحقین کون ہیں؟
- ۴۳۹ -۱- مستحقین کے متعین ہونے کی دلیل
- ۴۴۰ -۲- کیا زکوٰۃ ان تمام آٹھ قسم کے مستحقین کو دینا ضروری ہے؟
- ۴۴۲ -۳- آٹھ اقسام کا بیان
- ۴۵۰ -۴- کیا ان اقسام کے علاوہ کسی اور کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟
- ۴۵۱ -۵- مستحقین زکوٰۃ کو کتنی مقدار میں زکوٰۃ دی جائے؟
- ۴۵۳ -۶- جو زکوٰۃ مانگے اور مستحق نہ ہو
- ۴۵۴ -۷- مستحقین زکوٰۃ کی شرائط اور اوصاف
- ۴۶۷ مطلب دوم: تقسیم زکوٰۃ کے متفرق احکام

- ۴۹۳ بحث ہفتم: زکوٰۃ کے آداب اور ممنوعات
- ۴۹۶ مصارف زکوٰۃ سے متعلق دو اضافی مباحث
- ۴۹۶ ۱- زکوٰۃ سے مؤلفۃ قلوب کا حصہ
- ۴۹۹ ۱- مؤلفۃ قلوب کا مفہوم، کیا ان کا حصہ منسوخ ہو گیا؟
- ۵۰۸ ۲- یہ حصہ کن حالات میں استعمال کیا جائے؟
- ۵۱۲ ۳- ایسے افراد کی دل جوئی کرنا جن کے قبول اسلام کی امید ہو یا جن کا معاشرے پر اثر ہو
- ۵۱۳ ۴- نئے مسلمانوں کی ضرورتوں کے لیے اس حصے سے ادارے قائم کرنا
- ۵۱۵ ۵- بعض غیر اسلامی ممالک اور حکومتوں کی دل جوئی
- ۵۱۶ ۶- حادثات اور مصائب (زلزلوں اور سیلاب وغیرہ) میں مؤلفۃ قلوب کے حصے سے امداد دے کر شرکت کرنا
- ۵۱۸ ۷- مؤلفۃ قلوب کا حصہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اچھے خیالات پیدا کرنے کے لیے نشر و اشاعت (دعوت و تبلیغ) پر صرف کرنا
- ۵۲۰ ۲- زکوٰۃ کا مصرف (گردنیں چھڑانا)
- ۵۲۱ ۱- گردنیں چھڑانے کا مفہوم
- ۵۲۳ ۲- دور حاضر میں غلامی کا خاتمہ
- ۵۲۷ ۳- اسلامی عہد کے تاریخی شواہد
- ۵۲۸ ۴- دور حاضر میں ”فی الرقاب“ کے مصرف سے ”قیدیوں کو آزاد کرانا“
- ۵۲۸ ”الرقاب“ کے عام مفہوم کے تعین میں علماء کی آراء

- گردنیں چھڑانے کے حصے کے بارے میں فقہاء کے مذاہب کی تفصیل اور ان کے دلائل
- ۵۳۲ -۵ اس مصرف کی اصلی تطبیق: مکاتب کو غلامی سے آزادی کے حصول میں مدد دینا
- ۵۳۱ -۶ کیا "الرقاب" کی مد میں سے ان اسلامی گروہوں اور جماعتوں کو حصہ دیا جاسکتا ہے جو کافر حکومتوں کے پنجہ استبداد میں پس رہی ہیں اور اپنی آزادی کے لیے کوشاں ہیں؟
- ۵۳۳ خاتمہ بحث
- ۵۳۴ فصل دوم: صدقہ فطر
- ۵۸۱ بحث اول: صدقہ فطر کی مشروعیت، اس حکم کا مخاطب کون ہے؟
- ۵۸۱ بحث دوم: صدقہ فطر کے وجوب کا وقت اور اسے جلدی یا دیر سے ادا کرنے کا حکم
- ۵۸۸ بحث سوم: صدقہ فطر میں کیا چیز، کیسی اور کتنی مقدار میں واجب ہے؟
- ۵۹۲ بحث چہارم: صدقہ فطر کے مستحبات اور جائز امور
- ۵۹۵ بحث پنجم: صدقہ فطر کے مصارف، یعنی صدقہ فطر کون لے سکتا ہے؟
- ۵۹۷ فصل سوم: نقلی صدقہ
- ۶۰۳ ۱- نقلی صدقہ کا حکم
- ۶۰۳ ۲- نقلی صدقہ چھپا کر دینا اور رمضان میں دینا
- ۶۰۴ ۳- سارا مال صدقہ کر دینا
- ۶۰۵ ۴- صدقہ کا بہترین طریقہ
- ۶۰۶ ۵- زائد از ضرورت مال صدقہ کرنا مستحب ہے
- ۶۰۷ ۶- جو آسانی سے ہو سکے صدقہ کر دیا جائے
- ۶۰۷

- ۶۰۷ -۷- نیک لوگوں کو صدقہ دینا
- ۶۰۸ -۸- کن لوگوں کو صدقہ دیا جائے؟
- ۶۱۰ -۹- مقروض یا جس کے ذمے کسی کے اخراجات ہوں، اس کا صدقہ کرنا
- ۶۱۱ -۱۰- تمام اہل ایمان کی نیت کرنا
- ۶۱۱ -۱۱- حرام مال سے صدقہ کرنا
- ۶۱۲ -۱۲- صدقہ میں حرام، مکروہ اور مستحب امور

## باب پنجم: حج اور عمرہ

- ۶۲۱ فصل اوّل: حج اور عمرہ کے احکام
- ۶۲۱ بحث اوّل: حج اور عمرہ کی تعریف، اسلام میں ان کا مقام اور ان کا حکم
- ۶۳۷ بحث دوم: حج اور عمرے کی شرائط اور ان کے موانع
- ۶۳۷ مطلب اوّل: حج اور عمرے کی شرائط
- ۶۹۳ مطلب دوم: حج کے موانع
- ۶۹۷ بحث سوم: حج اور عمرہ: اوقات اور جگہیں
- ۶۹۷ مطلب اوّل: حج اور عمرہ کا وقت
- ۷۰۳ مطلب دوم: حج اور عمرہ کے میقات
- ۷۰۳ ۱- مکہ میں مقیم افراد کے لیے میقات
- ۷۰۴ ۲- حرم سے باہر رہنے والوں کے لیے میقات
- ۷۰۶ ۳- آفاقی یعنی دور سے آنے والوں کے لیے میقات
- ۷۱۵ بحث چہارم: حج اور عمرے کے اعمال اور رسول اللہ ﷺ کا حج اور عمرہ
- ۷۱۵ ۱- حج کے اعمال

۷۱۷	۲- عمرے کے اعمال
۷۱۷	۳- رسول اللہ ﷺ کا عمرہ
۷۱۷	۴- رسول اللہ ﷺ کا حج - حجۃ الوداع
۷۲۶	۵- فقہاء کے نزدیک اعمال حج کے احکام
۷۶۳	مختلف مذاہب میں اعمال حج کے احکام کا جدول
۷۶۹	بحث پنجم: حج اور عمرے کے ارکان
۷۶۹	ارکان حج
۷۶۹	مطلب اول: احرام
۷۷۰	۱- جن افعال سے آدمی محرم (احرام والا) ہوتا ہے
	۲- احرام کی صفات، متعین و مطلق احرام،
۷۷۲	احرام میں نیت کی تبدیلی اور مشروط احرام
۷۷۷	۳- احرام باندھنے کی جگہ اور وقت
۷۷۸	۴- احرام کا ارادہ کرنے والا کیا کرے؟
۷۸۳	۵- حج، عمرہ یا دونوں کا احرام کیسے باندھا جائے؟
	۶- ایک احرام پر دوسرا احرام باندھنا، حج کو عمرے کے ساتھ
۷۸۷	یا حج کے ساتھ عمرہ شامل کر لینا
۷۹۴	مطلب دوم: طواف
۷۹۴	۱- طواف کی اقسام اور ہر قسم کا حکم
۸۰۱	طواف وداع کی شرائط
۸۰۷	۲- طواف کی شرائط یا واجبات
۸۱۷	طواف کی شرائط کے بارے میں فقہاء کی آراء کا خلاصہ
۸۱۹	حیض والی عورت کا حج



- ۸۴۱ ۳- طواف کی سنتیں
- ۸۴۹ مطلب سوم: سعی
- ۸۴۹ ۱- سعی کے واجبات یا شرائط
- ۸۴۱ ۲- سعی کی سنتیں
- ۸۴۳ ۳- سعی کو اس کے اصلی وقت سے مؤخر کرنے کا حکم
- ۸۴۵ مطلب چہارم: وقوف عرفہ
- ۸۴۵ ۱- وقوف عرفہ کا حکم
- ۸۴۵ ۲- وقوف عرفہ کی جگہ
- ۸۴۶ ۳- وقوف عرفہ کا وقت
- ۸۴۰ ۴- وقوف عرفہ کی مقدار
- ۸۴۰ ۵- اگر کسی حاجی کا وقوف عرفہ رہ جائے تو اس کا حکم
- ۸۴۱ ۶- عرفہ میں وقوف کی سنن اور آداب
- ۸۴۸ بحث ششم: واجبات حج
- ۸۴۹ مطلب اول: وقوف مزدلفہ
- ۸۴۹ ۱- مزدلفہ میں قیام کا طریقہ
- ۸۵۱ ۲- مزدلفہ میں قیام کا رکن
- ۸۵۲ ۳- مزدلفہ میں قیام کی جگہ
- ۸۵۲ ۴- مزدلفہ میں قیام کا وقت
- ۸۵۳ ۵- مزدلفہ کا وقوف اگر اپنے وقت سے قضا ہو جائے تو اس کا حکم
- ۸۵۳ ۶- وقوف مزدلفہ کی سنتیں
- ۸۵۸ مطلب دوم: منیٰ میں رمی جمار اور وہاں رات رہنے کا حکم
- ۸۵۸ ۱- کنکریاں مارنے کی حکمت اور منیٰ کی حدود

- ۸۵۹ ۲- کنکریاں مارنے کا وجوب اور کشتی کو اپنا قائم مقام بنانا
- ۸۶۰ ۳- رمی کا وقت
- ۸۶۰ الف) جمرہ عقبہ کی رمی
- ۸۶۱ ب) ایام تشریق میں تینوں جمرات کی رمی کرنا
- ۸۶۳ ۴- رمی کی جگہ
- ۸۶۳ ۵- رمی کی شرائط
- ۸۶۶ کنکریاں کہاں سے اٹھائی جائیں
- ۸۶۷ ہر روز ہر جمرہ پر کتنی کنکریاں ماری جائیں
- ۸۶۷ ۶- کنکریاں مارنے کا طریقہ اور اس کی سنتیں
- ۸۷۰ ۷- مقررہ وقت کے بعد کنکریاں مارنے کا حکم
- ۸۷۳ منیٰ میں رات گزارنے کا حکم
- ۸۷۶ مطلب سوم: سرمنڈانا یا بال کٹانا
- ۸۷۶ ۱- سرمنڈانے یا بال کٹوانے کا وجوب
- ۸۷۸ ۲- کتنی مقدار سرمنڈانا یا بال کٹوانا واجب ہے
- ۸۷۹ ۳- سرمنڈانے کا وقت اور جگہ
- ۸۸۱ ۴- سرمنڈانے یا بال کٹوانے کے اثرات و نتائج اور اس کا حکم
- ۸۸۲ ۵- مقررہ وقت اور جگہ کے بعد سرمنڈانے کا حکم
- ۸۸۲ بحث ہفتم: حج اور عمرے کی سنتیں
- ۸۸۳ پہلا خطبہ، ذوالحجہ کی سات تاریخ کو
- ۸۸۵ دوسرا خطبہ، عرفہ کے دن
- قربانی کے دن منیٰ میں شافیہ کے نزدیک تیسرا
- ۸۸۶ اور حنابلہ کے نزدیک دوسرا خطبہ

- منیٰ میں قیام کے دوسرے دن جمہور کے  
 ۸۸۶ نزدیک تیسرا اور شافعیہ کے نزدیک چوتھا خطبہ  
 ۸۸۷ بحث ہشتم: حج اور عمرہ ادا کرنے کا طریقہ  
 ۸۸۷ ۱- حج افراد کا طریقہ  
 ۸۹۲ ۲- حج تمتع کی تعریف اور اس کا طریقہ  
 ۸۹۳ حج تمتع کا باطل ہونا  
 حج کے مہینوں سے پہلے عمرے کا احرام باندھنے  
 ۸۹۵ والا کب تمتع ہو جاتا ہے؟  
 ۸۹۵ ۳- حج قرآن کا طریقہ  
 ۹۰۴ بحث نہم: حج سے حلال یعنی فارغ ہونے کا طریقہ  
 ۹۰۴ پہلے مرحلہ کا حلال ہونا  
 ۹۰۵ دوسرے مرحلہ کا حلال ہونا  
 ۹۰۵ بحث دہم: احرام کے ممنوعات اور مباحات  
 ۹۰۶ اصل اول: سلا ہوا لباس پہننا  
 ۹۰۶ الف- مرد کا لباس  
 ۹۰۹ ب- عورت کا لباس  
 ۹۱۲ اصل دوم: بدن کو خوشبو لگا کر، بال صاف کر کے، ناخن وغیرہ کاٹنا  
 ۹۲۱ اصل سوم: عورتوں سے متعلق مسائل  
 ۹۲۵ جن امور سے حج فاسد ہو جاتا ہے اور جب فاسد ہو جائے تو اس کا حکم۔  
 ۹۲۵ ۱- حج کے فاسد ہونے کی شرائط  
 ۹۲۸ ۲- حج فاسد ہو جائے تو اس کا حکم  
 ۹۳۰ اصل چہارم: شکار کرنا

- احرام میں مباح امور
- ۹۳۷ بحث یازدہم: حج میں غلطیوں کا کفارہ
- ۹۴۰ غلطیوں کی دو قسمیں
- ۹۴۰
- ۹۴۲ ۱۔ ایسی غلطی جس پر بدنہ (اونٹ یا گائے) واجب ہوتا ہے
- ۹۴۲ ۲۔ ایسی غلطی جس پر دو دم (دو قربانیاں) واجب ہوتے ہیں
- ۹۴۳ ۳۔ ایسی غلطیاں جن پر ایک دم (قربانی) واجب ہوتا ہے
- ۹۵۵ ۴۔ جن کاموں پر صدقہ واجب ہے
- ۹۵۶ ۵۔ جن کاموں پر نصف صاع سے کم صدقہ واجب ہوتا ہے
- ۹۵۷ یعنی جتنی مقدار چاہے صدقہ کر دے
- ۹۵۷ ۶۔ فدیہ دینے کا وقت اور جگہ
- ۹۵۹ ۷۔ ایسے ممنوع افعال جن پر قیمت یا اس کی مثل دینا واجب ہے
- (یعنی شکار کرنے اور درخت کاٹنے کا بدلہ)
- ۹۶۹ ۸۔ کفارے کی اقسام
- ۹۷۱ ۹۔ شکار کے کفارے کے بارے میں اختیار
- ۹۷۳ ۱۰۔ ایسا شکار جس کا مثل موجود نہیں ہوتا، مثلاً ٹڈی
- ۹۷۳ ۱۱۔ بار بار شکار کرنا یا شکار کرنے میں شریک ہونا
- ۱۲۔ خریداری وغیرہ کے ذریعے شکار کا مالک ہونا،
- یا ملکیت ختم ہونا یا وراثت کے ذریعے مالک ہونا
- ۹۷۸ ۱۳۔ حج دوازدہم: حج قضا ہو جانا اور حج سے روک دیا جانا
- ۹۸۱ حج سے روک لیا جانا (احصار)
- ۹۸۲ ۱۔ احصار (رکاوٹ) کا مفہوم
- ۹۸۶ ۲۔ احصار کے احکام

- ۹۹۴ ۳۔ احصار کا ختم ہو جانا
- ۹۹۵ بحث سیزدہم: ہدی (قربانی کا جانور)
- ۹۹۵ ۱۔ ہدی کا مفہوم
- ۹۹۵ ۲۔ ہدی کی اقسام اور اس کی صفات
- ۱۰۰۰ ۳۔ حج تمتع کی ہدی کی شرائط
- ۱۰۰۵ ۴۔ ہدی کے گوشت سے حاجی کا خود کھانا
- ۱۰۰۹ ۵۔ ہدی ذبح کرنے کی جگہ اور وقت
- ۱۰۱۲ ۶۔ ہدی ذبح کرنے والا
- ۱۰۱۳ ۷۔ ہدی کا گوشت صدقہ کر دینا
- ۱۰۱۵ ۸۔ ہدی سے نفع اٹھانا
- ۱۰۱۶ ۹۔ ہدی کے گلے میں ہار ڈالنا یا اس پر کوئی علامت لگا دینا
- ۱۰۱۹ ۱۰۔ ہدی کا راستے میں ہلاک ہو جانا
- ۱۰۶۹ فصل دوم: حرمین (مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ) کی خصوصیات
- ۱۰۶۹ بحث اول: حرم مکہ معظمہ
- ۱۰۶۹ ۱۔ حرم مکہ کی حدود
- ۱۰۷۰ ۲۔ کعبہ کی تعمیر، اس کی خصوصیت اور مسجد حرام کی فضیلت
- ۱۰۷۳ ۳۔ مکہ میں سکونت اختیار کرنا اور اس کی فضیلت
- ۱۰۷۵ ۴۔ کیا مکہ افضل ہے یا مدینہ؟
- ۱۰۷۶ ۵۔ مکہ میں داخل ہونے کے آداب
- ۶۔ وہ احکام جن میں حرم دوسری جگہوں سے مختلف ہے
- ۱۰۸۱ (حرم کی خصوصیات اور وہاں کی ممنوعات)
- ۱۰۸۶ ۷۔ مکہ کے اہم تاریخی مقامات کی زیارت

۱۰۸۸	بحث دوم: حرم مدینہ منورہ
۱۰۸۸	۱۔ حرم مدینہ کی حدود
۱۰۸۸	۲۔ مسجد نبویؐ کی فضیلت
۱۰۹۰	۳۔ حرم مدینہ کی خصوصیات
۱۰۹۲	۴۔ حرم مدینہ اور حرم مکہ میں فرق
۱۰۹۳	۵۔ مسجد نبویؐ اور قبر رسول ﷺ کی زیارت
۱۱۰۲	۶۔ مدینہ کی اہم یادگاروں کی زیارت
	فصل سوم: حج وغیرہ کے آداب سفر اور حج سے واپس آنے
۱۱۱۰	والے حاجی کے آداب
۱۱۱۰	بحث اول: حج وغیرہ کے آداب سفر
۱۱۲۳	بحث دوم: سفر حج سے واپسی کے آداب

## باب سوم

روزہ (الصوم) اور اعتکاف

اس باب میں دو فصلیں ہیں:

- ۱- روزے کے بیان میں
- ۲- اعتکاف کے بیان میں





## فصل اوّل

### روزہ (الصوم)

اس فصل میں آٹھ مباحث ہیں:

بحث اوّل: روزے کی تعریف، اس کا رکن، وقت اور فوائد، رمضان اور لیلة القدر کی فضیلت،

رمضان میں وقوع پذیر ہونے والے اہم تاریخی واقعات

بحث دوم: روزے کی فرضیت اور اس کی اقسام (فرض روزے اور نفل روزے)

بحث سوم: روزہ کب واجب ہوتا ہے؟ ماہ رمضان شروع ہونے کے ثبوت کا طریقہ، مطالع

کا اختلاف

بحث چہارم: روزے کی شرائط: روزے کے وجوب کی شرائط، روزے کے صحیح ہونے کی شرائط

بحث پنجم: روزے کی سنتیں، آداب اور مکروہات

بحث ششم: جن عذروں کی بنا پر روزہ چھوڑنا جائز ہے

بحث ہفتم: جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور جن سے نہیں ٹوٹتا

بحث ہشتم: روزے کی قضا، کفارہ اور فدیہ

ضمیمہ: منت روزوں کو پورا کرنا

ذیل میں اسی ترتیب سے تمام مباحث کی تفصیل دی جاتی ہے۔

## بحث اول: روزے کی تعریف، روزے کا وقت، اس کے فوائد

رمضان اور لیلة القدر کی فضیلت، رمضان میں وقوع پذیر ہونے والے اہم تاریخی واقعات

اس میں تین مطالب ہیں:

مطلب اول: روزے کی تعریف، اس کا رکن، وقت اور فوائد:

روزے کی تعریف: لغت میں صوم کسی چیز سے رکنے کو کہتے ہیں جیسے صام عن الکلام کا مطلب ہے کہ ”وہ بات کرنے سے رک گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے بارے میں بتاتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے کہا تھا: انی نذرت للرحمن صوماً (مریم، ۱۹: ۲۶) میں نے اللہ کے لیے چپ رہنے کی منت مانی ہے۔ عرب کہتے ہیں: صام النهار (دن ٹھہر گیا) جب عین دوپہر کے وقت سورج ٹھہر جاتا ہے۔ (۱)

شریعت میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ رکھنے کے اہل شخص کا روزے کی نیت سے اسے توڑنے والی چیزوں سے رکنے کو روزہ کہتے ہیں۔ (۲) یعنی روزہ پیٹ اور شرم گاہ کی خواہشات سے اور ہر محسوس چیز، دوائی وغیرہ کے پیٹ میں داخل ہونے سے ایک مقررہ وقت تک عملاً رکنے کا نام ہے۔ متعین وقت سے مراد صبح صادق سے غروب آفتاب تک کا وقت ہے۔ اس وقت میں ایسے شخص کا مذکورہ امور سے رکنے رہنا روزہ کہلاتا ہے جو روزے کا اہل ہو یعنی مسلمان، عاقل ہو، حیض و نفاس والی عورت نہ ہو اور دل کی پختہ نیت اور قطعی ارادے کے ساتھ بغیر کسی تردد کے روزہ رکھنا چاہتا ہو تاکہ عبادت اور عادت میں فرق ہو سکے۔

روزے کا رکن: روزے کا رکن پیٹ اور شرم گاہ کی خواہشات سے باز رہنا یا روزہ توڑنے والے امور سے رکے رہنا ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ نے ایک رکن کا اضافہ کیا ہے کہ روزے کی نیت رات سے کرنی چاہیے۔

روزے کا وقت: طلوع فجر سے غروب آفتاب تک ہے۔ جن علاقوں میں دن اور رات برابر ہوتے ہیں ان کے حوالے سے وقت کا تعین کیا گیا ہے اور جن علاقوں میں دن بہت لمبے ہوتے ہیں مثلاً بلغاریا، وہاں قریبی علاقوں کے دن یا مکہ معظمہ کے دن کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس کی دلیل ارشاد ربانی ہے: وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابيض من الخیط الاسود من الفجر (البقرہ ۲: ۱۸۷) (کھاؤ اور پیو تا آنکہ صبح کا سفید دھاگہ کالے دھاگے سے ممتاز نہ ہو جائے) دھاگہ کا لفظ مجازاً استعمال کیا گیا، اس سے مراد صبح کی سفیدی کا رات کی سیاہی سے الگ ہونا ہے اور یہ طلوع فجر کے ساتھ ہوتا ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ ارشاد نبوی: بلال رات کے وقت آذان دیتے ہیں، جب تک ابن ام مکتوم آذان نہ دیں کھاتے پیتے رہو، اس امر کی دلیل ہے کہ سفید دھاگے سے صبح مراد ہے اور بالاجماع سحری کھانے کا وقت صبح صادق سے پہلے کا ہے۔

روحانی اور مادی دونوں اعتبار سے روزے کے بے شمار فوائد ہیں:

روزہ اللہ کی اطاعت ہے جس پر مومن کو اتنا ثواب ملتا ہے کہ جس کا کوئی حد و حساب نہیں کیوں کہ روزہ محض اللہ کے لیے رکھا جاتا ہے اور اس کا کرم بہت وسیع ہے، روزے سے اللہ راضی ہوتا ہے اور جنت کے اس خاص دروازے سے داخلے کا استحقاق ملتا ہے جو روزہ داروں کے لیے مختص ہے، اس کا نام ”الریان“ ہے۔ (۳) روزے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے حفاظت ملتی ہے کہ انسان سے گناہوں کا ارتکاب ہوتا رہتا ہے،

روزے ایک سال سے دوسرے سال تک کے گناہوں کا کفارہ ہیں۔ اللہ کی فرماں برداری سے انسان کو اس راہ حق پر استقامت کی توفیق نصیب ہوتی ہے جو اللہ نے انسانوں کے لیے مقرر کر دیا۔ کیوں کہ روزہ تقویٰ پیدا کرتا ہے اور تقویٰ سے مراد اللہ کے احکام کی بجا آوری اور اس کی نافرمانی سے بچنا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ** (البقرہ ۲: ۱۸۳) (۱) ایمان والو، تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو)

روزہ اخلاقی تربیت کی بہت بڑی درس گاہ ہے، جس میں مومن کو بہت سے عمدہ اخلاق کی تربیت دی جاتی ہے۔ روزہ نفس کے خلاف جہاد ہے، خواہشاتِ نفس اور شیطانی ترغیبات کا مقابلہ ہے جو بار بار حملہ آور ہوتی ہیں۔ روزے سے انسان میں صبر کی عادت راسخ ہوتی ہے جس سے وہ کبھی محروم ہوتا ہے۔ جو خواہشات پیدا ہوں یا جو مصائب آئیں ان پر صبر کرنے کی مشق ہوتی ہے کیوں کہ لذیذ کھانے اس کے سامنے پک رہے ہوتے ہیں اور ان سے اٹھنے والی خوشبو سے اس کی بھوک چمک اٹھتی ہے اور ٹھنڈا میٹھا پانی نگاہوں کو مسحور کر دیتا ہے مگر روزہ دار ان سے باز رہتا ہے اور انہیں کھانے پینے کے لیے اللہ کی اجازت کا انتظار کرتا ہے۔

روزہ امانت کا درس دیتا ہے اور جلوت و خلوت ہر حال میں اللہ کے دیکھنے کا عقیدہ مستحکم کرتا ہے کیوں کہ روزہ دار کو عمدہ اور لذیذ کھانوں سے اس عقیدے کے علاوہ کوئی چیز نہیں روک سکتی کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔

روزے سے ارادہ مستحکم ہوتا ہے، عزم پختہ ہوتا ہے، صبر کی تعلیم ملتی ہے، ذہن کی

صفائی اور فکر کی بالیدگی حاصل ہوتی ہے اور روشن افکار کا الہام ہوتا ہے کیوں کہ روزہ دار سستی کے مرحلے سے دور اور اسے آرام طلبی اور کاہلی سے نفور ہوتا ہے۔ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا تھا، بیٹے، جب معدہ بھرا ہوا ہوتا ہے تو فکر سو جاتی ہے اور دانش گنگ ہو جاتی ہے اور اعضاء عبادت میں کاہلی کرنے لگتے ہیں۔

روزہ نظم و ضبط کی تعلیم دیتا ہے کیوں کہ روزہ روزہ دار کو محدود اور متعین اوقات میں کھانے پینے کا پابند کرتا ہے، روزہ مشرق و مغرب کے مسلمانوں میں عملی اتحاد کا شعور اجاگر کرتا ہے کہ وہ سب ایک ہی وقت روزہ رکھتے ہیں اور ایک ہی وقت افطار کرتے ہیں کیوں کہ ان کا رب ایک ہے اور ان کی عبادت ایک ہے۔

روزہ انسان میں رحم اور اخوت کے جذبات پیدا کرتا ہے، مسلمانوں میں باہمی تعاون کے احساس کو فروغ دیتا ہے جو مسلمانوں کے باہمی رابطے کا ذریعہ ہے۔ روزہ دار کو بھوک اور پیاس کا احساس دوسروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے پر آمادہ کرتا ہے، بھوک، افلاس اور بیماریوں کے خاتمے کے لیے کوششوں میں شریک ہونے پر ابھارتا ہے۔ لوگوں کے معاشرتی روابط کی مضبوطی کا باعث اور معاشرے میں پائی جانے والی بیماریوں کے علاج کے لیے تعاون کا ذریعہ ہے۔

روزہ انسان کے لیے حیات نو کا پیغام ہے، اس کے ذریعے انسانی خلیات نئی زندگی حاصل کرتے ہیں، فاسد مادے ختم ہوتے ہیں، معدے اور نظام ہضم کو آرام ملتا ہے، بدن کو پرہیز ماتی ہے اور نامناسب خوراک، فاسد فضلات اور بدبودار مادے اور رطوبتیں جو کھانے پینے کی اشیاء سے پیدا ہوتی ہیں ان سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے: روزہ رکھا کرو صحت مند رہو گے۔ (۴) عرب کے مشہور طبیب حارث بن کلدہ کا قول

ہے: معدہ بیماریوں کا گھر ہے اور پرہیز ہر دوائی کی جڑ ہے۔

روزے کے ذریعے آدمی اپنے نفس کے خلاف جہاد کرتا ہے اور دنیا کی آلائشوں اور گناہوں سے نجات حاصل کرتا ہے۔ شہوت اور خواہشات کا زور توڑتا ہے اور کھانے پینے کے معاملے میں نفس کو نظم و ضبط کا پابند بناتا ہے۔ کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: اے نوجوانوں کے گروہ، تم میں سے جو استطاعت رکھتا ہے وہ شادی کر لے کیوں کہ اس سے نگاہ نیچی اور شرم گاہ پاک رہتی ہے اور جو استطاعت نہیں رکھتا وہ روزے رکھے کیوں کہ یہ اس کے لیے ڈھال کا کام دیں گے۔ (۵) کمال بن الہمام (۶) کہتے ہیں روزہ اسلام کا تیسرا رکن ہے، پہلے دو ارکان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور نماز ہیں۔ اللہ نے متعدد فوائد کی وجہ سے روزہ فرض کیا، جن میں مندرجہ ذیل بہت اہم ہیں:

۱- روزے سے نفس امارہ (گناہوں پر ابھارنے والا) کو سکون ملتا ہے اور تمام اعضاء و جوارح یعنی آنکھ، زبان، کان اور شرم گاہ کی توجہ فضول باتوں سے ہٹ جاتی ہے کیوں کہ روزے کی وجہ سے محسوسات کے بارے میں اعضاء کی حرکت کمزور ہو جاتی ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جب نفس بھوکا ہوگا تو تمام اعضاء سیر ہوں گے اور جب نفس سیر ہوگا تو تمام اعضاء بھوکے ہوں گے۔

۲- روزے کی وجہ سے مساکین کے بارے میں رحم اور شفقت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ کیوں کہ جب آدمی کو تھوڑی دیر کے لیے بھوک کا مزا چکھنا پڑتا ہے تو اسے وہ لوگ یاد آتے ہیں جن کی ہر وقت یہی کیفیت ہوتی ہے، ان کے بارے میں دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں اللہ کے ہاں عمدہ جزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

۳- روزے میں فقراء کی موافقت کا پہلو ہے کہ جو مشقت وہ اٹھاتے ہیں وہی روزہ دار

اٹھاتا ہے اور اس سے روزہ دار کی حالت اللہ کے ہاں بلند ہوتی ہے۔

ایضاح میں ہے: روزہ دین کے سب سے بڑے ارکان میں سے ایک رکن اور شریعت کے قوانین میں سے مستحکم ترین قانون ہے۔ روزے سے گناہوں پر آمادہ کرنے والا نفس مغلوب ہوتا ہے۔ روزہ اعمال قلب کی سواری ہے۔ روزے میں آدمی دن کا اکثر حصہ کھانے، پینے اور جنسی تعلق سے رکا رہتا ہے جو عمدہ ترین عادات ہیں اور نفس پر بہت گراں گزرتی ہیں۔ (۷) اللہ تعالیٰ نے روزہ داروں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

ان المسلمین والمسلمات..... الخاشعین والخاشعات والمتصدقین

والمتصدقات والصائمین والصائمات (الاحزاب ۳۳:۳۵)

(مسلمان مرد اور عورتیں..... خشوع کرنے والے مرد اور عورتیں، صدقہ کرنے

والے مرد اور عورتیں، روزہ دار مرد اور عورتیں)

### مطلب دوم: رمضان اور لیلة القدر کی فضیلت:

رمضان تمام مہینوں کا سردار ہے، اس ماہ نزول قرآن کا آغاز ہوا، یہ اطاعت، نیکی، بھلائی اور احسان کا مہینہ ہے، مغفرت، رحمت اور اللہ کی رضا کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں لیلة القدر آتی ہے جو ایک ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ رمضان کی وجہ سے مومن اپنی دین اور دنیا کی بھلائی اور اصلاح میں مدد حاصل کرتا ہے۔ یہ ایسا وقت ہے جس میں دعائیں بکثرت قبول ہوتی ہیں۔ سنت نبویؐ میں بکثرت ایسی احادیث ہیں جن میں رمضان کی فضیلت اور ان دنوں میں روزے رکھنے کی فضیلت کا بیان ہے۔ مثلاً

۱- رمضان کا مہینہ تمام مہینوں کا سردار ہے اور جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار (۸) اگر لوگوں کو ماہ رمضان کی برکتوں کا علم ہو تو لوگ تمنا کریں کہ سارا سال رمضان رہا

کرے۔ (۹) طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کی آمد پر ایک روز ارشاد فرمایا: ”رمضان آ گیا، جو برکت کا مہینہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ تمہیں ڈھانپ لیتا ہے، اس کی رحمت نازل ہوتی ہے، گناہ جھڑ جاتے ہیں، دعائیں قبول ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ عبادت میں تمہاری مسابقت کو دیکھتا ہے تو اس پر فرشتوں کے سامنے فخر کا اظہار کرتا ہے، اللہ کو اپنے نفسوں کی بھلائی دکھاؤ، جو کوئی اس مہینے میں اللہ کی رحمت سے محروم ہو گیا وہی بد بخت ہے۔“

۲- ”جب رمضان شروع ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔“ (۱۰)

۳- ”اگر آدمی کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے تو پانچوں نمازیں، ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک کے اعمال گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔“ (۱۱)

۴- ”انسان کا ہر نیک عمل دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھتا ہے، ارشاد ربانی ہے کہ روزہ اس سے مستثنیٰ ہے، کیوں کہ یہ میرے لیے ہیں اور اس کا بدلہ میں خود دوں گا، انسان میری وجہ سے اپنی خواہشات اور کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے۔ روزے دار کو دو خوشیاں ہوتی ہیں ایک افطاری کے وقت اور دوسری جب وہ اپنے رب سے ملے گا۔ روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں مشک کی خوشبو سے زیادہ پیاری ہے۔“ (۱۲)

ترمذی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تمہارا رب کہتا ہے: ”ہر نیکی کا بدلہ دس گنا سے سات سو گنا تک ہے، البتہ روزہ میرے لیے ہے، میں خود اس کا بدلہ دوں گا، روزہ آگ سے ڈھال ہے۔“ (۱۳) روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کو مشک کی خوشبو سے



زیادہ پیاری ہے۔ اگر کوئی جاہل تم سے بد تمیزی کرے اور تم روزے سے ہو تو جواب میں کہا کرو، میرا روزہ ہے، میرا روزہ ہے۔“

۵۔ ”جس شخص نے رمضان میں ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔“ (۱۴) یعنی جس کسی نے رمضان کی راتوں میں جاگ کر تراویح پڑھی، ذکر، استغفار اور تلاوت میں مصروف رہا، ان اعمال پر اللہ کی طرف سے حسن جزا کا جو وعدہ ہے اس پر یقین رکھا اور آخرت کے ثواب کی صرف اللہ سے امید رکھی، اپنا عمل خلوص سے محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے کیا، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا تو حقوق العباد کے سوا اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ حقوق العباد ادا کرنے سے یا صاحب حق کے معاف کرنے سے معاف ہوتے ہیں۔

۶ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں شعبان کے آخری دن خطبہ دیا، فرمایا: ”لوگو، تم پر ایک بڑا بابرکت مہینہ سایہ فلکن ہو رہا ہے، ایسا مہینہ جس میں ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے، ایسا مہینہ جس میں روزے رکھنا فرض، رات کو نماز پڑھنا مستحب ہے۔ اس میں جو کوئی ایک بھلائی کرے گا گویا اس نے دوسرے ایام میں فرض ادا کیا، اور جو ایک فرض ادا کرے گا گویا اس نے دوسرے ایام میں ستر فرائض ادا کیے۔“

یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے، یہ ہمدردی کا مہینہ ہے، ایسا مہینہ جس میں مومن کے رزق میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جس کسی نے کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرایا، اس کے گناہ معاف ہوں گے اور اس کی گردن کو جہنم سے خلاصی ملے گی اور اسے روزہ دار جتنا ثواب ہوگا، جب کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

لوگوں نے کہا، یا رسول اللہ، ہم سب کے پاس تو اتنا کچھ نہیں ہوتا جس سے کسی کا روزہ افطار کرایا جاسکے۔ آپ نے فرمایا، یہ ثواب اس پر مل جاتا ہے کہ کسی کا ایک کھجور، ایک گلاس پانی یا ایک گھونٹ دودھ (۱۵) سے روزہ افطار کرا دیا جائے۔

یہ ایسا مہینہ ہے جس کا آغاز رحمت، درمیانی مدت مغفرت اور آخری حصہ دوزخ سے نجات ہے، اس مہینہ میں جو کوئی اپنے ملازم کے لیے آسانی کرے گا اللہ اس کے گناہ بخش دے گا اور اسے آگ سے نجات دے گا۔

اس مہینے میں چار کام بکثرت کیا کرو، دو کام ایسے ہیں کہ ان سے تم اپنے رب کو راضی کر سکتے ہو اور دو ایسے ہیں کہ تمہارے لیے ان کے بغیر چارہ کار نہیں، جن دو کاموں سے تم اپنے رب کو راضی کر سکتے ہو تو لا الہ الا اللہ کی گواہی دینا اور استغفار کرنا ہے اور جن دو کاموں کے بغیر چارہ کار نہیں وہ یہ ہیں کہ اللہ سے جنت مانگو اور دوزخ سے پناہ مانگو۔

جس نے کسی روزہ دار کو پانی پلایا اللہ تعالیٰ اسے میرے حوض سے ایسا پانی پلائے گا کہ جنت میں داخل ہونے تک اسے پیاس نہیں لگے گی۔ (۱۶)

لیلۃ القدر: لیلۃ القدر کو تلاش کرنا مستحب ہے کیوں کہ یہ بڑی برکت، عظمت اور فضیلت والی رات ہے، اس میں دعا کی قبولیت کی امید کی جاتی ہے، یہ تمام راتوں سے حتیٰ کہ شب جمعہ سے بھی افضل ہے۔ (۱۷) ارشاد ربانی ہے: لیلۃ القدر خیر من الف شہر (القدر ۹۷: ۳) لیلۃ القدر ایک ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ یعنی اس میں قیام کرنا اور اچھے اعمال کرنا دوسری راتوں کی بہ نسبت ایک ہزار ماہ کے عمل سے بھی زیادہ افضل ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے: ”جس کسی نے ایمان اور ثواب کی نیت سے لیلۃ القدر میں قیام کیا، اس کے پہلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔“ (۱۸) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رمضان کا

آخری عشرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ راتوں کو بیدار رہتے، گھر والوں کو جگاتے اور بیویوں سے الگ ہو جاتے۔ (۱۹) احمد اور مسلم میں ہے کہ آپؐ رمضان کے آخری عشرے میں اتنی محنت کرتے کہ اور کسی وقت اتنی محنت نہ کرتے۔

لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں کے ساتھ مختص ہے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو“۔ (۲۰)

علماء کے نزدیک راجح تر قول یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کی ستائیسویں رات ہے، ابی بن کعبؓ کہتے ہیں: ”کہ بخدا ابن مسعودؓ کو معلوم ہے کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہے اور رمضان کی ستائیسویں رات ہے لیکن انہوں نے بتانا مناسب نہیں سمجھا تا کہ تم سست نہ پڑ جاؤ“۔ (۲۱) حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لیلۃ القدر کے بارے میں فرمایا کہ یہ رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔ (۲۲) ابن عباسؓ کے اس قول سے اس رائے کو ترجیح ملتی ہے کہ سورۃ القدر کے تیس کلمات ہیں اور ”ہی“ ان میں سے ستائیسواں کلمہ ہے۔ (۲۳) ابن عمرؓ سے امام احمد نے صحیح سند سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جس کا متن ہے: جو کوئی لیلۃ القدر کو تلاش کرنا چاہے وہ اسے ستائیسویں رات میں تلاش کرے یا فرمایا: اسے ستائیسویں رات میں تلاش کرو۔

لیلۃ القدر کو مخفی رکھنے کی حکمت: اسے مخفی رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ لوگ اسے تلاش کرنے میں محنت کریں اور لیلۃ القدر کو پانے کے لیے زیادہ عبادت کریں، جیسا کہ جمعہ کے روز ”قبولیت کی گھڑی“ کو مخفی رکھا گیا اور اسماء الہی میں اسم اعظم کو مخفی رکھا گیا اور نیکیوں میں اس کی رضا مندی وغیرہ کو مخفی رکھا گیا۔

مستحب یہ ہے کہ لیلة القدر میں مومن نیہ دعا کرے ”اللہم انک عفو تحب العفو فاعف عنی (اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے، عفو کو پسند کرتا ہے، مجھے معاف فرما) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، اگر مجھے لیلة القدر مل جائے تو میں کیا کہوں؟ آپ نے فرمایا، کہو: اللہم انک عفو تحب العفو فاعف عنی۔ (۲۴)

لیلة القدر کی علامات: ان میں دو علامات مشہور ہیں جو حضرت ابی بن کعبؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہیں کہ اس سے اگلے روز کا سورج اس طرح نکلے گا کہ سفید ہو گا، اس کی شعاعیں نہیں ہوں گی۔ (۲۵) بعض احادیث میں ہے کہ ”تھال کی طرح سفید ہو گا“ نیز رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ لیلة القدر کی نشانی یہ ہے کہ یہ صاف شفاف رات ہے، چاند اس میں روشن ہوتا ہے، رات پر سکون ہوتی ہے، نہ ٹھنڈی نہ گرم، اس رات صبح تک ستارے ٹوٹنے کا واقعہ نہیں ہوتا۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اگلے روز کا سورج سیدھا نکلتا ہے، اس میں شعاع نہیں ہوتی بلکہ چودھویں کے چاند کی طرح ہوتا ہے، اس روز شیطان سورج کے ساتھ نمودار نہیں ہوتا۔ ابن خزیمہؒ نے ابن عباسؓ سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ لیلة القدر صاف شفاف ہوتی ہے، گرم نہ ٹھنڈی۔ اس دن صبح کے وقت سورج سرخ اور اس کی روشنی مدہم ہوتی ہے۔ احمدؒ نے عبادہؓ سے روایت کی ہے کہ اس رات نہ گرمی ہوتی ہے نہ ٹھنڈک، پرسکون، خاموش، اس رات چاند چمک دار ہوتا ہے۔ لیلة القدر کی نشانیوں کے بارے میں ابن ابی شیبہؒ نے جابر بن سمرہؓ سے، ابن خزیمہؒ نے جابر بن عبد اللہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے اور ابن ابی شیبہؒ نے ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہ سے روایات نقل کی ہیں۔ (۲۶)

## مطلب سوم: رمضان میں وقوع پذیر ہونے والے اہم تاریخی واقعات

رمضان کے اہم ترین واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی پچیس تاریخ کو قرآن حکیم نازل ہوا، پھر رمضان میں اتنے بڑے بڑے تاریخی واقعات رونما ہوتے رہے جن سے رمضان کی قدر و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ روزہ قوت، جہاد اور عمل کی علامت ہے نہ کہ کمزوری، تن آسانی، بیزاری اور سستی کی۔ مسلمان زندگی کے مسائل سے نبرد آزما رہتا ہے اور حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار۔ دینی ذمہ داری سے معاشی اور زندگی کی دوسری ذمہ داریاں سے غافل نہیں کرتی۔ دنیوی خواہشات اس کے عزم و حوصلے کو کمزور نہیں کرتی اور کھانے پینے کی خواہشات سے وہ مغلوب نہیں ہو جاتا۔ مسلمان کے لیے روا نہیں کہ وہ یہ کہے کہ روزے کی وجہ سے کام کاج معطل ہو جاتا ہے اور معاشرتی امور کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ اسلام کا راستہ معروف ہے اور وہ جہاد کا راستہ ہے، اللہ کے دین اور شریعت میں آسانی ہے تنگی نہیں۔

سفر اور لڑائی کے موقع پر روزہ چھوڑنے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ ترغیب دلائی اور بتایا کہ ان حالات میں روزے کی پابندی کرنے والے شدت پسند اور مبالغہ شعار ہیں، کیوں کہ جو روزہ چھوڑ دیتے ہیں وہ جہاد میں تمام تر ثواب سمیٹ لیتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر سب سے پہلے افطار کرتے ہوئے بیان فرمایا۔ جو ہم کہتے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ بڑے بڑے واقعات رمضان کے مہینے میں وقوع پذیر ہوئے، ہم ان میں سے صرف اہم واقعات کے تذکرے پر اکتفا کرتے ہوئے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اللہ کی مدد نفوس کی طہارت، صفائی، بلندی اور مادی آلودگیوں سے پاکی سے وابستہ ہے اور رمضان کے دنوں میں برکت نازل ہوتی ہے، اس میں بھلائی، مدد

اور فضل خداوندی شامل حال رہتا ہے، جب دل خالق ارض و سماء کی طرف متوجہ ہوں، ارشاد ربانی ہے: وما النصر الا من عند الله (آل عمران ۳: ۱۲۶) مدد صرف اللہ کی طرف سے آتی ہے۔

۱- معرکہ بدر کبریٰ: یہ دن یوم فرقان کے نام سے مشہور ہے، جس میں اللہ رب العزت نے حق و باطل کے درمیان فرق کر کے اسلام کو فتح مند کیا، اسلام جو توحید، فکر، عمدہ زندگی اور صحیح اخلاق کی علامت ہے شرک اور بت پرستی کو شکست دی جو 'پس ماندگی' کوتاہ نظری، تنگی اور انسانی شرافت کی بے حرمتی کی علامت ہے۔ معرکہ بدر ۲ ہجری میں ۱۷ رمضان کو جمعہ کے روز ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ولقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلة ، فتقوا اللہ لعلکم تشکرون (آل عمران ۳: ۱۲۳) اللہ تعالیٰ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب کہ تم کمزور تھے، پس اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم اس کا شکر کرو۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ۱۷ رمضان کو جمعہ کا دن تھا۔ اس روز اس امت کا فرعون ابو جہل جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا قتل ہوا۔

۲- فتح مکہ: یہ سب سے بڑی فتح تھی جسے قرآن نے کہا ہے: انا فتحنا لک فتحاً میناً (الفح ۱: ۲۸) ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی۔ ۲۰ یا ۲۱ رمضان ۸ھ جمعہ کے روز مکہ فتح ہوا۔ اس کے ذریعے بت پرستی کی رسم بد کا خاتمہ ہوا۔ کعبہ کے ارد گرد سے بت گرا دیئے گئے۔ رمضان ۵ ہجری میں مسلمانوں نے غزوہ خندق کی تیاری کی جو اسی سال شوال کے مہینے میں ہوا۔

۳- غزوہ تبوک کے بعض واقعات رمضان ۹ ہجری میں ہوئے، رمضان میں ہی قادسیہ، بویب اور رودس کے معرکے ہوئے۔

۴- یمن میں اسلام رمضان ۱۰ ہجری میں پھیلا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کی سرکردگی میں ایک سریہ یمن کی طرف بھیجا اور ان کو اہل یمن کے نام ایک خط بھی دیا۔

۵- ۸ھ کے رمضان کے پانچ دن باقی تھے جب خالد بن ولید نے نخلہ میں وہ مکان گرا دیا جس میں عزی بت کی پرستش کی جاتی تھی۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، یہ عزی ہے اس کی کبھی عبادت نہیں ہوگی۔ (۲۷) رسول اللہ ﷺ نے دیگر بت خانوں کے انہدام کے لیے بھی افراد بھیجے۔

۶- ۹ھ کے رمضان میں طائف سے ثقیف کا وفد اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ آیا اور اسی رمضان میں لات بت کو توڑا گیا جس کی بنو ثقیف پوجا کرتے تھے۔ (۲۸)

۷- ۲۵ رمضان ۴۷۹ھ جمعہ کی صبح کو زلا قہ کا معرکہ پیش آیا (زلا قہ موجودہ پرتگال کے قریب واقع ہے) جسے یوم العروبة والا سلام کہا جاتا ہے جس میں یوسف بن تاشفین کی قیادت میں اندلس کے مرا بطین مسلمانوں کے لشکر کو قشتالہ کے بادشاہ الفونس ششم کے مقابلے میں ۱۶۲۷ء فتح ہوئی اور عیسائیوں کی فوج کے اسی ہزار افراد مارے گئے۔

۸- معرکہ عین جالوت (بیسان اور نابلس کے درمیان ایک قصبہ ہے): ۱۵ رمضان ۶۵۸ھ ۳ ستمبر ۱۲۶۰ عیسوی جمعہ کی صبح والی مصر سلطان قطز سلطان ممالیک کی قیادت میں مغلوں (تاتاریوں) کے مقابلے میں مسلمانوں کو فتح ہوئی جب کہ سلطان نے جنگ کا آغاز ”واسلاماہ“ کے بلند نعرے سے کیا اور مغل شکست کھا کر اس طرح بھاگے کہ انہوں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ (۲۹) اس معرکہ کے بعد مصر اور شام کا اتحاد ہو گیا (۳۰) اور اسلام اور مسلمان مغلوں کے حملوں سے محفوظ ہو گئے۔ سلطان صلاح الدین نے بھی

عیسائیوں کے خلاف اپنے معرکوں کا آغاز رمضان میں کیا۔

۹- فتح اندلس: فتح اندلس کا ابتدائی معرکہ ”طریف“ رمضان میں ہوا، زلاقیہ کا معرکہ بھی رمضان میں ہوا۔ اندلس طارق بن زیاد کی قیادت میں ۲۸ رمضان ۹۲ھ ۱۹ جولائی ۷۱۱ء کو فتح ہوا، جب کہ قوط قوم کا قائد راڈرک بجیرہ کے خونیں معرکہ کے بعد شکست کھا گیا اور طارق بن زیاد نے جبل طارق کی گھاٹی پر کھڑے ہو کر، اپنی کشتیاں جلا کر یہ مشہور جملہ کہا تھا: ”تمہارے پیچھے سمندر اور سامنے دشمن ہے۔ اس معرکہ کے بعد قرطبہ، غرناطہ اور اندلس کا سیاسی دارالحکومت طلیطلہ ایک ایک کر کے فتح ہوتے گئے۔ (۳۱)

دور حاضر میں مسلمانوں نے اپنی سر زمین کو عیسائیوں کی دسیسہ کاریوں سے پاک کرنے کے لیے ۱۰ رمضان ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء کو ان سے جنگ کی جسے معرکہ عبور کہتے ہیں جس میں مصری مسلح افواج نے نہر سویز کے مغربی کنارے کو عبور کر کے مشرقی کنارے پر قبضہ کر لیا، جب کہ ۵ جون ۱۹۶۷ء سے لے کر تقریباً سات سال تک یہ علاقہ یہودیوں کے قبضے میں رہا۔ ۱۰ رمضان کو شام کی مسلح افواج بجیرہ طبریہ کے کنارے پر پہنچ گئیں اور اپریل ۱۹۶۸ء میں رمضان کے مہینے میں فلسطینیوں نے معرکہ کرامہ میں اپنے یہودی دشمنوں کو وہ سبق سکھایا جسے وہ کبھی نہیں بھول سکتا حالانکہ فلسطینی تعداد میں کم تھے اور ان کا دشمن جنگی اہمیت کے مورچوں پر قابض تھا۔

بحث دوم: روزے کی فرضیت اور اس کی اقسام:

روزے کی فرضیت اور اس کی تاریخ: رمضان کے مہینے کے روزے رکھنا اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے اور فرائض میں سے ایک فرض۔ (۳۲) اس کے لیے قرآن، سنت اور اجماع کے دلائل موجود ہیں۔



قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے: یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعکم تتقون (البقرہ ۲: ۱۸۳)..... فمن شهد منکم الشهر فلیصمه (البقرہ ۲: ۱۸۵) (اے ایمان والو، تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو..... پس تم میں سے جو کوئی رمضان کا مہنہ پائے تو روزے رکھے)

رہا سنت سے استدلال تو ارشاد نبویؐ ہے: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس امر کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور جس کو استطاعت ہو اس کے لیے بیت اللہ کا حج کرنا۔ (۳۳) طلحہ بنی عبید اللہ کہتے ہیں کہ پراگندہ بال شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے پوچھا، یا رسول اللہ، اللہ نے مجھ پر کتنے روزے فرض کیے ہیں؟ آپ نے فرمایا، ماہ رمضان کے، اس نے کہا، کیا اس کے علاوہ بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا، نہیں، ہاں تو چاہے تو نفل روزے رکھ سکتا ہے۔ اس نے پوچھا، اللہ نے مجھ پر کتنی زکوٰۃ فرض کی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اسے اسلام کے شرعی احکام سے آگاہ کیا، اس نے کہا، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو عزت سے نوازا، میں نفلی عبادت بالکل نہیں کروں گا اور جو اللہ نے فرض کیا، اس میں کوتاہی نہیں کروں گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر اس نے سچ کہا تو کامیاب ہو گیا، یا جنت میں داخل ہو گیا۔ (۳۴)

نیز مسلمانوں کا اجماع ہے کہ رمضان کے روزے فرض ہیں۔

اس پر اجماع ہے کہ رمضان کے روزے ۱۰ شعبان ۲ ہجری کو تحویل قبلہ کے حکم کے بعد، ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد فرض ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے نو سالوں میں نو رمضانوں

کے روزے رکھے اور آپؐ نے ربیع الاول ۱۱ ہجری میں وصال فرمایا۔ (۳۵)

رمضان کے روزوں کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہے، اس کے ساتھ مرتد کا سا سلوک کرنا چاہیے، اسے توبہ کی تلقین کرنی چاہیے۔ اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے ورنہ اگر نیا مسلمان نہ ہو یا علماء سے دور رہ کر اس کی پرورش نہ ہوئی ہو تو اس پر سزائے حد نافذ کر کے قتل کر دیا جائے البتہ جو شخص سستی کی وجہ سے روزے نہ رکھے لیکن روزوں کے وجوب کا منکر نہ ہو تو وہ فاسق ہے کافر نہیں۔

روزے کی اقسام:

روزے کی کئی قسمیں ہیں: واجب، نفل، حرام اور مکروہ (۳۶)

حنفیہ کے نزدیک روزے کی آٹھ قسمیں ہیں: فرض معین جیسے رمضان کے ادا روزے، فرض غیر معین جیسے رمضان کے قضا روزے اور کفارے کے روزے، واجب معین جیسے متعین نذر کے روزے، واجب غیر معین جیسے غیر متعین نذر کے روزے، نفل مسنون جیسے نو، دس محرم کے روزے اور نفل مندوب یا مستحب جیسے ہر ماہ قمری ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تاریخوں کے روزے۔ مکروہ تحریمی جیسے عیدین کے روزے اور مکروہ تنزیہی جیسے عاشورا کا اکیلا روزہ اور ہفتے کا اکیلا روزہ اور فیروز و مہر جان کے روزے۔

پہلی قسم: واجب:

اس کی تین قسمیں ہیں، ایک وہ جو کسی متعین وقت میں واجب ہیں جیسے رمضان کے روزے، دوسرے وہ جو کسی سبب سے واجب ہیں جیسے کفارے کے روزے اور تیسرے وہ جو انسان کے خود اپنے اوپر واجب کرنے سے واجب ہیں جیسے نذر کے روزے۔

حنفیہ کے نزدیک لازمی روزوں کی دو قسمیں ہیں: فرض اور واجب۔ فرض کی دو

قسمیں ہیں: معین، جیسے رمضان کے ادا روزے اور غیر معین جیسے رمضان کے قضا روزے اور کفارے کے روزے لیکن مؤخر الذکر قسم عملاً فرض ہیں اعتقاداً نہیں، اس لیے ان کا منکر کافر نہیں ہوتا۔

واجب کی بھی دو قسمیں ہیں: معین جیسے معین نذر اور غیر معین جیسے مطلق روزے رکھنے کی منت ماننا یا نفل روزہ توڑ دیا ہو تو اس کی قضا واجب ہے۔

**دوسری قسم: حرام روزہ:** جو جمہور کے نزدیک حرام اور حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ اس کی درج ذیل اقسام ہیں:

۱- شوہر کی اجازت یا اس کی رضا مندی کے علم کے بغیر عورت کا نفل روزہ رکھنا، البتہ اگر شوہر کو اس کی ضرورت نہ ہو مثلاً شوہر موجود نہ ہو یا حج یا عمرے کے احرام میں ہو یا اعتکاف میں ہو تو بیوی کے لیے نفل روزے بلا اجازت رکھنا جائز ہے۔ صحیحین میں روایت ہے: ”کسی عورت کے لیے شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا جائز نہیں جب کہ شوہر موجود ہو“۔

کیوں کہ شوہر کا حق فرض ہے، نفل کی وجہ سے اسے چھوڑ دینا جائز نہیں۔ اگر بیوی نے شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھ لیا تو روزہ صحیح ہو جائے گا، اگرچہ ایسا کرنا حرام ہے جیسا کہ غصب شدہ زمین پر نماز پڑھنا۔ شوہر کو یہ حق ہے کہ بیوی کا روزہ ٹڑوا دے تاکہ اس کے حقوق ادا کر سکے اور اس کی ضرورت پوری کر سکے۔ حنفیہ کے نزدیک ایسا روزہ مکروہ تنزیہی ہے۔

۲- شک کے دن کا روزہ: یہ تیس شعبان کا روزہ ہے، جب کہ لوگوں کو شک ہو کہ یہ دن رمضان کا ہے یا نہیں۔ فقہاء نے اس مفہوم کو ادا کرنے میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں

وہ قریب قریب ایک جیسے ہیں البتہ اس کے حکم میں ان کے درمیان اختلاف رائے ہے، البتہ اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر کسی شخص کی عادت ہے کہ وہ کسی دن مثلاً پیر یا جمعرات کو نفل روزہ رکھتا ہے اور اتفاق سے اسی روز تیس شعبان ہو تو اس کے لیے روزہ رکھنا بلا کراہت جائز ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں (۳۷) کہ اگر تیس شعبان کے بارے میں موسم ابرآلود ہونے کے باعث شک ہو کہ یہ رمضان کا دن ہے یا شعبان کا، تب یہ شک کا دن ہوگا اور اگر آسمان صاف تھا اور کسی نے چاند نہیں دیکھا تو یہ شک کا دن نہیں ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اگر رمضان کے روزے کی یا اور کسی واجب روزے کی نیت کی تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔ نیز رمضان شروع ہونے سے ایک یا دو دن پہلے روزے رکھنا بھی مکروہ ہے کیوں کہ حدیث میں ہے: رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزے نہ رکھو، ہاں اگر کسی شخص کی اس روز روزہ رکھنے کی عادت ہو تو اس کے لیے جائز ہے۔ (۳۸) اس روز روزہ رکھنا مکروہ ہے، ہاں اگر کسی مسلمان کا اس روز روزہ رکھنے کا معمول ہے تو اس کے لیے جائز ہے۔ ورنہ اس سے رمضان کے روزوں پر اضافہ کا اندیشہ پیدا ہوتا ہے۔ قطعی نفل روزے کی نیت سے اس روز روزہ رکھنا جائز ہے بشرطیکہ نیت میں یہ تردد نہ ہو کہ یہ نفل ہے یا کوئی اور روزہ۔ پس شک کے دن صرف نفل روزہ رکھنا جائز ہے۔

مالکیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ (۳۹) شک کا دن شعبان کی تیس تاریخ ہے بشرطیکہ اس سے پہلی رات آسمان پر بادل ہوں اور رمضان کا چاند نظر نہ آئے۔ اگر آسمان صاف ہو اور چاند نظر نہ آئے تو شک کا دن نہیں ہے۔ کیوں کہ اگر رمضان کے چاند نظر آنے کا ثبوت نہیں تو وہ دن یقینی طور پر شعبان کا ہے، جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے۔

دردیر اور دسوتی وغیرہ کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ تیس شعبان کی صبح شک کا دن ہے آسمان خواہ صاف ہوا ہو یا ابر آلود لیکن چاند ایسے افراد نے دیکھا ہو جن کی گواہی قبول نہیں کی جاتی مثلاً غلام، عورت یا فاسق، اور اگر آسمان پر بادل ہوئے ہوں تو وہ قطعی طور پر شعبان کا دن ہے کیوں کہ صحیحین کی حدیث میں ہے: ”اگر بادل ہوں تو شعبان کے تیس دن پورے کرو“۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اس روز کو رمضان کا سمجھتے ہوئے احتیاطاً روزہ رکھنا مکروہ ہے اور اگر روزہ رکھ لیا تو وہ رمضان کا روزہ نہیں ہوگا۔ اگر کسی شخص نے صبح سے کھایا پیا کچھ نہیں تھا حتیٰ کہ معلوم ہوا کہ آج رمضان ہے تو روزہ رکھنے سے رمضان کا روزہ نہیں ہوگا۔ البتہ اگر کوئی کبھی کبھی نفل روزہ رکھنے کا عادی ہے یا اس روز روزہ رکھنا اس کا معمول ہے مثلاً جمعرات کا دن ہے اور وہ اتفاق سے شک کا دن (تیس شعبان) بھی ہے تو اس کے لیے روزہ رکھنا اس طرح جائز ہے جیسا کہ اس روز نفل روزہ رکھنا اور پچھلے رمضان کا قضا روزہ رکھنا یا قسم وغیرہ کے کفارے کا روزہ رکھنا یا متعین نذر کا روزہ رکھنا یا کسی کے آنے پر روزہ رکھنے کی منت مانی ہو اور اس روز اس منت کا روزہ رکھنا جائز ہے۔ مستحب یہ ہے کہ شک کے روز کھانے پینے سے رکا رہے تا آنکہ حقیقت حال معلوم ہو جائے۔ اگر معلوم ہو کہ رمضان شروع ہو گیا ہے تو رمضان کے احترام میں سارا دن کھانے پینے سے رکا رہے اور اگر رمضان نہ شروع ہوا ہو تو چاہے رکا رہے چاہے کھاپی لے۔

شافعیہ کے نزدیک (۴۰) شک کا دن تیس شعبان کا دن ہے جب کہ آسمان صاف ہو اور لوگ یہ ذکر کرتے ہوں کہ چاند نظر آ گیا لیکن معلوم نہ ہو کہ کس نے دیکھا ہے اور کسی نے چاند نظر آنے کی گواہی نہ دی ہو یا بچوں یا غلاموں یا فساق یا عورتوں نے گواہی دی ہو

اور ان کے سچا ہونے کا گمان ہو یا ایک عادل شخص نے گواہی دی ہو لیکن وہ ناکافی ہو۔ اگر آسمان پر بادل ہوں تو وہ شک کا دن نہیں ہے یا کسی شخص نے چاند نظر آنے کا تذکرہ نہ کیا ہو تب بھی شک نہیں بلکہ وہ دن یقیناً شعبان کا دن ہے، خواہ بادل گھرے ہوئے ہوں کیوں کہ صحیحین کی حدیث میں ہے: ”اگر بادل ہوں تو شعبان کے تیس دن پورے کرو“۔

اس کا حکم یہ ہے کہ شک کے دن روزہ رکھنا درست نہیں بلکہ حرام ہے کیوں کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کی روایت ہے کہ ”جس کسی نے شک کے دن روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی“ (۴۱) اس روز روزہ رکھنے کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ رمضان کے روزے رکھنے پر قوت رہے، رمضان کے مہینے کا کیلنڈر درست رہے اور لوگوں کے ساتھ اجتماعی عبادت میں شرکت میں یکسانی ہو، اس پر اضافہ نہ ہو۔ رمضان شروع ہونے سے پہلے ایک دو روز کے روزے رکھنا بھی حرام ہیں۔ راجح رائے یہ ہے کہ شک کے دن کھانے پینے سے رکا رہے۔ پھر اگر ثابت ہو گیا کہ رمضان ہے تو سارا دن کھانے پینے سے رکا رہے کیوں کہ اس روز کا روزہ اس پر واجب ہے، اگرچہ اسے اس روز کا علم نہیں۔

شک کے دن قضا، نذر اور کفارے کا روزہ رکھنا جائز ہے، اس طرح اگر کسی کی اس دن روزہ رکھنے کی عادت ہے تو اس کے لیے بھی جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ایسا سبب موجود ہے جو روزے کا تقاضا کرتا ہے اور روزہ دار اپنی ذمہ داری جلدی پوری کرنا چاہتا ہے تو عادت کے علاوہ بھی روزہ رکھا جا سکتا ہے اور معمول کے روزے کے بارے میں حدیث میں اجازت ہے کہ ”اگر اس روز کسی کا روزہ رکھنے کا معمول ہے تو وہ روزہ رکھ لے“۔ اگر شک کے دن کسی نے صبح کچھ کھا پی لیا، بعد میں معلوم ہوا کہ رمضان شروع ہو گیا ہے تو سارا دن کھانے پینے سے رکا رہے اور رمضان کے بعد فوراً قضا کرے۔ اگر کسی

نے تردد میں روزہ رکھا کہ اگر رمضان شروع ہو گیا تو رمضان کا روزہ ہے ورنہ شعبان کا نفل، تو نہ فرض روزہ ہو گا نہ نفل، خواہ رمضان شروع ہوا ہو۔

حنابلہ کے نزدیک (۴۲) شک کا دن تیس شعبان ہے، جب کہ بادل یا گرد و غبار نہ ہو بلکہ آسمان صاف ہو اور چاند نظر نہ آیا ہو یا ایسے لوگوں نے چاند نظر آنے کی گواہی دی ہو جن کی گواہی فسق وغیرہ کی وجہ سے رد کر دی گئی ہو، حنابلہ یوم شک کی تعیین میں شافعیہ سے ہم آہنگ ہیں۔

ان کے نزدیک یوم شک کا حکم وہی ہے جو مالکیہ کے ہاں ہے کہ اسی روز احتیاطاً رمضان کے روزے کی نیت سے روزہ رکھا جا سکتا ہے جو مکروہ ہونے کے باوجود درست ہے۔ اگر معلوم ہو جائے کہ رمضان ہے تو تب بھی رمضان کا روزہ شمار نہیں ہوگا، اگر کسی شخص کی اس روز روزہ رکھنے کی عادت تھی یا پچھلے روزوں کے ساتھ ملا کر یوم شک کا روزہ رکھ رہا ہے تو اس میں کراہت نہیں ہے کیوں کہ حدیث میں ہے: ”رمضان سے ایک دو دن پہلے روزے نہ رکھو ہاں اگر کسی کا معمول ان دنوں میں روزے رکھنے کا ہو تو اس کے لیے درست ہے۔“ اگر اس دن قضا، نذر یا کفارے کا روزہ رکھے تو اس میں کوئی کراہت نہیں کیوں کہ یہ واجب روزے ہیں۔ اگر کسی نے اپنے معمول کے مطابق روزہ رکھا، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ رمضان کا دن تھا تو رمضان کا روزہ نہیں ہوگا۔ اس روز کھانے پینے سے باز رہے اور بعد میں قضا کرے۔ خلاصہ یہ کہ شک کے دن کا روزہ جمہور کے نزدیک مکروہ اور شافعیہ کے نزدیک حرام ہے۔

۳- عید الفطر، عید الاضحیٰ اور اس کے بعد ایام تشریق کے روزے: حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہیں اور جمہور کے نزدیک حرام ہیں، درست نہیں۔ (۴۳) خواہ ان دنوں

میں فرض روزے رکھے یا نفل اگر ان دنوں میں روزے رکھنے کا ارادہ کیا تو گنہ گار ہو گا اور فرض روزے ادا نہیں ہوں گے کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: ”رسول اللہ ﷺ نے دو دن، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے روزے رکھنے سے منع فرمایا“۔ (۴۴) حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہاء کے نزدیک بھی کا تقاضا یہ ہے کہ جس بات سے روکا گیا ہو وہ حرام اور فاسد ہو۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”منیٰ کے ایام کھانے پینے اور ذکر اللہ کے ایام ہیں“۔ مالکیہ کے نزدیک عید الاضحیٰ کے بعد دو دن روزہ رکھنا حرام ہے، جمہور کے نزدیک تین دن، مالکیہ کے نزدیک عید کے بعد تیسرے دن کا روزہ صرف مکروہ ہے۔ شافعیہ کے نزدیک عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے روزے حرام ہیں، خواہ روزے رکھنے والا حج تمتع، یعنی الگ الگ احرام سے حج اور عمرہ ادا کر رہا ہو، کیوں کہ ان دنوں کے روزوں سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ ابو داؤد نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔ جمہور (حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ) کے نزدیک حج تمتع اور قرآن، یعنی ایک احرام سے حج اور عمرہ ادا کرنا، کرنے والے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، ان کے لیے روزہ رکھنا جائز ہے کیوں کہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ: ”ایام تشریق میں روزے رکھنے کی اجازت نہیں، ہاں اگر کسی کو ہدی (حج کے موقع پر قربانی کا جانور) میسر نہیں ہے تو اس کے لیے جائز ہے“۔ (۴۵)

۴- حیض و نفاس والی عورت کے لیے روزہ رکھنا حرام ہے، درست نہیں، اگر رکھے تو روزہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حیض و نفاس کی بحث میں اس کا بیان گزر چکا۔ ایسی عورتوں پر روزے کی قضا ہے نماز کی نہیں۔

۵- شافعیہ کے نزدیک شعبان کے نصف اخیر میں یوم شک کے سمیت روزے رکھنا حرام ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص ہمیشہ روزے رکھتا ہو یا ایک دن روزہ رکھتا ہو اور ایک دن



افطار کرتا ہو یا کسی متعین دن مثلاً پیر کو روزہ رکھنے کا عادی ہو اور وہ دن شعبان کے نصف اخیر میں آجائے یا اس نے متعین دنوں کے روزے رکھنے کی منت مانی ہو یا کسی نفل یا فرض روزے کی قضا ہو یا کفارے کے روزے ہوں یا پہلے سے روزے رکھتا چلا آ رہا ہے اور نصف شعبان کے بعد کے دن ان کے ساتھ شامل ہو گئے ہوں تو جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے: ”جب شعبان نصف ہو جائے تو روزے نہ رکھو“۔ (۳۶) حنابلہ وغیرہ نے اس حدیث سے استدلال نہیں کیا، کیوں کہ امام احمد کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔

۶۔ جس شخص کو روزہ رکھ کر ہلاک ہو جانے کا خوف ہو اس کے لیے روزہ رکھنا جائز نہیں۔

### تیسری قسم: مکروہ روزہ:

مثلاً ہمیشہ روزہ رکھنا۔ (۳۷) صرف جمعہ کے دن یا صرف ہفتہ کے روز یا شک کے دن یا رمضان سے ایک دو دن پہلے روزے رکھنا جمہور فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے۔ آخری دو قسم کے روزے شافعیہ کے نزدیک حرام ہیں۔ مالکیہ کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھنا یا صرف جمعہ کا روزہ رکھنا مکروہ نہیں۔ مالکیہ کے سوا دوسرے فقہاء کے نزدیک ان دونوں میں روزہ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ مکروہ روزے کی تفصیلات میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں:

حنفیہ کہتے ہیں (۳۸) مکروہ روزے کی دو قسمیں ہیں: مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی۔ مکروہ تحریمی عیدین، ایام تشریق اور شک کے دن کا روزہ ہے کیوں کہ ان روزوں کے بارے میں ممانعت آئی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اگر کسی نے ان ایام میں روزہ رکھ لیا تو اس کا روزہ ہو جائے گا لیکن گناہ ہوگا۔ اگر کسی نے ان دنوں میں روزہ شروع کر کے توڑ دیا تو اس پر قضا واجب نہیں ہے۔ کیوں کہ حنفیہ کے نزدیک اصول فقہ کا مسئلہ یہ

ہے کہ اگر کسی عمل کے کسی وصف کی وجہ سے اس عمل کی ممانعت ہو تو یہی کا تعلق صرف وصف سے ہوتا ہے۔ اصل عمل اپنے شرعی حکم پر باقی رہتا ہے۔

مکروہ تنزیہی صرف دس محرم کا روزہ رکھنا ہے، اس کے ساتھ نو یا گیارہ محرم کا روزہ شامل نہ کرنا، بعض فقہاء کے نزدیک صرف جمعہ کا روزہ، ہفتہ کا روزہ، نیروز (بہار کا آغاز) مہرجان (خزاں کا آغاز) کا روزہ رکھنا، ہاں اگر معمول کا روزہ اس دن آ جائے تو مکروہ نہیں ہے۔ کراہت کی علت ختم ہو جائے گی۔ صرف جمعہ کا روزہ اس لیے مکروہ ہے کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”صرف جمعہ کی رات کو قیام کے لیے اور جمعہ کے دن کو روزے کے لیے مختص نہ کرو، ہاں اگر روزوں کے دوران یہ دن آ جائے تو کوئی حرج نہیں“۔ (۴۹) ہفتے کے دن کے بارے میں ارشاد نبویؐ ہے کہ: ”فرض روزے کے سوا ہفتے کے دن روزہ نہ رکھو، اگر اور کچھ نہ ملے تو انگور کا خوشہ یا درخت کی ٹہنی ہی چبا لو“۔ (۵۰) نیروز اور مہرجان ایسے دن ہیں کہ ان کی تعظیم سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔

ہمیشہ روزہ رکھنا بھی مکروہ تنزیہی ہے کیوں کہ اس سے آدمی کمزور ہو جاتا ہے۔ نیز حدیث میں ہے: ”جس نے ہمیشہ روزہ رکھا، اس کا روزہ نہیں ہے“۔ (۵۱) چپ رہنے کا روزہ رکھنا مکروہ ہے یعنی روزہ رکھے اور کوئی بات نہ کرے بلکہ روزے کی حالت میں اچھی باتیں کرے اور جس بات کی ضرورت ہو وہ کرے۔ افطاری کے بغیر روزہ رکھنا مکروہ ہے، خواہ دو دن کا ہی ہو، یعنی ایسا نہ کرے کہ غروب کے بعد بالکل کچھ نہ کھائے اور دوسرے دن کا روزہ متصلاً شروع کر دے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ”بغیر افطاری کے مسلسل روزہ نہ رکھو“۔ (۵۲) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ: ”رسول اللہ ﷺ نے شفقت کے طور پر لوگوں کو مسلسل روزہ رکھنے سے منع فرمایا، جب آپؐ سے پوچھا

گیا کہ آپ خود تو مسلسل روزہ رکھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (۵۳)

اگر مسافر کو روزے کی مشقت ہو اس کے لیے روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ عورت شوہر کی رضا مندی کے بغیر روزہ رکھے تو مکروہ ہے، شوہر کو یہ حق ہے کہ بیوی کو افطار کرا دے تاکہ اس کے حقوق ادا کر سکے اور اس کی ضرورت پوری کر سکے۔ ہاں اگر شوہر بیمار ہو یا روزہ دار ہو یا حج یا عمرے کا احرام باندھے ہوئے ہو تو عورت کے لیے شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا جائز ہے۔

مالکیہ کی رائے (۵۴): علامہ خلیل کہتے ہیں، ہمیشہ روزہ رکھنا مستحب ہے، مکروہ نہیں کیوں کہ اس امر پر اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص ہمیشہ روزہ رکھنے کی منت مانے تو اسے پورا کرنا ضروری ہے، اگر یہ روزہ مکروہ یا ممنوع ہوتا تو فقہی قاعدے کی رو سے اسے پورا کرنا ضروری نہ ہوتا۔ جمعہ کا روزہ رکھنا بھی مستحب ہے، مکروہ نہیں، کیوں کہ ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ کہیں جمعہ کا روزہ فرض نہ ہو جائے اور رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد اس امر کا کوئی امکان نہیں کہ اب کوئی روزہ فرض ہو جائے۔ ابن جزئی کے بقول: ہمیشہ کا روزہ، بالخصوص جمعہ کا روزہ، جب کہ اس سے پہلے یا بعد کوئی روزہ نہ رکھا جائے، بالخصوص ہفتے کا روزہ، عرفات میں عرفہ کا روزہ اور شک کے دن کا روزہ مکروہ ہیں۔ شک کے دن سے مراد شعبان کی تیس تاریخ ہے جب کہ چاند نظر نہ آیا ہو اور احتیاطاً روزہ رکھا جائے، عید الاضحیٰ کے چوتھے دن کا روزہ بھی مکروہ ہے، البتہ حج قرآن یا تمتع کرنے والا ہدیٰ کی بجائے روزہ رکھ رہا ہو تو اس کے لیے مکروہ نہیں کیوں کہ اگر روزے نہیں رکھے گا تو اس کے حج میں کمی آ جائے گی۔ یا کسی نے منت مانی ہو یا کفارے کے روزے رکھ رہا ہو تب بھی مکروہ نہیں۔

اگر کسی پر قضا روزے واجب ہیں تو اس کے لیے نفل روزے رکھنا مکروہ ہیں، مہمان کے لیے میزبان کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا ممنوع ہے اور رسول اللہ ﷺ کے یوم ولادت پر روزہ رکھنا مکروہ ہے کیوں کہ یہ دن عید کے مشابہ ہے۔

ایک دن مقرر کر کے ہر ہفتے اس کا روزہ رکھنے کی منت ماننا مکروہ ہے جیسے ہر جمعرات کو روزہ رکھنے کی منت کیوں کہ ہمیشہ ایک مقرر دن روزہ رکھنے کی پابندی مشقت اور ندامت سے دو چار کر دیتی ہے۔ جس کے نتیجے میں عبادت غیر عبادت کے قریب تر ہو جاتی ہے۔ کسی غیر متعین واجب سے پہلے نفل روزہ رکھنا مکروہ ہے مثلاً رمضان کے قضا روزے یا کفارے کے روزوں سے پہلے۔ معین واجب سے پہلے نفل روزہ رکھنا مکروہ نہیں ہے۔ ہر مہینے ایام بیض (قمری تیرہ چودہ، پندرہ تاریخ) کے روزے رکھنے کی پابندی کرنا مکروہ ہے تاکہ تحدید سے بچا جاسکے۔ شوال کے چھ روزے عید کے فوراً بعد رکھنا اور ان کا اظہار کرنا مکروہ ہے۔ اگر الگ الگ کر کے رکھے یا کچھ دیر سے رکھے یا لوگوں سے مخفی رکھ کر رکھے تو مکروہ نہیں ہے کیوں کہ اس صورت میں ان کے وجوب کا اعتقاد پیدا نہیں ہوتا۔

شافعیہ کہتے ہیں (۵۵) صرف جمعہ کا یا صرف ہفتے یا صرف اتوار کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ عیدین اور ایام تشریق کے علاوہ ہمیشہ روزہ رکھنا اس شخص کے لیے مکروہ ہے جسے یہ اندیشہ ہو کہ اس سے نقصان ہو گا یا واجب یا مستحب حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہو گی، کیوں کہ اوپر مذکور احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ نیز بخاری کی حدیث میں ہے: ”تمہارے رب کا تم پر حق ہے اور تمہارے گھر والوں کا تم پر حق ہے، تمہارے بدن کا تم پر حق ہے“۔ اور صحیحین میں اس حدیث کا یہی مفہوم بتایا گیا ہے کہ ”جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اس کا روزہ نہیں ہوتا“۔

جس شخص کو کسی نقصان کا اندیشہ نہ ہو اور کسی حق کے ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہو اس کے لیے ہمیشہ روزہ رکھنا مستحب ہے کیوں کہ دلائل مطلق ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس کے لیے جہنم اس طرح تنگ ہو جائے گی اور آپ نے انگریزوں سے توڑے کی علامت بنائی“۔ (۵۶)

یہ رائے حنابلہ کے مذہب سے ہم آہنگ ہے۔

مریض، مسافر، حاملہ عورت، دودھ پلانے والی اور بہت بوڑھے شخص کے لیے روزہ رکھنا مکروہ ہے، اگر انہیں سخت مشقت کا اندیشہ ہو اور اگر ہلاکت کا خوف ہو یا غذا چھوڑ دینے سے کسی عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو تو ان کے لیے روزہ حرام ہو جاتا ہے۔ نیروز اور مہرجان کے روزے رکھنا مکروہ نہیں۔

حنابلہ کی رائے شافعیہ سے ہم آہنگ ہے۔ (۵۷) البتہ انہوں نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ مسلسل روزہ رکھنا مکروہ ہے اور وہ یہ ہے دو دنوں کے درمیان افطاری نہ کی جائے۔ اگر افطاری میں ایک آدھ کھجور وغیرہ کھالی جائے تو مکروہ نہیں ہے۔ اگر اتنا سفر ہو جس میں نماز قصر کی جاتی ہے، خواہ مشقت نہ ہو تب بھی اس میں روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ اگر کوئی شخص روزہ چھوڑنے کی نیت سے سفر اختیار کرتا ہے تو سفر کرنا اور روزہ چھوڑنا دونوں حرام ہیں۔ صرف ماہ رجب کے روزے رکھنا مکروہ ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ (۵۸) کیوں کہ اس میں جاہلیت کے شعار کی تعظیم ہے کہ جاہلیت میں رب کی تعظیم کی جاتی تھی۔ اگر ماہ رجب میں ایک دن بھی روزہ چھوڑ دے تو کراہت ختم ہو جاتی ہے یا اس کے ساتھ سال کے کسی اور مہینے کو شامل کر کے اس میں بھی روزے رکھ لے تب بھی کراہت نہیں رہے گی۔ رجب کے علاوہ کسی اور مہینے کو روزوں کے

لیے مختص کر لینا مکروہ نہیں۔

نیروز (ربیع کا چوتھا دن) اور مہرجان (خریف کا انیسواں دن) کے بطور خاص روزے رکھنا مکروہ ہے کیوں کہ یہ کفار کی عیدوں کے دن ہیں اور ان دنوں کی تعظیم کرنے سے کفار کی موافقت لازم آتی ہے۔

شک کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اسی طرح رمضان سے ایک یا دو دن قبل روزہ رکھنا بھی مکروہ ہے، اگر دو دن سے زیادہ رمضان سے قبل روزے رکھے تو مکروہ نہیں۔

قسم چہارم: نفل یا مستحب روزے:

نفل سے مراد وہ عبادت ہے جو فرض نہ ہو اور قرب الہی کے لیے کی جائے، اسے تطوع کہتے ہیں اور من تطوع خیرا (البقرہ ۲: ۱۵۸) (جو اپنی خوشی سے نیکی کرے) سے ماخوذ ہے۔ کبھی اس کے لیے ”نافلہ“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے جیسے نماز کے بارے میں ہے ”ومن اللیل فتہجد بہ نافلة لک (الاسراء ۱۷: ۷۹) (رات کے وقت تہجد پڑھا کرو یہ تمہارے لیے نفل ہے) بلاشبہ روزہ افضل ترین عبادات میں سے ہے۔ صحیحین میں ہے: ”جس کسی نے اللہ کے لیے ایک دن کا روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو جہنم سے ستر سال کی مسافت دور کر دے گا“۔ نیز اوپر جو حدیث گزری ہے، اس میں ہے: ”انسان کا ہر عمل اس کے اپنے لیے ہوتا ہے بجز روزے کے کہ وہ میرے لیے ہے اور میں خود اس کا بدلہ دوں گا“۔

مستحب روزوں کے ایام بالاتفاق مندرجہ ذیل ہیں:

۱- ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن افطار کرنا: نفل روزوں میں افضل طریقہ یہ ہے کہ

ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے کیوں کہ صحیحین کی حدیث میں ہے: ”افضل روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے، وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے“۔ اس حدیث میں ہے: ”اس سے افضل طریقہ کوئی نہیں ہے“۔ (۵۹)

۲- ہر ماہ تین روزے رکھنا: افضل یہ ہے کہ ایام بیض کے روزے رکھے جائیں یعنی ہر ماہ کی تیرہ چودہ اور پندرہ تاریخوں کے۔ انہیں ایام بیض اس لیے کہتے ہیں کہ ان ایام میں راتیں چاند سے اور دن سورج سے روشن رہتے ہیں۔ ہر ماہ تین دن روزہ رکھنے سے ہمیشہ روزہ رکھنے کا ثواب ملتا ہے کیوں کہ ہر نیکی کا اجر دس گنا ملتا ہے اس لیے اس سے ہمیشہ روزہ رکھنے کا نقصان نہیں ہوتا اور ثواب ملتا ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابو ذرؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم ہر ماہ تین دن کے روزے رکھو تو تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخوں کے روزے رکھو“۔ (۶۰) نیز روایت ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ ہر ماہ تین دن کے روزے رکھا کرتے تھے“۔ (۶۱)

۳- ہر ہفتے میں پیر اور جمعرات کو روزہ رکھنا: اسامہ بن زیدؓ کی روایت ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ پیر اور جمعرات کو روزہ رکھا کرتے تھے، جب آپؐ سے پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا، پیر اور جمعرات کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں“۔ (۶۲) ایک روایت میں ہے: ”میری خواہش یہ ہوتی ہے کہ میرے اعمال جب پیش ہوں تو میں روزے سے ہوں“۔

۴- شوال کے چھ روزے: خواہ متفرق رکھے جائیں لیکن عید کے بعد مسلسل رکھنے افضل ہیں کیوں کہ اس میں نیکی کی طرف سبقت کا پہلو ہے۔ ان کا ثواب ملے گا، خواہ وہ رمضان کے قضا روزے ہوں، خواہ نذر وغیرہ کے ہوں۔ جس کسی نے رمضان کے روزوں کے بعد شوال میں چھ روزے رکھے اُس نے گویا ساری زندگی فرض روزے رکھے۔ کیوں کہ حضرت ابو ایوبؓ سے

روایت ہے کہ: ”جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر ان کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے اس نے گویا ہمیشہ کے روزے رکھے۔“ (۶۳) ثوبانؓ کی روایت ہے کہ: ”ایک ماہ روزے رکھنا دس ماہ کے برابر ہے اور چھ روزے دو ماہ کے روزوں کے برابر ہیں، پس یہ ایک سال پورا ہو جاتا ہے۔“ (۶۴) یعنی ایک نیکی دس گنا ہوتی ہے تو ایک ماہ دس ماہ کے برابر اور چھ دن ساٹھ دنوں کے برابر ہوتے تو سال پورا ہو گیا۔

۵- عرفہ کے دن کا روزہ: جو شخص حج نہ کر رہا ہو اس کے لیے نودوالحجہ کو روزہ رکھنا مستحب ہے کیوں کہ مسلم کی روایت ہے کہ: ”عرفہ کے دن کے روزے سے اللہ تعالیٰ ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔“ عرفہ کا دن سب ایام سے افضل ہے کیوں کہ مسلم میں ہی ہے: ”اللہ تعالیٰ جتنے لوگوں کو عرفہ کے دن آگ سے نجات دیتا ہے اتنے اور کسی دن نہیں دیتا۔“ رہی آپؐ کی روایت کہ: ”جن ایام میں سورج طلوع ہوتا ہے ان میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے“ تو یہ عرفہ کے دن کو چھوڑ کر ہے، کیوں کہ قرینہ یہی بتاتا ہے کہ عرفہ کا دن جمعہ کے دن سے افضل ہے۔ (۶۵)

حاجی کے لیے عرفہ کے دن روزہ رکھنا مسنون نہیں ہے بلکہ سنت یہ ہے کہ وہ اس دن روزے نہ رکھے خواہ قوی ہوتا کہ اسے دعا پر قوت حاصل ہو اور اتباع سنت بھی اسی میں ہے جیسا کہ شیخین کی روایت ہے۔ اس روز حاجی کے لیے روزہ رکھنا خلاف اولیٰ ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ نے عرفات میں عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔“ (۶۶) حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر روزہ رکھنے سے کمزوری نہ ہو تو حاجی کے لیے بھی روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۶- عرفہ کے دن سے پہلے حاجیوں کے لیے اور دوسرے لوگوں کے لیے ذوالحجہ کے آٹھ



روزے رکھنا: حضرت حفصہؓ کا قول ہے: ”چار چیزیں رسول اللہ ﷺ نہیں چھوڑتے تھے: عاشورا کا روزہ اور ذی الحجہ کے دس دن، ہر ماہ تین دن کا روزہ اور صبح کی نماز سے پہلے کی دو رکعات“۔ (۶۷) نماز عیدین کی بحث میں ذوالحجہ کے ابتدائی دس ایام میں اعمال کی عمومی فضیلت پر احادیث گزر چکی ہیں اور روزہ بھی اسی میں شامل ہے۔

۷۔ نو اور دس محرم کا روزہ: نو اور دس محرم کا روزہ رکھنا مستحب ہے، دونوں دن روزہ رکھے کیوں کہ ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ: ”اگر میں اگلے سال تک زندہ رہا تو نو اور دس کو ضرور روزہ رکھوں گا“۔ (۶۸)

عاشورا کے روزے کی زیادہ تاکید ہے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”اللہ تعالیٰ اس سے ایک سال پہلے کے گناہ معاف فرما دیتا ہے“ (۶۹) ان ایام کے روزے فرض نہیں ہیں کیوں کہ صحیحین میں ہے: ”یہ یوم عاشورا ہے، اس دن کا روزہ فرض نہیں، جو چاہے روزہ رکھے، جو چاہے افطار کرے“۔ جن احادیث میں روزہ رکھنے کا حکم ہے ان سے مراد یہ ہے کہ ان دنوں میں روزہ رکھنے کے استحباب میں تاکید ہے۔

عاشورا کے روزے کی حکمت جو حضرت ابن عباسؓ نے بیان کی یہ ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ یہود عاشورا کا روزہ رکھتے ہیں، آپؐ نے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ یہ ایک بابرکت دن ہے، اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو دشمن سے نجات دی تھی تو موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا، آپؐ نے فرمایا، تمہاری بہ نسبت میرا موسیٰؑ سے زیادہ تعلق ہے، پس آپؐ نے روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا“۔ (۷۰)

اگر دس محرم کے ساتھ نو محرم کو روزہ نہ رکھ سکے تو شافعیہ کے نزدیک گیارہ محرم کو روزہ

رکھے بلکہ امام شافعی نے کتاب الام اور املاء میں تین روزے رکھنے کو مستحب بتایا ہے۔ حنابلہ نے کہا ہے کہ اگر کسی مسلمان کو معلوم نہ ہو کہ محرم کا مہینہ کب شروع ہوا تو تین دن روزے رکھ لے تاکہ یقین ہو جائے کہ عاشورا کا روزہ رکھا ہے۔ نو اور دس محرم کے دن اللہ کے مہینے محرم کے مؤکد ترین دن ہیں،

جمہور کے نزدیک اکیلا دس محرم کا روزہ رکھنا ہی مکروہ ہے۔

۸- اشہر حرم کے روزے: اشہر حرم (حرمت والے مہینے) چار ہیں۔ تین مسلسل آتے ہیں یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور ایک الگ ہے یعنی رجب۔ رمضان کے بعد یہ مہینے روزے رکھنے کے لیے افضل ہیں حرمت والے مہینوں میں سب سے افضل محرم ہے، پھر رجب ہے پھر دوسرے مہینے اور ان کے بعد شعبان کا مہینہ ہے۔

ان مہینوں کے روزوں کا استحباب مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک ہے۔ (۷۱) حنابلہ کے نزدیک صرف محرم کے روزے مستحب ہیں اور محرم کے روزے ان کے نزدیک رمضان کے بعد سب سے افضل ہیں کیوں کہ حدیث میں ہے: ”فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز آدھی رات کی نماز ہے اور رمضان کے بعد سب سے افضل روزے محرم کے مہینے کے روزے ہیں“۔ (۷۲) اور محرم میں عاشورا سب سے افضل ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا۔ حنفیہ کے نزدیک حرمت والے مہینوں میں ہر ماہ میں تین روزے رکھنا مستحب ہے اور وہ جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کے روزے ہیں۔

۹- شعبان کے روزے: ام سلمہؓ کی حدیث ہے کہ: ”نبی اکرم ﷺ شعبان کے علاوہ اور کسی مہینے میں پورا مہینے نفل روزے نہیں رکھتے تھے۔ صرف شعبان میں رکھتے اور اسے رمضان کے ساتھ ملا دیتے“۔ (۷۳) حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ: ”شعبان سے زیادہ

رسول اللہ ﷺ اور کسی مہینے میں نفل روزے نہیں رکھتے تھے۔ آپ شعبان کا پورا مہینے روزے رکھتے۔“ (۷۴) کچھ علماء کی رائے ہے کہ شعبان کے نصف اخیر میں روزے رکھنا مکروہ ہیں۔ شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ نصف شعبان کے بعد روزے نہ رکھے کیوں کہ حدیث میں ہے ”جب شعبان آدھا ہو جائے تو روزے نہ رکھو“۔

### مستحب روزوں کے بارے میں فقہی مذاہب کی آراء

فقہانے مستحب روزوں کی قسمیں بیان کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

حنفیہ کے نزدیک (۷۵) مستحب روزوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) مسنون (۲) مندوب (۳) نفل۔ مسنون وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے باقاعدگی سے رکھے ہوں اور مندوب یا مستحب وہ ہیں جو آپ نے پابندی سے نہ رکھے ہوں۔ ان کی ترغیب دی ہو لیکن خود چھوڑ بھی دیے ہوں اور نفل وہ روزے ہیں جو ان کے علاوہ ہیں اور شریعت نے مطلقاً جن کی ترغیب دی ہو۔

مسنون: نو محرم کو ساتھ ملا کر عاشورا کا روزہ ہے۔

مندوب: ہر مہینے کے تین روزے ہیں اور مستحب یہ ہے کہ ایام بیض یعنی قمری مہینے کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کو رکھے جائیں، پیر اور جمعرات کا روزہ، شوال کے چھ روزے اور مختار قول یہ ہے کہ مسلسل رکھنے مکروہ نہیں ہیں اور ہر وہ روزہ جس کا مطالبہ اور جس پر ثواب کا وعدہ سنت سے ثابت ہو مستحب ہے مثلاً صوم داؤد علیہ السلام، اسی طرح جمعہ کے دن کا روزہ چاہے اکیلا کیوں نہ ہو، امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک صرف جمعہ کا روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ جمعہ کے روز روزہ رکھتے تھے، چھوڑتے نہیں تھے۔ عرفہ کے دن روزہ رکھنا، حاجی اگر عرفات کے میدان میں

کمزوری نہ محسوس کرے اور دعاؤں میں خلل نہ پڑتا ہو تو وہ بھی رکھ سکتا ہے۔ اگر کمزوری محسوس کرے تو روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

**نفل:** ان کے علاوہ وہ روزے ہیں جن کی کراہت ثابت نہیں ہے۔

حنفیہ نے ایک اور تقسیم بھی کی ہے، وہ یہ کہ لازمی روزوں کی تیرہ قسمیں ہیں: سات مسلسل روزے ہیں: رمضان کے، کفارہ ظہار کے، کفارہ قتل، قسم کا کفارہ، بلا عذر روزہ توڑ دینے کا کفارہ، معین نذر اور واجب اعتکاف کے روزے۔ چھ روزے ایسے ہیں کہ چاہے مسلسل رکھے، چاہے وقفے کے ساتھ اور وہ ہیں: نفل روزے، رمضان کے قضا روزے، حج میں قرآن اور تمتع کے روزے جب کہ قربانی میسر نہ ہو، حج میں سرمنڈوانے کا فدیہ، شکار کا بدلہ اور ایسی منت جو مطلق ہو جس میں کسی متعین مہینے میں پے در پے روزے رکھنے کی نیت نہ کی ہو۔

مالکیہ کے نزدیک (۷۶) نفل روزوں کی تین قسمیں ہیں: سنت، مستحب اور نفل، مالکیہ حنفیہ سے ہم آہنگ ہیں۔

**سنت:** عاشورا یعنی دس محرم کا روزہ ہے۔

**مستحب:** حرمت والے مہینوں کے روزے، شعبان کے روزے، ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن کے روزے، عرفہ کا روزہ، شوال کے چھ روزے، ہر ماہ تین روزے اور پیر اور جمعرات کا روزہ۔

**نفل:** ہر وہ روزہ جس کا وقت یا سبب مقرر نہیں اور ان ایام میں رکھا جائے جن میں روزہ رکھنا واجب یا ممنوع نہیں ہے۔

شافعیہ کے نزدیک (۷۷) مؤکدہ مستحب روزوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ قسم جس میں تکرار نہیں جیسے ہمیشہ روزہ رکھنا، دوسری وہ قسم جس میں تکرار ہے، اس کی تین قسمیں ہیں۔

اول: جو ہر سال آتے ہیں: جیسے غیر حاجی اور غیر مسافر کے لیے عرفہ کے دن کا روزہ، ذوالحجہ کے دس روزے، نو اور دس محرم کے روزے یا دس اور گیارہ محرم کے روزے، شوال کے چھ روزے جو عید کے فوراً بعد مسلسل رکھنے مسنون ہیں۔ حرمت والے مہینوں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب) کے روزے، اسی طرح شعبان کے روزے بھی مسنون ہیں۔

دوم: جو ہر مہینے آتے ہیں: ایام بیض یعنی ہر ماہ قمری تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزے، ایام سود (سیاہ راتیں) یعنی ہر ماہ کی اٹھائیس، انتیس اور تیس کے روزے اور اگر مہینہ انتیس کا ہو تو اگلے ماہ کی یکم کا روزہ، مسنون یہ ہے کہ احتیاطاً ستائیس تاریخ کا روزہ بھی رکھ لے۔ ایام بیض (سفید راتیں) اور ایام سود (سیاہ راتیں) کی تخصیص اس لیے ہیں کہ ایام بیض میں راتیں منور ہوتی ہیں اور ایام سود میں راتیں تاریک ہوتی ہیں، پس ایام بیض کے روزے، شکرانے کے روزے ہیں اور ایام سود کے اس لیے ہیں کہ سیاہی دور کرنے کی اللہ سے درخواست کی جائے کیوں کہ مہینہ اب مہمان ہے اور رخصت ہوا چاہتا ہے، پس روزے رکھ کر اس سے استفادہ کیا جائے۔

سوم: جو ہر ہفتے آتے ہیں: اور وہ پیر اور جمعرات ہے۔

حنابلہ نے نفل روزے کے درج ذیل اوقات بتائے ہیں (۷۸)

افضل نفل روزہ ایک دن اور پھر ایک دن ہے۔ ہمیشہ روزہ رکھنا مکروہ نہیں البتہ اگر کسی شخص کو نقصان کا اندیشہ ہو یا کوئی حق ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اس کے لیے مکروہ ہے۔ ہر ماہ تین دن روزہ رکھنا مسنون ہے اور ایام بیض میں یعنی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخوں کو روزہ رکھنا افضل ہے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ہمیشہ روزہ رکھے کیوں کہ ایک نیکی کا دس گناہ ثواب ملتا ہے۔

پیر اور جمعرات کا روزہ مسنون ہے اور شوال کے چھ روزے بھی۔ بہتر یہ ہے کہ عید کے بعد مسلسل رکھے اگر کوئی مانع نہ ہو، اگر رمضان کے قضا روزے رکھنے ہو تو پہلے وہ رکھے۔ جو شخص رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے رکھتا ہے گویا اس نے ہمیشہ روزہ رکھا۔ محرم کے روزے مسنون ہیں اور رمضان کے بعد سب سے افضل، ان میں سے عاشورا کا روزہ سب سے افضل ہے، جو ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے (۷۹) پھر نو محرم کا روزہ ہے۔ پھر اکیلا عاشورا کا روزہ رکھنا بھی مکروہ نہیں۔ ذوالحجہ کے دس روزے رکھنا مسنون ہیں اور یہ رمضان کے آخری عشرے کے روزوں سے افضل ہیں۔ سب سے زیادہ تاکید عرفہ کے روزے کی ہے، اس کی وجہ سے دو سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ کفارہ سے مراد صغیرہ گناہوں کی معافی ہے۔ اگر صغیرہ گناہ نہ ہوں تو کبیرہ گناہوں میں تخفیف ہو جاتی ہے اور اگر کبیرہ بھی نہ ہوں تو درجات کی بلندی ہوتی ہے۔

جو حاجی عرفات میں ہو اس کے لیے عرفہ کا روزہ رکھنا مستحب نہیں بلکہ نہ رکھنا افضل ہے کیوں کہ ام فضل بنت حارث سے روایت ہے کہ: ”انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک پیالہ دودھ بھیجا، جب کہ آپ عرفہ میں اپنے اونٹ پر سوار تھے، آپ نے دودھ پی لیا۔“ (۸۰) ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ: ”انہوں نے رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ حج کیا، ان میں سے کسی نے اس دن روزہ نہیں رکھا،“ کیوں کہ روزے کے باعث دعا میں کمزوری آ جاتی ہے، اس لیے اسے ترک کرنا افضل ہے۔ صرف رجب کے روزے رکھنا مکروہ ہے، جیسا کہ مکروہ روزوں کے بیان میں گزرا، رجب کے علاوہ کسی اور مہینے کے روزے رکھنا مکروہ نہیں کیوں کہ رسول اللہ ﷺ شعبان اور رمضان میں روزے رکھتے تھے یعنی گاہے گاہے شعبان میں بھی لیکن رمضان کے علاوہ کسی اور مہینے میں ہمیشہ روزے نہیں رکھتے تھے۔

## کیا نفل روزہ شروع کرنے سے واجب ہو جاتا ہے؟

اس مسئلہ میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔ پہلی حنیفہ اور مالکیہ کی، دوسری شافعیہ اور حنابلہ کی۔ پہلے گروہ کی رائے یہ ہے (۸۱) کہ جب کسی نے نفل روزہ یا نفل نماز شروع کی، اسے پورا کرنا واجب ہے۔ اگر درمیان میں توڑ دی تو اس کی قضا کرنا واجب ہے۔ جیسے کوئی شخص عداً سفر کرتا ہے اور سفر کی وجہ سے روزہ توڑ دیتا ہے تو اس کے ذمہ قضا ہے۔ چوں کہ روزہ ایک ایسا عمل ہے جسے اللہ کے قربت کے لیے اور ثواب کی امید پر شروع کیا گیا ہے، اس لیے اسے باطل ہونے سے بچانا ضروری ہے۔ جتنا حصہ ادا کیا گیا ہے اسے بچانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اسے باقی رکھا جائے اور مکمل کیا جائے۔ جب مکمل کرنا واجب ہے تو چھوڑنے کی صورت میں قضا واجب ہے۔ کیوں کہ اللہ کے ساتھ کیے گئے معاہدے کو پورا کرنا واجب ہے اور جس عبادت کا آخری حصہ پہلے حصے پر موقوف ہو اس کو درمیان میں چھوڑ دینا حرام ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: *ولا تبطلوا اعمالکم* (محمد ۴۷: ۳۳) (اپنے اعمال کو باطل نہ کرو) امام مالکؒ کہتے ہیں کہ نفل روزہ رکھنے والے کے لیے مناسب نہیں کہ بلا ضرورت روزہ توڑ دے۔ مجھے روایت پہنچی ہے کہ ابن عمرؓ کہا کرتے تھے، جس نے نفل روزہ رکھا اور پھر بلا ضرورت توڑ دیا اس نے دین کو کھیل تماشہ بنا لیا۔ نیز نذر پر قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کیوں کہ منت ماننے کی صورت میں نفل روزے واجب ہو جاتے ہیں اور انہیں ادا کرنا ضروری ہوتا ہے لیکن حنیفہ کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی نے پانچ دنوں یعنی عیدین اور ایام تشریق میں روزے شروع کیے اور توڑ دیے تو ان کی قضا ظاہر الروایت کے مطابق واجب نہیں ہے۔

دوسرے گروہ (۸۲) کی رائے یہ ہے کہ جس کسی نے حج اور عمرے کے علاوہ کوئی نفل

عبادت شروع کی مثلاً روزہ، نماز، اعتکاف، طواف، وضو، جمعہ کی رات یا دن میں سورہ کہف کی تلاوت یا نماز کے بعد تسبیحات تو انہیں پورا کرنا ضروری نہیں، درمیان سے توڑ سکتا ہے اور اس پر قضا واجب نہیں اور نہ توڑنے پر کوئی مواخذہ ہے البتہ اسے مکمل کرنا مستحب ہے کیوں کہ مکمل کرنے میں عبادت کی تکمیل ہے جو مطلوب ہے اور بلاعذر درمیان میں چھوڑ دینا مکروہ ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: *وَلَا تَبْطُؤْا اَعْمَالَكُمْ* (محمد ۳۳: ۴۷) (اپنے اعمال باطل نہ کرو) نیز جن فقہاء کے نزدیک انہیں مکمل کرنا واجب ہے، ان کے اختلاف سے بچنے اور اپنا اجر ضائع ہونے سے بچانے کا تقاضا بھی یہی ہے کہ عمل مکمل کرے۔

اگر کوئی عذر ہو مثلاً مہمان کی تواضع کی خاطر کہ میزبان کے شریک نہ ہونے سے مہمان کو گراں گزرتا ہو یا اس کے برعکس معاملہ ہو یعنی میزبان کی خاطر تو روزہ توڑ دینا مکروہ نہیں ہے بلکہ مستحب ہے کیوں کہ حدیث میں ہے: ”تمہارے زائرین کا تم پر حق ہے۔“ اور ایک دوسری حدیث میں ہے: ”جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔“ (۸۳)

نفل روزہ شروع کرنے سے واجب نہ ہونے کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ”نفل روزہ شروع کرنے والا خود مختار ہے، چاہے روزہ رکھے، چاہے توڑ دے۔“ (۸۴) نماز اور دوسرے نوافل حج اور عمرے کے علاوہ روزے پر قیاس کیے جائیں گے کیوں کہ نفل عبادت کا اصل شرعی حکم یہ ہے کہ وہ لازم نہیں ہیں۔ قضا اصل ادا کے تابع ہے۔ جب ادا واجب نہیں تو قضا کیسے واجب ہو سکتی ہے؟ البتہ مستحب ہے۔ نفل روزہ توڑنے کا جواز حضرت ابن عمرؓ، ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔

نفل حج اور عمرے کو درمیان سے چھوڑ دینا حرام ہے، کیوں کہ یہ عبادتیں پوری



کرنے وجوب اور بیوی کے ساتھ ہم بستری کی وجہ سے کفارہ کے وجوب کے باعث دوسری عبادتوں سے مختلف ہیں، کیوں کہ حج اور عمرے کے لیے بالعموم پہنچنے میں بہت مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے، شدید تکلیف ہوتی ہے اور بہت مال خرچ کرنا پڑتا ہے اس لیے ان کو توڑ دینا مال کا ضیاع اور بہت سے اعمال کو باطل کرنے کے مترادف ہے۔

بحث سوم: روزہ کب واجب ہوتا ہے؟ رویت ہلال کا ثبوت اور مطالع کا اختلاف۔

اس بحث میں تین مطالب ہیں۔

مطلب اوّل: روزہ کب واجب ہوتا ہے؟

روزہ تین امور سے واجب ہوتا ہے (۸۵)

۱- نذر: نذر یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے ایک دن یا ایک مہینہ روزہ رکھنے کی منت مانے۔ چوں کہ انسان خود اپنے آپ پر اسے واجب کر رہا ہے اس لیے اسے پورا کرنا ضروری ہے اور منت روزوں کا سبب منت ماننا ہے۔ اگر کوئی مہینہ یا دن مقرر کر دیا اور اس سے پہلے کسی ماہ یا دن میں روزے رکھ لیے تو درست ہے کیوں کہ سبب موجود تھا، یقین کا اعتبار ختم ہو جائے گا۔

۲- کفارے: اگر آدمی نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے مثلاً قتل خطا کیا یا قسم توڑ دی یا رمضان کے مہینے میں دن میں جماع کر کے روزہ توڑ دیا یا بیوی سے ظہار کیا تو اس کے کفارے میں روزے رکھے اور روزوں کا سبب قتل یا قسم توڑنا یا روزہ توڑنا یا ظہار ہوگا۔

۳- رمضان کے مہینے کا کوئی حصہ دن یا رات کا پالینا، حنفیہ کے نزدیک مختار قول

یہی ہے۔ اس کا سبب رمضان کے مہینے کا وجود ہے۔

رمضان کا روزہ چاند نظر آنے سے فرض ہوتا ہے، اگر آسمان صاف ہو اور اگر آسمان پر بادل یا گرد و غبار ہو تو شعبان کے تیس دن پورے ہونے سے رمضان کا روزہ فرض ہو جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: *فمن شهد منکم الشهر فليصمه* (البقرہ ۲: ۱۸۵) جو کوئی تم میں سے رمضان کا مہینہ پائے اس میں روزے رکھے۔ ارشاد نبویؐ ہے: ”چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو، اگر آسمان پر بادل ہوں تو شعبان کے تیس دن پورے کر لو“۔ (۸۶) بخاری کے الفاظ ہیں: ”مہینہ کبھی انتیس راتوں کا ہوتا ہے، چاند دیکھے بغیر روزہ نہ رکھو، اگر آسمان پر بادل ہوں تو تیس دن پورے کرو“۔ مسلم کے الفاظ ہیں ”کہ آپ ﷺ نے رمضان کا ذکر کیا اور فرمایا، مہینہ اتنا اتنا ہوتا ہے، تین بار ہاتھ کی انگلیاں پھیلائیں، پھر تیسری بار انگوٹھا بند کر دیا اور فرمایا چاند دیکھ کر روزہ رکھو، چاند دیکھ کر افطار کرو، اگر آسمان پر بادل ہوں تو تیس دن پورے کرو“۔ کبھی دو، تین اور چار ماہ تک مہینہ انتیس کا ہوتا ہے جیسا کہ نوویؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے۔ رمضان کے تابع دوسرے امور مثلاً نماز تراویح یا جس شخص نے اس حالت میں صبح کی کہ وہ روزے سے نہیں تھا، اس کا سارا دن کھانے پینے سے رکے رہنا صرف چاند نظر آنے سے ہی ثابت ہوتے ہیں یا شعبان کے تیس دن پورے ہونے سے۔

**مطلب دوم: رمضان اور شوال کا چاند ثابت ہونے کا طریقہ:**

رمضان اور شوال کے چاند کے ثابت ہونے کے طریقے میں فقہاء کی آراء تین صورتوں کے گرد گردش کرتی ہیں: بہت بڑی جماعت چاند دیکھے، دو عادل مسلمان چاند دیکھیں اور ایک عادل مسلمان چاند دیکھے۔

حنفیہ کہتے ہیں (۸۷)

الف۔ اگر آسمان صاف ہے تو رمضان اور عید کے چاند کے ثبوت کے لیے ضروری ہے کہ بڑی تعداد میں لوگ چاند دیکھیں۔ بڑی تعداد سے مراد اتنے لوگ ہیں کہ جن کی اطلاع پر شرعی علم یعنی غلبہ ظن حاصل ہو جائے۔ ان کی تعداد کے بارے میں صحیح رائے یہ ہے کہ حاکم کی صواب دید پر ہے۔ بڑی تعداد میں لوگوں کی شرط اس لیے ہے کہ چاند کا مطلع ایک ہے، چاند دیکھنے میں رکاوٹ کوئی نہیں ہے لوگوں کی نظریں ٹھیک ہیں۔ لوگ چاند دیکھنے کے لیے کوشاں ہیں، ان حالات میں اگر کوئی ایک شخص چاند نظر آنے کی گواہی دیتا ہے تو بظاہر اس کی بات غلط ہے۔

اس صورت میں بھی ضروری ہے کہ اس جماعت میں سے کوئی ایک شخص گواہی دیتے ہوئے کہے: ”میں گواہی دیتا ہوں“۔

ب۔ اگر آسمان صاف نہ ہو بلکہ بادل ہوں یا گرد و غبار ہو تو امام کے لیے چاند نظر آنے کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک مسلمان عادل عاقل بالغ کی گواہی کافی ہے (عادل سے مراد وہ شخص ہے جس کی نیکیاں اس کے گناہوں سے زیادہ ہوں) یا اس کی حالت کا علم نہ ہو، صحیح قول یہی ہے مرد ہو خواہ عورت، آزاد ہو چاہے غلام کیوں کہ یہ دینی معاملہ ہے اس لیے روایت اور خبر دینے کے مشابہ ہے۔ اس حالت میں یہ شرط بھی نہیں کہ وہ کہے ”میں گواہی دیتا ہوں“۔ گواہی شہر میں قاضی کے سامنے اور گاؤں میں مسجد میں لوگوں کے سامنے ہونی چاہیے۔

گواہی پر گواہی بھی جائز ہے کہ قاضی کے سامنے گواہی دی جائے کہ کسی دوسرے شخص نے اس کے سامنے چاند نظر آنے کی گواہی دی ہے۔

جس کسی نے اکیلے چاند دیکھا، وہ روزہ رکھے، خواہ اس کی گواہی قبول نہ کی گئی ہو،

اگر اس نے روزہ نہ رکھا تو اس کے ذمہ قضا ہے، کفارہ نہیں۔

جنتریوں، حسابات اور فلکیاتی مشاہدے پر اعتماد نہ کیا جائے کیوں کہ یہ سب امور ہمارے نبی ﷺ کی شریعت کے خلاف ہیں۔ اگرچہ حساب یا فلکیاتی مشاہدہ درست بھی ہو تب بھی ہم شریعت کی رو سے معمول کے مطابق چاند نظر آنے کے مکلف ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک رمضان کا چاند مندرجہ ذیل تین طریقوں سے ثابت ہوتا ہے۔ (۸۸)

۱- بہت بڑی جماعت چاند دیکھے، خواہ عادل نہ ہوں لیکن ان کی تعداد اتنی ہو کہ عادتاً ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا قابل تسلیم نہ ہو، ان میں مرد، آزاد یا عادل ہونے کی شرط نہیں ہے۔

۲- دو یا دو سے زائد عادل افراد چاند دیکھیں۔ اس سے رمضان اور عید کا چاند ثابت ہو جائے گا، خواہ بادل ہوں یا آسمان صاف ہو۔ عادل سے مراد وہ مرد ہے جو بالغ، عاقل ہو اور اس نے کوئی کبیرہ گناہ نہ کیا ہو اور صغیرہ گناہوں کا عادی نہ ہو اور مروت و شرافت کے خلاف کوئی کام نہ کیا ہو۔ اگر بادل ہوں اور ایک عادل مرد یا ایک یا دو عورتوں کی گواہی سے روزہ واجب نہیں ہوتا البتہ خود ان پر روزہ واجب ہو جائے گا۔ دو عادل شخص گواہی دیں تو ان کی گواہی کو آگے نقل کرنے کے لیے ہر ایک کے لیے دو گواہ ہونے ضروری ہیں، ایک گواہ کافی نہیں۔ البتہ دو عادل گواہی دیں یا اور لوگ ان کے لیے ”میں گواہی دیتا ہوں“ کے الفاظ کہنا ضروری نہیں ہیں۔

۳- ایک عادل آدمی گواہی دے تو اس کے اپنے حق میں روزہ اور افطار ثابت ہو جائیں گے اور اس شخص کے حق میں بھی ثابت ہو جائیں گے جس نے چاند دیکھنے کا اہتمام نہیں کیا، لیکن جس نے خود چاند دیکھنے کا اہتمام کیا ہے اس کے حق میں اس کی گواہی سے روزہ ثابت ہو گا نہ افطار یعنی عید۔ پس ایک عادل کی گواہی پر حاکم کے لیے چاند کے ثبوت کا

فیصلہ دینا جائز نہیں۔ ایک گواہ کی گواہی میں مرد ہونے کی شرط ہے نہ آزاد ہونے کی۔ اگر امام خود چاند دیکھے تو روزہ اور افطار واجب ہو جاتے ہیں۔

اگر ایک یا دو عادل چاند دیکھیں تو ان کے لیے واجب ہے کہ اپنی گواہی حاکم کے سامنے پیش کریں تاکہ گواہی کا دروازہ کھل سکے کیوں کہ بسا اوقات حاکم یہ چاہتا ہے کہ عادل لوگوں کی گواہی سے چاند کا ثبوت ملے۔

شوال کے چاند کے ثبوت کے لیے ضروری ہے کہ اتنے لوگ چاند دیکھیں جن کا جھوٹ پر اتفاق قابل تسلیم نہ ہو اور ان کی خبر سے علم شرعی، یعنی غلبہ ظن حاصل ہو یا دو عادل گواہ گواہی دیں جیسے کہ رمضان کے چاند میں مطلوب ہیں۔

نجومی جو ستاروں کی رفتار کا حساب لگاتے ہیں، ان کے قول سے چاند ثابت نہیں ہوتا نہ اس کے اپنے حق میں نہ دوسروں کے حق میں، کیوں کہ شارع نے روزے اور عید کو چاند دیکھنے سے وابستہ کیا ہے، چاند کے وجود سے نہیں، اگر فرض کیا جائے کہ ان کی بات صحیح ہے تب بھی۔ لہذا فلکیاتی رصد گاہوں کی معلومات پر عمل کرنا، خواہ وہ صحیح ہوں تب بھی جائز نہیں کیوں کہ یہ شریعت کا مطالبہ نہیں ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

شافعیہ کہتے ہیں (۸۹) عام لوگوں کے حق میں رمضان، شوال وغیرہ کے چاند دیکھنے کا ثبوت ایک عادل شخص کی گواہی سے ہو جاتا ہے خواہ اس شخص کے حالات کا علم نہ ہو، آسان خواہ صاف ہو یا نہ ہو، شرط یہ ہے کہ دیکھنے والا عادل، مسلم، بالغ، عاقل، آزاد مرد ہو اور گواہی ان الفاظ سے دے کہ ”میں گواہی دیتا ہوں“ فاسق، بچے، دیوانے، غلام اور عورت کی گواہی سے چاند کا ثبوت نہیں ہوتا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے چاند دیکھا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی تو آپ نے روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی

روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (۹۰) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ: ”ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا، میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے، آپ نے پوچھا، کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ اس نے کہا، جی ہاں، آپ نے پوچھا، گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا، جی ہاں۔ آپ نے فرمایا، بلا، لوگوں میں اعلان کر دو کہ کل روزہ رکھیں۔“ (۹۱) ایک شخص کی گواہی پر رمضان کے ثبوت کی بنیاد روزے کے بارے میں احتیاط پر ہے۔

جو شخص خود چاند دیکھتا ہے اس پر روزہ واجب ہے، خواہ دیکھنے والا عادل نہ ہو بلکہ فاسق ہو یا بچہ ہو یا عورت ہو یا کافر ہو یا اس نے قاضی کے پاس گواہی نہ دی ہو، یا گواہی دی لیکن قبول نہیں ہوئی، جو شخص اس کی گواہی کو سچا مانتا ہو اور اس پر اعتماد کرتا ہو اس پر بھی روزہ واجب ہے۔

اگر ہم نے کسی عادل کی گواہی پر روزہ رکھا اور پھر تیس دن پورے ہونے کے باوجود چاند نظر نہ آئے تو صحیح یہ ہے کہ عید کر لیں، خواہ آسمان صاف ہو کیوں کہ تیس دن پورے ہو گئے ہیں جو شرعی تعداد ہے۔

حنا بلہ کہتے ہیں۔ (۹۲) رمضان کے چاند کے ثبوت کے لیے ایک عادل مکلف کا قول قبول کریں گے جو ظاہراً اور باطناً عادل ہو، مرد ہو خواہ عورت، آزاد ہو خواہ غلام، خواہ یہ الفاظ نہ کہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے چاند دیکھا ہے۔ ایسے شخص کی گواہی قبول نہیں ہوگی جو محض شعور کی عمر کو پہنچا ہوا ہو یا جس کے حالات کا علم نہ ہو کیوں کہ ان کی بات کا اعتبار نہیں ہے خواہ بادل ہوں یا موسم صاف ہو۔ اگر چاند دیکھنے والا بہت سے لوگوں میں ہو لیکن اس کے علاوہ کسی کو چاند نظر نہ آئے تو بھی اس کی گواہی قبول ہوگی۔ ان

کی دلیل اوپر مذکور حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن عمرؓ کے قول پر اور ایک اعرابی کی گواہی پر لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ نیز یہ دینی خبر ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ روزے کا حکم دیا جائے اور کسی تہمت کا اندیشہ نہیں ہے اس کے برعکس رمضان ختم ہونے کی گواہی میں تہمت کا اندیشہ ہے۔ نیز دیکھنے والے اور چاند کی حالت میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔ اگر حاکم کسی ایک شخص کی گواہی پر رمضان کا فیصلہ کر دے تو اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ روزے کے وجوب کے لیے گواہی کا لفظ استعمال کرنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ معاملہ کسی حاکم کے ساتھ مختص نہیں۔ جو کوئی کسی عادل سے رمضان کے چاند دیکھنے کی خبر سنے اس پر روزہ واجب ہے۔ چاند دیکھنے والے پر واجب نہیں کہ دوسرے لوگوں کو بتائے یا قاضی کے پاس جائے یا مسجد میں جائے۔ جس شخص کی گواہی فسق وغیرہ کی وجہ سے رد کر دی گئی ہو اس پر روزہ رکھنا واجب ہے کیوں کہ حدیث میں ہے: ”چاند دیکھ کر روزہ رکھو“، اور لوگوں کے ساتھ ہی افطار کرے کیوں کہ دو عادل گواہوں کی شہادت کے بغیر عید کا چاند ثابت نہیں ہوتا۔ اگر کسی ایک شخص نے سوال کا چاند دیکھا تو وہ روزہ نہ چھوڑے کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث ہے: ”فطر اس روز ہے جب لوگ افطار کریں اور قربانی اس دن ہے جب لوگ قربانی کریں“۔ (۹۳) کیوں کہ ایک آدمی کے دیکھنے میں خطا اور تہمت کا احتمال ہے اس لیے احتیاط واجب ہے۔

چاند نظر آنے کے باقی احکام صرف اس سے ثابت ہو جائیں گے کہ ایک آدمی نے چاند نظر آنے کی گواہی دی ہو مثلاً طلاق معلق دنی ہو یا ادائیگی قرض کی مدت مقرر کی ہو، اسی طرح عدت کی تکمیل، مشروط خیار اور ایلاء وغیرہ کی مدت اگر رمضان کے چاند نظر آنے سے وابستہ کی ہو تو چاند کی گواہی کو ان امور کے ثبوت کے لیے درست سمجھا جائے گا۔

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ حساب اور نجوم خواہ ٹھیک ہو تب بھی اس سے روزے کا وجوب ثابت نہیں ہوگا کیوں کہ شریعت ان کا اعتبار نہیں کرتی۔

دوسرے مہینوں مثلاً شوال کے چاند کے ثبوت کے لیے دو عادل گواہوں سے کم گواہی قبول نہیں ہوگی، یہ گواہی شہادت کے لفظ سے دی جائے۔ چوں کہ یہ ایسی چیز ہے کہ اس پر لوگ بالعموم مطلع ہوتے ہیں، یہ مال نہیں اور نہ اس سے مال کا کوئی تعلق ہے۔ گواہی کا یہ نصاب رمضان کے اثبات کے لیے احتیاطاً ترک کر دیا گیا ہے کیوں کہ روزے عبادت ہیں۔

اگر لوگوں نے دو آدمیوں کی گواہی پر روزے رکھے اور تیس دن پورے ہو گئے لیکن چاند نظر نہیں آیا تو عید کر لیں، خواہ آسمان صاف ہو یا ابر آلود، کیوں کہ عبدالرحمن بن زید بن خطاب کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر دو گواہ گواہی دے دیں تو روزہ رکھ لو، اور افطار کر لو“۔ (۹۴)

اگر ایک آدمی کی گواہی سے روزے شروع کیے تھے اور تیس دن پورے ہو گئے لیکن چاند نظر نہیں آیا تو افطار نہ کریں، کیوں کہ ایک آدمی کی گواہی کی بنا پر افطار جائز نہیں جیسا کہ ایک گواہی سے شوال کا چاند ثابت نہیں ہوتا۔

اگر اٹھائیس دن روزے رکھے تھے کہ چاند نظر آ گیا تو صرف ایک روزہ قضا کریں۔ اگر بادل، گرد و غبار اور دھوئیں وغیرہ کی وجہ سے روزہ رکھ لیا تو افطار نہ کریں کیوں کہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ روزہ رکھا جائے اور اصل کے ساتھ موافقت بھی اسی میں ہے کہ رمضان کو باقی سمجھا جائے۔ اگر دو عادل آدمیوں نے شوال کا چاند دیکھا لیکن حاکم کے پاس گواہی نہیں دی تو جس کسی نے ان کی گواہی سن لی اور اسے ان کا عادل ہونا



معلوم ہے تو اس کے لیے افطار جائز ہے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی گواہی پر افطار کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کا عادل ہونا معلوم ہو، کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”اگر دو گواہ گواہی دیں تو روزہ رکھو اور افطار کرو“۔ اگر ان میں سے کسی کو دوسرے کا عادل ہونا معلوم نہ ہو تو اس کے لیے افطار جائز نہیں کیوں کہ اس کے فاسق ہونے کا احتمال ہے۔ ہاں اگر حاکم فیصلہ کر دے تو التباس ختم ہو جاتا ہے۔

اگر حاکم کے پاس دو گواہ شوال کا چاند نظر آنے کی گواہی دیں اور حاکم ان کا حال معلوم نہ ہونے کے باعث ان کی گواہی رد کر دے تو جس کسی کو ان کے عادل ہونے کا علم ہے اس کے لیے افطار جائز ہے کیوں کہ ان کی گواہی اس وجہ سے رد نہیں کی گئی کہ وہ قابل قبول نہیں تھی بلکہ اس وجہ سے رد کی گئی کہ حاکم کو ان کی حالت معلوم نہیں تھی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے حاکم ثبوت کے انتظار میں فیصلہ کرنے میں توقف کرے۔ اگر بعد میں ان کا عادل ہونا ثابت ہو جائے کہ کوئی شخص ان کی عدالت کی توثیق کر دے تو حاکم اس کے مطابق فیصلہ کر دے گا۔ کیوں کہ تقاضا پورا ہو گیا۔ البتہ اگر حاکم ان کے فسق کی وجہ سے ان کی گواہی رد کر دے تو انہیں یا کسی دوسرے کو یہ حق نہیں کہ ان کی گواہی پر افطار کرے۔

اگر گرفتار یا قیدی یا جنگل میں رہنے والے یا دارالحرب میں رہنے والا شبہ میں پڑ جائے کہ کون سا مہینہ کب شروع ہو رہا ہے تو رمضان کا مہینہ جاننے کے لیے کوشش کرنا اور غور و فکر کرنا واجب ہے کیوں کہ اس کے لیے اجتہاد کے ذریعے فرض ادا کرنا ممکن ہے۔ اس لیے اس کے لیے اجتہاد کرنا اسی طرح ضروری ہے جیسے جہت قبلہ کا علم نہ ہو تو غور و فکر کرے۔ اگر اس رمضان یا رمضان کے بعد کے کسی مہینے میں روزے رکھے تو درست ہے۔ اگر بعد میں معلوم ہوا کہ جس مہینے کے اس نے روزے رکھے تھے وہ تو انتیس کا تھا اور

رمضان تیس دن کا ہوا تو کمی پوری کر لے کیوں کہ قضا کا تقاضا یہی ہے کہ جو روزے رہ گئے ہیں وہ ادا کر لیے جائیں۔ اگر اس نے رمضان سے پہلے کسی مہینے مثلاً شعبان وغیرہ کے روزے رکھ لیے تو اس کے رمضان کے روزے ادا نہیں ہوئے کیوں کہ قبل از وقت عبادت ادا نہیں ہوتی جیسے نماز قبل از وقت ادا نہیں ہوتی۔ اگر اس نے کچھ روزے رمضان میں رکھے تو جو روزے اس نے رمضان میں یا رمضان کے بعد رکھے صرف وہ درست ہو گئے نہ کہ رمضان سے پہلے۔

اگر کوئی شخص رمضان کے بارے میں شبہ میں پڑ گیا اور اس نے کوشش کیے بغیر روزے رکھ لیے تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے جہت قبلہ جاننے کے لیے کوشش نہ کی۔ پس کوشش پر قدرت کے باوجود کوشش نہ کرنے سے عبادت درست نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ نے یہ شرط رکھی ہے کہ اگر آسمان صاف ہو تو رمضان اور شوال کا چاند جم غفیر دیکھے تب ثابت ہوگا، اور اگر بادل ہوں تو ایک عادل آدمی کی گواہی کافی ہے۔ مالکیہ کے نزدیک دو یا دو سے زیادہ عادل آدمی گواہ ہونے ضروری ہیں۔ اگر کوئی شخص بذات خود چاند دیکھنے کا اہتمام نہیں کرتا، تو اس کے حق میں ایک عادل آدمی کی گواہی بھی کافی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایک عادل شخص کی گواہی کافی ہے، شافعیہ کے نزدیک خواہ اس کے حال کا علم نہ ہو لیکن حنابلہ کے نزدیک ایسے شخص کی گواہی معتبر نہیں۔ حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک شوال کے چاند کے ثبوت کے لیے دو عادل گواہ ہونے ضروری ہیں۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک عورت کی گواہی قبول ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک نہیں۔ چاند دیکھنے کی کوشش: حنفیہ کے نزدیک (۹۵) انتیس شعبان کو لوگوں کے لیے چاند دیکھنے

کی کوشش کرنا واجب ہے، اسی طرح شوال کا چاند دیکھنا بھی واجب ہے تاکہ رمضان کے دن مکمل کیے جا سکیں۔ اگر چاند نظر آ جائے تو روزہ رکھیں اور اگر بادل ہوں تو شعبان کے تیس دن پورے کریں پھر روزے شروع کریں، کیوں کہ اصل یہ ہے کہ مہینہ تیس دن کا ہو، کمی کے لیے دلیل چاہیے جو موجود نہیں ہے۔

حنابلہ کے نزدیک (۹۶) روزے میں احتیاط اور اختلاف سے بچنے کے لیے چاند دیکھنے کی کوشش کرنا مستحب ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ شعبان کی تاریخوں کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ اتنا دوسرے کسی مہینے کا خیال نہیں رکھتے تھے، پھر رمضان کا چاند نظر آتا تو روزہ شروع کر دیتے“۔ (۹۷) حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے کہ ”رمضان کی خاطر شعبان کا حساب رکھو“۔ (۹۸)

سنت یہ ہے کہ جب آدمی چاند دیکھے تو تین بار اللہ اکبر کہے پھر یہ دعا پڑھے۔

اللهم اہلہ علینا بالیمن والایمان والامن والامان، ربی وربک اللہ  
(اے اللہ اس چاند کو ہم پر برکت والا، ایمان، امن اور سلامتی والا بنا کر  
چڑھا، میرا اور تیرا (چاند کا) رب اللہ ہے)

پھر تین بار کہے ”بھلائی اور ہدایت کا چاند“ پھر ”میں اس ذات پر ایمان لایا جس نے تجھے پیدا کیا“، پھر کہے ”اللہ کی تعریف ہے جس نے فلاں مہینہ ختم کر دیا اور فلاں شروع کر دیا“۔ الاثرم نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ جب نیا چاند دیکھتے تو فرماتے:

اللہ اکبر، اللهم اہلہ علینا بالامن والایمان، والسلامۃ والاسلام،  
والتوفیق لماتحب وترضی، ربی وربک اللہ

( اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ ہم پر امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ نیا چاند چڑھا۔ اور ان کاموں کی توفیق دے جو تجھے پسند ہیں اور جن سے تو راضی ہے۔ اے چاند، میرا اور تیرا رب اللہ ہے )

حنیفہ کے نزدیک جب چاند نظر آئے تو لوگوں کے لیے مکروہ ہے کہ اس کی طرف اشارہ کریں کیوں کہ یہ جاہلیت کا طریقہ تھا۔

### مطلب سوم: اختلاف مطالع

فقہاء کی دو مختلف آراء ہیں کہ کیا مشرق و مغرب میں دنیا بھر کے تمام مسلمانوں پر ایک ہی وقت میں روزے فرض ہوتے ہیں یا ایک وقت میں نہیں ہوتے؟ اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ کیا چاند طلوع ہونے کے وقت میں مختلف علاقوں میں اختلاف ہے یا نہیں اور اس اختلاف کا اعتبار ہے یا نہیں؟ جمہور کی رائے یہ ہے کہ مسلمان ایک ہی دن روزہ رکھیں اور اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں۔ شافعیہ کی رائے میں دور دراز کے علاقوں میں روزے شروع ہونے اور عید کرنے میں چاند کے مطالع کے اختلاف کا اعتبار ہے۔ صحیح یہ ہے کہ بعض شافعیہ نے قریب اور دور کی مسافت کا فرق ۸۹ کلومیٹر متعین کیا ہے اس قول کا کوئی اعتبار نہیں۔

یہ امر معلوم ہے کہ چاند کے مطالع میں بذات خود اختلاف موجود ہے اور اس پر اتفاق ہے یہ ایک واقعی امر ہے کہ دور دراز کے علاقوں میں ایک ہی وقت چاند نظر نہیں آتا جیسے سورج ایک ہی وقت طلوع نہیں ہوتا۔ اس امر میں بھی اختلاف نہیں کہ امام کو حق ہے کہ اس کے پاس موجود ثبوت کے مطابق روزہ رکھنے کا فرمان جاری کرے کیوں کہ حاکم کے فیصلے سے اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔ اس امر پر بھی اجماع ہے کہ بہت دور دراز علاقوں

مثلاً اندلس اور حجاز یا انڈونیشیا اور مغرب عربی میں ایک جگہ کے حاکم کا حکم دوسری جگہ نہیں چلے گا۔ (۹۹)

پہلے ہم اس اہم موضوع پر فقہاء کی عبارتیں نقل کرتے ہیں:

حنفیہ کے مطابق (۱۰۰) ظاہر مذہب میں اختلاف مطالع اور زوال سے پہلے یا بعد چاند نظر آنے کا کوئی اعتبار نہیں، اکثر مشائخ کی یہی رائے ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اہل مغرب کے چاند دیکھنے سے اہل مشرق پر روزہ فرض ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ چاند کا ثبوت اس طرح سے ہو جس سے روزہ واجب ہو جاتا ہے، یعنی دو شخص گواہی دیں یا قاضی کے فیصلے پر گواہی دیں یا مشہور خبر ہو۔ اگر یہ اطلاع دی جائے کہ فلاں شہر والوں نے چاند دیکھا تو اس کا اعتبار نہیں کیوں کہ یہ محض حکایت ہے۔

مالکیہ کی رائے (۱۰۱) یہ ہے کہ جب چاند دیکھ لیا جائے تو قریب دور کے تمام شہروں میں روزہ رکھا جائے، اس میں نہ تو قصر کی مسافت کا اعتبار ہے نہ اختلاف مطالع یا عدم اختلاف کا۔ جس شخص تک اطلاع پہنچے وہ روزہ رکھے بشرطیکہ چاند کا ثبوت دو عادل گواہوں کی گواہی سے ہو یا عام مشہور خبر سے۔

حنابلہ کے نزدیک (۱۰۲) جب کسی جگہ چاند نظر آنے کا ثبوت مل جائے تو سب لوگوں پر روزہ رکھنا واجب ہے، قریب ہوں چاہے دور۔ جس نے چاند نہیں دیکھا اس کے لیے بھی وہی حکم ہے جو چاند دیکھنے والے کے لیے ہے۔

شافعیہ کا قول (۱۰۳) یہ ہے کہ جس جگہ چاند نظر آئے اس کے قریب کے شہر کے لیے روزہ رکھنا ضروری ہے دور والوں کے لیے نہیں۔ صحیح روایت کے مطابق اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے۔ چوبیس فرسخ سے کم فاصلے پر اختلاف مطالع نہیں ہوتا۔ (۱۰۴)

جب ہم دور کے کسی شہر پر روزہ واجب نہیں کرتے تو اگر کسی ایسے شخص نے ایسے شہر سے جہاں پہلے چاند نظر آ گیا تھا دور کے شہر میں سفر کیا تو روزے ختم کرنے میں وہ انہیں کا ساتھ دے، خواہ اس کے تیس روزے پورے ہو جائیں کیوں کہ دوسرے شہر میں جانے سے وہ اب انہیں میں سے ایک ہو گیا ہے اس لیے اسے انہیں احکام کی پابندی کرنا ہے جو اس شہر کے لیے ہیں۔ ابن عباسؓ نے کریب کو ایسا ہی کرنے کا حکم دیا تھا، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

اگر کسی شخص نے دور کے شہر سے ایسے شہر میں سفر کیا جہاں ایک روز پہلے چاند نظر آ گیا تھا، تو ان کے ساتھ عید کرنا واجب ہے کیوں کہ اب وہ انہیں میں سے ہے۔ خواہ اس نے اٹھائیس روزے رکھے ہوں یا انتیس، کیوں کہ ان کے شہر میں رمضان مکمل ہو گیا ہے۔ اگر اس نے اٹھائیس روزے رکھے تو ایک روزہ قضا کرے کیوں کہ مہینہ انتیس دن سے کم کا نہیں ہوتا۔

جس کسی نے عید کی صبح سفر کیا اور اس کی کشتی یا جہاز کسی ایسے شہر پہنچ گئے جہاں کے لوگ روزے سے ہیں تو صحیح یہ ہے کہ اس کے لیے واجب ہے کہ سارا دن کھانے پینے سے رکا رہے کیوں کہ اب وہ ان میں سے ہو گیا ہے۔

دلائل:

شافعیہ کے دلائل: شافعیہ نے سنت، قیاس اور عقلی دلائل سے اختلاف مطالع پر استدلال کیا ہے۔

۱- سنت: شافعیہ نے دو حدیثوں سے استدلال کیا، ایک کریب کی حدیث اور دوسری ابن عمرؓ کی حدیث۔

الف: کریب کی حدیث: ام فضل نے کریب کو شام حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجا، انہوں نے بتایا کہ میں شام گیا، وہاں اپنا کام کیا، میں شام میں تھا کہ وہاں جمعہ کی رات رمضان کا چاند نظر آ گیا، پھر میں مہینے کے اخیر میں مدینہ آ گیا، مجھ سے عبداللہ بن عباسؓ نے پوچھا، پھر چاند نظر آنے کا ذکر کیا تو پوچھا، تم نے چاند کب دیکھا؟ میں نے کہا، ہم نے جمعہ کی رات چاند دیکھا، کیا تم نے خود دیکھا؟ میں نے کہا، میں نے خود اور عام لوگوں نے دیکھا۔ سب نے روزہ رکھا، حضرت معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا، ابن عباسؓ نے کہا، لیکن ہم نے ہفتے کی رات چاند دیکھا، ہم تو روزے رکھتے رہیں گے تا آنکہ تیس پورے ہو جائیں یا ہمیں انتیس کو چاند نظر آ جائے۔ میں نے کہا، کیا ہمارے لیے کافی نہیں کہ حضرت معاویہؓ نے چاند دیکھا اور روزہ رکھا؟ ابن عباسؓ نے کہا، نہیں، ہمیں رسول اللہ نے اسی طرح حکم دیا ہے۔ (۱۰۵) اس سے ثابت ہوا کہ ابن عباسؓ نے اہل شام کی روایت کا اعتبار نہیں کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ ایک علاقے کی روایت دوسرے علاقے کے لیے لازم نہیں ہے۔

ب۔ ابن عمرؓ کی حدیث: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے۔ چاند دیکھے بغیر روزہ نہ رکھو اور چاند دیکھے بغیر افطار نہ کرو، اگر بادل ہو تو اندازہ کر لو،“ (۱۰۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روزے کا وجوب چاند نظر آنے سے وابستہ ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر شخص چاند دیکھے، بعض لوگ دیکھ لیں تو کافی ہے۔

۲۔ قیاس: شافعیہ نے چاند کے اختلاف مطالع کو سورج کے اختلاف مطالع پر قیاس کیا، جس سے نمازوں کے اوقات وابستہ ہیں۔

۳۔ عقلی دلیل: شریعت نے روزے کا وجوب رمضان کے مہینے کی ولادت سے وابستہ کیا اور مختلف شہروں میں ان کے فاصلوں کی وجہ سے رمضان مختلف دنوں میں شروع ہوتا

ہے۔ پس شہروں کے اختلاف کی بنا پر روزے کے آغاز کے حکم میں بھی اختلاف ہوگا۔

**جمہور کے دلائل:** جمہور نے سنت اور قیاس سے استدلال کیا:

**سنت:** حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ کی حدیث ہے: کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو، اگر آسمان ابر آلود ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کر لو (۱۰۷) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مسلمانوں پر روزے کا وجوب محض چاند نظر آنے سے وابستہ ہے اور یہ مطلق حکم اپنے اطلاق پر ہی رہے گا، پس اگر مسلمانوں کی ایک جماعت یا ایک قابل اعتماد شخص نے چاند دیکھ لیا تو سب پر روزہ فرض ہو جائے گا۔

قیاس یہ ہے کہ جمہور نے دور کے شہروں کو قریب کے شہروں پر قیاس کیا، کہ جس شہر میں چاند نظر آیا، اگر اس کے قریب کے شہروں پر روزہ فرض ہے تو دور کے شہروں کے بارے میں فرق کرنا زبردستی ہے۔ کسی دلیل پر مبنی نہیں ہے۔

ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس مسئلہ میں چھ اقوال نقل کیے ہیں۔ صنعائیؒ نے کہا ہے کہ صحیح تر قول یہ ہے کہ جس شہر میں چاند نظر آئے اس کے طول بلد کے خطوط پر جو شہر قریب ہیں یعنی شمالاً جنوباً ان میں روزہ فرض قرار دیا جائے (۱۰۸) کیوں کہ شمالاً جنوباً مطلع متحد ہوتا ہے۔ اور اگر دو شہروں کے طول بلد میں اختلاف ہو یا عرض بلد میں اختلاف ہو تو مطلع مختلف ہو جاتا ہے۔

شوکانیؒ کی رائے میں اس مسئلے میں حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث حجت ہے، وہ اجتہاد جو ان کے قول سے لوگوں نے سمجھا وہ حجت نہیں۔ ان کے قول سے اشارہ اس طرف ہے کہ ”ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی حکم دیا تھا“ نیز یہ قول: ”ہم روزے رکھتے رہیں گے تا آنکہ تیس دن پورے ہو جائیں“۔



ابن عمرؓ کی حدیث میں جو حکم ہے وہ کسی ایک جگہ کے لوگوں کے لیے مختص نہیں بلکہ ہر مسلمان جو اس خطاب کا اہل اور مکلف ہے اسے حکم ہے، پس ایک شہر میں چاند نظر آنے سے دوسرے شہروں پر روزہ فرض کر دینے کا استدلال روزہ نہ فرض کرنے کی بہ نسبت زیادہ ظاہر ہے، کیوں کہ جب ایک شہر کے لوگوں نے چاند دیکھ لیا تو گویا تمام مسلمانوں نے دیکھ لیا، جو حکم دیکھنے والوں کے لیے ہے وہی دوسروں کے لیے بھی ہے۔

جس رائے پر اعتماد کرنا مناسب ہے وہ مالکیہ اور زیدیہ میں سے ایک جماعت کی رائے ہے جو ان کے مہدی نے بھی اختیار کی ہے اور جسے قرطبی نے اپنے شیوخ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب ایک شہر کے لوگ چاند دیکھ لیں تو تمام شہروں پر روزہ واجب ہو جانا چاہیے۔ (۱۰۹)

یہی رائے (یعنی جمہور کی رائے) ہی راجح ہے تاکہ مسلمانوں کی عبادت میں وحدت پیدا ہو اور ہمارے عہد میں جو ناخوشگوار اختلاف پیدا ہو گیا ہے، اسے روکا جاسکے، کیوں کہ روزے کے وجوب کا تعلق چاند دیکھنے سے ہے، شہروں کے قرب و بعد سے نہیں۔

فلکیاتی سائنس سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ اسلامی حکومتوں میں مہینے کا آغاز ایک ہی دن ہوتا ہے اسلامی ممالک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چاند کے طلوع کا زیادہ سے زیادہ کا فرق نو گھنٹے ہے تمام اسلامی ممالک رات کے اوقات میں شریک ہیں اس لیے ان کے لیے ممکن ہے کہ اگر ایک ملک میں چاند نظر آ جائے تو دوسرے ممالک میں تار اور ٹیلی فون وغیرہ کے ذریعے اطلاع بھجوا دی جائے۔ (۱۱۰)

احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عرب ممالک میں مشرق میں عمان سے مغرب اقصیٰ تک ایک ہی دن عید کی جائے۔

## بحث چہارم: روزے کی شرائط:

اس میں دو مطالب ہیں: اول: روزے کے وجوب کی شرائط اور دوم: روزے کے ادا کے صحیح ہونے کی شرائط۔

### مطلب اول: روزے کے وجوب کی شرائط:

فقہاء نے روزے کے وجوب کے لیے مندرجہ ذیل پانچ شرائط بتائی ہیں: (۱۱۱)

۱- اسلام: حنفیہ کے نزدیک اسلام روزے کے وجوب کی شرط ہے، جمہور کے نزدیک روزے کے درست ہونے کی شرط ہے۔ کافر پر روزہ واجب نہیں، حنفیہ کے نزدیک اس سے روزے کی قضا کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ جمہور کے نزدیک کافر کا روزہ کسی صورت نہیں ہوتا، اگر مرتد ہو تب بھی نہیں اور ان کے نزدیک بھی کافر کے ذمے روزوں کی قضا نہیں ہے۔ اس اختلاف کی بنیاد اس امر پر ہے کہ کیا کافر اسلامی شریعت کے فروعی احکام کے مخاطب ہیں یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک کافر شریعت کے فروعی احکام عبادات وغیرہ کے مخاطب نہیں ہیں، جمہور کے نزدیک کافر حالت کفر میں بھی فروعی احکام کے مخاطب ہیں یعنی ان کے لیے واجب ہے کہ پہلے اسلام قبول کریں، پھر روزہ رکھیں کیوں کہ اسلام کے بغیر روزہ صحیح نہیں ہوتا، روزہ خالص بدنی عبادت ہے جس کے لیے نیت کی ضرورت ہے اور نیت کے لیے اسلام شرط ہے جیسے کہ نماز کے لیے عبادات ادا نہ کرنے کی وجہ سے کفار کو آخرت میں مزید سخت سزا ہوگی، لیکن حالت کفر میں ان سے عبادات کا مطالبہ نہیں ہے۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ کیا آخرت میں عبادات کے ترک پر کفار کو عذاب زیادہ ہوگا یا نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک صرف کفر پر عذاب ہوگا جب کہ جمہور کے نزدیک کفر کے ساتھ شرعی احکام کے ترک پر زیادہ عذاب ہوگا۔ (۱۱۲)

اگر کوئی کافر رمضان کے مہینے میں مسلمان ہو تو باقی ماندہ ایام میں روزہ رکھے اور جو دن گزر گئے ہیں ان کے روزوں کی قضا اس کے ذمے نہیں ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے:

قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف (الانفال ۸: ۳۸)، (کافروں سے کہو، اگر وہ باز آ جائیں تو ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے) نیز حالت کفر کے اعمال کی قضا کا حکم دینے میں اسلام سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ ارتداد روزے کے صحیح ہونے میں رکاوٹ ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: لئن اشرکت لیحبطن عملک (الزمر ۳۹: ۶۵) (اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے)

اگر رمضان میں دن کے دوران کوئی کافر مسلمان ہو تو حنابلہ کے نزدیک باقی دن کھانے پینے سے رکا رہے اور اس دن کے روزے کی قضا کرے کیوں کہ اس نے عبادت کے وقت کا ایک حصہ اسلام کی حالت میں پالیا ہے، جیسا کہ نماز کے وقت کا کوئی حصہ پالے تو نماز فرض ہو جاتی ہے۔ حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ کھانے پینے سے رکا رہے تاکہ روزے کا احترام ملحوظ رہے اور روزہ داروں سے مشابہت پیدا ہو۔ مالکیہ کے نزدیک اس دن کا روزہ قضا کرنا مستحب ہے حنفیہ کے نزدیک نہیں اور شافعیہ کے نزدیک بھی صحیح تر روایت یہ ہے کہ قضا نہیں ہے کیوں کہ اسے اتنا پورا وقت نہیں ملا جس میں روزہ رکھا جاتا ہے۔ نیز اس کے لیے دن کے باقی حصے میں کھانے پینے سے رکا رہنا بھی ضروری نہیں کیوں کہ اس نے ایک عذر کی بنا پر روزہ چھوڑا ہے پس وہ مسافر اور مریض کے مشابہ ہے لیکن اگر مرتد اسلام قبول کر لے تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس نے حالت کفر میں جو روزے چھوڑے ہیں ان کی قضا ضروری ہے کیوں کہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اس پر روزے لازم ہو گئے تھے اور ارتداد کی وجہ سے ساقط نہیں ہوئے

جیسے کہ آدمیوں کے حقوق ساقط نہیں ہوتے۔

۲-۳- بلوغ اور عقل: بچے، دیوانے، بے ہوش اور مدہوش شخص پر روزہ واجب

نہیں ہے۔ کیوں کہ ان میں روزے کی اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے اس کے حکم کے مخاطب

نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا یہی مفہوم ہے: آپ نے فرمایا: تین افراد سے ذمہ داری

اٹھالی گئی ہے: بچے سے تا آنکہ بالغ ہو جائے، دیوانے سے تا آنکہ اسے افاقہ ہو جائے اور

سونے والے سے تا آنکہ بیدار ہو جائے۔ جس شخص کی عقل زائل ہوگئی ہو، اس کے زوال

عقل کی حالت میں اس سے روزہ رکھنے کا مطالبہ نہیں ہے۔ نیز دیوانہ، بے ہوش اور مدہوش

آدمی بھی روزہ نہیں رکھ سکتا کیوں کہ اس کے لیے نیت کرنا ممکن نہیں ہے۔

شعور و تمیز رکھنے والے لڑکے اور لڑکی کا روزہ صحیح ہے جیسا کہ ان کی نماز صحیح ہے،

شافعیہ، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک سات سال کے بچوں کے نگرانوں کو چاہیے کہ انہیں روزہ

رکھنے کا کہیں اور دس سال کے ہو کر اگر نہ رکھیں تو انہیں مارا جائے تاکہ روزے رکھنے کے

عادی ہو جائیں البتہ روزہ رکھنا مشکل ہے اس لیے اس کے لیے ہمت کا اعتبار ہے کیوں کہ

نماز پڑھی جاسکتی ہے لیکن روزہ رکھنا مشکل ہوتا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں بچوں کو روزے کا حکم نہیں دینا چاہیے جب کہ اس کے برعکس نماز کا

حکم دینا چاہیے۔ بچوں پر روزے فرض نہیں ہیں تا آنکہ لڑکے کو احتلام ہو جائے اور لڑکی کو

حیض آجائے بالغ ہونے سے بدنی عبادتیں فرض ہوتی ہیں۔

اگر لڑکا دن کے دوران بالغ ہو جائے تو حنفیہ کے نزدیک دن کا باقی حصہ کھانے

پینے سے رکا رہے جیسا کہ کافر اگر مسلمان ہو تو وہ بھی باقی دن رکا رہے۔ اور اس کے بعد

کے دنوں میں روزے رکھے کیوں کہ اس کے بعد روزوں کا سبب اور اہلیت دونوں پیدا ہو

گئی ہیں، لیکن اس روز کی قضا نہ کرے جس روز روزہ رکھنے کا اہل ہوا ہے اور نہ اس سے پہلے دنوں کی، کیوں کہ ان دنوں میں اہلیت نہ ہونے کے باعث اسے روزہ رکھنے کا حکم نہیں تھا۔ جو کوئی رمضان میں بے ہوش ہو جائے تو حنفیہ کے نزدیک اس روز کی قضا نہ کرے جس روز بے ہوش ہوا ہے کیوں کہ اس دن وہ روزے سے تھا یعنی نیت کے ساتھ کھانے پینے سے رکا ہوا تھا، کیوں کہ بظاہر وہ روزہ دار ہی ہوا ہوگا، کیوں کہ بالعموم مسلمان کی راتیں اگلے روز کے روزے کی نیت سے خالی نہیں ہوتیں اور بعد کے دنوں کے روزوں کی قضا کرے کیوں کہ ان دنوں میں نیت نہیں تھی۔ اگر رمضان کی پہلی رات بے ہوش ہوا تو اس روز کے علاوہ باقی دنوں کے روزے قضا کرے، کیوں کہ بظاہر مسلمان روزے کی نیت سے ہوتا ہے۔

اگر کسی شخص کو پورا رمضان بے ہوشی رہی تو وہ تمام روزے قضا کرے، کیوں کہ یہ بیماری کی ایسی قسم ہے جس سے قوی مضمحل ہو جاتے ہیں، عقل مکمل طور پر زائل نہیں ہوتی، اس لیے روزے کی تاخیر کے لیے تو عذر ہے لیکن معافی کے لیے نہیں۔

اگر دیوانے کو رمضان کے بعض حصے میں افاقہ ہو گیا تو جو دن گزر گئے ان کے روزہ قضا کر لے کیوں کہ سبب یعنی ماہ رمضان کا وجود پایا گیا اور بلا کسی مانع کے روزے واجب ہونے کی اہلیت بھی پائی گئی۔ جب وجوب اس طرح پایا جائے کہ کوئی مانع نہ ہو تو قضا واجب ہو جاتی ہے۔ اگر کسی کو سارا مہینے دیوانگی رہی اور اتنا وقت افاقہ نہیں ہوا جس میں روزہ رکھا جاسکے تو قضا نہ کرے کیوں کہ اس میں حرج ہے، اس کے برعکس بے ہوشی میں قضا واجب ہے کیوں کہ بے ہوشی بالعموم تمام وقت نہیں رہتی اور طویل بے ہوشی بہت شاذ و نادر ہوتی ہے اور نادر امور میں حکم مرتب کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بے ہوشی اور ایسی دیوانگی جس سے افاقہ ہو جائے روزے کے وجوب اور قضا میں رکاوٹ نہیں ہے اور اگر دیوانگی رمضان کا پورا مہینہ رہے تو دیوانے پر قضا واجب نہیں اور اگر بے ہوشی پورا مہینہ رہے تو قضا واجب ہے اور مدہوشی بے ہوشی کی طرح ہے۔

مالکیہ کے نزدیک دیوانے کا روزہ درست نہیں اور اس پر مطلقاً قضا واجب ہے۔ ان کا مشہور قول یہی ہے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”دیوانے پر کوئی ذمہ داری نہیں تا آنکہ اسے افاقہ ہو جائے“۔ ابن رشد نے کہا ہے کہ یہ قول ضعیف ہے۔ بے ہوشی والے کا روزہ بھی مطلقاً صحیح نہیں ہے اور اس پر قضا واجب ہے، اگر پورا دن یا دن کا اکثر حصہ بے ہوش رہا اور اگر تھوڑا وقت مثلاً فجر کے بعد نصف یوم یا اس سے کم بے ہوش رہا تو قضا نہیں ہے۔

اگر رات کو بے ہوش ہوا اور طلوع فجر کے بعد ہوش آیا تو روزہ قضا کرے کیوں کہ نیت کے وقت وہ ہوش میں نہیں تھا اور عاقل نہیں تھا۔ نمازیں صرف وہی قضا کرے جن کے وقت میں اسے افاقہ تھا۔ بے ہوشی نیند سے مختلف ہے کیوں کہ بے ہوش نیند اور دیوانگی کے درمیان کا مرحلہ ہے۔

سونے والا خواہ سارا دن سویا رہے وہ روزہ قضا نہیں کرے گا۔ مدہوشی بے ہوشی کی طرح ہے البتہ اس کے لیے ضروری ہے کہ باقی دن کھانے پینے سے رکا رہے۔ جو رات کے وقت مدہوش ہو گیا اور صبح کے وقت تک اس کی عقل ٹھکانے نہیں تھی تو اس کے لیے روزہ توڑنا جائز نہیں البتہ اس پر قضا واجب ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں جب لڑکا جوان ہو جائے یا دیوانے کو دن کے دوران افاقہ ہو جائے تو یہ اس طرح ہے جیسے کافر مسلمان ہو جائے، صحیح روایت یہ ہے کہ نہ اس پر قضا ہے نہ

اسے باقی دن کھانے پینے سے رکنا ضروری ہے۔ جو روزے بے ہوشی، ارتداد یا مدہوشی کے دوران قضا ہو گئے ہوں ان کو قضا کرنا واجب ہے۔ اصل کفر، بچپن اور جنون میں جو رہ گئے ہوں ان کی قضا واجب نہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص خود دیوانہ ہو گیا مثلاً رات کو دانستہ کوئی ایسی چیز کھالی جس سے دن کے وقت اس کی عقل جاتی رہی تو جتنے دن دیوانہ رہے گا ان دنوں کے روزے قضا کرے گا۔ کافر کے جو روزے قضا ہوئے انہیں رکھنا واجب نہیں کیوں کہ ان کو واجب قرار دینے میں اسلام سے متنفر کرنے کا پہلو ہے اور ارشاد ربانی ہے: قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفرلھم ماقد سلف (الانفال ۸: ۳۸، کافروں سے کہہ دو، اگر تم باز آ جاؤ تو تمہارے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے) اور بچے یا مجنون پر بھی پچھلی عبادتوں کی قضا نہیں ہے کیوں کہ ان پر سے ذمہ داری اٹھالی گئی ہے۔

اگر کوئی شخص مرتد ہو گیا، پھر دیوانہ یا مدہوش ہو گیا تو صحیح یہ ہے کہ دیوانگی اور مدہوشی کے تمام ایام کی قضا کرے کیوں کہ ارتداد کا حکم مسلسل چل رہا ہے بخلاف مدہوشی کے۔ حیض والی عورت، بلا عذر روزہ چھوڑنے والے، نیت نہ کرنے والے، مسافر اور مریض کے ذمہ قضا ہے جس کی تفصیل آئندہ بیان ہوگی۔

حنا بلہ کہتے ہیں، اگر نابالغ لڑکا لڑکی روزے سے ہوں اور رمضان میں دن کے وقت پورے پندرہ سال کے ہو کر یا احتلام کی وجہ سے جوان ہو جائیں تو بالاتفاق اپنا روزہ پورا کریں اور اگر رات سے نیت کی ہو تو روزے کی قضا نہیں ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ روزے کے شروع کا حصہ نفل اور باقی فرض ہو جیسے نفل پورے کرنے کی منت ماننا۔

اگر مہینے کے درمیان میں مجنون کو افاقہ ہو جائے تو بالاتفاق باقی ایام کے روزے رکھے۔ اور جو دن گزر گئے ہیں ان کے روزوں کی قضا نہیں کرے گا خواہ اپنے اختیار (مثلاً

دانستہ طور پر کوئی نشہ آور چیز کھانے) سے دیوانہ ہو گیا تھا یا بلا اختیار، بخلاف حنفیہ اور مالکیہ کے، کیوں کہ ان کے نزدیک اسی صورت میں قضا لازم ہے۔ اگر مہینے کے دوران دیوانگی سے افاقہ ہو گیا، کیوں کہ دیوانی کی وجہ سے ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے اس لیے اس وقت کے روزوں کی قضا واجب نہیں جیسے چھوٹی عمر اور بڑھاپے کے روزوں کی قضا واجب نہیں۔

رہی اس دن کے روزے کی قضا جس میں کوئی کافر مسلمان ہوا ہو یا لڑکا جوان ہوا ہو یا دیوانے کو صحت ہوئی ہو تو اس دن کھانے پینے سے رکے رہنے کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ صحیح تر روایت یہ ہے کہ اس روز کھانے پینے سے احتراماً رکا رہے اور بعد میں اس روزے کی قضا کرے۔

کیوں کہ چاند نظر آنے کی وجہ سے روزے کے وجوب کی دلیل موجود ہے اور روزے کے وقت کا ایک حصہ اسے ملا ہے، جیسے کہ نماز کے جز پانے سے نماز واجب ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو بلا عذر روزہ توڑ دے اسے بھی کھانے پینے سے رکا رہنا چاہیے اور قضا بھی کرنا چاہیے۔ جس شخص نے یہ سوچتے ہوئے کہ ابھی صبح نہیں ہوئی کھا پی لیا حالانکہ صبح ہو گئی تھی یا خیال کیا کہ سورج غروب ہو گیا اور ابھی غروب نہیں ہوا تھا یا نیت کرنا بھول گیا، یا حیض و نفاس والی عورت پاک ہو گئی یا دانستہ روزہ نہیں رکھا تھا، پھر حیض یا نفاس شروع ہو گیا یا مقیم تھا اور دانستہ روزہ نہیں رکھا پھر سفر شروع کر دیا، یا مسافر تھا مقیم ہو گیا یا اتنی مدت ٹھہرنے کی نیت کر لی جس کی وجہ سے قصر ختم ہو گیا یا مریض تھا روزہ نہیں رکھ رہا تھا کہ صحت مند ہو گیا ان تمام افراد کو احتراماً کھانے پینے سے باز رہنا ہے اور قضا بھی کرنا ہے۔ نیند کا روزے پر کوئی اثر نہیں پڑتا، چاہے دن کا کچھ حصہ سویا رہے یا سارا دن۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسلسل دیوانگی جمہور کے نزدیک قضا کو واجب نہیں کرتی، صرف مالکیہ



کے مشہور قول کے مطابق قضا واجب ہے اور بے ہوشی کے باعث بالاتفاق قضا واجب ہوتی ہے اور اگر بے ہوش فرد لمحہ بھر کے لیے دن میں ہوش میں آ گیا تو شافیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کا روزہ درست ہے۔ اگر سارا دن بے ہوشی طاری رہی تو روزہ نہیں ہوگا۔ بے ہوش آدمی کا روزہ حنفیہ کے نزدیک مطلقاً درست ہے اور مالکیہ کے نزدیک اسی صورت میں درست ہے جب کہ تھوڑی دیر یعنی نصف یوم یا اس سے کم وقت بے ہوش رہے۔

۴-۵- قدرت (یعنی بیماری سے صحت) اور مقیم ہونا: مریض اور مسافر پر روزہ واجب نہیں ہے۔ اگر وہ روزہ نہیں رکھتے تو بالاتفاق ان پر قضا واجب ہے۔ اگر روزہ رکھ لیتے ہیں تو ان کا روزہ درست ہے۔ اس کی دلیل ارشاد ربانی ہے: ایاماً معدودات، فمن كان منكم مريضاً او على سفر فعدة من ايام اخرو على الذين يطيقونه فدية طعام مسكين، فمن تطوع خيراً فهو خير له وان تصوموا خير لكم ان كنتم تعلمون (البقرہ، ۲: ۱۸۳)، گنتی کے چند دن، جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں کی گنتی پوری کرے، جو لوگ بہت مشکل سے روزے رکھ سکتے ہوں وہ فدیہ دے دیں، ایک مسکین کو کھانا کھلانا، جو کوئی نیکی کرے تو اس کے لیے بہتر ہے اور اگر تم روزہ رکھو تو تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تمہیں علم ہو) جب مسافر کا سفر ختم ہو جائے تو باقی دن کھانے پینے سے رکا رہے جیسا کہ حیض والی عورت جب پاک ہو تو باقی دن کچھ نہ کھائے پیئے۔

جو شخص بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکتا ہو، اس پر روزہ واجب نہیں اور نہ حیض والی عورت پر کیوں کہ وہ شرعاً معذور ہے اور نہ حاملہ اور دودھ پلانے والی پر کیوں کہ وہ حسی طور پر معذور ہیں۔ مسافر پر روزہ واجب نہ ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ سفر اتنا ہو جس میں نماز میں قصر کیا جاتا ہے اور جمہور (حنفیہ کے علاوہ) کے نزدیک سفر مباح ہو، گناہ کے

لیے نہ ہو، کیوں کہ ممنوع امور میں شرعی سہولتیں میسر نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک سفر کا مباح ہونا ضروری نہیں کیوں کہ رخصت کا سبب سفر ہے اور وہ موجود ہے۔ جمہور (حنابلہ کے علاوہ) کے نزدیک آغاز سفر فجر سے پہلے ہو، اگر مقیم روزے سے تھا پھر اس نے سفر شروع کیا تو روزہ نہ چھوڑے کیوں کہ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو سفر و حضر میں کی جاسکتی ہے، پس اس صورت میں حضر کی جانب کو غلبہ رہے گا کیوں کہ اصل یہی ہے کہ آدمی مقیم ہو۔ اگر کوئی شخص روزے سے تھا، پھر بیمار ہو گیا تو روزہ توڑ دے کیوں کہ روزہ توڑنا مباح ہو گیا ہے اور اگر مسافر مقیم ہو گیا یا بیمار شفا یاب ہو گیا تو روزہ توڑنا حرام ہے۔

حنابلہ نے یہ شرط نہیں لگائی لیکن جس شخص نے روزے کی حالت میں سفر شروع کیا، اس کے لیے افضل یہ ہے کہ روزہ مکمل کرے تاکہ ان فقہاء کے اختلاف سے بچ سکے جو روزے توڑنے کو مباح نہیں قرار دیتے اور نماز کی طرح حضر کے حکم کو اصل قرار دے کر اسے غالب سمجھتے ہیں۔

حنفیہ کے ہاں روزے کے واجب ہونے کی ایک اور شرط ہے جو ایک بدیہی امر ہے اور وہ یہ کہ جو شخص دارالحرب میں مسلمان ہوا اسے روزے کے واجب ہونے کا علم ہو یا دارالاسلام میں پلا بڑھا ہو۔

### مطلب دوم: روزے کے صحیح ہونے کی شرائط:

حنفیہ کے ہاں روزے کے صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں: (۱۱۳) نیت، ایسے امور سے پاک ہونا جو روزے کے منافی ہوں مثلاً حیض و نفاس، اور ایسے امور سے پاک ہونا جو روزہ توڑ دیں۔ پس جب عورت کو حیض آجائے تو روزہ توڑ دے اور بعد میں قضا کرے۔

مالکیہ کے نزدیک چار شرطیں ہیں: (۱۱۴) نیت، حیض و نفاس سے پاک ہونا، اسلام

اور وقت کا روزے کے قابل ہونا، کیوں کہ عید کے دن کا روزہ صحیح نہیں ہے۔ مالکیہ کے نزدیک روزے کے درست ہونے کے لیے عقل کی بھی شرط ہے، دیوانے اور بے ہوش آدمی کا روزہ صحیح نہیں اور ان پر روزہ واجب بھی نہیں۔

شافعیہ نے بھی چار شرطیں بتائی ہیں: (۱۱۵) اسلام، عقل، پورا دن حیض و نفاس سے پاک ہونا اور وقت کا روزے کے قابل ہونا۔ کافر، دیوانے، بے شعور بچے اور حیض و نفاس والی عورت کا روزہ صحیح نہیں ہے۔ رہی نیت تو وہ شافعیہ کے نزدیک رکن ہے۔

حنابلہ کے ہاں تین شرائط ہیں: (۱۱۶) اسلام، نیت اور حیض و نفاس سے طہارت۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام فقہاء نیت اور پورا دن حیض و نفاس سے پاک ہونے کی شرط پر متفق ہیں۔ رہا اسلام تو وہ جمہور کے نزدیک روزہ صحیح ہونے کے لیے شرط ہے، حنفیہ کے نزدیک واجب ہونے کے لیے شرط ہے۔ اب ہم نیت کی شرط پر تفصیل سے بحث کریں گے۔

طہارت کی شرط: فقہاء کا اتفاق ہے کہ جنابت سے پاک ہونا شرط نہیں کہ پہلے جنابت زائل کرے۔ کیوں کہ رات کے وقت بوجہ ہم بستری اس کی ضرورت پڑتی ہے اور دن کے وقت بوجہ احتلام وغیرہ واقع ہو سکتا ہے۔ حضرت عائشہ اور ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ جماع کی جنابت نہ کہ احتلام کی جنابت کی حالت میں صبح کرتے پھر رمضان کا روزہ رکھ لیتے“۔ (۱۱۷) حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ جماع سے جنابت کی حالت میں صبح کرتے، احتلام کی وجہ سے نہیں، پھر نہ تو روزہ چھوڑتے اور نہ قضا کرتے“۔ (۱۱۸) جس کسی نے جنابت کی حالت میں صبح کی اور نہایا نہیں یا عورت فجر سے پہلے حیض سے پاک ہو گئی اور انہوں نے فجر کے بعد غسل کیا تو ان کا اس دن کا روزہ صحیح ہو گیا۔

نیت: اب ہم روزے میں نیت کی تعریف بیان کرتے ہیں، کیا یہ شرط ہے یا رکن، اس کا موقع، شرائط، طریقہ اور اثرات کیا ہیں؟

نیت کی تعریف: ارادہ، کسی کام کے کرنے کا دل میں اعتقاد اور پختہ عزم ہونا، جس میں تردد نہ ہو۔ یہاں روزے کی نیت مراد ہے کہ رات کو جب دل میں یہ خیال آیا کہ کل رمضان ہے اور میرا روزہ ہوگا تو نیت ہوگئی۔

کیا نیت شرط ہے یا رکن؟

فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ہر قسم کے روزے میں نیت مطلوب ہے، فرض ہو چاہے نفل، یا شرط ہونے کی حیثیت سے یا رکن کی حیثیت سے۔ یاد رہے شرط وہ ہے جو کسی چیز کی حقیقت اور ماہیت سے خارج ہو اور رکن حقیقہ کے نزدیک ماہیت کا جزء ہوتا ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے: ”اعمال کا دارومدار نیت پر ہے“۔ (۱۱۹) نیز آپؐ نے فرمایا: ”صبح سے پہلے جس نے روزے کی نیت نہ کی، اس کا روزہ نہیں ہے“ (۱۲۰)۔ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مرفوع حدیث بیان کی کہ ”جس نے رات سے ہی طلوع فجر سے پیشتر روزے کی نیت نہ کی اس کا روزہ نہیں“۔ (۱۲۱) نیز روزہ خالص عبادت ہے اس لیے نماز کی طرح نیت کا محتاج ہے۔

حنیفہ، حنابلہ اور مالکیہ کے راجح قول کے مطابق نیت شرط ہے (۱۲۲) کیوں کہ روزہ رمضان کا ہو یا غیر رمضان کا عبادت ہے۔ عبادت بندے کے اس فعل کو کہتے ہیں جو وہ اپنے اختیار سے اللہ کے حکم کے مطابق خالص اللہ کے لیے کرے۔ اختیار اور اخلاص کا وجود نیت کے بغیر ممکن نہیں، پس نیت کے بغیر روزہ ادا نہیں ہوتا۔ اسی سے عبادت اور عادات میں امتیاز ہوتا ہے۔

شافعیہ کے نزدیک (۱۲۳) نیت بھی روزہ توڑنے والی چیزوں سے رکن کی طرح

روزے کا رکن ہے۔

نیت کا محل: دل ہے، زبان سے نیت ہرگز کافی نہیں اور نہ زبان سے نیت کرنا شرط ہے۔ (۱۲۳) لیکن مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک زبان سے نیت کرنا مسنون ہے، مالکیہ کے نزدیک زبان سے نیت نہ کرنا اولیٰ ہے۔

نیت کی شرائط: نیت میں مندرجہ ذیل شرائط ہیں:

۱- رات سے نیت کرنا: یعنی نیت رات میں واقع ہو۔ یہ متفقہ شرط ہے (۱۲۵) اس کی دلیل اوپر مذکور حدیث ہے کہ ”جس نے طلوع فجر سے پہلے رات کو ہی نیت نہ کی، اس کا روزہ نہیں ہے“۔ نیز نیت نماز کی طرح عبادت کے ابتدا میں ہونا ضروری ہے۔

البتہ بعض فقہاء نے روزے کی بعض اقسام میں گاہے گاہے نیت کے وقت کی تحدید میں تساہل سے کام لیا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک (۱۲۶) تمام روزوں میں افضل یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو طلوع فجر کے وقت نیت کرے یا رات کو کرے، کیوں کہ طلوع فجر کے وقت کی نیت عبادت کے ابتدائی جز سے حقیقتاً متصل ہوتی ہے اور رات کی نیت تقدیراً متصل ہوتی ہے۔

اگر طلوع فجر کے بعد نیت کی تو اگر روزہ دین (قرض یعنی قضا) ہے تو بالاتفاق جائز نہیں اور اگر عین ہے یعنی رمضان کا روزہ ہے یا رمضان کے علاوہ نفل روزہ ہے یا متعین نذر ہے تو جائز ہے۔

روزے کی دو قسمیں ہیں:

الف- وہ قسم جس میں رات سے نیت کرنا اور روزے کو متعین کرنا شرط ہے: یہ وہ

روزہ ہے جو کسی کے ذمے ثابت ہے مثلاً رمضان کا قضا روزہ، نفل روزہ جو توڑ دیا گیا ہو اس کی قضا، تمام قسم کے کفاروں کے روزے مثلاً قسم کا کفارہ، تمتع اور قرآن کے روزے اور مطلق نذر مثلاً کسی نے کہا: اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دی تو میں ایک دن روزہ رکھوں گا، اسے شفا ہوگئی تو رات سے روزے کی نیت کے بغیر روزہ جائز نہیں ہوگا۔

ب۔ وہ قسم جس میں رات سے نیت کرنا اور روزے کو متعین کرنا شرط نہیں: یہ وہ روزہ ہے جو کسی وقت کے ساتھ متعلق ہے مثلاً رمضان کا روزہ، متعین وقت کی نذر کا روزہ، تمام نفل روزے، خواہ مستحب ہوں یا مکروہ، رات سے لے کر دن کے نصف سے پہلے تک کسی بھی وقت نیت کرنے سے ہو جاتے ہیں اور نصف دن طلوع فجر سے بڑی چاشت تک ہوتا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک (۱۲۷) نیت مؤثر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ رات کو نیت کی جائے، غروب آفتاب کے بعد سے لے کر رات کے کسی حصے میں یا طلوع فجر کے وقت۔ پہلی صورت میں نیت کرنے کے بعد کھانے پینے اور جماع کرنے اور سونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ بے ہوشی اور دیوانگی اگر فجر تک جاری رہتی ہیں تو ان سے نیت باطل ہو جاتی ہے۔ اگر فجر تک جاری نہیں رہتی تو نیت درست ہے۔ اگر آئندہ کل کے لیے سورج غروب ہونے سے پہلے نیت کر لی یا جس دن روزہ رکھ رہا ہے اس دن سورج کے زوال سے پہلے نیت کر لی تو نیت درست نہیں، خواہ نفل روزہ ہو۔

شافعیہ کے نزدیک (۱۲۸) رمضان کے فرض روزوں اور دوسرے فرض روزوں مثلاً قضا اور نذر کے لیے رات سے نیت کرنا شرط ہے اور صحیح یہ ہے کہ آدھی رات کے بعد نیت کرنے کی شرط نہیں ہے اور نیت کے بعد کھانے پینے اور جماع کرنے میں کوئی حرج نہیں

اور اگر نیت کے بعد سو گیا، پھر بیدار ہو گیا تو نیت کی تجدید کی ضرورت نہیں۔

سورج کے زوال سے پہلے نفل روزے کی نیت کرنا درست ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز حضرت عائشہؓ سے پوچھا: ”کیا آپؓ کے پاس اس وقت کھانے کو کچھ ہے؟“ انہوں نے کہا، نہیں، آپؓ نے فرمایا، پھر میرا روزہ ہے، وہ کہتی ہیں کہ ایک اور دن آپؓ نے پوچھا، کیا کھانے کو کچھ ہے؟ انہوں نے کہا، ہے۔ آپؓ نے فرمایا، پھر میں کھا لیتا ہوں، اگرچہ میں نے روزے کا ارادہ کر لیا تھا۔“ (۱۲۹) اس حدیث کا تعلق زوال سے پہلے کے وقت سے ہے، کیوں کہ حدیث میں غداء کا لفظ استعمال ہوا ہے جو اس کھانے کو کہتے ہیں جو زوال سے پہلے کھایا جائے اور عشا سے کہتے ہیں جو زوال کے بعد کھایا جائے کیوں کہ زوال سے پہلے کا کھانا مضبوط اور واضح ہوتا ہے، اس سے آدمی دن کا زیادہ حصہ گزارتا ہے۔ یہ امر بدیہی ہے کہ روزے کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دن کے شروع سے ہی ایسی چیزوں سے رکا رہا ہو جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

حنابلہ (۱۳۰) کی رائے شافعیہ سے ہم آہنگ ہے۔ فرض یا واجب روزہ رات سے نیت کیے بغیر صحیح نہیں ہوتا کیوں کہ اوپر مذکور حدیث میں ہے کہ: ”جس نے فجر سے پہلے روزے کی نیت نہیں کی اس کا روزہ نہیں ہے۔“ البتہ نفل روزہ دن شروع ہونے سے پہلے اور بعد میں شافعیہ کی رائے کے برعکس نیت کر کے رکھنا صحیح ہے بشرطیکہ صبح سے کچھ کھایا پیا نہ ہو، کیوں کہ اوپر مذکور حضرت عائشہؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ ایک دن حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لائے اور پوچھا، کیا کھانے کو کچھ ہے؟ انہوں نے کہا، نہیں، آپؓ نے فرمایا، پھر میرا روزہ ہے۔“ (۱۳۱) نیز عاشورا کے بارے میں حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، آپؓ نے فرمایا: ”یہ عاشورا ہے، اللہ نے اس دن تم پر روزہ

فرض نہیں کیا، میرا روزہ ہے، جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔ (۱۳۲) نماز میں بھی نوافل میں فرائض کی بہ نسبت تخفیف ہوتی ہے، نوافل کے لیے قیام شرط نہیں اور سواری پر جہت قبلہ سے ہٹ کر بھی نوافل ادا کیے جاسکتے ہیں، اسی طرح روزے میں بھی تخفیف ہے تاکہ روزے بکثرت رکھے جائیں، رات سے نیت کی شرط میں مشقت ہے اس لیے اس کی معافی ہے یہ حضرت ابو الدرداءؓ، ابو طلحہؓ، معاذؓ، ابن مسعودؓ، حذیفہؓ، سعید بن المسیبؓ، سعید بن جبیرؓ، نخعیؓ اور اصحاب رائے کا قول ہے۔

ہمارے خیال میں اس رائے کو ترجیح ہے اور حضرت عائشہؓ کی حدیث نے اس حدیث کی تخصیص کر دی ہے جس میں یہ ہے کہ ”جس نے رات سے روزے کی نیت نہیں کی اس کا روزہ نہیں ہے“ نیز حضرت عائشہؓ کی حدیث دوسری حدیث کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہے جیسا کہ ابن قدامہ نے تصریح کی ہے۔

۲- فرض روزے میں نیت کی تعیین: یہ جمہور کے نزدیک شرط ہے۔ امام حنیفہ کے نزدیک نہیں۔ حنیفہ کی رائے یہ ہے (۱۳۳) کہ جیسا کہ پچھلی شرط میں بیان ہوا کہ ایسے روزے میں جو کسی معین وقت سے متعلق ہو نیت کی تعیین شرط نہیں مثلاً رمضان کا روزہ یا کسی متعین دن کے روزے کی منت ہو یا مطلقاً نفل روزہ ہو کیوں کہ اس کے لیے جو وقت مختص ہے وہ رمضان کا مہینہ ہے یا متعین دن ہے جس کے روزے کی منت مانی ہے یعنی یا تو وہ وقت اتنا تنگ ہے کہ اس میں صرف اسی روزے کی گنجائش ہے یا وہ وقت روزے کے لیے معیار ہے اس میں مثلاً رمضان کے روزے کے علاوہ اور کسی روزے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

اگر روزہ دار تندرست اور مقیم ہے تو کسی دوسرے واجب کی نیت سے بھی رمضان



میں رمضان کا روزہ ہی ہو گا البتہ مسافر جس واجب روزے کی نیت کرے گا وہ ہو گا۔ مریض بھی اگر کسی دوسرے واجب روزے کی نیت کرتا ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہی روزہ ہو گا کیوں کہ اس نے اپنی حالت کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنے وقت کو اہم روزے سے مشغول کرے نیز اسے بشرط صحت دوسرے دنوں میں روزہ رکھنے کا اختیار ہے۔ صاحب ہدایہ اور اکثر مشائخ بخاری نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے کیوں کہ مریض کو معلوم نہیں کہ اس کا مقدر کیا ہے؟ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک مسافر اور مقیم، تندرست اور بیمار میں کوئی فرق نہیں، اگر انہوں نے کسی دوسرے واجب روزے کی نیت کی تو ان کا رمضان کا روزہ ہی ہو گا کیوں کہ بیماری اور سفر میں رخصت اس وجہ سے تھی کہ معذور کو مشقت نہ ہو اور جب کوئی مشقت اٹھانے کو تیار ہے تو غیر معذور سمجھا جائے گا۔

جمہور کی رائے یہ ہے (۱۳۴) کہ واجب روزے میں نیت کی تعیین ضروری ہے، اور وہ یہ ہے کہ یہ نیت کرے کہ کل رمضان کا روزہ رکھے گا یا قضا روزہ یا کفارے کا یا نذر کا، مطلقاً روزے کی نیت کافی نہیں ہے، کیوں کہ روزہ (۱۳۵) ایک ایسی عبادت ہے جو وقت کے ساتھ وابستہ ہے پس اس کے لیے نیت کی تعیین ضروری ہے جیسے پانچ نمازیں اور قضا نماز۔ اگر رمضان میں کسی اور روزے کی نیت کی تو کوئی روزہ نہیں ہو گا۔

۳۔ پختہ نیت: یہ جمہور کے نزدیک شرط ہے، حنفیہ کے نزدیک نہیں۔ حنفیہ (۱۳۶) کی رائے یہ ہے کہ جو روزے کسی متعین وقت کے ساتھ مختص ہیں ان میں پختہ نیت شرط نہیں۔ اگر کسی شخص نے تمیں شعبان کی رات روزے کی نیت کی کہ اگر رمضان ہو گیا تو رمضان کا روزہ ہو جائے گا تو جس نیت سے بھی روزہ رکھا اگر رمضان شروع ہو گیا تو وہ رمضان کا روزہ ہو جائے گا۔ ہاں اگر مسافر تھا یا کسی دوسرے واجب روزے کی نیت کی تھی تو نیت

کے مطابق روزہ ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک شک کے دن کا روزہ فرض ہو خواہ واجب مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا اس طرح ایسا روزہ جس کی نیت میں تردد ہو کہ نفل ہے یا واجب مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ قطعی نیت کے ساتھ نفل روزہ جس کی نیت میں کوئی تردد نہ ہو مکروہ نہیں ہے۔

جمہور کی رائے یہ ہے (۱۳۷) کہ نیت میں قطعیت ہونا ضروری ہے مثلاً کسی شخص نے شک کی رات نیت کر لی کہ اگر کل رمضان ہوا تو رمضان کا روزہ ہے ورنہ نفل یا کوئی دوسرا واجب جو اس نے اپنی نیت سے متعین کیا ہو، مثلاً نذر یا کفارے کی نیت کر لے تو کوئی روزہ بھی نہیں ہوگا کیوں کہ اس نے کسی روزے کی قطعی نیت نہیں کی۔ اور رمضان کے روزے کو بھی قطعی نیت سے متعین نہیں کیا۔

جس کسی نے کہا، کل ان شاء اللہ میرا روزہ ہوگا تو اگر ان شاء اللہ سے اس نے اپنے عزم و ارادے میں شک اور تردد کا اظہار کیا تو اس کی نیت فاسد ہوگئی کیوں کہ نیت میں پختگی اور عزم نہیں ہے اور اگر شک کا اظہار نہیں کیا بلکہ برکت کے لیے کہا یا کوئی نیت نہیں کی تو نیت فاسد نہیں ہوگی کیوں کہ اس نے یہ نیت کی ہے کہ اس کے روزے کا عمل اللہ کی مشیت، توفیق اور فضل سے ہے جیسا کہ اگر کہے، میں ان شاء اللہ مومن ہوں تو اس کا ایمان فاسد نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح تمام عبادات میں نیت میں اللہ کی مشیت کے تذکرے کا یہی حکم ہے۔

اگر سابقہ صورت حال سے ظن کا حصول ہو رہا ہے تو نیت میں تردد سے کوئی فرق نہیں پڑتا یا گواہی کے ذریعے یا اجتہاد کے ذریعے ظن کا حصول ہو رہا ہو جیسا کہ قیدی کے لیے یہی حکم ہے۔ اگر تیس رمضان کی رات کو کوئی اس طرح نیت کرے کہ اگر کل رمضان ہوا تو میرا روزہ ہوگا تو نیت درست ہے اور روزہ صحیح ہوگا، کیوں کہ اصل یہ ہے کہ رمضان

باقی رہے اور روزہ ایک ایسی اصل پر مبنی ہے جس کا ختم ہونا ثابت نہیں ہوا۔

تردد کی وجہ سے نیت متاثر نہیں ہوگی کیوں کہ اس نے اپنے روزے کا فیصلہ قطعیت سے کیا ہے۔ اس کے برعکس اگر شعبان کی تیسویں رات کو ایسی نیت کرے تو درست نہیں کیوں کہ کوئی ایسی اصل موجود نہیں جس پر روزے کی بنیاد رکھی جائے۔

جس کسی نے مصدقہ شہادت پر اعتماد کرتے ہوئے کل کے بارے میں یہ یقین رکھتے ہوئے کہ رمضان کا دن ہے روزہ رکھنے کی نیت کی اس کا روزہ درست ہے۔

اگر کسی گرفتار شدہ یا قیدی وغیرہ کو رمضان کے مہینے کے بارے میں شبہ پڑ جائے تو اجتہاد کر کے ایک مہینہ روزہ رکھ لے جیسا کہ نماز کے وقت اور قبلہ کی سمت معلوم کرنے کے لیے اجتہاد کیا جاتا ہے۔ رمضان کا اندازہ موسمی علامات سے کرے مثلاً بہار، خزاں، گرمی اور سردی وغیرہ۔ اگر اجتہاد کے بغیر روزے رکھ لیے اور اتفاق سے رمضان میں ہی رکھے تو نیت میں تردد کے باعث درست نہیں اور اگر اجتہاد اور اندازہ کیا لیکن کچھ پتہ نہ چلا تو نووی المجموع میں لکھتے ہیں کہ اس پر روزہ فرض نہیں۔

روزے کی فرضیت کی نیت کے بارے میں تمام مذاہب کا اتفاق ہے کہ شرط نہیں، شافعیہ کے ہاں بھی معتمد روایت یہی ہے۔ (۱۳۸) البتہ نماز کی فرضیت کی نیت ضروری ہے کیوں کہ بالغ آدمی رمضان کے مہینے میں صرف فرض روزے ہی رکھتا ہے جب کہ نمازیں نفل بھی پڑھی جاتی ہیں۔

نیز سال کی تعیین یا اداروزے کی تعیین یا روزے کی اللہ کی طرف نسبت میں سے کوئی چیز شرط نہیں، شافعیہ کے نزدیک یہی صحیح ہے۔ مقصد روزے کی نیت سے حاصل ہو جاتا ہے اور تعیین دوسرے تمام تقاضے پورے کر دیتی ہے۔

۴- ہر روز الگ نیت کرنا: جمہور کے نزدیک شرط ہے۔ مالکیہ کے نزدیک شرط نہیں ہے۔ (۱۳۹) جمہور کے نزدیک رمضان کے ہر روز الگ نیت کرنا شرط ہے، کیوں کہ رمضان کے ہر دن کی عبادت الگ ہے دوسرے دن سے متعلق نہیں ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایک دن کا روزہ فاسد ہو جائے تو اس کی وجہ سے دوسرے دن کا فاسد نہیں ہوتا، اس لیے ہر روز الگ نیت کرنا شرط ہے۔

مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ پورے رمضان کے لیے ایک ہی نیت شروع میں کافی ہے۔ تمام مہینے کے روزے ایک نیت سے درست ہیں، اسی طرح جو روزے مسلسل رکھنے ہوں مثلاً رمضان کا کفارہ، قتل کا کفارہ، اور ظہار کا کفارہ ان کے لیے ایک ہی نیت کافی ہے جب تک کہ سفر یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے درمیان سے روزے چھوڑ نہ دے یا ایسی حالت نہ پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے روزے چھوڑنا جائز ہو جائیں مثلاً حیض، نفاس اور دیوانگی۔ اس صورت میں از سر نو نیت کرے یعنی نیت کی تجدید کرے پہلی نیت کافی نہیں ہے، اگرچہ روزے از سر نو رکھنے واجب نہیں۔ پہلے روزے صحیح ہو گئے، ان کے تسلسل میں فرق نہیں آیا لیکن نیت دوبارہ کی جائے۔ جن روزوں میں ایک نیت کافی ہے ان میں بھی ہر رات نئی نیت کرنا مستحب ہے، مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ واجب ایک ماہ کے روزے ہیں کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: *فمن شهد منکم الشهر فلیصمه* (البقرہ، ۲: ۱۸۵)، جو رمضان کا مہینہ پائے وہ روزے رکھے) مہینہ ایک متعین وقت کا نام ہے اس کے شروع سے آخر تک روزے ایک ہی عبادت ہے جیسے کہ نماز اور حج، پس ایک ہی نیت کافی ہے۔

نیت کا طریقہ اور اس کے اثرات:

حنفیہ کے نزدیک (۱۴۰) رمضان اور نذر معین کے روزے مطلق روزے کی نیت سے

درست ہو جاتے ہیں اور نفل کی نیت سے بھی اور کسی دوسرے واجب کی نیت سے بھی، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، پس رات سے روزے کی نیت کرنا واجب نہیں ہے۔

مالکیہ کے نزدیک (۱۴۱) نیت کا طریقہ یہ ہے کہ رات سے قطعی طور پر روزے کی نیت ہو۔ شافعیہ (۱۴۲) کے نزدیک رمضان کی مکمل نیت یہ ہے کہ یہ نیت کرے کہ کل اس سال کے رمضان کے فرض روزے کے ادا کی نیت کرتا ہوں، اللہ کے لیے۔ معتمد روایت یہ ہے کہ فرضیت کی نیت متعین طور پر کرنا واجب نہیں۔ حنابلہ کہتے ہیں (۱۴۳) جس کے دل میں خیال گزرا کہ کل اس کا روزہ ہو گا تو اس کی نیت ہوگی۔ نیت میں تعین واجب ہے کہ یہ نیت کرے کہ کل رمضان کا روزہ رکھے گا یا قضا روزہ یا نذر کا یا کفارے کا۔ تعین کے ساتھ روزے کی فرضیت کی نیت کرنا واجب نہیں ہے۔

حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء متفق ہیں کہ رات سے نیت کرنی چاہیے، شافعیہ کے علاوہ باقی متفق ہیں روزے کی نیت سے سحری کھانا نیت ہے۔ ہاں اگر روزہ نہ رکھنے کی نیت ہو تو الگ بات ہے شافعیہ کے نزدیک سحری میں کسی قسم کا کھانا بھی نیت کے قائم مقام نہیں ہے۔ ہاں اگر سحری کھاتے وقت دل میں روزہ رکھنے کا خیال ہے اور اس کی نیت کر لی یا روزے کی نیت سے سحری کی یا فجر کے وقت روزہ ٹوٹنے کے خوف سے کھانا پینا چھوڑ دیا۔

نیت کا اثر: ثواب کا حصول ہے۔ نیت کے وقت سے ہی شرعی روزے پر ثواب ملنے کا حکم لگ جاتا ہے، کیوں کہ اس سے پہلے کے وقت میں ثواب کی نیت نہیں ہے اس لیے وہ عبادت نہیں ہے۔ کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”ہر شخص کو وہی ملتا ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے۔ پس حیض یا نفاس والی عورت جو دن میں پاک ہوئی اور دن کا باقی حصہ کھانے پینے سے باز رہی اور کافر

جو دن میں مسلمان ہوا اور باقی حصہ کھائے پینے سے باز رہا اگر انہوں نے طلوع فجر کے بعد کچھ نہیں کھایا پیا تھا تو ان کو نفل روزے یا نیکی کا ثواب ملے گا۔ (۱۴۴)

روزے کی شرائط کے بارے میں فقہی آراء کا خلاصہ:

حنیفہ کے نزدیک روزے (۱۴۵) کی شرائط کی تین قسمیں ہیں: وجوب کی شرائط، وجوب ادا کی شرائط، ادا کے صحیح ہونے کی شرائط۔

وجوب کی شرائط چار ہیں: اسلام، عقل، بالغ ہونا، دارالخراب میں مسلمان ہوا ہو اس کو روزے کے واجب ہونے کا علم ہونا یا دارالاسلام میں ہونا۔ جو کوئی رمضان کے پورے عرصہ میں دیوانہ رہا ہو اس پر قضا نہیں ہے۔ اگر کچھ حصہ میں جنون سے افاقہ ہو گیا ہو تو جو دن گزر گئے ہیں ان کے روزے قضا کرے۔ اگر کسی شخص کو سارا رمضان بے ہوشی رہی ہو تو سارے روزے قضا کرے۔ جس کسی کو روزے کی حالت میں دن کے وقت بے ہوشی طاری ہو جائے تو اس کا اس دن کا روزہ درست ہے کیوں کہ اس نے نیت کے ساتھ روزہ شروع کیا اور کھانے پینے سے رکا رہا۔ بعد کے دنوں کے روزے قضا کرے۔

وجوب ادا کی شرائط دو ہیں: بیماری اور حیض و نفاس سے صحت، مریض پر روزہ ادا کرنا واجب نہیں۔ مقیم ہونا: مسافر پر روزہ ادا کرنا واجب نہیں لیکن دونوں قسم کے افراد کے ذمے قضا ہے۔

روزے کے صحیح ادا ہونے کی تین شرائط ہیں: نیت، نیت کے بغیر روزہ ادا نہیں ہوتا، حیض و نفاس سے پاک ہونا، حیض و نفاس کی حالت میں روزہ صحیح نہیں ہوتا، حیض و نفاس والی عورتوں کے ذمے قضا ہے۔ ایسی کسی بھی چیز سے پاک ہونا جس کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک (۱۴۶) روزے کی شرائط تین قسم کی ہیں: وجوب کی شرائط، روزہ صحیح ہونے کی شرائط اور دونوں کی مشترکہ شرائط۔ ان سب کا مجموعہ سات شرائط ہیں: اسلام، بالغ ہونا، عاقل ہونا، حیض و نفاس سے پاک ہونا، تندرست ہونا، مقیم ہونا، نیت کرنا۔

وجوب کی تین شرائط ہیں: بالغ ہونا، تندرست ہونا اور مقیم ہونا، روزہ بچے پر واجب نہیں خواہ وہ بالغ ہونے کے قریب ہو البتہ اگر وہ روزہ رکھے تو جائز ہے لیکن اس کے ولی کے لیے مستحب ہے نہ واجب کہ اسے روزہ رکھنے کا حکم دے۔ مریض، عاجز اور مجبور شخص پر بھی روزہ واجب نہیں اور مسافر پر بھی نہیں البتہ ان کے ذمے قضا ہے۔

روزے کے صحیح ہونے کی دو شرائط ہیں:

(۱) اسلام، کافر کا روزہ صحیح نہیں، گو اس پر واجب ہے اور روزہ چھوڑنے کی وجہ سے اس کو کفر کے علاوہ اس پر مزید عذاب ہوگا۔

(۲) روزے کے قابل وقت: عید کے روز روزہ صحیح نہیں ہے۔

وجوب اور صحیح ہونے کی مشترکہ شرائط تین ہیں:

۱- حیض و نفاس کے خون سے پاک ہو: حیض و نفاس والی عورتوں پر نہ تو روزہ واجب ہے اور نہ ان کا روزہ صحیح ہے۔ پاک ہونے کے بعد ان پر قضا واجب ہے۔ محض پاک ہونے سے وہ روزہ ادا کر سکتی ہیں۔

۲- عقل: جس کی عقل زائل ہو جائے وہ اس حالت میں روزے کے حکم کا مخاطب نہیں ہے۔ دیوانے اور بے ہوش پر روزہ نہ واجب ہے نہ ان کا روزہ صحیح ہے۔ دیوانے کو جب دیوانگی سے افاقہ ہو تو مشہور قول یہ ہے کہ اس پر قضا واجب ہے اور بے ہوش اگر سارا دن یادن کا اکثر حصہ بے ہوش رہے تو اس پر بھی قضا واجب ہے اور اگر کوئی شخص فجر کے بعد

کچھ دیر کے لیے بے ہوش ہو گیا اور نصف دن سے کم بے ہوش رہا تو اس پر قضا واجب نہیں ہے۔ مدہوش آدمی بے ہوش کی طرح ہے، اس پر بھی اسی طرح قضا واجب ہے البتہ اس کے لیے ضروری ہے کہ باقی دن کھانے پینے سے رکا رہے۔

سونے والے کے جو روزے فوت ہو گئے اس پر مطلقاً قضا نہیں ہے اگر اس نے مہینے کے شروع میں رات کو روزے کی نیت کر لی تھی۔

۳- نیت: راجح قول کے مطابق نیت روزے کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے۔ کیوں کہ نیت سے مراد کسی چیز کا ارادہ کرنا ہے اور یہ معلوم ہے کہ کسی چیز کا ارادہ کرنا اس چیز کی ماہیت سے خارج ہوتا ہے۔ جو روزے مسلسل رکھے جاتے ہیں مثلاً رمضان کے روزے یا رمضان کا روزہ توڑنے کا کفارہ یا قتل، ظہار وغیرہ کے کفارے اگر درمیان میں بیماری یا سفر کی وجہ سے چھوٹ نہ جائیں تو ایک ہی نیت کافی ہے۔ جن روزوں کے لیے ایک نیت کافی ہے ان میں ہر رات نئی نیت کر لینا مستحب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ روزے کا وجوب بارہ افراد سے ساقط ہو جاتا ہے: بچہ، دیوانہ، حیض، نفاس والی عورت، بے ہوش، مسافر، صحت مند کمزور شخص جو روزہ رکھنے سے عاجز ہو، سخت پیاس والا، مریض، حاملہ عورت، دودھ پلانے والی، بہت بوڑھا شخص۔

شافعیہ کے نزدیک (۱۴۷) روزے کی شرائط دو قسمیں ہیں: وجوب کی شرائط اور روزہ صحیح ہونے کی شرائط۔ روزے کی وجوب کی مندرجہ ذیل چار شرائط ہیں:

۱- اسلام: اصل کافر پر دنیا میں روزے کا مطالبہ نہیں ہے، اس لیے اس پر روزہ واجب نہیں، البتہ آخرت میں اسے روزہ چھوڑنے پر عذاب ہوگا۔ مرتد سے یہ مطالبہ ہے کہ ارتداد کے زمانے میں اس کے جو روزے چھوٹ گئے ہیں اسلام لانے کے بعد ان کی قضا کرے۔



۲- بالغ ہونا: بچے کے ذمے نہ روزے کی ادا واجب ہے نہ قضا، سات سال کا ہو تو اسے روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے، دس سال کا ہو تو روزہ چھوڑنے پر تادیب کی جائے۔

۳- عقل: دیوانے کے ذمے نہ روزے کی ادا ہے نہ قضا، البتہ اگر اپنے اختیار (مثلاً دانستہ طور پر کوئی نشہ آور چیز کھانے) سے دیوانہ ہو گیا ہو تو پھر قضا واجب ہے۔ اس طرح جو اپنے عمل سے مدہوش ہوا ہو اس پر بھی قضا واجب ہے۔ جو اپنے ارادے کے بغیر مدہوش ہو گیا ہو مثلاً غلطی سے ایسی کوئی چیز کھا پی لی ہو جس سے مدہوش ہو گیا تو مدہوشی کے زمانے کے روزے قضا کرنے واجب نہیں ہیں۔

۴- طاقت ہونا: جو شخص بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے اتنا کمزور ہے کہ اس کے تندرست ہونے کی امید نہیں ہے۔ حیض والی عورت جو شرعاً معذور ہے اس پر روزہ واجب نہیں۔ مرض کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ جس میں تیمم جائز ہو جائے اور جس کی وجہ سے روزہ رکھنا مشکل ہو یا اس کی وجہ سے سخت نقصان ہونے کا اندیشہ ہو۔

روزے کے صحیح ہونے کی بھی چار شرائط ہیں جو یہ ہیں:

- ۱- روزے کی حالت میں اسلام: اصلی کافر اور مرتد کا روزہ صحیح نہیں ہے۔
- ۲- شعور یا عقل جو سارا دن رہے: بے شعور بچے کا روزہ نہیں ہوتا، نہ دیوانے کا کیوں کہ روزے کی نیت نہیں ہے۔ با شعور بچے کا روزہ ہو جاتا ہے، مدہوش اور بے ہوش آدمی کا روزہ صحیح نہیں ہے لیکن اگر دن میں ایک لمحے کے لیے بھی مدہوش یا بے ہوشی کو افاقہ ہو جائے تو راجح قول کے مطابق روزہ صحیح ہو جاتا ہے۔ اگر سارا دن سویا رہے تو روزے کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، کیوں کہ نیند میں حکم کی تعمیل کی اہلیت باقی رہتی ہے۔
- ۳- پورا دن حیض و نفاس سے پاک ہونا: حیض اور نفاس والی عورت کا روزہ بالاتفاق

درست نہیں اگر دن کے درمیان حیض یا نفاس آجائے یا مرتد ہو جائے یا دیوانہ ہو جائے تو روزہ باطل ہو جاتا ہے۔

۴- وقت روزے کے قابل ہونا: عیدین کا روزہ صحیح نہیں اور نہ ایام تشریق کا روزہ، نہ یوم شک کا روزہ اور نہ شعبان کے نصف اخیر کا روزہ البتہ اگر کوئی شخص ہمیشہ روزہ رکھنے کا عادی ہے یا ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کا عادی ہے یا کسی متعین دن روزہ رکھتا ہے مثلاً پیر کو اور یہ دن نصف شعبان میں یا شک کے روز آجائیں یا نذر، قضا یا کفارے کے روزے رکھ رہا تھا اور وہ آگے چلتے ہوئے نصف شعبان میں داخل ہو گئے تو درست ہے۔

نیت روزے کے لیے رکن ہے اور ہر روز کے روزے کے لیے شرط ہے اور فرض روزے کی نیت رات سے کرنا ضروری ہے، نفل کی نہیں بلکہ سورج کے ڈھلنے سے پہلے نیت کر لینا نفل کے لیے کافی ہے۔ روزے میں تعین کی نیت کرنا واجب ہے، فرضیت کی واجب نہیں۔

اس طرح روزے میں دانستہ جماع کرنے سے رکنا اور کسی دوسرے طریقے سے شہوت پوری کرنے سے، قے کرنے سے اور کوئی چیز پیٹ میں داخل کرنے سے رکنا روزے کا رکن ہے۔ ان کا بیان روزہ توڑنے والی چیزوں میں آئے گا۔

حنابلہ کے نزدیک (۱۴۸) روزے کی شرائط کی دو قسمیں ہیں: وجوب کی شرائط اور صحیح ہونے کی شرائط۔

وجوب کی شرائط چار ہیں:

۱- اسلام: کافر پر روزہ واجب نہیں۔ خواہ وہ مرتد ہو، کیوں کہ یہ بدنی عبادت ہے جو نیت کی محتاج ہے۔ اسلام اس کے لیے شرط ہے جیسے نماز کے لیے، کافر کا روزہ صحیح نہیں۔ اگر روزے کی حالت میں کوئی شخص مرتد ہو جائے تو اس کا روزہ ختم ہو جاتا ہے، کیوں کہ ارشاد ربانی

ہے: لئن اشركت لیحبطن عملك (الزمر ۳۹: ۶۵، اگر تم شرک کرو گے تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے) اگر اسلام کی طرف لوٹ آیا تو اس دن کا روزہ قضا کرے۔

۲- بالغ ہونا: بچے پر روزہ واجب نہیں خواہ بالغ ہونے کے قریب ہو کیوں کہ حدیث میں ہے: ”تین لوگوں سے ذمہ داری اٹھالی گئی ہے“۔ باشعور بچے کے ولی پر واجب ہے کہ بچے کو جب وہ روزہ رکھ سکے تو اسے روزہ رکھنے کا کہے۔ اگر بچہ روزہ نہ رکھے تو اس کی تادیب کی جائے تاکہ نماز کی طرح روزے کا عادی ہو جائے۔

۳- عقل: دیوانے پر روزہ واجب نہیں۔ کیوں کہ اوپر مذکور حدیث میں ہے: ”تین لوگوں سے ذمہ داری اٹھالی گئی ہے“: دیوانے کا روزہ صحیح نہیں کیوں کہ اس سے نیت کا امکان نہیں ہے۔ بے شعور بچے پر بھی روزہ واجب نہیں۔ باشعور بچے کا روزہ صحیح ہے جیسے کہ نماز صحیح ہے۔ جو دن کے دوران دیوانہ ہو جائے اس پر واجب ہے کہ اس دن کھانے پینے سے باز رہے تاکہ روزے کا احترام ہو اور اس کی قضا بھی کرے۔ کیوں کہ دن کا کچھ حصہ اسے ایسا ملا ہے جس میں وہ دیوانہ نہیں تھا، جیسے نماز کا بھی یہی مسئلہ ہے۔ اگر پورا دن یا دن سے زیادہ دیوانہ رہے تو قضا واجب نہیں ہے۔ اس کے برعکس بے ہوش ہونے والے پر قضا واجب ہے، خواہ بے ہوشی کا عرصہ طویل ہو جائے، کیوں کہ یہ ایسی بیماری ہے جس کی وجہ سے ذمہ داری ختم نہیں ہوتی۔ اگر دیوانہ یا بے ہوش دن کے کسی حصے میں تندرست ہو جائے تو اس کا روزہ درست ہو جائے گا کیوں کہ اس نے رات کو روزے کی نیت کی تھی۔ اگر کوئی شخص سارا دن سویا رہے تو اس کا روزہ درست ہے کیوں کہ نیند معمول کی بات ہے اور نیند سے مکمل طور پر احساس ختم نہیں ہوتا۔ مدہوش آدمی پر قضا واجب ہے خواہ اس نے خود جان بوجھ کر نشہ آور چیز کھائی ہو یا نہ۔

۴- روزہ پر قدرت: جو شخص بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے اتنا معذور ہو جائے کہ اس کی صحت کی امید نہ ہو تو اس پر روزہ واجب نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ معذور ہے اس لیے مکلف نہیں، ارشاد ربانی ہے: لا یكلف الله نفساً الا وسعها (البقرہ ۲: ۲۸۶، اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی گنجائش سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا)۔ جس بیماری سے صحت یاب ہونے کی امید ہو، اس میں روزہ واجب ہوتا ہے، جب صحت یاب ہو جائے اور رمضان کے جو روزے رہ گئے ہوں ان کو قضا کرے۔

روزے کے صحیح ہونے کی بھی چار شرائط ہیں:

۱- نیت: روزانہ جو واجب روزہ رکھنا ہو اس کی متعین نیت کرنا رات کو واجب ہے۔ بھولنے وغیرہ سے نیت ساقط نہیں ہوتی۔ اگر نیت کے بعد رات کو کچھ کھاپی لیا یا جماع کر لیا تو اس سے کوئی نقصان نہیں۔ فرض روزوں میں فرضیت کی نیت واجب نہیں، اور نہ واجب روزوں میں وجوب کی نیت ضروری ہے، کیوں کہ نیت کی تعین یہ ضرورت پوری کرتی ہے۔ نفل روزے کی نیت دن میں سورج ڈھلنے کے بعد بھی کی جاسکتی ہے بشرطیکہ طلوع فجر کے بعد سے کچھ کھایا پیا نہ ہو۔

۲- حیض و نفاس سے پاک ہونا: حیض اور نفاس والی عورت کا روزہ صحیح نہیں بلکہ روزہ رکھنا حرام ہے اور جب بھی رات کو خون بند ہو جائے تو روزہ ادا کرنا واجب ہے اور جو روزے رہ گئے ہوں وہ قضا کرے۔

۳- اسلام: کافر خواہ مرتد ہو اس کا روزہ صحیح نہیں۔

۴- عقل یعنی شعور: جو بچہ سات سال کا نہیں ہوا اور سن شعور کو نہیں پہنچا اس کا روزہ صحیح نہیں ہے۔

## بحث پنجم: روزے کی سنتیں، آداب اور مکروہات

اس میں دو مطلب ہیں:

مطلب اوّل: روزے کی سنتیں اور آداب:

روزہ دار کے لیے مندرجہ ذیل امور مستحب ہیں: (۱۳۹)

۱- کچھ نہ کچھ سحری کھانا، خواہ کم سے کم ہو، ایک گھونٹ پانی ہی کیوں نہ ہو، آخر شب تک سحری کو مؤخر کیا جائے۔ سحری کھانے سے روزے پر قوت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ صحیحین کی روایت میں ہے: ”سحری کھایا کرو، سحری کھانے میں برکت ہے“۔ حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے: ”سحری کھا کر دن کے روزے پر مدد حاصل کرو اور دوپہر کو سو کر رات کی عبادت پر مدد حاصل کرو“، مسند احمد میں ہے: ”سحری برکت ہے اسے نہ چھوڑو، خواہ ایک گھونٹ پانی ہی پی لو، اللہ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر صلاۃ بھیجتے ہیں“۔ (۱۵۰)

سحری دیر سے کھانا لیکن فجر کے بارے میں شک ہونے سے پہلے ختم کر دینے کے بارے میں طبرانی کی حدیث ہے: ”تین کام رسولوں کے اخلاق کا حصہ ہیں: جلدی افطار کرنا، دیر سے سحری کھانا، نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر رکھنا“۔ امام احمد کی روایت ہے: ”میری امت اس وقت تک بھلائی پر رہے گی جب تک جلدی افطار کرے گی اور دیر سے سحری کھاتی رہے گی“۔ (۱۵۱) نیز حدیث میں ہے: ”شک والی باتوں کو چھوڑ کر وہ باتیں اختیار کرو جن میں شک نہیں ہے“۔

۲- جب سورج غروب ہونے کا یقین ہو جائے تو نماز سے پہلے جلدی افطار کرنا، مستحب یہ ہے کہ تازہ کھجور سے افطار کرے ورنہ خشک کھجور سے، ورنہ کسی میٹھی چیز سے ورنہ پانی سے۔ اگر طاق کھجوریں ہوں تو تین یا زیادہ کھجوریں کھائے۔ حدیث میں ہے: ”جب تک

لوگ جلدی افطاری کرتے رہیں گے ان کے لیے خیر رہے گی“ (۱۵۲)۔ نماز سے پہلے افطار بہتر ہے کیوں کہ یہی رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا (۱۵۳)۔ طاق کھجوریں حضرت انسؓ کی روایت کی وجہ سے مسنون ہیں کہ: ”رسول اللہ ﷺ نماز سے پہلے چند تازہ کھجوریں کھاتے، اگر تازہ نہ ہوتیں تو خشک کھجوریں، اگر وہ بھی نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ پی لیتے“۔ (۱۵۴) اگر بادل نہ ہوں تو روزہ جلدی افطار کرے اور اگر بادل ہوں تو سورج غروب ہونے کا یقین کر لے تاکہ روزہ خراب ہونے سے بچ سکے۔ شافعیہ کے نزدیک ملا کر روزے رکھنا حرام ہے۔ یعنی اکٹھے دو یا زیادہ دن اس طرح روزے رکھے کہ درمیان میں رات کے وقت بھی کچھ نہ کھائے پیئے کیوں کہ صحیحین میں اس کی ممانعت آتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے کمزوری لاحق ہو جاتی ہے۔ نیز مسلسل روزہ رکھنا صرف رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی۔

۳۔ افطاری کے بعد رسول اللہ ﷺ سے منقول (ماثور) دعا پڑھنا، یوں کہے: اللھم انی لک صمت و علی رزقک افطرت و علیک توکلت و بک آمنت، ذھب الظمأ ابتلت العروق و ثبت الاجر ان شاء اللہ تعالیٰ، یا واسع الفضل اغفر لی، الحمد لله الذی اعاننی فصمت و رزقنی فافطرت:

اے اللہ، میں نے تیرے لیے روزہ رکھا، تیرے رزق پر افطار کیا، تجھ پر توکل کیا، تجھ پر ایمان لایا، پیاس ختم ہو گئی، رگیں تر ہو گئیں اور ان شاء اللہ اجر ثابت ہو گیا، اے وسیع فضل والے، مجھے معاف فرما، سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے میری مدد کی تو میں نے روزہ رکھا، جس نے مجھے رزق دیا تو میں نے افطار کیا۔

افطار کے وقت دعا کرنا سنت ہے کیوں کہ روزہ دار کی دعا رد نہیں ہوتی، حدیث میں

ہے: ”روزہ دار کے لیے افطاری کے وقت دعا ہے جو رد نہیں ہوتی“۔ (۱۵۵) دعا کے الفاظ سنت سے اسی طرح ثابت ہیں (۱۵۶)۔

۴- روزہ داروں کو افطاری کرانا، خواہ ایک کھجور یا ایک گلاس پانی وغیرہ سے ہی ہو۔ کامل طریقہ یہ ہے کہ انہیں پیٹ بھر کر کھلائے: ارشاد نبویؐ ہے: ”جس نے کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرایا اسے روزہ رکھنے والے جتنا اجر ملے گا اور روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہو گی“۔ (۱۵۷)

۵- جنابت، حیض اور نفاس کا غسل فجر سے پہلے کر لینا، تاکہ روزے کا آغاز پاکی کی حالت میں ہو، تاکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی رائے کے اختلاف سے بچا جاسکے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس حالت میں روزہ صحیح نہیں ہوتا۔ نیز روزے کی حالت میں فرض غسل کرنے سے اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ کان کے اندر یا پانچانے کے راستے کے اندر پانی چلا جائے۔ اسی لیے شافعیہ کے نزدیک روزہ دار کو بلا ضرورت حمام میں جانا مکروہ ہے کیوں کہ ہو سکتا ہے اسے کوئی نقصان پہنچے اور اسے روزہ توڑنا پڑے۔ نیز روزے میں حمام میں جانا ایک ایسی عیاشی ہے جو روزے کی حکمت کے مناسب نہیں۔ اگر کسی نے سارا دن فرض غسل نہیں کیا تو اس کا روزہ درست ہو جائے گا اور نمازیں چھوڑنے کی وجہ سے گنہ گار ہوگا۔

اگر حیض یا نفاس والی عورت رات کو پاک ہوگئی اور اس نے روزے کی نیت کی اور روزہ رکھ لیا یا جنبی نے غسل کیے بغیر روزہ رکھ لیا تو روزہ درست ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فالان باشروهن وابتغوا ما كتب الله لكم (البقرہ، ۲: ۱۸۷، اب تم اپنی بیویوں سے مباشرت کر سکتے ہو اور جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اسے تلاش کرو) صحیحین کی روایت اوپر گزر چکی ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ احتلام سے نہیں بلکہ جماع سے جنابت کی

حالت میں صبح کرتے، پھر غسل فرماتے اور روزہ رکھتے۔ بخاری کی یہ حدیث کہ ”جس نے حالت جنابت میں صبح کی اس کا روزہ نہیں“ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو صبح تک جماع کرتا رہا اور اس نے صبح ہونے کے باوجود جماع جاری رکھا۔

۶- زبان اور اعضاء کو ان فضول گفتگو اور کاموں سے روکے رکھنا جن میں گناہ نہیں ہے۔ جو کام حرام ہیں مثلاً غیبت، چغلی اور جھوٹ ان سے بچنے کی رمضان میں زیادہ تاکید ہو جاتی ہے اور حرام کاموں سے بچنا ہمیشہ واجب ہے، یہ کام ہر وقت حرام ہیں۔ ارشاد نبویؐ ہے: ”جو کوئی جھوٹی بات کہنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے، اللہ کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے“ (۱۵۸) کئی روزہ دار ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں روزے سے بھوک اور پیاس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کئی ایسے شب بیدار ہیں جنہیں محض جاگتے رہنے کے علاوہ کچھ نہیں ملتا“ (۱۵۹) اگر کوئی گالی دے تو سنت یہ ہے کہ رمضان میں بلند آواز سے اسے کہے ”میں روزے سے ہوں“ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث ہے: ”جب تم میں سے کوئی روزے سے ہو تو نہ تو بے حیائی کی بات کرے نہ لڑائی جھگڑا، اگر کوئی دوسرا اسے گالی دے یا جھگڑا کرے تو اسے کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔“ البتہ رمضان کے علاوہ اپنے آپ کو جھڑکتے ہوئے آہستہ کہے کہ میں روزے سے ہوں، تاکہ ریا کاری سے بچ سکے۔

۷- جائز شہوت کے امور جو روزے کو باطل نہیں کرتے انہیں چھوڑ دے، مثلاً لذت پیدا کرنے والی چیزیں سننے، دیکھنے، چھونے اور سونگھنے سے باز رہے مثلاً ریحان کو نہ سونگھے نہ ہاتھ لگائے اور نہ اسے دیکھے کیوں کہ اس میں ایک گونہ عیش کوشی کا پہلو ہے جو روزے کی حکمت کے منافی ہے۔ یہ تمام امور مکروہ ہیں جیسے کہ حمام میں جانا۔



۸- شافعیہ کے نزدیک مسنون یہ ہے کہ روزے کی حالت میں نہ خود فصد کھلوائے اور چھپنے لگوائے نہ کسی دوسری کی فصد کھولے یا چھپنے لگائے تاکہ جن علماء کے نزدیک ان سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے ان کے اختلاف سے بچ سکے۔ یہ بالاتفاق مسنون ہے کہ بان (مٹھاس کے بغیر ہو) وغیرہ نہ چبائے کیوں کہ اس سے تھوک جمع ہو جاتا ہے اور پیاس لگتی ہے، اسی طرح کھانا وغیرہ نہ چکھے تاکہ کہیں کوئی چیز حلق میں نہ پہنچ جائے۔ بوسہ نہ دے۔ اگر انزال کا خوف ہو تو بوسہ دینا حرام ہے۔ شافعیہ کے نزدیک چھپنے لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے روزے کی حالت میں چھپنے لگوائے (۱۶۰) نیز حدیث چھپنے لگانے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے (۱۶۱) منسوخ ہے۔ حنابلہ کے نزدیک چھپنے لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

۹- اہل و عیال پر کشتادگی رکھے اور رشتہ داروں سے احسان کرے۔ فقراء اور مساکین پر بکثرت صدقہ کرے کیوں کہ صحیحین کی حدیث ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ بہت سخی تھے اور رمضان میں جب آپ کی جبریل سے ملاقات ہوتی تو اور بھی زیادہ سخی ہو جاتے“۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ روزہ داروں اور عبادت گزاروں کو ان کی ضروریات سے فارغ کر دیا جائے تاکہ وہ دل جمعی سے عبادت کر سکیں۔

۱۰- علم، تلاوت قرآن، تعلیم و تدریس قرآن، ذکر اور درود شریف میں مشغول رہنا، جب بھی دن رات میں موقع ملے۔ صحیحین میں ہے کہ: ”رمضان میں ہر رات جبریلؑ رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے اور قرآن حکیم کا دور کرتے“۔ اور اسی طرح تمام اچھے اعمال میں بکثرت مشغول رہے کیوں کہ رمضان کی نفلی عبادت دوسرے دنوں کی فرض عبادت کے برابر ہے اور ان دنوں میں نیکیوں کا ثواب کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔

۱۱- اعتکاف کا اہتمام کرنا: (بالخصوص رمضان کے آخری عشرے کا اہتمام کرنا)، کیوں کہ اس سے نفس گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اور اچھے کاموں کی طرف راغب ہوتا ہے۔ نیز لیلۃ القدر ملنے کی امید ہوتی ہے کیوں کہ لیلۃ القدر انہیں ایام میں آتی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں عبادت میں جتنی کوشش کیا کرتے تھے اتنی دیگر ایام میں نہیں کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ: ”جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ رات بھر جاگتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے اور بیویوں سے الگ رہتے“۔ (۱۶۲)

جیسا کہ ہم نے بیان کیا لیلۃ القدر میں سنت یہ ہے کہ یہ دعا پڑھے: اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی (اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے، پس مجھے معاف فرما) لیلۃ القدر کے بارے میں پتہ چلے تو اس کا ذکر کسی سے نہ کرے، رات بھر جاگے اور دن کو بھی رات کی طرح جاگ کر عبادت میں مصروف رہے۔ یہ روزے کی سنتیں ہیں، شافعیہ اور حنابلہ نے تفصیل سے بیان کی ہیں، حنفیہ نے کہا ہے کہ تین امور مستحب ہیں۔ سحری کھانا، سحری تاخیر سے کھانا، آسمان پر بادل نہ ہوں تو روزہ جلدی افطار کرنا۔

مالکیہ کے نزدیک روزے کی سنتیں، سحری کھانا، جلدی افطار کرنا، دیر سے سحری کھانا، زبان اور اعضا کی حفاظت کرنا اور رمضان کے آخر میں اعتکاف کرنا ہیں۔

روزے کے فضائل: عبادت سے روزوں کو آباد کرنا، بکثرت صدقہ کرنا، غیر مشتبہ حلال رزق سے روزہ افطار کرنا، افطاری کی ابتدا کھجور یا پانی سے کرنا، راتوں کو بالعموم اور لیلۃ القدر کو بالخصوص جاگ کر عبادت کرنا۔

## مطلب دوم: روزے کے مکروہات:

روزے میں مندرجہ ذیل امور مکروہ ہیں:

۱- مسلسل روزہ رکھنا، یعنی دو دنوں کے درمیان کچھ نہ کھانا پینا، اکثر علماء کے نزدیک مکروہ ہے (۱۶۳)۔ اور شافعیہ کے نزدیک حرام ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا، البتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مباح تھا۔ ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں بغیر کھائے پیے مسلسل روزے رکھے تو لوگوں نے بھی اسی طرح روزے رکھنے شروع کیے، آپ نے لوگوں کو اس سے منع فرمایا، انہوں نے کہا، آپ خود تو مسلسل روزے رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا، تم میں سے میری طرح کوئی نہیں ہو سکتا، مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے“ (۱۶۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اور دوسرے لوگوں کو ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ جمہور کے نزدیک مسلسل روزہ رکھنا حرام نہیں، آپ نے امت پر شفقت و رحمت کے طور پر منع فرمایا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مسلسل روزہ رکھا اور بعد میں لوگوں نے بھی مسلسل روزے رکھے۔ شافعیہ کے نزدیک ایسا روزہ حرام ہے کیوں کہ اس کی ممانعت ہے۔

۲- بوسہ دینا، جماع کے ابتدائی مراحل میں داخل ہونا خواہ خیال سے یا دیکھنے سے کیوں کہ کبھی اس سے منی نکلنے کا احتمال ہوتا ہے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر معلوم ہو کہ منی نہیں نکلے گی تب مکروہ ہے ورنہ حرام ہے۔

۳- مباح امور میں عیش کوشی مثلاً دن میں خوشبو لگانا، خوشبو سونگھنا اور حمام میں داخل ہونا۔

۴- کھانا چکھنا یا کوئی چیز چبانا، کیوں کہ چکھنے سے اس امر کا اندیشہ ہوتا ہے کہ کوئی چیز پیٹ میں چلی جائے اور چبانے سے تھوک جمع ہوتا ہے، اگر اسے نکل لے تو ایک رائے

کے مطابق روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر تھوک دے تو پیاس لگتی ہے۔

مختلف مذاہب میں روزے کے مکروہات کا خلاصہ:

حنفیہ کے نزدیک (۱۶۵) روزے میں سات باتیں مکروہ ہیں:

- ۱- بلاعذر کوئی چیز چکھنا یا چبانا، کیوں کہ اس سے روزہ ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے۔
- ۲- پان وغیرہ چبانا جو میٹھی نہ ہو (۱۶۶) کیوں کہ چبانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مرد ہو یا عورت روزے سے نہیں ہے۔

۳-۴- بوسہ دینا، چھونا، معانقہ کرنا یا جنسی اعضا ملانا بشرطیکہ یہ اندیشہ ہو کہ اس سے منی نکل آئے گی یا جماع کرنے لگ جائے گا، یہ ظاہر الروایۃ کی روایت ہے کیوں کہ اس سے انجام کار روزہ ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے، طویل بوسہ یعنی ہونٹ چبانا مکروہ ہیں اور اگر روزہ ٹوٹنے کا اندیشہ نہ ہو تو کوئی جرم نہیں۔

۵-۶- منہ میں قصداً تھوک جمع کر کے نگلنا، اس میں شبہ سے بچنا ضروری ہے۔

۷- جس چیز سے کمزوری ہونے کا اندیشہ ہو وہ کرنا مثلاً فصد کھلوانا یا سچھنے لگوانا۔

روزے دار کے لیے نو باتیں مکروہ نہیں ہیں:

۱-۲- اگر منی نکلنے یا جماع کرنے کا اندیشہ نہ ہو تو بوسہ دینا اور لپٹنا مکروہ نہیں، کیوں کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ روزے کی حالت میں بوسہ دے دیتے اور لپٹا لیتے تھے۔ (۱۶۷)

۳-۴- مونچھوں کو خوشبو لگانا اور سر مالگانا

۵-۶- سچھنے لگوانا اور فصد کھلوانا بشرطیکہ ان سے روزے میں کمزوری نہ ہو۔

۷- دن کے آخری حصے میں مسواک کرنا، بلکہ مسواک کرنا دن کے اوّل و آخر میں سنت ہے، خواہ تر ہو یا پانی سے بھیگی ہوئی۔

۸- وضو کے بغیر کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا

۹- نہانا اور ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے کپڑا گھیلا کر کے لپیٹ لینا، فتویٰ اسی پر ہے۔

مالکیہ کے نزدیک روزے دار کے لیے مندرجہ ذیل کام مکروہ ہیں (۱۶۸)۔

۱- منہ میں کوئی ایسی تر چیز ڈالنا جس کا ذائقہ ہو، خواہ بعد میں اسے تھوک ہی دے اور

کوئی ذائقہ والی چیز چکھنا مثلاً نمک، شہد، سرکہ تاکہ اس کا ذائقہ معلوم کیا جاسکے، خواہ بنانے والا خود چکھے، کیوں کہ اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ کوئی چیز حلق کے اندر چلی جائے۔

۲- کوئی چیز چباننا مثلاً لبان یا کھجور، بچے کے لیے، اگر کوئی چیز از خود حلق میں چلی گئی تو قضا واجب ہے۔

۳- عورت کے پاس جانا اور اسے دیکھنا یا خیال یا نظر سے جماع کے ابتدائی مرحلہ میں

داخل ہونا، کیوں کہ اس سے کبھی مذی یا منی نکل آتی ہے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ تب ہے کہ معلوم ہو کہ مذی یا منی نہیں نکلے گی ورنہ حرام ہے۔

۴- دن کو خوشبو لگانا اور خوشبو سونگھنا

۵- بلا افطار مسلسل روزے رکھنا۔

۶- مبالغے سے کلی کرنا یا ناک میں پانی ڈالنا

۷- دن کے وقت دانتوں کے سوراخ میں دوائی ڈالنا، ہاں اگر یہ اندیشہ ہو کہ رات تک

انتظار کرنے سے بیماری بہت بڑھ جائے گی یا سخت درد ہو رہا ہو تو جائز ہے۔ اگر زبردستی

دوائی نگلی گئی تو اس دن کا روزہ قضا کرے۔

۸- دن کے وقت زیادہ سونا

۹- فضول باتیں کرنا یا فضول کام کرنا

۱۰- کچھنے لگوانا

شافعیہ کے نزدیک (۱۶۹) کچھنے لگوانا، فصد کھلوانا، بوسہ دینا مکروہ ہے، اگر منی نکل آنے کا ڈر ہو تو بوسہ دینا حرام ہے، کھانا چکھنا، کوئی چیز چبانا، حمام میں داخل ہونا، کوئی چیز سننے، دیکھنے، چھونے اور سونگھنے سے لذت حاصل کرنا مثلاً ریحان کو سونگھنا، ہاتھ لگانا، دیکھنا کیوں کہ اس میں عیش کوشی ہے جو روزے کی حکمت کے منافی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اگر بوسہ دینے سے شہوت کو حرکت ہوتی ہو تو حرام ہے۔

سورج ڈھلنے کے بعد سے غروب آفتاب تک مسواک کرنا مکروہ ہے کیوں کہ صحیح حدیث میں ہے: ”روزہ دار کے منہ کی بوقیامت کے روز اللہ کے ہاں مشک کی خوشبو سے افضل ہوگی“۔ سورج ڈھلنے کے بعد کی تخصیص اس لیے ہے کہ اس سے پہلے کی بو کھانے کے اثرات سے ہوتی ہے اور اس کے بعد کی بو روزے کی وجہ سے۔ اللہ کے ہاں پسندیدہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے پسند کرتا ہے اور اس سے راضی ہوتا ہے۔ مبالغے کے ساتھ کلی کرنا یا ناک میں پانی ڈالنا بھی مکروہ ہے تاکہ کہیں حلق میں نہ پہنچ جائے۔

حنابلہ کے نزدیک (۱۷۰) روزہ دار کے مندرجہ ذیل امور مکروہ ہیں:

۱- منہ میں تھوک جمع کر کے نگلنا، کیوں کہ اس سے روزہ ٹوٹ جانے میں اختلاف ہے۔ اگر قصداً ایسا کرے گا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیوں کہ تھوک منہ سے پیٹ میں پہنچتا ہے البتہ اگر اسے نکال کر ہونٹوں کے درمیان لے آیا یا منہ سے نکال کر پھر نگل لیا تو روزہ

ٹوٹ جائے گا۔ کیوں کہ وہ اپنی جائے پیدائش (منہ) سے الگ ہو گیا تھا اور اب اس سے بچنا عادتاً ممکن تھا، معمول کے مطابق روزہ دار اپنا تھوک نکلتا رہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس میں کوئی اختلاف نہیں، کیوں کہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے، جیسے راہ کا غبار۔ روزہ دار کے لیے ناک کی سینڈنگنا حرام ہے اور اگر نکل لیا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، خواہ وہ بلغم پیٹ سے آیا ہو یا سینے سے یا دماغ سے، اور وہاں سے منہ میں آ گیا ہو، کیوں کہ یہ منہ کی پیداوار نہیں ہے بلکہ قے کی طرح کی چیز ہے۔

۲۔ کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے لقیط بن صبرہ سے فرمایا تھا: ”ناک میں مبالغے سے پانی ڈالو، اگر تم روزے سے نہ ہو“ وضو کی بحث میں اس کا ذکر گزر چکا ہے، معمول کے مطابق کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے سے بالاتفاق روزہ نہیں ٹوٹتا خواہ طہارت کے لیے ہو یا بغیر طہارت کے۔

۳۔ بلا ضرورت کوئی چیز چکھنا، کیوں کہ اس امر کا اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ حلق میں چلی جائے اور روزہ ٹوٹ جائے۔ اگر چیز کا ذائقہ حلق میں محسوس کیا تو روزہ ٹوٹ گیا کیوں کہ اس نے مکروہ کام کیا تھا۔

۴۔ کوئی ایسی سخت چیز چبانا جو ٹوٹ نہ سکے، کیوں کہ اس سے تھوک جمع ہوتا ہے، منہ خشک ہوتا ہے اور پیاس پیدا ہوتی ہے۔ اگر اس کا ذائقہ حلق میں محسوس کیا تو روزہ ٹوٹ گیا، کیوں کہ ایک ایسی چیز حلق میں پہنچ گئی جس سے بچا جا سکتا تھا۔ اسی چیز جو ٹوٹ سکتی ہو اور اس کے ریزے ہو سکتے ہوں اسے چبانا حرام ہے، خواہ تھوک نہ نکلے۔ اس صورت میں ظن کو یقین کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔

۵۔ جس شخص کی شہوت کو حرکت ہوتی ہو اس کے لیے بوسہ دینا، کیوں کہ حضرت عائشہؓ

کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ روزے کی حالت میں بوسہ دیتے اور ساتھ لپٹا لیتے تھے لیکن آپ کو اپنے جذبات پر مکمل قابو تھا (۱۷۱) رسول اللہ ﷺ نے جوانوں کو اس سے روکا اور بوڑھوں کو اجازت دے دی“۔ (۱۷۲)

اگر شہوت کی زیادتی کی وجہ سے یہ گمان ہو کہ بوسہ دینے سے منی نکل آئے گی تو بالاتفاق حرام ہے جس کی شہوت کو حرکت نہ ہوتی ہو اس کے لیے بوسہ دینا اور جماع کے ابتدائی مراحل مثلاً چھونا، بار بار دیکھنا مکروہ نہیں ہے۔

۶- کھانے کے ذرات دانتوں کے اندر رہنے دینا، کیوں کہ اس میں اندیشہ ہوتا ہے کہ تھوک کے ساتھ پیٹ میں چلے جائیں۔

۷- کوئی ایسی چیز سونگھنا جس کے بارے میں اندیشہ ہو کہ سانس کے ذریعے اس کے اثرات حلق تک پہنچ جائیں گے جیسے پسی ہوئی مشک، کافور، تیل، دھونی اور عنبر وغیرہ۔

روزہ دار کے لیے نہانے میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ غسل جنابت کرتے پھر روزہ رکھتے تھے (۱۷۳) روزہ دار کے لیے مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں، عامر بن ربیعہ کہتے ہیں کہ میں نے لا تعداد مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو روزے کی حالت میں مسواک کرتے ہوئے دیکھا۔ (۱۷۴)

**بحث ششم: جن عذروں کی بنا پر روزہ چھوڑنا جائز ہے:**

جن عذروں کی بنا پر روزہ چھوڑا جاسکتا ہے ان میں سے سات بانواہم ہیں، جن کو کسی نے یوں بیان کیا ہے:

نو عذر ایسے ہیں کہ ان میں روزہ دار کے لیے معافی ہے۔ کہ ان کی وجہ سے روزہ چھوڑ سکتا ہے۔



حمل، رضاعت، زبردستی، سفر، بیماری، جہاد، بھوک، پیاس، بڑھاپا

۱- سفر: ارشاد ربانی ہے: فمن كان منكم مريضاً او على سفر فعدة من ايام اخر (البقرہ ۲: ۱۸۵)، جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں کی گنتی کر لیا کرے (سفر کا لغوی معنی یہ ہے کہ گھر سے اس طرح نکلے کہ اس میں مشقت برداشت کرنا پڑے اور اس میں دور کی مسافت طے کرنا ہو۔ شارع کی طرف سے کسی نص سے اس کی مقدار متعین نہیں کی گئی البتہ اس کی طرف ایک صحیح حدیث میں اشارہ ہے کہ: ”جو عورت اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے، ایک دن رات سے زیادہ محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔“

الف- وہ سفر جس میں روزہ چھوڑنا مباح ہے: وہ طویل سفر جس میں چار رکعات والی نماز قصر پڑھنا جائز ہو جاتی ہے، اور یہ تقریباً ۸۹ کلومیٹر کی مسافت ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ شرط ہے کہ سفر طلوع فجر سے پہلے شروع ہوا ہو اور ایسی جگہ پر پہنچ گیا ہو جہاں سے نماز میں قصر کا آغاز ہوتا ہے، یعنی اپنے شہر کے گھر پیچھے چھوڑ آیا ہو۔ صبح کے بعد روزے کی حالت میں سفر شروع کیا ہو تو روزہ چھوڑنا مباح نہیں ہے کیوں کہ جب سفر اور حضر دونوں جمع ہو جائیں تو حضر کے حکم کو اس لیے ترجیح حاصل ہوگی کہ انسان غالباً مقیم ہوتا ہے۔ اگر سفر اس طرح شروع کیا کہ شہر کے گھروں سے طلوع فجر سے پہلے باہر نکل گیا تو افطار جائز ہے اور بعد میں قضا کرے۔ اگر روزہ شروع کر دیا، بعد میں سفر کی وجہ سے اتنی مشقت پیش آگئی جسے عادتاً برداشت کرنا مشکل ہو تو روزہ توڑ دے اور قضا کرے۔

حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو روزے سے تھے۔ کراع الغمیم (۱۷۶) میں پہنچے، لوگوں نے بھی روزہ رکھا ہوا تھا۔ آپ کو بتایا گیا کہ لوگوں کے لیے روزہ رکھنا مشکل ہو رہا ہے اور لوگ آپ کی طرف

دیکھ رہے ہیں کہ آپ کیا کرتے ہیں، آپ نے عصر کے بعد پانی کا برتن منگوا یا اور پانی پی لیا، لوگ دیکھ رہے تھے، بعض لوگوں نے روزہ توڑ دیا اور بعض نے نہیں توڑا۔ آپ کو بتایا گیا کہ کچھ لوگوں نے روزہ رکھا ہوا ہے تو آپ نے فرمایا، انہوں نے نافرمانی کی۔ (۱۷۷) شوکانی کہتے ہیں کہ یہ حدیث دلیل ہے اس امر کی کہ اگر مسافر نے رات سے روزے کی نیت کی ہوئی ہو تو مسافر کے لیے روزہ توڑنا جائز ہے۔ یہ جمہور کا قول ہے۔

حنابلہ کے نزدیک مسافر اگر سورج ڈھلنے کے بعد دن کے وقت سفر کا آغاز کرے تو اس کے لیے افطار جائز ہے، کیوں کہ سفر اگر رات کو شروع کیا اور دن کو جاری رہا تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے تو اگر دن کو شروع کیا، تب بھی جائز ہے۔ جیسے بیماری جب شروع ہو روزہ چھوڑنا جائز ہے۔ نیز اس میں ابو داؤد کی اس روایت پر عمل ہے جو انہوں نے ابو بصرہ غفاری سے روایت کی جنہوں نے سفر شروع کرنے کے بعد روزہ چھوڑ دیا اور کہا، یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

شافعیہ نے ایک تیسری شرط یہ لگائی ہے کہ وہ شخص ہمیشہ سفر میں نہ رہے، اگر ہمیشہ سفر میں رہتا ہے جیسا کہ گاڑیوں کے ڈرائیور، ان کے لیے افطار حرام ہے، ہاں اگر روزے سے بہت زیادہ مشقت پیش آجائے تو جائز ہے جیسے اتنی مشقت جس سے تیمم مباح ہو جاتا ہے یعنی اپنی جان کا خوف یا کسی عضو صلاحیت کے تلف ہو جانے کا خوف یا بیماری کے طول کھینچ لینے کا خوف یا کسی ظاہری عضو میں کوئی عیب پیدا ہونے کا خوف ہو اور ظاہر عضو سے مراد ایسا عضو ہے کہ جسے ننگا کرنا خلاف مروت نہ ہو اور کام کاج کے دوران ننگا ہوتا ہو۔

حنفیہ کے سوا جمہور کے نزدیک دو شرطیں اور بھی ہیں: وہ یہ کہ سفر مباح ہو اور سفر کے دوران چار روز قیام کی نیت نہ ہو۔ مالکیہ نے ایک اور شرط کا اضافہ کیا ہے کہ سفر میں روزہ

نہ رکھنے کی نیت رات سے کی ہو۔ کیوں کہ سفر میں قصر نماز اور روزہ چھوڑنا نیت اور عمل سے مباح ہوتا ہے، جیسا کہ اگلے پیرا گراف میں آئے گا۔ حنفیہ کے ہاں سفر اگر گناہ کے لیے ہو تب بھی روزہ چھوڑنا جائز ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مالکیہ کے نزدیک سفر میں چار شرائط سے روزہ چھوڑنا جائز ہے: سفر قصر کی مقدار ہو، مباح ہو، اگر دن کے شروع میں کیا جائے تو فجر سے پہلے شروع کیا گیا ہو اور رات سے روزہ نہ رکھنے کی نیت ہو۔

ب۔ اگر مسافر صبح روزہ دار تھا، بعد میں اس نے سوچا کہ روزہ توڑ دے تو اس کے لیے جائز ہے اور کوئی گناہ نہیں۔ یہ شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے، ابن عباسؓ سے مروی متفق علیہ حدیث پر عمل کا تقاضا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے راستے میں روزہ توڑ دیا تھا۔ (۱۷۸) حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک روزہ توڑنا حرام ہے اور گناہ ہے۔ جمہور کے نزدیک اس پر صرف قضا ہے اور مالکیہ کے نزدیک قضا اور کفارہ دونوں ہیں کیوں کہ اس نے رمضان کا روزہ توڑ دیا، اگر وہ مقیم ہوتا تو اس کے ذمے قضا اور کفارہ دونوں ہوتے۔

اگر مسافر کو روزہ رکھنے سے تکلیف نہ ہو تو حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس کے لیے روزہ رکھنا افضل ہے۔ نیز حنفیہ کے نزدیک اس کے اکثر ساتھی ایسے نہ ہو کہ انہوں نے روزہ نہ رکھا ہو اور نہ اخراجات میں شریک ہوں، اگر اخراجات میں شریک ہوں یا انہوں نے روزہ نہ رکھا ہو تو افضل یہ ہے کہ ان کی موافقت کرے۔ اگر روزے سے نقصان ہو تو روزہ توڑ دینا واجب ہے اور رکھنا حرام ہے۔ ان کی دلیل ارشاد ربانی کا عموم ہے جس میں ایسے شخص کی قید نہیں جو بوڑھا ہو اور روزہ نہ رکھ سکتا ہو، وان تصوموا خیر لکم (البقرہ ۲: ۱۸۴، تمہارا روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے) ضرر یا نقصان سے مراد ہلاکت کا

خوف یا کسی عضو کے ضائع ہو جانے یا بے کار ہو جانے کا خوف ہے۔

حنابلہ کے نزدیک اگر سفر قصر کی مقدار ہو تو اس میں روزہ چھوڑ دینا مسنون اور رکھنا مکروہ ہے خواہ روزہ رکھنے میں مشقت نہ ہو کیوں کہ فتح مکہ کے سال سفر میں روزہ رکھنے والوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ گنہ گار ہیں“۔ نیز صحیحین میں ارشاد نبویؐ ہے: ”سفر میں روزہ رکھنے میں کوئی بھلائی نہیں“۔ پہلی رائے زیادہ معقول ہے، قرآن کی آیت ان تصوموا خیر لکم (البقرہ ۲: ۱۸۴، تمہارا روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے) کا تقاضا بھی یہی ہے۔ فتح مکہ کے سال روزہ چھوڑنے کا حکم لڑائی کی وجہ سے تھا۔

ج۔ رمضان کے دوران مسافر کے لیے درست نہیں کہ وہ رمضان کے علاوہ کوئی اور مثلاً نذر یا قضا کا روزہ رکھے کیوں کہ روزہ چھوڑنا رخصت کی وجہ سے مباح ہے اور اگر مسافر اپنے لیے تخفیف نہیں چاہتا تو پھر اسے اصل روزے رکھنے چاہیے۔

اگر مسافر یا مریض نے رمضان کے علاوہ کسی اور روزے کی نیت کی تو جمہور کے نزدیک نہ رمضان کا روزہ ہوگا، نہ وہ جس کی نیت کی ہے کیوں کہ اسے ایک عذر کی وجہ سے روزہ چھوڑنے کی اجازت تھی۔

اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ رمضان کے علاوہ کوئی اور روزہ رکھے جیسے مریض کے لیے بھی یہی مسئلہ ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر اس نے کسی واجب روزے کی نیت کی تو اس کا روزہ وہی ہوگا جس کی اس نے نیت کی البتہ نفل درست نہیں، کیوں کہ یہ ایسا وقت ہے جس میں روزہ چھوڑنا اس کے لیے جائز ہے۔ اسے یہ حق ہے کہ کوئی کبھی واجب روزہ رکھ لے جیسے کہ رمضان کے علاوہ کوئی واجب روزہ رکھ سکتا ہے۔

د۔ اگر مریض یا مسافر روزہ رکھ لیتا ہے تو چاروں مذاہب کا اتفاق ہے کہ اس کا فرض

ادا ہو گیا۔ ظاہر یہ کہتے ہیں کہ فرض ادا نہیں ہوگا۔ اختلاف کی بنیاد اس آیت کا مفہوم ہے: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ (البقرہ ۲: ۱۸۵، جو کوئی تم میں سے مریض یا مسافر ہو وہ دوسرے دنوں کی گنتی پوری کر لے)۔ جمہور کہتے ہیں کہ یہ کلام مجاز پر محمول ہے اور عبارت مقدریہ ہے کہ اگر افطار کر لے تو دوسرے دنوں کی گنتی پوری کرے اور خطاب کے انداز میں اس طرح کا حذف معروف ہے۔ ظاہر یہ کہتے ہیں کہ کلام حقیقت پر مبنی ہے، مجاز پر نہیں۔ مسافر کے ذمے یہی فرض ہے کہ وہ دوسرے دنوں کی گنتی پوری کرے، جو روزے رکھ سکتا ہے اور سفر میں افطار کیا تو اس کے ذمے دوسرے دنوں کے فرض روزے ہیں۔

جمہور کے مذہب کی تائید حضرت انس کی روایت سے ہوتی ہے کہ: ”ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے، روزہ رکھنے والے روزہ نہ رکھنے والوں پر عیب نہیں لگاتے اور نہ رکھنے والے رکھنے والوں کی عیب چینی نہیں کرتے تھے“۔ (۱۷۹)

اہل ظاہر کے مذہب کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ہوتی ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال رمضان کے مہینے میں مکہ کی طرف روانہ ہوئے، آپ روزے سے تھے جب کدید (عسفان اور قدید کے درمیان ایک چشمہ ہے) کے مقام پر پہنچے تو آپ نے روزہ چھوڑ دیا اور صحابہؓ نے بھی چھوڑ دیا“۔ (۱۸۰) صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے بالکل نئے اور سب سے آخری عمل کو اپناتے تھے۔

۲- بیماری: بیماری کا مطلب ہے طبیعت میں ایسی تبدیلی پیدا ہو جائے جس سے طبیعت خراب ہو جائے بیماری کے باعث بھی روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے جیسا کہ سفر کے باعث اجازت ہے۔ ارشاد ربانی ہے: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ

ایامِ آخر (البقرہ ۲: ۱۸۵) جو کوئی تم میں سے مریض ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں کی گنتی پوری کرے۔

ایسی بیماری جس کی وجہ سے روزہ چھوڑنا مباح ہو جاتا ہے اس کو منضبط کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ روزہ رکھنے سے شدید مشقت کا سامنا ہو یا روزہ رکھنے کی صورت میں ہلاکت کا یا بیماری بڑھ جانے کا یا دیر سے صحت یاب ہونے کا ڈر ہو۔ (۱۸۱) اگر روزہ دار کو روزہ رکھنے سے کوئی ضرر نہ ہوتا ہو مثلاً خارش ہے یا دانت یا انگلی میں درد ہے یا پھوڑا وغیرہ ہے تو روزہ چھوڑنا جائز نہیں۔

ایسا صحت مند آدمی جسے روزہ رکھنے بیماری یا ضعف کا خوف ہو، اس خوف کی بنیاد علامات یا تجربہ کی بنا پر غلبہ ظن ہو یا ایسے مسلمان حاذق طبیب کی رائے ہو جس کی عدالت کے بارے میں معلوم نہ ہو تو ایسا شخص بھی حنفیہ کے نزدیک مریض کی طرح ہے۔ مالکیہ کے نزدیک جس صحت مند شخص کو ہلاکت یا سخت تکلیف کا اندیشہ ہو تو وہ مریض کی طرح ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک صحت مند آدمی مریض کی طرح نہیں ہے۔

اگر روزے کی وجہ سے ہلاکت کا غلبہ ظن ہے یا کسی شدید نقصان کا مثلاً کسی حواس کے مختل ہونے کا تو روزہ توڑنا واجب ہے۔

حنفیہ نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایسا جنگجو جسے لڑائی میں کمزوری کا اندیشہ ہو مسافر نہ ہو تب بھی لڑائی سے پہلے روزہ توڑ سکتا ہے۔ جسے باری کا بخار آتا ہو یا عادت کے مطابق حیض آنا ہو وہ اگر اس کے ظن کی وجہ سے روزہ چھوڑ دے تو کوئی حرج نہیں۔

جہاد سفر کے بغیر ہو تب بھی روزہ چھوڑنے کے اسباب میں سے ایک سبب ہے تاکہ دشمن سے مقابلے کے وقت قوت موجود ہو، فتح مکہ کے سال روزہ چھوڑنا سنت سے ثابت

ہے اس پر عمل کا تقاضا بھی یہی ہے۔

ب۔ جمہور کے نزدیک مریض کے لیے یہ واجب نہیں کہ وہ روزہ چھوڑتے ہوئے رخصت سے استفادہ کرنے کی نیت کرے شافعیہ کے نزدیک واجب ہے ورنہ گنہ گار ہو گا۔ اگر مریض بیماری کی حالت میں روزہ رکھے تو اس کا روزہ درست ہے کیوں کہ روزہ اہل آدمی کا اپنے موقع پر عمل ہے، جیسا کہ مسافر نماز پوری پڑھے تو صحیح ہے۔

ج۔ مریض کے روزہ چھوڑنے کے سلسلے میں فقہاء کی مختلف آراء میں، حنفیہ اور شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ بیماری سے روزہ چھوڑنا مباح ہو جاتا ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں بیماری کی حالت میں روزہ چھوڑنا مسنون ہے اور روزہ رکھنا مکروہ ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فمن كان منكم مريضاً او على سفر فعدة من ايام اخر (البقرہ ۲: ۱۸۵، تم میں سے جو کوئی مریض ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں کی گنتی پوری کرے) یعنی جتنے دن روزہ نہیں رکھا اتنے دن کی گنتی پوری کرے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مریض کی چار حالتیں ہیں:

۱۔ کسی حالت میں روزے پر قادر نہ ہو یا بیماری کے باعث ہلاکت کا خوف ہو یا اگر روزہ رکھا تو بہت کمزوری ہو جائے گی تو روزہ چھوڑنا واجب ہے۔

۲۔ بہت مشقت سے روزہ رکھنے پر قادر ہو تو اس کے لیے روزہ چھوڑنا جائز ہے، اس صورت میں مالکیہ حنفیہ اور شافعیہ سے ہم آہنگ ہیں۔ ابن العربی کہتے ہیں کہ اس صورت میں روزہ چھوڑنا مستحب ہے۔ (۱۸۲)

۳۔ مشقت سے روزہ رکھ سکتا ہو اور مرض بڑھنے کا خوف ہو، اس صورت میں روزہ توڑنے کے وجوب میں دو قول ہیں۔

۴- روزے کی مشقت نہ ہو اور نہ مرض بڑھنے کا خوف ہو تو جمہور کے نزدیک روزہ توڑنا درست نہیں اس میں ابن سیرین کی رائے مختلف ہے۔

د- جب مریض یا مسافر صبح کے وقت روزے کی نیت سے تھا، پھر اس کا عذر زائل ہو گیا تو روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ اگر صبح کے وقت اس کی نیت روزہ نہ رکھنے کی تھی، پھر اس کا عذر زائل ہو گیا تو باقی دن اسے کھانے کی اجازت ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے کسی ایسے عذر کی وجہ سے جس کی بنا پر اسے روزہ چھوڑنے کی اجازت تھی، صبح کے وقت روزہ رکھا پھر دن کے باقی حصے میں عذر زائل ہو گیا تو یہی حکم ہے۔ یہ جمہور کی رائے ہے، امام ابوحنیفہ کا اس میں اختلاف ہے۔

۵- مریض اور مسافر کے لیے بالاتفاق جائز نہیں کہ رمضان میں نفل روزہ رکھے، اسی طرح جمہور کے نزدیک جائز نہیں کہ کوئی دوسرا واجب روزہ رکھے، حنفیہ کے نزدیک رائج یہ ہے کہ دوسرا واجب روزہ رکھنا جائز ہے جیسا کہ سفر کے عذر میں بیان ہوا۔

اگر دوسرا رمضان آ جائے اور مریض یا مسافر نے ابھی قضا نہیں کی تو شافیہ کے نزدیک کفارہ اور قضا دونوں واجب ہیں۔ کفارہ یہ ہے کہ اس شہر میں جو عام غذا ہے اس میں سے ہر روزے کے بدلے ایک مدغلہ دیا جائے۔

سالوں کے تکرار سے کفاروں میں اضافہ ہوتا جائے گا، ہاں اگر عذر جاری رہا تو تا آنکہ دوسرا رمضان آ گیا تو قضا کے علاوہ کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ اگر قضا پر قدرت ہونے سے پہلے مر گیا تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔ اگر قضا پر قادر ہونے کے بعد مر گیا تو مرنے والے کے ولی کے لیے مستحب ہے کہ اس کی طرف سے روزہ رکھے۔ اگر ولی نے روزہ نہ رکھا اور اس کے ترکے میں سے ہر دن کے بدلے اس شہر کی عام غذا میں سے ایک مدغلہ دیا جائے



کیوں کہ ترمذی میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ”جو شخص مر گیا، اس کے ذمے رمضان کے روزے تھے تو ہر دن کے روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مر گیا اور اس کے ذمے روزے ہوئے تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔“

۳-۴۔ حمل اور رضاعت (بچے کو دودھ پلانا): حاملہ اور دودھ پلانے والی کو اگر اپنی جان یا بچے کی جان کا خوف ہو تو ان کے لیے روزہ چھوڑنا مباح ہے، بچہ خواہ دودھ پلانے والی کا ہو یا کسی اور کا یعنی نسبی بیٹا ہو یا رضاعی، دودھ پلانے والی خواہ ماں ہو یا اجرت پر دودھ پلانے والی۔ اندیشہ عقل کے نقصان کا ہو یا ہلاکت کا یا بیماری کا اور قابل اعتبار خوف وہی ہے جو سابقہ تجربے کی بنیاد پر غلبہ وطن کی وجہ سے ہو یا کسی مسلمان حاذق عادل طبیب کی رائے پر مبنی ہو۔

ان دونوں کے لیے روزہ چھوڑنے کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ انہیں مریض اور مسافر پر قیاس کیا جائے گا۔ ارشاد نبویؐ ہے: ”اللہ تعالیٰ نے مسافر سے روزہ اور آدھی نماز کم کر دی ہے اور حاملہ اور دودھ پلانے والی سے روزہ“۔ (۱۸۳) اگر حاملہ یا دودھ پلانے والی کو اپنی یا بچے کی جان کا خوف ہو تو روزہ رکھنا حرام ہے۔

اگر یہ دونوں روزہ چھوڑ دیں اور حنفیہ کے نزدیک قضا واجب ہے، فدیہ نہیں اور اگر انہیں صرف بچے کی جان کا خوف ہو تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک فدیہ بھی دینا ہو گا اور مالکیہ کے نزدیک صرف دودھ پلانے والی پر فدیہ واجب ہے حاملہ پر نہیں۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

۵۔ بڑھاپا: جو مرد یا عورت بہت بوڑھے ہوں کہ سال کے کسی موسم میں روزے نہ رکھ

سکتے ہوں ان کے لیے بالاتفاق جائز ہے کہ روزہ نہ رکھیں۔ ان کے ذمے قضا بھی نہیں ہے کیوں کہ انہیں قدرت ہی نہیں۔ ایسے افراد ہر دن کے بدلے فدیے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ مانکیہ کے نزدیک فدیہ دینا مستحب ہے۔ ارشاد ربانی ہے: *وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین* (البقرہ ۲: ۱۸۴)، جو لوگ پوری قوت صرف کر کے روزہ رکھ سکتے ہوں وہ فدیے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں (ابن عباسؓ کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کے بارے میں ہے جو روزہ رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتے، وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ (۱۸۴))

اسی طرح وہ مریض جس کے صحت یاب ہونے کی امید نہ ہو کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: *وما جعل علیکم فی الدین من حرج* (الحج ۲۲: ۷۸)، اللہ نے دین کے معاملے میں تم پر تنگی نہیں رکھی (لیکن جو شخص رمضان میں روزے رکھنے سے عاجز ہے لیکن کسی دوسرے وقت قضا کر سکتا ہے تو اس کے ذمے قضا ہے، فدیہ نہیں۔

۶۔ شدید بھوک اور پیاس: جس کسی کو اس قدر شدید بھوک یا پیاس لگ جائے کہ اس سے ہلاکت کا یا عقل ضائع ہونے کا یا حواس کے مختل ہونے کا اندیشہ ہو اور اس کیفیت میں روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو روزہ توڑ دے اور قضا کرے۔ اگر جان کا خوف ہو تو روزہ رکھنا حرام ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: *ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکة* (البقرہ ۲: ۱۹۵)، اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو (جب ایسا شخص بھوک یا پیاس کی شدت سے روزہ توڑ دے تو کیا بعد میں سارا دن کھانے پینے سے رکا رہے یا اس کے لیے کھانا پینا جائز ہے، اس میں اختلاف ہے۔

۷۔ اکراہ (زبردستی) اگر زبردستی کسی کا روزہ توڑا دیا جائے تو اس کو گناہ نہیں، جمہور کے

نزدیک قضا کرے اور شافیہ کے نزدیک اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا، اگر کسی عورت سے زبردستی یا سوتے میں جماع کر لیا گیا تو وہ روزہ قضا کرے۔

یہ ہیں وہ اہم عذر جن کی وجہ سے روزہ چھوڑنا جائز ہے۔ حیض، نفاس اور روزہ دار کو پیش آنے والی دیوانگی سے روزہ توڑنا جائز ہے بلکہ ان پر روزہ واجب ہی نہیں ہوتا اور نہ ان کا روزہ صحیح ہوتا ہے جیسا کہ روزے کی شرائط میں تفصیل گزر چکی ہے۔

مشکل کام کرنے والا: ابو بکر آجری کہتے ہیں (۱۸۵) جس کسی کا کام بہت مشکل ہو، اگر اسے روزہ رکھنے سے جان جاتے رہنے کا خوف ہو تو روزہ نہ رکھے اور قضا کرے بشرطیکہ وہ کام چھوڑ دینا اس کے لیے نقصان دہ ہو۔ اگر نقصان دہ نہ ہو تو کام چھوڑ دے اور روزہ چھوڑنے سے گنہ گار ہوگا۔ اگر کام چھوڑنے سے بھی نقصان دور نہ ہو تو عذر کی وجہ سے روزہ چھوڑنے میں کوئی گناہ نہیں۔ جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جو لوگ مشقت کے کام کرتے ہیں مثلاً فصلوں کی کٹائی، روٹیاں پکانا، لوہار کا کام کرنا، آگ کی بھٹیوں پر کام کرنا یا کان کنی وہ سحری کھائیں اور روزے کی نیت کریں، اگر انہیں سخت بھوک یا پیاس لگے کہ اس سے نقصان کا اندیشہ ہو تو ان کے لیے روزہ توڑنا جائز ہے، بعد میں قضا کریں۔ اگر واقعاً نقصان ہو رہا ہو تو روزہ توڑنا واجب ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیماً (النساء: ۲۹)، اپنے آپ کو قتل نہ کرو اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہے)۔

ڈوبتے کو بچانا: حنابلہ کہتے ہیں (۱۸۶) جو شخص کسی بے گناہ شخص کو ہلاکت سے مثلاً ڈوبنے وغیرہ سے بچانے کے لیے روزہ توڑنے کا ضرورت مند ہو اس پر روزہ توڑ دینا واجب ہے اور فدیہ نہیں ہے۔ اگر روزہ توڑے بغیر بچا سکتا ہے تو روزہ توڑنا حرام ہے۔

اگر پانی اس کے حلق میں چلا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

**نفل روزہ:** حنفیہ کی صحیح روایت یہ ہے کہ نفل عبادت شروع کرنے سے واجب ہو جاتی ہے اس لیے ان کے نزدیک بلا عذر نفل روزہ توڑنا جائز نہیں۔ اظہر روایت میں ضیافت مہمان اور میزبان دونوں کے لیے سورج ڈھلنے سے پہلے عذر ہے، بعد میں نہیں۔ ہاں اگر زوال کے بعد روزہ نہ توڑنے میں والدین میں سے کسی کی نافرمانی ہوتی ہو تو روزہ توڑ دے، اور کسی کی نافرمانی کا اعتبار نہیں، کیوں کہ زوال کے بعد روزہ مؤکد ہو جاتا ہے۔

اگر نفل روزہ رکھنے والے نے کسی بھی وجہ سے روزہ توڑ دیا تو حنفیہ کے نزدیک اس پر قضا واجب ہے البتہ اگر پانچ دنوں عیدین اور ایام تشریق میں نفل روزہ رکھ کر توڑ دیا تو ظاہر الروایۃ کے مطابق ان کی قضا نہیں ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

عذر کی وجہ سے روزہ توڑنے کے بعد کھانے پینے سے رکا رہنا: اگر رمضان میں کوئی شخص کسی عذر کی بنا پر روزہ توڑ دے تو کیا اس کے بعد اس کے لیے کھانے پینے سے رکا رہنا واجب ہے یا مستحب؟ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک واجب ہے اور شافعیہ کے نزدیک مستحب، مالکیہ کے نزدیک واجب ہے نہ مستحب البتہ دو صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ تمام حالات اور فقہی آراء کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حنفیہ کے نزدیک (۱۸۷) اگر کسی شخص نے کسی عذر کی بنا پر روزہ توڑ دیا، پھر وہ عذر ختم ہو گیا تو باقی دن کھانے پینے سے رکا رہنا واجب ہے مثلاً حیض یا نفاس والی عورت طلوع فجر کے بعد پاک ہو گئی، مسافر مقیم ہو گیا، مریض صحت یاب ہو گیا، دیوانہ تندرست ہو گیا، لڑکا بالغ ہو گیا، کافر مسلمان ہو گیا تو ان سب کو رمضان کے وقت کا حتی الامکان احترام کرتے ہوئے کچھ کھانا پینا نہیں چاہیے اور آخری دو (لڑکا اور کافر) کے علاوہ باقی

سب کو روزے کی قضا کرنا ہوگی کیوں کہ طلوع فجر کے وقت وہ روزے کے خطاب کے مکلف نہیں تھے۔ ہمیں معلوم ہے کہ جو دیوانگی پورا مہینہ نہ رہے بلکہ درمیان میں افاقہ ہو جائے اس میں قضا واجب ہے، جب کہ بے ہوشی اگر سارا مہینہ جاری رہے تب بھی قضا واجب ہے کیوں کہ یہ بیماری کی ایک قسم ہے البتہ جس روز بے ہوشی طاری ہوئی یا جس رات بے ہوشی طاری ہوئی اس دن کے روزے کی قضا نہیں ہے کیوں کہ روزے کی شرط یعنی نیت موجود ہے۔

مالکیہ کی رائے (۱۸۸) یہ ہے کہ جو کوئی بالخصوص رمضان میں یا نذر معین میں روزہ توڑ دے، دانستہ، زبردستی یا بھول کر اسے یہ حکم دیا جائے گا کہ باقی وقت کھانے پینے سے پرہیز کرے البتہ اگر کسی نے کسی عذر کی بنا پر روزہ توڑ دیا، پھر اس کا عذر ختم ہو گیا تو اس کے لیے کھانے پینے سے رکے رہنا مستحب نہیں ہے مثلاً رمضان میں دن کے دوران کسی کا حیض یا نفاس ختم ہو گیا یا مسافر مقیم ہو گیا، لڑکا جوان ہو گیا، دیوانگی یا بے ہوشی ختم ہو گئی، روزہ نہ رکھنے والا بیمار تندرست ہو گیا، یا جو کوئی کھانے پینے میں مضطر تھا اس کی مجبوری ختم ہو گئی تو اس کے لیے کھانے پینے سے رکا رہنا مستحب نہیں وہ کھانے پینے کا عمل جاری رکھ سکتا ہے۔ البتہ شک کے دن اتنی دیر تک کھانے پینے سے رکے رہنا مستحب ہے جب تک کہ بالعموم روزے کی شہادت آ جانی چاہیے، یعنی جو لوگ سفر میں ہوتے ہیں اور کسی شہر کے پاس سے گزرتے ہوئے چاند کے بارے میں شہادت دیتے ہیں یعنی سورج بلند ہونے تک انتظار کرنا مستحب ہے۔ اگر نفل روزے میں بھولے سے افطار کر لیا تو باقی وقت رکے رہنا مستحب ہے اور اگر دانستہ ناجائز طور پر روزہ توڑ دیا تو معتمد روایت یہ ہے کہ باقی وقت رکے رہنا مستحب نہیں۔ نیز ایسے روزے میں بھی رکے رہنا مستحب نہیں جو مسلسل رکھے

جاتے ہیں مثلاً کفارہ ظہار اور کفارہ قتل کے روزے۔

شافعیہ کی رائے (۱۸۹) یہ ہے جو زیادتی کر کے روزہ توڑ دے مثلاً اس نے یونہی کھا پی لیا تو اس کی سزا اور اس کی کوتاہی کی تلافی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے لیے کھانے پینے سے رکنا واجب قرار دیا جائے۔ یا جو رات کو نیت کرنا بھول جائے کیوں کہ بھول جانے کا مطلب یہ ہے کہ جس عبادت کا اسے حکم دیا گیا ہے اس کے بارے میں اہتمام کرنے کا شعور نہیں ہے۔ اس میں کوتاہی کا عنصر ہے۔ شک کے دن بھی کھانے پینے سے روکا جائے بشرطیکہ بعد میں معلوم ہو کہ آج رمضان ہے کیوں کہ اس روز اور چاند دیکھنے کی کوشش نہ کرنا کوتاہی ہے۔ ایسے تمام روزوں کو فوری قضا کرنا واجب ہے یہی معتمد روایت ہے۔

اگر لڑکے نے روزہ نہیں رکھا تھا اور دن کے دوران بالغ ہو گیا یا دیوانے کو افاقہ ہو گیا یا کافر مسلمان ہو گیا تو ان کے لیے کھانے پینے سے رکا رہنا ضروری نہیں کیوں کہ ان کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ روزہ رکھ سکتے لیکن اختلاف سے بچنے کے لیے دیوانے کو افاقہ ہو گیا ہو یا کافر مسلمان ہو گیا ہو تو ان کے لیے روزہ قضا کرنا مستحب ہے۔

اگر مسافر یا مریض کا عذر روزہ چھوڑنے کے بعد ختم ہو جائے تو ان کے لیے بھی کھانے پینے سے رکا رہنا ضروری نہیں کیوں کہ رخصت پر عمل کرنے کے بعد عذر ختم ہو جانا مؤثر نہیں ہوتا جیسے مسافر نے قصر نماز پڑھ لی، بعد میں مقیم ہو گیا اور ابھی وقت باقی تھا تو اس پر پوری نماز واجب نہیں البتہ رمضان کے وقت کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ کھانے پینے سے رکا رہنا مستحب ہے۔ اسی طرح حیض یا نفاس والی عورت پاک ہو جائے تو اس کے لیے بھی رکا رہنا مستحب ہے، واجب نہیں کیوں کہ روزہ توڑ دینا ان کے لیے مباح تھا حالانکہ انہیں اپنے دن کی حالت کے بارے میں علم تھا اور رخصت پر عمل کرنے کے بعد عذر ختم ہو جانا مؤثر نہیں ہوتا۔

حنابلہ کی رائے یہ ہے (۱۹۰) کہ جو شخص بلا عذر روزہ چھوڑ دے یا اس خیال سے کھاتا رہا ہے کہ ابھی صبح نہیں ہوئی جب کہ صبح ہو گئی تھی یا یہ سمجھ کر افطار کر لیا کہ سورج غروب ہو گیا ہے، لیکن ابھی غروب نہیں ہوا تھا، یا روزے کی نیت کرنا بھول گیا تھا تو بالاتفاق ایسے شخص کو کھانے پینے سے رکا رہنا واجب ہے۔

راج قول یہ ہے کہ جس کسی کا عذر دن کے دوران ختم ہو جائے اس کے لیے رکا رہنا ضروری ہے اور وہ بعد میں قضا بھی کرے جیسے لڑکا، دیوانہ، کافر، مریض، مسافر، حیض یا نفاس والی عورت جب دن کے دوران ان کے عذر زائل ہو جائیں مثلاً لڑکا جوان ہو جائے، دیوانہ تندرست ہو جائے، کافر مسلمان ہو جائے، مریض صحت یاب ہو جائے، مسافر مقیم ہو جائے، حیض و نفاس والی عورت پاک ہو جائے۔ ان لوگوں کو رکے رہنے کا ثواب ملے گا، روزے کا نہیں۔

اگر لڑکے نے روزہ رکھا ہوا تھا اور رات سے روزے کی نیت کی ہوئی تھی، پھر دن کے دوران سالوں کے حساب سے یا احتلام سے بالغ ہو گیا تو اپنا روزہ پورا کرے اور اس کا روزہ ادا ہو گیا جیسے کہ نفل روزہ نذر کے طور پر مکمل ہو سکتا ہے۔ اگر مسافر کو علم ہو کہ وہ کل گھر پہنچ جائے گا تو لازماً روزہ رکھے۔

**بحث ہفتم: جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا:**

اس بحث میں فقہاء کا دو پہلوؤں سے اختلاف ہے (۱) ہیئت کے اعتبار سے (۲) موضوع کے اعتبار سے۔ اس اختلاف کا تقاضا ہے کہ ہر مذہب کو الگ الگ بیان کیا جائے۔

حنفیہ (۱۹۱): جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ قسم جس سے صرف قضا واجب ہوتی ہے (۲) وہ قسم جس سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں

۱- وہ امور جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور صرف قضاء واجب ہوتی ہے کفارہ نہیں۔  
یہ تقریباً ستاون چیزیں ہیں، ان کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱- کوئی ایسی چیز کھائے جو نہ تو غذا ہو اور نہ غذا کے مفہوم میں ہو مثلاً دوا۔ یعنی کوئی ایسی چیز کھائے جو عام طور پر غذا کے طور پر نہیں کھائی جاتی نہ اس کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہے مثلاً روزہ دار کے چاول، گندھا ہوا آٹا یا خشک آٹا جو کسی ایسی چیز سے ملا ہو انہوں نے جو جسے عادتاً لوگ کھاتے ہیں مثلاً گھی، شیرہ، شہد، شکر ورنہ کفارہ واجب ہو جائے گا۔ یا کسی نے بہت سا نمک یکبارگی کھا لیا، اگر تھوڑا سا نمک کھایا تو کفارہ واجب ہوگا، یا پھل پکنے سے پہلے کھا لیا یا دانتوں کے درمیان اٹکا ہوا کھانے کا ٹکڑا جو چنے کے دانے کے برابر ہو، اگر کم ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا یا کسی نے کچا خروٹ کھا لیا۔ یا کسی نے غیر ارٹھی مٹی کھالی جو کھانے کی عادت نہیں ہوتی۔ ارٹھی مٹی (عطر سازوں کے ہاں معروف ہے) کھانے سے کفارہ واجب ہوتا ہے۔

جس نے گٹھلی بیج کھالی یا روٹی یا کاغذ یا چمڑے کا ٹکڑا یا کنکر، لوہے کا ٹکڑا، مٹی، پتھر، درہم، دینار وغیرہ نگل لیا یا خود اپنے اختیار سے دھواں اندر داخل کیا یا عورت کی شرم گاہ یا پانچانے کے راستے معدے میں غذا یا دوا پہنچائی یا ناک یا حلق کے ذریعے کوئی چیز داخل کی یا ناک میں کوئی چیز ٹپکائی (۱۹۲) یا کان میں پانی کے علاوہ کوئی چیز ٹپکائی جو دماغ تک پہنچ گئی پانی چوں کہ سرایت نہیں کرتا اس لیے وہ اس میں شامل نہیں، یا حلق میں بارش یا برف ٹپکائی اور اپنے اختیار سے نگلی نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ کا اتفاق ہے کہ اگر عورت کی شرم گاہ میں کسی چیز کا قطرہ ٹپکایا جائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر مرد کے عضو تناسل کے سوراخ میں ٹپکایا جائے تو



اظہر روایت یہ ہے کہ نہیں ٹوٹے گا، کیوں کہ عورت کو قطرہ پٹکانا حقنہ کی طرح ہے۔ یہ قول امام ابو حنیفہ اور محمد کا ہے اس کی تفصیل ان چیزوں میں آئے گی جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا (نمبر ۱۱) ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ مرد کا روزہ بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

یا کسی نے خود قے کی (عمداً قے کی) یا خود قے ہوئی لیکن اس نے اگلنے کے بجائے اپنے اختیار سے نکل لی اگر قے عمداً کی تو منہ بھر کر ہو اور اگر قے منہ بھر سے کم تھی اور چنے کے دانے برابر یا اس سے زائد لوٹا دی اور اسے یاد تھا کہ روزہ ہے اور اگر قے خود بخود ہو گئی یا خود قے کی لیکن منہ بھر سے کم تھی یا اسے روزہ یاد نہیں تھا یا قے کھانا نہیں تھا بلکہ بلغم تھا تو ان تمام صورتوں میں بالاتفاق روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے: ”جسے خود بخود قے ہو گئی، اس پر قضا نہیں ہے اور جس نے دانستہ قے کی وہ روزہ قضا کرے“۔ (۱۹۳)

۲۔ کسی شرعی عذر کی بنا پر غذا یا دوا کھالے مثلاً بیماری، سفر، زبردستی، خطا یا اہمال یا شبہ کی وجہ سے غذا یا دوا کھالی مثلاً کلی کرتے ہوئے خطا پانی پیٹ میں چلا گیا یا سر یا پیٹ کے زخم پر دوا لگائی جو دماغ یا پیٹ میں پہنچ گئی یا کسی نے سوئے ہوئے آدمی کے پیٹ میں پانی پہنچا دیا۔ یا کسی عورت نے اس خیال سے روزہ توڑ دیا کہ وہ خدمت کی وجہ سے بیمار ہو کر ہلاکت کا شکار ہو جائے گی۔

یا کسی شرعی شبہ کی وجہ سے کھاپی لیا یا جماع کر لیا مثلاً پہلے بھولے سے کھاپی لیا تھا یا جماع کر لیا تھا، یا رات کو روزے کی نیت نہیں کی تھی بلکہ دن کو نیت کی اور بعد میں کھاپی لیا، یا مسافر نے رات کو روزے کی نیت کی تھی لیکن دن میں مقیم ہونے کے بعد کھاپی لیا، یا سفر کی حالت میں کھاپی لیا یا جماع کر لیا جب کہ صبح کے وقت مقیم ہو گیا اور روزے کی نیت

رات کو کی ہوئی تھی، پھر دن میں سفر شروع کر دیا اور بیچ میں اسے سفر کا شبہ رہا، اگرچہ اس کے لیے روزہ چھوڑنا جائز نہیں تھا۔

یا طلوع فجر میں شک ہونے کی وجہ سے کھاتا، پیتا یا جماع کرتا رہا جب کہ صبح ہو گئی تھی۔ شبہ کی وجہ سے اس پر کفارہ نہیں ہے کیوں کہ اصل یہ ہے کہ رات باقی ہو یا یہ سمجھ کر کہ سورج غروب ہو گیا ہے کھا پی لیا جب کہ سورج ابھی باقی تھا۔ ان صورتوں میں کفارہ نہیں کیوں کہ سورج غروب ہونے کا غلبہ ظن پیدا ہو گیا تھا۔

اگر طلوع فجر سے پہلے جماع کر رہا تھا یا کھا رہا تھا کہ فجر طلوع ہو گئی، اگر فوراً عضو تناسل کھینچ لیا یا لقمہ منہ سے پھینک دیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

۳- شرم گاہ سے نامکمل شہوت پوری کی مثلاً کسی مردار، جانور، چھوٹی لڑکی جو قابل شہوت نہیں ہے اس سے جماع کیا اور منی خارج ہو گئی یا رانوں میں یا پیٹ میں جماع کیا یا بوسہ دیا، یا ہاتھ لگایا، یا ہتھیلی سے عضو سے کھیلتا رہا یا سوئی عورت سے جماع کیا یا عورت نے اپنی شرم گاہ میں تیل وغیرہ ڈالا۔

اس کے ساتھ وہ صورت بھی شامل ہے کہ پانی یا تیل سے تر انگلی پانچانے کے راستے اندر داخل کی یا استنجا کیا اور پانی پانچانے کے راستے اندر چلا گیا یا اس راستے میں روئی، کپڑا یا کسی نالی کا کنارہ اندر داخل کیا اور باہر کوئی چیز نہ رہی یا عورت نے پانی یا تیل سے انگلی تر کر کے اپنی شرم گاہ کے اندر داخل کی یا روئی، لکڑی یا کوئی ڈنڈی اندر داخل کی اور غائب ہو گئی کیوں کہ دخول مکمل ہو گیا، اگر اندر داخل ہونے والی چیز کا کچھ حصہ باہر رہ گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیوں کہ تمام چیز کا داخل نہ ہونا گویا بالکل داخل نہ ہونے کی طرح ہے لہذا روزہ نہیں ٹوٹے گا کیوں کہ اندر ڈالی جانے والی چیز پوری نہیں ڈالی گئی بلکہ

اس کا کچھ حصہ باہر رہ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک عورتوں کا معائنہ کرنے کے لیے شرم گاہ میں جو آلہ داخل کیا جاتا ہے جس سے اندر کا معائنہ کرتے ہیں اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیوں کہ اس کا ایک حصہ باہر رہ جاتا ہے اور انگلی وغیرہ ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے حنابلہ کا اس میں اختلاف ہے، ان کے نزدیک انگلی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ جیسا کہ تفصیل آئندہ آئے گی۔

اسی کے ساتھ امر بھی شامل ہے کہ اگر رمضان کے ادا روزے کے علاوہ کوئی روزہ کسی نے جماع وغیرہ کے ساتھ توڑ دیا تو اس میں بھی قضا ہے کیوں کہ اس میں ماہ رمضان کی بے حرمتی نہیں ہے۔

۲- وہ امور جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں:

یہ تقریباً بائیس چیزیں ہیں۔ جب کسی مکلف روزہ دار نے جس نے رات سے رمضان کے ادا روزے کی نیت کی ہوئی تھی ان میں سے کوئی کام دانستہ، مرضی سے، اضطرار کے بغیر، بغیر اس کے کہ کوئی ایسی صورت بعد میں پیش آئی ہو جس کی وجہ سے روزہ توڑا جا سکتا ہو جیسے بیماری یا اس سے پہلے ایسی صورت ہو مثلاً سفر، ان میں سے کوئی کام کیا تو قضا اور کفارہ دونوں ہیں۔ اگر کسی بچے نے یہ کام کیے یا روزے کی نیت رات سے نہیں تھی یا رمضان کا قضا روزہ تھا یا رمضان کے علاوہ کوئی اور روزہ تھا یا بھولے سے یا غلطی سے ان میں سے کوئی سے کام کر لیا یا اس سے زبردستی کروایا گیا یا اضطرار میں کیا یا اسے سفر یا بیماری پیش آگئی، تو کفارہ نہیں، صرف قضا ہے۔

ان چیزوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱- شرعی عذر کے بغیر غذا کھانا یا کوئی ایسی چیز جو غذا کے مفہوم میں ہو جیسے: کھانا، پینا، دوا لینا، سگریٹ وغیرہ پینا، ایون، حشیش یا دوسری کوئی نشہ آور چیز کھانا کیوں کہ ان چیزوں کی خواہش ظاہراً موجود ہے۔ کھانے میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو عادت کے طور پر کھائی جاتی ہیں، گوشت اور مختلف قسم کی چربیاں، کچا، پکا، خشک گوشت پھل، سبزیاں، انگور کے پتے، تربوز کا چھلکا، خشک چھلکے گندم کے دانے اور اس کا بھوسہ خواہ ایک ہی دانہ ہو یا تل کا دانہ وغیرہ راجح قول کے مطابق اگر منہ کے باہر سے اندر داخل کیا جائے تو روزہ ٹوٹتا ہے، ہاں اگر اتنا سا ہے کہ منہ میں ڈال کر چبانے سے منہ میں ہی رہ جائے اور پیٹ میں نہ پہنچے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح غیبت کرنے کے بعد یہ سمجھا کہ اس غیبت سے روزہ ٹوٹ گیا پھر دانستہ کچھ کھا پی لیا یا کچھ لگانے، چھونے، شہوت کے ساتھ بوسہ دینے یا گلے لگنے کے بعد منی خارج ہوئے بغیر سمجھ لیا کہ روزہ ٹوٹ گیا یا مونچھوں کو تیل لگایا اور سمجھا کہ روزہ ٹوٹ گیا اور پھر جان بوجھ کھا پی لیا، ہاں اگر کسی فقیہ نے فتویٰ دیا ہو تو پھر کفارہ نہیں ہے۔ نیز بارش کا پانی نکلنا، اپنی بیوی یا محبوب کا لعاب حصول لذت کے لیے نکلنا۔ ارمنی مٹی کھانا، غیر ارمنی مٹی کھانا، یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ بچوں کو مٹی کھانے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ نیز تھوڑا سا نمک کھا لینا، مختار روایت کے مطابق، اس کی دلیل یہ حدیث ہے: ”جو چیز پیٹ میں داخل ہو جائے اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے“۔ (۱۹۳)

۲- مکمل طور پر شرم گاہ کی شہوت پوری کرنا یعنی آگے یا پیچھے کے راستے سے جماع کرنا، خواہ فاعل ہو یا مفعول، خواہ صرف شرم گاہیں آپس میں ملی ہوں اور منی نہ نکلی ہو، شرط

یہ ہے کہ مفعول زندہ انسان ہو اور قابل شہوت ہو۔ اگر عورت کسی بچے یا دیوانے کو اپنے اوپر اختیار دے کر اس سے جماع کرائے تو بھی بالاتفاق کفارہ واجب ہے۔

دلیل: ایک دیہاتی نے رمضان کے دن میں اپنی بیوی سے جماع کیا، رسول اللہ ﷺ نے اس پر کفارہ واجب کیا (غلام آزاد کرے، اگر نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، اگر ممکن نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے) (۱۹۵)

وہ امور جن سے حنفیہ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا:

یہ تقریباً چوبیس چیزیں ہیں۔

۱- بھولے سے کھانا پینا یا جماع کرنا کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”جو روزے سے تھا، بھول گیا اور کھاپی لیا تو اپنا روزہ پورا کرے، اللہ نے اسے کھلا پلا دیا ہے“ (۱۹۶) ایک روایت میں ہے کہ: ”جس نے رمضان میں بھولے سے روزہ توڑ دیا، اس پر قضا ہے نہ کفارہ“ اور جماع کھانے پینے کی طرح ہے۔ اگر یاد آ جائے تو فوراً عضو نکال لے، اگر اس کے بعد بھی ڈالے رکھا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر طلوع فجر کے خوف سے عضو نکال لیا اور فجر کے بعد اور نکالنے کے بعد منی نکل آئی تو کوئی گناہ نہیں ہے اور اگر حرکت دیتا رہا اور نکالا نہیں یا نکالا اور پھر ڈال دیا تو کفارہ واجب ہے۔

جو روزہ رکھنے پر قادر ہے اور بھولے سے کھا رہا ہے اسے یاد دلانا واجب ہے تاکہ کھانا چھوڑ دے اور یاد نہ دلانا مکروہ ہے۔ اگر کوئی شخص کمزور ہے، اس میں روزے کی قوت نہیں تو اس پر شفقت کا تقاضا یہ ہے اسے نہ یاد کرایا جائے۔

۲- دیکھنے یا سوچنے سے منی نکل آنا، خواہ دیر تک سوچتا یا دیکھتا رہا ہو کیوں کہ اس صورت میں نہ صورتاً جماع ہے نہ حقیقتاً۔ جماع مباشرت سے انزال ہونے کا نام ہے۔ اگرچہ اس

صورت میں گنہ گار ہو گا۔ دو عورتیں اگر آپس میں چپٹی کرتی ہیں اور منی نہیں نکلتی تو ان کا روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن ایسا کرنے والے گنہ گار ہوں گے۔ ان چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اسی طرح رمضان میں اگر دن میں احتلام ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

۳- آنکھ میں قطرہ ڈالنا یا سرمہ لگانا، خواہ اس کا ذائقہ یا اثر حلق میں محسوس ہو کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں روزے کی حالت میں سرمہ لگایا۔ (۱۹۷)

۴- کھینچنے لگانا، رسول اللہ ﷺ نے احرام کی حالت میں اور روزے کی حالت میں کھینچنے لگوائے۔ (۱۹۸)

۵- مسواک کرنا، خواہ پانی سے تر ہو کیوں کہ یہ سنت ہے۔

۶- کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا، خواہ وضو کے بغیر ہو، لیکن ان میں اتنا مبالغہ نہ کرے کہ پانی پیٹ میں چلا جائے۔

۷- نہانا اور تیرنا یا گرمی دور کرنے کے لیے کپڑا گھسیلا کر کے پیٹ لینا یا کان میں لکڑی ڈالنا۔

۸- غیبت کرنا روزہ چھوڑنے کی نیت کرنا لیکن نہ توڑنا۔

۹- دھواں اندر چلے جانا یا غبار خواہ چکی کا غبار ہو یا مکھی اندر چلے جانا یا حلق میں دوائی کا اثر محسوس کرنا، لیکن روزہ دار کے اختیار سے نہ ہو، بلکہ اس کی مرضی کے خلاف ہو، خواہ اسے روزہ یاد ہو کیوں کہ ان سے بچنا ممکن نہیں۔

لیکن اگر دھونی جلا کر قریب کر لی اور اس کا دھواں سونگھتا رہا اور روزہ یاد تھا تو ٹوٹ گیا کیوں کہ اس سے بچنا ممکن تھا، اور خیال نہ کیا جائے کہ یہ پھول یا پھول کا پانی یا خوشبو سونگھنے کی طرح ہے کیوں کہ خوشبو دار ہوا سونگھنا جو مشک سے معطر ہو اور دھوئیں کا جوہر اندر

پہنچانے میں واضح فرق ہے۔

۱۰- داڑھ اکھیڑنا، جب تک خون یا دوائی نہ نکلے، ورنہ روزہ ٹوٹ جائے گا۔

۱۱- مرد کا عضو تناسل کے سوراخ میں پانی، تیل یا دوائی ڈالنا، نہر میں گھسنے کی وجہ سے کان میں پانی داخل ہونا، کان میں لکڑی ڈالنا، کان سے میل نکالنا، کیوں کہ عضو تناسل کا سوراخ کھلا نہیں ہوتا کان میں پانی کا چلا جانا ایک مجبوری ہے، لکڑی کان میں ڈالنے سے دماغ تک کوئی چیز نہیں پہنچتی البتہ بہتر یہ ہے کہ ان میں سے کوئی کام نہ کرے۔

۱۲- ناک کی سینڈھ نکلنا یا جان بوجھ کر بلغم نکل جانا کیوں کہ یہ دماغ سے اترتی ہے بہتر یہ ہے کہ اسے تھوک دیا جائے کیوں کہ یہ گندی چیز ہے، نیز جن فقہاء کے نزدیک اسے نکلنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ان کے اختلاف سے نکلنے کا تقاضا بھی یہی ہے۔

۱۳- خود بخود قے آنا اور از خود لوٹ جانا، خواہ منہ بھر کر ہو، صحیح قول یہی ہے۔ خود منہ بھر سے کم قے کرنا، صحیح روایت کے مطابق، لیکن اگر قے خود لوٹا دی تو خواہ ایک چنے کے دانے کے برابر ہی ہو اور قے منہ بھر تھی تو حنفیہ کا اتفاق ہے کہ روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن مختار مذہب یہ ہے کہ کفارہ نہیں ہے۔ اگر خود لوٹ گئی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، خواہ لوٹنے والی قے کم ہو یا زیادہ۔ (۱۹۹)

خلاصہ یہ ہے کہ جان بوجھ کر منہ بھر قے کرنا یا قے لوٹا دینا روزے کو نرڑ دیتے ہیں، قضا واجب ہوتی ہے کفارہ نہیں اور خود بخود قے ہو جائے یا خود بخود لوٹ جائے یا قے منہ بھر کرنے کی ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

۱۴- دانتوں میں پھنسنے ہوئے کھانے کے ریزے اگر چنے کے دانے سے کم ہوں کیوں کہ یہ لعاب کے تابع ہیں یا تل کے دانہ کی مقدار کی کوئی چیز باہر سے لے کر منہ میں

چبانا کہ وہ منہ میں ہی گم ہو جائے اس کا ذائقہ حلق تک نہ پہنچے، کیوں کہ یہ نگلی نہیں گئی۔

۱۵- صبح اٹھا تو جنبی تھا اور سارا دن جنابت کی حالت میں رہا، کیوں کہ جنابت روزے کے درست ہونے پر اثر انداز نہیں ہوتی، کیوں کہ جنابت کا پایا جانا ایک ضرورت ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اگرچہ نماز کے لیے غسل فرض ہے کیوں کہ ارشادِ ربانی ہے: وان كنتم جنبا فاطهروا (المائدہ، ۶:۵)، اگر تم جنبی ہو تو اچھی طرح پاک ہو جایا کرو) نیز غسل جنابت اسلامی آداب کا حصہ ہے، ارشادِ نبویؐ ہے: ”جس گھر میں تصویر، کتاب یا جنبی موجود ہو وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے“ (۲۰۰)۔

۱۶- پٹھوں میں، کھال کے نیچے گوشت میں یا ورید میں ٹیکہ لگانا، بہتر یہ ہے کہ ٹیکہ شام کے بعد تک مؤخر کر دیا جائے۔ شریان میں ٹیکہ لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

۱۷- عطریاتی خوشبو سونگھنا، مثلاً گلاب، پھول، مشک یا اور کوئی خوشبو

مالکیہ کے نزدیک (۲۰۱) جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں:

ایک وہ جن سے قضا واجب ہوتی ہے اور دوسرے وہ جن سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں۔

۱- وہ امور جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور صرف قضا واجب ہوتی ہے، وہ یہ ہیں:

۱- رمضان کے علاوہ فرض روزہ جان بوجھ کر توڑ دینا، مثلاً رمضان کا تضا روزہ، کفارے یا نذر غیر معین کا روزہ یا قربانی دست یاب نہ ہونے والے متمتع یا قارن حاجی کے روزے۔

رہی نذر معین مثلاً کسی خاص دن یا خاص ایام یا خاص مہینے کے روزے رکھنے کی

منت مانی، اگر کسی عذر کی وجہ سے جس کا تعلق روزے کے درست ہونے سے ہو روزہ تو



دیا مثلاً حیض، نفاس، بے ہوشی، دیوانگی یا ایسے عذر کی وجہ سے جس کا تعلق روزہ رکھنے سے ہو مثلاً بیماری یا شدید نقصان یا بیماری میں اضافہ یا دیر سے صحت یاب ہونے کا اندیشہ تو روزہ قضا نہ کرے کیوں کہ جس وقت کی منت مانی تھی وہ وقت جاتا رہا، ہاں اگر عذر ختم ہو جائے اور وقت ابھی باقی ہو تو روزہ رکھنا واجب ہے۔

۲- رمضان کا فرض روزہ جان بوجھ کر چھوڑ دینا، جب کہ کفارے کی شرائط پوری نہ ہوتی ہوں مثلاً کسی جائز عذر کی وجہ سے روزہ توڑ دینا، بیماری، سفر، یا ایسے عذر کی وجہ سے جس میں گناہ نہ ہوں مثلاً بھول چوک، غلطی یا زبردستی یا ندی نکلنے سے روزہ ٹوٹ جائے یا دیر تک سوچنے یا دیکھنے کے بغیر معمول کی لذت کے مطابق منی خارج ہو، جب کہ اس حالت میں منی خارج ہونا اس کا معمول نہ ہو۔ الغرض ہر فرض روزہ جس میں روزہ توڑ دیا، اس میں قضا واجب ہے۔ بجز اس کے کہ کسی عذر کی بنا پر نذر معین کا روزہ چھوڑ دے۔

۳- نفل روزہ جان بوجھ کر توڑ دے کیوں کہ مالکیہ کے نزدیک نفل روزہ شروع کرنے سے واجب ہو جاتا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اگر بھولے سے یا کسی جائز کی بنا پر توڑ دیا تو قضا نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تمام اقسام کے روزوں میں جس نے جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا اس کے ذمے قضا ہے۔ کفارہ صرف رمضان کے روزوں میں ہے۔ جس نے بھول کر کوئی بھی روزہ توڑ دیا اس کے ذمے قضا ہے کفارہ نہیں ہے۔ البتہ نفل روزہ بھولے سے توڑ دیا جائے تو قضا ہے نہ کفارہ۔

پانچ چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

۱- جماع جس سے غسل واجب ہو۔

۲- بوسہ دینے، گلے لگانے، مسلسل دیکھنے یا سوچنے سے منی یا مذی نکل آئے۔

۳- خود قے کرنا، خواہ منہ بھر کر ہو یا تھوڑی ہو، اگر خود بخود قے ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ اگر کچھ قے واپس چلی جائے خواہ خود بخود ہوں تب بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

۴- کوئی مائع چیز منہ، ناک یا کان کے ذریعے حلق تک دانستہ، بھولے سے، غلطی سے یا خود بخود پہنچ جائے جیسے کلی یا مسواک کا پانی۔ دھونی اور ہنڈیا کے بخارات اگر اندر کھینچے جائیں اور حلق تک پہنچ جائیں تو وہ بھی مائع کے حکم میں ہیں، حقہ یا سگریٹ نوشی، دن کے وقت سرمہ لگانا، بالوں کو دن کے وقت اس طرح تیل لگانا کہ اس کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو۔ اگر سرمے یا تیل کا ذائقہ حلق تک نہ پہنچے تو روزہ درست ہے، گویا رات کو سرمہ ڈالا یا تیل لگایا۔

۵- کسی بھی چیز کا معدے میں پہنچنا، خواہ مائع ہو یا اور کوئی چیز، خواہ منہ سے پہنچے یا ناک، کان، آنکھ یا سر کے مساموں میں دانستہ پہنچائی جائے یا بھونے سے، غلطی سے یا خود بخود پہنچ جائے۔ البتہ مرد کے عضو تناسل کے سوراخ میں کوئی چیز ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اسی طرح لکڑی وغیرہ سے کان سے میل نکالنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ دانتوں کے درمیان پھنسا ہوا کھانا دانستہ نکل لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

الغرض جو چیز معدے میں اوپر کے سوراخوں سے جائے خواہ مائع ہو یا غیر مائع، اس سے قضا واجب ہوتی ہے، خواہ سوراخ کھلا ہو یا تنگ۔ اگر نیچے کے سوراخوں سے کوئی چیز معدے میں پہنچے تو ضروری ہے کہ سوراخ کھلا ہو مثلاً پائخانے کا یا عورت کی شرم گاہ کا یا اور کوئی بڑا سوراخ مرد کے عضو تناسل کے سوراخ یا پیٹ تک جانے والے باریک سوراخ سے اگر کوئی چیز اندر داخل کی جائے تو معدہ تک پہنچے چاہے نہ پہنچے اس سے روزہ نہیں

ٹوٹنا۔ معدے تک پہنچنے والی چیز کے بارے میں شرط یہ ہے کہ مائع ہو جامد نہ ہو، مائع کا مطلقاً معدے تک پہنچ جانا روزہ ٹوٹنے کا باعث ہے خواہ اوپر کے سوراخ سے پہنچے یا نیچے کے سوراخ سے اور جامد چیز اگر اوپر کے سوراخ سے معدے میں پہنچے تو روزہ ٹوٹتا ہے ورنہ نہیں۔

جو شخص فرض روزہ توڑ دیتا ہے اس پر مطلقاً قضا واجب ہے چاہے جان بوجھ کر توڑے، یا بھولے سے یا غلطی سے یا خود بخود ٹوٹ جائے یا زبردستی تڑوایا جائے۔ روزہ توڑنا خواہ حرام ہو، خواہ جائز ہو، خواہ واجب ہو، مثلاً بلاکت کا خوف ہو، اس کی وجہ سے کفارہ واجب ہو یا نہ ہو، فرض روزہ اصلی ہو یا نذر کا ہو۔

۲- وہ امور جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں، اس کا تعلق صرف رمضان کا روزہ توڑنے سے ہے۔ یہ چیزیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱- دانستہ جماع کرنا: یعنی عضو تناسل کا اگلا سر کسی ایسی شرم گاہ میں داخل کرنا جس میں داخل کیا جا سکتا تھا، خواہ وہ کسی جانور کی شرم گاہ ہو۔ خواہ منی نکلے یا نہ نکلے۔ کیوں کہ اس نے رمضان کی بے حرمتی کی ہے اور دانستہ، اپنے اختیار سے، کسی قریبی تاویل کے بغیر رمضان کے بارے میں لاپرواہی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اگر بھولے سے یا لاعلمی سے یا کسی تاویل کی بنا پر ایسا کیا تو وہ اس میں شامل نہیں۔ خواہ اپنی بیوی سے جماع کیا ہو یا کسی دوسری عورت سے۔ اگر عورت کی رضا مندی سے ہو تو مرد اور عورت دونوں پر کفارہ ہے، اگر عورت سوئی ہوئی تھی یا اس سے زبردستی کی گئی تو مرد اپنا اور عورت دونوں کا کفارہ دے اور اگر بھولے سے یا کسی تاویل کی بنا پر جماع کیا یا اس سے زبردستی کروایا گیا تو کفارہ نہیں ہے۔

۲- جاگتے میں معمول کی لذت کے ساتھ منی یا مذی نکالنا، بوسہ دے کر یا شرم گاہ کے علاوہ لپٹ کر، یا طویل وقت سوچنے اور دیکھنے سے، یا اس کی عادت یہ ہو طویل وقت سوچنے دیکھنے سے منی نکل آتی ہو یا عادت یہ ہو کہ محض دیکھنے سے منی نکل آتی ہو۔ جس نے بوسہ دیا اور منی نکل آئی اس کا روزہ بالاتفاق ٹوٹ گیا اور اگر مذی نکلی تو امام مالک اور احمد کے نزدیک ٹوٹ گیا، دوسروں کے نزدیک نہیں۔

راجح قول یہ ہے کہ اگر سوچنے یا دیکھنے سے منی نکل آئی اور اس کی عادت اس طرح منی نکل آنے کی نہیں تو کفارہ نہیں ہو گا یا زیادہ دیر سوچا اور دیکھا نہیں محض خیال سے یا نظر پڑنے سے منی نکل آئی تب بھی کفارہ نہیں ہے (۲۰۲)

۳- جان بوجھ کر کھاپی لینا، یہی حکم ہر اس چیز کا ہے جو منہ کے راستے حلق تک پہنچ کر نگلی گئی ہو خواہ غذا کی چیز نہ ہو مثلاً کنکر پیٹ تک پہنچ جائے۔ خود قے کی اور اس کا کچھ حصہ خود بخود اندر چلا جائے، اخروٹ کے چھلکے (۲۰۳) سے دن کے وقت مسواک کرنا، اس کا رس خواہ خود بخود اندر چلا جائے، اس میں جماع اور منی نکل آنے کے مسئلہ پر قیاس کیا گیا ہے، کیوں کہ اس میں رمضان کے مہینے کی بے حرمتی ہے۔ بھولے سے کھاپی لینے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا اور منہ ناک اور کان کے علاوہ کسی اور راستے سے پیٹ میں کوئی چیز پہنچ جائے تو اس سے بھی کفارہ واجب نہیں ہوتا کیوں کہ کفارے کی علت رمضان کی بے حرمتی ہے، جس کا تعلق دانستہ عمل سے ہے۔

۴- اگر روزہ نہ رکھنے کی نیت سے کوئی شخص صبح کو اٹھتا ہے تو اس پر کفارہ واجب ہے خواہ بعد میں وہ روزے کی نیت کیوں نہ کرے یہی درست قول ہے اس کا وجہ اس کی نیت کو دن چڑھے تک ملتوی کرنا ہے۔

۵- بلاعذر روزہ توڑ دیا ہو، پھر بیمار یا مسافر ہو گیا یا حیض آ گیا تو بھی کفارہ واجب ہے۔

اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ کفارہ واجب ہونے کی درج ذیل سات شرائط ہیں:

۱- رمضان کا ادا روزہ توڑ دے، اس کے علاوہ کسی روزے میں کفارہ واجب نہیں، مثلاً

رمضان کا قضا روزہ ہو یا نذر یا کفارے کا یا نفل روزہ ہو۔

۲- جان بوجھ کر روزہ توڑا ہو، بھولے سے، غلطی سے، عذر کی بنا پر مثلاً بیماری یا سفر کی وجہ

سے روزہ توڑا ہو تو کفارہ نہیں ہے۔

۳- روزہ اپنے اختیار سے توڑا ہو، اگر کسی نے زبردستی تڑوا دیا یا خود بخود ٹوٹ گیا تو

کفارہ نہیں ہے۔

۴- روزہ توڑنے کے حرام ہونے کا علم ہو، جاہل پر کفارہ نہیں ہے، جیسا کہ نئے مسلمان

ہونے والے کے بارے میں حدیث میں ہے کہ اس کا خیال تھا کہ روزے میں جماع کرنا

حرام نہیں ہے، اس نے جماع کر لیا، اس پر کفارہ واجب نہیں کیا گیا۔ اسی طرح اور کسی

شخص کو رمضان شروع ہونے کا علم نہیں ہوا یا شک کے دن چاند کے ثبوت سے پہلے کھاپی

لیا تو کفارہ نہیں ہے۔

۵- رمضان کے مہینے کی بے حرمتی کرے یعنی اس کی پرواہ نہ کرے۔ مثلاً کسی نے قریب

کی کوئی تاویل کرتے ہوئے روزہ توڑ دیا تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔ قریب کی تاویل سے

مراد یہ ہے کہ کسی واقعی امر کی طرف روزہ توڑنا منسوب کیا جائے مثلاً کسی نے بھولے سے

روزہ توڑ دیا یا زبردستی تڑوا دیا گیا، بعد میں اس نے جان بوجھ کر کھاپی لیا، اس خیال سے

اب اس کے لیے کھانے پینے سے رکنا ضروری نہیں، ایسے شخص پر کفارہ نہیں ہے کیوں کہ

اس نے ایک ایسے امر کی طرف روزہ توڑنا منسوب کیا جو پہلے سے موجود تھا یعنی بھولے

سے یا زبردستی کھانا پینا۔ یا کسی نے مقدار قصر سے کم سفر کے سبب روزہ توڑ دیا یہ سمجھتے ہوئے قرآن کے ظاہری الفاظ سے اسے روزہ توڑنے کی اجازت ہے: ومن كان مريضاً او على سفر فعدة من ايام اخر (البقرہ ۲، ۱۸۳-۱۸۵)، جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں کی گنتی پوری کرے۔ نیز اگر کسی نے رمضان کی تیسویں تاریخ کو رمضان کی بے حرمتی کرتے ہوئے کھا پی لیا، بعد میں معلوم ہوا کہ آج عید ہے یا حیض والی عورت نے دانستہ روزہ توڑ دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ جس وقت وہ کھا پی رہی تھی، اسے حیض آچکا تھا تو معتمد روایت یہ ہے کہ ان پر کفارہ نہیں ہے۔

جس نے کوئی بعید تاویل کی مثلاً کسی کو باری کا بخار آتا تھا یا کسی خاص دن حیض آنے کی عادت تھی، اس نے رات سے ہی روزہ نہ رکھنے کی نیت کر لی اور اگلے دن وہ عارضہ پیش نہ آیا تو اس پر کفارہ ہے۔ اسی طرح جس نے غیبت کی اور پھر خیال کیا کہ روزہ ٹوٹ گیا ہے اور اس نے دانستہ کھا پی لیا تو اس پر کفارہ واجب ہے۔

۶- جو چیز اندر جائے وہ منہ سے جائے، اگر کان یا آنکھ سے گئی تو کفارہ نہیں، صرف قضا واجب ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

۷- اندر جانے والی چیز معدہ میں پہنچے، اگر روزہ دار کے حلق تک پہنچی اور اس نے وہاں سے لوٹا دی تو کفارہ نہیں ہے۔

وہ امور جن سے مالکیہ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا:

بعض چیزوں کے بارے میں گمان ہوتا ہے کہ شاید ان سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن حقیقتاً ان سے روزہ نہیں ٹوٹتا، وہ یہ ہیں:

۱- جسے خود بخود قے ہو جائے اور حلق سے کوئی حصہ اس کا واپس پیٹ، میں نہ چلا جائے،

خود بخود مکھی، مچھر یا راستے کا غبار یا آٹا پینے والی چکی پر کام کرنے والوں کے اندر آٹے کا غبار چلا جائے، خواہ آٹا پینے والا چھاننے والا، پانی دینے والا، آٹا اٹھانے والا، اسی طرح دوسرا کوئی شخص اپنا کام کر رہا ہو مثلاً قبر کھودنے والا، کسی کام کے لیے مٹی اٹھانے والا، ان کے اندر گرد و غبار جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیوں کہ ان چیزوں سے بچنا ممکن نہیں اور کام کی ضرورت ہے، البتہ جو شخص اس کام سے وابستہ نہیں اس کے ذمے روزے کی قضا ہے۔

۲- مرد کے عضو تناسل کے سوراخ میں کوئی مائع چیز ڈالنا، کیوں کہ بالعموم یہ معدے تک نہیں پہنچتی۔

۳- پیٹ یا پہلو کے باریک زخم کے سوراخ میں تیل ڈالنا، کیوں کہ یہ سوراخ کھانے پینے کی جگہ تک نہیں پہنچتا، ورنہ آدمی اسی وقت مر جائے۔

۴- کھانا، پانی اور جماع سے طلوع فجر کے وقت فوراً الگ ہو جانا، اگر اس وقت الگ ہونے والے نے یہ خیال کیا کہ روزہ نہیں ہوا اور پھر کھا پی لیا تو اس پر کفارہ نہیں ہے، کیوں کہ قریبی تاویل سے روزہ توڑا ہے۔

۵- طویل سوچ اور دیکھنے کے بغیر اگر منی یا ندی خود بخود نکل آئے۔

۶- تھوک نکلنے سے، یا دانتوں کے درمیان پھنسنے ہوئے کھانے کے ذرات نکلنے سے بشرطیکہ عرفا وہ زیادہ نہ سمجھے جائیں۔

۷- پیاس کی وجہ سے بار بار کلی کرنا، جنابت کی حالت میں صبح کرنا، شرعی ضرورت یعنی وضو، نماز، قراءت اور ذکر اللہ کے لیے دن میں کسی بھی وقت مسواک کرنا۔

۸- کھینچنے لگوانا، البتہ کھینچنے لگوانا مکروہ ہیں۔

شافعیہ (۲۰۴): جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ان کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم جس سے صرف قضا واجب ہوتی ہے اور دوسری جس سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں:

۱- جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور صرف قضا واجب ہوتی ہے:

مندرجہ ذیل چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور صرف قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ نہیں۔ جس کسی نے بلا عذر روزہ توڑ دیا اس کے لیے ضروری ہے کہ سارا دن کھانے پینے سے باز رہے کیوں کہ اس نے عذر کے بغیر روزہ توڑا ہے۔

۱- کوئی مادی چیز پیٹ میں پہنچ جائے خواہ تل کا دانہ جتنی چھوٹی ہو یا عادتاً کھائی نہ جاتی ہو مثلاً کنکر اور مٹی، ایسے راستے سے پہنچے جو کھلا ہو مثلاً منہ، ناک، کان، شرم گاہ، پانخانے کا راستہ اور دماغ کا زخم، بشرطیکہ دانستہ ہو کیوں کہ روزہ کسی بھی چیز کو معدے تک پہنچانے سے رکنے کا نام ہے اور یہ روزہ دار نہیں رہا، اگر کسی نے بھولے سے کھا پی لیا یا اسے زبردستی کھلا پلا دیا گیا یا جہالت کی وجہ سے اسے پتہ نہیں چلا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے مثلاً نیا نیا مسلمان ہوا ہے یا علماء کی مجلس سے دور جنگل میں پروان چڑھا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، خواہ تھوڑی چیز کھائی ہو یا زیادہ کیوں کہ اس نے دانستہ روزہ نہیں توڑا، اور زبردستی روزہ توڑوانے، سے زیادہ ظاہر قول میں روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر کسی کے پیٹ میں مکھی، مچھر یا راستے کا غبار داخل ہو گیا، یا اس نے جان بوجھ کر منہ کھولا ہوا تھا کہ مٹی داخل ہو کر اس کے پیٹ میں پہنچ گئی یا آٹے کا غبار پہنچ گیا یا کسی چیز کا اثر مثلاً خوشبودار ہوا کا اثر دماغ کو پہنچ گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیوں کہ ارادہ موجود نہیں تھا۔ نیز اس میں سخت مشقت ہے، کیوں کہ اگر کسی نے دانستہ منہ کھولا ہوا ہے تو مٹی داخل ہونا معاف ہے۔ اگر دے کا مریض سانس کی



تنگی کے وقت، سانس لینے والا آلہ استعمال کرتا ہے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیوں کہ اس طرح کی دوسری چیزوں مثلاً مٹی اور ہوا کی معافی اس وجہ سے ہے کہ اس میں عام ابتلا ہے لیکن اگر کوئی خاص چیز ہو مثلاً دانستہ کوئی شخص بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو سونگھے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا کیوں کہ اس سے بچنا ممکن ہے، اسی طرح تنگی کے احساس کے وقت رگیں کھولنے والی گولی استعمال کرنے سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

منہ کے اندر موجود پاک تھوک نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا (منہ کے اندر کا پورا حصہ تھوک پیدا ہونے اور رہنے کی جگہ ہے) خواہ تھوک جمع کر کے نکلے۔ خواہ تھوک زبان پر اکٹھا کر کے اس کے بعد نکلے کیوں کہ اس سے بچنا مشکل ہے۔ کیوں کہ تھوک جمع ہونے کی صورت میں بھی وہ اپنے ٹھکانے سے باہر نہیں گیا، اکٹھا نکلنا اور تھوڑا تھوڑا نکلنا ایک طرح کی بات ہے۔ اگر منہ سے تھوک نکال کر، پھر واپس منہ میں ڈال کر اسے نکل لیا، یا تھوک سے کپڑا بھگو کر اسے منہ میں ڈالا اور اس پر ایسی رطوبت تھی جو الگ ہو سکتی تھی، اسے چوس لیا، یا اپنا تھوک کسی دوسری چیز کے ساتھ ملا کر نگلا یا ناپاک تھوک نگلا، تینوں صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ پہلی صورت میں اس وجہ سے کہ تھوک منہ سے نکل گیا ہے اس لیے وہ ایسی چیز کی طرح جو باہر کی ہو، دوسری صورت میں اس لیے کہ اس کی ضرورت نہیں اور تیسری صورت میں اس لیے کہ تھوک کے ساتھ اجنبی چیز بھی شامل ہو گئی ہے۔

اگر دانتوں میں ایسی کوئی چیز پھنسی ہوئی رہ گئی جسے الگ کر کے تھوکا نہیں جا سکتا تو بلا قصد اسے نکل لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیوں کہ اس میں آدمی معذور ہے اور کوئی کوتاہی نہیں کر رہا۔ اگر اسے الگ کر کے اسے تھوکا جا سکتا تھا، پھر اسے نکل لیا تو وہ خواہ چنے کے دانے سے کم ہو تب بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔ تھوک اگر دانتوں کے درمیان بہنے لگے تو

چوں کہ اسے تھوکا جاسکتا ہے اس لیے روزہ ٹوٹ جائے گا جیسا کہ بلغم خواہ سر سے اترے یا پیٹ سے آئے اور منہ کے آگے تک آجائے اور اسے دانتوں کے درمیان لا کر نگل لے تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر خود بخود بلغم بہنے لگے اور اسے وہ تھوکنے سے عاجز ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح اگر منہ کے اگلے حصے تک نہ آئے بلکہ دماغ سے اتر کر حلق میں پہنچ جائے اور وہاں سے پیٹ میں چلا جائے تو اگرچہ اسے تھوکنے پر قادر ہو لیکن روزہ نہیں ٹوٹے گا کیوں کہ اس نے اندر ہی اندر سفر کیا ہے۔

تمباکو نوشی اور نسوار وغیرہ سے اور دماغ کے اندر یا پیٹ، انتڑیوں، مثانہ کے اندر کوئی چیز پہنچانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، نیز حقنہ یعنی مرد کے عضو تناسل کے سوراخ میں کوئی دوائی ٹپکانے یا عورت کے پستان کے سوراخ میں دوائی ٹپکانے سے، کان کے اندر قطرے ٹپکانے سے کان کے اندر کے حصے تک لکڑی ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا کیوں کہ یہ سب جگہیں اندر سے تعلق رکھتی ہیں اور باہر کے سوراخوں سے ان میں چیز داخل ہوتی ہے۔

بدن کے مساموں کے ذریعے اگر اندر تیل پہنچ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ سرمہ لگانے سے خواہ اس کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو روزہ نہیں ٹوٹتا کیوں کہ اس طرح کسی سوراخ سے نہیں بلکہ مساموں کے ذریعے اثر اندر جاتا ہے اور بیہقی میں روایت ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ روزے کی حالت میں اٹھ کا سرمہ لگایا کرتے تھے“۔ پس روزہ دار کے لیے سرمہ لگانا مکروہ نہیں ہے۔

۲- بلغم نکلنا، جو سر یا پیٹ سے آئے، اگر خود بخود جاری ہو جائے اور اسے تھوکنے سے عاجز ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر اسے باہر پھینکنے پر قدرت کے باوجود اسے چھوڑ دیا اور وہ پیٹ میں پہنچ گئی تو صحیح یہ ہے کہ روزہ ٹوٹ جائے گا کیوں کہ اس میں اس نے کوتاہی کی

ہے اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

۳- کھلی کرتے ہوئے یا ناک میں پانی ڈالتے ہوئے خود بخود پانی پیٹ میں چلا جائے اگر کھلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کیا ہو، کیوں کہ روزہ دار کو مبالغہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر مبالغہ نہیں کیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیوں کہ یہ صورت ایک ایسے کام کے دوران بلا اختیار پیش آئی ہے جس کے کرنے کا حکم تھا۔

اگر شرعی حکم کی بجا آوری کے علاوہ پیٹ میں پانی چلا جائے مثلاً ٹھنڈک، حاصل کرتے ہوئے یا پانی سے کھیلتے ہوئے یا چوتھی بار کھلی کرتے ہوئے یا ناک میں پانی ڈالتے ہوئے تو روزہ ٹوٹ جائے گا کیوں کہ اس کا حکم نہیں تھا بلکہ چوتھی بار کھلی وغیرہ کرنے سے روکا گیا ہے۔

۴- دانستہ قے کرنا، خود قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے حتیٰ کہ اگر یقین ہو کہ اس کا کوئی حصہ لوٹ کر واپس پیٹ میں نہیں جائے گا، کیوں کہ قے کرنا بذات خود روزے کو توڑ دیتا ہے کیوں کہ ابن حبان وغیرہ کی حدیث ہے: ”جسے خود بخود قے ہو جائے (۰۵-) اور وہ روزے سے ہو تو اس کے ذمے قضا نہیں ہے، جو خود قے کرے وہ روزہ قضا کرے“ یہ تب ہے جب کہ اسے معلوم ہو کہ قے کرنا حرام ہے اور قصداً اپنے اختیار سے قے کرے۔ اگر نیا نیا مسلمان ہونے کی وجہ سے اسے معلوم نہ ہو یا علماء سے دور کہیں پیدا ہوا یا بھولے سے قے کر لی یا زبردستی کروائی گئی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

۵- خود منی نکالنا (یعنی جماع کے بغیر منی نکالنا، خواہ حرام ہو جیسے ہاتھ سے رگڑ کر نکالنا یا حرام نہ ہو جیسے بیوی کے ہاتھ سے نکالنا) چھونے سے یا بوسہ دینے سے یا بغیر رکاوٹ کے بغل گیر ہونے سے منی نکل آئے، کیوں کہ یہ مباشرت کے ذریعے منی نکلنے کا عمل ہے۔

اگر محض سوچ سے یا شہوت کے ساتھ دیکھنے سے یا کسی رکاوٹ کے ساتھ عورت سے بغل گیر ہونے پر منی نکلے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیوں کہ یہ مباشرت، نہیں بلکہ احتلام کی طرح ہے تاہم بار بار ایسا کرنا حرام ہے خواہ منی نہ نکلے۔

۶- فجر ہو چکی تھی اور اسے بعد میں پتہ چلا کہ فجر کے بعد کھاتا رہا ہے باغروب آفتاب لے پہلے روزہ افطار کر لیا اور بعد میں غلطی کا پتہ چلا۔ کیوں کہ جو گمان غلط نکلے اس کا اعتبار نہیں ہے۔

اجتہاد اور اندازے سے دن کے آخر میں افطار کر لینا جائز ہے مثلاً وظیفہ یا تلاوت کے ذریعے یا نماز کے وقت کے ذریعے اندازہ کر لیا کہ اب سورج غروب ہو گیا ہو گا لیکن احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جب تک یقین نہ ہو جائے افطار نہ کرے، اسی طرح اگر رات کے باقی ہونے کا یقین یا شک ہو تو رات کے آخری حصے میں کھانا جائز ہے کیوں کہ اصل یہی ہے کہ رات باقی ہو۔ اگر صبح ہو گئی اور لقمہ منہ میں ہے تو اسے پھینک دے، روزہ صحیح ہو جائے گا، اسی طرح اگر جماع کر رہا ہے اور صبح ہو گئی تو فوراً ہٹ جائے، اگر کرتا رہا تو روزہ نہیں ہو گا۔

۷- جنون، ارتداد اور حیض و نفاس کے باعث روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیوں کہ روزے کے صحیح ہونے کی جو شرائط ہیں یعنی عقل، اسلام اور خون سے پاک ہونا وہ باقی نہیں رہیں، بخاری نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ سے عورت کے دین کی کمی کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کیا ایسا نہیں کہ جب اسے حیض آتا ہے تو نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے؟“۔

۲- جن چیزوں سے قضا، کفارہ اور تعزیر واجب ہوتے ہیں:

ایک ہی چیز ایسی ہے کہ اس سے قضا، کفارہ اور تعزیر واجب ہوتے ہیں اور باقی سارا دن کھانے پینے سے رکا رہنا ہوتا ہے اور وہ ہے رمضان کے مہینے میں روزے کی حالت

میں جماع کرنا، اس کے لیے درج ذیل چودہ شرائط ہیں:

۱- رات سے روزے کی نیت کی ہو، اگر رات سے روزے کی نیت نہیں تھی تو روزہ درست نہیں ہوا۔ ایسے شخص کے لیے کھانے پینے سے رکا رہنا واجب ہے۔

۲-۳-۴- قصداً اختیار سے جماع کرے اور اس کی حرمت کا علم رکھتا ہو، بھولے سے جماع کیا، یا زبردستی کرایا گیا یا نیا مسلمان ہونے کی وجہ سے حرمت کا علم نہیں تھا تو کفارہ نہیں ہے۔

۵- جماع رمضان کے مہینے میں دن میں کیا گیا ہو، اگر نفل، نذر، قضا یا کفارے کے روزے میں جماع کیا گیا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن کفارہ واجب نہیں۔ رمضان میں دن کے وقت جماع کرنا حرام ہے، ارشادِ ربانی ہے: *احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نساء کم هن لباس لکم و انتم لباس لهن..... فالان باشر و هن..... ثم اتموا الصیام الی اللیل (البقرہ ۲: ۱۸۷)*، تمہارے لیے رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں سے جنسی تعلق جائز قرار دیا گیا، وہ تمہارا لباس ہیں، تم ان کا لباس ہو.....، اب ان سے مباشرت کر سکتے ہو..... پھر رات تک روزہ پورا کرو)

۶- صرف جماع کے ذریعے روزہ توڑا ہو، اگر پہلے کھا لیا، پھر جماع کیا تو کارہ نہیں ہے، جیسے جماع کے بغیر روزہ توڑ دیا مثلاً کھا پی لیا، ہاتھ سے منی نکال لی، شرم گاہ کے علاوہ اس طرح شہوت پوری کی کہ اس سے منی نکل آئی۔

۷- جماع اس طرح کا ہو جس کے کرنے سے گنہ گار ہوا ہو، بچے پر، مسافر اور مریض روزہ دار پر کفارہ نہیں ہے، خواہ اس نے اس نیت سے کیا ہو کہ اس کے لیے رخصت ہے یا اس نیت کے بغیر، کیوں کہ اس کے لیے روزہ توڑنا جائز ہے۔ اس شخص پر بھی کفارہ نہیں، جسے روزہ یاد نہیں رہا تھا اور اس نے زنا کر لیا اور نہ ایسے مسافر پر جس نے زنا کر کے روزہ

توڑ دیا کیوں کہ اسے روزہ توڑنے کی اجازت تھی۔

۸- اسے اپنے روزے کے صحیح ہونے کا یقین ہو۔ اگر کسی شخص نے بھولے سے کھانا کھا لیا اور سمجھا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے، پھر جماع کر لیا تو اس پر کفارہ نہیں ہے، کیوں کہ اس کا خیال یہ ہے کہ وہ روزے سے نہیں اگرچہ درحقیقت اس کا روزہ جماع کرنے سے ٹوٹا ہے۔

۹- غلطی سے جماع نہ کیا ہو، اگر کسی نے یہ سمجھ کر کہ ابھی رات باقی ہے یا سورج غروب ہو گیا ہے جماع کر لیا، بعد میں پتہ چلا کہ اس نے دن میں جماع کر لیا تو کفارہ نہیں ہے کیوں کہ اس سے گناہ نہیں ہوتا۔

۱۰- جس روز جماع کیا، اسی روز غروب آفتاب سے پہلے دیوانہ نہ ہو جائے یا مرنے جائے، جو شخص اسی روز دیوانہ ہو گیا یا مر گیا اس پر کفارہ نہیں ہے کیوں کہ اس میں اب اہلیت ہی باقی نہیں رہی۔ دیوانگی اور موت کفارے کو مطلقاً ختم کر دیتے ہیں۔ کیوں کہ دیوانہ ہونے یا مرنے سے معلوم ہوا کہ اس دن اس کا روزہ نہیں تھا کیوں کہ یہ دونوں باتیں روزے کے منافی ہیں، جب اس روز اس کا روزہ ہی نہیں ہوا تو اس کے دوران جماع کرنے سے کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ جیسے مسافر جماع کر لے یا جماع کرنے والے کو بعد میں معلوم ہو کہ وہ شوال کی یکم تاریخ تھی تو کفارہ نہیں ہے۔

۱۱- جماع مرد کی طرف منسوب ہو، اگر عورت مرد پر چڑھ گئی اور اس سے منی نکل گئی تو مرد پر کفارہ نہیں ہے، ہاں اس نے خود چڑھایا ہو تو پھر کفارہ واجب ہوگا۔

۱۲- جماع اس قدر ہوا ہو کہ عورت کی شرم گاہ میں مرد کے عضو تناسل کا اگلا حصہ (حشفہ) داخل ہوا ہو یا عضو آگے سے کٹا ہوا ہو تو اتنا حصہ داخل ہوا ہو، اگر اتنا داخل نہیں ہوا تو کفارہ نہیں ہے البتہ اس دن کھانے پینے سے رکا رہنا ضروری ہے۔

۱۳- جماع شرم گاہ میں کیا ہو، خواہ وہ پانخانے کا راستہ ہو یا میت یا جانور کی شرم گاہ ہو، اگر کسی نے شرم گاہ کے علاوہ جماع کیا تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔ عورت کے پچھلے راستے سے جماع کرنا اور قوم لوط کا عمل کرنا بھی شرم گاہ میں جماع کرنے کی طرح ہے۔

۱۴- کفارہ جماع کرنے والے پر ہے کروانے والے پر نہیں، پس مفعول پر مطلقاً کفارہ نہیں ہے، کفارہ فاعل پر ہے۔ عورت کے ذمے صرف روزے کی قضا ہے۔

جماع کے بعد سفر اختیار کرنے سے یا بیمار ہونے سے یا بے ہوشی یا ارتداد سے کفارہ ختم نہیں ہوتا کیوں کہ رمضان کی بے حرمتی کا عمل اس سے پہلے ہو چکا، کیوں کہ پیاری اور سفر روزے کے منافی نہیں اس لیے روزے کی بے حرمتی موجود ہے اور مرتد ہونے سے روزہ توڑنا جائز نہیں ہو جاتا اور جس دن کا روزہ توڑا ہے کفارے کے ساتھ اس روزے کی قضا بھی واجب ہے۔

متعدد بار روزہ توڑنے پر متعدد کفارے: اگر کسی نے دو دن روزہ توڑا تو اس پر دو کفارے واجب ہوں گے، کیوں کہ ہر روز کی عبادت مستقل عبادت ہے، کفارے ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوں گے۔ جیسے کہ اگر کسی نے جماع کر کے دو حج توڑ دیے ہوں تو دو حج قضا کرنے پڑیں گے۔ اگر رمضان کا سارا مہینہ جماع کر کے روزے توڑتا رہا ہے تو اتنی ہی تعداد میں کفارے دینا ہوں گے۔

اگر کسی اکیلے شخص نے رمضان کا چاند دیکھا اور اس نے اس روز جماع کر لیا تو اس پر بھی کفارہ واجب ہوگا۔

وہ امور جن سے شافیہ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا:

بھولے سے، زبردستی یا ایسی جہالت کے باعث جو عذر شرعی ہو کوئی چیز پیٹ میں پہنچ

جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ نیز ایسی چیز اندر چلی جائے جسے تھوکا نہیں جا سکتا مثلاً بلغم یا دانتوں میں پھنسے ہوئے ریزے، نیز جن چیزوں سے پچنا مشکل ہے جیسے راستے کا غبار، آٹے کی دھول اور مکھی مچھر وغیرہ۔

فصد کھلوانے اور کچھنے لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیوں کہ اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روزے اور احرام کی حالت میں کچھنے لگوائے۔ (۲۰۶) لیکن بلا ضرورت مکروہ ہے۔

سرمہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن راجح قول یہ ہے کہ خلاف الیٰ ہے، بوسہ دینے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن اگر اس سے شہوت کو حرکت ہونے لگے تو مکروہ ہے، گلے لگانے اور بغل گیر ہونے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ شہوت کے ساتھ دیکھے یا سوچنے سے منی نکل آئے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ لبان (جو کسی دوسری چیز سے ملی ہوئی نہ ہو) چبانے یا کھانے کا ذائقہ چکھنے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ بلا ضرورت مکروہ ہے، مسواک سے بھی نہیں ٹوٹتا زوال کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہے، ہاں کوئی ضرورت پیش آ جائے مثلاً بھولے سے پیاز کھا لیا تو اس کی بو دور کرنے کے لیے مسواک کیا، اسی طرح شہوت انگیز چیزیں دیکھنے، سننے اور سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن مکروہ ہے۔

حنا بلہ: (۲۰۷) روزہ کو توڑنے والی چیزوں سے یا صرف قضا واجب ہوگی یا قضا اور کفارہ دونوں:

۱۔ جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور صرف قضا واجب ہوتی ہے: وہ یہ ہیں:

۱۔ روزہ یاد ہو اور کوئی مادی چیز کسی سوراخ سے عمداً اور اختیار کے ساتھ اندر پیٹ یا دماغ میں داخل کرنا، خواہ اس کی حرمت کا علم نہ ہو، وہ چیز چاہے غذا سے تعلق رکھتی ہو جیسے کھانے



پینے کی چیزیں یا غذا سے تعلق نہ رکھتی ہو جیسے کنکر، بلغم اور سینڈھ، دوا اور تیل جو حلق یا دماغ تک پہنچ جائے یا پانخانے کے راستے کوئی چیز داخل کی جائے، جان بوجھ کر دھواں نکلا جائے کیوں کہ یہ چیزیں روزہ دار نے اپنے اختیار سے اندر پہنچائی ہیں، اس لیے کھانے پینے کے مشابہ ہیں، اگر بغیر ارادے کے کوئی چیز اندر چلی جائے یا بھولے سے بانیند کی حالت میں زبردستی سے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیوں کہ حدیث میں ہے: ”میرلی امت کی خطا، نسیان اور زبردستی سے کرایا ہوا کام معاف ہے“۔ نیز دوسری حدیث میں ہے: ”جو کوئی بھول گیا اور اس کا روزہ تھا.....“۔

۲- ایسا سرمہ لگانا جس کا اثر حلق تک پہنچے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے راحت پہنچانے والا اٹھ کا سرمہ رات کو لگانے کا حکم دیا اور فرمایا: ”روزہ دار اس سے بچے“ (۲۰۸) نیز آنکھ بھی ایک سوراخ ہے اگرچہ معمول کا سوراخ نہیں ہے جیسا کہ ناک کا سوراخ معمول کا ہے، اگر سرمے کا اثر حلق تک نہ پہنچے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیوں کہ کوئی ایسا امر واقع نہیں ہوا جو روزے کے منافی ہو۔

۳- خود قے کرنا، جان بوجھ کر قے کرنا خواہ کھانا ہو، کھٹا پانی ہو، بلغم ہو یا خوں وغیرہ، کم ہو چاہے زیادہ کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث ہے: ”جسے خود بخود قے ہو گئی اس کے ذمے قضا نہیں ہے اور جو خود قے کرے وہ روزہ قضا کرے“۔ (۲۰۹)

۴- سچھنے لگوانا: اگر خون نکلے تو سچھنے لگانے اور لگوانے والے دنوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ورنہ نہیں کیوں کہ حدیث میں ہے: ”سچھنے لگانے اور لگوانے والوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے“ (۲۱۰)۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک جس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سچھے لگوانے

سے روزہ نہیں ٹوٹتا وہ اس حدیث سے منسوخ ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ نے روزے اور احرام کی حالت میں، قاحہ کے مقام پر سینگ اور داڑھ سے چھپنے لگوائے تو آپ کو بہت کمزوری محسوس ہوئی تو آپ نے اس سے منع فرما دیا کہ روزہ دار چھپنے لگوائے“۔ (۲۱۱)

۵- بوسہ دینا، ہاتھ سے رگڑ کر منی نکالنا، چھونا، بغل گیر ہونا بشرطیکہ شرم گاہ سے ہٹ کر ہو اور اس سے منی نکل آئے یا مذی نکل آئے، بار بار دیکھنے سے منی نکل آئے نہ کہ مذی، اگر جان بوجھ کر ایسا کرے اور اسے یاد ہو کہ روزہ ہے تو اگر روزہ واجب ہے تو قضا واجب ہو گی، کفارہ نہیں کیوں کہ ابو داؤد نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے خوشی میں بیوی کو بوسہ دے دیا اور میرا روزہ تھا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، یا رسول اللہ میں نے بہت غلط کام کر دیا ہے، میں نے روزے کی حالت میں بوسہ دے دیا، آپ نے فرمایا، اگر تم روزے کی حالت میں کسی برتن سے کلی کر لو تو کیا ہوگا؟ میں نے کہا کچھ نہیں، تو آپ نے فرمایا: ”بس، اسی طرح ہے“۔ آپ نے بوسہ دینے کو کلی کرنے سے تشبیہ دی حالانکہ بوسہ دینا روزہ توڑنے کا پیش خیمہ ہے کیوں کہ اگر بوسے کے ساتھ منی نکل آئے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے ورنہ نہیں۔ منی نکلے بغیر روزہ نہیں ٹوٹتا، کیوں کہ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں بوسہ دے دیا کرتے تھے اور آپ کو اپنی خواہش پر مکمل قابو تھا“۔ (۲۱۲)

بار بار دیکھنے سے منی نکل آئے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیوں کہ یہ ایسا کام ہے جس سے لذت حاصل ہوتی ہے اور جس سے رکنا ممکن ہے، پس یہ ہاتھ لگا کر منی نکالنے کی طرح ہے، بار بار دیکھنے سے مذی نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیوں کہ اس کے بارے میں کوئی نص

موجود نہیں مذی کو منی پر قیاس کرنا درست نہیں کیوں کہ دونوں کے احکام جدا جدا ہیں۔

۶- مرتد ہونا، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: لئن اشرکت لیحبطن عملک (الزمر ۶۵:۳۹، اگر تو نے شرک کیا تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے)

۷- موت، جس روز کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس کے نذر اور کفارے کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے اس کے ترکے سے مسکین کو کھانا کھلانا چاہیے۔

۸- غلطی سے دن کے وقت کھا پی لینا، اگر غروب آفتاب میں شک کی وجہ سے کھا پی لیا تو روزہ ٹوٹ گیا اس کی قضا کرے کیوں کہ اصل یہ ہے کہ دن باقی ہو، یا دن کو باقی سمجھنے ہوئے کھا پی لیا تو جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ سورج غروب ہونے کے بعد کھایا ہے تو اس سے روزہ ٹوٹ گیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے رات تک روزہ مکمل کرنے کا حکم دیا اور اس نے رات تک مکمل نہیں کیا یا رات سمجھتے ہوئے کھا پی لیا، بعد میں پتہ چلا کہ ابھی دن ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ مکمل کرنے کا حکم دیا تھا جو پورا نہیں ہوا۔ نیز اگر کسی نے بھولے سے کھا پی لیا اور یہ سمجھا کہ روزہ ٹوٹ گیا ہے اس کے بعد دانستہ کھا پی لیا تو قضا کرے۔

اگر کسی نے یہ سمجھتے ہوئے کہ سورج غروب ہو گیا کھا پی لیا اور پھر اس کا شک کبھی دور نہیں ہوا اور حقیقت معلوم نہیں ہوئی تو روزے کی قضا نہیں ہے کیوں کہ اصل یہ ہے کہ روزہ ادا ہو گیا، یا بعد میں معلوم ہوا کہ رات ہو گئی تھی تو بھی قضا نہیں ہے کیوں کہ روزہ مکمل ہو گیا۔

۲- جن چیزوں سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں:

وہ ایک ہی چیز ہے اور وہ ہے کہ بیماری وغیرہ پیشگی عذر کے بغیر رمضان میں دن کو شرم گاہ میں جماع کرنا، شرم گاہ آگے کی ہو یا پیچھے کی، انسان کی ہو یا کسی اور کی مثلاً جانور

کی، زندہ کی ہو یا مردہ کی، منی نکلے یا نہ نکلے۔

خواہ جان بوجھ کر کرے یا بھولے یا غلطی سے یا جہالت سے، اختیار سے یا زبردستی کروایا جائے، خواہ بیداری میں زبردستی کی گئی ہو یا نیند میں کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی متفق علیہ حدیث میں جماع کرنے والے پر کفارہ واجب کیا گیا ہے۔ سہو سے یا بھولے سے جماع کرنے والا ظاہر حنبلی مذہب کے مطابق دانستہ جماع کرنے والے کی طرح ہے۔ جس سے زبردستی جماع کروایا گیا ہو وہ اس شخص کی طرح ہے جو اپنے اختیار سے جماع کرے، سونے والا بیدار کی طرح ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اعرابی کے سوال کے جواب میں تفصیل نہیں بتائی۔ اگر حکم میں اختلاف ہوتا تو آپؐ تفصیل بیان فرماتے کیوں کہ ضرورت کے موقع پر بیان نہ کرنا جائز نہیں اور سوال جواب کے ضمن میں دھرنیا بھی گیا ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ جب تم رمضان کے مہینے میں جماع کرو تو کفارہ ادا کرو، کیوں کہ روزہ ایسی عبادت ہے کہ اس میں جماع کرنا حرام ہے، پس اس میں جان بوجھ کر یا بھولے سے جماع کرنا برابر ہے جیسا کہ حج میں ہے۔ رہی یہ بات کہ منی نکلنے یا نہ نکلنے میں کوئی فرق نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ موقع ایسا ہے کہ اس میں منی نکل آتی ہے۔ رہا زبردستی میں کفارے کا وجوب تو جماع پر زبردستی ممکن نہیں، کیوں کہ جب تک عضو تناسل میں انتشار نہ ہو جماع نہیں ہو سکتا اور شہوت کے بغیر انتشار نہیں ہوتا، سو ایسا شخص اس شخص کی طرح ہے جس پر زیادتی نہ کی گئی ہو۔

رہی یہ بات کہ شرم گاہ آگے کی ہو یا پیچھے کی، مرد کی ہو یا عورت کی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے رمضان کا روزہ شرم گاہ میں جماع کرنے سے فاسد کیا، پس کفارہ واجب ہو گیا۔ جانور کی شرم گاہ میں جماع کرنا بھی ایسا جماع ہے جس سے غسل واجب ہو جاتا

ہے اور روزہ ٹوٹ جاتا ہے، پس یہ انسان سے جماع کرنے کے مشابہ ہے۔ مرد کی طرح عورت کا روزہ بھی جماع کرنے سے ٹوٹ جائے گا، کیوں کہ جماع روزہ توڑنے والے امور میں سے ہے۔ اس میں مرد اور عورت برابر ہیں جیسے کہ کھانے پینے میں برابر ہیں۔ اگر بلا عذر عورت نے جماع کر لیا تو اس پر بھی کفارہ واجب ہے، کیوں کہ اس نے بھی جماع کر کے رمضان کے روزے کی بے حرمتی کی ہے، پس اس پر مرد کی طرح کفارہ واجب ہے۔ اگر عورت کا کوئی عذر ہو مثلاً سوئی ہوئی تھی یا اس سے زبردستی کی گئی یا اسے روزہ یاد نہیں تھا یا اسے علم نہیں تھا تو وہ معذور ہے، اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، قضا لازم آئے گی لیکن کفارہ نہیں۔

اگر کسی عورت نے کسی سوئے ہوئے مرد یا بچے یا دیوانے کا عضو تناسل استعمال کر لیا تو جماع کی وجہ سے اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر رمضان کے دن میں کیا ہے تو اس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔

اگر دو عورتوں نے چیٹی کی اور ان کی منی نکل آئی یا عضو تناسل کٹے ہوئے آدمی کو رگڑ سے منی نکل آئی تو روزہ ٹوٹ گیا، کیوں کہ جب چھونے سے منی نکل آئے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو اس صورت میں بطریق اولیٰ ٹوٹ جائے گا، ان عورتوں یا عضو تناسل کٹے ہوئے آدمی پر کفارہ نہیں ہے کیوں کہ نص میں اس کی کوئی صراحت نہیں اور نہ کسی نص سے استنباط کیا جاسکتا ہے لہذا اس کا حکم اپنی اصل پر باقی رہے گا۔

اگر ایک رمضان کے دو دنوں میں جماع کیا اور ابھی پہلے دن کا کفارہ نہیں دیا تھا تو دو کفارے دے، کیوں کہ ہر دن الگ عبادت ہے جیسے دو حج فاسد ہو جائیں تو ایک الگ حج کرنا ہوں گے یا دو رمضان میں دو دن ہوں تو ایک الگ کفارے ہوں گے۔ اگر کسی

نے ایک بار جماع کیا، اسی دن کفارہ دینے سے پہلے دوسری بار جماع کر لیا تو بالاتفاق ایک کفارہ دے۔ اگر ایک بار جماع کیا اور کفارہ ادا کر دیا، پھر اسی دن دوبارہ جماع کیا تو دوسرا کفارہ دے کیوں کہ اس نے حرام جماع کیا ہے لہذا جتنی بار کرے گا اتنی بار کفارہ دے گا جیسا کہ حج میں ہے۔

جس شخص کے ذمے کھانے پینے سے رکنا واجب تھا، اگر اس نے جماع کر لیا تو اس پر کفارہ واجب ہے مثلاً جس شخص کو طلوع فجر کے بعد معلوم ہوا کہ رمضان کا چاند نظر آ گیا تھا، یا نیت کرنا بھول گیا یا دانستہ کھا پی لیا پھر جماع کیا تو اس نے رمضان کے مہینے کی بے حرمتی کی اس لیے اس پر کفارہ واجب ہے، کیوں کہ جو شخص جماع جاری رکھے اس پر بھی کفارہ واجب ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص جماع کر رہا تھا کہ صبح ہو گئی، اس نے جماع جاری رکھا تو قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں کیوں کہ اس نے جماع کے ذریعے رمضان کا روزہ ٹھوڑ دیا، روزے کی بے حرمتی کرنے کی وجہ سے گنہ گار ہوا، اس لیے اس پر کفارہ واجب ہے جیسا کہ طلوع فجر کے بعد جماع کرے۔

اگر طلوع فجر کے ساتھ ہی عضو تاسل باہر کھینچ لیا تو بھی قضا اور کفارہ ہے کیوں کہ عضو تاسل کھینچ لینا بھی جماع ہے۔ اگر حالت جماع میں فجر طلوع ہو گئی اور اس نے فوراً عضو باہر نکال لیا تو بھی قضا اور کفارہ ہے کیوں کہ جس طرح عضو اندر لے جانے میں لذت ہے اسی طرح باہر نکالنے میں بھی لذت ہے۔

اگر پہنچتے ہوئے کہ ابھی رات ہے جماع کر لیا، بعد میں معلوم ہوا کہ دن تھا اور فجر ہو چکی تھی تو قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں، کیوں کہ جان بوجھ کر روزہ توڑنے والے اور

غلطی سے توڑنے والے میں کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ اگر کسی نے دن کے آغاز میں جماع کر لیا پھر بیمار ہو گیا یا دیوانہ ہو گیا، یا عورت تھی اور بعد میں دن کے دوران اسے حیض یا نفاس آ گیا تو کفارہ ساقط نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ تمام عوارض کفارہ واجب ہونے کے بعد پیش آئے، پس کفارہ ساقط نہیں ہوگا جیسا کہ سفر سے نہیں ہوتا۔ کیوں کہ اس نے رمضان کا واجب روزہ مکمل جماع کے ذریعے توڑا ہے اس لیے کفارہ واجب ہے، جیسا کہ کوئی عذر پیش نہ آئے۔

اگر شرم گاہ کے علاوہ اور کسی جگہ دانستہ جماع کیا اور منی نکل آئی یا مذی نکل آئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن کفارہ نہیں ہوگا کیوں کہ یہ جماع نہیں ہے اور اگر منی نہیں نکلتی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، یہ محض چھونے اور بوسہ دینے کی طرح ہے۔

رمضان کے علاوہ روزہ توڑنے پر کفارہ نہیں ہے، اس پر اکثر علماء کا اتفاق ہے، کیوں کہ رمضان کے علاوہ جماع کرنے پر کفارہ نہیں جیسا کہ کفارے کے روزے میں جماع کرنے سے کفارہ لازم نہیں آتا اور قضا اور ادا روزوں میں فرق ہے۔ ادا روزے کا متعین محترم وقت مقرر ہے اور اس وقت میں جماع کرنا اس کی بے حرمتی ہے جب کہ قضا کا وقت مقرر نہیں ہے۔

اگر کسی شخص کو اس انتہا کی شہوت ہو کہ اسے خوف ہو کہ عضو تناسل یا خصیتیں یا مثانہ پھٹ جائے گا تو وہ جماع کر لے اور روزہ قضا کرے اور کفارہ واجب نہیں ہوگا کیوں کہ اسی طرح کی مجبوری ہے جس میں مضطر کے لیے حرام کھانا جائز ہے اور اگر جماع کے بغیر مثلاً اپنے ہاتھ سے رگڑ کر یا بیوی کے ہاتھ سے رگڑ کر یا بیوی کی رانوں میں جماع کرنے سے شہوت پوری ہو سکتی ہو تو اس کے لیے جماع جائز نہیں جیسے کہ کوئی حملہ آور جانور اگر

انسان چیز سے ہٹو جا سکتا ہو تو اس کی دوسری چیز سے نہیں ہٹتا چاہیے۔

یہ مریض جس کی چاندنی کے لیے بتایا گیا تھا، مندر ہواس کا حکم دیا ہے جو اس شخص کا ہے جس کو شہوت کی شدت سے شرم بگاڑ پھٹ جانے کا خوف ہو، اس کے لیے بتایا جا چکا ہے۔ بھڑکی کے وقت اور غسل و ان عورت اور بانی روزہ دار میں سے کسی ایک سے بتایا گیا ہے کہ غسل و ان کی با نسبت روزہ دار سے بتایا گیا ہے کیوں کہ غسل و ان سے بتایا کرنے سے قرآن کے منہج کیوں ہے، اگر بیوی ہٹا نہ ہو تو بھی غسل و ان سے بچے۔ کیوں کہ ایک منوعہ کام سے بچنے کا موجب موجود ہے اور وہ یہ کہ چھوٹی تہ کی بیوی سے یہ بیوی سے بتایا کرے۔

اگر شہوت کی شدت ہمیشہ رہتی ہو اور اس کی وجہ سے روزے کی تقدیر بھی مشکل ہو تو یہ آدھی اس بڑھے کی شرط ہے جو روزہ نہیں رکھ سکتا، بیرون کے بدلے ایک مسکن کو کھا یا کھوئے، اگر عام عذر ہو مثلاً چاندنی یا سفر تو اس کی وجہ سے تقدیر ہے۔

۱۱۔ امور جن سے حجابہ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا:

روزہ مندرجہ ذیل چیزوں سے نہیں ٹوٹتا:

- جن چیزوں سے احتراز نہیں نہ ہو مثلاً تھوک نکلنا، راستے کا غبار آئے کی وجہ سے، مخصوص عمل کے سوراخ میں تشہد پچا، خواہ مشائے تک پہنچ جائے کیوں کہ یہ محدث تک سوراخ نہیں ہے، اگر تشہد تھوک متح کر کے نکل گیا تو تب بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیوں کہ تھوک پینے پیرا ہونے کی جگہ سے محدث میں پہنچا ہے، اگر تھوک پکے پر نکلے، بیوقوفوں کے ذمہ میں نکال کر پھر نکل گیا تو دوسرے کا تھوک نکل گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، کیوں کہ یہ پینے منہ کے عذر دوسرے کے منہ کا تھوک ہے، یہ کوئی دوسری چیز نکلنے کے



مشابہ ہے، حلق میں سے جہاں حاء کا مخرج ہے بلغم بلا قصد نکال کر تھوکنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگر اسے نکل لیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

۲- کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے سے بالاتفاق روزہ نہیں ٹوٹتا، خواہ طہارت کے لیے کرے یا بغیر طہارت کے، خواہ مبالغے سے اور تین بار سے زائد کرے، حضرت عمرؓ کی مذکورہ بالا حدیث جو بوسے کے بارے میں اس کی دلیل ہے، نیز کلی کرنے پر قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے البتہ بے مقصد کلیاں کرنا یا گرمی اور پیاس کی وجہ سے کلیاں کرنا مکروہ ہے۔

۳- کوئی ایسی سخت چیز چبانا، جس کے ریشے الگ نہ ہوتے ہوں بلکہ وہ چبانے سے اور زیادہ سخت ہوتی جائے، لیکن اسے چبانا مکروہ ہے، حرام نہیں کیوں کہ اس سے تھوک جمع ہوتا ہے اور پیاس لگتی ہے۔

۴- بوسہ دینا، چھونا، رانوں میں رانیں ڈالنا وغیرہ بشرطیکہ منی نہ نکلے، اگر منی نکل آئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن کفارہ نہیں ہے کیوں کہ یہ جماع نہیں ہے۔

۵- بار بار دیکھنے سے مذی نکلنا، کیوں کہ اس کے بارے میں کوئی نص نہیں، بار بار دیکھے بغیر منی نکل آنا کیوں کہ پہلی بار دیکھنے سے بچنا ممکن نہیں، بار بار دیکھنا بشرطیکہ منی نہ نکلے، اگر سوچنے سے منی یا مذی نکل آئے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”میرنی امت کے دل میں جو خیال پیدا ہو، جب تک اس پر عمل نہ کرے یا بات نہ کرے، اس کی معافی ہے“ (۲۱۳)

اگر غیر اختیاری سوچ کی وجہ سے منی نکل آئے تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا یعنی خود اس کا سبب نہ بنا ہو یا احتلام ہو جائے یا شہوت کے بغیر منی نکل آئے، مثلاً کسی بیماری کی وجہ سے یا بلندی سے گرنے کی وجہ سے منی نکل آئے یا عضو تناسل کو ہاتھ لگائے بغیر شہوت

کی شدت کے باعث منی نکل آئے یا رات کے جماع کی وجہ سے دن کو منی نکل آئے کیوں کہ دن میں منی نکالنے کا کوئی سبب پیدا نہیں ہوا، یا دن کے جماع کی وجہ سے رات کو منی نکل آئے۔

۶- فصد کھولنا، نشتر لگانا، نکسیر سے خون نکلنا، روزہ دار کا خود کو یا کسی دوسرے کو اس کی اجازت سے زخمی کرنا اور زخمی کرنے والا آلہ پیٹ تک نہ پہنچے، خواہ زخم چھپنے لگانے کے قائم مقام ہو کیوں کہ اس میں کوئی نص نہیں ہے اور قیاس کا تقاضا یہ نہیں کہ روزہ ٹوٹ جائے۔

۷- غیر اختیاری طور پر کوئی چیز پیٹ میں چلے جانا، مثلاً بھولے سے یا زبردستی یا سوتے میں کوئی چیز اندر چلے جانا، کیوں کہ سونے والے کا بھی اپنا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل اوپر مذکور حدیث ہے: ”جس نے روزے میں بھولے سے کھا پی لیا وہ اپنا روزہ پورا کرے، اسے اللہ نے کھلا پلا دیا ہے“۔ اگر کوئی شخص بھولے سے یا لائمی سے کھانے پینے کا ارادہ کرے تو جو شخص دیکھ رہا ہو اس پر واجب ہے کہ اسے بتا دے، جیسے کہ نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہو تو سوئے ہوئے کو بتا دیا جائے۔

۸- طلوع فجر میں شک: جس کسی نے طلوع فجر میں شک ہونے کی وجہ سے کھا پی لیا یا جماع کر لیا اور اس کا شک دور نہیں ہوا، کیوں کہ اصل یہ ہے کہ رات باقی ہو، اور شک بدستور ہے، آیت کے ظاہر کا تقاضا بھی یہی ہے: وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابيض من الخیط الاسود من الفجر (البقرہ، ۲: ۱۸۷، کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ فجر کا سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے الگ ہو جائے) لیکن اگر یہ سمجھ کر کھایا کہ ابھی صبح نہیں ہوئی اور دراصل صبح ہو گئی تھی یا یہ سمجھ کر افطار کر لیا کہ سورج غروب ہو گیا ہے لیکن ابھی نہیں ہوا تھا تو روزہ ٹوٹ گیا، اس کی قضا کرے کیوں کہ اس سے بچنا ممکن تھا۔

۹- خود بخود قے ہونا، جسے خود بخود قے ہو جائے (۲۱۴) اس کے ذمے کچھ بھی نہیں، جو خود قے کرے وہ روزہ قضا کرے۔

۱۰- دن میں کسی بھی وقت مسواک کرنا اور غسل جنابت نہ کرنا لیکن مستحب یہ ہے کہ جس کسی پر غسل فرض ہو، جنابت، حیض، نفاس کے باعث یا کافر کے مسلمان ہونے کے باعث وہ صبح صادق ہونے سے پہلے غسل کر لے تاکہ علماء کے اختلاف سے بچ سکے۔

۱۱- سرمہ لگانا بشرطیکہ اس کا ذائقہ حلق میں محسوس نہ ہو اور پاؤں کے تلووں کو مہندی لگانا، خواہ اس کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو۔

۱۲- عورت کا اپنی انگلی یا کوئی اور چیز اپنی شرم گاہ میں داخل کرنا، خواہ وہ تر ہو۔

سابقہ اہم مسائل میں فقہاء کی آراء کا خلاصہ: رمضان کے دن میں جماع کرنے سے قضا، کفارہ اور سارا دن کھانے پینے سے رکا رہنا واجب ہوتا ہے۔ نیز حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک دانستہ کھانے پینے کا بھی یہی حکم ہے، دوسروں کے نزدیک نہیں، حنفیہ اور مالکیہ اسے جماع پر قیاس کرتے ہیں کیوں کہ اس سے رمضان کی بے حرمتی ہوتی ہے۔

اس امر پر اتفاق ہے کہ دانستہ قے کرنے سے یا دانستہ کوئی مادی چیز اندر پہنچانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے خواہ وہ غذا ہو یا غذا نہ ہو، فصد کھلوانے سے بالاتفاق روزہ نہیں ٹوٹتا جیسا کہ بھول کر کھانے وغیرہ سے جمہور کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا، مالکیہ کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک زبردستی کھانا کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، جب کہ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک ٹوٹتا ہے۔ اگر کلی کرتے ہوئے خود بخود پانی اندر چلا جائے تو حنابلہ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا، مالکیہ کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے اور شافعیہ کے نزدیک اگر مبالغے سے کلی کر رہا تھا یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے یا تین بار سے زائد تب روزہ ٹوٹے گا۔

شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک سرمہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور مالکیہ و حنابلہ کے نزدیک اگر اس کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو تو ٹوٹ جائے گا۔ عضو تناسل کے سوراخ میں قطرہ ٹپکانے سے جمہور کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا، شافعیہ کے نزدیک ٹرٹ جائے گا، لکڑی سے کان کھرچنے اور کان میں لکڑی ڈالنے سے جمہور کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا، شافعیہ کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے۔

جمہور کے نزدیک چھینے لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ مکروہ ہے، حنابلہ کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے۔ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک مذی نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر بوسہ دینے یا شرم گاہ سے ہٹ کر بغل گیر ہونے سے نکلے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ بار بار دیکھنے سے اگر مذی نکلے تو حنابلہ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا اور مالکیہ کے نزدیک مسلسل دیکھتے یا سوچتے رہنے سے مذی نکل آئے یا مذی نکلنا معمول ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

مختلف دنوں اگر روزہ توڑ دیا تو حنفیہ کے نزدیک ایک ہی کفارہ دینا پڑے گا اور جمہور یعنی شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک جتنی بار روزہ توڑے گا اتنے ہی کفارے دینے ہوں گے۔

### بحث ہشتم: روزے کی قضا، کفارہ اور فدیہ

اس بحث میں تین مطالب ہیں:

مطلب اول: روزے کی قضا

۱- روزہ توڑنے کے لوازم: مالکیہ کہتے ہیں کہ روزہ توڑنے پر سات نتائج مرتب ہوتے ہیں: قضا، بڑا کفارہ، چھوٹا کفارہ (فدیہ)، باقی وقت کھانے پینے سے باز رہنا، تسلسل ختم ہونا، سزا، نیت ٹوٹ جانا۔ (۲۱۵)

۲- قضا کا حکم: فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو کوئی رمضان میں ایک یا زیادہ دن روزہ چھوڑ دے وہ اس کی قضا کرے، خواہ کسی عذر مثلاً بیماری، سفر، حیض وغیرہ کی وجہ سے چھوڑے یا بغیر عذر کے مثلاً دانستہ یا بھولے سے نیت نہ کرے (۲۱۶) کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ (البقرہ ۲: ۱۸۳-۱۸۵، جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں کی گنتی پورے کرے) اصل عبارت یہ ہے کہ روزہ چھوڑ دے تو گنتی پوری کرے۔ حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث میں ہے: ”ہمیں رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں جب حیض آتا تو ہمیں اس دن کا روزہ قضا کرنے کا حکم دیا جاتا۔“

بلا عذر جو کوئی روزہ توڑ دے وہ گنہ گار ہو گا کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”جس نے کسی رخصت (۲۱۷) اور بیماری کے بغیر روزہ چھوڑ دیا تو اگر وہ ساری زندگی روزے رکھتا رہے (۲۱۸) وہ کمی پوری نہیں ہو سکتی“۔ (۲۱۹)

جن روزوں کی قضا واجب ہے وہ رمضان کے روزے، کفارے اور نذر کے روزہ ہیں اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک نفل روزہ شروع کر کے توڑ دیا جائے لیکن مالکیہ کے نزدیک اس شخص پر قضا ہے جو جان بوجھ کر نفل روزہ توڑ دے، اگر کسی نے بھولے سے توڑ دیا تو اسے پورا کرے اور بالاتفاق اس پر قضا نہیں ہے اور اگر کسی جائز عذر کی بنا پر توڑ دیا، تب بھی قضا نہیں ہے۔

رمضان کے روزوں کی قضا کا وقت: رمضان ختم ہونے سے لے کر اگلا رمضان آنے تک کسی بھی وقت قضا کر لے، مستحب یہ ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے قضا کرے تاکہ ذمہ داری ختم ہو اور واجب جلد از جلد ادا ہو جائے، اگر کوئی عبادت بروقت ادا نہ کی جاسکے تو اسے فوراً قضا کرنا واجب ہے۔ اگر دوسرا رمضان شروع ہونے میں اتنے ہی دن رہ گئے

ہیں جتنے دنوں کے روزے قضا کرنے ہیں تو ان دنوں میں قضا کرنا متعین ہو جاتا ہے۔ اگر کسی شرعی عذر کے رمضان کے روزے نہیں رکھے تو شافعیہ کے نزدیک فوری طور پر قضا کرنا واجب ہے۔ جس شخص کے ذمے رمضان کے قضا روزے ہوں اس کے لیے نفل روزے رکھنا مکروہ ہیں۔ اگر قضا روزے اتنے مؤخر کر دیے کہ اگلا رمضان شروع ہو گیا تو جمہور کے نزدیک شروع ہونے والے رمضان کے روزوں کے فوراً بعد پچھلے روزے قضا کرے اور ان کا کفارہ (فدیہ) بھی دے۔ حنفیہ کے نزدیک فدیہ نہیں ہے خواہ کسی عذر سے تاخیر کی ہو یا بلا عذر، شافعیہ کے نزدیک جتنے سال بڑھتے جائیں گے اسی قدر فدیے میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

لیکن جن ایام میں روزے رکھنے کی ممانعت ہے ان میں قضا روزے رکھنا جائز نہیں مثلاً عید کے ایام میں یا جن ایام میں روزے رکھنے کی منت مانی ہو ان میں بھی قضا جائز نہیں مثلاً ذوالحجہ کے ابتدائی ایام اور ایک رمضان کی موجودگی میں پچھلے رمضان کے قضا روزے رکھنا درست نہیں کیوں کہ رمضان کا مہینہ ادا روزوں کے لیے متعین ہے۔ ان دنوں میں اس کے علاوہ اور کسی قسم کے روزے قبول نہیں ہوتے البتہ شک کے دن قضا روزہ رکھا جاسکتا ہے کیوں کہ اس دن نفل روزہ رکھنا جائز ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

قضا روزے ماہ رمضان کے ایام کی تعداد کے مطابق ہوں گے۔ اگر رمضان انتیس دنوں کا تھا تو دوسرے کسی بھی مہینے میں اتنے ہی دن روزہ رکھنا واجب ہے۔

مسلسل قضا روزے رکھنا: اکثر فقہاء (۲۲۰) کا اتفاق ہے کہ قضا روزے وقفہ کے بغیر مسلسل رکھنا مستحب ہے لیکن قضا کے لیے مسلسل رکھنا اور رمضان کے فوراً بعد رکھنا شرط نہیں۔ چاہے تو الگ الگ کر کے رکھے چاہے اکٹھے رکھے کیوں کہ قرآنی نص جس میں قضا

کا حکم ہے مطلق ہے، البتہ اگر آئندہ شعبان کے اتنے ہی دن باقی رہ گئے ہوں جتنے کہ روزے رکھنے ہیں تو پھر لازم ہے کہ مسلسل قضا روزے رکھے کیوں کہ وقت میں گنجائش نہیں ہے۔ اب یہ روزے اسی طرح ہو گئے جیسے رمضان کے روزے ایسے شخص کے حق میں جسے کوئی عذر نہیں ہے۔

تسلل کے واجب نہ ہونے کی دلیل ارشاد ربانی کا ظاہر ہے کہ فعدة من ایام اخر (البقرہ: ۱۸۳-۱۸۵) (دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرو) اس آیت سے گنتی پوری کرنے کا وجوب ثابت ہوتا ہے تسلل کا نہیں۔

ظاہر یہ اور حسن بصری نے تسلل کی شرط عائد کی ہے کیوں کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آیت یوں نازل ہوئی تھی: فعدت من ایام اخر متتابعات (دوسرے دنوں سے مسلسل گنتی پوری کرو) پھر متتابعات کا لفظ نکال دیا گیا۔

میت کی طرف سے ولی کا قضا روزے رکھنا: جو شخص مر گیا، اس کے ذمے رمضان کے روزے رہ گئے تو اس کی دو حالتیں ہیں۔ (۲۲۱)

۱- روزے رکھنے پر قادر ہونے سے پہلے مر گیا مثلاً وقت نہیں تھا یا بیماری یا سفر یا روزے رکھنے سے عاجز ہونے کی وجہ سے نہیں رکھ سکتا۔ اس صورت میں اکثر علماء کے نزدیک اس کے ذمے قضا ہے نہ گناہ کیوں کہ اس میں اس کی کوئی کوتاہی نہیں ہے کیوں کہ یہ ایسا فرض تھا جس پر مرنے کے وقت تک قادر نہیں ہو سکا اس لیے اس کا حکم ختم ہو گیا اور اس کا بدل بھی کوئی نہیں ہے جیسا کہ حج کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ اس بنا پر اگر مریض یا مسافر مرض یا سفر کی حالت میں مر جائیں تو ان کے ذمے ان دنوں کے روزے کی قضا نہیں جو انہوں نے اس مرض یا سفر میں چھوڑ دیے تھے۔

۲- اگر روزے رکھنے پر قادر ہونے کے بعد مرا تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزوں کی قضا نہ کرے۔ اکثر فقہاء کے نزدیک ولی پر قضا واجب نہیں اور شافعیہ کے جدید مذہب کے مطابق اس کی طرف سے ولی کا رکھا ہوا روزہ درست نہیں ہے کیوں کہ روزہ خالص بدنی عبادت ہے جو اصلاً شریعت نے اسی شخص پر واجب کی ہے جیسے اس کا حکم ہے، کوئی شخص زندگی میں اور مرنے کے بعد دوسرے کی طرف سے روزہ نہیں رکھ سکتا، جیسا کہ نماز نہیں پڑھ سکتا، کیوں کہ حدیث میں ہے: کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھے نہ کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھے البتہ ہر دن کے روزے کے بدلے ایک مد گندم صدقہ کرے۔ (۲۲۲) حنابلہ کے نزدیک ولی کے لیے مستحب ہے کہ مرنے والے کی طرف سے روزہ رکھے کیوں کہ اس میں میت کی ذمہ داری پوری کرنے میں احتیاط کا پہلو ہے۔

کیا میت کی طرف سے اس کے ترکے سے فدیہ دیا جائے؟:

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر مرنے والے نے وصیت کی تھی تو ولی اس کے ترکے میں سے ہر دن کے روزے کے بدلے نصف صاع (۲۲۳) کھجور یا جو کسی مسکین کو دے کیوں کہ آخر عمر میں وہ روزہ ادا کرنے سے عاجز ہو گیا تھا اس لیے بہت بوڑھے شخص کی طرح سمجھا جائے گا لیکن اس کے لیے وصیت ضروری ہے۔

شافعیہ کے جدید مذہب اور حنابلہ کی راجح رائے یہ ہے کہ ہر دن کے بدلے ایک مدغلہ (۲۲۴) مسکین کو دینا واجب ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں ہے۔ نیز حضرت عائشہؓ کی حدیث میں بھی ہے کہ: ”رمضان کی قضا کے بدلے میت کی طرف سے کھانا کھلایا جائے اور روزے نہ رکھے جائیں“۔ (۲۲۵) ابن عمرؓ سے حدیث ہے: ”کوئی شخص مر گیا اور اس کے ذمے رمضان کے روزے تھے تو ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلایا



جائے۔ (۲۲۶)

اصحاب حدیث، شافعی علمائے حدیث کی ایک جماعت، ابو ثور، اوزاعی اور طاہریہ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ مرنے والے کے ذمے روزے ہوں تو ولی میت کی طرف سے روزے رکھے، روزے خواہ رمضان کے ہوں یا نذر کے، اور ولی راجح قول کے مطابق ہر قریبی رشتہ دار ہے ان کی دلیل چند ایسی احادیث ہیں جو ثابت ہیں۔ ان میں سے حضرت عائشہؓ کی متفق علیہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو مر گیا، اس کے ذمے روزے تھے تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے“ (۲۲۷)۔ ابن عباسؓ، لیث، ابو عبید اور ابو ثور نے اس حکم کو صرف نذر روزوں سے مختص کیا ہے۔

### مطلب دوم: کفارہ

کفارہ، اس کے واجب ہونے کے بارے میں بحث، اس کا حکم، دلیل، اقسام اور ایک سے زائد کفارے: (۲۲۸)

۱- کفارے کا وجوب: کفارہ رمضان میں دانستہ قصداً روزہ توڑنے سے واجب ہوتا ہے کیوں کہ اس میں بغیر کسی جواز کے روزہ توڑ کر رمضان کی بے حرمتی کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ جمہور کے نزدیک جو کوئی رمضان کے قضا روزے توڑ دے یا بھول کر یا زبردستی کی وجہ سے روزہ توڑ دے اس پر کفارہ نہیں ہے۔ نیز بوسہ دینے پر، حیض، نفاس والی عورت پر، دیوانے اور بے ہوش پر کفارہ نہیں ہے کیوں کہ یہ ان کے ذاتی افعال نہیں ہیں۔ مریض، مسافر، بھوک پیاس سے ہلاکت کے قریب پہنچے ہوئے شخص اور حاملہ عورت پر کفارہ نہیں ہے کیوں کہ وہ معذور ہیں۔ مرتد پر بھی نہیں کیوں کہ اس نے رمضان کی نہیں بلکہ اسلام کی بے حرمتی کی ہے۔ جن صورتوں میں مختلف فقہی مذاہب میں کفارہ واجب ہوتا ہے ان کی

تفصیل اور گزر چکی ہے، ان میں سب سے اہم وجہ جماع کرنا ہے جس پر اتفاق ہے اور جان بوجھ کر کھانا پینا ہے یہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک کفارے کا سبب ہے۔

کفارے کا حکم: کفارے کا حکم یہ ہے کہ اگر رمضان کا روزہ رمضان میں توڑ دیا تو کفارہ واجب ہو گا دوسرے کسی روزے کو توڑنے پر حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک کفارہ واجب نہیں ہوتا، کیوں کہ اس نے رمضان کی بے حرمتی کی ہے اور لا پرواہی کا مظاہرہ کیا ہے کہ بغیر کسی قریبی تاویل کے جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا ہے۔ تاویل قریب کی تعبیر مالکیہ کے ہاں ہے تاکہ بھول کر جہالت کی بنا پر اور تاویل کی وجہ سے روزہ توڑنے والا اس میں شامل نہ ہوں، کیوں کہ ان پر کفارہ نہیں ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ روزہ جماع کے ذریعے توڑا ہو اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک کھانے پینے سے توڑنے کا بھی یہی حکم ہے۔ شافعیہ کے نزدیک کفارہ واجب ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ جماع کرنے والے کو اپنا روزہ یاد ہو، اسے جماع کی حرمت کا علم ہو اور سفر یا بیماری کی رخصت اسے حاصل نہ ہو۔ جس کسی نے بھولے سے یا حرمت کا علم نہ ہونے کی وجہ سے جماع کر لیا یا رمضان کے علاوہ کوئی اور روزہ توڑ دیا یا جماع کے علاوہ کسی اور طریقے سے روزہ توڑ دیا یا مسافر تھا تو اس پر کفارہ نہیں بلکہ صرف قضا ہے۔

کفارہ واجب ہونے کی دلیل: حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا، یا رسول اللہ، میں ہلاک ہو گیا، آپ نے پوچھا، کیسے؟ کہنے لگا، میں نے رمضان کے مہینے میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا، آپ نے پوچھا، تمہارے پاس آزاد کرنے کو گردن (غلام) ہے؟ کہا، نہیں، پوچھا، کیا تم مسلسل دو ماہ روزے رکھ سکتے ہو؟ کہنے لگا، نہیں، آپ نے پوچھا، کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے

ہو؟ کہنے لگا، نہیں۔

پھر وہ بیٹھ گیا، اتنے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک کھجوروں کی ٹوکری لائی گئی۔ (۲۲۹) آپ نے فرمایا، اسے صدقہ کر دو، کہنے لگا، کیا اپنے سے زیادہ فقیر پر، مدینے کے دونوں کناروں کے (۲۳۰) درمیان مجھ سے زیادہ محتاج کوئی گھر نہیں۔ رسول اللہ ﷺ ہنسے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے، پھر آپ نے فرمایا: ”لے جاؤ اور اپنے گھر والوں کو کھلا دو“۔ (۲۳۱)

ابن ماجہ کے الفاظ یوں ہیں: ”آپ نے فرمایا، گردن آزاد کرو، کہنے لگا، میرے پاس تو نہیں ہے، آپ نے فرمایا، مسلسل دو ماہ روزے رکھو، کہنے لگا، مجھ میں تو ہمت نہیں، آپ نے فرمایا، ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ“، ابن ماجہ اور ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے: ”اس کی جگہ ایک دن کا روزہ رکھو“۔

ابن تیمیہ (مشہور ابن تیمیہ کے دادا) کہتے ہیں، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کفارے میں ترتیب ہے۔ دارقطنی کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت سے زبردستی جماع کیا گیا۔

کفارے کے ساتھ ایک دن کے روزے کی قضا بھی ہے اور جس عورت سے جماع کیا گیا ہے اگر اس پر کفارہ واجب نہ ہو تب بھی قضا اس کے ذمے بھی ہے۔

کفارے کی اقسام: کفارے کی تین اقسام ہیں: گردن آزاد کرنا، روزے رکھنا اور کھانا کھلانا، جیسا کہ جمہور کے نزدیک کفارہ ظہار اور قتل خطاء کے کفارے میں ترتیب ہے کہ اگر گردن آزاد کرنے سے عاجز ہو کہ کوئی غلام وغیرہ نہ ہو تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے، اگر روزے نہ رکھ سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ مالکیہ کے نزدیک کھانا کھلانا سب

سے عمدہ بات ہے اور ان کے نزدیک کفارے میں ترتیب واجب نہیں ہے بلکہ اختیار ہے کہ تینوں میں سے کوئی ایک کام کر لے۔ (۲۳۲)

شوکانی کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ تینوں میں سے کوئی ایک کفارہ دے دے اور ظاہر حدیث یہ بھی ہے کہ ان تینوں میں ترتیب کا خیال رکھے۔ بیضاوی کہتے ہیں کہ ترتیب کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں فاء کا حرف آیا ہے جو ترتیب پر دلالت کرتا ہے۔ شوکانی نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ روایات دونوں طرح کی ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اختیار ہے، جو کفارہ چاہے دے دے، دوسری روایات سے ترتیب معلوم ہوتی ہے۔ ترتیب والی روایات زیادہ ہے اور ان میں اضافہ بھی ہے (۲۳۳) مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ ایک دوسری روایت پر عمل کرتے ہیں جس میں اختیار دیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک کفارے میں ترتیب ہے، مالکیہ کے نزدیک کفارہ دینے والے کو اختیار ہے، تینوں اقسام میں سے جو چاہے اختیار کر لے، ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا سب سے افضل ہے۔ روزے دو ماہ کے مسلسل ہیں اور گردن آزاد کرنا ہے۔

گردن آزاد کرنا: حنیفہ کے علاوہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ غلام مومن ہو، ایسے عیوب سے پاک ہو جن کی وجہ سے اس سے نفع اٹھانا مشکل ہو مثلاً پکڑنے میں، چلنے میں، گفتگو میں، نظر اور عقل میں کوئی عیب نہ ہو۔ انہوں نے ایمان کی شرط قتل خطا کے کفارے پر قیاس کرتے ہوئے رکھی ہے۔ حنیفہ کہتے ہیں کہ مومن ہونا ضروری نہیں کیوں کہ اوپر مذکور حدیث میں نص مطلق ہے۔ ایمان کی شرط نہیں ہے۔

گردن آزاد کرنے سے عاجز ہونے کی صورت میں روزے رکھنا:

دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے کہ جن کے دوران عید اور ایام تشریق نہ آئیں۔ اگر روزے شروع کرنے سے پہلے گردن آزاد کرنے پر قادر ہو جائے تو روزوں سے کفارہ ادا نہیں ہوگا اور اگر روزے رکھنے کے دوران حتیٰ کہ آخری روزے کے دن بھی اگر گردن آزاد کرنے پر قادر ہو جائے تو حنفیہ کے نزدیک گردن آزاد کرنا ضروری ہے جب کہ جمہور کے نزدیک روزوں سے غلام آزاد کرنے کی طرف منتقل ہونا ضروری نہیں، ہاں اگر کرنا چاہے تو درست ہے اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے زیادہ بہتر کام کیا ہے۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے درمیان میں روزہ چھوڑ دیا تو حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ نئے سرے سے روزے شروع کرے، حیض کا عذر اس سے مستثنیٰ ہے، مالکیہ کے نزدیک اگر دانستہ روزہ چھوڑ دیا تو نئے سرے سے شروع کرے۔

اگر بھولے سے یا کسی عذر کی بنا پر یا تعداد میں غلطی لگ جانے سے روزہ چھوڑ دیا تو نئے سرے سے شروع نہ کرے۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک دن بھی روزہ چھوڑ دیا، خواہ آخری دن چاہے کسی عذر مثلاً سفر، بیماری، دودھ پلانے یا نیت بھول جانے کی وجہ سے تب بھی نئے سرے سے روزے شروع کرے، لیکن اگر حیض، نفاس، دیوانگی یا مسلسل بے ہوشی کی وجہ سے روزے رہ جائیں تو اس سے فرق نہیں پڑے گا کیوں کہ یہ سب عذر اگرچہ روزے کے منافی ہیں لیکن غیر اختیاری ہیں۔ حنابلہ کے نزدیک بیماری یا حیض کی وجہ سے درمیان میں وقفہ آ جائے تو اس سے فرق نہیں پڑتا۔

روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو کھانا کھلانا: ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، جمہور کے نزدیک ہر مسکین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے برابر ایک مد گندم یا نصف صاع

کھجوریں یا جو دے۔ حنفیہ کے نزدیک دو مد غلہ دے یا صبح و شام پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا دو کھانے صبح کے اور دو شام کے یا ایک عشا کا اور ایک سحری کا۔ دو مد یا نصف صاع گندم یا اس کا آٹا یا ستودے یا ہر فقیر کو ایک صاع کھجوریں یا ایک صاع جو یا کشمش دے یا حنفیہ کے نزدیک نصف صاع گندم کی قیمت دے یا گندم کے علاوہ اور غلے کا ایک صاع دے، ایسا غلہ جس کے بارے میں نص نہیں ہے۔ متفرق اوقات میں دینا جائز ہے کیوں کہ اس سے واجب ادا ہو جاتا ہے۔

فقیر کے لیے جائز نہیں کہ اپنے کفارے کے کھانے کو اپنے خاندان کے لیے استعمال کرے جیسے زکوٰۃ اور دوسرے کفاروں میں ہے۔ رہی وہ حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اپنے گھر والوں کو کھلا دو“ تو وہ خصوصیت تھی یا اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک دوسرے آدمی نے اس شخص کی طرف سے کفارہ دے دیا تھا جس پر کفارہ واجب تھا اور دینے والے کی طرف سے یہ محض نیکی اور نفلی صدقہ تھا۔ شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اگر کسی کو شہوت کی شدت ہو تو روزے کے بجائے کھانا کھلانا زیادہ بہتر ہے کیوں کہ ممکن ہے روزے کی گرمی اور شہوت کی شدت کی وجہ سے وہ پھر جماع میں مبتلا ہو جائے۔ خواہ دو مہینے کے عرصے میں ایک ہی بار کسی دن، جس کے نتیجے میں اسے نئے سرے سے سارے روزے رکھنے پڑیں گے جو بہت مشکل ہے۔

شافعیہ کے نزدیک کفارہ ادا کرتے وقت نیت شرط ہے یعنی کفارے کے طور پر غلام آزاد کرنے یا روزے رکھنے یا کھانا کھلانے کی نیت کرے کیوں کہ یہ مالی یا بدنی حق ہے جو پاکی کے لیے واجب ہے جیسے کہ زکوٰۃ اور روزے، اس لیے اس کے درست ہونے کے لیے نیت ضروری ہے۔

متعدد کفارے یا مختلف ایام میں متعدد بار روزہ توڑنے کا ایک ہی کفارہ :

اگر بار بار جماع کیا یا حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک زیادہ بار کھاپی کر روزہ توڑ دیا، ابھی پہلا کفارہ نہیں دیا تھا کہ دوبارہ روزہ توڑ دیا، تو یہ کام یا ایک ہی دن میں متعدد بار کیا یا دو الگ الگ دنوں میں :

الف: اگر ایک ہی دن میں کیا تو ایک ہی کفارہ بالاتفاق کافی ہے۔

ب: اگر دو یا دو سے زیادہ دنوں میں کیا تو جمہور کے نزدیک دو یا زیادہ کفارے دینا ہوں گے، کیوں کہ ہر عبادت الگ ہے۔ جب اسے توڑنے سے کفارہ واجب ہوا تو ہر کفارہ الگ ہوگا، کفارے ایک دوسرے میں شامل ہو کر ایک ہی کفارہ نہیں ہوگا جیسے دو رمضان اور دو حج ایک دوسرے میں شامل ہو کر ایک نہیں ہوتے۔

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر ابھی پہلا کفارہ نہیں دیا تھا کہ اس کے بعد پھر کئی بار جماع کر لیا یا مختلف دنوں میں کھاپی کر روزہ توڑ دیا تو ایک کفارہ کافی ہے، خواہ کفارے دو رمضانوں میں واجب ہوئے ہوں، صحیح قول یہی ہے۔ اگر درمیان میں پہلا کفارہ دے دیا تھا تو ظاہر روایت کے مطابق دوبارہ روزہ توڑنے پر دوبارہ کفارہ دینا ہوگا، کیوں کہ کفارہ ایسی سزا ہے جو ایک جرم پر دی گئی اگر سزا سے پہلے وہ جرم دوبارہ کیا گیا تو ایک ہی سزا ہو گی کیوں کہ مقسود تنبیہ ہے، اس لیے حد کی طرح متعدد کفارے ایک دوسرے میں شامل ہو کر ایک ہی کفارہ رہ جائے گا اور اس سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے، اگر پہلا کفارہ دے دیا ہے اب تنبیہ کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس نے دوبارہ رمضان کی بے حرمتی کی ہے، اس لیے دوبارہ کفارہ واجب ہوگا۔

جو شخص کفارہ ادا کرنے سے عاجز ہو، اس کے ذمے کفارہ باقی رہتا ہے اور کفارہ ادا

کرتے وقت کفارہ دینے والے کی حالت کا اعتبار ہے، جس قسم کا کفارہ ادا کرنے پر قادر ہے، ادا کر دے۔

دانتہ روزہ توڑنے کے بعد عذر پیش آ جانا:

جماع کرنے کے بعد اگر سفر پیش آ جائے یا بیمار ہو جائے یا کھانے سے جن فقہاء کے نزدیک کفارہ واجب ہوتا ہے ان کے نزدیک کھانا کھانے کے بعد سفر شروع کرے یا بیمار ہو جائے تو شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک کفارہ ساقط نہیں ہوتا، کیوں کہ کفارہ واجب ہونے کے بعد عذر پیش آیا ہے اس لیے اس کی وجہ سے کفارہ ختم نہیں ہوگا۔ جو سفر دن کے دوران شروع کیا جائے حنابلہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک اس میں روزہ توڑنا جائز نہیں ہوتا، پس کفارے کے وجوب پر بھی اثر انداز نہیں ہوگا، نیز بیماری روزے کے منافی نہیں، پس رمضان کی بے حرمتی ثابت ہے۔

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر روزہ توڑنے کے بعد حیض، نفاس یا ایسی بیماری شروع ہو جائے جس میں اس دن روزہ توڑنا جائز ہو جائے جس دن اس نے روزہ توڑا تھا تو کفارہ ساقط ہو جائے گا کیوں کہ ایک دن کے حصے بخرے نہیں کیے جاسکتے کہ ایک حصے کی وجہ سے کفارہ لازم ہو اور دوسرے حصے میں روزہ واجب نہ رہے۔ پس دن کے آخری حصے میں عذر پیش آ جانے کے باعث دن کے آغاز سے ہی روزے کے وجوب کے بارے میں شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ البتہ جس کسی کو زبردستی سفر شروع کرا دیا گیا ہو یا جو خود سفر شروع کر لے تو ظاہر الروایۃ میں کفارہ واجب ہونے کے بعد ساقط نہیں ہوتا دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ اگر کسی کو زبردستی سفر شروع کرا دیا جائے تو بھی عذر صاحب حق (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے پیش نہیں آیا۔ سفر کے علاوہ دوسری صورتوں میں دن کے آخری حصے میں عذر



پیش آ جانے کے باعث دن کے ابتدائی حصے کے بارے میں بھی شبہ پیدا ہو گیا کہ اس حصے میں کفارہ واجب کیا جا سکتا ہے یا نہیں، کیوں کہ کفارہ ایسے روزے میں ہے جو صاحب حق کی طرف سے واجب ہو، عذر پیش آنے کے باعث واجب نہیں رہا۔ روزہ پورے ایک دن کا عمل ہے، اس لیے اس کے حصے بخرے نہیں کیے جا سکتے۔

### مطلب سوم: فدیہ:

فدیہ کے حکم کی بحث، اس کا سبب، متعدد سالوں میں متعدد فدیے (۲۳۴)

فدیے کا وجوب: فدیے کا وجوب اس ارشاد ربانی سے ثابت ہے: *وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين* (البقرہ ۲: ۱۸۴) یعنی جو لوگ شدید مشقت اٹھائے بغیر روزہ نہیں رکھ سکتے وہ فدیہ دے دیا کریں۔ حنفیہ کے نزدیک فدیہ گندم کا نصف صاع یعنی اس کی قیمت ہے بشرطیکہ معذور مرد اور عورت کی وہ کیفیت موت تک جاری ہے اور جمہور کے نزدیک جتنے روزے چھوٹ جائیں ہر ایک کے بدلے اس شہر میں جو عام غلہ استعمال ہوتا ہے ایک مد فدیہ دے۔ فدیہ، نذر مطلق، کفاروں اور صدقات واجبہ کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔

### فدیے کا سبب:

۱- روزہ رکھنے سے عاجز ہونا: فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو شخص کسی طرح بھی روزہ رکھنے پر قادر نہیں، بوڑھا مرد یا عورت ہے اور اگر زور لگا کر رکھنا چاہتا ہے تو اسے شدید مشقت اٹھانا پڑتی ہے تو ایسے فرد کے لیے اجازت ہے کہ وہ روزہ چھوڑ دے اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: *وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين* (البقرہ ۲: ۱۸۴)، جو لوگ بہت مشقت سے روزے رکھتے ہوں وہ فدیہ دے

دیا کریں، ایک مسکین کو کھانا کھلانا) ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ آیت بوڑھے شخص کو رخصت دینے کے لیے نازل ہوئی، کیوں کہ روزہ ادا کرنا واجب ہے روزہ نہ رکھنے کی صورت میں کفارہ ہے یا قضا ہے، بوڑھے شخص (۲۳۵) کی ذمہ داری صحیح ہے یعنی وہ بھی مکلف ہے اور اگر کھانا کھلانے سے عاجز ہے تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں کیوں کہ لایکلف اللہ نفساً الا وسعها (البقرہ ۲: ۲۸۶، اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا) حنفیہ کہتے ہیں کہ استغفار کرے اور اللہ سے اس کوتاہی کی معافی مانگے جو اس کے حق میں ہوئی ہے۔

مریض اگر مر جائے تو اس کی طرف سے کھانا کھلانا واجب نہیں کیوں کہ اس سے یہ ثابت ہوگا کہ مردوں پر ابتداءً روزے واجب کیے جائیں، ہاں اگر وہ روزے رکھنے کے قابل ہو گیا لیکن نہیں رکھے اور بعد میں مر گیا تو فدیہ دینا ضروری ہے کیوں کہ اب فدیہ (کھانا کھلانے) کے وجوب کی نسبت اس کی زندگی سے ہے۔

۲- جس مریض کے صحت یاب ہونے کی امید نہ ہو اس پر بھی بالاتفاق فدیہ واجب ہے کیوں کہ اس پر روزے واجب نہیں ہیں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: وما جعل علیکم فی الدین من حرج (الحج، ۲۲، ۷۸، اللہ نے دین کے معاملے میں تمہیں تنگی میں نہیں ڈالا)

۳- حنفیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت پر قضا بھی واجب ہے اور فدیہ بھی، اگر بچے کے خوف کے باعث روزہ چھوڑ دے اور اگر اپنی زندگی کا خوف ہو تو بالاتفاق صرف قضا ہے، فدیہ نہیں۔ دلیل مذکور بالا آیت ہے: وعسى الذین بطیقونہ فدیة طعام مسکین (البقرہ ۲: ۱۸۴، جو لوگ سخت مشکل سے روزہ رکھتے ہوں ان کے

ذمے فدیہ ہے، ایک مسکین کو کھانا کھلانا) اور یہ دونوں اس آیت کے عموم میں شامل ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ: ”یہ سہولت بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کے لیے ہے کہ اگر وہ سخت مشکل محسوس کرتے ہوں تو روزہ چھوڑ دیں اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں“۔ حاملہ اور دودھ پلانے والی کو اپنی اولاد کا خطرہ ہو تو بھی روزہ چھوڑ دیں اور کھانا کھلائیں۔ (۲۳۶) کیوں کہ ان کے روزہ چھوڑنے کا سبب وہ معصوم جان ہے جو اپنی تخلیق کے اعتبار سے ابھی بہت کمزور ہے۔ پس اس صورت میں بھی کفارہ یعنی فدیہ دیں جیسے کہ بوڑھا شخص فدیہ دیتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک حاملہ اور دودھ پلانے والی پر مطلقاً فدیہ نہیں ہے کیوں کہ انس بن مالک کعبی کی حدیث ہے: ”اللہ تعالیٰ نے مسافر کی آدھی نماز معاف کر دی ہے، حاملہ اور دودھ پلانے والی کا روزہ، اللہ کی قسم ایک یا دونوں کے بارے میں یہ بات رسول اللہ ﷺ نے فرمائی“۔ (۲۳۷) رسول اللہ ﷺ نے فدیہ کا حکم نہیں دیا کیوں کہ یہ جائز عذر کی بنا پر روزہ چھوڑنے کی مثال ہے پس جس طرح مریض پر فدیہ واجب نہیں، ان پر بھی نہیں۔

جمہور کی رائے زیادہ قوی اور میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے کیوں کہ پہلی حدیث متعلقہ مسئلہ کے بارے میں نص ہے اور حضرت انسؓ کی حدیث مطلق ہے اس میں فدیے کا ذکر نہیں ہے۔

۴۔ اگر کسی شخص نے ایک رمضان کے روزے چھوڑ دیے اور دوسرا رمضان آنے تک قضا نہیں کیے تو حنفیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک جتنے روزے اس نے چھوڑے تھے ان کی قضا بھی کرے اور اتنے دنوں کا فدیہ بھی دے۔ جان بوجھ کر روزہ توڑنے والے پر قیاس کا تقاضا یہی ہے کیوں کہ دونوں نے رمضان کی بے حرمتی کی ہے البتہ اگر کسی کا عذر مسلسل

جاری رہتا ہے مثلاً بیماری، سفر، دیوانگی یا حیض و نفاس تو اس پر فدیہ نہیں ہے۔

فدیے کا تکرار (بار بار فدیہ ادا کرنا): تاخیر میں سالوں کے تکرار سے فدیے کا تکرار واجب نہیں ہوتا بلکہ جس طرح حدود میں داخل ہو جاتا ہے اسی طرح فدیے میں بھی داخل ہو جائے گا، یہ مالکیہ اور حنابلہ کی رائے ہے، شافعیہ کا صحیح قول یہ ہے کہ ہر سال کی تاخیر کا فدیہ الگ دینا پڑے گا کیوں کہ مالی حقوق میں داخل نہیں ہوتا۔ (۲۳۸) حنفیہ کے نزدیک اگر روزے اگلے سال تک مؤخر کر دیے اور قضا نہیں کیے تو فدیہ واجب نہیں ہوتا کیوں کہ نص قرآنی مطلق ہے کہ: *فمن كان مريضاً او على سفر فعدة من ايام اخر* (البقرة: ۲: ۱۸۴-۱۸۵، جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں کی گنتی پوری کرے) روزے کی قضا فوراً واجب نہیں بلکہ اس میں دیر کی جاسکتی ہے حتیٰ کہ اس سے پہلے نفل روزے بھی رکھے جاسکتے ہیں۔ دیر کرنے سے کوئی فدیہ وغیرہ واجب نہیں ہوتا، اس لیے فدیہ کو کفارے پر قیاس کیا جاسکتا ہے البتہ قضا میں دیر کرنا ترک اولیٰ ہے۔

فدیہ، کفارہ اور نذر ادا کرنے کے وقت پوری عمر ہے، بہتر یہ ہے کہ بقدر امکان جلدی کرے، رمضان میں فدیہ دینا زیادہ بہتر ہے کیوں کہ اس میں ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ حنابلہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ نذر اور کفارہ دونوں فوری واجب ہیں کیوں کہ یہ امر کا تقاضا ہے۔

روزہ توڑنے کے باقی لوازم: اوپر بیان ہو چکا ہے کہ رمضان کی بے حرمتی کی سزا کیا ہے، نیز ایسی صورت میں دن کا باقی حصہ کھانے پینے سے رکا رہنا ضروری ہے۔

تسلسل توڑ دینا: مالکیہ کے نزدیک جس کسی نے نذر یا کفارے کے مسلسل روزے مثلاً کفارہ قتل یا کفارہ ظہار کا روزہ جان بوجھ کر چھوڑ دیا تو نئے سرے سے روزے رکھے، اس

کے برعکس جس نے بھولے سے یا کسی عذر کی وجہ سے یا گنتی میں غلطی کی بنا پر روزہ چھوڑ دیا تو وہ پہلے روزوں پر بنیاد رکھے۔ دوسرے مذاہب کی آراء ہم نے اوپر بیان کر دی ہیں۔

نیت توڑ دینا: روزہ توڑنے سے یا کسی عذر کی وجہ سے یا بلا عذر روزہ چھوڑ دینے سے یا روزے کی قطعیت کو سفر وغیرہ کے باعث ختم کرنے سے نیت ٹوٹ جاتی ہے، خواہ اس دن روزہ رکھا ہوا ہو، نیت کی روزے کے ساتھ معیت حکماً ختم ہو جاتی ہے۔ یہ مالکیہ کی رائے ہے جن کے نزدیک پورے رمضان کے لیے شروع میں ایک نیت کافی ہے۔

ضمیمہ: نذر روزے اور نمازیں وغیرہ ادا کرنے کا حکم:

حنفیہ کے نزدیک (۲۳۹) جب آدمی کسی چیز کی نذر مانتا ہے تو چار شرائط کے ساتھ اسے پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

۱- ایسی چیز کی منت مانے جس کی جنس سے کوئی چیز واجب ہو۔ مریض کی عیادت یا مولود شریف پڑھنے کی منت ماننا درست نہیں کیوں کہ ان میں سے کوئی چیز واجب نہیں۔ انسان کے اپنے اوپر کوئی چیز واجب کرنا اسی صورت میں معتبر ہے جب کہ اللہ نے اس نوعیت کی کوئی چیز واجب کی ہو کیوں کہ منت اتباع میں ہو سکتی ہے، نئی چیز میں نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک عید کے دن کے روزے کی نذر ماننا جائز ہے کیوں کہ عید کے دن کا روزہ اپنی اصل کی وجہ سے حرام نہیں بلکہ ایک صفت کی وجہ سے حرام ہے اور وہ یہ کہ وہ اللہ کی طرف سے ضیافت کا دن ہے اور اس دن روزہ رکھنا اللہ کی ضیافت سے منہ موڑنے کے مترادف ہے ورنہ اصل میں روزہ شرعاً جائز ہے۔

۲- ایسی چیز کی نذر مانی جائے جو اپنی ذات کے اعتبار سے مقصود ہو، کسی دوسرے کے لیے مقصود نہ ہو، وضو کی منت ماننا اور قرآن کی تلاوت کی نذر ماننا درست نہیں کیوں کہ وضو

بذات خود مقصود نہیں ہے، وضو کا شرعی حکم نماز کے درست ہونے کے لیے ہے۔

۳- وہ چیز بذات خود واجب نہ ہو مثلاً پنجگانہ نماز کی منت ماننا درست نہیں کیوں کہ جو چیز پہلے سے واجب ہو اسے اپنے اوپر واجب نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح حنفیہ کے نزدیک وتر پڑھنے اور سجدہ تلاوت کرنے کی نذر نہیں مانی جاسکتی کیوں کہ یہ دونوں چیزیں واجب ہیں، ان کو شارع نے خود واجب کر دیا ہے۔

۴- ایسی چیز کی نذر ماننا درست نہیں جسے بجالانا ناممکن ہو مثلاً گزشتہ کل کے روزے کی منت ماننا درست نہیں۔

ان شرائط کی روشنی میں اعتکاف، غیر فرض نماز، روزہ، مال صدقہ، قربانی وغیرہ کی منت ماننا جائز ہے کیوں کہ قربانی کی اصل عید الاضحیٰ کے موقع کی قربانی شریعت میں موجود ہے۔ حنفیہ کے نزدیک عیدین اور ایام تشریق کے روزوں کی منت ماننا جائز ہے البتہ اس دن روزہ نہ رکھنا اور اس کے بدلے میں قضا کرنا واجب ہے۔ اگر کسی نے رکھ لیے تو منت ادا ہوگی لیکن روزہ رکھنے سے حرام کا ارتکاب ہوا۔

اگر کسی شخص نے مطلق منت مانی مثلاً دو رکعات نماز کی یا مشروط منت مانی کہ اگر اللہ نے مجھے لڑکا دیا تو میں دس مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گا اور شرط پوری ہوگئی تو نذر پورا کرنا واجب ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: "ولیوفوا نذورہم" (الحج ۲۲:۲۹، لوگوں کو اپنی منتیں پوری کرنا چاہیے) نیز ارشاد نبویؐ ہے: "جس نے اللہ کی اطاعت کرنے کی منت مانی وہ اطاعت کرے اور جس نے نافرمانی کی منت مانی وہ نافرمانی نہ کرے" (۲۴۰)۔

امام زفر کے علاوہ حنفی فقہاء کے نزدیک منت میں وقت، جگہ، روپے اور فقیر کے تعین کوئی اعتبار نہیں۔ اگر شعبان کے مہینے میں روزے رکھنے کی منت مانی رجب میں روزے رکھ

لیے تو جائز ہے۔ اگر مکہ معظمہ میں یا مسجد نبوی یا مسجد اقصیٰ میں دو رکعات نماز پڑھنے کی منت مانی تو جہاں بھی دو رکعات پڑھ لیں منت ادا ہوگئی کیوں کہ منت کا تعلق ثواب سے ہے جگہ سے نہیں۔ نماز درحقیقت پورے بدن سے اللہ کی اطاعت کا نام ہے اس اعتبار سے تمام جگہیں برابر ہیں اگرچہ فضیلت میں فرق ہے۔ اگر کوئی درہم صدقے کے لیے مقرر کر دیا تو اس کی جگہ دوسرا درہم دینا جائز ہے اور اگر زید کو دینے کی نیت کی تو اس کی جگہ عمرو کو دینا درست ہے کیوں کہ صدقے کا مقصد محتاج کی ضرورت پوری کرنا یا اللہ کی رضا حاصل کرنا ہے اور یہ مقصد کسی وقت، جگہ اور آدمی کے تعین کے بغیر حاصل ہو جاتا ہے۔

اگر نذر کو کسی کام سے مشروط کر دیا مثلاً اگر فلاں شخص آ گیا تو میں اللہ کی راہ میں اتنا صدقہ کروں گا۔ شرط پوری ہونے سے پہلے اگر صدقہ کر دیا تو نذر ادا نہیں ہوگی کیوں کہ شرط پوری ہونے سے پہلے اس نذر کا وجود ہی نہیں ہے۔ جب وہ شرط پوری ہو جائے جس سے نذر کو مشروط کیا تھا تو سبب پایا گیا، اب نذر پوری کرنا جائز ہے۔

دوسرے مذاہب کی تفصیل نذر کی بحث میں آئی گی۔

## حواشی و تعلیقات

۱- شاعر نے کہا ہے:

خیل صیام و خیل غیر صائمہ - تحت العجاج و آخری تعلق اللجما

(کچھ گھوڑے رکے ہوئے ہیں اور کچھ رکے ہوئے نہیں ہیں۔)

گرد و غبار کی تہ میں ہیں اور کچھ لگام چبا رہے ہیں)

یہاں پر شاعر نے صائمہ سے ہنہانے سے رکے ہوئے گھوڑے مراد لیے ہیں۔

۲- اللباب، ۱: ۱۶۲، الشرح الصغير، ۱: ۶۸۱، ۶۹۸، مغنی المحتاج، ۱: ۴۲۰، المغنی، ۳: ۸۴،

کشاف القناع، ۲: ۳۳۸ و بعد

۳- بخاری، مسلم، نسائی اور ترمذی نے سہل بن سعدؓ کے حوالے سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: جنت میں ایک دروازہ ہے جسے ”الریان“ کہتے ہیں۔ قیامت کے دن اس میں سے

روزہ دار داخل ہوں گے، اور کوئی اس دروازے سے داخل نہیں ہو سکے گا۔ جب وہ داخل ہو

جائیں گے تو دروازہ بند کر دیا جائے گا، اور کوئی داخل نہیں ہو سکے گا۔ (الترغیب والترہیب،

۲: ۸۲-۸۳)

۴- ابن السنی اور ابو نعیم نے الطب میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۵- ابن مسعودؓ سے صحاح ستہ نے روایت کی (نیل الاوطار، ۶: ۹۹) الباءة: شادی کی ذمہ داریاں

الوجاء: یعنی نکاح کی شہوت کمزور کر دیتا ہے۔ شہوت کو تلوار کی کاٹ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

۶- فتح القدیر، ۲: ۴۳ و بعد

۷- حاشیہ ابن عابدین، ۲: ۱۰۹



- ۸- طبرانی نے الکبیر میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی۔ اس کی سند میں انقطاع ہے (مجمع الزوائد، ۳: ۱۳۰)
- ۹- طبرانی نے معجم الکبیر میں، ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور بیہقی نے اپنی سند سے ابو مسعود غفاریؓ سے روایت کی۔ اس کے ایک راوی پر کلام کیا گیا ہے۔ الترغیب والترہیب، ۲: ۱۰۲، مجمع الزوائد، ۳: ۱۴۱
- ۱۰- بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی (الترغیب والترہیب، ۲: ۹۷)
- ۱۱- مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی، ایضاً، ۲: ۹۲
- ۱۲- ایضاً، الخلف: منہ کی بدلی ہوئی بو، الترغیب والترہیب، ۲: ۸۱
- ۱۳- الجنۃ: ڈھال: حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ روزہ روزہ دار کو ڈھال کی طرح ڈھانپ لیتا ہے اور گناہوں میں مبتلا ہونے سے بچاتا ہے۔
- ۱۴- متفق علیہ، بخاری و صحاح ستہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی: احتساب: اللہ کی رضا اور ثواب کی طلب، احتساب کا لفظ حسب سے مأخوذ ہے جیسے اعتداد کا عد سے: کام کی تیاری کرنا۔
- ۱۵- مذقہ: پانی ملا دودھ
- ۱۶- ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں نقل کر کے اسے صحیح قرار دیا اور بیہقی کے حوالے سے بھی روایت کی۔ ابوالشیخ بن حبان نے ان دونوں سے ”الثواب“ میں مختصراً روایت کی۔ الترغیب والترہیب، ۲: ۹۳ و بعد
- ۱۷- المہذب، ۱: ۱۸۹، المجموع، ۶: ۲۹۲-۵۰۳، المغنی، ۳: ۱۷۸-۱۸۳، کشاف القناع، ۲: ۳۰۱-۳۰۲
- ۱۸- بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔

۱۹- متفق علیہ (نیل الاوطار، ۴: ۲۷۰)

۲۰- متفق علیہ (ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوذرؓ سے)

۲۱- ترمذی نے روایت کر کے اسے صحیح قرار دیا۔

۲۲- ابو داؤد نے مرفوعاً روایت کی لیکن راجح یہ ہے کہ یہ معاویہؓ پر موقوف ہے اور مرفوع کے حکم میں ہے۔ سبل السلام، ۲: ۱۷۶

۲۳- ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ اس کی تعیین میں چالیس اقوال ہیں اور ان میں سے سب

سے راجح یہ ہے کہ لیلة القدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں اذتی بدلتی رہتی ہے۔

صنعانی نے کہا ہے کہ سب سے راجح قول یہ ہے کہ آخری سات راتوں میں ہوتی ہے۔ ایضاً

۲۴- احمد اور سنن اربعہ نے روایت کی، سوائے ابو داؤد کے۔ ترمذی اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ایضاً

۲۵- احمد، مسلم، ابو داؤد، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔ (نیل الاوطار، ۴: ۲۷۲)

۲۶- نیل الاوطار، ۴: ۲۷۵

۲۷- البداية والنهاية، ۴: ۳۱۶

۲۸- ایضاً ۳۱۶: ۵

۲۹- سعید عبدالفتاح عاشور، الحركة الصليبية، مكتبة الانجلو المصرية، ۲: ۱۱۳۶ (طبع دوم)

۳۰- حطین کا معرکہ طبریہ کے شمال میں ہفتے کے دن ۱۴ ربیع الآخر ۵۸۳/۴ جولائی، ۱۱۸۷ء کو پیش آیا لیکن

صلاح الدین ایوبی ۲۷ رجب/۱۲ اکتوبر ۱۱۸۷ء کو واقعہ معراج کی یاد میں القدس میں داخل ہوا

(الحركة الصليبية، ۲: ۸۰۸-۸۱۱، ۸۲۲)

۳۱- عبدالمنعم ماجد، د، التاريخ السياسي للدولة العربية، ۲: ۲۰۴

۳۲- فرض اور رکن میں فرق یہ ہے کہ رکن پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اور اس کے بغیر عمل مکمل نہیں ہوتا، خواہ عمل فرض ہو یا نفل۔ فرض وہ ہے جسے چھوڑنے پر سزا دی جا سکے۔ اسلام کے ارکان سے مراد اسلام کے ستون ہیں جن پر عمارت کھڑی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک رکن بھی نہیں ہوگا تو اسلام مکمل نہیں ہوگا۔

۳۳- بخاری، مسلم نے ابن عمرؓ سے متعدد طرق سے روایت کی ہے۔

۳۴- بخاری و مسلم

۳۵- المجموع، ۶: ۲۷۳، وبعده، الدر المختار، ۲: ۱۰۹، كشاف القناع، ۲: ۳۳۹، بدایة المجتہد،

۱: ۲۷۴، المغنی، ۳: ۸۴

۳۶- اللباب ۱: ۱۶۲، ۱۷۳، فتح القدیر، ۲: ۴۳، وبعده، ۵۴، الدر المختار مع حاشیہ، ۲: ۱۱۲-۱۱۶، مراقی

الفلاح، ۱۰۵، وبعده، بدایة المجتہد، ۱: ۲۷۴، ۳۰۰، الشرح الصغير، ۱: ۶۸۷، ۷۲۲، القوانین

الفقیہ، ۱۱۴، مغنی المحتاج، ۱: ۴۲۰، ۴۳۳، ۴۳۵، ۴۳۹، كشاف القناع، ۲: ۳۳۹، ۳۹۳، وبعده،

۳۹۸، المغنی، ۳: ۸۹، ۱۴۲، ۱۶۳

۳۷- فتح القدیر، ۱: ۵۳، وبعده، الدر المختار، ۲: ۱۱۹، وبعده، مراقی الفلاح، ۱۰۷

۳۸- صحاح ستہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی (نصب الراية، ۲: ۴۴۰)

۳۹- الشرح الكبير، ۱: ۵۱۳، الشرح الصغير، ۱: ۶۸۶، وبعده، القوانین الفقیہ، ۱۵، شرح

الرسالہ، ۱: ۲۹۳-۲۹۵

۴۰- مغنی المحتاج، ۱: ۴۳۳، ۴۳۸

۴۱- سنن اربعہ نے روایت کی۔ ترمذی وغیرہ نے صحیح قرار دیا۔

۴۲- المغنی، ۳: ۸۹، كشاف القناع، ۲: ۳۵۰-۳۵۱، ۳۹۸، وبعده

۴۳- الدر المختار، ۱۱۴:۲، مراقی الفلاح، ۱۰۶، القوانین الفقہیہ، ۱۱۴، مغنی المحتاج، ۴۳۳:۱،

المہذب، ۱۸۹:۱، المغنی، ۱۶۳:۳، کشاف القناع، ۳۹۹:۲

۴۴- ابوسعید خدریؓ سے بخاری و مسلم نے اسی طرح کی حدیث روایت کی۔ متفق علیہ

۴۵- بخاری

۴۶- احمد، سنن اربعہ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔ حدیث حسن ہے جیسا کہ سیوطی نے ذکر کیا۔ ابن حبان

وغیرہ نے اسے صحیح قرار دیا۔ سبل السلام، ۱۷۱:۲

۴۷- ”دھر“ محدود لیکن ہمیشہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے ”زمانے کو گالی نہ دو“ میں دھر

کا لفظ استعمال ہوا ہے ”کہ اللہ ہی زمانہ ہے“، اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے وہ

اللہ کی طرف ہے۔ زمانہ اس کا فاعل نہیں ہے۔ جب تم زمانے کو گالی دیتے ہو تو گویا اللہ کو برا بھلا

کہنے کا ارادہ کرتے ہو (مغنی المحتاج، ۴۴۸:۱)

۴۸- الدر المختار، ۱۱۴:۲ و بعد، مراقی الفلاح ۱۰۶

۴۹- مسلم نے روایت کی اور حضرت ابو ہریرہؓ سے صحاح ستہ نے یہ الفاظ روایت کیے۔ ”جمعہ کے دن

روزہ نہ رکھو جب تک کہ اس سے پہلے دن یا بعد کے دن میں روزہ نہ رکھا ہے ہو“۔ (نیل

الاطوار، ۲۴۹:۴)

۵۰- احمد، نسائی کے علاوہ اصحاب سنن نے عبداللہ بن بسرؓ سے ان کی بہن الصماء کے حوالے سے

روایت کی (نیل الاوطار، ۲۵۱:۴)

۵۱- صحیح بخاری مسلم اور امام احمد نے عبداللہ بن عمرو سے روایت کی ہے (نیل الاوطار، ۲۵۴:۴)

۵۲- متفق علیہ، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ (نیل الاوطار، ۲۱۹:۴)

۵۳- متفق علیہ، نیل الاوطار، ۲۱۹:۴

۵۴- القوانین الفقہیہ، ۱۱۵، ۱۱۹، الشرح الصغیر، ۱: ۶۸۶، ۶۹۲، ۶۹۳، ۷۲۲، ۷۲۳، الشرح

الکبیر مع الدسوقی، ۱: ۵۳۴

۵۵- مغنی المحتاج، ۱: ۴۴۷ وبعده، المہذب، ۱: ۱۸۸ وبعده

۵۶- بیہقی، احمد، تنگ ہونے کا مطلب ہے اس میں داخل نہیں ہو سکے گا یا اس میں اس کے لیے جگہ ہی

نہیں ہوگی۔ نیل الاوطار، ۴: ۲۵۵، جمہور کی رائے یہ ہے کہ ہمیشہ کے روزے کی حدیث اپنے

ظاہری مفہوم میں ہے اور اس شخص سے متعلق ہے جس نے ممنوع دنوں میں بھی روزہ رکھا۔

۵۷- کشاف القناع، ۲: ۳۹۷-۳۹۹، غایۃ المنتہی، ۱: ۳۳۴

۵۸- ابن ماجہ نے ابن عباسؓ سے روایت کی اور یہ ضعیف ہے۔ ہر حدیث جو رجب کے روزوں یا نماز

کی فضیلت سے متعلق ہے، اہل علم کا اتفاق ہے کہ جھوٹ ہے۔

۵۹- عبداللہ بن عمروؓ سے متفق علیہ روایت ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: ”ایک دن روزہ رکھو، ایک دن

افطار کرو“، یہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور افضل ترین روزہ ہے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے

کہا، میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، آپؐ نے فرمایا: ”اس سے افضل کوئی روزہ

نہیں“۔ (نیل الاوطار، ۴: ۲۵۳ وبعده)

۶۰- ترمذی نے روایت کر کے صحیح قرار دیا ہے، نیز نسائی اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں اور امام

احمدؒ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ نیل الاوطار، ۴: ۲۵۳ وبعده، سبل السلام، ۲: ۱۶۸

۶۱- اصحاب سنن نے نقل کیا ہے، اور ابن خزیمہ نے ابن مسعودؓ کی سند سے صحیح قرار دیا ہے، مسلم نے

حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ ہر ماہ تین دن روزہ رکھتے تھے لیکن یہ خیال

نہیں فرماتے تھے کہ مہینے کے کس حصے میں روزہ رکھ رہے ہیں“۔ (سبل السلام، ۲: ۱۶۸)

۶۳- بخاری اور نسائی کے علاوہ صحاح ستہ نے روایت کی۔ امام احمد نے حضرت جابرؓ سے روایت

کی۔ (نیل الاوطار، ۴: ۲۳۷)

۶۴- سعید بن منصور نے اپنی سند سے حضرت ثوبانؓ سے روایت کی۔

۶۵- ایک قول یہ ہے کہ اس سے صغیرہ گناہ مراد ہیں، کبیرہ نہیں لیکن اس قول کو رد کر دیا گیا کہ یہ

زبردستی اللہ کے وسیع فضل کو محدود کرنا ہے، اس کی کوئی دلیل نہیں۔

۶۶- احمد، ابن ماجہ۔ (نیل الاوطار، ۴: ۲۳۹)

۶۷- احمد، ابوداؤد، نسائی۔ (نیل الاوطار، ۴: ۲۳۸)

۶۸- الخلال نے صحیح سند سے روایت کی۔ امام احمد نے اس سے استدلال کیا۔ مسلم میں روایت ہے: ”اگر

میں اگلے سال تک زندہ رہا تو نو محرم کو بھی روزہ رکھوں گا۔“

۶۹- بخاری اور ترمذی کے علاوہ صحاح ستہ نے حضرت ابوقنادہؓ سے روایت کی ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے کہ:

”عرفہ کے دن کا روزہ دو سال ایک پچھلا اور ایک اگلا، کے گناہوں کا کفارہ ہے اور عاشورہ کا

روزہ گزشتہ ایک سال کا کفارہ ہے۔“ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ عرفہ کا دن محمدی دن ہے یعنی اس کا

روزہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہے اور عاشورا موسوی (موسیٰ علیہ السلام کا) دن

ہے اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں (نیل الاوطار،

۴: ۲۳۸) احتساب کا مطلب ہے: اجر و ثواب کی طلب۔

۷۰- متفق علیہ (نیل الاوطار، ۴: ۲۴۱)

۷۱- القوانین الفقہیہ، ۱۱۴، الحضرمیہ، ۱۱۸

۷۲- مسلم وغیرہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی

۷۳- احمد اور سنن اربعہ نے روایت کی۔ ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں: ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان اور

رمضان کے دو مہینے روزے رکھتے تھے۔ (نیل الاوطار، ۴: ۲۳۵)

۷۴- متفق علیہ (ایضاً)

۷۵- الدر المختار ورد المختار، ۲: ۱۱۳-۱۱۶، ۱۷۱، مراقی الفلاح، ۱۰۵ و بعد

۷۶- القوانین الفقہیہ، ۱۱۳، بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۹۸-۳۰۰

۷۷- مغنی المحتاج، ۱: ۴۴۶ و بعد، الحضرمیہ، ۱۱۸

۷۸- کشاف القناع، ۲: ۳۹۳-۳۹۶، غایۃ المنتہی، ۱: ۳۳۳ و بعد

۷۹- اس دن اپنے گھر والوں کو خوب کھلانا پلانا چاہیے۔ ابراہیم بن محمد بن المنثثر، جو اپنے زمانے کی

افضل ترین شخصیت تھے کہتے ہیں کہ ان تک یہ روایت پہنچی ہے کہ: ”جو کوئی عاشورہ کے دن اپنے

اہل و عیال کو خوب کھلانا پلاتا ہے اللہ تعالیٰ سارا سال اس کے لیے وسعت رکھتے ہیں۔“

۸۰- متفق علیہ

۸۱- اللباب شرح الكتاب، ۱: ۱۷۱ و بعد، فتح القدیر، ۲: ۸۵، ۱۰۵، الدر المختار، ۲: ۱۶۴: شرح

الرسالة لابن ابی زید القيروانی، ۱: ۲۹۶، فواتح الرحموت، ۱: ۱۱۴، كشف الاسرار، ۱: ۶۳۲

۸۲- مغنی المحتاج، ۱: ۴۳۷، ۴۳۸، كشف القناع، ۲: ۴۰۰، المغنی، ۳: ۱۵۱، و بعد، شرح

المحلی علی جمع الجوامع، ۱: ۶۹، غایۃ الوصول للانصاری، ۱۲، وھبہ الزحیلی، اصول

الفقہ الاسلامی، ۱: ۷۹ و بعد، دارالفکر، طبع دوم

۸۳- متفق علیہ

۸۴- احمد نے ام ہانئ سے روایت کر کے اسے صحیح قرار دیا، حاکم نے کہا صحیح الاسناد ہے۔ بخاری نے

اسے ضعیف بتایا

۸۵- الدر المختار ورد المختار، ۲: ۱۱۱، مغنی المحتاج، ۱: ۴۲۰، الشرح الكبير، ۱: ۵۰۹، كشف

القناع، ۲: ۳۳۹

۸۶ بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے، بخاری نے ابن عمرؓ سے، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی ابن عمرؓ سے مختلف الفاظ میں، احمد اور نسائی نے عبدالرحمن بن زید بن خطاب سے روایت کی، احمد، نسائی اور ترمذی نے اسی مفہوم میں روایت کی، ترمذی نے ابن عباسؓ کی روایت کو صحیح قرار دیا۔ دوسرے محدثین نے بھی روایت کی (نیل الاوطار، ۴: ۱۸۸-۱۹۲)

۸۷- رسائل ابن عابدین، ۱: ۲۵۳، الدر المختار، ۲: ۱۲۳-۱۳۰، مراقی الفلاح، ۱۰۸ و بعد، اللباب، ۱: ۱۶۳

۸۸- القوانین الفقہیہ، ۱۱۵ و بعد، الشرح الصغیر، ۱: ۲۸۲ و بعد، الشرح الکبیر، ۱: ۵۰۹ و بعد

۸۹- المہذب، ۱: ۱۷۹، مغنی المحتاج، ۱: ۲۲۰-۲۲۲

۹۰- ابو داؤد، ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا، حاکم نے کہا کہ مسلم کی شرط پر ہے۔

۹۱- ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا، ابو داؤد، ترمذی نے روایت کیا ہے۔

۹۲- کشف القناع، ۲: ۳۵۲-۳۵۸، المغنی، ۳: ۱۵۶-۱۶۳

۹۳- ترمذی نے روایت کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے

۹۴- نسائی، احمد

۹۵- اللباب شرح الكتاب، ۱: ۱۶۳

۹۶- کشف القناع، ۲: ۳۳۹

۹۷- دارقطنی نے صحیح سند سے روایت کی

۹۸- ترمذی

۹۹- رد المحتار لابن عابدین، ۲: ۱۳۱، مجموعہ رسائل ابن عابدین، ۱: ۲۵۳، تفسیر القرطبی،

۲: ۲۹۶، فتح الباری، ۴: ۸۷، المجموع، ۶: ۳۰۰، بدایة المجتہد، ۱: ۲۷۸، القوانین



## الفقیہیہ، ۱۱۶

- ۱۰۰- الدر المختار ورد المحتار، ۲: ۱۳۱-۱۳۲، مراقی الفلاح، ۱۰۹
- ۱۰۱- الشرح الكبير، ۱: ۵۱۰، بداية المجتهد، ۱: ۲۷۸ وبعده، القوانين الفقهیہ، ۱۱۶
- ۱۰۲- كشاف القناع، ۲: ۳۵۳
- ۱۰۳- المجموع، ۶: ۲۹۷-۳۰۳، مغنی المحتاج، ۱: ۲۲۲-۲۲۳
- ۱۰۴- فرسخ (۵۵۲۳ میٹر) یہ مسافت  $۲۴ \times ۵۵۲۳ = ۱۳۳۰۵۵۶$  کیلومیٹر ہے: دیکھیے جدول المقایس یار رہے کہ قصر کی مسافت ۸۹ کیلومیٹر ہے جو ۴ برد یا ۱۶ فرسخ ہے۔ فرسخ تین میل ہے اور میل ۴۰۰۰ خطوۃ اور خطوۃ تین قدم اور دو قدم = ایک ذراع اور ذراع = ۲۴ انگلیوں کے برابر ہے۔
- ۱۰۵- بخاری اور ابن ماجہ کے علاوہ صحاح ستہ نے روایت کی  
(نیل الاوطار، ۴: ۱۹۳)
- ۱۰۶- مسلم، احمد (نیل الاوطار، ۴: ۱۸۹ وبعده)
- ۱۰۷- بخاری، مسلم (نیل الاوطار، ۴: ۱۹۱)
- ۱۰۸- سبل السلام، ۲: ۱۵۱
- ۱۰۹- نیل الاوطار، ۴: ۱۹۵
- ۱۱۰- شیخ محمد ابوالعلا البنا مدرس فلکیات کلیۃ الشریعۃ الازہری کی کتاب جس کی طرف شیخ مرحوم محمد السالیں نے ”بحوث المؤتمر الثالث لجمع البحوث الاسلامیۃ“ میں اشارہ کیا، ص ۹۹ وبعده
- ۱۱۱- البدائع، ۲: ۸۷-۸۹، فتح القدیر، ۲: ۸۷-۹۳، الدر المختار، ۲: ۱۴۵، وبعده، اللباب، ۱: ۱۷۲ وبعده، الشرح الصغير، ۱: ۶۸۱ وبعده، القوانين الفقهیہ، ۱۱۳ وبعده، المہذب، ۱: ۱۷۷ وبعده، مغنی المحتاج، ۱: ۲۲۲-۲۲۸، المغنی، ۳: ۱۵۳-۱۵۶، كشاف القناع، ۲: ۳۵۹-۳۶۴، شرح

الرسالة: ۱: ۳۰۰ و بعد، ۳۰۶، بداية المجتهد، ۱: ۲۸۸ و بعد، المغنی، ۳: ۹۸ و بعد

۱۱۲- میری کتاب ”اصول الفقہ الاسلامی، ۱: ۷۹ و بعد دیکھیے۔

۱۱۳- مراقی الفلاح، ۱۰۵، الدر المختار، ۲: ۱۱۶ و بعد

۱۱۴- القوانین الفقہیہ، ۱۱۳، الشرح الصغیر، ۱: ۶۸۱، و بعد، ۶۹۵ و بعد، الشرح الکبیر، ۱: ۵۲۲

۱۱۵- مغنی المحتاج، ۱: ۲۲۳، ۲۳۲، المہذب، ۱: ۱۷۷

۱۱۶- کشف القناع، ۲: ۳۵۹، ۳۶۶، ۳۷۶، المغنی، ۳: ۱۳۷ و بعد

۱۱۷- متفق علیہ (نیل الاوطار، ۴: ۲۱۲)

۱۱۸- ایضاً

۱۱۹- بخاری و مسلم نے حضرت عمرؓ سے روایت کی۔

۱۲۰- احمد اور اصحاب سنن نے حضرت حفصہؓ سے روایت کی (نیل الاوطار، ۴: ۱۹۵)

۱۲۱- دارقطنی نے کہا ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں: ”جس نے روزے

کی رات سے نیت نہیں کی، اس کا روزہ نہیں ہے۔“

۱۲۲- البدائع، ۲: ۸۳، کشف القناع، ۲: ۳۶۶، الشرح الکبیر مع الدسوقی، ۱: ۵۲۰

۱۲۳- مغنی المحتاج، ۱: ۲۲۳

۱۲۴- مغنی المحتاج، ایضاً

۱۲۵- البدائع، ۲: ۸۵، الشرح الکبیر، ۱: ۵۲۰، الشرح الصغیر، ۱: ۶۹۵، مغنی المحتاج، ۱: ۲۲۳،

کشف القناع، ۲: ۳۶۶، المغنی، ۳: ۹۱

۱۲۶- البدائع، ۲: ۸۵، فتح القدیر، ۲: ۲۳-۲۴، ۵۰-۶۲، مراقی الفلاح، ۶: ۱۰۶ و بعد، کتاب مع

اللباب: ۱۶۳

۱۲۷- الشرح الصغير، ۱: ۶۹۵ وبعد، الشرح الكبير، ۱: ۵۲۰، القوانین الفقہیہ، ۱۱۵، ۱۱۷، بداية

المجتہد، ۱: ۲۸۳

۱۲۸- مغنی المحتاج، ۱: ۲۲۳ وبعد

۱۲۹- دارقطنی نے روایت کر کے اس کی اسناد صحیح بتائی ہیں

۱۳۰- المغنی، ۳: ۹۱، ۹۶، کشاف القناع، ۲: ۳۶۶-۳۶۹

۱۳۱- مسلم، ابوداؤد، نسائی

۱۳۲- متفق علیہ، حضرت معاویہؓ سے روایت ہے۔

۱۳۳- ایضاً، فتح القدیر، ۴: ۵۰

۱۳۴- القوانین الفقہیہ، ۱۱۷، الدسوقی علی الشرح الكبير، ۱: ۵۲۰، بداية المجتہد، ۱: ۲۸۳،

مغنی المحتاج، ۱: ۲۲۳-۲۲۶، المغنی، ۳: ۹۴، کشاف القناع، ۲: ۳۶۷ وبعد

۱۳۵- طواف زیارت بھی ایسے ہی ہے، اس کے لیے تعین کی ضرورت ہے۔ اگر طواف وداع یا مطلق

طواف کی نیت سے طواف کیا تو طواف زیارت کا واجب ادا نہیں ہوگا۔

۱۳۶- مراقی الفلاح، ۱۰۷

۱۳۷- ایضاً مراجع سابقہ

۱۳۸- مغنی المحتاج، ۱: ۲۲۵، کشاف القناع، ۲: ۳۶۷

۱۳۹- البدائع، ۲: ۸۵، الشرح الصغير، ۱: ۶۹۷، بداية المجتہد، ۱: ۲۸۲، القوانین الفقہیہ

۱۱۷، مغنی المحتاج، ۱: ۲۲۳، المغنی، ۳: ۹۳

۱۴۰- مراقی الفلاح، ۱۰۶ وبعد

۱۴۱- القوانین الفقہیہ، ۱۱۷، بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۸۳

۱۴۲- مغنی المحتاج، ۱: ۴۲۵

۱۴۳- کشاف القناع، ۲: ۳۶۷

۱۴۴- کشاف القناع، ۲: ۳۷۰

۱۴۵- مراقی الفلاح، ۱۰۵، فتح القدیر، ۲: ۸۷-۹۰، البدائع، ۲: ۸۷-۸۹

۱۴۶- القوانین الفقہیہ، ۱۱۳، وبعده، بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۸۲، وبعده، شرح الرسالة، ۱: ۳۰۱، الشرح

الصغیر، ۱: ۶۸۱، وبعده، ۶۹۵، ۷۰۱، الشرح الکبیر، ۱: ۵۲۰، یادربے کہ رائج قول یہ ہے کہ نیت

شرط ہے جیسا کہ حاشیہ رسوقی میں ہے۔ درودیر نے شرح صغیر میں اسے رکن بتایا ہے۔ جو ذکر کیا گیا

کہ نیت رکن ہے یہ درست نہیں۔

۱۴۷- مغنی المحتاج، ۱: ۴۲۷، ۴۳۲، وبعده ۴۳۶، وبعده، الحضرمیہ، ۱۱۰-۱۱۳

۱۴۸- کشاف القناع، ۲: ۳۵۹-۳۶۷، غایۃ المنتہی، ۱: ۳۲۲-۳۲۶

۱۴۹- البدائع، ۲: ۱۰۵-۱۰۸، مراقی الفلاح، ۱۱۵، الدر المختار، ۲: ۱۵۷، الشرح الکبیر، ۱: ۵۱۵،

الشرح الصغیر، ۱: ۶۸۹، وبعده، القوانین الفقہیہ، ۱۱۵، مغنی لمحتاج، ۱: ۴۳۳-

۴۳۶، الحضرمیہ، ۱۱۳-۱۱۵، کشاف القناع، ۲: ۳۸۵-۳۸۸، المغنی، ۳: ۱۰۳،

۱۶۹-۱۷۸، ۱۷۱

۱۵۰- اس میں ضعف ہے۔

۱۵۱- احمد نے حضرت ابو ذرؓ سے روایت کی (نبیل الاوطار، ۳: ۲۲۱)

۱۵۲- متفق علیہ، سحل بن سعد سے، احمد اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہؐ نے

فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مجھے اپنے وہ بندے بہت پسند ہیں جو جلدی افطار کرتے ہیں۔"

(نیل الاوطار، ۴: ۲۱۷)

۱۵۳- مسلم، حدیث عائشہؓ، ابن عبدالبر، حدیث انس رضی اللہ عنہ۔

۱۵۴- احمد، ابو داؤد، ترمذی نے روایت کی اور نسائی کے علاوہ پانچوں اصحاب صحاح نے سلمان بن عامرؓ سے روایت کی ہے کہ: ”جب تم میں سے کوئی افطار کرے، تو کھجور پر افطار کرے، اگر کھجور نہ ہو تو پانی پر افطار کرے کیوں کہ پانی پاک کرنے والا ہے“۔ (نیل الاوطار، ۴: ۲۲۰)

۱۵۵- ابن ماجہ نے عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کی۔

۱۵۶- اللهم لك صمت و علي رزقك افطرت (اے اللہ میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا)، یہ روایت ابو داؤد نے مرسل بیان کی۔ نیز ذهب الظمأ (پیاں ختم ہو گئی)..... بھی روایت کی۔ دارقطنی نے حضرت انسؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللهم لك صمنا و علي رزقك افطرتنا فتقبل منا، انك انت السميع العليم (اے اللہ ہم نے تیرے لیے روزہ رکھا، تیرے رزق پر افطار کیا، ہمارا روزہ قبول فرما، تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔ دارقطنی نے ابن عمرؓ سے ذهب الظمأ..... کے الفاظ بھی روایت کیے۔

۱۵۷- ترمذی نے اسے صحیح بتایا ہے، نسائی، ابن ماجہ نے اپنی اپنی سنن میں اور، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں زید بن خالد جہنیؓ سے روایت کی (الترغیب والترہیب، ۲: ۱۴۴)

۱۵۸- بخاری، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی (الترغیب والترہیب، ۲: ۱۴۶)

۱۵۹- طبرانی نے الکبیر میں ابن عمرؓ سے روایت کی، اس کی سند قابل قبول ہے (ایضاً، ۱۴۸)

۱۶۰- ابو داؤد، ابن ماجہ، ترمذی نے ابن عباسؓ سے اسے صحیح قرار دیا۔

۱۶۱- احمد اور ترمذی نے رافع بن خدیج سے اور احمد، ابو داؤد اور ابن ماجہ نے ایسی ہی ایک حدیث شداد بن اوس سے روایت کی (نیل الاوطار، ۴: ۲۰۰)

۱۶۲- متفق علیہ (نیل الاوطار، ۴: ۲۷۰) عبدالرزاق نے ثوری سے اور ابن ابی شیبہ نے ابو بکر بن عیاش سے روایت کی۔

۱۶۳- المغنی، ۳: ۱۷۱، کشاف القناع، ۲: ۳۹۹

۱۶۴- متفق علیہ، اسی طرح کی دو اور متفق علیہ احادیث حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ سے مروی ہیں۔ بخاری اور ابو داؤد نے ابو سعید سے بھی روایت کی۔ (نیل الاوطار، ۴: ۲۱۹)

۱۶۵- الدر المختار، ۲: ۱۵۳-۱۵۵، مراقی الفلاح، ۱۱۴ و بعد

۱۶۶- مصطلکی یا اللبان مراد ہے

۱۶۷- متفق علیہ

۱۶۸- الشرح الصغیر، ۱: ۶۹۲-۶۹۵، الشرح الکبیر، ۱: ۵۱۷ و بعد، القوانین الفقہیہ، ۱۱۵، ۱۱۹

۱۶۹- مغنی المحتاج، ۱: ۴۳۱، ۴۳۶

۱۷۰- کشاف القناع، ۲: ۳۸۳-۳۸۶، المغنی، ۳: ۱۰۶-۱۱۰، غایۃ المنتہی، ۱: ۳۳۱

۱۷۱- متفق علیہ۔ الارب: شہوت، حاجت

۱۷۲- حدیث حسن ہے۔ ابو داؤد نے ابو ہریرہ سے، سعید (سعید بن منصور) نے ابو ہریرہ اور ابو الدرداء سے روایت کی، اسی طرح ابن عباس سے صحیح سند کے ساتھ روایت ہے۔

۱۷۳- متفق علیہ، حضرت عائشہ اور ام سلمہ سے

۱۷۴- ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے

۱۷۵- الدر المختار، ۲: ۱۵۸-۱۶۸، مراقی الفلاح، ۱۱۵-۱۱۷، البدائع، ۲: ۹۳-۹۷، الشرح الکبیر،

۱:۵۳۳، القوانین الفقہیہ، ۱۲۰-۱۲۲، الشرح الصغیر، ۱:۶۸۹-۶۹۱، بداية

المجتہد، ۱:۲۸۵-۲۸۸، مغنی المحتاج، ۱:۲۳۷-۲۴۰، المہذب، ۱:۱۷۸ و بعد، غایۃ

المنتہی، ۱:۳۲۳، المغنی، ۳:۹۹ و بعد، کشف القناع، ۲:۳۶۱-۳۶۵

۱۷۶- کراع الغمیم، عسفان کے سامنے مدینہ کی بلندیوں میں ایک وادی ہے۔

۱۷۷- مسلم، نسائی، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔ (نیل الاوطار، ۴:۲۶۶)

۱۷۸- بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں روزہ توڑ دیا، بعض نے رکھے رکھا، آپ

نے ان کے بارے میں فرمایا کہ: ”یہ گنہ گار ہیں“۔ مسلم

۱۷۹- متفق علیہ (نیل الاوطار، ۴:۲۲۲، مسلم نے ابوسعیدؓ سے اس طرح کی روایت کی ہے۔

۱۸۰- متفق علیہ (ایضاً)

۱۸۱- اطباء کی رائے یہ ہے کہ جن بیماریوں کی وجہ سے روزہ چھوڑا جا سکتا ہے وہ شدید دل کا مرض، مسل

، پھیپھڑوں کی جلن، پھیپھڑوں کا ورم، سرطان، گردے کی شدید تکلیف، پیشاب کی نالی میں پتھری

اور اس سے جلن، شریانوں کی سختی، پھوڑے، شدید شوگر، ٹشو پھٹ جانے امراض، معدے میں زخم

یا نظام انہضام کی شدید اور موذی بیماریاں، جگر کے امراض مثلاً جگر کا بڑھنا سانس کی بیماریاں،

شدید اسہال کی بیماری، بلبہ، کی جلن، پتے کی پتھری اور کولون کی جلن۔

۱۸۲- احکام القرآن، ۱:۷۷

۱۸۳- احمد اور اصحاب سنن اربعہ نے انس بن مالک کعبی سے روایت کی (نیل الاوطار، ۴:۲۳۰)

۱۸۴- بخاری (ایضاً، ۲۳۱)

۱۸۵- کشف القناع، ۱:۳۶۱، غایۃ المنتہی، ۱:۳۲۳

۱۸۶- غایۃ المنتہی، ۱:۳۲۳

۱۸۷- مراقی الفلاح، ۱۱۴، البدائع، ۲: ۱۰۲ و بعد

۱۸۸- حاشیہ الدسوقی علی الشرح الكبير، ۱: ۵۱۴، ۵۲۵، القوانین الفقہیہ، ۱۲۴، الشرح

الصغیر و حاشیہ الصاوی، ۱: ۷۰۵ و بعد

۱۸۹- مغنی المحتاج، ۱: ۴۳۸، الحضرمیۃ ۴۱۳

۱۹۰- المغنی، ۳: ۳۳۴، اغایۃ المنتهی، ۱: ۳۲۰

۱۹۱- الدر المختار، ۲: ۱۳۲-۱۵۳، فتح القدير، ۲: ۶۴-۷۷، البدائع، ۲: ۹۴-۱۰۲، اللباب

۱: ۱۶۵-۱۷۳، مراقی الفلاح، ۱۰۹-۱۱۴، تبیین الحقائق، ۱: ۳۲۲-۳۳۲

۱۹۲- حقنہ: پانچانے کے سوراخ میں یا عورت کی شرم گاہ میں دوائی ڈالنا، سحوط، ناک میں قطرہ پٹکانا

۱۹۳- نسائی کے علاوہ پانچوں کتب حدیث نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی (نیل الاوطار، ۴: ۲۰۴)

۱۹۴- ابو یعلیٰ الموصلی نے اپنی مسند میں حضرت عائشہؓ سے ان الفاظ میں روایت کی: ”روزہ چیز اندر داخل

ہونے سے ٹوٹتا ہے، باہر نکلنے سے نہیں“۔ نصب الراية، ۲: ۲۵۳

۱۹۵- حضرت ابو ہریرہؓ سے صحاح ستہ نے روایت کی (نیل الاوطار، ۴: ۲۱۴)

۱۹۶- نسائی کے علاوہ صحاح ستہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی (ایضاً، ۲۰۶)

۱۹۷- ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ یہ حدیث ضعیف ہے (ایضاً، ۲۰۵)

۱۹۸- احمد، بخاری نے ابن عباسؓ سے روایت کی (ایضاً، ۲۰۲)

۱۹۹- الدر المختار، ۲: ۱۵۱ و بعد، تبیین الحقائق، ۱: ۳۲۵ و بعد

۲۰۰- ابو داؤد، نسائی اور حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

۲۰۱- القوانین الفقہیہ، ۱۱۹، ۱۲۴-۱۲۴، الشرح الصغیر، ۱: ۶۹۸-۷۱۲، ۷۱۵ و بعد، الشرح الکبیر

مع الدسوقی، ۱: ۵۲۳-۵۳۴، بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۸۱ و بعد



۲۰۲- خلاصہ یہ ہے کہ اگر محض سوچ سے یا دیکھنے سے منی نکل گئی، دیر تک سوچا نہ دیکھا تو کفارہ نہیں ہے، اگر دیر تک سوچا یا دیکھا رہا تو اگر حسب معمول اس طرح اس کی منی نکل آیا کرتی ہے تو کفارہ ہوگا اگر دیر تک دیکھنے یا سوچنے سے نہیں نکلا کرتی لیکن خلاف عادت نکل گئی تو مختار مذہب یہ ہے کہ کفارہ نہیں ہے۔

۲۰۳- اخروٹ کے درخت کی جڑ کا چھکالے کر اہل مغرب کی عورتیں مسواک کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔

۲۰۴- مغنی المحتاج، ۱: ۲۲۷-۲۳۲، ۲۳۲، وبعده، المہذب، ۱: ۱۸۳-۱۸۵

۲۰۵- خود بخود تھے ہو جانا

۲۰۶- بخاری، نسائی میں ہے کہ: ”آپ نے احرام کی حالت میں پھپھنے لگوائے“ اور یہ حدیث اس حدیث کی ناخ ہے جس میں ہے کہ: ”پھپھنے لگانے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے“۔

۲۰۷- المغنی، ۳: ۱۰۲-۱۰۳، ۱۲۷-۱۳۵، ۱۳۷، کشاف القناع، ۲: ۳۶۲، ۳۷۰-۳۸۱

۲۰۸- ابو داؤد، بخاری نے اپنی تاریخ میں عبدالرحمن بن نعمان بن سعید بن ہوزہ سے ان کے باپ اور دادا کے حوالے سے روایت کی لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔

۲۰۹- پانچوں کتب صحاح نے روایت کی، ترمذی نے کہا ہے کہ حسن غریب ہے، دارقطنی نے کہا ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

۲۱۰- رسول اللہ ﷺ سے گیارہ صحابہ نے روایت کی۔ ان میں رافع بن خدیج بھی ہیں جن سے احمد اور ترمذی نے روایت کی (نیل الاوطار، ۴: ۲۰۰)

۲۱۱- ابواسحاق جوزجانی نے روایت کی۔

۲۱۲- بخاری، ارب، خواہش، حاجت اور اس کو پورا کرنا

۲۱۳- صحاح ستہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی، طبرانی نے عمران بن حصین سے ان لفاظ سے

روایت کی: ”اللہ نے میری امت کی وہ باتیں معاف کر دیں جو دل میں پیدا ہوتی رہتی ہیں، جب تک ان کو زبان پر نہ لائے یا ان پر عمل نہ کرے“۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (الجامع الصغیر، ۱: ۶۸)

۲۱۴ - ذراع القنئی: بے اختیار تھے ہو جانا۔

۲۱۵ - القوانین الفقہیہ، ۱۲۲-۱۲۵

۲۱۶ - فتح القدیر، ۲: ۸۰، وبعد، بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۸۸، الشرح الصغیر، ۱: ۷۰۳، مغنی

المحتاج، ۱: ۴۳۷، کشاف القناع، ۲: ۳۸۹، المغنی، ۳: ۱۳۵

۲۱۷ - رخصت سے مراد ہے سخت حکم کے بالمقابل حکم، یہاں ایسی اجازت مراد ہے جس سے عذر ثابت

ہو مثلاً طاعت کے لیے سفر یا کوئی ایسا سبب جس کی بنا پر اللہ نے روزہ چھوڑنا جائز قرار دیا ہو۔

۲۱۸ - یعنی حقیقتاً وہ روزہ ادا نہیں کہلا سکتا اور نہ ہی حقیقتاً اس کا بدل ہو سکتا ہے۔

۲۱۹ - ترمذی، یہ الفاظ ترمذی کے ہیں، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ نے اپنی صحیح، بیہقی، حضرت

ابو ہریرہ کی روایت ہے۔ (والتربغیب و الترهیب، ۲: ۱۰۸)

۲۲۰ - فتح القدیر، ۲: ۸۱، اللباب، ۱: ۱۷۱، مراقی الفلاح، ۱۱۶، بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۸۹، مغنی المحتاج،

۱: ۴۴۵، الحضرمیہ، ۱۱۳، کشاف القناع، ۲: ۳۸۸، وبعد، القوانین الفقہیہ، ۱۲۱، المغنی، ۳: ۱۵۰

۲۲۱ - اللباب، ۱: ۱۷۰، فتح القدیر، ۲: ۸۳-۸۵، بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۹۰، مغنی المحتاج، ۱: ۲۳۸

وبعد، المغنی، ۳: ۱۲۲، وبعد، کشاف القناع، ۲: ۳۶۰، القوانین الفقہیہ، ۱۲۱، المہذب، ۱: ۱۸۷

۲۲۲ - زیلعی نے کہا ہے کہ مرفوع غریب ہے البتہ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ پر موقوف ہے، پہلی حدیث نسائی

نے اور دوسری عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں روایت کی۔ (نصب الراية، ۲: ۳۶۳)

۲۲۳ - صاع سے مراد چار مد جو ۲۷۵۱ گرام کے برابر ہے۔

۲۲۴ - مد = بغدادی رطل کے مطابق ایک رطل اور اس کے تہائی حصے کے برابر ہے جب کہ مصری پیمانے

کے حساب سے: شہر کے عام غلے میں سے نصف پیالہ، جو ۶۷۵ گرام کے برابر ہے۔

۲۲۵- شوکانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث بہت ضعیف ہے۔

۲۲۶- ابن ماجہ

۲۲۷- نیل الاوطار، ۴: ۲۳۵-۲۳۷

۲۲۸- الدر المختار، ۲: ۱۵۰، وبعده، مراقی الفلاح، ۱۱۲، البدائع، ۲: ۸۹، وبعده، الشرح

الصغیر، ۱: ۷۰۶-۷۱۵، بدایة المجتہد، ۱: ۲۸۹-۲۹۷، القوانین الفقہیہ، ۱۲۲-۱۲۳، مغنی

المحتاج، ۱: ۴۴۳، المہذب، ۱: ۱۸۴، المغنی، ۳: ۱۲۵-۱۳۳، کشف القناع، ۲: ۳۸۱-۳۸۲

۲۲۹- ٹوکری (العرق) سے مراد اتنا برتن ہے جس میں پندرہ صاع کی گنجائش ہوتی ہے۔ طرانی نے

الادوسط میں روایت کیا کہ اتنی بڑی ٹوکری لائی گئی جس میں بیس صاع کھجوریں تھیں، آپ نے

فرمایا، یہ صدقہ کر دو۔

۲۳۰- لاجبان: لابة کا تثنیہ ہے، کالے پتھروں والی زمین

۲۳۱- حضرت ابو ہریرہ سے ایک اصحاب صحاح ستہ نے روایت کی (نیل الاوطار، ۴: ۲۱۳) شوکانی کہتے

ہیں کہ اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص تنگ دست ہو تو اس کا کفارہ معاف ہے

کیوں کہ اسے اپنے اور اپنے اہل خانہ کے اوپر خرچ نہیں کیا جا سکتا اور رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں

فرمایا کہ جب حالات بہتر ہو جائیں تو کفارہ ادا کرے۔ امام شافعی کی ایک رائے یہی ہے اور

مالکیہ میں سے عیسیٰ بن دینار کا بھی یہی قول ہے۔ جمہور کی رائے یہ ہے کہ تنگ دستی سے کفارہ

معاف نہیں ہوتا اور حدیث میں ایسا کوئی اشارہ نہیں جس سے کفارے کی معافی پر استدلال کیا جا

سکے، بلکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کفارہ اس کے ذمے برقرار ہے اور کفارے میں جس تصرف

کا اسے اختیار دیا گیا اس کا کفارے سے کوئی تعلق نہیں ہے (نیل الاوطار، ۴: ۲۱۶)

۲۳۲- الشرح الصغير، ۱: ۷۱۳

۲۳۳- نیل الاوطار، ۴: ۲۱۵

۲۳۴- مراقی الفلاح، ۱۱۶، الكتاب مع اللباب: ۱۷۰-۱۷۱، فتح القدير، ۲: ۸۱-۸۲، الشرح

الصغير، ۱: ۷۲۰-۷۲۲، بداية المجتهد، ۱: ۲۸۹، القوانین الفقہیہ، ۱۲۲، مغنی المحتاج،

۱: ۴۴۰، وبعد، المہذب، ۱: ۷۸، ۱۸۷، المغنی، ۳: ۱۳۹-۱۴۳، کشاف القناع، ۲: ۳۸۹، وبعد

۲۳۵- اللهم: بہت بوڑھا آدمی، بہت بوڑھی عورت کو الھمۃ کہتے ہیں۔

۲۳۶- ابوداؤد (نیل الاوطار، ۴: ۲۳۱)

۲۳۷- نسائی، ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ (نیل الاوطار، ۴: ۲۳۰)

۲۳۸- اس کی تائید اس ضعیف روایت سے ہوتی ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کی

جو ایک ایسے شخص کے بارے میں ہے جو رمضان میں بیمار ہو گیا اور اس نے روزے چھوڑ دیے،

پھر صحت یاب ہو گیا اور اگلے رمضان تک اس نے روزے نہیں رکھے، آپؐ نے فرمایا، جو روزے

آگئے ہیں پہلے وہ رکھے پھر جس مہینے کے روزے چھوڑ دیے تھے وہ رکھے اور ہر دن کے بدلے

ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ دارقطنی نے موقوفاً روایت کی۔ (نیل الاوطار، ۴: ۲۳۳)

۲۳۹- مراقی الفلاح، ۱۱۷

۲۴۰- بخاری

## فصل دوم

### اعتکاف

اس میں چھ مباحث ہیں:

- بحث اول: اعتکاف کی تعریف، اس کا شرعی حکم، اس کا مقصد، جگہ اور وقت
- بحث دوم: اعتکاف کا حکم، نذر اعتکاف میں معتکف پر کیا کیا چیزیں واجب ہوتی ہیں؟
- بحث سوم: اعتکاف کی شرائط
- بحث چہارم: معتکف کے لیے پابندیاں اور جائز امور
- بحث پنجم: معتکف کے آداب، اعتکاف کے مکروہات اور اعتکاف توڑنے والی چیزیں
- بحث ششم: اعتکاف ٹوٹ جائے تو اس کا حکم
- اب ہم ترتیب وار ان پر تفصیلی بحث کریں گے۔

بحث اول: اعتکاف کی تعریف، اس کا شرعی حکم، اس کا مقصد، جگہ اور وقت:

اعتکاف کی تعریف: اعتکاف لغت میں کہتے ہیں: کسی جگہ ٹھہرنا، کسی چیز سے وابستہ ہو جانا اور وہاں دیر تک قیام کرنا، اچھی جگہ ہو چاہے بڑی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یَعْكُفُونَ عَلٰی اَصْنَامٍ لَهُمْ (الاعراف، ۷: ۱۳۸، اپنے بتوں کے پاس ٹھہرتے ہیں) نیز ماہذہ التماثل التی انتم لها عاکفون (الانبیاء، ۲۱: ۲۵، یہ کیسی مورتیاں ہیں جن سے تم وابستہ ہو گئے ہو) نیز ارشاد ربانی ہے: وَلَا تَبْتَاعُوا رُحْمًا وَّ اَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِی الْمَسَاجِدِ (البقرہ، ۲: ۱۸۷، جب تم مساجد میں ٹھہرے ہوئے ہو تو اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کیا کرو)

اعتکاف کی شرعی تعریف جو مختلف فقہاء نے کی ہے ایک دوسری سے قریب ہے۔ حنفیہ کے بقول (۱) کسی ایسی مسجد میں روزے سے اعتکاف کی نیت کر کے ٹھہرنا جس میں جماعت ہوتی ہو۔ ٹھہرنا اعتکاف کا رکن ہے، کیوں کہ لفظ یہی معنی دیتا ہے اور اسی سے اعتکاف کا وجود ہے۔ نذر اعتکاف میں روزہ اور نیت اس کی شرائط ہیں۔ مرد اعتکاف کے لیے ایسی مسجد میں ٹھہرے جس میں جماعت ہوتی ہو۔ یعنی اس مسجد کا امام اور مؤذن ہو، اس میں پانچوں نمازیں پڑھی جاتی ہوں یا نہ۔ عورت گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے یعنی اس جگہ جو نماز کے مختص کر لی گئی ہو۔ عورت کے لیے مسجد میں اعتکاف مکروہ ہے اور گھر میں نماز کی مقرر جگہ کے علاوہ اور کسی جگہ اعتکاف درست نہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں (۲) کہ اعتکاف باشعور مسلمان کا روزے کی حالت میں ایسی مسجد میں قیام ہے جو سب لوگوں کے لیے مباح ہو، اس دوران جماع اور اس کی ترغیبات سے رکا رہے، کم از کم ایک دن رات، یا اس سے زیادہ عبادت کی غرض سے اعتکاف کی نیت سے

ٹھہرے۔ کافر کا اعتکاف درست نہیں اور نہ بے شعور بچے کا۔ نہ ایسی مسجد میں جس میں عام لوگوں کو داخلے کی اجازت نہ ہو، نہ بغیر روزے کے، روزہ ضروری ہے، فرض ہو چاہے نفل، رمضان کا ہو یا رمضان کے علاوہ، رات دن میں کسی بھی وقت جماع کر لیا یا جماع کے ابتدائی مراحل میں داخل ہو گیا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ اعتکاف کی کم از کم مدت ایک دن رات ہے، زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے، عبادت کی نیت سے ٹھہرے، کیوں کہ اعتکاف عبادت ہے اور بلا نیت کوئی عبادت نہیں ہوتی۔

شافعیہ کی عبارت یہ ہے (۳) کسی مخصوص شخص کا اعتکاف کی نیت سے مسجد میں ٹھہرنا۔ حنابلہ کہتے ہیں (۴) اعتکاف اللہ کی طاعت کی غرض سے مسجد میں خاص طریقے سے ٹھہرنا ہے۔ ٹھہرنے والا مسلمان عاقل باشعور ہو، غسل واجب کرنے والے امور سے پاک ہو، اس کا کم از کم وقت ایک گھڑی ہے۔ کافر خواہ مرتد ہو اس کا اعتکاف درست نہیں۔ دیوانے اور بچے کا بھی نہیں کیوں کہ ان کی نیت نہیں ہوتی اور جنبی وغیرہ کا بھی نہیں، خواہ اس نے وضو کیا ہوا ہو اور مسجد سے گزرنا کافی نہیں۔ لحظہ بھر کے لیے رکنا ضروری ہے۔

**اعتکاف کی شرعی حیثیت کے دلائل (۵):** اعتکاف کا ثبوت کتاب اللہ، سنت اور اجماع سے ہے۔ ارشاد ربانی ہے: *ولا تباشروہن و انتم عاکفون فی المساجد* (البقرہ ۱۸۷:۲)، جب تم مساجد میں اعتکاف میں ہو تو بیویوں سے مباشرت نہ کیا کرو) اسی طرح قرآن حکیم میں ہے: *ان طہرا بیتی للطائفین والعکفین* (البقرہ ۱۲۵:۲)، میرے گھر طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کے لیے پاک رکھو) پہلی آیت میں اعتکاف کی نسبت مساجد کی طرف کی گئی ہے جو عبادت کے لیے مختص ہوتی ہیں اور مباح جماع کو اعتکاف کی وجہ سے چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف

عبادت ہے۔

سنت: حضرت ابن عمرؓ، حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ: ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے اس وقت سے اپنے وصال تک رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرماتے رہے ہیں۔“ (۶) زہری کہتے ہیں کہ: ”لوگوں کے بارے میں تعجب ہے کہ انہوں نے اعتکاف کیسے چھوڑ دیا جب کہ رسول اللہ ﷺ کچھ کام کبھی کرتے کبھی چھوڑ دیتے لیکن آپ نے اپنے وصال تک اعتکاف نہیں چھوڑا۔“

اعتکاف پہلی شریعتوں میں تھا، ارشاد ربانی ہے: وعهدنا الی ابراہیم و اسماعیل ان طہرا بیتی للطائفین والعاکفین (البقرہ ۲: ۱۲۵، ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو یہ تاکید حکم دیا تھا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کے لیے پاک رکھیں)

اعتکاف کا مقصد: اللہ سے لو لگا کر، اس کی طرف توجہ کر کے، فارغ اوقات میں مکمل طور پر عبادت کے لیے وقف ہو کر، اللہ کے لیے دنیوی مشاغل اور اعمال کو ترک کر کے، اپنے نفس کو اللہ کے سپرد کر کے، نفس کے معاملات کو اللہ کے حضور پیش کر کے اس کے کرم پر اعتماد اور اس کے دروازے پر کھڑے ہو کر، اس کے گھر میں مسلسل عبادت کر کے، اس کی رحمت کے قرب کی تلاش کرتے ہوئے، اس کی حفاظت کے قلعہ میں پناہ حاصل کرتے ہوئے دل کی پاکی اور صفائی کرنا تاکہ دشمن کا مکر و قوت سے اللہ کی قوت و طاقت اور اس کی تائید و نصرت سے بچا جاسکے۔ اعتکاف جب خالص اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے تو وہ تمام اعمال سے اشرف اور اللہ کو بہت محبوب عمل ہے کیوں کہ معتکف نماز کا منتظر ہوتا ہے اس لیے وہ گویا ہر وقت کا نمازی ہے اور نماز کی حالت قرب خداوندی کی حالت ہے۔



جن علماء کے نزدیک اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے ان کے مطابق جب اعتکاف کے ساتھ روزہ بھی شامل ہو جائے تو مومن اللہ کے اور زیادہ قریب ہوتا ہے کیوں کہ روزہ داروں کے دل پر اللہ کی طرف سے دل کی پاکیزگی اور نفوس کی طہارت کا فیضان ہوتا ہے۔ اعتکاف کا افضل ترین وقت رمضان کا آخری عشرہ ہے کیوں کہ اس میں لیلۃ القدر بھی آتی ہے جو ایک ہزار مہینے سے بہتر ہے۔

**اعتکاف کی مدت:** اعتکاف ہر وقت رمضان اور غیر رمضان میں مستحب ہے۔ حنفیہ کے نزدیک (۷) نفل اعتکاف کی کم از مدت مقرر نہیں۔ اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا کافی ہے، اگر مسجد میں چلتے چلتے اعتکاف کی نیت کر لی تو بھی صحیح ہے کیوں کہ یہ محض نیکی کا عمل ہے اور نفل اعتکاف میں روزہ شرط نہیں۔ نیت کے ساتھ جتنی دیر مسجد میں ٹھہرے گا اس وقت کا ہر جز عبادت شمار ہوگا، اس کی دوسری عبادت کے ساتھ ملانے کی ضرورت نہیں۔ نفل اعتکاف شروع کیا گیا ہو تو اس کی قضا ظاہر مذہب کے مطابق ضروری نہیں کیوں کہ اس کے لیے روزہ شرط نہیں ہے۔

مالکیہ کے نزدیک کم از کم مدت (۸) ایک دن رات ہے۔ پسندیدہ امر یہ ہے کہ اعتکاف دس دن سے کم نہ ہو، رمضان کے روزوں میں یا رمضان کے علاوہ روزے رکھ کر اعتکاف کرے، روزے نہ رکھ کر اعتکاف کرنا درست نہیں، خواہ کسی عذر کی بنا پر روزے نہ رکھ سکتا ہو۔ جو روزے نہیں رکھ سکتا اس کا اعتکاف درست نہیں۔

شافعیہ کے نزدیک صحیح تر رائے یہ ہے (۹) کہ اعتکاف کے لیے شرط یہ ہے کہ مسجد میں اتنی دیر ٹھہرے جسے ٹھہرنا کہا جاسکے، جتنے وقت میں آدمی اطمینان سے رکوع وغیرہ کرتا ہے اس سے زیادہ وقت ہو، رکوع کی مقدار وقت کافی نہیں۔ سکون بھی واجب نہیں ہے بلکہ

اعتکاف کے دوران چلنے پھرنے سے بھی اعتکاف ہو جاتا ہے۔

حنابلہ کے نزدیک (۱۰) کم از کم وقت اتنا ہونا چاہیے جس کے گزارنے والے کو مسجد میں معتکف یا ٹھہرنے والا کہا جاسکے، خواہ ایک لمحہ کے لیے ہو۔ جمہور کے نزدیک تھوڑا سا وقت کافی ہے جب کہ مالکیہ نے کم از کم ایک دن رات کی شرط رکھی ہے۔

اعتکاف کی جگہ: حنفیہ کے نزدیک (۱۱) مرد یا باشعور لڑکے کے لیے اعتکاف کی جگہ ایسی مسجد ہے جہاں جماعت کے ساتھ نماز ہوتی ہو، یعنی جس مسجد کا امام اور مؤذن ہو، خواہ پانچوں نمازیں وہاں ادا کی جاتی ہوں یا نہ۔ جامع مسجد میں بالاتفاق اعتکاف جائز ہے کیوں کہ ابن مسعودؓ کا قول ہے: ”اس مسجد میں اعتکاف جائز ہے جس میں جماعت ہوتی ہو“۔ (۱۲) عورت اپنے گھر کی مسجد میں یعنی اس جگہ جو نماز کے لیے تیار کی گئی ہو اعتکاف کرے۔ ایسی جگہ تیار کرنا مستحب ہے۔ ہر ایک کو ایسی جگہ تیار کرنی چاہیے۔

حنابلہ کے نزدیک (۱۳) جس مرد کے لیے نماز باجماعت ضروری ہے اس کا اعتکاف ایسی مسجد کے علاوہ درست نہیں جس میں جماعت ہوتی ہو۔ مسجد کے بغیر بالاتفاق اعتکاف صحیح نہیں ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: وَلَا تَبَاشِرُوْهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ (البقرہ ۲: ۱۸۷)، جب تم مساجد میں اعتکاف میں ہو تو بیویوں سے مباشرت نہ کرو) اگر کسی دوسری جگہ اعتکاف درست ہوتا تو مباشرت کی حرمت کے سلسلے میں مساجد کا بطور خاص ذکر نہ کیا جاتا کیوں کہ اعتکاف میں مباشرت مطلقاً حرام ہے۔ مسجد کی شرط اس لیے ہے کہ اس میں لوگ جمع ہوتے ہیں کیوں کہ جماعت واجب ہے۔ ایسی مسجد جس میں جماعت نہ ہوتی ہو اس میں اعتکاف کے لیے بیٹھنا دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو جماعت ترک کرنا پڑے گی، جو واجب ہے یا جماعت کے لیے اعتکاف سے باہر آنا پڑے گا اور بار بار

اعتکاف سے نکلنا حالانکہ اس سے بچا جا سکتا تھا اعتکاف کے منافی ہے، کیوں کہ اعتکاف نام ہی ایک جگہ ٹھہرنے اور اللہ کی اطاعت سے وابستہ ہو جانے کا ہے۔

ہر مسجد میں اعتکاف مندرجہ ذیل صورتوں میں جائز ہے:

۱- اگر اعتکاف اس وقت کا ہو جو نماز کا وقت نہیں مثلاً رات کا یا دن کے کچھ حصے کا اعتکاف ہو، اس صورت میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اگر کسی مسجد میں کسی نماز کی جماعت ہوتی ہو تو اس دوران میں اس مسجد میں اعتکاف جائز ہے۔

۲- اگر معتکف ایسا شخص ہو جس پر جماعت کی نماز واجب نہیں مثلاً بیمار، معذور، عورت یا لڑکا ہے اور ایسی بستی میں ہے جہاں اس کے علاوہ کوئی نمازی نہیں، اس کے لیے ہر مسجد میں اعتکاف جائز ہے کیوں کہ وہاں اس پر جماعت واجب نہیں ہے۔ عورت کے لیے گھر کی مسجد میں اعتکاف جائز نہیں کیوں کہ وہ نہ حقیقتاً مسجد ہے نہ حکماً۔ اگر ایسا جائز ہوتا تو امہات المؤمنین گھر میں اعتکاف میں بیٹھتیں، کم از کم ایک بار ہی سہی تاکہ اس کا جواز معلوم ہو سکے۔

جب عورت اعتکاف میں بیٹھے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ کسی چیز سے پردہ کر لے کیوں کہ جب ازواج مطہرات اعتکاف کرنا چاہتیں تو انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ مسجد میں اپنے لیے باپردہ جگہ بنا لیں اور وہ الگ جگہ بنا لیتیں، چوں کہ مسجد میں مرد آتے ہیں، اس لیے مردوں اور عورتوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ ایک دوسرے کو نہ دیکھیں۔

جس شخص پر جماعت واجب ہے اس کا اعتکاف ایسی مسجد میں درست نہیں جس میں صرف نماز جمعہ پڑھائی جاتی ہے، بخگانہ جماعت نہیں ہوتی، بشرطیکہ اعتکاف اتنے وقت کا ہے جس میں نماز کا وقت آتا ہے، تاکہ اس کی جماعت نہ رہ جائے۔

یاد رہے کہ مسجد کی سطح، اس کا صحن جس کو چار دیواری سے گھیر کر اس پر دروازہ لگا دیا گیا ہو، مسجد کا مینار جو مسجد میں ہو یا جس کا دروازہ مسجد میں ہو مسجد کا حصہ ہیں کیوں کہ جنبی کے لیے وہاں داخل ہونا ممنوع ہے، جیسا کہ بیان کیا گیا۔

اسی طرح مسجد میں کیے گئے اضافے بھی مسجد ہیں حتیٰ کہ ثواب بھی اتنا ہی ملتا ہے، خواہ مسجد حرام ہو یا مسجد نبوی۔ کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر یہ مسجد صنعاء تک پھیل جائے تو میری مسجد ہی رہے گی۔“ (۱۳) حضرت عمرؓ نے جب مسجد نبویؐ میں اضافہ کیا تو فرمایا: ”اگر ہم اس میں اضافہ کر دیں حتیٰ کہ جہانہ تک پہنچ جائے تب بھی مسجد نبویؐ ہی رہے گی۔“

اگر کسی ایسے شخص نے جس پر جمعہ واجب نہیں مثلاً مسافر یا عورت نے کسی ایسی مسجد میں اعتکاف کیا، جہاں جمعہ نہیں پڑھا جاتا تو اگر اس نے جمعہ کے لیے نکلنے کی شرط اعتکاف میں نہیں رکھی تو جمعہ کے لیے جانے سے اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ اگر شرط رکھی تو جائز ہے کیوں کہ جمعہ کے لیے نکلنا لازمی ہوگا۔

افضل یہ ہے کہ اگر اعتکاف کے دوران جمعہ آتا ہو تو ایسی مسجد میں اعتکاف کرے جہاں جمعہ ہوتا ہو تاکہ اعتکاف چھوڑ کر جمعہ کے لیے نہ نکلنا پڑے جب کہ اس سے بچا جاسکتا تھا۔

اگر تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد میں اعتکاف یا نماز پڑھنے کی نذر مانی تو کسی بھی مسجد میں اعتکاف کرنے یا نماز پڑھنے سے منت پوری ہو جائے گی کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے عبادت کے لیے کوئی جگہ مختص نہیں کی۔ نذر سے جگہ متعین نہیں ہوتی۔ اگر متعین ہو جائے تو سفر کی ضرورت پیش آتی ہے۔

اگر تین مساجد، مسجد حرام، مسجد نبویؐ اور مسجد اقصیٰ میں سے کسی مسجد میں اعتکاف

کرنے یا نماز پڑھنے کی نذر مانی تو دوسری جگہ ادا کرنے سے نذر پوری نہیں ہوگی کیوں کہ ان جگہوں پر عبادت کا ثواب دوسری جگہوں کی بہ نسبت زیادہ ہے، اس لیے مقرر کرنے سے مقرر ہو جاتی ہیں ان تینوں مساجد میں سے کوئی جگہ مقرر کی ہے تو وہاں سفر کر کے جائے کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے: ”تین مساجد کے علاوہ اور کسی مسجد کے لیے سفر نہ کیا جائے۔ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد“۔ (۱۵)

مسجد حرام سب سے افضل ہے، پھر مسجد نبویؐ پھر مسجد اقصیٰ (۱۶) اگر نذر میں سب سے افضل یعنی مسجد حرام مقرر کی تو دوسری کسی مسجد میں اعتکاف کرنے یا نماز پڑھنے سے نذر پوری نہیں ہوگی کیوں کہ اور کوئی مسجد اس کے برابر نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں (۱۷) اعتکاف کی جگہ ساری مساجد ہیں، گھر کے اندر مقرر کی ہوئی مسجد میں اعتکاف جائز نہیں۔ جس شخص نے اتنی مدت کے اعتکاف کی نیت کی جس کے دوران جمعہ آتا ہو تو جامع مسجد میں اعتکاف کرنا متعین ہو جاتا ہے، کیوں کہ اگر جمعہ کے لیے نکلے گا تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ جس جگہ نذر پوری کرنے کی تعیین کی ہو نذر ماننے والے کو اسی جگہ نذر پوری کرنی چاہیے۔ اگر مسجد حرام یا مسجد نبویؐ میں اعتکاف کرنے یا نماز پڑھنے کی منت مانی ہو تو وہیں پورا کرنا واجب ہے۔ مالکیہ کے نزدیک مدینہ مکہ سے افضل ہے اور مسجد نبویؐ مسجد حرام سے افضل ہے، اس کے بعد مسجد اقصیٰ ہے کیوں کہ دارقطنی اور طبرانی نے رافع بن خدیجؓ سے روایت کی ہے کہ: ”مدینہ مکہ سے بہتر ہے“، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا میں ہے: ”اے اللہ تو نے مجھے میرے پسندیدہ شہر سے نکالا تو مجھے اپنے پسندیدہ شہر میں ٹھکانا دے“۔ طبرانی نے بلال بن حارث مزنی سے روایت کی کہ مدینہ کا رمضان دوسری جگہوں کے ایک ہزار رمضان سے بہتر ہے اور مدینہ کا جمعہ

دوسری جگہوں کے ایک ہزار جمعوں سے بہتر ہے۔“

شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے (۱۸) کہ اعتکاف مسجد میں ہی صحیح ہے خواہ اس کی چھت پر ہو یا اور کسی جگہ جو مسجد کے تابع ہو اور دوسری مساجد کی بہ نسبت جامع مسجد میں اعتکاف کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (۱۹) تاکہ جن فقہاء کے نزدیک جامع مسجد میں اعتکاف واجب ہے ان کے اختلاف سے بچ سکے، نیز اس میں نمازی زیادہ ہوتے ہیں اور جمعہ کے لیے دوسری مسجد جانے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ اگر کسی نے اتنی مدت کے مسلسل اعتکاف کی نیت کی جس میں جمعہ آتا ہو اور اعتکاف کرنے والے پر جمعہ واجب ہو اور اس نے اپنے اعتکاف میں جمعہ کے لیے جانے کی شرط نہ رکھی ہو تو اس کے لیے جامع مسجد میں اعتکاف کرنا واجب ہے۔

شافعیہ کا جدید مذہب یہ ہے کہ عورت اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف نہیں کر سکتی، یعنی ایسا الگ جگہ جو نماز کے لیے تیار کی جاتی ہے کیوں کہ وہ مسجد نہیں ہے، اسے تبدیل کیا جا سکتا ہے اور اس میں جنبی آدمی ٹھہر سکتا ہے اور ازواج مطہرات مسجد میں اعتکاف میں بیٹھتی تھیں اگر گھر میں بیٹھنا جائز ہوتا تو ان کے لیے بطریق اولیٰ جائز ہوتا۔

اگر کسی نے تین مساجد کے علاوہ کسی خاص مسجد میں اعتکاف میں بیٹھنے کی نذر مانی ہے تو جیسا کہ حنابلہ کی رائے ہے۔ کسی بھی مسجد میں اعتکاف کر کے نذر پوری کی جا سکتی ہے۔ ایک جگہ کو دوسری جگہ پر کوئی برتری حاصل نہیں، اس لیے کوئی مسجد متعین نہیں ہوگی۔

اگر نذر مانی کہ ان تین مساجد (مسجد حرام، مسجد نبویؐ اور مسجد اقصیٰ) میں سے کسی مسجد میں اعتکاف کرے گا تو وہیں اعتکاف کرنا ضروری ہے، کیوں کہ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ: ”میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں نے مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کرنے کی

نذر مانی ہے۔ آپ نے فرمایا: ”اپنی نذر پوری کرو“۔ (۲۰) مسجد حرام دوسری دونوں مساجد کے قائم مقام ہے کیوں کہ اس کی فضیلت زیادہ ہے اور اس سے حج کی عبادات متعلق ہیں، اس کے برعکس درست نہیں۔ دوسری دونوں مساجد مسجد حرام کے قائم مقام نہیں ہیں کیوں کہ وہ فضیلت میں ان سے کم ہیں۔ مسجد نبویؐ مسجد اقصیٰ کے قائم مقام ہے کیوں کہ اس سے افضل ہے لیکن اس کے برعکس نہیں کیوں کہ مسجد اقصیٰ فضیلت میں مسجد نبویؐ سے کم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک کسی بھی مسجد میں اعتکاف جائز ہے، حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں یہ شرط ہے کہ جامع مسجد میں اعتکاف کرے۔ جمہور کے نزدیک گھروں کی مسجد میں اعتکاف جائز نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک عورت کے لیے گھر کی مسجد میں اعتکاف جائز ہے۔

**بحث دوم: اعتکاف کا حکم، نذر اعتکاف میں معتکف پر کیا کیا چیزیں واجب ہوتی ہیں:**

اس میں دو مطالب ہیں:

**مطلب اول: اعتکاف کا حکم:**

نذر کے علاوہ اعتکاف کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ مستحب ہے لیکن تحقیق کی غرض سے اعتکاف کے سنت ہونے کے درجہ کو متعین کرنے کے لیے مذہبی آراء کی تفصیل بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

حنفیہ کے نزدیک (۲۱) اعتکاف کی تین قسمیں ہیں: واجب، سنت مؤکدہ اور مستحب۔

**واجب:** واجب اعتکاف وہ ہے جس کی منت مانی ہو، مثلاً یوں کہے کہ میں اللہ کے لیے ایک دن یا زیادہ مثلاً اعتکاف کروں گا۔

سنت مؤکدہ کفایہ: رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی وفات تک بلا ناغہ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرماتے رہے اور آپ کے بعد ازواج مطہرات اعتکاف کرتی تھی۔

مستحب: رمضان کے آخری عشرے اور نذر اعتکاف کے علاوہ کسی وقت بھی مستحب اعتکاف کیا جاسکتا ہے مثلاً مسجد میں داخل ہو تو اعتکاف کی نیت کرے۔ اس کا کم از کم وقت تھوڑی سی دیر ہے حتیٰ کہ اگر مسجد میں چلتا ہوا نکل گیا تب بھی فتویٰ یہی ہے کہ مستحب اعتکاف کیا جاسکتا ہے۔

نذر اعتکاف میں روزہ رکھنا شرط ہے اور مستحب میں شرط نہیں ہے۔ نذر اعتکاف کم از کم ایک دن ہے۔ اگر ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی تو درست نہیں خواہ اس کے ساتھ دن کی نذر بھی مانی ہو کیوں کہ رات روزے کا وقت نہیں ہے۔ اگر ساتھ دن کی نیت بھی کی تو اعتکاف درست ہے۔ دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں دن رات کے تابع ہے اور جب متبوع یعنی رات کے اعتکاف کی نذر باطل ہوگئی تو تابع یعنی دن کی نذر خود بخود باطل ہوگئی، دوسری صورت میں رات کا مطلقاً ذکر کیا اور اس سے مجاز مرسل کے طور پر دن مراد لیا، عام طور پر مطلقاً وقت کے لیے یعنی دن کے لیے رات کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، اس لیے مقصود دن ہوگا۔

اگر دن اور رات کے اعتکاف کی نیت کی تو اگرچہ رات روزے کا وقت نہیں ہے تاہم رات دن کے تابع ہو کر اس میں شامل ہو جائے گی۔

مالکیہ کہتے ہیں (۲۲) اعتکاف، ثواب اور نیکی کے کاموں میں سے ایک نفل نیکی ہے، شرعاً مستحب ہے، شریعت نے مردوں اور عورتوں کو اعتکاف کی ترغیب دی ہے بالخصوص



رمضان کے آخری عشرے میں نذر ماننے سے اعتکاف واجب ہو جاتا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ (۲۳) کہتے ہیں: اعتکاف سنت ہے یا ہر وقت مستحب ہے۔ اگر منت مانی ہو تو اسے پورا کرنا ضروری ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ اعتکاف کیا اور اللہ کا قرب چاہا اور آپ کے ساتھ اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے بھی اعتکاف کیا۔ اگر کسی نے اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو جس طرح نذر مانی یعنی مسلسل اعتکاف کی یا اور کسی طریقے سے اسی طرح پورا کرنا ضروری ہے، حدیث میں ہے ”جو اللہ کی اطاعت کی نذر مانے تو اس کی اطاعت کرے“۔ (۲۴) حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ: ”یا رسول اللہ میں نے ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی ہے“، آپ نے فرمایا: ”اپنی نذر پوری کرو“۔ (۲۵)

**مطلب دوم: نذر اعتکاف میں معتکف پر کیا کیا چیزیں واجب ہوتی ہیں؟**

جب کوئی مسلمان ایک دن یا چند دنوں کی اعتکاف کی نذر مانے تو کیا راتیں بھی اس میں شامل ہیں؟ کیا مسلسل اتنے دن اعتکاف کرنا واجب ہے؟ معتکف اپنا اعتکاف کب شروع کرے؟ غروب آفتاب سے پہلے یا طلوع فجر سے پہلے؟۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ راتیں دن کے ساتھ شامل ہیں اور نذر اعتکاف مسلسل کرنا ہوتا ہے مثلاً ایک ہفتہ یا ایک مہینہ، معتکف اس دن غروب آفتاب سے پہلے اعتکاف شروع کرے اور آخری دن غروب آفتاب کے بعد اعتکاف سے نکلے۔ شافعیہ کے نزدیک رات دن کے اعتکاف میں شامل نہیں صرف رمضان کے آخری عشرے کی راتیں شامل ہیں اور اظہر روایت کے مطابق مسلسل اعتکاف کی شرط نہ رکھی ہو تو مسلسل اعتکاف بھی ضروری نہیں اور معتکف طلوع فجر سے پہلے اعتکاف شروع کرے اور غروب آفتاب کے

بعد ختم کرے۔ (۲۶)

حنفیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جس کسی نے مثلاً دو دن یا زیادہ کا اعتکاف اپنے اوپر واجب کر لیا، وہ ان کی راتوں میں بھی اعتکاف کرے کیوں کہ راتیں دن کے تابع ہیں اور جب بھی جمع کے صیغے کے ساتھ دنوں کا ذکر کیا جائے تو راتیں شامل ہوتی ہیں اور اعتکاف مسلسل کرے، خواہ تسلسل کی شرط نہ لگائی ہو کیوں کہ اعتکاف کی بنیاد ہی تسلسل پر ہے جب کہ روزے میں ایسا نہیں ان کی بنیاد الگ الگ ایک ایک روزے پر ہے کیوں کہ راتیں روزے کا وقت نہیں اس لیے روزہ ایک ایک دن کا الگ الگ ہوتا ہے جب کہ اعتکاف سارے وقت کو شامل ہوتا ہے۔

پہلی رات اعتکاف میں شامل ہوتی ہے۔ پہلی رات غروب آفتاب سے پہلے مسجد میں داخل ہو اور آخری دن غروب آفتاب کے بعد مسجد سے نکلے۔

اگر کسی نے راتوں کے اعتکاف کی نذر مانی تو دن کا اعتکاف بھی واجب ہوگا۔ اگر دن کی منت مانی تو راتیں بھی مسلسل ساتھ شامل رہیں گی۔ یاد رہے کہ رات آنے والے دن کے تابع ہوتی ہے البتہ عرفہ اور قربانی کی راتیں پچھلے دن کے تابع ہیں، اس میں لوگوں کے لیے آسانی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں رات کی منت ماننے سے دن اس میں شامل ہو جاتا ہے، خواہ صرف رات کے اعتکاف کی نیت کی ہو، اگر کسی نے جمعرات کی رات کے اعتکاف کی نذر مانی اور وہ رات اور اس سے اگلا دن اس میں شامل ہو گیا۔ روزہ جو کہ نذر اعتکاف کے علاوہ بھی اعتکاف کی شرائط میں سے ہے، رکھنا لازم ہوتا ہے، جو نہی کوئی شخص اعتکاف شروع کرے، کم وقت کے لیے یا زیادہ کے لیے روزہ رکھے۔

معتکف کے لیے ضروری ہے کہ غروب آفتاب سے پہلے یا اس کے ساتھ ہی اعتکاف میں داخل ہوتا کہ پوری رات اعتکاف میں رہے اور غروب آفتاب کے بعد اعتکاف سے نکلے تاکہ پورا دن اعتکاف میں رہے۔

حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ جس کسی نے ایک ماہ کے اعتکاف کی منت مانی، اس کے لیے تسلسل واجب ہے اور راتیں بھی اس میں شامل ہیں۔ پہلی رات غروب آفتاب سے پہلے اعتکاف شروع کرے اور آخری دن غروب آفتاب کے بعد اعتکاف سے نکلے۔

اگر ایک دن کے اعتکاف کی منت مانی تو دن کو حصوں میں تقسیم کرنا جائز نہیں البتہ رات دن میں شامل نہیں ہوگی اور معتکف کے لیے ضروری ہے کہ طلوع فجر سے پہلے اعتکاف شروع کرے اور غروب آفتاب کے بعد اعتکاف سے نکلے کیوں کہ رات دن کا حصہ نہیں ہے، مہینے کا حصہ ہے۔ اگر مطلقاً دن کے الفاظ استعمال کیے تو مسلسل اعتکاف کرنا واجب ہے کیوں کہ اس سے مفہوم یہی لیا جاتا ہے جیسا کہ مسلسل کا لفظ کہا ہو تو مسلسل اعتکاف کرنا ہوگا، اسی طرح اگر ایک مہینہ اعتکاف کی نذر مانی تو مسلسل اعتکاف واجب ہے جیسے اگر کوئی شخص قسم کھاتا ہے کہ وہ ایک مہینہ زید سے بات نہیں کرے گا یا ایلاء کی مدت یا نامرد کو مہلت یا عدت کی مدت میں مسلسل مدت کا تصور ہوتا ہے جب کہ روزے میں ایسا نہیں۔ اگر دو مہینوں کے درمیان ایک مہینہ اعتکاف کر لیا، خواہ ان میں سے کوئی مہینہ انتیس کا ہو یا دو مہینوں میں تیس دن پورے کر لیے تو جائز ہے، راتیں دنوں کے ساتھ شامل ہیں کیوں کہ مہینہ دن رات کے مجموعے کا نام ہے، اس سے کم اعتکاف سے مہینہ پورا نہیں ہوگا۔

شافعیہ کے نزدیک اگر ایک دن کے اعتکاف کی نذر مانی تو بالاتفاق اس کے ساتھ

رات شامل نہیں ہوتی۔ رات دن کا حصہ نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ معتکف طلوع فجر سے پہلے اعتکاف شروع کرے اور غروب آفتاب کے بعد اعتکاف سے نکلے کیوں کہ دن فجر اور غروب آفتاب کے درمیان وقت کا نام ہے۔

اگر کسی متعین مہینے کے اعتکاف کی نذر مانی تو دن رات کا اعتکاف واجب ہوگا، راتیں ساتھ شامل ہوں گی، مہینہ خواہ ناقص ہو یا مکمل کیوں کہ دو چاندوں کے طلوع کے درمیان کے وقفے کو مہینہ کہتے ہیں خواہ وہ انتیس دن ہوں یا تیس، ہاں اگر اپنی منت کے الفاظ میں کوئی استثناء کر دے۔ اور اگر مہینے کے صرف دنوں کے اعتکاف کی منت مانے تو راتیں شامل نہیں ہوں گی، صرف دنوں کا اعتکاف کرنا ہوگا اس رائے میں حنابلہ اور شافعیہ متفق ہیں۔

اکثر شافعیہ کے نزدیک راجح رائے یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مسلسل اعتکاف کی نیت کی یا راتوں کا صراحتاً ذکر کیا تو راتیں شامل ہوں گی ورنہ نہیں ہوں گی۔

صحیح یہ ہے کہ اعتکاف میں اگر تسلسل کا ذکر نہ کیا جائے تو تسلسل واجب نہیں ہوتا۔ اگر کسی نے ایک دن کے اعتکاف کی نیت کی تو اس کے اوقات کو تقسیم کرنا درست نہیں۔ اگر کسی شخص نے متعین طور پر کسی ہفتے کے اعتکاف کی نذر مانی اور اس میں تسلسل کا ارادہ کیا، پھر اس ہفتے اعتکاف نہ کر سکا تو قضا میں بھی تسلسل واجب ہے اور اگر تسلسل کا ارادہ نہیں کیا تھا تو قضا میں بھی تسلسل ضروری نہیں ہے کیوں کہ ایسی منت میں تسلسل منت کا حصہ نہیں ہے بلکہ وقت کے تعین کے لیے ہے۔ اس لیے یہ رمضان میں تسلسل کے مشابہ ہے۔

اگر کسی نے منت مانی کہ میں رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کروں گا تو

راتیں اس میں شامل ہیں حتیٰ کہ پہلی رات بھی شامل ہے اور اگر مہینہ انتیس کا ہوتا ہے تو بھی اعتکاف مکمل ہے کیوں کہ آخری عشرے کا اطلاق بیس رمضان سے آخر رمضان کے دنوں پر ہوتا ہے، البتہ اگر کسی نے یوں منت مانی کہ مہینے کے آخری دس دن کا اعتکاف کرے گا تو اگر مہینہ انتیس کا ہو گیا تو اعتکاف ختم نہ کرے کیوں کہ دس دن مکمل نہیں ہوئے، اس کی نیت کے مطابق اعتکاف پورا نہیں ہوا، اس لیے ایک دن مزید اعتکاف کرے۔

اگر کسی شخص نے ایک متعین دن کے اعتکاف کی نذر مانی، اس روز اعتکاف نہیں کر سکا، رات کو قضا کر لیا تو جائز ہے۔ اگر کسی نے منت مانی کہ جس روز زید آئے گا اعتکاف کروں گا اور زید رات کو آیا تو معتمد قول یہ ہے کہ پورا دن اعتکاف کرے۔ یہ تب ہے کہ زید زندہ اپنے اختیار سے آیا ہو، اگر اس کی لاش آئی یا اسے زبردستی لایا گیا تو نذر واجب نہیں ہوتی۔

### بحث سوم: اعتکاف کی شرائط:

اعتکاف کے صحیح ہونے کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں: (۲۷)

۱- اسلام: کافر کا اعتکاف درست نہیں کیوں کہ اعتکاف اسلام کے اعمال میں سے ہے۔  
 ۲- عقل و شعور: دیوانے وغیرہ کا یا بے شعور بچے کا اعتکاف درست نہیں کیوں کہ یہ افراد عبادات کی اہلیت نہیں رکھتے۔ ان کا اعتکاف صحیح نہیں ہے جیسے کہ کافر کا صحیح نہیں البتہ شعور رکھنے والے لڑکے کا اعتکاف صحیح ہے۔

۳- اعتکاف مسجد میں ہو: گھروں میں اعتکاف درست نہیں، جیسا کہ بیان ہوا البتہ حنفیہ کے نزدیک عورت اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کر سکتی ہے، یعنی اس جگہ جسے وہ نماز کے لیے متعین کرے۔

۴- نیت بالاتفاق شرط ہے: نیت کے بغیر اعتکاف نہیں ہوتا کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے، ہر شخص کو وہی ملے گا، جس کی وہ نیت کرے گا۔“ کیوں کہ یہ خالص عبادت ہے اس لیے نماز، روزے اور دوسری عبادتوں کی طرح بلا نیت درست نہیں ہے۔ شافعیہ نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر فرض اعتکاف ہے تو فرض کی متعین نیت کرنا ضروری ہے تاکہ نفل اعتکاف سے ممتاز ہو جائے۔

۵- روزہ: مالکیہ کے نزدیک روزہ مطلقاً ہر اعتکاف کے لیے شرط ہے، حنفیہ کے نزدیک فقط نذر اعتکاف کے لیے شرط ہے، نفل اعتکاف کے لیے نہیں، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک روزہ اعتکاف کے لیے شرط نہیں ہے۔ روزے کے بغیر اعتکاف ہو جاتا ہے، ہاں اگر نذر مانتے ہوئے اعتکاف کے ساتھ روزے کی بھی نذر مانی ہو تو روزہ ضروری ہے۔ مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک اگر نذر اعتکاف نہ ہو تو صرف رات کا اعتکاف بھی درست ہے۔ روزے کو شرط قرار دینے والوں کی دلیل یہ حدیث ہے: ”روزے کے بغیر اعتکاف نہیں ہوتا“۔ (۲۸)

جو فقہاء روزے کو شرط قرار نہیں دیتے ان کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے کہا: ”یا رسول اللہ میں نے مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کرنے کی نذر مانی ہے،“ آپؐ نے فرمایا: ”اپنی نذر پوری کرو“۔ (۲۹) ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے اپنے آپ پر واجب کر لیا تھا کہ ایک دن اعتکاف کریں گے۔ اس میں انہوں نے روزے کی شرط نہیں رکھی تھی اور رات کے اعتکاف کے درست ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ کی شرط نہیں کیوں کہ رات میں روزہ نہیں رکھا جا سکتا۔ نیز ابن عباسؓ کی روایت ہے: ”معتکف کے ذمے روزہ نہیں ہے ہاں اگر وہ خود اپنے اوپر واجب کر لے تو پھر واجب ہوگا“۔ (۳۰)

۶۔ جنابت (حیض اور نفاس سے پاک ہونا): جمہور کے نزدیک شرط ہے، البتہ مالکیہ کے نزدیک جنابت سے پاک ہونا اعتکاف درست ہونے کی شرط نہیں مسجد میں ٹھہرنا جائز ہونے کی شرط ہے۔ اگر معتکف کو احتلام ہو جائے تو اس پر غسل واجب ہے۔ اگر مسجد میں پانی ہو تو وہیں غسل کرے ورنہ مسجد کے باہر۔

اسی طرح حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ جنابت سے پاک ہونا اعتکاف کے جائز ہونے کی شرط ہے، اعتکاف کے درست ہونے کی نہیں ہے۔ اگر جنبی نے اعتکاف کر لیا تو اس کا اعتکاف صحیح ہے لیکن حرام ہے۔ حیض و نفاس سے پاک ہونا واجب یعنی نذر اعتکاف کے درست ہونے کی شرط ہے کیوں کہ اس کے لیے روزہ شرط ہے اور حیض و نفاس کی موجودگی میں روزہ نہیں ہوتا۔

۷۔ بیوی کے لیے شوہر کی اجازت: حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط ہے۔ شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کا اعتکاف درست نہیں۔ خواہ اس نے اعتکاف کی منت مانی ہو۔ مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کا اعتکاف تو درست ہے مگر گنہ گار ہوگی۔

ابن جزئی مالکی نے ایک اور شرط کا اضافہ کیا ہے اور وہ ہے دن رات حسب استطاعت عبادت بالخصوص نماز، ذکر اور بالخصوص تلاوت میں مصروف رہنا، یہ ابن القاسم کی رائے ہے اور ابن وہب کی رائے یہ ہے کہ تمام اعمال آخرت میں مصروف رہے۔ پہلی رائے کے مطابق جو رائج ہے۔ اعتکاف کے دوران جنازے میں شریک نہ ہو اور نہ مریض کی عیادت کرے اور نہ علم کی درس و تدریس کرے۔ دوسری رائے کے مطابق یہ سب کام کر سکتا ہے۔

## بحث چہارم: معتکف کے لیے پابندیاں اور جائز امور

فقہاء کا اتفاق ہے کہ واجب اعتکاف میں معتکف پر مسجد میں ٹھہرنا واجب ہے تاکہ اعتکاف کا رکن پورا ہو یعنی مسجد میں ٹھہرنا، اپنے آپ کو مسجد سے وابستہ رکھنا اور پابند رہنا۔ کسی شرعی عذر، ضرورت یا حاجت کے بغیر مسجد سے باہر نہ نکلے۔

حنفیہ کے نزدیک (۳۱)

معتکف کے لیے نفل اور سنت مؤکدہ اعتکاف میں نکلنا جائز ہے کیوں کہ اعتکاف میں نکلنے کی ممانعت ہے، اعتکاف اس سے باطل نہیں ہوتا۔ لیکن اگر مسنون اعتکاف شروع کر دیا یعنی رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کی نیت سے اعتکاف شروع کیا، پھر اسے توڑ دیا تو اس کی قضا واجب ہے یعنی پورے دس دن کی، یہ امام ابو یوسف کی رائے ہے اور جس دن کا اعتکاف توڑ دیا، اس کی قضا کرے، یہ جمہور حنفیہ کی رائے ہے۔

جو شخص واجب اعتکاف میں بیٹھا ہو اس کے لیے کسی عذر شرعی کے علاوہ مسجد سے باہر نکلنا حرام ہے مثلاً جمعہ اور عیدین کی نمازوں کے لیے اس وقت نکلے جب کہ ٹھیک وقت پر نمازیں مل جائیں اور جمعہ سے پہلے کی سنتیں بھی پڑھ سکے، پھر لوٹ آئے، اگر اپنا اعتکاف جامع مسجد میں پورا کر لے تو جائز ہے لیکن مکروہ۔

یا کسی طبعی حاجت کے لیے مسجد سے نکلنا جائز ہے مثلاً پیشاب، پانچخانہ، نجاست کا ازالہ، احتلام ہو جائے تو غسل جنابت کے لیے۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ حاجت کے علاوہ اپنے اعتکاف سے باہر تشریف نہیں لاتے تھے۔

یا کسی ضروری حاجت کی غرض سے باہر آ سکتا ہے مثلاً مسجد گر رہی ہو یا کوئی گواہی دینی ہو جس کے بارے میں پہلے سے طے ہو یا اپنی جان یا سامان کا شریکوں سے خوف



ہو یا کوئی ظالم اسے زبردستی وہاں سے نکال دے یا اہل مسجد کو در بدر کر دے۔ ایسی صورت میں اسی وقت دوسری مسجد میں جا کر معتکف ہو جائے۔

اگر بھولے سے ہی بلا عذر تھوڑی دیر کے لیے باہر نکل گیا تو واجب اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور دوسرا اعتکاف ختم ہو جائے گا۔ واجب اعتکاف فاسد ہو جائے تو اس کی قضا کرے البتہ اگر مرتد ہونے کی وجہ سے اعتکاف فاسد ہوا ہو تو پچھلا اعتکاف بھی ختم ہو جائے گا۔

اگر کسی ایسے عذر کی بنا پر مسجد سے نکل گیا جو بالعموم پیش آتا ہے مثلاً طبعی اور شرعی ضرورتیں تو اس کی وجہ سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا اور اگر کسی نادر عذر کی وجہ سے باہر نکل گیا مثلاً کسی ڈوبنے والے کو بچانے کے لیے یا مسجد کے گرنے کی وجہ سے تو گنہ گار نہیں ہو گا لیکن اگر فوراً کسی دوسری مسجد میں داخل نہ ہو تو اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

مریض کی عیادت، جنازے کے ساتھ جانے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے، خواہ پہلے سے طے کیا ہو البتہ گنہ گار نہیں ہو گا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں: ”معتکف کے لیے سنت یہ ہے کہ مریض کی عیادت کرے نہ جنازے پر جائے نہ عورت کو ہاتھ لگائے، نہ بغل گیر ہو اور کسی ضروری حاجت کے بغیر مسجد سے باہر نہ نکلے۔ روزے کے بغیر اعتکاف نہیں ہوتا اور جامع مسجد کے بغیر اعتکاف نہیں ہوتا“۔ (۳۲)

کھانا پینا، سونا، اپنے لیے اور اپنے خاندان کے لیے معاہدے کرنا مثلاً خرید و فروخت، نکاح اور طلاق سے رجوع وغیرہ سب کام اعتکاف میں رہتے ہوئے کرنے چاہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھکانا مسجد ہی تھا اور یہ سارے کام مسجد میں کیے جاسکتے ہیں۔ ان کاموں کے لیے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں۔

مسجد میں سودا سلف لائے بغیر مسجد کے اندر رہتے ہوئے خرید و فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ بسا اوقات کوئی ایسا آدمی نہیں ہوتا جو یہ کام کر کے دے۔ البتہ مسجد میں تجارت کی غرض سے خرید و فروخت یا سامان تجارت یا سودا سلف لانا مکروہ ہے اور جو شخص اعتکاف میں نہ ہو اس کے لیے مطلقاً مسجد میں خرید و فروخت مکروہ ہے، کیوں کہ مسجد حقوق العباد سے آزاد اور ماورا ہے اس میں اپنی مصروفیات ہیں۔ حدیث میں ہے: ”اپنی مساجد یا ہماری مساجد کو بچوں، دیوانوں، خرید و فروخت اور لڑائی جھگڑوں سے بچا کر رکھو“۔ (۳۳) حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں خرید و فروخت سے گم شدہ چیز کے اعلان کرنے سے اور اشعار پڑھنے سے اور نماز جمعہ سے پہلے حلقہ بنا کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ (۳۴)

معتکف کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے مسجد میں کھانا، پینا اور سونا مکروہ ہے۔ ہاں مسافر اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ ابن نجیم کی الاشباہ والنظائر میں ہے۔ ابن کمال نے کہا ہے کہ مسجد میں کھانا، پینا، سونا مطلقاً جائز ہے، مقیم ہو چاہے مسافر، چت لیٹے چاہے تکیہ لگا کر، پاؤں قبلہ رخ ہوں یا کسی اور طرف۔

مالکیہ کہتے ہیں (۳۵) کہ اپنی اعتکاف کی جگہ سے چار کاموں کے علاوہ اور کسی ضرورت کے لیے نہ نکلے: انسانی ضرورت کے لیے، اپنے کھانے پینے کی چیزیں خریدنے کے لیے، بیماری کی وجہ سے اور حیض کے باعث جب ان میں سے کسی ضرورت سے بھی نکلے گا تو یہ سمجھا جائے گا کہ اعتکاف میں ہی ہے تا آنکہ واپس اپنی جگہ لوٹ آئے۔ مریض کی عیادت، نماز جنازہ، آذان کہنے کے لیے مینار پر یا مسجد کی چھت پر نہ جائے۔ قریب موجود آدمی کو سلام کہہ سکتا ہے۔ مختلف اقسام کی خوشبو لگا سکتا ہے۔ معتکف کے علاوہ

دوسرے روزہ دار کے لیے خوشبو لگانا مکروہ ہے۔ کیوں کہ اعتکاف کی صورت میں اس کے لیے ایک ایسی رکاوٹ موجود ہے جو اس کے اعتکاف کو توڑنے سے بچاتی ہے بالخصوص جب کہ وہ مسجد میں بھی ہے۔ شادی کرنا اور کرانا بھی جائز ہے۔ جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں ان کے علاوہ بھی کپڑے ساتھ رکھ سکتا ہے، کیوں کہ ان کی ضرورت ہوتی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں (۲۶) معتکف کے لیے جائز نہیں کہ مسجد سے بلا عذر نکلے، کیوں کہ حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے: ”رسول اللہ ﷺ اپنا سر مبارک مسجد میں ہوتے ہوئے میری طرف کر دیتے تھے اور میں اسے کنگھی کر دیتی تھی۔ وہ جب اعتکاف میں ہوتے تو گھر میں انسانی حوائج کے علاوہ داخل نہیں ہوتے تھے“۔ (۲۷) پس اپنا سر یا پاؤں باہر نکالنے یا طبعی ضرورت کے لیے باہر نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا، کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث اس کی دلیل ہے۔ اگر بلا عذر اعتکاف سے نکل گیا تو اعتکاف باطل ہو جاتا ہے کیوں کہ اس نے اعتکاف کے منافی عمل کیا ہے یعنی مسجد میں ٹھہرنا۔

مسجد کے منارے میں اذان کے لیے جانا جائز ہے۔ اگرچہ مسجد کے باہر ہو یا مسجد کے صحن میں ہو (یعنی جو جگہ مسجد کی طرف منسوب ہو اور مسجد کے احاطے میں ہو) یہی راجح قول ہے۔ اس سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔ کھانا کھانے کے لیے گھر جانا جائز ہے۔

فقہاء کے تصریحات میں ہے کہ اس سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا کیوں کہ مسجد میں کھانا کھانا مروت کے خلاف ہے اس لیے ضروری نہیں ہے جیسے اگر مسجد میں پانی نہ ہو تو پانی پینے کے لیے باہر جانا جائز ہے۔

نفل اعتکاف میں نماز جنازہ اور مریض کی عیادت کے لیے جانا جائز ہے۔ فرض اعتکاف میں ان کاموں کے لیے نہ نکلے۔ اگر ان دو کاموں کے لیے باہر نکل گیا تو اس کا

اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

اگر معتکف پر جمعہ فرض ہے تو نماز جمعہ کے لیے نکلنا ضروری ہے، بشرطیکہ جامع مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ اعتکاف میں بیٹھا ہو، کیوں کہ جمعہ شریعت میں فرض ہے۔ اعتکاف کی وجہ سے جمعہ چھوڑنا جائز نہیں۔ امام شافعی کی تصریحات کے مطابق جمعہ کے لیے جانے سے اعتکاف بھی باطل ہو جائے اور اعتکاف کا تسلسل بھی، صحیح تر اور مشہور قول یہی ہے، کیوں کہ معتکف کے لیے ممکن تھا کہ وہ ایسی مسجد میں اعتکاف نہ کرتا جو جامع مسجد نہیں تھی، اس طرح جمعہ کے لیے جانے سے بچ جاتا جب اس نے اس کا اہتمام نہیں کیا تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

معتکف کے لیے گواہی ادا کرنے کے لیے اعتکاف سے نکلنا تب ضروری ہے، جب اس کے ذمے گواہی کی ادائیگی متعین ہو جائے، کیوں کہ یہ ذمہ داری بندے کے حق سے متعلق ہے، اس لیے اعتکاف پر مقدم ہے۔ اس کی وجہ سے راجح قول کے مطابق اعتکاف باطل نہیں ہوتا، کیوں کہ اس صورت میں نکلنے پر مجبور ہے۔ اگر اعتکاف میں بیٹھی ہوئی عورت کو طلاق ہو جائے تو وہ عدت گزارنے کے لیے وہاں سے نکل جائے، اس سے اس کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا کیوں کہ وہ نکلنے پر مجبور ہے۔

اگر کسی کو ایسی بیماری ہو جائے جس سے مسجد آلودہ ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً اسہال یا سلس البول تو جس طرح انسانی حوائج کے لیے آدمی نکلتا ہے اسی طرح وہ بھی مسجد سے نکل جائے اس سے صحیح اور مشہور قول کے مطابق اعتکاف کا تسلسل نہیں ٹوٹے گا۔ اگر معمولی بیماری ہے جس کے ساتھ مسجد میں ٹھہرنا ممکن ہے مثلاً سردرد، دانت یا آنکھ وغیرہ کا درد تو مسجد سے نہ نکلے، اگر نکل گیا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ اگر بیماری شدید ہے کہ اس کے

ہوتے ہوئے مسجد میں قیام مشکل ہے کیوں کہ بستر بچھانے والے، خادم اور طبیب کے پاس آنے جانے کی ضرورت ہے تو ایسے شخص کے لیے مسجد سے نکلنا جائز ہے اور اس سے اعتکاف کا تسلسل ختم نہیں ہوگا۔

اگر کسی کو بے ہوشی آ جائے اور اسے اٹھا کر مسجد سے باہر لے جایا جائے تو اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔ کیوں کہ وہ اپنے اختیار سے اعتکاف سے نہیں نکلا، اگر مدہوش ہو گیا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ اگر مرتد ہو گیا، پھر مسلمان ہو گیا تو پہلے اعتکاف پر بنیاد رکھ کر اپنے اعتکاف کو جاری رکھے۔

اگر اعتکاف کرنے والی عورت کو حیض آ گیا تو مسجد سے نکل جائے، کیوں کہ اس کے لیے مسجد میں ٹھہرنا ممکن نہیں، اگر حیض اتنی مدت کے لیے ہو کہ اس میں حیض سے بچنا ممکن نہیں تو اعتکاف باطل نہیں ہوگا۔ جب پاک ہو جائے تو پہلے اعتکاف پر بنیاد رکھے، جیسے کہ مسلسل دو مہینے کے روزوں کے درمیان حیض آ جائے۔ اگر اس مدت میں حیض آئے جس میں حیض سے حفاظت ممکن تھی تو اعتکاف باطل ہو جائے گا جیسے مسلسل تین دن کے روزوں میں حیض آ جائے۔

جس حج کے لیے احرام باندھا ہوا ہو اس کے لیے نکلنے سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے کیوں کہ اعتکاف سے نکلنا ایک خود اختیاری عمل ہے جسے مؤخر کیا جاسکتا تھا۔

اگر کسی ظالم کے خوف سے مسجد سے نکل کر چھپ گیا تو اعتکاف باطل نہیں ہوگا کیوں کہ ایسے حالات میں نکلنے کے لیے مجبور ہونے کے باعث معذور ہے۔

اگر بھولے سے مسجد سے نکل گیا یا زبردستی نکال دیا گیا یا زبردستی اٹھا کر نکالا گیا یا کسی حاکم نے ظلماً نکال دیا تو اعتکاف باطل نہیں ہوگا کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”میری

امت سے خطا، نسیان اور زبردستی کرائے گئے کاموں کی ذمہ داری اٹھالی گئی ہے“ (۳۸) اگر حاکم نے کسی حق کی وجہ سے اسے نکالا، مثلاً اس پر کوئی حق واجب تھا، جس کی ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا تھا یا اس لیے نکالا کہ اس پر کوئی شرعی سزا، حد یا قصاص یا تعزیر جو اس کے اقرار کے ذریعے اس پر واجب ہوئی ہے تو اعتکاف باطل ہو جائے گا اور اگر شہادت وغیرہ کے ذریعے ثابت ہوئی ہے تو اعتکاف اور اس کا تسلسل کوئی چیز بھی باطل نہیں ہوگی۔ جب واپس آئے تو پہلے اعتکاف پر بنیاد رکھے۔

اگر کسی عذر کی وجہ سے مسجد سے نکلا، پھر عذر ختم ہو گیا اور واپس آ سکتا تھا لیکن نہیں آیا تو اعتکاف بلا عذر چھوڑ دیا، پس یہ ایسے ہی ہے جیسے بلا عذر مسجد سے نکل گیا ہو۔

معتکف کے لیے جائز ہے کہ جو لباس وہ اعتکاف کے سوا اور ایام میں پہنتا ہے وہی اعتکاف میں پہنے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں کہ آپ نے اعتکاف میں اپنا لباس تبدیل کیا ہو۔ اعتکاف میں خوشبو لگانا اور زیب و زینت کرنا جائز ہے کیوں کہ اگر خوشبو لگانا حرام ہوتی تو بالوں کو کنگھی کرنا بھی حرام ہوتی جیسا کہ احرام میں ہے، جب کہ بخاری و مسلم نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ اعتکاف میں ہوتے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کے بالوں کو کنگھی کرتیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خوشبو لگانا حرام نہیں ہے۔ خوشبو لگانے کے جواز پر قیاس کرتے ہوئے شادی کرنا اور کرانا بھی جائز ہے۔ علم پڑھنا، پڑھانا بھی کیوں کہ یہ سب کام اضافی نیکیاں ہیں۔ نیز یہ بھی جائز ہے کہ اپنے مال و اسباب کے بارے میں معمول کی ہدایات جاری کرے یا عام خرید و فروخت کرے لیکن زیادہ نہیں کیوں کہ مسجد کو خرید و فروخت کا مرکز بنانا جائز نہیں اگر زیادہ خرید و فروخت کی تو مسجد کے احترام کے باعث مکروہ ہے، اعتکاف باطل نہیں ہوگا۔ مسجد میں کھانا کھانا جائز ہے کیوں کہ

یہ تھوڑا اور ضروری عمل ہے۔ اس میں دسترخوان بچھانا جائز ہے کیوں کہ اس سے مسجد صاف رہتی ہے۔ مسجد میں ہاتھ دھوسکتا ہے، اگر تھالی وغیرہ میں دھوئے تو بہتر ہے۔

حنابلہ کے نزدیک (۳۹) جس معتکف کے لیے تسلسل واجب ہے مثلاً اس نے ایک مہینہ یا مسلسل چند یوم کے اعتکاف کی نذر مانی تھی تو اس کے لیے انسانی حوائج اور ضروری کاموں یا نماز جمعہ کے علاوہ مسجد سے نکلنا جائز نہیں کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے: ”معتکف کے لیے سنت یہ ہے کہ ضروری کام کے علاوہ مسجد سے نہ نکلے“ یعنی انسانی حوائج، پیشاب، پاخانہ، اچانک قے آجائے یا ناپاک ہو جائے اور نہانے کی حاجت ہو تو ان کاموں کے لیے نکل سکتا ہے اور حدث کے وقت طہارت یعنی غسل جنابت اور وضو کے لیے کیوں کہ جنبی آدمی کے لیے مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے اور بے وضو کی نماز نہیں ہوتی۔

اگر کوئی کھانے پینے کی اشیاء لانے والا نہ ہو تو معتکف کھانے پینے کی چیزیں لانے کے لیے نکل سکتا ہے۔ گھر جا کر کھانے پینے کے لیے نہیں نکل سکتا کیوں کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کیوں کہ مسجد میں کھانا پینا جائز ہے، اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔

اگر معتکف پر جمعہ واجب ہو تو جمعہ کے لیے نکلے کیوں کہ واجب کی ادائیگی کے لیے نکلنے سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا جیسے کہ عدت گزارنے کے لیے نکلنے سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا یا معتکف نے یہ شرط رکھی تھی کہ جمعہ کے لیے نکلے گا تو جمعہ واجب نہ ہو تب بھی نکل سکتا ہے کیوں کہ شرط کی وجہ سے گنجائش ہے اور جمعہ پڑھنے کے لیے جلدی جا سکتا ہے کیوں کہ جائز کام کے لیے نکل رہا ہے اس لیے جلدی جا سکتا ہے جیسے کہ آدمی اپنی ضرورت کے لیے جا سکتا ہے اور جمعہ کے بعد طویل وقت وہاں ٹھہر سکتا ہے کیوں کہ وہ جگہ بھی اعتکاف

کے لیے موزوں ہے اس لیے وہاں ٹھہرنا مکروہ نہیں ہے۔

اگر عام لام بندی میں جہاد کے لیے نکلنا ہو اور پہلے سے متعین ہو اور اس کی ضرورت ہو تو اس کے لیے بھی نکل سکتا ہے کیوں کہ جمعہ کی طرح جہاد بھی واجب ہے اور اگر گواہی کی ادائیگی معتکف پر متعین ہے تو اس کے لیے بھی نکل سکتا ہے۔ اگر اپنی جان یا عزت کا خوف ہو یا مال لٹ جائے یا جل جائے یا ڈوب جانے کا اندیشہ ہو تو بھی نکل سکتا ہے کیوں کہ یہ ایسے عذر ہیں جن کی وجہ سے شریعت نے واجب ترک کرنے کی اجازت دی ہے اور جمعہ کی طرح ہیں۔ اگر ایسا بیمار ہو جائے کہ مسجد میں ٹھہرنا ممکن نہ ہو یا ٹھہرنا سخت مشکل ہو جائے کہ کسی خادم کی ضرورت ہو تو نکلنا جائز ہے اور ان ضروریات کی وجہ سے نکلنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوگا۔

اگر معمولی بیماری ہو مثلاً سردی، معمولی بخار، دانت میں درد تو ان کی وجہ سے نکلنا جائز نہیں کیوں کہ یہ غیر ضروری کاموں کے لیے نکلنے کے مترادف ہے جیسے رات گزارنے کے لیے گھر جانا۔

اگر کوئی حاکم وغیرہ زبردستی اعتکاف کی جگہ سے اٹھا کر یا ویسے نکال دے یا جو نقصان پہنچا سکتا ہے وہ دھمکی دے کر نکال دے یا مسلط ہو جائے مثلاً چور، ڈاکو وغیرہ اور اس کی وجہ سے خود نکل آئے تو اس سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا کیوں کہ یہ ایسے امور ہیں جن کی وجہ سے جمعہ اور جماعت چھوڑے جاسکتے ہیں، پس مریض اور حیض والی عورت کے مشابہ ہو جائے گا۔

اگر بھولے سے مسجد سے نکل گیا تو اعتکاف باطل نہیں ہوگا کیوں کہ مذکورہ بالا حدیث میں ہے کہ: ”میری امت کو خطا، نسیان اور زبردستی کرواتے ہوئے کام معاف





اعتکاف کے علاوہ بھی ممنوع ہے تو اعتکاف میں بطریق اولیٰ ناجائز ہے۔ دوسرے سارے امور جو مذکور ہیں اسی کے مشابہ ہیں اور ان کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

معتکف کے لیے تجارت کرنا یا معاش کا ذریعہ اختیار کرنا جائز نہیں بجز اس کے جس کے بغیر چارہ کار نہ ہو کیوں کہ مساجد میں خرید و فروخت کی ممانعت آئی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہے۔

مسجد میں نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور نہ نکاح کا گواہ بننے میں۔ کیوں کہ اعتکاف عبادت ہے جو اچھے کاموں کو حرام قرار نہیں دیتی۔ روزے کی طرح نکاح کو بھی حرام قرار نہیں دیتی۔ عقد نکاح ایک نیکی ہے اس میں شرکت باعث ثواب ہے، اس میں زیادہ وقت صرف نہیں ہوتا کہ اعتکاف میں خلل اندازی ہو، اس لیے مکروہ نہیں ہے جیسے کہ چھینکنے والے کو یرحمک اللہ کہنا یا سلام کا جواب دینا۔

صفائی کے مختلف طریقوں سے صاف ستھرا رہنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ رسول اللہ ﷺ اعتکاف کی حالت میں بالوں کو کنگھی کر لیا کرتے تھے۔ معتکف خوشبو لگا سکتا ہے، عمدہ اور قیمتی لباس پہن سکتا ہے لیکن یہ مستحب نہیں۔

مسجد میں معتکف کے لیے کھانا کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں، دستر خواں رکھ لے تاکہ مسجد آلودہ نہ ہو اور ہاتھ کسی تھال وغیرہ میں دھو لے، ہاتھ دھونے کے لیے مسجد سے باہر نہ نکلے کیوں کہ اس کے بغیر گزارا ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ واجب اعتکاف میں چارہ وجوہ کی بنا پر مسجد سے نکل سکتا ہے:

- ۱۔ ایسے کام کے لیے جس کی وجہ سے اعتکاف میں قضا اور کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ مثلاً انسانی حوائج اور ایسے کاموں کے لیے نکلنا جن کے بغیر چارہ کار نہیں۔

۲- جن کی وجہ سے اعتکاف میں قضا ہے کفارہ نہیں مثلاً حیض کی وجہ سے نکلنا۔  
 ۳- جن کی وجہ سے قضا بھی ہے اور قسم کا کفارہ بھی۔ کسی ایسے فتنہ کے باعث نکلنا کہ اگر مسجد میں بیٹھا رہا تو جان کا خوف ہے یا مال چھن جانے یا جل جانے کا۔ جب امن ہو جائے تو سابقہ اعتکاف پر بنیاد رکھے۔ اگر متعین دنوں کی نذر مانی تھی تو جو دن چھوٹ گئے ان کی قضا کرے اور قسم کا کفارہ ادا کرے۔

۴- جن کی وجہ سے قضا ہے اور کفارے کے بارے میں دو آراء ہیں: ایسا کام جس کے لیے نکلنا واجب ہو مثلاً جہاد کی عام لام بندی کے لیے، عدت کے لیے یا گواہی دینے کے لیے۔ قاضی ابو یعلیٰ کی رائے یہ ہے کہ ان صورتوں میں کفارہ نہیں کیوں کہ یہ کام اللہ کے حق کے طور پر واجب ہیں، پس حیض کے مشابہ ہیں اور خرقی کے کلام کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ کفارہ واجب ہے کیوں کہ یہ معمول کے خلاف اعتکاف سے نکلنا ہے، اس لیے اسی طرح کفارہ واجب ہوگا جیسے کسی فتنہ کے باعث نکلے۔

بحث پنجم: معتکف کے آداب، اعتکاف کے مکروہات اور اعتکاف توڑنے والی چیزیں:

الف- معتکف کے آداب (۴۰)

۱- معتکف کے لیے مستحب ہے کہ جس قدر ممکن ہو دن، رات نماز، تلاوت قرآن، ذکر اللہ مثلاً لا الہ الا اللہ، استغفار کرنے اور فکر قلبی، آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور اللہ کی حکمتوں کی باریکیوں پر غور کرے اور رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے، قرآن حکیم کی تفسیر، حدیث، سیرت، انبیاء و صالحین کے قصص و حکایات، علم کی درس و تدریس وغیرہ خالص عبادات میں مشغول رہے۔ مالکیہ نے ان امور کو اعتکاف کی مستحب شرائط میں شمار کیا ہے

جب کہ حنابلہ کے نزدیک اعتکاف کے دوران علمی مشاغل، خواہ شریعت کا علم ہو اور پڑھنا ہو چاہے پڑھانا، اگر زیادہ ہو تو مکروہ ہے، لیکن اگر تھوڑا ہو تو کوئی حرج نہیں کیوں کہ اعتکاف کا مقصد اللہ کے استحضار اور مراقبے کے ذریعے باطن کی صفائی ہے اور یہ چیز بالعموم ذکر و اذکار سے حاصل ہوتی ہے اور لوگوں کے ساتھ مصروفیات سے بچنے سے ملتی ہے نیز کتابت، خواہ قرآن حکیم کی ہو مکروہ ہے کیوں کہ اس میں اللہ کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے اعتکاف کا مقصد زیادہ ثواب حاصل کرنا نہیں بلکہ دل کے آئینے کو پاک کرنا ہے، جس میں دونوں جہانوں کی سعادت ہے۔

۲- مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک معتکف کے لیے روزہ رکھنا سنت ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک روزہ اعتکاف کی شرط نہیں ہے۔ مالکیہ کے نزدیک روزہ اعتکاف کی شرط ہے اور حنفیہ کے نزدیک روزہ نذر اعتکاف کی شرط ہے۔

۳- مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک جامع مسجد میں اعتکاف کرنا مستحب ہے، شرط نہیں جب کہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط ہے اور اعتکاف کے لیے افضل مساجد، مسجد حرام، پھر مسجد نبویؐ پھر مسجد اقصیٰ ہیں۔

۴- رمضان میں اعتکاف کرنا مستحب ہے کیوں کہ یہ سب سے افضل مہینہ ہے بالخصوص رمضان کے آخری عشرے میں بالاتفاق اعتکاف مستحب ہے کیوں کہ اس میں لیلة القدر آتی ہے جو ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے جیسا کہ ہم نے حضرت عائشہؓ کی روایت بیان کی کہ ”جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہو جاتا تو رسول اللہ ﷺ راتوں کو جاگتے، گھر والوں کو جگاتے اور ازواج مطہرات سے الگ رہتے“۔ (۴۱)

۵- معتکف کا اعتکاف اگر عید کی رات تک ہو تو مستحب یہ ہے کہ عید کی رات مسجد میں ہی

رہے اور اگلے روز وہیں سے سیدھا عید گاہ میں جائے تاکہ ایک عبادت دوسری عبادت سے مل جائے کیوں کہ عید کی رات جاگ کر عبادت کرنے کی حدیث میں فضیلت آئی ہے کہ: ”جس کسی نے عید کی دو راتیں قیام میں گزاریں، اللہ سے ثواب کی امید پر تو جس روز دل مردہ ہو جائیں گے، اُس روز اس کا دل مردہ نہیں ہوگا“۔ یعنی (۴۲) نزع کے وقت، فرشتوں کے سوال کے وقت اور قیامت کے سوال کے وقت اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ایمان پر پختہ رکھے گا۔

۶۔ معتکف تمام لا یعنی افعال و اقوال سے بچے، زیادہ باتیں نہ کرے کیوں کہ جو زیادہ باتیں کرتا ہے زیادہ لغزشیں کرتا ہے۔ حدیث میں ہے: ”آدمی کے ایمان کا حسن یہ ہے کہ لا یعنی کام چھوڑ دے“۔ (۴۳) لڑائی جھگڑے، گالی گلوچ اور فحش گوئی سے بچے کیوں کہ یہ کام اعتکاف کے بغیر بھی مکروہ ہیں تو اعتکاف میں بطریق اولیٰ مکروہ ہیں۔ اعتکاف ان میں سے کسی چیز سے باطل نہیں ہوتا، کیوں کہ اعتکاف جب مباح گفتگو سے باطل نہیں ہوتا تو ممنوع گفتگو سے بھی باطل نہیں ہوگا۔

معتکف صرف بھلائی کی بات کرے۔ ضرورت کے لیے گفتگو کرنے یا کسی دوسرے سے مکالمہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت صفیہؓ زوجہ، رسول اللہ ﷺ کہتی ہیں کہ: ”رسول اللہ ﷺ اعتکاف میں تھے، میں رات کے وقت آپ سے ملنے آئی اور آپ سے باتیں کیں، پھر میں کھڑی ہو گئی اور واپس چل پڑی۔ رسول اللہ ﷺ مجھے رخصت کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ حضرت صفیہؓ ان دنوں اسامہ بن زیدؓ کے مکان میں رہتی تھیں۔ انصار میں سے دو آدمی پاس سے گزرے جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو جلدی چل پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا، ٹھہرو، یہ صفیہ بنت حبیبی ہیں۔ انہوں نے کہا، سبحان

اللہ، یا رسول اللہ؟..... آپ نے فرمایا: ”شیطان انسان میں خون کی طرح گردش کرتا ہے اور مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تمہارے دلوں میں بدی نہ ڈال دے یا کوئی بات نہ ڈال دے“۔ (۴۴)  
حضرت علیؓ فرماتے ہیں: ”جو کوئی اعتکاف کرے تو نہ گالی دے نہ فحش گفتگو کرے اور گھر والوں کو چلتے چلتے ضرورت کی باتیں بتائے، ان کے پاس بیٹھے نہیں“۔ (۴۵)

### ب۔ اعتکاف کے مکروہات:

اوپر مذکور آداب اعتکاف میں اگر بعض آداب چھوڑ دیتا ہے تو مکروہ ہے۔ نیز مذاہب فقہیہ کی روشنی میں مندرجہ ذیل امور بھی مکروہ ہیں:

۱۔ حنفیہ کے نزدیک (۴۶) جو چیز خریدی یا بیچی جا رہی ہو اسے مسجد میں لانا مکروہ تحریمی ہے کیوں کہ مسجد حقوق العباد سے آزاد جگہ ہے، اسے دکان بنا لینا درست نہیں۔

تجارت کی غرض سے کوئی معاہدہ کرنا مکروہ ہے کیوں کہ معتکف دنیا سے کٹ کر اللہ سے مشغول ہو جاتا ہے اس لیے اسے دنیوی امور میں مشغول نہیں ہونا چاہیے۔

ثواب سمجھ کر بالکل خاموش رہنا مکروہ ہے، کیوں کہ اس کی ممانعت ہے۔ یہ اہل کتاب کا روزہ تھا، جو منسوخ ہو گیا۔

مالکیہ کے نزدیک درج ذیل امور مکروہ ہیں۔ (۴۷)

۱۔ اعتکاف دس دن سے کم یا ایک ماہ سے زائد ہو۔

۲۔ مسجد کے صحن یا احاطے میں جو مسجد کی توسیع میں شامل ہو کھانا پینا، مسجد میں الگ جگہ کھائے پیئے۔

۳۔ جو کھانے پینے اور لباس پر قادر ہے وہ یہ چیزیں مہیا کیے بغیر اعتکاف میں بیٹھ

جائے۔ اسے مہیا کر کے بیٹھنا چاہیے تاکہ مسجد سے نکلنے کی ضرورت نہ پڑے، ہاں اگر چیزیں مہیا نہیں ہیں تو قریب ترین جگہ سے ضرورت کی اشیاء خریدے، ورنہ اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ جس شخص کے پاس ضروریات نہ ہوں اس کے لیے اعتکاف مکروہ ہے۔

۴۔ ایسے گھر میں جانا جہاں اس کی بیوی رہتی ہو، خواہ انسانی حوائج کے لیے جانا پڑے تاکہ کوئی ایسی صورت پیش نہ آجائے جس سے اعتکاف ٹوٹ جائے۔

۵۔ علم میں مصروف ہونا خواہ زیادہ مصروفیت ہو اور شرعی علم ہو، خواہ پڑھے یا پڑھائے یا لکھنے میں مصروف ہو، خواہ قرآن کی کتابت کرے کیوں کہ اعتکاف کا مقصد نفس کی ریاضت، دل کی صفائی اور اللہ سے لو لگانا ہے اور یہ چیز ذکر اور نماز سے حاصل ہوتی ہے۔ علامہ خلیل نے اجازت دی ہے کہ معتکف دوسرے کو قرآن سنا سکتا ہے اور اس سے سن سکتا ہے لیکن پڑھے پڑھائے نہیں۔

۶۔ ذکر، تلاوت اور نماز کے علاوہ کسی بھی کام میں مشغول ہونا، مثلاً مریض کی عیادت میں مشغول ہونا، نماز جنازہ میں شریک ہونا خواہ معتکف کے قریب ہی جنازہ رکھا ہوا ہو۔ اذان کے لیے مینار یا چھت پر چڑھنا، نماز کے لیے اقامت کہنا، امامت کرانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ مستحب ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ اعتکاف میں لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔

۷۔ دوسرے کو سلام کرنا، اگر وہ دور ہو، اگر قریب ہو تو سلام کرنا جائز ہے۔ شافیہ کے نزدیک (۴۸) مسجد کو زیادہ خرید و فروخت کے لیے استعمال کرنا یا اپنی کسی صنعت و حرفت کے لیے استعمال کرنا اور مسجد میں فصد کھلوانا اور سچنے لگوانا مکروہ ہیں بشرطیکہ مسجد کے آلودہ ہونے کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ حرام ہیں۔

حنابلہ کے نزدیک (۴۹) قرآن پڑھانا، علم پڑھنا پڑھانا، درس و تدریس، فقہاء کا باہمی مناظرہ و تکرار اور حدیث کی کتابت وغیرہ تمام ایسے کام جن کا نفع دوسرے کو پہنچتا ہو مکروہ ہیں۔ لایعنی کاموں میں مصروف ہونا مثلاً لڑائی جھگڑا، بہت باتیں کرنا، بالکل خاموش بیٹھے رہنا مکروہ ہے کیوں کہ خاموش رہنا شریعت اسلام میں نہیں ہے۔ حضرت علیؓ کی حدیث ہے: ”صبح سے شام تک خاموش رہنا جائز نہیں“۔ (۵۰) حضرت ابوبکر صدیق قبیلہ احس کی ایک عورت کے ہاں گئے جس کا نام زینب تھا۔ آپؓ نے دیکھا کہ وہ سرے سے بات چیت نہیں کرتی، آپ نے پوچھا، اسے کیا ہو گیا، بولتی کیوں نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا اس نے حج کر کے خاموشی اختیار کر لی ہے، آپؓ نے اُس سے کہا، بولو، خاموش رہنا جائز نہیں، یہ جاہلیت کا طریقہ ہے۔ اس نے بولنا شروع کر دیا۔ (۵۱)

### ج۔ اعتکاف توڑنے والی اشیاء:

اعتکاف مندرجہ ذیل امور سے ٹوٹ جاتا ہے: (۵۲)

- ۱۔ کسی شرعی عذر کے بغیر مسجد سے باہر نکلنا مثلاً خرید و فروخت کے لیے نکلنا یا کسی طبعی حاجت مثلاً پیشاب پانچخانہ وغیرہ کے بغیر نکلنا یا کسی ضرورت مثلاً مسجد کے انہدام کے بغیر مسجد سے باہر نکل جانا، اس تفصیل کے مطابق جس کا ذکر اوپر: ”معتکف کے لیے کون سے امور واجب ہیں“ کے زیر عنوان آئی ہے۔ پہلے سے متعین کردہ ضرورت کے لیے نکلنے سے بھی مالکیہ کے نزدیک اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔ مثلاً متعین کردہ جہاد کے لیے نکلنا یا قرضے میں نظر بند ہونا۔ اگر کسی ضرورت کے لیے نکلا مثلاً کھانے پینے کی چیزیں خریدنے کے لیے یا طہارت، قضاء حاجت یا غسل جنابت کے لیے یا کسی شرعی عذر کی بنا پر جیسے نماز جمعہ کے لیے تو اس سے اعتکاف باطل نہیں ہوگا، بشرطیکہ ضرورت سے زیادہ باہر نہ ٹھہرے ورنہ



اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

۲- جماع کرنا: جمہور کے نزدیک خواہ بھولے سے ہو، زبردستی ہو، رات کو یا دن کو کیوں کہ اعتکاف میں جماع کرنا بالاتفاق حرام ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: وَلَا تَبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ (البقرہ ۲: ۱۸۷) جب تم مسجد میں اعتکاف میں ہو تو عورتوں سے جماع نہ کرو۔ اگر دانستہ شرم گاہ میں جماع کیا تو بالاجماع اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

اگر دانستہ نہ کیا تب بھی جمہور کے نزدیک اعتکاف باطل ہے کیوں کہ اعتکاف میں جو کام حرام ہیں ان میں دانستہ اور نادانستہ دونوں کام برابر ہیں جیسے بھولے سے مسجد سے نکل جائے۔ حنابلہ کے نزدیک ظاہر مذہب میں اور باقی مذاہب میں بھی جماع کرنے پر کفارہ نہیں ہے کیوں کہ اعتکاف ایسی عبادت ہے جسے اصل شریعت نے واجب نہیں کیا اس لیے اسے توڑنے پر کفارہ نہیں ہوگا، جیسا کہ نوافل توڑنے پر کفارہ نہیں ہے۔

شافعیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر علم و اختیار سے عمداً جماع کیا تب اعتکاف ٹوٹے گا، اگر بھولے سے یا لاعلمی سے یا زبردستی جماع کر لیا تو اعتکاف نہیں ٹوٹے گا جیسا کہ ان حالات میں مسجد سے باہر نکل جانے سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا۔ نیز اس نوعیت کے جماع سے روزہ نہیں ٹوٹتا تو اعتکاف کیوں ٹوٹ جائے گا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے شرم گاہ میں جماع کے سوا مباشرت کرے۔ نیز رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے عموم کا تقاضا یہی ہے۔ ارشاد ہے: ”میری امت پر سے خطا، بھول چوک اور زبردستی کروائے ہوئے کاموں کی ذمہ داری اٹھالی گئی ہے۔“

۳- شہوت کے ساتھ بغل گیر ہوا یا بوسہ دیا یا چھوا یا رانوں میں رانیں ڈالیں اور منی نکل

آئی تو بالاتفاق اعتکاف ٹوٹ جائے گا کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ولا تباشروهن وانتم عاکفون فی المساجد (البقرہ ۲: ۱۸۷) (جب تم مساجد میں اعتکاف میں ہو تو عورتوں سے مباشرت نہ کرو)

اگر کسی کو محض سوچنے یا دیکھنے سے منی نکل آئی یا بغل گیر ہوا اور منی نہیں نکلی تو جمہور کے نزدیک اعتکاف نہیں ٹوٹے گا کیوں کہ اس طرح کی مباشرت سے روزہ اور حج نہیں ٹوٹتے اس لیے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔ جیسے بلا شہوت بغل گیر ہونے سے نہیں ٹوٹتا۔ شافیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ اگر اس طرح منی نکل آنا اس کی عادت نہ ہو پھر نہیں ٹوٹے گا اور اگر سوچنے یا دیکھنے سے منی نکل آنا اس کی عادت ہو تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں، سوچنے اور دیکھنے سے منی نکل آئے یا بغل گیر ہوا لیکن منی نہیں نکلی تو اس سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا کیوں کہ یہ حرام مباشرت ہے، پس جس طرح منی نکل آئی تو اعتکاف ٹوٹ جاتا اسی طرح منی نہ نکلنے کی صورت میں بھی ٹوٹ گیا اور بلا شہوت بغل گیر ہونے میں کوئی حرج نہیں اگر ایسا اتفاقاً ہو مثلاً عورت مرد کا سر دھلا رہی ہے یا کوئی چیز پکڑا رہی ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر اعتکاف کی حالت میں حضرت عائشہؓ کے قریب کر دیتے اور وہ کنگھی کر دیا کرتی تھیں (۵۳)۔

۴- ارتداد: اگر معتکف مرتد ہو جائے تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: لئن اشرکت لیحبطن عملک (الزمر ۳۹، ۶۵، اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے) نیز مرتد ہونے سے وہ اہل اعتکاف کے زمرے سے خارج ہو گیا۔ اگر اسے اسلام کی ترغیب دی گئی اور دوبارہ مسلمان ہو گیا تو جمہور کے نزدیک اعتکاف کی

قضا نہیں ہے۔ حنابلہ کے نزدیک اگر نذر اعتکاف تھا تو قضا ہے اور اگر متعین دنوں کے اعتکاف کی نذر مانی تھی مثلاً رمضان کے آخری عشرے کی تو قسم کا کفارہ بھی دے گا۔

۵- دن کو یا رات کو عمداً مدہوش ہونا: جمہور کے نزدیک، شافعیہ کے نزدیک خواہ مدہوشی میں ہی اعتکاف شروع کیا ہو کیوں کہ اس حالت میں اس میں عبادت کی اہلیت ہی نہیں ہے لیکن شافعیہ نے یہ شرط عائد کی ہے کہ اپنے اختیاری عمل سے مدہوش ہوا ہو۔

۶- طویل بے ہوشی اور دیوانگی: اگر معتکف پر کئی روز تک بے ہوشی یا دیوانگی طاری رہی تو جمہور کے نزدیک اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ شافعیہ کے نزدیک اگر اپنے اختیاری عمل سے دیوانہ ہوا ہے تب اعتکاف باطل ہوگا، کیوں کہ اس میں عبادت کی اہلیت باقی نہیں رہی۔ شافعیہ کے نزدیک بے ہوشی کی مدت کو اعتکاف میں شامل کریں گے البتہ حیض، نفاس، جنابت اور دیوانگی کا عرصہ شامل نہیں ہوگا۔ حنابلہ کے نزدیک جس طرح نیند سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا بے ہوشی سے بھی باطل نہیں ہوتا، کیوں کہ دونوں صورتوں میں آدمی مکلف رہتا ہے۔

۷- حیض و نفاس: جب عورت کو حیض یا نفاس آجائے تو اعتکاف باطل ہو جاتا ہے۔

۸- مالکیہ اور حنفیہ جنہوں نے اعتکاف کے لیے روزے کو شرط قرار دیا ہے، ان کے نزدیک جان بوجہ کر کھاپی لینے سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے، بھول کر کھانے سے نہیں ہوتا۔

۹- مالکیہ کے ایک مشہور قول کے مطابق کبیرہ گناہ مثلاً غیبت، چغلی اور تہمت لگانے سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے لیکن جمہور کے نزدیک اور مالکیہ کے دوسرے مشہور قول کے مطابق باطل نہیں ہوتا۔

## بحث ششم: اعتکاف ٹوٹ جائے تو کیا حکم ہے؟

اس سلسلے میں فقہاء کے ہاں تفصیلات ہیں:

حنفیہ کہتے ہیں (۵۴) اگر اعتکاف ٹوٹ جائے تو یا تو واجب اعتکاف تھا یا نفل تھا۔

الف۔ اگر واجب اعتکاف تھا یعنی نذر اعتکاف تھا اور وہ ٹوٹ گیا تو اس کی قضا واجب ہے ہاں اگر مرتد ہونے کی وجہ سے ٹوٹا ہو تو قضا نہیں ہے۔ اگر ایک متعین مہینے کے اعتکاف کی نیت کی تھی تو جس قدر اعتکاف ٹوٹا ہے وہی قضا کرنا ہوگا، نئے سرے سے شروع نہیں کرنا پڑے گا۔ جیسے رمضان کا جو روزہ رہ جائے وہی قضا کرنا ہوتا ہے۔ اگر غیر متعین ایک مہینے کے اعتکاف کی نیت تھی اور درمیان سے اعتکاف ٹوٹ گیا تو نئے سرے سے شروع کرنا ہوگا کیوں کہ اس میں تسلسل کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اعتکاف معتکف کے اپنے عمل سے بلا عذر ٹوٹا ہے مثلاً مسجد سے نکل گیا یا جماع کر لیا یا دن میں کھا پی لیا، ارتداد اس میں شامل نہیں یا اپنے عمل سے عذر کی وجہ سے ٹوٹا مثلاً اتنا بیمار ہو گیا کہ مسجد سے نکلنا پڑا یا اپنے اختیار کے بغیر ٹوٹ گیا مثلاً حیض، دیوانگی یا طویل بے ہوشی کی وجہ سے ٹوٹ گیا، کیوں کہ قضا فوت شدہ اعتکاف کو پورا کرنے کا ذریعہ ہے۔

ارتداد کی صورت میں قضا اس لیے باقی نہیں رہتی کہ ارشاد ربانی ہے: قل للذین

كفروا ان ينتهوا يغفر لهم ما قد سلف (الانفال ۸: ۳۸، کافروں سے کہہ دو، اگر وہ باز

آجائیں تو ان کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ نیز ارشاد نبویؐ ہے: ”قبول اسلام سے

پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں“۔ (۵۵)

جس کسی نے ایک متعین مہینے مثلاً محرم کے اعتکاف کی نذر مانی پھر نذر پوری نہ کر سکا

تو سارا اعتکاف تسلسل سے قضا کرے کیوں کہ اعتکاف اس کے ذمے قرض ہے۔ اگر قضا کرنے پر قادر تھا لیکن قضا نہ کیا تا آنکہ زندگی سے مایوس ہو گیا، تو اس پر واجب ہے کہ ایک دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانے کی وصیت کرے کیوں کہ اس میں روزہ واجب تھا، فدیہ روزے کا بدلہ ہے نہ کہ اعتکاف کا، جیسا کہ رمضان یا منت کے روزے نہ رکھ سکے تو فدیہ واجب ہوتا ہے اگر نذر مانتے وقت بیمار تھا اور مسلسل بیمار رہا تا آنکہ اس کی موت واقع ہو گئی تو اس کے ذمے کچھ نہیں ہے۔

ب۔ اگر نفل اعتکاف تھا اور دن پورا ہونے سے پہلے توڑ دیا تو کتاب الاصل کی روایت کے مطابق اس کا کوئی گناہ ہے نہ کفارہ۔

مالکیہ کہتے ہیں (۵۶) کہ واجب اعتکاف کو توڑنے والی دو قسم کی چیزیں ہیں:

۱۔ ایسا کام کرے جس سے اعتکاف ٹوٹ جائے اور نئے سرے سے شرع کرنا پڑے مثلاً بلا ضرورت دونوں پاؤں مسجد سے اکٹھے باہر نکال دیے یا والدین میں سے کسی کی بیماری کی وجہ سے یا جامع مسجد میں معتکف نہیں تھا اور نماز جمعہ کے لیے باہر نکل گیا یا دانستہ روزہ توڑ دیا یا مدہوش ہو گیا یا جماع کر لیا یا شہوت سے بوسہ دے دیا یا رات کو عورت کو چھو لیا۔ جس کسی نے متعین دنوں مثلاً ایک ہفتہ، تین دن کی اعتکاف کی نذر مانی ہوئی تھی اور اوپر مذکور امور میں سے کوئی کام کر دیا، جس سے اعتکاف باطل ہو گیا تو وہ نئے سرے سے اعتکاف کرے۔

۲۔ ایسا کام جس کا زمانہ مختص ہو اور پہلے اعتکاف کو باطل نہ کرے، اس کی تین اقسام ہیں:

الف۔ جو صرف روزے کے لیے مانع ہو مثلاً عید کا دن، معمولی بیماری، جس کسی نے ذوالحجہ کے مہینے کی نذر مانی تو عید الاضحیٰ کے دن مسجد سے نہ نکلے ورنہ اس کا اعتکاف شروع سے باطل ہو جائے گا۔ جس نے بھول کر کھاپی لیا، یا معمولی بیماری پیش آ گئی جس کی وجہ سے روزہ

نہیں رکھا تو وہ افطار کے دن کے بعد پچھلے اعتکاف پر بنیاد رکھ کر اپنا اعتکاف مکمل کرے۔

ب۔ وہ چیزیں جو مسجد میں ٹھہرنے میں رکاوٹ ہوں: جیسے سلس البول یا زخم بہنا یا پھوڑا جس سے مسجد آلودہ ہونے کا اندیشہ ہو۔ ایسی صورت میں معتکف کے لیے ضروری ہے کہ فوراً مسجد سے نکل جائے اور جب تندرست ہو تو فوراً واپس آ جائے، کیوں کہ مسجد میں ٹھہرنے کی رکاوٹ ختم ہوگئی۔ اب سابقہ اعتکاف پر بنیاد رکھے۔

ج۔ وہ چیزیں جو روزے اور مسجد میں ٹھہرنے سے مانع ہیں، مثلاً حیض و نفاس، ان کا وہی حکم ہے جو اوپر مذکور صورتوں کا ہے۔

اگر واپسی میں دیر کر دی، خواہ کسی عذر نسیان یا زبردستی کے باعث تب بھی اعتکاف باطل ہو جائے گا، نئے سرے سے شروع کرے، ہاں اگر واپسی میں عید کی رات یا عید کا دن آ گیا تو اعتکاف باطل نہیں ہوگا کیوں کہ اس دن کسی کے لیے روزہ رکھنا جائز نہیں۔ اگر کسی معتکف کو حیض، نفاس، بے ہوشی یا سخت بیماری لاحق ہوگئی اور وہ مسجد سے گھر منتقل ہو گیا، پھر عید کی رات ٹھیک ہوا اور عید کا دن گزرنے کے بعد مسجد واپس آیا، یا عید الاضحیٰ میں عید کے بعد کے دو دن گزرنے کے بعد واپس آیا تو اس کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا۔

اگر حیض والی عورت پاک ہوگئی یا مریض تندرست ہو گیا لیکن انہوں نے مسجد واپسی مؤخر کر دی تو ان کا اعتکاف باطل ہو جائے گا کیوں کہ عذر ختم ہونے کے بعد روزہ رکھا جا سکتا تھا۔

شافعیہ کی رائے یہ ہے (۵۷) کہ اگر معتکف اعتکاف کے دوران کوئی ایسا کام کرے جس سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہو مثلاً مسجد سے نکل جانا، مباشرت کرنا یا عذر ختم ہونے کے بعد گھر میں ٹھہرے رہنا تو:

الف۔ اگر یہ کام نفل اعتکاف میں کیے ہیں تو جو اعتکاف پہلے کر چکا ہے وہ باطل نہیں ہوگا کیوں کہ اگر اعتکاف اس قدر ہوتا اور معتکف اس پر اکتفا کرتا تو بھی صحیح تھا، اسے پورا کرنا واجب نہیں۔ فاسد اعتکاف کو جاری رکھنا واجب نہیں اور روزے کی طرح نفل اعتکاف بھی شروع کرنے سے واجب نہیں ہوتا۔

ب۔ اگر اعتکاف نذر کا تھا تو اگر اس میں تسلسل کی شرط نہیں لگائی تھی تو جتنا اعتکاف کر لیا وہ باطل نہیں ہوگا، اس دلیل کی رو سے جو نفل اعتکاف میں بیان کی گئی البتہ یہ ضروری ہے کہ جتنی مدت کی نذر مانی ہے اسے پورا کرے، کیوں کہ پورا منت کا عرصہ اعتکاف کرنا واجب ہے، اس کا کچھ حصہ ادا ہو گیا، باقی مکمل کرنا واجب ہے۔

اگر تسلسل کی شرط لگائی تھی تو تسلسل ختم ہو گیا اس لیے نئے سرے سے شروع کرنا واجب ہے تاکہ اس طرح مکمل کرے جیسے کہ واجب ہوا تھا۔ اسی بنا پر مدہوشی، کفر، دانستہ جماع کرنے، دانستہ مسجد سے نکلنے سے تسلسل ختم ہو جائے گا البتہ قضائے حاجت کے لیے نکلنا یا مسجد میں پانی نہ ہو تو کھانے پینے کے لیے نکلنا یا بیماری کی شدت کے سبب مسجد سے نکلنا یا مسجد کے آلودہ ہونے کے اندیشے سے نکلنا، بے ہوشی یا جنون معتکف کو لاحق ہو جائے یا ناحق زبردستی اسے مسجد سے نکال دیا جائے تو تسلسل ختم نہیں ہوگا۔ اگر تسلسل اتنے عرصے کا ہو کہ طہر کی مدت اس کے لیے کم پڑ جاتی ہو تو حیض آنے سے تسلسل ختم نہیں ہوگا یعنی اعتکاف کی مدت اتنی طویل ہے کہ اس دوران میں بالعموم حیض آ جاتا ہے یعنی پندرہ دن سے زائد کا اعتکاف ہو۔

اگر مسجد کا مقرر تنخواہ دار مؤذن ہے تو اس کے مسجد سے الگ لیکن قریب واقع مینار پر آذان کے لیے چڑھنا اعتکاف کو نہیں توڑتا کیوں کہ اسے وہاں جانے کی عادت ہے اور

لوگ اس کی آواز سے مانوس ہیں۔ نیز اگر اقرار کے بغیر کسی پر حد جاری ہو تو حد کے قیام کے لیے مسجد سے نکلنا یا ایسی عدت گزارنے کے لیے جس کا سبب اعتکاف میں بیٹھی ہوئی عورت خود نہ ہو اور ایسی گواہی دینے کے لیے جانا جس میں گواہ بننا اور گواہی دینا طے شدہ تھا اعتکاف ٹوٹنے کا سبب نہیں، کیوں کہ ان تمام صورتوں میں عذر ہے، ان کے برعکس صورتوں میں عذر نہیں۔

اگر معتکف قضاء حاجت کے علاوہ اور کسی مقصد سے مسجد سے نکلے تو واپسی پر از سر نو نیت کرے اور اگر قضاء حاجت کے لیے نکلے تو نئی نیت کی ضرورت نہیں ہے۔

حنابلہ کے نزدیک (۵۸) اگر اعتکاف نفل ہے اور کسی غیر معمولی عذر کی بنا پر مسجد سے نکل گیا مثلاً جہاد کے لیے یا واجب گواہی کے لیے یا کسی فتنے کے خوف سے یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے اور دیر تک مسجد سے باہر رہا تو معتکف کو اختیار ہے چاہے واپس آ جائے چاہے نہ آئے کیوں کہ نفل اعتکاف شروع کرنے سے واجب نہیں ہوتا۔

اگر اعتکاف واجب ہے تو اپنی جائے اعتکاف میں لوٹنا واجب ہے تاکہ واجب اعتکاف ادا کر سکے۔ استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر اعتکاف کی صرف تین صورتیں ہوتی ہیں:

۱- چند یوم اعتکاف کی نذر مانی جو نہ مسلسل تھی اور نہ متعین مثلاً دس دن اعتکاف کی منت مانی۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جتنے دن باقی رہ گئے ہیں وہ پورے کرے اور پچھلے دنوں کو حساب میں رکھے اور جس دن مسجد سے نکلا ہے اسے شمار نہ کرے بلکہ اس دن کو شروع سے دوبارہ لے۔ اس پر کوئی کفارہ نہیں کیوں کہ اس نے مطلوب طریقے سے منت پوری کر دی ہے۔

۲- مسلسل لیکن غیر متعین دنوں کی نذر مانی ہو مثلاً یوں کہا ہو کہ ”اللہ کے لیے مسلسل دس دن اعتکاف کروں گا“ کچھ دن اعتکاف کرنے کے بعد اوپر مذکور کسی عذر کی وجہ سے



مسجد سے نکل گیا اور لمبا وقت باہر رہا، اس کا حکم یہ ہے کہ پچھلے دنوں پر اعتکاف کی بنیاد رکھے، جتنے دن رہ گئے ہیں وہ پورے کرے اور قسم کا کفارہ دے تاکہ تسلسل ٹوٹنے کی تلافی ہو سکے یا کفارہ نہ دے اور نئے سرے سے اعتکاف شروع کرے، اس صورت میں چوں کہ مطلوب طریقے سے نذر ادا ہوگئی ہے اس لیے کفارہ نہیں ہے۔ معتکف کو ان دونوں صورتوں کا اختیار ہے۔

۳۔ متعین دنوں کے اعتکاف کی نذر مانی مثلاً رمضان کا آخری عشرہ، اس کا حکم یہ ہے کہ جتنے دن چھوٹ گئے ہوں ان کے قضا کرے اور نذر پوری نہ ہونے کی تلافی قسم کے کفارے سے کرے۔

اگر معتکف پورے کا پورا (۵۹) مسجد سے باہر نکل گیا، جب کہ مجبوری نہیں تھی لیکن اپنے اختیار سے عمداً نکلا یا اس کے ذمے قرض تھا، جسے ادا کر سکتا تھا لیکن نہیں کیا اور اسے زبردستی نکال دیا گیا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا، خواہ تھوڑے وقت کے لیے باہر نکلے کیوں کہ بلا ضرورت اپنی جائے اعتکاف سے باہر نکلا، یہ ایسے ہی ہے جیسے طویل وقت کے لیے باہر نکل جانا۔

پھر اگر اعتکاف ایسا تھا کہ اس میں تسلسل کی منت مانی تھی یا نیت کی تھی کہ مسلسل دس دن کا اعتکاف کرے گا، پھر نکل گیا تو نئے سرے سے شروع کرے کیوں کہ نئے سرے سے شروع کیے بغیر منت پوری نہیں ہوتی، البتہ اس پر کفارہ نہیں ہے کیوں کہ اس نے نذر مطلوب طریقے سے پوری کر دی ہے۔

اگر جائے اعتکاف سے زبردستی نکال دیا گیا یا بھول کر نکل گیا تو اعتکاف باطل نہیں ہوگا۔ پچھلے اعتکاف پر بنیاد رکھے کیوں کہ حدیث میں ہے: ”میری امت کی خطا، نسیان، و

زبردستی کروائے گئے کام معاف ہیں۔“

اگر معتکف نے مسلسل متعین نذر مانی ہے مثلاً شعبان کا مسلسل اعتکاف یا نذر معین ہے لیکن مسلسل نہیں مثلاً شعبان کا اعتکاف اور مسلسل کی شرط نہیں لگائی تو نئے سرے سے اعتکاف شروع کرے کیوں کہ اس میں تسلسل کا مفہوم خود بخود پایا جاتا ہے اور بلا عذر متعین وقت پر نذر پورا نہ کرنے پر قسم کا کفارہ بھی دے اور تمام اعتکاف کی قضا کرے اور نئے سرے سے شروع کرے جہاں تک ممکن ہو اسی طرح ادا کرے جیسے کہ نذر مانی تھی، مثلاً اگر اس نے ساتھ روزے رکھنے کی شرط بھی لگائی تھی یا تین مساجد میں سے کسی ایک مسجد میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی تو تمام شرائط پوری کرے کیوں کہ قضا اور نئے سرے سے اعتکاف اسی طرح ہونا ضروری ہے۔ البتہ جن امور میں ممکن نہیں مثلاً کوئی وقت مقرر کیا تھا جو گزر گیا تو اس کا تدارک ممکن نہیں ہے۔

## حواشی و تعلیقات

- ۱- فتح القدیر، ۲: ۱۰۶، الدر المختار، ۲: ۱۷۶، مراقی الفلاح، ۱۱۸، اللباب، ۱: ۱۷۴
- ۲- الشرح الكبير، ۱: ۵۴۱ و بعد، الشرح الصغير، ۱: ۷۲۵ و بعد
- ۳- مغنی المحتاج، ۱: ۴۴۹
- ۴- کشف القناع، ۲: ۴۰۴، المغنی، ۳: ۱۸۳
- ۵- مراقی الفلاح، ۱۲۰، مغنی المحتاج، ۱: ۴۴۹، المغنی، ۳: ۱۸۳
- ۶- متفق علیہ، صحیحین کی عبارت یوں ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے درمیانی عشرے میں اعتکاف کیا، پھر آپؐ نے آخری عشرے میں اعتکاف کیا اور اس کی پابندی کی تا آنکہ آپؐ کا وصال ہو گیا“ آپؐ کے بعد ازواج مطہرات بھی اعتکاف کرتی تھیں۔ (نیل الاوطار، ۴: ۲۶۴)
- ۷- مراقی الفلاح و نور الايضاح، ۱۱۹
- ۸- الشرح الكبير و الصغير، البناء، القوانین الفقہیہ، ۱۲۵
- ۹- مغنی المحتاج، ۱: ۴۵۱، المہذب، ۱: ۱۹۰ و بعد
- ۱۰- کشف القناع، ۲: ۴۰۴
- ۱۱- الدر المختار و رد المختار، ۲: ۱۷۶
- ۱۲- طبرانی (نصب الراية، ۲: ۴۹۰)
- ۱۳- المغنی، ۳: ۱۸۷-۱۹۱، کشف القناع، ۲: ۴۰۹-۴۱۲
- ۱۴- ضعیف حدیث ہے زبیر بن بکار نے اخبار مدینہ میں روایت کی۔
- ۱۵- متفق علیہ، بعض نے مسجد قبا کا بھی استثناء کیا ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتے کے

روز سوار اور پیادہ وہاں تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت پڑھتے۔ متفق علیہ، ابن عمرؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

۱۶- ابو داؤد کے علاوہ صحاح ستہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی: ”میری اس مسجد میں نماز دوسری مساجد کی ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے البتہ مسجد حرام اس سے مستثنیٰ ہے“۔ احمد اور ابو داؤد نے بھی جابر بن عبد اللہؓ سے اس طرح کی حدیث روایت کی اور یہ اضافہ کیا، ”مسجد حرام میں نماز دوسری جگہوں کی نماز سے ایک لاکھ گنا افضل ہے“۔

۱۷- القوانین الفقہیہ، ۱۲۵، الشرح الصغیر، ۱: ۲۵۳-۲۵۵، ۲۶۵، ۲۵۵

۱۸- مغنی المحتاج، ۱: ۴۵۰ و بعد، المجموع، ۶: ۵۰۸ و بعد، المہذب، ۱: ۱۹۰ و بعد

۱۹- اسے جامع مسجد اس لیے کہتے ہیں کہ لوگ وہاں جمع ہوتے ہیں۔

۲۰- بخاری، مسلم

۲۱- الدر المختار، ۲: ۱۷۷، مراقی الفلاح، ۱۱۸ و بعد، فتح القدیر، ۲: ۱۰۵ و بعد

۲۲- الشرح الصغیر، ۱: ۷۲۵، القوانین الفقہیہ، ۱۲۵، بدایۃ المجتہد، ۱: ۳۰۲

۲۳- مغنی المحتاج، ۱: ۲۳۹، المہذب، ۱: ۱۹۰، المغنی، ۳: ۱۸۳، کشاف القناع، ۲: ۳۰۵

۲۴- بخاری

۲۵- بخاری، مسلم

۲۶- فتح القدیر، ۲: ۱۱۳، و بعد، الدر المختار، ۲: ۱۸۶ و بعد، نور الايضاح، ۲۰، اللباب، ۱: ۷۶،

الشرح الصغیر، ۱: ۷۲۹ و بعد، المجموع، ۶: ۵۱۹-۵۲۶، مغنی المحتاج، ۱: ۳۵۵ و بعد،

المہذب، ۱: ۱۹۱، کشاف القناع، ۲: ۲۱۲-۲۱۳، المغنی، ۳: ۲۱۰-۲۱۵

۲۷- الدر المختار، ۲: ۱۷۷-۱۷۹، فتح القدیر، ۲: ۱۰۶، و بعد، مراقی الفلاح، ۱۱۹، القوانین

الفقیہ، ۱۲۵، الشرح الصغير، ۱: ۲۵۷ و بعد، المہذب، ۱: ۱۹۰-۱۹۲، مغنی المحتاج، ۱: ۲۵۳

و بعد، المغنی، ۳: ۱۸۳-۱۸۶، کشاف القناع، ۲: ۲۰۶-۲۰۹

۲۸- دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی، البتہ یہ حدیث ضعیف ہے (نصب الراية،

(۲۸۶:۲)

۲۹- بخاری، مسلم، دارقطنی نے ابن عمرؓ کے حوالے سے حضرت عمرؓ سے روایت کی۔ (نصب الراية

(۲۸۸:۲)

۳۰- دارقطنی نے ابن عباسؓ سے روایت کی۔ دارقطنی اور بیہقی نے اس کے موقوف ہونے کو ترجیح دی

۔ حاکم نے مرفوعاً بیان کی اور کہا کہ اس کی سند صحیح ہے (نیل الاوطار، ۴: ۲۶۸)

۳۱- فتح القدیر، ۲: ۱۰۹-۱۱۲، الدر المختار و رد المحتار، ۲: ۱۸۰-۱۸۵، مراقی الفلاح، ۱۱۹

۳۲- ابو داؤد، نسائی (نیل الاوطار، ۴: ۲۶۷)

۳۳- حدیث ضعیف ہے، ابن ماجہ، طبرانی نے معجم میں واثلہ بن الاسقعؓ سے اور طبرانی نے ہی ابو الدرداءؓ

اور ابو امام سے اور عبدالرزاق نے حضرت معاذؓ سے روایت کی (نصب الراية، ۲: ۳۹۱-۳۹۲)

۳۴- اصحاب سنن کی روایت کی۔ ترمذی نے کہا، حسن ہے

۳۵- القوانین الفقیہ، ۱۲۵، الشرح الصغير، ۱: ۳۳۴ و بعد

۳۶- المجموع، ۲: ۵۲۸-۵۶۵، المہذب، ۱: ۱۹۲-۱۹۴

۳۷- بخاری، مسلم

۳۸- حدیث حسن ہے، ابن ماجہ و بیہقی نے ابن عباسؓ سے ان الفاظ سے بیان کی: ”اللہ تعالیٰ میری

امت کی خطا، بھول چوک اور زبردستی کروائے ہوئے کاموں سے درگزر کرتا ہے۔“

۳۹- المغنی، ۳: ۱۹۱-۱۹۶، ۲۰۰-۲۱۰، کشاف القناع، ۲: ۲۱۴-۲۲۰

۴۰- الدر المختار، ۱: ۱۸۵، القوانین الفقہیہ، ۱۲۵ و بعد، الشرح الصغير، ۱: ۴۳۰-۴۳۵،

المہذب، ۱: ۱۹۴، المغنی، ۳: ۲۰۳ و بعد، کشاف القناع، ۲: ۴۲۲

۴۱- متفق علیہ (نیل الاوطار، ۴: ۲۷۰)

۴۲- ابن ماجہ نے ابو امامہؓ سے روایت کی۔

۴۳- ترمذی وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی، حدیث حسن ہے

۴۴- متفق علیہ

۴۵- احمد

۴۶- مراقی الفلاح و نور الايضاح، ۱۱۹، الدر المختار، ۲: ۱۸۴ و بعد

۴۷- الشرح الصغير، ۱: ۴۳۲-۴۴۴، الشرح الكبير، ۱: ۵۸۴ و بعد

۴۸- المہذب، ۱: ۱۹۴

۴۹- المغنی، ۳: ۲۰۳، کشاف القناع، ۲: ۴۲۲ و بعد

۵۰- ابو داؤد نے ان الفاظ سے روایت کی: ”بالغ ہونے کے بعد خاموشی کا روزہ رات تک مکمل نہ کیا

جائے“۔ ابو حنیفہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل

روزے اور چپ کے روزے سے منع فرمایا۔

۵۱- بخاری

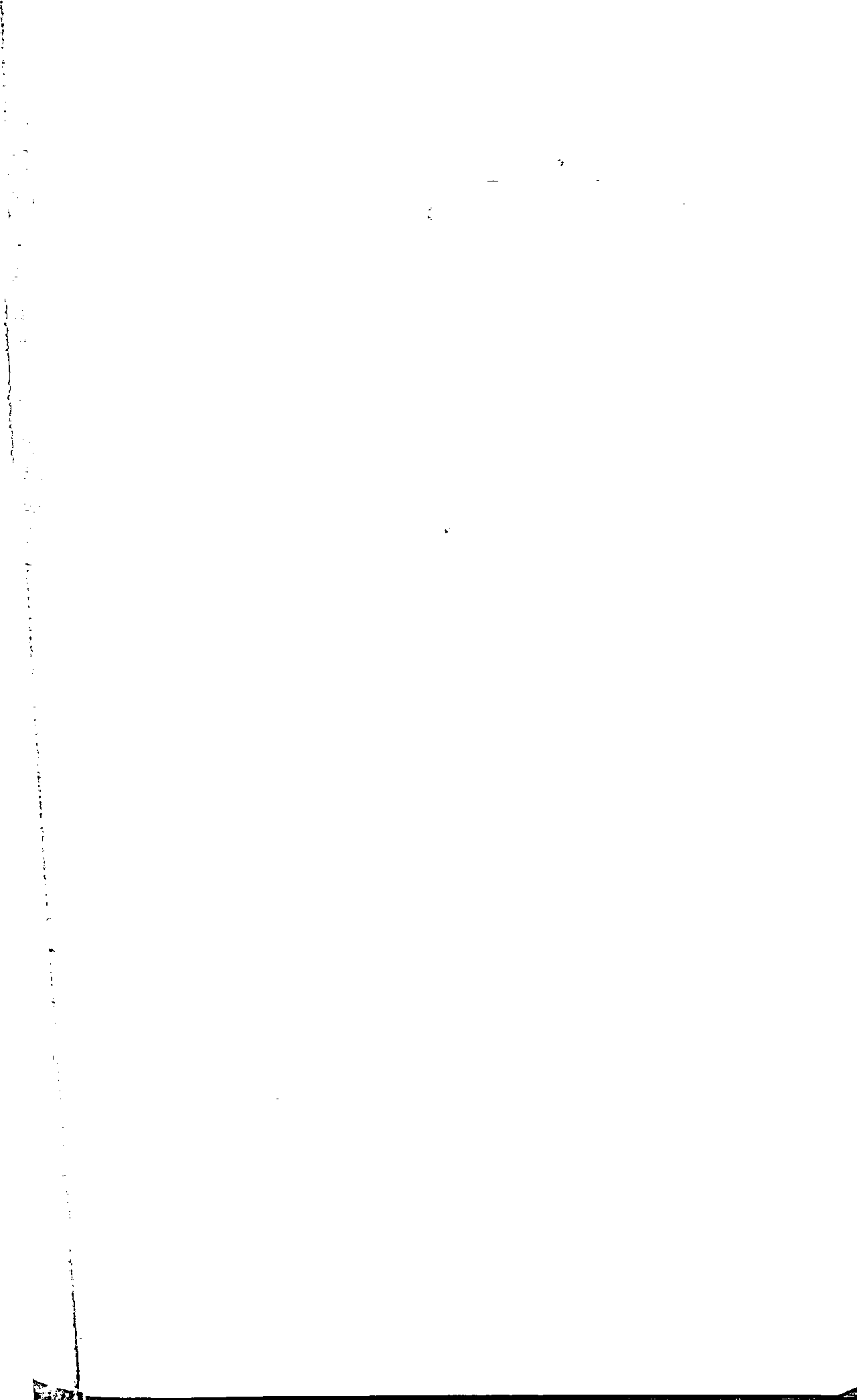
۵۲- الدر المختار، ۲: ۱۸۵ و بعد، مراقی الفلاح، ۱۲۰، الشرح الكبير، ۱: ۵۴۳ و بعد، القوانین

الفقہیہ، ۱۲۶، الشرح الصغير، ۱: ۴۲۸، ۴۳۷ و بعد، مغنی المحتاج، ۱: ۴۵۲-۴۵۵،

المہذب، ۱: ۱۹۳ و بعد، المغنی، ۳: ۱۹۶-۲۰۰، کشاف القناع، ۲: ۴۰۹-۴۲۱ و بعد

۵۳- احمد، بخاری، مسلم، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے۔

- ۵۴- البدائع، ۲: ۱۱۷، فتح القدیر، ۲: ۱۱۴
- ۵۵- حدیث ضعیف ہے، ابن سعد نے حضرت زبیرؓ اور جبیر بن مطعم سے روایت کی۔
- ۵۶- الشرح الکبیر، ۱: ۵۵۱، الشرح الصغیر، ۱: ۲۶-۲۸، ۷۳۷ و بعد
- ۵۷- مغنی المحتاج، ۱: ۴۵۴ و بعد، المہذب، ۱: ۱۹۴
- ۵۸- کشاف القناع، ۲: ۴۱۷، ۴۱۹، ۴۲۰
- ۵۹- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر معتکف کے بدن کا کچھ حصہ مسجد سے باہر نکل آئے تو اعتکاف باطل نہیں ہوتا کیوں کہ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ اعتکاف میں اپنا سر میرے قریب کر دیتے تو میں کنگھی کر دیا کرتی تھی“۔ متفق علیہ۔





## باب چہارم

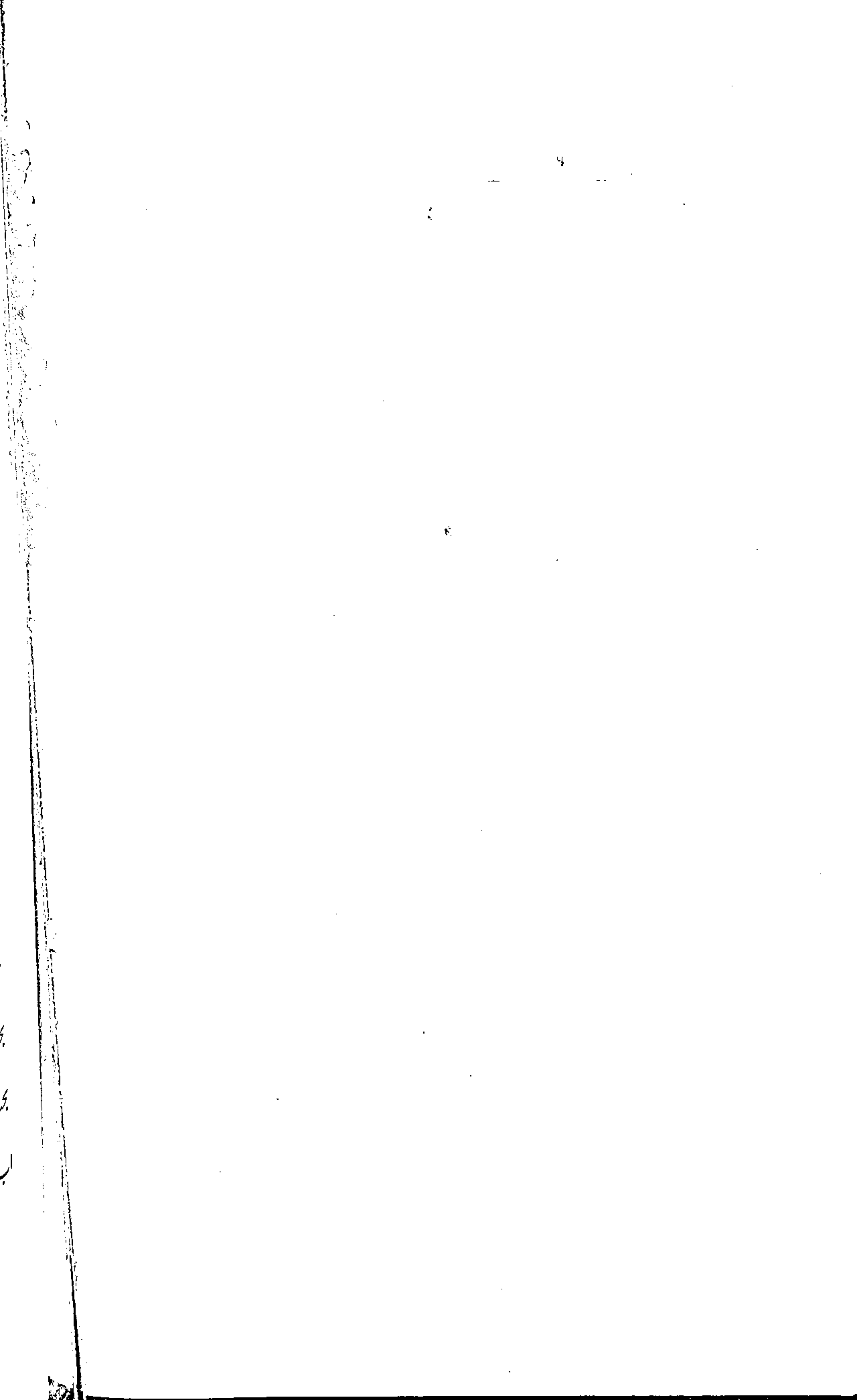
زکوٰۃ اور اس کی اقسام

اس میں تین فصلیں ہیں:

اول: زکوٰۃ ایک فرض

دوم: صدقہ فطر

سوم: نفلی صدقہ



## فصل اوّل

### زکوٰۃ

اس میں سات مباحث ہیں:

بحث اوّل: زکوٰۃ کی تعریف، اس کی حکمت و فرضیت، زکوٰۃ روکنے والے

کی سزا۔

بحث دوم: زکوٰۃ کا سبب، اس کا رکن اور شرط۔

بحث سوم: زکوٰۃ کے وجوب کا وقت اور اس کے ادا کرنے کا وقت۔

بحث چہارم: جن اموال پر زکوٰۃ واجب ہے ان کی اقسام۔

بحث پنجم: کیا عمارتوں، کارخانوں، محنت، ملازمت اور آزادانہ صنعت و

حرف کی آمدن پر زکوٰۃ واجب ہے؟

بحث ششم: زکوٰۃ کے مصارف۔

بحث ہفتم: زکوٰۃ کے آداب اور ممنوعات۔

اب ہم ترتیب وار ان کی تفصیل بیان کرتے ہیں:

## بحث اول: زکوٰۃ کی تعریف، اس کی حکمت و فرضیت اور زکوٰۃ روکنے والے کی سزا۔

### ۱۔ زکوٰۃ کی تعریف:

لغت میں زکوٰۃ بڑھنے، زیادہ ہونے، پھلنے پھولنے کو کہتے ہیں۔ زکا الزرع کا مطلب ہے کہ فصل بڑھ گیا، زیادہ ہو گئی اور زکات النفقہ کا مفہوم ہے رزق میں برکت ہوئی۔ زکوٰۃ کبھی پاکی اور طہارت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے: قد افلح من زکھا (الشمس: ۹: ۹۱)؛ جس نے نفس کو آلودگیوں سے پاک کیا وہ کامیاب ہو گیا) نیز ارشاد ربانی ہے: قد افلح من تزکئ، (۸۷: ۱۴)؛ جو پاک ہو وہ کامیاب ہو گیا۔ کبھی زکوٰۃ کا لفظ مدح کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے: فلا تزکوا انفسکم، (۵۳: ۳۲)؛ اپنی تعریف نہ کرو) کبھی صلاحیت کے لیے بولا جاتا ہے جیسے رجل زکی یعنی زیادہ بھلائی والا شخص، قوم ازکیاء، بھلے لوگ اور زکی القاضی الشہود کا مطلب ہے قاضی نے گواہی کی سچائی اور نیکی پر کھ لی۔

شریعت میں مال سے نکالے ہوئے صدقہ کو زکوٰۃ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے باقی مال میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور وہ آفات سے بچ جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: و اتوا الزکوٰۃ (البقرہ، ۲: ۴۳)؛ زکوٰۃ دیا کرو۔

زکوٰۃ کے لغوی معنی اس آیت ربانی میں سمودیے گئے ہیں: خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم وتزکیہم بہا (التوبہ، ۹: ۱۰۳) ان کے مال سے صدقہ وصول کرو جو انہیں گناہوں سے پاک کر دے گا اور اس کے ذریعے ان کا اجر اور مال بڑھے گا۔ پس زکوٰۃ اس کے ادا کرنے والے کو گناہوں سے پاک کرتے ہوئے اس کے اجر اور مال بڑھاتا ہے۔

شریعت میں زکوٰۃ (۱) ایک ایسا حق ہے جو مال میں واجب ہے۔ مالکیہ نے زکوٰۃ کی تعریف یوں کی ہے: جو مال نصاب کی حد کو پہنچ جائے اس کا ایک خاص حصہ نکال کر مستحق کو دینا، بشرطیکہ اس مال پر ملکیت مکمل ہو اور معدنیات، کھیتی اور دہاتوں کے علاوہ مال پر سال گزر گیا ہو۔ حنفیہ نے زکوٰۃ کی یوں تعریف کی ہے: مخصوص مال کا ایک خاص حصہ اللہ کی رضا کے لیے خاص اشخاص کو دے کر مالک بنا دینا جیسا کہ شارع نے مقرر کیا ہے۔ مالک بنا دینے سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی نے زکوٰۃ کی نیت سے یتیم کے لیے کھانا مباح کر دیا ہے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی جب تک کہ کھانا یتیم کی ملکیت نہ بنا دیا جائے، یا اسے لباس نہ پہنایا جائے۔ ہاں اگر کسی کو کہا گیا ہو کہ یتیموں کے اخراجات اس سے پورے کر دو تو درست ہے۔ ”مال کے ایک حصے“ سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی کو مال کے بجائے منافع کا مالک بنایا مثلاً کسی فقیر کو زکوٰۃ کی نیت سے ایک سال کے لیے مکان رہنے کے لیے دیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ ”خاص حصے“ سے مراد وہ مقدار ہے جو مال میں زکوٰۃ کے طور پر واجب ہے۔ ”مخصوص مال“ سے مراد زکوٰۃ کا شرعی نصاب ہے۔ ”خاص شخص“ سے مراد زکوٰۃ کے مستحقین ہیں۔ ”شارع نے مقرر کیا ہے“ سے مراد متعین نصاب کا چالیسواں حصہ ہے جس پر سال گزر گیا ہو۔ اس شرط کی وجہ سے نفلی صدقہ اور صدقہ فطر زکوٰۃ کی تعریف میں شامل نہیں رہے۔ ”اللہ کی رضا کے لیے“ یعنی مقصد اللہ کی خوشنودی ہو۔

شافعیہ نے زکوٰۃ کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ زکوٰۃ مخصوص طریقے سے مال اور بدن سے نکالے ہوئے حصے کا نام ہے۔ حنابلہ نے یوں تعریف کی ہے: زکوٰۃ مخصوص وقت میں، مخصوص لوگوں کے لیے، مخصوص مال میں واجب حق کا نام ہے۔ مخصوص لوگوں سے مراد وہ آٹھ مصارف ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے: انما الصدقات للفقراء

والمساکین (التوبہ، ۹: ۶۰؛ زکوٰۃ فقرا اور مساکین کا حق ہے۔ مخصوص وقت سے مراد، جانوروں، نقدی اور سامان تجارت پر سال مکمل ہونا اور غلوں میں فصل تیار ہونا اور جن پھلوں میں زکوٰۃ واجب ہے ان کا قابل استعمال ہونا اور جس شہد میں زکوٰۃ واجب ہے اس کا حصول اور جن معادن میں زکوٰۃ واجب ہے ان کا نکالنا ہے اور صدقہ فطر کے لیے مخصوص شب وقت عید میں غروب آفتاب ہے۔

واجب حق کے لفظ سے مسنون حقوق اس صنف سے خارج ہو گئے مثلاً ابتداءً سلام کرنا یا جنازے کے ساتھ چلنا اور مال کے لفظ سے سلام کا جواب دینا اس صنف سے نکل گیا اور مخصوص مال کے لفظ سے اموال کی وہ قسم خارج ہو گئی جن میں زکوٰۃ واجب نہیں مثلاً قرضے اور نفقے، مخصوص لوگوں کے لفظ سے دیت اس صنف سے نکل گئی کیوں کہ وہ مقتول کے وارثوں کا حق ہے اور مخصوص وقت کے لفظ سے نذر اور کفارے اس صنف سے خارج ہو گئے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ فقہاء کے نزدیک زکوٰۃ کے لفظ کا اطلاق اس عمل پر ہوتا ہے یعنی مال کے واجب حق کے ادا کرنے کو زکوٰۃ کہتے ہیں اور اس مال کو بھی زکوٰۃ کہتے ہیں جو کسی کے مال کے مجموعے میں ایک حصے کے طور پر اللہ نے فقرا کا حق مقرر کر دیا ہے۔ زکوٰۃ کو صدقہ بھی کہتے ہیں کیوں کہ یہ بندے کی عبدیت اور اطاعت خداوندی کے صدق و صداقت کی دلیل ہے۔

## ۲۔ زکوٰۃ کی حکمت:

لوگوں کے درمیان رزق، اموال اور وسائل معیشت کے درمیان تفاوت ایک واقعی اور حقیقی امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے قوانین میں اس تفاوت کو کم کرنے کا علاج رکھا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق (النحل، ۱۶: ۷۱؛ اللہ نے تم میں

سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری عطا کی ہے اور غنی پر یہ واجب کیا ہے کہ وہ بطور ایک حق واجب فقیر کو دے، نہ تو اسے فضل سمجھے اور نہ اس پر احسان دہرے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے *وفی أموالهم حق معلوم للسائل والمحروم* (الذاریات، ۵۱: ۱۹؛ ان کے اموال میں سائل اور محروم کا متعین حق ہے۔

اس تفاوت کو ختم کرنے کے لیے سب سے اہم وسیلہ زکوٰۃ ہے جو باہمی کفالت اور ایک دوسرے کی ضروریات پوری کرنے کی اسلامی ضمانت ہے۔

پس اول یہ کہ زکوٰۃ ایک تو مال کی حفاظت کا ذریعہ ہے، لوگ اسے لپٹائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھتے اور معاشرے کے برے اور جرائم پیشہ لوگ اس پر دست درازی نہیں کرتے۔ ارشاد نبویؐ ہے: ”اپنے مال کی حفاظت زکوٰۃ ادا کر کے کرو، اپنے بیماروں کا علاج صدقہ دے کر کرو اور مصیبت کے خلاف دعا کے ذریعے تیاری کرو“ (۲)۔

دوسرے، یہ فقرا اور محتاجوں کی مدد ہے، اگر وہ کام کاج کرنے پر قادر ہیں تو زکوٰۃ کے ذریعے از سر نو اپنا کام شروع کر سکتے ہیں اور اگر کام کرنے سے عاجز ہیں تو زکوٰۃ زندگی کی ضروریات مہیا کرنے کے لیے ان کی مدد کا ذریعہ ہے۔ زکوٰۃ معاشرے کو فقر کے مرض سے بچاتی ہے اور ملک کو تباہی اور کمزوری سے محفوظ رکھتی ہے، معاشرہ فقرا کی کفالت اور ان کی ضروریات پوری کرنے کا ذمہ دار ہے۔ روایت میں ہے:

”اللہ تعالیٰ نے اغنیاء کے مال میں اتنا حصہ فرض کر دیا ہے جس سے فقرا کی کفالت ہو سکتی ہے۔ اگر فقرا بھوک اور برہنگی کا شکار ہوتے ہیں تو اس کا سبب اغنیاء کی بے توجہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے سخت حساب لے گا اور انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا“ (۳)۔

ایک اور روایت میں ہے: ”قیامت کے روز فقرا کی وجہ سے اغنیاء پر وبال آئے گا۔ فقرا کہیں گے پروردگار، تو نے ہمارے جو حقوق ان پر فرض کیے تھے وہ انہوں نے ادا نہیں کیے، ہم پر ظلم کیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم میں تمہیں قریب کروں گا اور انہیں دور کروں گا“، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: والذین فی اموالہم حق معلوم للسائل والمحرورم (۴) (المعارج، ۷۰: ۲۴-۲۵)؛ وہ لوگ جن کے اموال میں سائل اور محروم کا متعین حق ہے۔

انجام کار زکوٰۃ ادا کرنے کا فائدہ مالداروں کو ہی پہنچتا ہے کیوں کہ زکوٰۃ ادا کر کے وہ فقرا کو اس قابل کر دیتے ہیں کہ وہ پیداواری کاموں میں شریک ہو سکیں اور ان کی قوت خرید بڑھ سکے۔ اس کے نتیجے میں زکوٰۃ دینے والوں کا مال بڑھتا ہے کیوں کہ کاروبار کی شرکت کی وجہ سے انہیں زیادہ نفع حاصل ہوتا ہے۔

تیسرے یہ کہ زکوٰۃ نفس کو بخل اور لالچ کی بیماری سے پاک کرتی ہے اور مومن کو انفاق اور سخاوت کا عادی بناتی ہے تاکہ وہ صرف زکوٰۃ ادا کرنے پر ہی اکتفا نہ کرے بلکہ ضرورت کے وقت حکومت کو عطیات دے کر اپنی معاشرتی ذمہ داریاں پوری کرتا رہے، اسلامی افواج کی تیاری، دشمن کے مقابلے اور فقرا کی کفالت کے لیے امداد میں اپنا حصہ ڈالتا رہے، کیوں کہ اس کے ذمے اپنی منتیں پوری کرنا، مالی کفارے ادا کرنا (جو قسم توڑے، ظہار، قتل خطا اور رمضان کی بے حرمتی کے باعث واجب ہوتے ہیں) کا خیر اور وقف کے لیے وصیت کرنا، قربانی اور صدقات فطر، نفلی صدقے اور بے وغیرہ کئی مالی ذمہ داریاں ہوتی ہیں، جو انجام کار فقرا اور اغنیاء کے باہمی معاشرتی روابط کے اصول کو مستحکم کرتی ہیں اور ایک معاشرے کے افراد کے درمیان اخوت اور محبت پیدا کرتی ہیں اور مختلف طبقات کو



ایک دوسرے کے قریب لاتی ہیں اور معاشرے میں مساوات کے کم از کم درجے کا تحفظ کرتی ہیں۔

چوتھے یہ کہ زکوٰۃ اللہ کی نعمت مال کا شکر ہے اسی لیے اسے مال کی طرف منسوب کر کے زکوٰۃ مال کہا جاتا ہے اور یہ نسبت سبیت کی ہے جیسے نماز ظہر، رمضان کے روزے اور حج بیت اللہ۔

### ۳۔ زکوٰۃ کی فرضیت:

زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن اور اس کے فرائض میں سے ایک فرض ہے۔ شوال ۲ ہجری میں رمضان کے روزوں اور صدقہ فطر کے بعد مدینہ منورہ میں فرض ہوئی۔ اس امر پر اجماع ہے کہ زکوٰۃ انبیاء پر فرض نہیں کیوں کہ زکوٰۃ ان لوگوں پر فرض ہوتی ہے جن کے بارے میں یہ امکان ہوتا ہے کہ وہ مالی معاملات میں آلودہ ہو گئے ہیں جب کہ انبیاء اس سے پاک ہوتے ہیں، ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کی طرف سے امانت ہوتا ہے۔ ان کی اپنی ملکیت نہیں ہوتا، ان کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ قرآن نے بیسی مقامات پر زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ ملا کر ذکر کیا جس سے ان دونوں کے باہمی تعلق کا اندازہ ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت سے واجب ہے۔ کتاب اللہ میں ہے: اقیموا الصلاة وآتوا الزکاة (البقرہ، ۲: ۴۳؛ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو)۔ نیز ارشاد ربانی ہے: خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم وتزکیہم بہا (التوبہ، ۹: ۱۰۳؛ ان کے اموال سے صدقہ وصول کریں جو انہیں پاک کرے گا اور اس کے ذریعے سے ان کے مال میں اضافہ ہوگا) نیز فرمایا: وآتوا حقہ یوم حصادہ (انعام، ۶: ۱۴۱؛ اللہ کا حق ادا کرو

جس روز فصل کاٹو) اس کے علاوہ بہت سی آیات ہیں۔

سنت میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، ان میں سے ایک زکوٰۃ ادا کرنا ہے“ (۵)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تو فرمایا: ”انہیں بتانا کہ اللہ نے ان کے اموال میں صدقہ فرض کیا ہے، جو ان کے اغنیاء سے لے کر ان کے فقرا کو دیا جائے گا“ (۶)۔ نیز اور بہت سی احادیث بھی ہیں۔

مسلمان تمام زمانوں میں زکوٰۃ کے وجوب پر متفق رہے۔ صحابہؓ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا، جو کوئی زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کرے مرتد ہو جاتا ہے، اگر وہ مسلمان تھا اور اسلامی ملک میں اہل علم کے درمیان پلا بڑھا۔ اس پر مرتد کے احکام جاری ہوں گے۔ اسے تین بار توبہ کرنے کا کہا جائے گا۔ اگر توبہ کر لیتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ جو کوئی اپنی جہالت کے باعث اس کی فرضیت سے انکار کرے، مثلاً نیا مسلمان ہونے کے باعث یا شہروں سے دور جنگل میں پروان چڑھنے کی وجہ سے تو اسے زکوٰۃ کی فرضیت کی تعلیم دی جائے گی، معذور ہونے کی وجہ سے اس پر کفر کا حکم نہیں لگے گا۔

## ۴۔ زکوٰۃ روکنے والے کی سزا:

زکوٰۃ نہ دینے والے کو آخرت میں بھی سزا ملے گی اور دنیا میں بھی۔ آخرت کی سزا تو دردناک عذاب ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں ہے: **وَالَّذِينَ يَكْنُزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتَكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنُزُونَ (التوبہ، ۳۴-۳۵)؛** ”جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دو جس روز اسے جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور

اس سے ان کی پیشانیاں، پہلو اور پٹھیں داغی جائیں گی، انہیں کہا جائے گا، یہ ہے وہ خزانہ جسے تم اپنے لیے جمع کر کے رکھتے تھے اب اپنے مال کا مزا چکھو۔“۔

ارشاد نبویؐ ہے: ”جسے اللہ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی، وہ مال گنجه سانپ کی شکل اختیار کر لے گا، اس کی آنکھوں پر دو نقطے ہوں گے، قیامت کے روز اس کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا جو اس کے جڑوں کو ڈسے گا، پھر اس سے کہے گا میں ہوں تمہارا مال، میں ہوں تمہارا خزانہ۔“ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت کی: ولا تحسبن الذين يخلون بما آتاهم الله من فضله هو خيرا لهم بل هو شر لهم سيطوقون ما بخلوا به يوم القيامة، والله ميراث السموات والأرض والله بما تعملون خبير (۷) (آل عمران، ۳: ۱۸۰)؛ جو لوگ اللہ کے دیے ہوئے مال میں بخل کرتے ہیں ان کے بارے میں یہ خیال نہ کرو کہ یہ بات ان کے لیے بہتر ہے، بلکہ یہ ان کے لیے بہت برا ہے، قیامت کے روز بخل سے جمع کیا ہوا مال طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈال دیا جائے گا، آسمانوں اور زمین کی ملکیت اللہ کے لیے ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے باخبر ہے۔“۔

ایک روایت میں ہے: ”جو سونے چاندی کا مالک اس کا حق ادا نہیں کرتا (یعنی زکوٰۃ نہیں دیتا) قیامت کے روز اس کی آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی، انہیں جہنم میں گرم کیا جائے گا پھر ان سے اس کی پیشانی، پہلو اور پیٹھ داغی جائے گی۔ جب ٹھنڈی ہوں گی تو دوبارہ یہی عمل ہوگا، ایک ایسے دن میں جس کی مدت پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی حتیٰ کہ بندوں کے حقوق ادا کر دیئے جائیں گے، اس کے بعد وہ اپنی راہ دیکھے گا، جنت یا جہنم کی طرف۔“۔

دنیاوی سزا: اگر کوئی فرد اپنی کوتاہی اور لاپرواہی کی وجہ سے زکوٰۃ نہیں دیتا تو دنیا میں اسے یہ سزا دی جائے گی کہ اس سے زکوٰۃ بھی وصول کی جائے گی، تعزیری سزا بھی دی جائے گی اور مالی جرمانہ بھی ہوگا اور حاکم اس کے مال کا ایک حصہ زبردستی اس سے لے لے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو اجر کی امید پر زکوٰۃ دیتا ہے اسے اس کا اجر ملے گا اور جو نہیں دے گا، اس سے ہم وصول کریں گے اور اس کے اونٹوں کا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کے طور پر لے لیں گے لیکن اس میں سے آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے کوئی چیز حلال نہیں ہے“ (۸)۔

اگر مانع زکوٰۃ، زکوٰۃ کی فرضیت کا بھی انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور اسے مرتد کی طرح قتل کر دیا جائے گا کیوں کہ زکوٰۃ کی فرضیت بدابہت معلوم ہے کہ اللہ کے دین کا لازمی حصہ ہے۔ جس نے اس کے وجوب کا انکار کیا اس نے اللہ اور اللہ کے رسول کی تکذیب کی، اس کے کفر کا حکم دیا جائے گا۔

مسلمانوں کو مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کرنا چاہیے جیسا کہ صحابہ کرامؓ نے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: ”بخدا جو کوئی نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرے گا میں اس سے قتال کروں گا۔ اللہ کی قسم! اگر ایک بکری کا بچہ (۹) بھی جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کرتے تھے، روکیں گے تو اس روکنے پر ان سے لڑائی کروں گا“ (۱۰)۔

مسلم، ترمذی اور ابو داؤد کے الفاظ ہیں: ”اگر وہ ایک رسی بھی جو پہلے دیتے تھے روک لیں گے تو۔۔۔“ اسی بنا پر علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی ایک یا زیادہ اشخاص زکوٰۃ روک لیتے ہیں اور لڑائی کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں تو حکمرانوں پر ان سے قتال واجب

ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے وجوب سے ناواقف ہونے کی وجہ سے یا بخل کے باعث زکوٰۃ روکتا ہے تو اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا۔

### بحث دوم: زکوٰۃ کا سبب، اس کی شرائط اور رکن:

حنفیہ کے نزدیک (۱۱) زکوٰۃ کا سبب بڑھنے والے نصاب کی مقدار کا مالک ہونا ہے، خواہ تقدیراً بڑھنے والا ہو، یعنی اس میں بڑھنے کی صلاحیت ہو اور شرط یہ ہے کہ اس پر ایک قمری سال گزر گیا ہو، شمسی سال نہیں، اور دوسری شرط یہ ہے اس پر کوئی ایسا قرض نہ ہو جس کا بندوں کی طرف سے کوئی مطالبہ کرنے والا ہو اور وہ مال اصلی ضروریات سے زائد ہو۔

یاد رہے کہ سبب اور شرط پر کسی چیز کا وجود موقوف ہوتا ہے البتہ وجوب کی نسبت سبب کی طرف ہوتی ہے، شرط کی طرف نہیں، جو کوئی نصاب کا مالک نہیں اس پر زکوٰۃ واجب نہیں، اوقاف پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے کیوں کہ اس کا کوئی مالک نہیں اور اگر دشمنوں نے اپنے ملک میں کسی کے مال پر قبضہ کر لیا ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ قبضے کے ذریعے اب وہ مالک ہو گئے ہیں۔

نصاب سے مراد وہ مقدار ہے جسے شارع نے زکوٰۃ کے وجوب کی علامت کے طور پر مقرر کیا ہے اور اس کی تفصیل آئندہ اموال زکوٰۃ کی بحث میں آئے گی جیسے دوسو درہم یا بیس دینار۔

اس بنا پر ایسے مال تجارت پر زکوٰۃ نہیں ہے جس کا ابھی قبضہ نہ لیا ہو کیوں کہ ملکیت مکمل نہیں ہوئی، نیز تمام مذاہب کا اتفاق ہے کہ ضروریات زندگی، مثلاً لباس، گھریلو سامان، رہائشی مکانات، سواری کے جانور، استعمال کا اسلحہ اور علمی کتب جو اصلی مالکوں کے پاس نہ ہوں اگر تجارت کے لیے نہیں ہیں اور پیشہ وروں کے آلات پر زکوٰۃ نہیں ہے

کیوں کہ یہ اصلی ضروریات میں شامل ہیں اور بڑھنے والا مال بالکل نہیں ہے۔

جو مال گم ہو گیا ہو یا کھو گیا ہو اور برسوں بعد ملا ہو حنفیہ کے نزدیک اس پر زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ وہ بڑھنے والا نہیں رہا، یا سمندر میں گر گیا تھا، برسوں بعد نکالا گیا، نہ ایسے غصب شدہ مال پر جس کے غصب کا ثبوت نہ ہو، اگر غصب کا ثبوت تھا تو غاصب سے واپس ملنے کے بعد گزرے ہوئے سالوں کی زکوٰۃ دینا ہوگی۔ نہ اس مال میں زکوٰۃ ہے جو کہیں زمین میں دفن کر کے اس کی جگہ بھول گیا تھا اور بعد میں یاد آئی، نہ اس امانت میں جو اجنبی شخص کو دے کر بھول گیا، اگر جاننے والے کو امانت دی تھی اور بھول گیا تھا اور اس کی زکوٰۃ دینا ہوگی کیوں کہ اس موقع پر بھول جانا کوتاہی ہے۔ ایسے قرض پر بھی زکوٰۃ نہیں جس میں مقروض نے سالہا سال قرض کا انکار کیے رکھا اور کوئی ثبوت نہیں تھا پھر بعد میں ثبوت مل گیا یا اس نے لوگوں کے سامنے اس کے قرض کا اقرار کر لیا، اس مال پر بھی زکوٰۃ نہیں جو ظلماً چھین لیا گیا ہو اور برسوں بعد واپس ملا ہو۔ اگر قرض کسی ایسے شخص پر ہو جو قرض کا اقرار کرتا ہے لیکن مال مٹول کر رہا ہے یا تنگ دست یا مفلس ہے یا قرض کا انکار کرتا ہے لیکن اس کا ثبوت موجود ہے تو اس قرض پر پچھلے سالوں کی زکوٰۃ بھی ہے، انکار کرنے کی صورت میں قابل اعتماد مذہب یہ ہے کہ اگر قرض واپس مل جائے تو زکوٰۃ دی جائے۔

ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ واجب نہ ہونے پر حنفیہ کی دلیل یہ حدیث ہے: ”مال ضمار (۱۲) میں زکوٰۃ نہیں ہے“، ضمار وہ مال ہے جس پر ملکیت باقی ہو لیکن اس سے نفع اٹھانا ناممکن ہو۔

اس امر پر اتفاق ہے کہ جس مال پر پورا ایک سال نہ گزرا ہو، اس پر زکوٰۃ نہیں ہے

جیسا کہ سنت نبویہؐ میں اس کی تصریح ہے جو شرائط کے ضمن میں بیان کی جائے گی۔  
نیز جواہر، موتیوں مثلاً یا قوت، زمرد، فیروزہ اور مرجان وغیرہ پر بالاتفاق زکوٰۃ نہیں  
ہے کیوں کہ شریعت نے ان پر زکوٰۃ کا کوئی حکم نہیں دیا نیز یہ استعمال کے لیے ہوتے ہیں،  
ہاں اگر تجارت کے لیے ہوں تو زکوٰۃ ہے۔

صرف چارہ کھانے والے اور کام کرنے والے مویشیوں پر جمہور کے نزدیک زکوٰۃ  
نہیں ہے۔ زکوٰۃ چرنے چگنے والے جانوروں پر ہے، مالکیہ کے نزدیک چارہ کھانے والے  
اور کام کرنے والے جانوروں پر بھی زکوٰۃ ہے۔

زکوٰۃ کا رکن: زکوٰۃ کا رکن یہ ہے کہ نصاب کا ایک حصہ مالک کے ہاتھ اور قبضے سے  
نکال کر کسی فقیر کو اس کا مالک بنایا جائے اور اس کے سپرد کر دیا جائے یا کسی ایسے شخص کے  
سپرد کر دیا جائے جو فقیر کا نائب ہو یعنی حاکم یا زکوٰۃ وصول کرنے والا عامل (۱۳)۔

### زکوٰۃ کی شرائط:

زکوٰۃ کی کچھ شرائط وجوب کی ہیں اور کچھ ادا کے صحیح ہونے کی ہیں۔ زکوٰۃ بالاتفاق  
آزاد مسلمان عاقل بالغ فرد پر واجب ہوتی ہے جب کہ وہ مقدار نصاب کا مالک ہو اور  
ملکیت مکمل ہو اور مال پر ایک سال گزر جائے اور زکوٰۃ ادا کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت ہو تو  
بالاتفاق زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

زکوٰۃ کے وجوب یعنی فرضیت کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں (۱۳):

۱- آزادی: بالاتفاق غلام پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، کیوں کہ وہ مالک نہیں ہوتا، جو  
مال غلام کے قبضہ میں ہوتا ہے اس کا مالک بھی اس کا آقا ہوتا ہے۔ مکاتب (جس غلام  
نے مالک سے رقم کے عوض آزادی کا معاہدہ کیا ہوا ہو) وغیرہ اگرچہ مالک ہوتے ہیں لیکن

ان کی ملکیت مکمل نہیں ہوتی۔ جمہور کی رائے میں غلام کے مال کی زکوٰۃ آقا پر واجب ہوتی ہے کیوں کہ وہ غلام کے مال کا مالک ہوتا ہے۔ جیسے کہ مضاربت میں شریک کے قبضے میں جو مال ہو یا وکیل کے پاس مال ہو تو اس کی زکوٰۃ اصل مالک کے ذمے ہے۔ مالکیہ کے نزدیک غلام کے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ غلام پر نہ آقا پر کیوں کہ غلام کی ملکیت ناقص ہے جب کہ زکوٰۃ مکمل ملکیت پر واجب ہوتی ہے اور آقا غلام کے مال کا مالک ہی نہیں ہے۔

۲- اسلام: اس پر اجماع ہے کہ کافر پر زکوٰۃ نہیں ہے، کیوں کہ یہ پاک کرنے والی عبادت ہے اور کافر میں طہارت کی اہلیت نہیں ہے۔

دوسرے ائمہ کے برعکس شافعیہ کے نزدیک مرتد کے پاس اس کے ارتداد سے پہلے جو مال تھا، یعنی اسلام کی حالت میں، اس پر زکوٰۃ واجب ہے، وہ ساقط نہیں ہوئی، جب کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر زکوٰۃ باقی نہیں رہی کیوں کہ وہ اصلی کافر کی طرح ہو گیا ہے۔ ارتداد کی حالت میں اس کے مال کی زکوٰۃ کا مسئلہ شافعیہ کے نزدیک یہ ہے کہ جو حکم اس کے مال کا ہے وہی زکوٰۃ کا ہے۔ اس کا مال موقوف ہے۔ اگر وہ مسلمان ہو جاتا ہے اور اس کا مال باقی رہتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔ اصلی کافر پر فقہاء نے صرف دو صورتوں میں زکوٰۃ واجب قرار دی ہے۔

۱- عشور: مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ ذمی اور حربی کافر اگر دوسرے شہروں سے مال تجارت مسلمانوں کے شہروں میں لاتے ہیں تو ان سے ٹیکس (عشر) لیا جائے گا، سال بھر میں جتنی بار بھی مال لائیں گے اور مال مقدار نصاب کو پہنچتا ہو یا نہ۔

مالکیہ کے نزدیک غیر مسلم تاجر جو مال مکہ، مدینہ اور ان کے آس پاس کے قصبوں میں لائیں مثلاً بالخصوص گندم اور زیتون کا تیل ان سے نصف عشر (بیسواں حصہ) ٹیکس لیا



جائے گا۔

امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ اس میں مقدار نصاب کا خیال رکھا جائے گا اور ذمی سے نصف عشر (۱/۲۰) اور حربی سے عشر (۱/۱۰) وصول کیا جائے گا لیکن یہ باہمی برابری کے معاہدے یا برابر ٹیکس کی بنیاد پر ہوگا یعنی جس قدر ٹیکس وہ مسلمان تاجروں سے لیتے ہیں اتنا ہی ان سے لیا جائے گا۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر شرط لگائی گئی ہے پھر تو لیا جائے ورنہ نہیں۔ اگر حربی کا مال لیتے وقت عشر کی شرط لگائی گئی تھی تو لے لیا جائے ورنہ نہیں۔

۲- ابوحنیفہؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کا قول یہ ہے کہ بنو تغلب کے نصاریٰ سے بطور خاص (۱۵) دگنی مقدار میں زکوٰۃ لی جائے کیوں کہ یہ جزیہ کا بدل ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کے اتباع کا تقاضا ہے امام مالکؒ سے اس سلسلے میں کوئی روایت منقول نہیں۔

۳- بلوغ اور عقل: حنفیہ کے نزدیک شرط ہے، بچے اور دیوانے کے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ یہ دونوں عبادت ادا کرنے کے مخاطب نہیں ہیں جیسے نماز اور روزے ان پر فرض نہیں ہیں۔

جمہور کے نزدیک یہ شرط نہیں ہیں۔ بچے اور دیوانے کے مال میں بھی زکوٰۃ واجب ہے اور ان کا ولی ان کے مال سے زکوٰۃ ادا کرے کیوں کہ حدیث میں ہے: ”جو شخص یتیم کا ولی ہے اور یتیم کا مال ہو تو اسے تجارت میں لگائے، چھوڑ نہ دے تاکہ اسے زکوٰۃ نہ کھا جائے“۔ ایک روایت میں ہے: ”یتیم کے مال کو تجارت میں لگاؤ تاکہ اسے زکوٰۃ نہ کھا جائے“ (۱۶)، نیز زکوٰۃ سے زکوٰۃ دینے والے کو ثواب ملتا ہے، فقرا کی دل جوئی ہوتی ہے۔ بچہ اور دیوانہ حصول ثواب کی اہلیت رکھتا ہے اور دل جوئی کر سکتا ہے، اس لیے ان کے مال

میں سے اقربا کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔ یہ رائے زیادہ مناسب ہے کیوں کہ اس میں فقرا کی مصلحت اور ان کی ضروریات پوری کرنے کا خیال رکھا گیا ہے اور محتاجوں کی نگاہوں سے مال محفوظ کرنے کا ذریعہ ہے، اس میں تزکیہ نفس بھی ہے اور لوگوں کی امداد اور سخاوت کی عادت پیدا کرنے کی تربیت بھی۔

۴- مال ایسا ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے: اس کی پانچ قسمیں ہیں: دونوں نقدیاں یعنی سونا چاندی، خواہ ان کے سکے نہ ڈھالے گئے ہوں اب ان کے قائم مقام کرنسی نوٹ ہیں، معدنیات اور دھاتیں، سامان تجارت، غلے اور پھل اور چرنے والے گھریلو جانور جمہور کے نزدیک اور مالکیہ کے نزدیک چارہ کھانے والے بھی شامل ہیں۔

شرط یہ ہے کہ مال بڑھنے والا ہو، کیوں کہ زکوٰۃ کے معنی ہی بڑھنا ہے اور جو مال بڑھنے والا ہو اسی میں یہ صفت ہو سکتی ہے۔ ضروری نہیں کہ حقیقتاً مال بڑھے، بس اس میں یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ تجارت سے یا چرنے چرانے سے اس میں اضافہ ہو سکتا ہو، یہ جمہور کی رائے ہے کیوں کہ مویشی چرانے سے ان سے دودھ، مزید مویشی اور گھی حاصل ہوتا ہے اور تجارت نفع حاصل کرنے کا سبب ہے اور سبب مسبب کا قائم مقام ہے۔

موتیوں، جوہرات، سونے چاندی کے علاوہ دیگر معدنیات میں گھریلو سامان، مکانات اور زمینوں کی اصل پر، اونٹوں، خچروں، گدھوں، سدھائے ہوئے چیتوں اور کتوں پر، شہد، دودھ، کاریگری کے آلات اور علمی کتابوں پر زکوٰۃ نہیں ہے بشرطیکہ یہ چیزیں تجارت کے لیے نہ ہوں۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نسل کشی کے لیے پالتو گھوڑوں پر زکوٰۃ ہے، فتویٰ اس پر ہے کہ ان میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے، حنفیہ، مالکیہ، اور ظاہریہ نے شہد میں زکوٰۃ کو واجب قرار دیا

ہے لیکن مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک واجب نہیں ہے۔

۵- مال نصاب کی مقدار کا ہو یا نصاب کی قیمت کے برابر ہو: اس سے مراد وہ مقدار ہے جو شریعت نے غنا (مال دار ہونا) اور زکوٰۃ کے وجوب کی علامت کے طور پر مقرر کی ہے، اس مقدار کی تفصیل اموال زکوٰۃ کی اقسام کے ذیل میں آئے کی۔ جہاں ہر قسم کا الگ الگ نصاب بیان کیا جائے گا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سونے کا نصاب بیس مثقال یا دینار ہے، چاندی کا دو سو درہم، غلے اور پھل خشک ہونے کے بعد حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے پانچ وسق یعنی ۶۵۳ کیلوگرام ہوں، جانوروں کا کم از کم چالیس بکریاں، پانچ اونٹ اور تیس گائے نصاب زکوٰۃ ہے۔

۶- مال کا مکمل مالک ہو: مالک ہونے سے کیا مراد ہے؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کیا اس سے قبضہ مراد ہے یا تصرف کا اختیار یا اصل ملکیت؟

حنفیہ کے نزدیک (۱۷) اصل ملکیت اور قبضہ مراد ہے (۱۸)۔ یعنی مال ملکیت میں ہو، وقف کے جانوروں اور گھوڑوں پر زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ ان میں ملکیت نہیں ہے۔ جس مال پر دشمن قبضہ کر لیں اور اپنے علاقے میں روک لیں اس پر زکوٰۃ نہیں کیوں کہ حنفیہ کے نزدیک قبضہ کرنے سے وہ مالک ہو جاتے ہیں اور مسلمان کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ مباح زمین میں اگنے والی فصل پر زکوٰۃ نہیں کیوں کہ اس کی ملکیت نہیں ہے۔ قرض دار پر زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ اس کے پاس جو مال ہے وہ درحقیقت کسی اور کی ملکیت ہے۔ اس مال کی زکوٰۃ اس کے اصلی مالک کے ذمے ہے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ مال پر قبضہ ہو۔ اگر مال کی ملکیت ہو اور قبضہ نہ ہو مثلاً عورت کا مہر قبضے سے قبل، اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ ایسا مال جس سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے اگرچہ اصل ملکیت باقی رہتی ہے

مثلاً گم شدہ جانور، گم شدہ مال، سمندر میں ڈوب جانے والا مال۔ جو مال حکمران نے ظلماً لے لیا ہو، جس قرض سے قرض دار نے انکار کر دیا ہو اور قرض خواہ کے پاس کوئی ثبوت نہ ہو اس پر سال گزر جائے، بعد میں ثبوت مل جائے مثلاً قرض دار لوگوں کے سامنے قرض کا اقرار کر لے۔ صحرا میں دفن کیا ہوا مال جس کی جگہ مالک بھول گیا ہو، اگر گھر میں دفن کیا ہوا ہے تو بالا جماع اس پر زکوٰۃ واجب ہے، حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ دینے والے کے پاس جو ایسا مال ہے کہ جس کے مقابلے میں اس نے قرض دینا ہے تو قرض کی مقدار کے برابر مال پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیوں کہ قرض کی مقدار مال کی ملکیت درحقیقت قرض خواہ کی ہے اس کے قرض دار مالک کی نہیں ہے۔

مالکیہ کے نزدیک (۱۹) مکمل ملکیت سے مراد یہ ہے کہ اصل ملکیت ہو اور مالک کو اپنی ملکیت میں تصرف کا اختیار بھی ہو اگر کسی کے پاس کوئی چیز بطور رہن ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں کیوں کہ وہ اس کا مالک نہیں ہے، اس طرح جو چیز لوگوں کی مشترک ملکیت کے طور پر مال مباح ہو، اس میں زکوٰۃ نہیں مثلاً کسی ایسی زمین میں کوئی فصل اُگے جو کسی ایک شخص کی ملکیت نہ ہو تو وہاں ملکیت نہیں ہے۔ جو مالک نہ ہو مثلاً غاصب ہو یا اس کے پاس مال بطور امانت ہو یا اس نے گرا پڑا مال اٹھایا ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

عورت جب اپنے مہر پر قبضہ کر لے اور اس پر ایک سال گزر جائے تب اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ وقف کرنے والے کی ملکیت اگر نصاب کی مقدار کو پہنچتی ہو تو اس پر زکوٰۃ ہے اور اگر نصاب کی مقدار کو نہ پہنچے لیکن وقف کرنے والے کے پاس دوسرا مال ہے جسے ملا کر نصاب مکمل ہو جاتا ہے تو بھی زکوٰۃ دے بشرطیکہ وقف جائداد، وقف کرنے والے کے قبضے میں ہے وہ اس میں کاشت کرتا ہے، اس کا تمام انتظام کرتا ہے اور جب

پیداوار آجاتی ہے تو اسے تقسیم کرتا ہے۔ مالکیہ کے نزدیک وقف کرنے سے اصل جائداد مالک کی ملکیت سے نہیں نکلتی۔ غصب شدہ، چوری شدہ مال اور جس قرضے کا قرض دار نے انکار کر دیا ہو اور جو مال کسی جگہ دفن ہو اور جو گم ہو گیا ہو، جب واپس ملے تو ایک سال کی زکوٰۃ ادا کرے۔ اگر امانت کئی سال تک کسی کے پاس رہے تو جب واپس ملے تو جتنے سال گزرے ہیں اتنے سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے۔ اگر کسی کے پاس کسی دوسرے سے لیا ہوا قرض کا روپیہ ہے تو جب ایک سال گزر جائے تو اس میں سے قرض دار زکوٰۃ ادا کرے بشرطیکہ اس کے پاس زمین وغیرہ کوئی ایسی چیز ہے جس سے قرض ادا کیا جاسکتا ہو، کیوں کہ اگر قرض ادا کرنے کی استطاعت ہے تو وہ روپیہ اس کی اپنی ملکیت سمجھا جائے گا۔ اگر اس کے پاس جو مال ہے وہ غلہ یا جانور یا معدنیات ہیں تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، خواہ اس کے پاس ایسا کوئی مال نہ ہو جس سے قرض ادا کر سکے۔

شافعیہ کے نزدیک (۲۰) مکمل ملکیت جو اصل میں ہوتی ہے موجود ہو اور تصرف کی قدرت بھی ہو۔ مکاتب کے مال میں آقا پر زکوٰۃ واجب نہیں کیوں کہ اسے تصرف کا حق نہیں ہے، وہ اجنبی کے مال کی طرح ہے۔ اوقاف میں زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ وہ اللہ کا مال ہے۔ جو مال عوام کے لیے مباح ہو اور لوگوں کی مشترکہ ملکیت ہو مثلاً جنگل میں اُگنے والی نباتات اور کوئی خاص شخص ان کو اُگا، نہ رہا ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ کسی کی مختص ملکیت نہیں ہے۔

وقف زمین اگر کسی شخص نے اجرت پر لی ہوئی ہو تو اس زمین کی اجرت کے علاوہ اس کی پیداوار کی زکوٰۃ بھی اسے دینا ہوگی۔ اگر کھجوروں اور انگوروں کے درخت کسی متعین آدمی کے لیے وقف کیے گئے ہیں تو جس کے لیے وقف کیے گئے ہیں اسے ان کے پھلوں

کی زکوٰۃ دینا ہوگی۔ جدید شافعی مذہب یہ ہے کہ غصب شدہ، گم شدہ اور گر جانے والے مال کی پہلے سال کی زکوٰۃ واجب ہے، نیز چوری شدہ، سمندر میں گر جانے والے، غائب مال اور امانت جب اپنے اصل مالک کو واپس مل جائے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے کیوں کہ یہ مال اپنے اصلی مالک کا تھا اور اس سے زکوٰۃ کا مطالبہ تھا، غصب کرنے والے کو مال کی واپسی کے لیے مجبور کیا جاسکتا تھا۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کسی وکیل کے پاس کسی کا مال ہو۔

صحیح یہ ہے کہ گرے ہوئے مال کو اٹھانے والے پر اس وقت زکوٰۃ واجب ہوگی جب اس کی ملکیت پر ایک سال گزر جائے کیوں کہ ملکیت پر ایک سال گزرنا ضروری ہے۔ صحیح یہ ہے کہ قرض کی وجہ سے زکوٰۃ معاف نہیں ہوتی کیوں کہ زکوٰۃ کا تعلق اصل مال سے ہے اور قرض ایک ذمہ داری ہے، اس لیے ذمہ داری زکوٰۃ کی معافی کا سبب نہیں جیسے کسی نے قرض بھی دینا ہو اور دیت بھی دینی ہو۔ اس کی تائید حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: ”یہ تمہارے زکوٰۃ دینے کا مہینہ ہے، جس کسی پر قرض ہے وہ قرض ادا کرے تاکہ تمہیں اپنا مال مل جائے اور اس میں سے زکوٰۃ ادا کر سکو“۔

عورت کو جب اپنا مہر مل جائے اور اس پر قبضہ کر لے اس وقت اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس سے پہلے وہ رقم شوہر کے ذمے قرض ہے۔

قرض دار کی اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے جو اس نے بطور قرض لی ہوئی ہے اور اس پر سال گزر گیا ہے اور اس کی ملکیت میں ہے کیوں کہ قرض کی وجہ سے وہ اس رقم کا مکمل مالک ہے۔

حنا بلہ کے نزدیک (۲۱) اصل ملکیت اور اختیار کی حد تک تصرف کی قدرت ہونا ضروری ہے۔ غیر معین وقف مثلاً مساجد، مدارس اور مساکن وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں اور معین وقف مثلاً زمین اور درختوں پر زکوٰۃ ہے، اور راجح قول یہ ہے کہ غصب شدہ، چوری شدہ، جس قرض کا انکار کر دیا گیا ہو، اور گم شدہ مال جب واپس مل جائے تو قرض کی طرح اس پر بھی زکوٰۃ ہے۔ گرا پڑا مال اٹھانے والے پر اس مال میں زکوٰۃ ہے جب کہ اس پر ایک سال گزر جائے جیسا کہ اس کے دوسرے مال میں زکوٰۃ ہے جب کہ اس کے اعلان کے بعد ایک سال گزر گیا ہو۔ عورت کو جب مہر مل جائے تو پچھلے سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرے کیوں کہ یہ قرض تھا۔ اس کا حکم وہی ہے جو قرض کی وصولی کے بعد سابقہ سالوں کی زکوٰۃ کا ہے۔ اگر عورت نے خلوت سے پہلے مہر وصول کر لیا تھا، اس پر سال گزر گیا اور اس نے زکوٰۃ ادا کر دی، بعد میں شوہر نے خلوت سے پہلے طلاق دے دی تو نصف زکوٰۃ کا مطالبہ شوہر سے ہوگا اور باقی نصف بیوی نے دینا ہوگا۔

۷۔ نصاب کی ملکیت پر ایک قمری سال گزر جائے: کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”ایک سال پورا ہونے سے پہلے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے“ (۲۲)۔ نیز تابعین اور فقہاء کا اجماع ہے۔ زکوٰۃ کا سال قمری سال ہے۔ شمسی سال نہیں ہے۔ اس پر اتفاق ہے جیسے کہ باقی تمام اسلامی احکام مثلاً روزہ، حج، قمری سال سے متعلق ہیں۔ سال گزرنے کے بارے میں فقہاء کی آراء قریب قریب ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔

حنفیہ کی رائے یہ ہے (۲۳) کہ سال کے شروع اور آخر میں نصاب مکمل ہونا شرط ہے، خواہ سال کے درمیان میں نصاب مکمل ہو یا نہ ہو۔ اگر کوئی شخص سال کے شروع میں نصاب کا مالک تھا پھر سال کے اختتام تک نصاب کا مالک رہا، کوئی وقت سال کے دوران

ایسا نہیں آیا، جب وہ مالک نصاب نہ رہا ہو یا سال کے دوران مال بالکل ختم ہو گیا ہو، دونوں صورتوں میں زکوٰۃ واجب ہے، نیز اگر سال کے درمیان نصاب میں کمی آگئی، سال کے آخر میں پھر نصاب پورا ہو گیا تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور سال کے دوران نصاب کی کمی زکوٰۃ پر اثر انداز نہیں ہوگی بشرطیکہ سال کے ابتدا اور انتہا میں نصاب مکمل ہے۔

سال کے دوران میں جو نیا مال ہبہ یا وراثت کے ذریعے حاصل ہو وہ اصل مال کے ساتھ شامل کر لیا جائے گا اور اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی کیوں کہ ہر نئے مال کے لیے از سر نو سال کا حساب رکھنا مشکل ہے۔ اس میں بہت تنگی ہے بالخصوص جب کہ نصاب درہموں کی صورت میں ہے اور مالک نصاب ان کے نفع کا مالک ہے، اسے ہر روز ایک دو درہم نئے مل جاتے ہیں۔ سال کا حساب زکوٰۃ ادا کرنے والے کی سہولت کے پیش نظر ہے۔

غلے اور پھلوں کے علاوہ باقی اشیا کی زکوٰۃ پر سال گزرنے کی شرط ہے۔ غلے اور پھلوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب پھل ظاہر ہو جائیں اور ان کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور اس حد تک پہنچ جائیں کہ ان سے استفادہ کیا جاسکے، خواہ ابھی کاٹنے کے قابل نہ ہوئے ہوں۔

مالکیہ کے مطابق (۲۴) سال گزرنا سونے چاندی، مال تجارت اور مویشیوں کی زکوٰۃ کے لیے شرط ہے۔ معدنیات، دھاتوں غلے (۲۵) اور پھلوں کے لیے سال کی شرط نہیں ہے بلکہ پھل جب کھانے کے قابل ہو جائیں (۲۶) تو ان میں زکوٰۃ ہے، خواہ سال پورا نہ ہوا ہو۔ اگر سال کے دوران جانوروں میں اضافے کے علاوہ اور ذرائع مثلاً ہبہ، میراث یا تجارت وغیرہ کے ذریعے نیا مال حاصل ہو تو اس پر اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جب تک سال مکمل نہ ہو جائے۔ اگر مال کا منافع یا تجارت کا منافع ہے تو سال کا شمار



اصل مال کے سال سے ہوگا، خواہ اصل مال نصاب کی مقدار کا ہو یا اس سے کم ہو اور منافع کے باعث مقدار نصاب کو پہنچ جائے کیوں کہ منافع اصل کے ساتھ شامل ہوتا ہے۔ اگر سال کے دوران سونا چاندی مقدار نصاب سے کم ہو گیا، پھر اس میں نفع ہو گیا یا تجارت کی اور مزید مال حاصل ہو گیا تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ مالکیہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ مال کے نفع کا سال اصل مال کے سال سے وابستہ ہے، اس طرح جانوروں کی اولاد میں اضافہ ان کی ماؤں کے سال سے وابستہ ہے۔

جانوروں کی زکوٰۃ وصول کرنے والا جب آئے گا تب زکوٰۃ واجب ہوگی، اس کی آمد سے قبل زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

شافعیہ کی رائے (۲۷) مالکیہ سے ہم آہنگ ہے کہ سال گزرنے کی شرط نقدی، سامان تجارت اور جانوروں میں ہے، پھلوں، غلوں، معدنیات اور دہاتوں میں نہیں ہے البتہ سارا سال نصاب کا باقی رہنا ضروری ہے، اگر سال کے دوران ایک لمحہ کے لیے بھی نصاب میں کمی آگئی تو مویشیوں کے علاوہ باقی مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ مویشیوں کے بچے اپنی ماؤں کے تابع ہوں گے اور انہیں کے حساب سے سال پورا کریں گے، نیز مال تجارت کا منافع بھی اصل مال کے ساتھ شامل ہوگا بشرطیکہ اصل مال سارا سال نصاب کی مقدار باقی رہا۔ سال کے دوران اگر معاوضوں کی ادائیگی یا اور کسی وجہ سے مثلاً خرید و فروخت، ہبہ وغیرہ سے ملکیت باقی نہ رہی تو سال نئے سرے سے شروع ہوگا یعنی اگر سال کے شروع میں نصاب موجود تھا، سال کے درمیان میں کم ہو گیا، پھر پورا ہو گیا تو پورا ہونے کے بعد جب سال مکمل ہوگا تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

سال کے دوران جو نیا مال حاصل ہو مثلاً خریدنے سے یا ہبہ، وراثت اور وقف

وغیرہ کے ذریعے اس کا سال نئے سرے سے شروع ہوگا البتہ مویشیوں کے بچے اور مال تجارت کا نفع اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ نیا مال نئے سرے سے ملکیت میں آیا ہے اس لیے اسے پہلے مال کے ساتھ ملا کر سال پورا نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کا سال نئے سرے سے شروع ہوگا۔

جس چیز پر زکوٰۃ واجب ہو سال پورا ہونے سے پہلے اس کی ملکیت اس خیال سے ختم کر دینا کہ زکوٰۃ سے بچ سکے مکروہ ہے اور اکثر علماء کی رائے میں حرام ہے کیوں کہ یہ نیکی سے فرار ہے۔

حنابلہ کے نزدیک (۲۸) سونے، چاندی، جانوروں اور سامان تجارت میں سال پورا ہونا ضروری ہے۔ غلے، پھلوں، معدنیات اور دہاتوں میں سال کی شرط نہیں ہے اور سارا سال نصاب موجود رہنا چاہیے۔ ہاں، اگر تھوڑے وقت مثلاً آدھا دن یا چند گھنٹوں کے لیے نصاب کی مقدار سے مال کم ہو گیا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر سال کے دوران نصاب کم ہو جائے تو مویشیوں کے بچوں اور سامان تجارت کے نفع کے سوا باقی چیزوں میں نئے سرے سے سال شروع کیا جائے گا۔ مویشیوں کے بچے اور سامان تجارت کا نفع اصل مال کے ساتھ شامل کر لیا جائے گا کیوں کہ یہ اصل کے تابع ہے اور اس سے پیدا ہوا ہے اور نفع دنوں اور گھنٹوں میں بڑھتا ہے اس لیے اس کا حساب کتاب رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح مویشیوں کے بچوں کا بھی حساب رکھنا مشکل ہے۔ کبھی نفع ہوتا ہے لیکن اس کا احساس نہیں ہوتا اس لیے ہر ایک کا نیا حساب رکھنے میں شدید مشقت ہے۔

مال تجارت کے نفع اور جانوروں کی اولاد کے سوا سال کے دوران جو نیا مال مثلاً خرید و فروخت، ہبہ، میراث یا غنیمت وغیرہ کے ذریعے حاصل ہو اس کا سال نئے سرے

سے شمار ہو گا اور جب تک اس پر مستقل پورا سال نہ گزرے زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیوں کہ اس طرح مال شاذ و نادر آتا ہے اور بار بار نہیں آتا، اس لیے اس کا حساب کتاب رکھنا مشکل نہیں، اور اگر مشکل ہو، تب بھی جانوروں کی اولاد اور تجارت کے منافع کی بہ نسبت کم مشکل ہے، اس لیے اسے اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک سال گزرنا متفقہ شرط ہے۔ جانوروں کی اولاد اور تجارت کے منافع کو بالاتفاق اصل مال کے ساتھ شامل کر لیا جائے گا، ان دونوں اشیاء کے سوا سال کے دوران میں جو نیا مال حاصل ہو، حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ دینے والے کی سہولت کے پیش نظر اسے اصل نصاب کے ساتھ شامل کر لیا جائے تاکہ مشقت اور دقت نہ ہو کیوں کہ ہر مال کا الگ الگ حساب رکھنا مشکل ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں سال کی شرط لوگوں کی سہولت کے لیے ہے۔

جمہور کے نزدیک نئے مال کے لیے نئے سرے سے سال کا شمار ہوگا کیوں کہ یہ عدل کا تقاضا ہے اور نئی ملکیت ہے، اس کے لیے سال کی الگ سے شرط ہے جیسا کہ کسی دوسری جنس سے اگر کسی کو نیا مال حاصل ہو جو جنس پہلے اس کے پاس نہ ہو اور اس سے نصاب شروع ہوتا ہو تو نئے سرے سے سال کا آغاز کریں گے، نیز حدیث میں ہے: ”جسے نیا مال حاصل ہو، اس پر سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ نہیں ہے“ (۲۹)۔

۸- قرض نہ دینا ہو: غلوں اور پھلوں کے سوا مال کی زکوٰۃ کے بارے میں حنفیہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ اس مال پر قرض نہ دینا ہو، حنابلہ کے نزدیک یہ شرط ہر قسم کے مال پر ہے اور مالکیہ کے نزدیک صرف نقدی پر ہے، غلے، مویشیوں اور معدنیات پر نہیں ہے، شافعیہ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے (۳۰)۔ تمام آراء کی تفصیل یہ ہے۔

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ جس قرض کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہو اس کے ہوتے ہوئے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی خواہ وہ زکوٰۃ اللہ کی طرف سے مقرر ہو مثلاً زکوٰۃ یا خراج (زمین کا ٹیکس) یا بندے کی طرف سے جیسے کفالت کا قرض کیوں کہ قرض خواہ اور جس کی کفالت کی ذمہ داری ہو اسے یہ حق ہے کہ مقروض اور کفیل کے جس مال سے چاہے اپنا قرض وصول کرے۔ قرض خواہ مؤجل ہو حتیٰ کہ اگر بیوی کا مہر مؤجل ہو جو طلاق کی صورت میں ادا کرنا ہو یا کسی کا نفقہ ذمے میں ہو خواہ قاضی نے مقرر کیا ہو یا باہمی رضا مندی سے طے کیا ہو۔

ایسا قرض جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے نہیں ہوتا جیسے نذر، کفارے یا حج کا قرض، اس کی وجہ سے زکوٰۃ معاف نہیں ہوتی۔

قرض کی وجہ سے عشر (غلے اور پھلوں پر) خراج اور کفارہ معاف نہیں ہوتا، یعنی اگر قرض دینا ہے تو اس کی وجہ سے مالی کفارے کا وجوب ختم نہیں ہوگا، صحیح تر روایت یہی ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اموال باطنہ یعنی نقدی اور سامان تجارت میں قرض کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کیوں کہ حضرت عثمانؓ کا قول ہے: ”یہ تمہارا زکوٰۃ کا مہینہ ہے جس پر قرض ہے وہ قرض ادا کرے تاکہ تم اپنے مال کی زکوٰۃ دے سکو“ (۳۱)، ایک روایت میں ہے: ”جس کسی پر قرض ہے وہ اپنا قرض ادا کرے اور باقی مال چھوڑ دے“۔ یہ بات انہوں نے صحابہؓ کی موجودگی میں کہی جس سے کسی نے اختلاف نہیں کیا، اس سے صحابہ کا اتفاق معلوم ہوتا ہے۔

قرض کی وجہ سے اموال ظاہرہ یعنی جانوروں، غلے اور پھلوں میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، پہلے قرض ادا کرے، پھر اخراجات نکالنے کے بعد دیکھے کہ کتنا بچتا ہے، جو بچ

جائے اس میں سے زکوٰۃ دے دے جیسا کہ اموال باطنہ میں بتایا گیا۔

اگر قرض کی رقم پورے نصاب کے برابر ہو یا قرض کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ اثاثہ نصاب کی مقدار سے کم رہ جائے اور نصاب کے سوا اور کوئی چیز نہ ہو جس سے قرض ادا کر سکے یا جو ضرورت سے زائد نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی مثلاً کسی کے پاس بیس مثقال سونا ہے اور اس پر ایک مثقال یا اس سے زیادہ یا کم قرض ہے کہ اگر قرض ادا کرتا ہے تو سونا مقدار نصاب سے کم رہ جاتا ہے اور اس کے سوا قرض ادا کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ اگر کسی کے پاس تیس مثقال سونا ہے اور دس مثقال قرض ہے تو بیس مثقال کی زکوٰۃ ادا کرے اور اگر دس مثقال سے زیادہ قرض ہے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ یعنی اگر قرض ادا کرنے کے بعد بھی اتنی رقم باقی ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو زکوٰۃ ادا کرے اور اگر قرض نصاب زکوٰۃ کے برابر ہے یا قرض ادا کرنے کے بعد نصاب سے کم رقم رہ جاتی ہے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

مالکیہ کے نزدیک اگر کسی کے پاس اتنا سامان نہ ہو جس سے قرض ادا ہو سکے تو قرض کی وجہ سے سونے چاندی کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، خواہ قرض مؤجل ہو یا بیوی کا مہر دینا ہو یا دیر سے دینا ہو یا جلدی دینا ہو یا بیوی، باپ یا بیٹے کا مقرر نفقہ دینا ہو یا پھیلی زکوٰۃ کا قرض ہو۔ البتہ قسم، ظہار یا روزوں کے کفارے کا قرض یا حج اور عمرے میں ہدی (قربانی) واجب ہوئی ہو تو اس کا قرض نقدی کی زکوٰۃ کے وجوب میں مانع نہیں ہے۔

اگر اتنا سامان ہو کہ اس سے قرض ادا کیا جاسکتا ہو تو زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی اور قرض کے بالمقابل سامان کی قیمت رکھ کر باقی رقم کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے گی۔ اس سے زکوٰۃ صرف دو شرائط سے ساقط ہوتی ہے:

۱- سامان کا اس کے پاس ایک سال گزر گیا ہو۔

۲- سامان ایسا ہو کہ مفلس پر فروخت کیا جا سکتا ہو مثلاً کپڑے، تانبا، جانور، خواہ سواری کا جانور ہو، جمعہ کا لباس ہو یا فقہ کی کتب ہوں۔ اگر بدن کا لباس ہو یا رہائش کا گھر ہو تو اسے فروخت نہ کیا جائے ہاں اگر یہ زائد از ضرورت ہوں تو فروخت کر دی جائیں اور سامان کی قیمت اس وقت کی لگائی جائے گی جب سال کے آخر میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اگر زکوٰۃ دینے والے نے بھی کسی سے قرض لینا ہے خواہ مؤجل ہو لیکن ملنے کی امید ہو تو جو قرض اس نے دینا ہے اسے اس کے بدلے میں حساب میں رکھے اور جو مال پاس ہے اس کی زکوٰۃ دے، اور اگر ملنے کی امید نہ ہو مثلاً کسی تنگ دست کو قرض دیا ہے یا کسی ظالم کو جس سے لینا ممکن نہیں تو اس قرض کو اپنے اوپر واجب قرض کے بدلے میں شمار نہ کرے۔

قرض کی وجہ سے غلے، پھلوں، جانوروں اور معدنیات کی زکوٰۃ معاف نہیں ہوتی کیوں کہ ان چیزوں کی ذات میں زکوٰۃ واجب ہے۔

اگر قرض خواہ نے قرض کی رقم مقروض کو ہبہ کر دی یا معاف کر دی تو جب تک مقروض کے پاس اس رقم کو ایک سال نہ گزر جائے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ ہبہ کے ذریعے اب وہ اس رقم کا مالک ہوا ہے جو اس کے قبضے میں تھی، پس جب تک ہبہ کی رقم پر پورا سال نہ گزر جائے اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

امام شافعیؒ کا جدید قول یہ ہے کہ قرض اگر اتنا ہو کہ پورے مال کو شامل ہو یا مال کی مقدار نصاب سے کم کر دے تب بھی زکوٰۃ کا وجوب ختم نہیں ہوتا، مال کے مالک پر زکوٰۃ واجب رہے گی، کیوں کہ زکوٰۃ کا تعلق مال سے ہے اور قرض کا ذمہ داری سے۔ اس لیے ایک سے دوسری چیز معاف نہیں ہوتی جیسے قرض اور دیت کی رقم۔

۹- اصل ضرورت سے زائد مال ہو: حنفیہ نے یہ شرط رکھی ہے (۳۲) کہ جس مال میں زکوٰۃ واجب ہے وہ قرض سے اصلی ضرورت سے زائد ہو، کیوں کہ جو رقم قرض یا اصلی ضرورت میں مصروف ہے گویا وہ موجود ہی نہیں ہے، ابن ملک نے اصلی ضرورت کی تعریف یوں کی ہے کہ وہ ایسی اشیا ہیں جو انسان سے ہلاکت کو واقعی طور پر دور کرتی ہیں مثلاً نفقہ، رہنے کا گھر، سامان جنگ، گرمی اور سردی سے بچاؤ کا لباس، یا تقدیراً انسان سے ہلاکت کو دور کرتی ہوں جیسے قرض کیوں کہ انسان اپنے آپ کو قید سے بچانے کے لیے جو ہلاکت کی مانند ہے۔ مقروض شخص مجبور ہے کہ جو نصاب اس کے پاس ہے وہ قرض ادا کرنے میں دے کر اپنے آپ کو بچائے۔

کارگیری کے آلات، گھر کا سامان، سواری کے جانور اور اہل علم کے لیے علمی کتابیں ایسی ہی اہمیت رکھتی ہیں کیوں کہ اہل علم کے لیے جہالت ہلاکت کی طرح ہے۔ اگر ان کے پاس روپے پیسے ان مصارف میں خرچ کرنے کے لیے ہوں تو گویا زائد از ضرورت مال نہیں ہے جیسے کسی شخص کے پاس اتنا ہی پانی ہو کہ اس سے پیاس بجھائی جاسکتی ہو تو گویا وہ پانی نہیں ہے اور تیمم جائز ہے۔

### زکوٰۃ کی ادائیگی کی صحت کی شرائط:

۱- نیت: فقہاء کا اتفاق ہے (۳۳) کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے نیت شرط ہے تاکہ زکوٰۃ کفاروں اور دوسرے صدقات سے ممتاز ہو کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”إنما الأعمال بالنیات“ (اعمال کا دار مدار نیت پر ہے)، زکوٰۃ ادا کرنا ایک عمل ہے۔ نیز نماز کی طرح عبادت ہے اس لیے نیت کی ضرورت ہے تاکہ فرض اور نفل میں امتیاز ہو سکے۔ فقہاء کے نزدیک نیت میں درج ذیل تفصیل ہے:

حنفیہ کے نزدیک جب تک فقیر کو زکوٰۃ دیتے وقت نیت نہ کی جائے زکوٰۃ کی ادائیگی درست نہیں ہوتی، خواہ حکماً نیت کا تعلق اس وقت سے ہو جائے مثلاً بغیر نیت کے فقیر کو مال دے دیا، ابھی مال فقیر کے ہاتھ میں تھا کہ زکوٰۃ کی نیت کر لی یا وکیل کو زکوٰۃ کی نیت سے مال دیا اور وکیل نے بلا نیت آگے فقیر کو دے دیا، یا جب زکوٰۃ الگ کی تو اس وقت نیت کر لی۔ کیوں کہ زکوٰۃ عبادت ہے اس لیے نیت اس کے لیے شرط ہے۔ اصل یہ ہے کہ جب زکوٰۃ ادا کی جائے، اس وقت نیت کی جائے البتہ فقرا کو مختلف اوقات میں تھوڑا تھوڑا دیا جاتا ہے، اس لیے اگر مال الگ کرتے وقت نیت کی جائے تو کافی ہے، اس میں زکوٰۃ دینے والے کے لیے آسانی ہے۔ جیسے کہ روزے کی نیت پہلے سے کر لی جائے۔ اگر زکوٰۃ کی نیت سے مال الگ کر دیا پھر وہ ضائع ہو گیا یا چوری ہو گیا یا تلف ہو گیا تو زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی اور اس کا بدل دینا پڑے گا۔ کیوں کہ باقی مال سے زکوٰۃ دینا ممکن ہے۔ اگر اس دوران مر گیا اور وراثت چھوڑ گیا تو اس میں سے زکوٰۃ دی جائے۔

اگر کسی نے سارا مال صدقہ کر دیا اور زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تو استحساناً زکوٰۃ کا فرض ساقط ہو گیا بشرطیکہ اس صدقے میں کسی اور واجب مثلاً نذر وغیرہ کی نیت نہ کی ہو، کیوں کہ زکوٰۃ کا مال اس مال کا حصہ تھا، پس وہ پہلے سے متعین تھا، نئے سرے سے تعین کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی طرح اگر کسی فقیر نے اس کا قرض دینا ہے اور وہ قرض اسے معاف کر دے تو اس رقم کی زکوٰۃ معاف ہو جائے گی جو اس نے فقیر کو معاف کی، خواہ زکوٰۃ کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو کیوں کہ گویا وہ رقم تلف ہو گئی۔

اگر مال نصاب کا کچھ حصہ صدقہ کر دیا تو جو صدقہ کیا اس کی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔ یہ امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے اور صاحب ہدایہ نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ اس کی زکوٰۃ بھی



دے اور باقی کی بھی کیوں کہ جو بعض حصہ صدقہ کیا ہے وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی متعین رقم نہیں ہے۔ امام محمدؒ کی رائے یہ ہے جو صدقہ کر دیا اس کی زکوٰۃ ساقط ہو گئی جیسے کہ کل مال صدقہ کر دیا جائے تو ساری زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے کیوں کہ یہ امر یقینی ہے کہ جو صدقہ کیا اس کی زکوٰۃ اس میں شامل تھی۔

مالکیہ کے نزدیک زکوٰۃ ادا کرتے وقت نیت کرنا شرط ہے۔ اگر زکوٰۃ کی رقم الگ کرتے وقت نیت کر لی تب بھی درست ہے۔ صحیح یہ ہے کہ زکوٰۃ الگ کرتے وقت کی نیت کافی ہے جیسے کہ بچے اور دیوانے کی طرف سے زکوٰۃ دی جائے۔ نیز امام یا جو کوئی زکوٰۃ ادا کرنے والے کے قائم مقام ہو اس کی نیت بھی کافی ہے۔

شافعیہ کے نزدیک دل سے نیت کرنا واجب ہے۔ زبان سے کچھ کہنا شرط نہیں۔ دل سے یہ نیت کرے کہ یہ میرے مال کی زکوٰۃ ہے، خواہ فرض کا نام نہ لے کیوں کہ زکوٰۃ فرض ہوتی ہے مثلاً یہ نیت کرے کہ یہ میرے مال کا فرض صدقہ ہے یا یہ میرے مال کا صدقہ مفروضہ ہے یا فرض صدقہ ہے۔

مال حق داروں کو ادا کرنے سے پہلے نیت کی جا سکتی ہے لیکن یہ اس وقت ہونی ضروری ہے جب زکوٰۃ الگ کی جائے یا وکیل کو دی جائے یا وکیل کو دینے کے بعد اور تقسیم سے پہلے۔ الگ کرنے کے بعد اور تقسیم سے پہلے کسی بھی وقت نیت کی جا سکتی ہے۔ ان میں سے کسی کام کے ساتھ متصل ہونا ضروری نہیں۔ زکوٰۃ وکیل کے سپرد کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے کا اہل ہو یعنی مسلمان ہو اور مکلف ہو کیوں کہ زکوٰۃ مالی حق ہے اور مالی حقوق میں کسی کو وکیل بنایا جا سکتا ہے جیسے کہ قرضوں اور قیمتوں کی ادائیگی میں اور امانتوں اور عاریتوں کی اصل مالکوں کو واپسی میں۔ بچے اور کافر کو زکوٰۃ ادا کرنے میں

وکیل بنایا جا سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ انہیں متعین طور پر بتا دیا جائے کہ زکوٰۃ کس کو دینی ہے۔ بچے، دیوانے اور کم عقل کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں ان کے ولی کا نیت کرنا ضروری ہے۔ اگر نہیں کرے گا تو اس کو تاہی کی وجہ سے مال کا ضامن ہوگا۔ اگر زکوٰۃ دینے والے نے نیت کیے بغیر زکوٰۃ امام کے سپرد کر دی اور تو راجح روایت کے مطابق امام کی نیت کافی نہیں۔ اگر زکوٰۃ دینے والے سے زبردستی زکوٰۃ وصول کی گئی تو زکوٰۃ لیتے وقت نیت کرے ورنہ لینے والے کو نیت کرنا چاہیے۔

اگر زکوٰۃ دیتے وقت نیت نہیں کی تو زکوٰۃ وصول کرنے والے امام کی نیت کا کوئی فائدہ نہیں اور فقرا کو دیا ہوا مال زکوٰۃ شمار نہیں ہوگا بلکہ عام صدقہ سمجھا جائے گا۔

حنابلہ نے بھی یہی کہا ہے نیت یہ ہے کہ یہ اعتقاد ہو کہ یہ اس کی زکوٰۃ ہے یا اس کی جس کی طرف سے وہ زکوٰۃ دے رہا ہے مثلاً بچے یا دیوانے کی۔ نیت دل سے ہوتی ہے کیوں کہ اعتقادات کا تعلق دل سے ہے۔ یہ جائز ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے کچھ وقت پہلے نیت کی جائے جیسے دوسری عبادات میں ہے۔ اگر زکوٰۃ وکیل کو دے دی اور خود نیت کر لی وکیل نے نہیں کی تو جائز ہے بشرطیکہ زکوٰۃ ادا کرنے اور نیت کرنے کے درمیان زیادہ عرصہ نہ گزرے اور اگر نیت بہت عرصہ پہلے کی تھی تو جائز نہیں۔ البتہ اگر وکیل کو دیتے وقت نیت کی اور وکیل نے مستحق کو دیتے وقت نیت کی تو درست ہے۔

اگر حاکم نے زبردستی زکوٰۃ وصول کر لی تو بلا نیت ادا ہوگی کیوں کہ جب نیت کرنا مشکل ہو گیا تو نیت کا وجوب ساقط ہو گیا جیسے کہ بچے اور دیوانے کے حق میں نیت کا وجوب نہیں ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنا تمام مال نفل صدقے کے طور پر دے دیا اور زکوٰۃ کی نیت نہیں

کی تو حنفیہ کے سوا جمہور کے نزدیک زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی کیوں کہ اس نے ادائے فرض کی نیت نہیں کی تھی۔ جیسا کہ مال کا کچھ حصہ صدقہ کر دے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی یا سو رکعت نماز پڑھ لے لیکن فرض کی نیت نہ کرے تو فرض ادا نہیں ہوتے لیکن حنفیہ کے نزدیک احتساباً ادا ہو جاتی ہے جو کہ خلاف قیاس ہے۔

۲- مالک بنانا: ادائے زکوٰۃ کے لیے مالک بنانا شرط ہے (۳۳)۔ یعنی مستحقین کو دے۔ یہ کافی نہیں کہ مال لوگوں کے استعمال کے لیے مباح کر دے یا مالک بنائے بغیر کھانا کھلا دے۔ حنفیہ کے نزدیک دیوانے اور بے شعور بچے کو مال زکوٰۃ اس وقت تک دینا درست نہیں جب تک کہ ان کا ولی مثلاً باپ یا نگران اس پر قبضہ نہ کر لے۔ مالک بنانا اس لیے ضروری ہے کہ ارشاد ربانی ہے: *وآتوا الزکوٰۃ* (البقرہ، ۲: ۴۳) اور زکوٰۃ دیا کرو۔ ایتا کے معنی ہیں مالک بنانا۔ زکوٰۃ کو اللہ تعالیٰ نے صدقہ کا نام دیا ہے ارشاد ربانی ہے: *إنما الصدقات للفقراء* (التوبہ، ۹: ۶۰) صدقے فقرا کے لیے ہیں اور صدقہ کرنے کے معنی ہیں مالک بنانا۔ للفقراء میں شافیہ کے نزدیک لام تملیک کے لیے ہے جیسے کہا جاتا ہے: *هذا المال لزيد* (یہ مال زید کی ملکیت ہے)۔

مالکیہ نے ادائے زکوٰۃ کے لیے تین مزید شرائط کا اضافہ کیا ہے (۳۵)۔

۱- زکوٰۃ سال پورا ہونے کے بعد واجب ہونے پر یا فصل اور پھلوں کے تیار ہونے پر یا زکوٰۃ وصول کرنے والے کی آمد پر نکالی جائے۔ اگر اس سے پہلے نکال دی جائے تو جائز ہیں۔ جمہور فقہاء کا اس سے اتفاق نہیں ہے اور اگر مقررہ وقت پر نکالنے پر قدرت تھی لیکن اس میں دانستہ تاخیر کر دی تو ضمان بھی دینا پڑے گا اور گناہ بھی ہوگا۔

۲- مستحق زکوٰۃ کو دی جائے دوسرے کو نہیں۔

۳- جس مال میں زکوٰۃ واجب ہوئی ہے اسی سے دی جائے۔

## بحث سوم: زکوٰۃ کے وجوب کا وقت اور زکوٰۃ ادا کرنے کا وقت

اس بحث میں چار مطالب ہیں:

### مطلب اول: زکوٰۃ کے وجوب کا وقت:

فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے (۳۶)۔ حنفیہ کا فتویٰ اسی پر ہے (۳۷) کہ جب زکوٰۃ کے وجوب کی شرائط پوری ہوں یعنی نصاب کا مالک ہو جائے اور سال گزر جائے تو زکوٰۃ فوراً واجب ہو جاتی ہے۔ جس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے اور زکوٰۃ ادا کرنے پر قادر ہو تو تاخیر کرنا جائز نہیں اور بلا عذر تاخیر سے گناہ گار ہوگا۔ حنفیہ کے نزدیک ایسے شخص کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی کیوں کہ یہ ایسا حق ہے جس کو انسانوں پر صرف کیا جاتا ہے۔ پس اس کی ادائیگی کا فوری مطالبہ ہوتا ہے۔ زکوٰۃ فوری طور پر فقیر کو دینے کا حکم ہے کیوں کہ زکوٰۃ ضرورت پوری کرنے کا ذریعہ ہے، اگر تاخیر سے واجب ہو تو اس سے مقصود حاصل نہیں ہوتا، فوری طور پر زکوٰۃ کے وجوب کی دو شرطیں ہیں:

۱۔ زکوٰۃ نکالنے پر قادر ہو، کہ اس کے پاس موجود ہو۔

۲۔ جو طبقے زکوٰۃ کے مستحق ہیں وہ بذات خود یا ان کے نائب موجود ہوں یا امام یا اس کا وکیل (جو زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر ہو) موجود ہو۔

اگر زکوٰۃ کی ادائیگی مؤخر کر دی جب کہ فوری ادائیگی پر قادر تھا تو اس کا ذمہ دار ہوگا کیوں کہ فوری ادائیگی کے امکان کے باوجود واجب کو مؤخر کیا گیا جیسے امانت رکھوانے والا اگر اپنی امانت کا مطالبہ کرے تو اسے واپس کرنے میں تاخیر کی جائے تو اس سے امانت رکھنے والا گنہ گار ہوگا کیوں کہ تاخیر کی صورت میں ناحق فقرا کا مال اپنے پاس روک کر رکھا گیا ہے، جو حرام ہے۔ البتہ شافیہ کے نزدیک اگر کسی قریبی عزیز، یا پڑوسی یا زیادہ مستحق

شخص کے انتظار میں تاخیر کرے اور اس تاخیر سے موجود مستحقین کو زیادہ نقصان نہ ہوتا ہو تو جائز ہے۔ رفاہی تنظیموں کے لیے جائز نہیں کہ زکوٰۃ خرچ کرنے میں دیر کریں تاکہ تنظیم کے حساب کتاب کا آڈٹ کیا جائے کیوں کہ زکوٰۃ فوراً ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔

مطلب دوم: زکوٰۃ ادا کرنے کا وقت:

جس مال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

الف۔ نقدی (سونا چاندی)، سامان تجارت (۳۸) اور مویشیوں کی زکوٰۃ سال میں ایک بار، سال پورا ہونے کے بعد ادا کی جائے گی۔

ب۔ غلے اور پھلوں کی زکوٰۃ ان فصلوں سے ادا کی جائے گی، اگر سال میں کئی فصلیں ہوں تو کئی بار زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ سال گزرنا شرط نہیں ہے اور نہ حنفیہ کے نزدیک نصاب کی مقدار شرط ہے۔ جمہور کے نزدیک نصاب کی مقدار شرط ہے۔

پھلوں میں عشر کے وجوب کے وقت کے بارے میں اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ اور زفر کی رائے یہ ہے کہ (۳۹) جب پھل ظاہر ہو جائیں اور ان کے خراب ہونے کا خطرہ نہ رہے تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، اگرچہ ابھی توڑنے کی حد کو نہ پہنچے ہوں لیکن ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہو (۴۰)۔ درویر مالکی کی رائے یہ ہے (۴۱) کہ جب پھل اس حد کو پہنچ جائے کہ اسے کھایا جاسکتا ہو اور اسے پانی دینے کی ضرورت نہ رہے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ خشک ہونے، توڑنے اور صاف کرنے کی ضرورت نہیں۔ جب کھجوریں زرد ہو جائیں اور انگوروں میں مٹھاس آجائے۔

شافعیہ کے نزدیک (۴۲) جب پھل کی صلاحیت ظاہر ہو جائے اور دانے سخت ہو جائیں تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے کیوں کہ اب پھل مکمل ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے کچا پھل

اور خوشے ہوتے ہیں اور دانے سخت ہونے سے پہلے سبزے کی طرح نرم ہوتے ہیں۔ اب دانے کھانے کے قابل ہو گئے ہیں۔ زکوٰۃ کے اس وقت واجب ہونے کا یہ مفہوم نہیں کہ اس موقع پر زکوٰۃ نکالنا واجب ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کھجور، انگور اور غلے سے زکوٰۃ نکالنے کا سبب اب پیدا ہو گیا ہے کیوں کہ اس کے بعد کے جو کام ہیں مثلاً اسے خشک کرنا، صاف کرنا، توڑنا، کاٹنا، اٹھانا وغیرہ تمام امور کا تعلق مالک کی محنت سے ہے ان کاموں کا مال زکوٰۃ سے تعلق نہیں ہے۔

حنابلہ (۴۳) بھی شافعیہ سے متفق ہیں کہ زکوٰۃ غلے میں اس وقت واجب ہوتی ہے جب دانے سخت ہو جائیں اور پھل جب استعمال کے قابل ہو جائے۔

ج۔ حنفیہ اور حنابلہ کی رائے میں شہد جب اتنا حاصل ہو جائے جس پر زکوٰۃ ہے اسی وقت اس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ اور معدنیات کو جب نکالا جائے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور حنفیہ کے سوا دوسرے فقہاء کے نزدیک شب فطر میں غروب آفتاب کے وقت صدقہ فطر واجب ہوتا ہے۔

**مطلب سوم: سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا:**

فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نصاب زکوٰۃ کا مالک ہوئے بغیر جلدی زکوٰۃ دے دینا جائز نہیں۔ کیوں کہ اس کے وجوب کا سبب موجود نہیں اس لیے پہلے سے زکوٰۃ دے دینا جائز نہیں، یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی چیز خریدنے سے پہلے قیمت دے دی جائے اور قتل سے پہلے دیت ادا کر دی جائے (۴۴)۔

البتہ اگر نصاب کامل موجود ہے جو کہ زکوٰۃ کا سبب ہے تو سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں، اس میں فقہاء کی دو آراء ہیں:

۱۔ جمہور (۴۵) کی رائے یہ ہے کہ سال پورا ہونے سے پہلے خوشی سے زکوٰۃ ادا کی جا سکتی ہے کیوں کہ نصاب کا مالک ہے۔ اس لیے زکوٰۃ کے وجوب کا سبب موجود ہے، نیز حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کا وقت آنے سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنے کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے اجازت دے دی (۴۶)۔ نیز یہ مالی حق ہے جو آسانی اور شفقت کے طور پر مؤخر کیا گیا ہے، اس لیے اپنے وقت اور مدت سے پہلے دینا جائز ہے جیسے کہ میعاد قرضہ اور دیت خطا کی رقم کی ادائیگی مقررہ وقت سے پہلے کر دی جائے۔ زکوٰۃ مؤجل مالی حقوق کے مشابہ ہے۔

شافعیہ کے نزدیک قبل از وقت زکوٰۃ ادا کرنے کا جواز اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ مالک سال کے آخر تک زکوٰۃ کے وجوب کا اہل رہے اور صدقہ فطر کی صورت میں شوال شروع ہونے تک صاحب نصاب رہے اور سال کے آخر یا شوال کے آغاز تک زکوٰۃ یا صدقہ فطر لینے والا مستحق رہے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی پوری نہ ہو تو قبل از وقت زکوٰۃ ادا کرنا جائز نہیں اور اس صورت میں اگر زکوٰۃ لینے والے کو علم ہو کہ یہ قبل از وقت زکوٰۃ کی رقم ہے تو اس سے واپس لے لی جائے۔ اگر مالک یا زکوٰۃ لینے والا اس سے پہلے مرجائیں یا زکوٰۃ لینے والا مرتد ہو جائے یا غائب ہو جائے یا کسی اور مال کی غیر معجل یا معجل زکوٰۃ لے کر یا کسی اور ذریعے سے مال دار ہو جائے یا مالک نصاب کا مالک نہ رہے یا سرے سے اس کی ملکیت ختم ہو جائے اور مال سامان تجارت نہیں تھا تو قبل از وقت ادا کی ہوئی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیوں کہ جب زکوٰۃ واجب ہوئی اس وقت مالک یا زکوٰۃ لینے والے کی اہلیت ختم ہو گئی تھی۔

۲۔ ظاہریہ اور مالکیہ (۴۷) کی رائے یہ ہے کہ سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ نکالنا جائز

نہیں کیوں کہ یہ عبادت ہے اور نماز کے مشابہ ہے اس لیے قبل از وقت ادا نہیں کی جا سکتی (۴۸) کیوں کہ سال پورا ہونا زکوٰۃ کی ایک شرط ہے اس سے پہلے زکوٰۃ دینا ایسا ہی ہے جیسا نصاب پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ دے دینا، جو جائز نہیں ہے۔

**مطلب چہارم: زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد مال ضائع ہو جانا:**

زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد مال ضائع ہو جائے تو کیا زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے؟ اس سلسلے میں فقہاء کی دو آراء ہیں:

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں (۴۹) اگر زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد مال ضائع ہو جائے تو زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے۔ جیسے عشر اور خراج مقاسمہ فصل ضائع ہونے پر ساقط ہو جاتے ہیں، کیوں کہ زکوٰۃ جو واجب ہے نصاب کا ایک حصہ ہے اور اس میں آسانی اور سہولت کا پہلو مد نظر رکھا گیا ہے کہ زکوٰۃ اس قدر واجب ہے جتنی آسانی سے دی جاسکتی ہے اور اس وقت واجب ہے جب کہ کشائش موجود ہے۔ اگر مال تباہ ہو جاتا ہے تو زکوٰۃ کا وجوب ختم ہو جائے گا۔ خواہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے پر قادر ہے یا نہیں کیوں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا تعلق باسانی ادا کرنے کی قدرت سے ہے اور مال ضائع ہونے کے بعد قدرت باقی نہیں رہی اور باسانی ادا کرنے کی قدرت کا تعلق مال کے بڑھنے کی صفت سے ہے نصاب سے نہیں۔

اگر مال خود ضائع کر دیا جائے تو زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی، اگرچہ باسانی ادا کرنے کی قدرت اس صورت میں بھی ختم ہوگی ہے لیکن یہ قدرت مالک نے اپنی ذاتی اختیار سے ختم کی ہے۔ اگر مال کا کچھ حصہ ضائع ہو جائے تو جس قدر مال ضائع ہوا ہے اسی قدر زکوٰۃ معاف ہوگی، جزو کوکل پر قیاس کریں گے۔

البتہ صدقہ فطر اور مال حج اس میں شامل نہیں، اگر صدقہ فطر یا حج واجب ہو گئے اور



بعد میں مال ضائع ہو گیا تو ان کا وجوب باقی رہے گا جیسا کہ گواہوں کے مرنے سے نکاح ختم نہیں ہو جاتا۔

اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا تعلق مال بڑھنے سے ہے، اس لیے اس میں بآسانی ادا کرنے کی قدرت کی شرط ہے تاکہ لوگوں کے لیے آسانی رہے۔ کیوں کہ انسان کو اسی چیز کے ادا کرنے کا مکلف کیا جاسکتا ہے جسے ادا کرنے پر قادر ہو اور ممکن ہے کہ اس کے پاس اس کے سوا اور کوئی مال نہ ہو۔ رہا صدقہ فطر اور مال حج تو ان کا تعلق مال کے بڑھنے سے نہیں بلکہ یہ دونوں ذمہ داریاں ہیں اور ان کے لیے بآسانی ادا کرنے کی شرط کے بجائے محض ادا کرنے کی قدرت ہونا شرط ہے۔

یاد رہے کہ قرض دینا، عاریت کوئی چیز دینا اور ایک مال تجارت کو دوسرے مال تجارت سے بدل دینا مال کا ضائع ہو جانا ہے اس لیے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے البتہ مال تجارت کو کسی دوسرے مال سے جو تجارت کا نہ ہو بدل دینا یا چرنے والے جانوروں کو چارہ کھانے والے جانوروں سے بدل دینا جان بوجھ کر مال ضائع کرنا ہے، اس لیے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۲۔ جمہور کی رائے یہ ہے کہ (۵۰) اگر زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد مال ضائع ہو گیا تو زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی، بلکہ زکوٰۃ دینا پڑے گی، زکوٰۃ ادا کرنا ممکن ہونا وجوب کے لیے شرط نہیں ہے۔ ضامن ہونے کے لیے شرط ہے کیوں کہ جس کسی پر کوئی چیز واجب ہو جائے اگر وہ ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو اس سے بری نہیں ہو جاتا جیسا کہ صدقہ فطر، حج اور لوگوں کے قرضوں میں یہی صورت ہے۔ زکوٰۃ ایک متعین حق ہے جو مال کے مالک پر ہے۔ اگر وہ مستحق تک پہنچنے سے پہلے ضائع ہو گیا تو مالک اس سے بری نہیں جیسا کہ

انسانوں کے باہمی قرض میں بری نہیں ہوتا۔ اگر زکوٰۃ الگ کر کے رکھ لی تھی اور نیت کر لی، پھر وہ مال ضائع ہو گیا تو مالک کی ذمہ داری میں تھا، اس لیے وہ معاف نہیں ہوگی، خواہ زکوٰۃ ادا کرنے پر قادر ہو یا نہ ہو۔

مالکیہ نے جانوروں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک جانوروں میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب سال مکمل ہو جائے اور حکومت کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والا آجائے۔ اگر جانور اس سے پہلے ضائع ہو جائیں تو زکوٰۃ کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔

ابن رشد نے زکوٰۃ نکالنے کے بعد ضائع ہونے کے مسئلہ میں پانچ اقوال بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ نکالنے کے بعد چوری ہو جائے یا جل جائے، اس صورت میں مطلقاً ذمہ دار نہیں ہوگا، ایک قول یہ ہے کہ مطلقاً ذمہ دار ہوگا۔ ایک قول یہ ہے کہ مالک کی زیادتی سے ضائع ہوا تو ذمہ دار ہوگا ورنہ نہیں اور یہی مذہب مالک کا مشہور قول ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر مالک کی زیادتی سے ضائع ہوا تو ذمہ دار ہوگا ورنہ جو مال باقی بچ رہا اس کی زکوٰۃ دے یہ ابو ثور اور امام شافعی کا قول ہے۔

پانچواں قول یہ ہے کہ سارے مال میں سے جو ضائع ہو گیا وہ نکال کر جو باقی بچ رہا اس میں مساکین اور مالک اپنے اپنے حصے کے مطابق شریک ہو جائیں گے (۵۱)۔

بحث چہارم: جن اموال پر زکوٰۃ واجب ہے ان کی اقسام

زکوٰۃ پانچ قسم کے اموال پر واجب ہے۔

نقدی، معدنیات اور دہاتیں، سامان تجارت، غلے اور پھل اور جانور یعنی اونٹ، گائے اور بکریاں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک گھوڑوں میں بھی زکوٰۃ واجب ہے لیکن صاحبین کا اس سے

اختلاف ہے اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ ان پانچ اقسام پر الگ الگ بحث کی جاتی ہے۔  
مطلب اوّل: نقدی (سونا، چاندی اور کرنسی نوٹ) پر زکوٰۃ

فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے (۵۲) کہ نقدی پر زکوٰۃ واجب ہے، خواہ وہ ڈلے ہوں یا سکے یا برتن یا حنفیہ کے نزدیک زیور۔ ان کے دلائل وہی ہیں جو مطلقاً زکوٰۃ کے وجوب کے سلسلے میں اوپر کتاب و سنت اور اجماع سے بیان کیے گئے ہیں۔ باقی امور ذیل میں زیر بحث لائے گئے ہیں۔

### ۱۔ نقدی کا نصاب اور اس میں زکوٰۃ کی واجب مقدار:

سونے کا نصاب: سونے کا نصاب بیس مثقال (۵۳) یا دینار (۵۴) ہے جو تقریباً چودہ عثمانی سونے کے لیرہ یا پندرہ فرانسیسی سونے لیرہ یا بارہ انگریزی سونے کے لیرہ (۵۵) جو عراقی مثقال میں تقریباً سو گرام اور عجمی مثقال میں چھیانوے گرام اور جمہور کے نزدیک ۹۱،۲۳/۲۵ گرام کے برابر ہے۔

دونوں قسم کے مثقالوں میں (۰.۲) کا فرق ہے کیوں کہ عجمی مثقال ۳.۸ گرام کا ہے اور عراقی مثقال پانچ گرام کا ہے۔ اس لیے ہم احتیاطاً کم مقدار کو بنیاد بناتے ہیں جو عربی درہم (۲.۹۷۵ گرام) کے اعتبار سے ۸۵ گرام کا ہے اور یہی حساب مناسب ہے۔

چاندی کا حساب حنفیہ کے نزدیک دو سو درہم کے برابر یعنی تقریباً ۷۰۰ گرام اور جمہور کے نزدیک تقریباً ۶۴۲ گرام (۵۶) اور بالکل درست حساب سے ۵۹۵ گرام ہے۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ نقدی میں نصاب کی تکمیل کے لیے ایک نقدی کو دوسری سے ملا لیا جائے گا یعنی سونے کو چاندی سے یا چاندی کو سونے سے، ان کی قیمت کا تعین کر کے مثلاً اگر کسی کے پاس سو درہم ہیں اور پانچ مثقال سونا ہے جس کی قیمت سو درہم



دس لیرہ شامی کے برابر ہے۔ بہت سے علماء کی رائے یہ ہے کہ احتیاطاً چاندی کو زکوٰۃ کے نصاب کے تعین میں معیار بنایا جائے، اس میں فقرا کا فائدہ ہے، میرے خیال میں یہی رائے بہتر ہے کیوں کہ جس میں فقرا کا فائدہ ہو اسی کے مطابق فتویٰ دینا چاہیے۔

اس امر کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ جو تنظیمیں لوگوں سے زکوٰۃ جمع کرتی ہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہی مال مستحقین تک پہنچائیں۔ تنظیموں کے منتظمین کے لیے جائز نہیں کہ اس پیسے سے غذا، لباس وغیرہ خرید کر فقرا کو دیں کیوں کہ انہیں اس کام کے لیے وکیل نہیں بنایا گیا، جیسا کہ علمی اداروں کی مجالس کے لیے جائز نہیں کہ زکوٰۃ سے کتابیں وغیرہ خریدیں۔ ان تنظیموں پر واجب ہے کہ طلبہ سے تفویض یا توکیل کی بنیاد پر زکوٰۃ کی رقوم حاصل کر کے ان کی ضروریات، کھانے، پینے، کتابوں اور کاپیوں پر خرچ کریں کیوں کہ زکوٰۃ میں مالک بنانا ایک اساسی شرط ہے، پھر مستحق جہاں اپنی مصلحت سمجھے اسے خرچ کرے۔ تنظیموں کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ زکوٰۃ کے مال سے عمارتیں اور لیبارٹریاں قائم کریں تاکہ وہ مستحقین کے لیے استعمال کی جاسکیں کیوں کہ مستحقین نے انہیں اس کام کے لیے وکیل نہیں بنایا البتہ ضرورت کے وقت شفا خانے قائم کرنے اور فقرا کے لیے دوائیں خرید کر تقسیم کرنا جائز ہے لیکن اس کی شکل ایسی نہ ہو کہ وہ وقف ہو جائیں بلکہ ایسی شکل ہو کہ انہیں فروخت کرنا جائز ہو اور ان کی قیمت مستحقین پر تقسیم کی جاسکے۔

زکوٰۃ کی مقدار: دونوں قسم کی نقدی (سونے، چاندی) میں اڑھائی فی صد زکوٰۃ ۲.۵ فیصد واجب ہے۔ جب کسی انسان کے پاس دو سو درہم ہوں اور ان پر سال گزر جائے تو پانچ درہم زکوٰۃ دے۔ بیس مثقال میں سے نصف مثقال زکوٰۃ دے۔

دلیل: بہت سی احادیث سے ثابت ہے مثلاً حضرت علیؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جب تمہارے پاس دو سو درہم ہوں اور سال گزر جائے تو ان میں سے پانچ درہم زکوٰۃ ہے اور جب تک تمہارے پاس بیس دینار نہ ہوں تم پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ جب بیس دینار ہو جائیں اور سال گزر جائے تو اس میں نصف دینار ہے“ (۵۹)۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے: ”پانچ وسق سے کم کھجوروں میں زکوٰۃ نہیں اور پانچ اوقیہ سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ نہیں“ (۶۰)۔ بخاری میں ہے: ”چاندی میں چالیسواں حصہ ہے“۔ رقبہ اور ورق چاندی کو کہتے ہیں۔

سونے کی زکوٰۃ سونے اور چاندی کی زکوٰۃ چاندی سے دے۔ اگر سونے کی چاندی سے یا چاندی کی سونے سے دینا چاہے تو مالکیہ کے نزدیک جائز ہے لیکن مشہور قول یہ ہے کہ قیمت کر کے زکوٰۃ دی جائے۔ شافعیہ کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں۔

۲۔ جو مال نصاب سے کم ہو اور جو نصاب سے زائد ہو:

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ اس امر پر اجماع ہے کہ جب سونا بیس مثقال (دینار) ہو جس کی قیمت دو سو درہم ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ بیس مثقال سے اگر سونا کم ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے، ہاں اگر وہ چاندی یا سامان تجارت سے پورا ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اس پر بھی علماء کا اجماع ہے کہ اگر سونا بیس مثقال یعنی دو سو درہم سے کم ہے تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ وہ نصاب کو نہیں پہنچتا۔ عام فقہاء کی رائے یہ ہے کہ سونے کا نصاب بیس مثقال ہے اور چاندی کے ساتھ اس کی قیمت کا موازنہ کرنا درست نہیں (۶۱)۔ ارشاد نبویؐ ہے: ”بیس مثقال سونے سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے اور دو سو درہم سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے“ (۶۲)۔

نصاب سے زائد جو سونا چاندی ہو ان میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک (۶۳) کچھ واجب نہیں ہوتا، تا آنکہ چالیس درہم ہو جائیں تو ان میں ایک درہم ہے۔ پھر آگے ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہے، درمیان کے زائد درہم پر کچھ واجب نہیں۔ اسی طرح زائد دیناروں پر بھی کچھ واجب نہیں، تا آنکہ چار دینار ہو جائیں۔ حنفیہ کے نزدیک یہی صحیح رائے ہے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”ہر چالیس درہم پر ایک درہم ہے“ (۶۳)۔

صاحبین اور جمہور فقہاء (۶۵) کی رائے یہ ہے کہ دو سو درہم پر جس قدر زیادہ ہوں، ان کے حساب سے زکوٰۃ دینا ہوگی خواہ اضافہ کم از کم ہو کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”ہر چالیس درہم پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ لاؤ، جب تک دو سو درہم پورے نہ ہوں تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، جب دو سو درہم پورے ہو جائیں تو ان میں پانچ درہم ہیں اور جو زیادہ ہوں ان پر اسی حساب سے زکوٰۃ ہوگی“ (۶۶)۔ یہی رائے معقول ہے۔

### ۳۔ کھوٹ یا دوسری دہات ملی ہوئی ہو تو زکوٰۃ کا حکم:

کھوٹ: اعلیٰ دہات میں کوئی کم تر دہات ملی ہو جیسے سونے میں چاندی یا چاندی میں تانبہ۔ اس کی زکوٰۃ کے بارے میں فقہاء کی تین آراء ہیں (۶۷)۔

۱۔ حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر چاندی زیادہ ہے تو اسے چاندی سمجھا جائے، سونا زیادہ ہے تو اسے سونا اور اگر کھوٹ زیادہ ہے تو اسے سامان تجارت سمجھا جائے۔ یہ ضروری ہے کہ اس کی قیمت نصاب تک پہنچے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ دوسرے سامان کی طرح اس میں بھی تجارت کی نیت ہو، ہاں اگر اس سے چاندی خالص الگ کی جائے تو وہ نصاب کی مقدار کو پہنچتی ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے کیوں کہ چاندی کی زکوٰۃ کے لیے نہ قیمت کا اعتبار ہے اور نہ تجارت کی نیت کی۔ اگر کھوٹ اور چاندی مساوی ہوں تو مختار قول یہ ہے کہ

احتیاطاً زکوٰۃ واجب کی جائے۔

۲۔ مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ رواج کا اعتبار ہے۔ پورے وزن، کھوٹ والے سونے چاندی پر کم وزن والے پر زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ ان کا چلن اسی طرح ہو جیسے کہ پورے وزن والے کا چلن ہوتا ہے۔ اگر اس طرح چلن نہ ہو تو کھوٹ والے یا کم وزن والے سکوں میں خالص چاندی کا حساب کیا جائے اور خالص وزن پورا کرنے کے لیے ایک یا زیادہ سکوں کا اضافہ کر لیا جائے، اگر وزن پورا ہو جائے تو زکوٰۃ ادا کی جائے ورنہ نہیں۔ اسی طرح اگر درہم اور دینار میں تانبہ ملا ہوا ہو تو تانبے کو چھوڑ کر خالص سونے چاندی کا حساب کر کے اس پر زکوٰۃ دی جائے۔

۳۔ شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ کھوٹ والی دہات میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی تا آنکہ اس میں شامل سونا چاندی نصاب کی مقدار کو نہ پہنچے۔ اگر کسی کے پاس کھوٹ والا یا دوسری دہات سے ملا ہوا سونا یا چاندی ہے تو جب تک سونا چاندی نصاب کی مقدار کو نہ پہنچے ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے“۔ اگر یہ معلوم نہ ہو کہ ان میں شامل چاندی یا سونے کی مقدار کتنی ہے اور یہ شک ہو کہ کیا نصاب کی مقدار کو پہنچتا ہے یا نہیں تو یقینی رائے پر عمل کرے جس سے یہ معلوم ہو کہ اس میں شامل سونا زکوٰۃ کی مقدار کو پہنچتا ہے یا اسے پگھلا لیا جائے تاکہ معلوم ہو کہ کون سی دہات کتنی ہے، پھر زکوٰۃ نکالے تاکہ فرض یقینی طور پر ادا ہو۔

اگر ایک برتن میں سونا اور چاندی دونوں شامل ہیں کہ انہیں پگھلا کر برتن بنایا گیا ہے اور اس کا وزن مثلاً ایک ہزار درہم ہے۔ ایک دہات چھ سو اور دوسری چار سو درہم ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ ان میں سے کون سی زیادہ ہے اور ان میں سے ہر دہات کو زیادہ فرض



کر کے اس کی زکوٰۃ دے، احتیاط کا تقاضا یہی ہے۔ یہ جائز نہیں کہ سارے کو سونا فرض کرے کیوں کہ ایک جنس کی زکوٰۃ دوسری جنس سے دینا جائز نہیں، خواہ وہ جنس اعلیٰ کیوں نہ ہو۔ یا تھوڑا سا پگھلا کر معلوم کر لے کہ ان میں کیا نسبت ہے اور اس حساب سے دونوں جنسوں کی الگ الگ زکوٰۃ ادا کرے۔

### ۴۔ زیورات میں زکوٰۃ:

فقہاء کا اتفاق ہے کہ سونے چاندی میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ ان کے سکے ڈھلے ہوئے ہوں یا پگھلے ہوئے ہوں، یا ڈلے ہوں یا برتن ہوں یا حرام زیورات ہوں مثلاً (مردانہ زیورات ہوں)، اس میں چاندی کی انگوٹھی، استعمال کا سامان اور گھریلو زینت کی اشیا مستثنیٰ ہیں۔ سونے اور چاندی کے سوا دوسرے زیورات مثلاً الماس، لؤلؤ، اور یاقوت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

مالکیہ کے نزدیک جس زیور میں زکوٰۃ ہے (۶۸): جو زیور تجارت کے لیے بنایا جائے اس میں بالاجماع زکوٰۃ ہے، اس کے وزن کا اعتبار ہوگا، بنانے کی قیمت کا نہیں۔ اسی طرح برتنوں، عود سوزوں، سرمہ دانی اور اس کی سلائی میں خواہ عورت کی ہو اور جو زیور استعمال کے لیے نہ ہو بلکہ رکھنے کے لیے یا مشکل وقت اور حادثات میں کام لانے کے لیے بنایا گیا ہو اس پر بھی زکوٰۃ ہے۔ عورت کا زیور جب ٹوٹ جائے تو اس کی پانچ صورتیں ہیں:

۱۔ اس طرح ٹوٹ گیا ہو کہ پگھلائے بغیر دوبارہ پہلے کی طرح نہ ہو سکتا ہو۔

۲۔ توڑ دیا گیا ہو اور اسے درست کرنے کی نیت نہ ہو۔

۳۔ درست کرنے کی نیت سے توڑا ہو۔

- ۴۔ توڑ دیا گیا ہو اور کوئی نیت نہ ہو، نہ درست کرنے کی نہ اسی طرح رہنے دینے کی۔  
 ۵۔ نہ توڑا گیا ہو نہ اصلاح کی نیت ہو۔

اگر زیور کسی شخص نے کرائے پر دینے کے لیے بنایا ہو خواہ مرد نے یا عورت نے اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ جو زیور عورت کے لیے استعمال کرنا مباح ہے مثلاً کنگن اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اور جو زیور مرد کے لیے استعمال کرنا جائز ہے مثلاً جہاد کے لیے بنائی گئی تلوار کا دستہ، چاندی کی انگوٹھی، ناک، دانت، مصحف اور تلوار کے زیور، جو زیور ان افراد کے لیے بنایا گیا ہو جو فی الحال بنانے والے کے پاس رہ رہے ہوں مثلاً ایسی بیوی اور بیٹی جو اپنی عمر کے اعتبار سے زیب و زینت کی اہل ہوں، اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، اور اگر ایسے افراد کے لیے بنایا گیا ہو جو مستقبل میں اسے پہننے کی عمر کو پہنچیں گے یا چھوٹی بچی ہے بڑی ہو کر اسے پہن سکے گی تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

شافعیہ کے نزدیک جس زیور پر زکوٰۃ واجب ہے (۶۹): وہ زیور جس کی ذخیرہ اندوزی کی گئی ہو اور جو قصداً جمع کر کے بچایا گیا ہو، برتن، خواتین کے زیور جنہیں مرد پہنیں، مردانہ زیور مثلاً تلوار جسے عورت پہنے، غصب کیے ہوئے سونے کا ڈلا جسے زیور میں ڈھال لیا گیا ہو عورتوں کا ایسا زیور جس میں اسراف کی حد تک مبالغہ کیا گیا ہو کہ دو سو مثقال (۸۵۰ گرام) تک پہنچ گیا ہو۔ اسی طرح حرام برتنوں پر قیاس کرتے ہوئے جن کا استعمال مکروہ ہو مثلاً کسی بڑے برتن کو ضرورت کے لیے لگائی گئی پتیاں یا چھوٹے برتن کو خوبصورتی کے لیے لگائی گئی سونے کی پتیاں (۷۰)۔ ان سب پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اعانة الطالبین (۲: ۱۵۸ و بعد) میں ہے کہ اسراف کے بغیر عورت یا بچے کے لیے سونے چاندی کا زیور مثلاً کنگن، پازیب اور گلے کا ہار بالا جماع جائز ہیں اور ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اسراف کی صورت میں ان

میں سے کوئی چیز بھی جائز نہیں مثلاً پازیب کا وزن اگر دو سو مثقال ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ دو سو مثقال کی مقدار ایک صحابی کے اثر سے ماخوذ ہے۔

اگر عورت کا زیور ٹوٹ جائے اور اسے پگھلا کر دوبارہ بنانے کی ضرورت ہو تو راجح قول یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

جو زیور عورت کے لیے مباح ہے مثلاً پازیب، کنگن وغیرہ اظہر روایت کے مطابق ان میں زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ وہ استعمال کے لیے بنائے گئے ہیں اس لیے کام کرنے والے جانوروں کے مشابہ ہیں۔

حنابلہ کے نزدیک جن زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے (۷۱): جو زیورات تجارت کے لیے بنائے گئے ہوں اور عورت کے لیے وہ حرام زیورات جن کا بنانا اس کے لیے جائز نہ ہو جیسے مردانہ زیورات جو عورت کے لیے حرام ہیں وہ بنا لے مثلاً تلوار اور کمر کے پٹکے کا زیور یا مردانہ کنگن یا سونے کی انگلی، سواری کے جانوروں کے زیور، گھوڑوں کا لباس مثلاً باگ، زین، کتوں کے گلے کے پٹے، پاندان کا زیور، آئینہ، کنگا، سرمہ دانی، سرمہ کی سلائی، کنگھی، پنکھا، پانی پینے کا برتن، تیل رکھنے کا برتن، خوشبودان، انگلیٹھی، کھونیاں، قندیل، برتن، مصحف کے علاوہ دوسری کتب کا زیور، دوات، قلم دان، جو چیزیں کرائے کے لیے بنائی گئی ہوں یا آمدنی کے لیے یا جمع رکھنے کے لیے یا بوقت ضرورت اخراجات کے لیے یا ان سے کوئی خاص مقصد نہ ہو ان سب پر زکوٰۃ واجب ہے۔

عورت کا زیور اگر ٹوٹ گیا اور اسے درست کرانے کی ضرورت ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ ہے اور اگر اسے درست کروانے اور بنوانے کی ضرورت نہیں ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اگر زیور اس طرح ٹوٹ گیا کہ اسے استعمال کرنے اور پہننے میں کوئی

رکاوٹ نہیں تو اس پر زکوٰۃ نہیں وہ درست زیور کی مانند ہے ہاں اگر اسے توڑنے اور پگھلانے کی نیت ہو تو تب اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی کیوں کہ اب اسے استعمال سے نکال دیا گیا ہے۔

اگر عورت زیور استعمال کرتی ہے یا اسے عاریت بھی دیتی ہے اور اس زیور کا استعمال حرام نہیں تو ظاہر مذہب میں اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ حرام کی مثال یہ ہے کہ مرد زنا نہ زیورات بنائے تاکہ عورت کو عاریت پر دے یا عورت مردانہ زیورات بنا کر مردوں کو عاریت پر دے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک عورت کے معمول کے زیور پر زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”زیور میں زکوٰۃ نہیں ہے“ (۷۲)۔ یہی ابن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، اور حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا قول ہے۔ نیز زیور مباح استعمال کے لیے تیار کیا گیا ہے اس لیے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں جیسا کہ کام کرنے والے جانوروں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ ذاتی استعمال کے لباس پر نہیں ہے، اسلام نے صرف قیمتی بڑھنے والے مال پر زکوٰۃ واجب کی ہے اور اس میں اس امر کو پیش نظر رکھا ہے کہ اگر مالک اسے بے کار چھوڑ دے تب بھی اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے جب کہ مباح زیورات میں اضافہ نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس اگر اسراف کرتے ہوئے بہت سا زیور جمع کر لے یا معمول سے تجاوز کر کے زیادہ زیور بنالے یا مرد زیور استعمال کرنے لگیں یا سونے چاندی کو برتنوں، تحفوں اور سامان آرائش اور مجسموں وغیرہ میں استعمال کیا جانے لگے تو بلاشبہ اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

حنفیہ کی رائے (۷۳) یہ ہے کہ زیور مردوں کے ہوں خواہ عورتوں کے، ڈلے ہوں چاہے پگھلے ہوئے، برتن ہوں یا کسی اور شکل میں، ان سب میں زکوٰۃ واجب ہے کیوں کہ

سونا چاندی بڑھنے والا مال ہے اور اس میں اضافے کی دلیل موجود ہے کہ یہ اپنی اصل اور ذات کے اعتبار سے تجارت کے لیے ہیں، جب کہ لباس میں یہ صفت نہیں ہے۔ سونا چاندی بطور ثمن (قیمت) تخلیق کیے گئے ہیں، پس یہ جس طرح بھی ہوں گے ان کی زکوٰۃ دینا ہوگی اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ: ”ایک عورت کے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، کیا تم اس کی زکوٰۃ دیتی ہو، اس نے کہا، نہیں، آپ نے فرمایا، کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آگ کے دو کنگن پہنادے؟“ (۷۴)۔

شافعیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک جن زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے ان کے نصاب میں وزن کا اعتبار ہے قیمت کا نہیں۔ اگر کوئی شخص اتنے زیور کا مالک ہے جس کی قیمت دو سو درہم ہے لیکن اس کا وزن دو سو سے کم ہے تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اگر وزن دو سو درہم ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہے، خواہ قیمت کم ہو، کیوں کہ حدیث میں ہے، ”پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔“

حنابلہ نے تجارت کے لیے تیار کیے گئے سونے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، اس کی قیمت لگائی جائے گی۔ اگر سونے اور چاندی کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ ہے کیوں کہ زکوٰۃ کا تعلق قیمت سے ہے جو چیز تجارت کے لیے نہ ہو اس کی اصل میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ نصاب کے تعین میں اس کی قیمت اور وزن کا اعتبار ہوگا اور زکوٰۃ دینے والے کو اختیار ہوگا کہ وہ زیور کی قیمت کا چالیسواں حصہ نکالے یا اس چیز کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دے دے۔

اگر زیورات میں موتی اور جواہرات جڑے ہوئے ہوں تو زکوٰۃ سونے چاندی کے زیورات میں ہوگی، موتیوں میں نہیں، کیوں کہ کسی عالم کے نزدیک موتیوں میں زکوٰۃ نہیں

ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اگر زیورات تجارت کے لیے ہوں تو موتیوں سمیت اس کی قیمت لگائی جائے گی کیوں کہ اگر جواہرات سونے چاندی سے الگ تجارت کے لیے ہوں تو ان کی قیمت لگا کر ان کی زکوٰۃ دی جائے گی، اسی طرح اگر زیور کے ساتھ تجارت کے لیے ہوں تو بھی زکوٰۃ دی جائے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جب ہم زیورات میں زکوٰۃ واجب کریں اور ان کی قیمت اور وزن میں اختلاف ہو تو قیمت کا اعتبار ہوگا وزن کا نہیں۔ البتہ اگر ایسی چیزیں ہیں جو بذات خود حرام ہیں مثلاً سونے چاندی کے برتن تو ان میں وزن کا اعتبار ہوگا قیمت کا نہیں۔ اگر کسی کے پاس زیور ہے جس کا وزن دو سو درہم اور قیمت تین سو درہم ہے تو اسے اختیار ہے کہ اس میں سے چالیسواں حصہ دے دے پھر زکوٰۃ وصول کرنے والا اس کو کسی دوسری جنس کے عوض فروخت کر کے اس کی قیمت مستحقین پر تقسیم کر دے یا ایسے پانچ درہم ڈھالے ہوئے دے دے جن کی قیمت نقدی کی شکل میں ساڑھے سات درہم ہو، اسے توڑنا جائز نہیں کہ اس میں سے ٹوٹے ہوئے پانچ درہم دے دے کیوں کہ اس سے اس کا بھی نقصان ہے اور مستحقین کا بھی۔

### ۵۔ قرضے پر زکوٰۃ:

جو مال نصاب کی مقدار کو پہنچ گیا ہو اور جو کسی دوسرے کے ذمے قرض ہو اور اس پر ایک سال گزر گیا ہو اس پر درج ذیل تفصیل اور شرائط کے مطابق زکوٰۃ واجب ہے:

حنفیہ کے نزدیک (۷۵) امام ابوحنیفہؒ نے قرض کی تین قسمیں بتائی ہیں:

قوی، متوسط، ضعیف۔

قوی: وہ قرض یا مال تجارت کی قیمت جو کسی ایسے شخص کے ذمے ہو جو اس قرض کا اقرار

کرتا ہو خواہ مفلس ہو یا انکار کرتا ہو لیکن اس قرض کا ثبوت موجود ہو تو جب قرض واپس ملے، پچھلے تمام سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔ مثلاً جب چالیس درہم واپس ملیں تو ان میں سے ایک درہم زکوٰۃ دے دے، کیوں کہ نصاب کے پانچویں حصہ سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے اور جو اس سے زیادہ ہوں ان کا حساب کر کے زکوٰۃ دی جائے۔

متوسط: وہ قرض جو مال تجارت کے بدلے میں نہ ہو بلکہ مثلاً رہائشی گھر کا کرایہ یا ضرورت کے لباس کی قیمت۔ اس قسم کے قرض میں جب قرض خواہ کو نصاب کی مقدار یعنی دو سو درہم واپس ملیں تو پچھلے تمام سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے اور سال کا اعتبار اس وقت سے ہوگا جب خریدار کے ذمے قرض واجب ہوا تھا۔ صحیح روایت یہی ہے۔

متوسط قرض بھی سال کے تعیین میں قوی قرض کی طرح ہے اور اس میں سال کا اعتبار اس وقت سے ہے جب کہ قرض کسی کے ذمے واجب ہوا، اس وقت سے نہیں جب قرض کی رقم قرض خواہ کو واپس ملی، اصح روایت یہی ہے۔

ضعیف: وہ قرض جو کسی مال کے بدلے میں نہ ہو مثلاً مہر، وارثت، وصیت، خلع کی رقم، قتل عمد میں صلح کی دیت اور مطلق دیت۔ مہر کسی ایسی رقم کا بدل نہیں ہے جو شوہر نے بیوی سے لی ہو، اسی طرح خلع کی رقم کسی ایسی رقم کا بدل نہیں ہے جو بیوی نے شوہر سے لی ہو، اسی طرح وصیت، دیت اور صلح کی دیت کے قرض اور وارثت ہیں۔ جب تک نصاب کی مقدار رقم قبضے میں نہ آجائے اور قبضے کے بعد اس پر سال نہ گزر جائے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ زکوٰۃ مذکور بالا ہر نوع کے قرضوں میں واجب ہے لیکن ادا اس وقت کی جائے گی جب قرض وصول ہو۔ قوی قرضے میں نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہونے پر

اور متوسط اور ضعیف قرضے میں نصاب کی مقدار قرض وصول ہونے پر البتہ ضعیف قرضہ نئی آمدن ہے اس لیے اس پر زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے سال گزرنا ضروری ہے۔

صاحبین کی رائے یہ ہے کہ تمام قرضے برابر ہیں اور سارے قوی ہیں، سب پر وصولی سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔ البتہ جو دیت عاقلہ پر واجب ہو اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس پر زکوٰۃ سرے سے واجب نہیں جب تک وصول نہ ہو جائے اور اس پر ایک سال نہ گزر جائے کیوں کہ یہ تمام قرضے دیت عاقلہ کے سوا اپنے مالک کی ملکیت ہیں البتہ ان پر زکوٰۃ کا مطالبہ فوری نہیں ہوگا بلکہ وصولی پر ہوگا۔

مالکیہ کے نزدیک (۷۶) قرضوں کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ جن پر وصولی کے بعد سال گزرنا ضروری ہے مثلاً وراثت، ہبے، وقف، صدقات، مہر خلع، زخموں کی دیت (معاوضہ) دیت۔ ان پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب وصولی پر ایک سال گزر جائے۔ اگر کوئی شخص اپنے والد سے مال کا وارث ہوا اور کسی سبب سے قاضی نے اس پر نگران مقرر کر دیا اور کئی سال گزر گئے اور اسے قبضہ نہیں ملا تو قبضہ ملنے کے بعد سال پورا ہونے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ حنفیہ کے نزدیک یہ ضعیف قرض ہے۔ اگر طرح جمع کیے ہوئے سامان کی فروخت کی قیمت مثلاً کسی نے کوئی گھریلو سامان یا زمین فروخت کی۔ یہ حنفیہ کے نزدیک متوسط قرض ہے۔ اگر کسی نے رہائشی گھر ادھار پر بیچ دیا جس کی قیمت بعد میں کسی وقت ملے گی تو جب اسے قیمت ملے گی اور وہ نصاب کی مقدار میں ہوگی اور اس پر سال گزر جائے گا تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۲۔ جن قرضوں پر صرف ایک سال کی زکوٰۃ دینا ہوتی ہے: وہ عام قرضے اور تجارتی قرضے ہیں جو حنفیہ کے نزدیک قوی قرض کہلاتے ہیں۔ ان پر چار شرائط سے زکوٰۃ واجب



ہوتی ہے۔

۱۔ اصل مال جو قرض دار کو دیا ہو سونا چاندی ہو یا ایسے سامان تجارت کی قیمت ہو جسے سنبھال کر رکھا جاسکتا ہے مثلاً کپڑے وغیرہ۔

ب۔ قرض میں سے کچھ وصول ہوا ہو، اگر کچھ وصول نہیں ہوا تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

ج۔ جو قرض وصول ہوا ہو وہ نقدی یعنی سونے چاندی کی شکل میں ہو۔ اگر مال تجارت مثلاً کپڑے، گندم وغیرہ کی شکل میں وصول ہوا تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

د۔ جو وصول ہوا ہو وہ کم از کم نصاب کی مقدار کے برابر ہو، اگر کئی بار وصول ہوا ہو یا جو وصول ہوا ہو، وہ نصاب سے کم ہو تو اس کے اپنے پاس اتنا سونا چاندی ہو جس سے نصاب مکمل ہو سکتا ہو اور اس پر سال گزر گیا ہو۔

۳۔ گردش کناں قرض: جو تاجر موجودہ قیمت میں خرید و فروخت کرتا ہے اگر اصل قرض سامان تجارت ہے تو وہ ہر سال زکوٰۃ ادا کرے گا اس میں جو قرض لوگوں کے ذمے ہے اور جو مال تجارت اس کے پاس موجود ہے اور جو نقدی موجود ہے سب کو ملا کر ہر سال زکوٰۃ دے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں (۷۷) جب قرض خواہ کو قرض وصول ہو جائے تو وہ پچھلے تمام سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے بشرطیکہ قرض سونا، چاندی یا سامان تجارت ہے اور اگر قرض جانور یا کھانے پینے کی اشیا مثلاً کھجور، انگور وغیرہ تھے ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

حنابلہ کی رائے یہ ہے (۷۸) کہ قرض پر زکوٰۃ واجب ہے، خواہ قرض فوری قابل ادا ہو یا میعادی ہو، قرض خواہ قرض دینے کا اعتراف کرتا ہو اور ادا کرنے کو تیار ہو یا تنگ دست ہو یا انکار کر دے یا ٹال مٹول کر رہا ہو البتہ اس پر زکوٰۃ دینا اس وقت واجب ہے جب

قرض کی وصولی ہو، اس وقت فوری طور پر زکوٰۃ ادا کرے کیوں کہ زکوٰۃ ایک قرض ہے جو اس کے ذمے ثابت ہے۔ قرض کی وصولی سے پہلے زکوٰۃ دینا لازمی نہیں۔ زکوٰۃ کا دار و مدار خیر خواہی پر ہے اور خیر خواہی کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ اس مال کی زکوٰۃ وصول کی جائے جس سے زکوٰۃ دینے والا نفع نہیں اٹھا سکتا۔ چوں کہ یہ مال ہر حالت میں ایک طرح رہا ہے اس لیے ضروری ہے کہ زکوٰۃ کے وجوب اور زکوٰۃ کی معافی میں ایک طرح کا حل اختیار کیا جائے جیسا کہ دوسرے تمام اموال میں یکسانی کا خیال رکھا جاتا ہے۔

امانت کی حیثیت ایسی ہے جیسے اپنے ہاتھ میں مال ہو کیوں کہ امانت دار درحقیقت مال کی حفاظت میں امانت رکھوانے والے کا نائب ہوتا ہے۔ اس کا قبضہ اس مالک کی طرح ہے لہذا پورے عرصے کی زکوٰۃ دے، کیوں کہ وہ مالک کا مال ہے اس سے جب چاہے فائدہ اٹھا سکتا ہے، پس دوسرے تمام اموال کی طرح اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر قرض زندہ ہے یعنی مقروض قرض ادا کرنے کے لیے تیار ہے کہ مقررہ وقت پر یا مطالبے پر ادا کر دے گا تو جمہور ائمہ کے نزدیک قرض خواہ پر اس کی زکوٰۃ واجب ہے اور اگر قرض تنگ دست آدمی پر ہے، جس کے ملنے کی امید نہیں یا ٹال مٹول کرنے والے یا انکار کرنے والے کو دیا ہوا ہو اور وہ قرض کا اعتراف نہیں کرتا تو اکثر ائمہ کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

نقد ضمانت کی زکوٰۃ مالک کے ذمے ہے۔ نقد ضمانت سے مراد وہ رقم ہے جو کرایہ دار مالک کو دیتا ہے۔ وہ مال کرایہ دار کا مالک کے پاس ضمانت کے طور پر ہوتا ہے کہ اگر بروقت کرایہ وغیرہ ادا نہ کرے تو اس سے وصول کر دیا جائے۔ اس رقم کی زکوٰۃ رقم کے مالک پر ہے، کرایہ پر دینے والے پر نہیں ہے بشرطیکہ اس رقم پر زکوٰۃ کے وجوب کی باقی شرائط پوری ہوتی ہوں۔

## ۶۔ کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ:

کرنسی نوٹ اور معدنی سکے: اس سے مراد وہ کرنسی ہے جو سونے چاندی کے متبادل کے طور پر تیار کی گئی ہے اور حکومت کی طرف سے ان کے پیچھے یہ ضمانت ہوتی ہے کہ وہ ان کے بدلے سونا چاندی ادا کرے گی اور وہ سونے چاندی کے اصل سکوں کے قائم مقام استعمال ہوتے ہیں۔ اکثر حکومتوں میں اس امر کی اجازت نہیں ہے کہ سونے چاندی کے سکے استعمال کیے جائیں بلکہ سونے چاندی کو سرکاری خزانے میں محفوظ رکھنے کی خاطر ان کے متبادل کاغذی نوٹ یا معدنی سکے تیار کیے گئے ہیں جو متعین معدنیات مثلاً برونز یا تانبے وغیرہ کے ہوتے ہیں اور سونے چاندی کے سکوں کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔

چوں کہ اس نظام کا آغاز پہلی عالمگیر جنگ کے بعد ہوا ہے اس لیے متقدمین فقہاء نے اس پر بحث نہیں کی۔ دور حاضر کے فقہاء نے کاغذی کرنسی پر زکوٰۃ کے حکم کو موضوع بحث بنایا ہے (۷۹)۔ جمہور فقہاء (حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ) کے نزدیک ان پر زکوٰۃ واجب ہے کیوں کہ ان کی حیثیت یا تو حکومت کے خزانے پر قوی قرض کی سی ہے یا یہ قرض کی رسیدیں ہیں یا یہ روپوں کا چیک ہے جو ایک خرچ کرنے والے سے دوسرے کے ہاتھ میں متعین قیمت کے عوض ادلتا بدلتا ہے۔

مذہب حنبلی میں ان پر زکوٰۃ نہیں ہے تا آنکہ ان کو سونے یا چاندی میں تبدیل کر دیا جائے۔ انہوں نے قرض کی وصولی پر قیاس کیا ہے۔

صحیح یہ ہے کہ ان پر زکوٰۃ واجب ہے کیوں کہ کرنسی اب اشیا کی قیمت ہو گئی ہے اور سونے کے ذریعے کاروبار ممنوع ہو گیا ہے اور کوئی ملک کرنسی نوٹوں کے عوض سونا دینے کا روادار نہیں ہے، اس نقدی کو قرض پر قیاس کرنا درست نہیں کیوں کہ قرض میں قرض خواہ

قرض کی رقم سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور فقہاء نے قرض کی وصولی کے بعد اس وجہ سے زکوٰۃ واجب کی ہے کہ اس امر کا احتمال ہوتا ہے کہ قرض وصول نہ ہو، جب کہ اس کرنسی کا مالک اس سے ہر وقت اسی طرح استفادہ کر سکتا ہے جیسا کہ سونے سے استفادہ کر سکتا ہے جو اصل میں اشیا کی قیمت ہے اور انہیں اسی طرح حفاظت میں رکھتا ہے جیسے سونے کو۔ پس یہ سمجھنا کہ ان میں اور سونے میں از روئے وجوب زکوٰۃ فرق ہے درست نہیں، اور یہ رائے اختیار کرنا کہ کرنسی نوٹوں میں زکوٰۃ نہیں ہے اجتہادی غلطی ہے، کیوں کہ اس کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ زکوٰۃ کے اموال میں سے اہم ترین اور قیمتی شے کو زکوٰۃ کے دائرے سے نکال دیا جائے۔ پس یہ امر قطعی ہے کہ کرنسی نوٹوں پر اسی طرح زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی جیسا کہ مال دار پر فوری واجب الادا قرض کی وصولی پر زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے۔ جیسا کہ شافعیہ کے ہاں یہی قول ثابت ہے اور ان میں زکوٰۃ کی شرح اڑھائی فی صد ہے۔

اس کے نصاب کی شرح۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ کا تعین سونے کے شرعی نصاب کی قیمت سے کیا جائے گا یعنی بیس دینار یا مثقال۔ جو ہماری رائے کے مطابق ۵۸ گرام سونے کے برابر ہے یا ۵۹۵ گرام چاندی سے کیوں کہ عربی درہم ۲،۹۷۵ گرام ہے۔ صحیح یہ ہے کہ کاغذی کرنسی کا نصاب مقرر کرنے کے لیے سونے کو معیار بنانا چاہیے اس لیے کہ اونٹوں، گایوں اور بکریوں کے نصاب میں بھی اسی کو معیار رکھا گیا ہے اور آج کے دور میں معیار زندگی بلند ہونے اور اشیا ضرورت کی گرانی کی وجہ سے یہی مناسب ہے۔ اگرچہ دور حاضر کے بہت سے علماء کی رائے یہ ہے کہ نصاب کا تعین چاندی کی بنیاد پر کیا جائے کیوں کہ اس میں فقرا کا فائدہ ہے اور دین کے سلسلے میں احتیاط کا پہلو ہے۔ نیز چاندی کے نصاب پر اجماع ہے اور صحیح سنت سے ثابت ہے۔ ماضی میں یہ نصاب چھبیس مصری

ریال اور ۳/۲ء ۹ قرش اور پچاس سعودی اور امارات کے ریال کے برابر تھا اور ساٹھ یا پچپن پاکستانی اور ہندی روپے کے برابر۔

کاغذی کرنسی پر زکوٰۃ اسی صورت میں واجب ہے جب کہ اس کی قیمت شرعی نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر ایک سال گزر جائے اور قرض سے جو کہ حق و عدل کا تقاضا ہے زائد ہو اور حنفیہ کے نزدیک نصاب مالک کی اصلی ضروریات یعنی کھانے پینے، لباس اور رہائش کے اخراجات اور آلات حرب سے زائد ہو (۸۰)۔

ڈیپازٹ سٹیفلیٹ: سندت، سند کی جمع ہے۔ وہ سٹیفلیٹ جس میں یہ تحریری ضمانت ہوتی ہے کہ اس دستاویز میں درج قرض حامل ہذا کو فلاں تاریخ بمع نفع ادا کیا جائے گا۔ حصہ سے مراد اصل سرمائے میں حصہ داری ہے۔

حصہ سے اصل سرمائے میں شراکت مراد ہے۔ حصہ دار کاروبار میں شریک ہوتا ہے اور ڈیپازٹ سٹیفلیٹ کسی کمپنی یا حکومت کی طرف اس قرض کو ظاہر کرتا ہے جو سٹیفلیٹ کے حامل نے اسے دیا ہوا ہوتا ہے۔ حصص کا کاروبار شرعاً جائز ہے اور سٹیفلیٹس کا حرام ہے کیوں کہ اس میں سودی نفع شامل ہے۔

سٹیفلیٹس کی حرمت کے باوجود (۸۱) ان پر زکوٰۃ واجب ہے کیوں کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سٹیفلیٹ کے مالک نے قرض دیا ہوا ہے۔ اس لیے اس کی زکوٰۃ ہر سال ادا کرے، مالکیہ کے سوا جمہور فقہاء کی رائے پر عمل کا تقاضا یہی ہے۔ کیوں کہ جس قرض کی وصولی کی امید ہو (جو ایسے شخص کے ذمہ ہو جو باسانی قرض ادا کر سکتا ہو اور قرض کا اقرار بھی کرتا ہو) اس پر ہر سال زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ نفع بخش سٹیفلیٹس پر بھی مناسب یہ ہے کہ اسی طرح اڑھائی فی صد زکوٰۃ ادا کرے جیسا کہ کرنسی پر ادا کی جاتی ہے۔

جہاں تک حصص کا تعلق ہے تو خرید و فروخت میں ان کی حقیقی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی جیسا کہ مال تجارت پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یعنی ہر سال کے اختتام پر اصل سرمائے اور منافع پر اڑھائی فی صد کے حساب سے زکوٰۃ دی جائے بشرطیکہ اصل سرمایہ اور نفع نصاب کی مقدار کو پہنچ جائیں یا حصہ دار کے پاس اور مال ہو جسے ساتھ ملا کر نصاب مکمل ہو جائے۔ اگر حصہ دار کے پاس اور کوئی ذریعہ معاش نہ ہو مثلاً یتیم ہو یا بیوہ ہو تو کم از کم ضروریات زندگی کی حد تک مال زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے۔ یہ تجارتی کمپنیوں کے بارے میں ہے۔ صنعتی کمپنیاں مثلاً شوگر مل، پٹرول کے کارخانے وغیرہ مثلاً پریس اور دوسرے کارخانے ان میں حصص کی قیمت وہی متعین ہوگی جو اس وقت مارکیٹ میں ہوگی، ان میں سے عمارت، مشینری اور دیگر آلات پیداوار کی قیمت منہا کر لی جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ حصص اور سٹیفلیٹس پر اڑھائی فی صد کے حساب سے ان کی قیمت اور منافع کے مجموعے پر ہر سال کے آخر میں مالک پر زکوٰۃ واجب ہے، سال کا آغاز اس مال کے مالک ہونے کے دن سے ہوگا۔ یا ساری زکوٰۃ اکٹھی کمپنی کی مجموعی پیداوار کے خالص منافع کے دسویں حصہ کے برابر ادا کی جائے اور اسے غلے اور پھلوں پر قیاس کیا جائے کیوں کہ کمپنیوں کا مال صنعت وغیرہ سے بڑھتا ہے۔ پس پہلی صورت میں حصص کا مالک تاجر سمجھا جائے گا اور دوسری صورت میں کمپنی کو زمین قرار دے کر اس کی پیداوار پر عشر ہوگا۔

۷۔ کمپنیوں کے حصص کی زکوٰۃ کے بارے میں علماء کی آراء کی تفصیل:

حصص اور سٹیفلیٹس کے رواج کا سبب:

انسان ہمیشہ سے نفع کے حصول کا حریص رہا ہے اور انفرادی، ذاتی، اجتماعی اور عمومی تجارت کے ذریعے رزق تلاش کرنے میں کوشاں رہا ہے، اس میں شریعت کی ترغیبات پر

عمل بھی ہے اور مال و نفع کے اضافے کے لیے انسان کی فطری محبت کا تقاضا بھی تاکہ اس کے مال کو صدقات ہی ختم نہ کر جائیں اور سالہا سال کی زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اصل سرمایہ بالکل ختم ہی نہ ہو جائے۔

بالعموم بڑی صنعتی، زرعی اور تجارتی کمپنیاں اتنا زیادہ سرمایہ فراہم نہیں کر سکتی جس کی انہیں چلانے کے لیے ضرورت ہوتی ہے کیوں کہ بڑی بڑی شراکتی کمپنیوں کے قیام کے لیے بے حساب سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا دور حاضر میں یہ طریقہ ایجاد ہوا کہ بڑے سرمائے کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر کے حصص مارکیٹ میں متعارف کرا دیے جائیں اور ان کی قیمت سینکڑوں اور ہزاروں افراد سے وصول کی جائے۔

کبھی پہلے سے قائم کمپنیاں مزید سرمائے کی ضرورت محسوس کرتی ہیں اور اس کے لیے لوگوں سے قرض لیتی ہیں۔ اس قرض کے بدلے میں سٹیفنڈیشن جاری کرتی ہیں جو اصل زربمع مقرر نفع کی ادائیگی کی ضمانت ہوتے ہیں۔ حصص اور سٹیفنڈیشن کو دور حاضر کے معاش عرف میں مالیاتی سٹیفنڈیشن کہتے ہیں جو لوگوں کے درمیان متعارف ہیں۔ ان کی خرید و فروخت یا تو اخبارات اور روزناموں کے ذریعے ہوتی ہے یا سٹاک ایکسچینج کی مارکیٹ کے ذریعے۔

بیسویں صدی کی دوسری چوتھائی سے جب شراکتی کمپنیاں وجود میں آنا شروع ہوئیں تو لوگ حصص اور سٹیفنڈیشن کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں سوالات کرنے لگے اور ان پر زکوٰۃ کے وجوب کا حکم معلوم کرنے لگے اور یہ کہ زکوٰۃ کس پر واجب ہوتی ہے؟ دور حاضر کے علماء کے فتاویٰ میں تقریباً اس امر پر اتفاق ہے کہ حصص کا کاروبار جائز ہے اور سٹیفنڈیشن کا ناجائز کیوں کہ ان میں قرض دی ہوئی متعین رقم پر متعین منافع مقرر ہے جو سود

ہے۔ البتہ ان پر کتنی زکوٰۃ واجب ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے بعض کی رائے میں اڑھائی فی صد اور بعض کی رائے میں دس فی صد، نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ حصص کی زکوٰۃ کس پر واجب ہے؟ کیا حصص کے مالک پر یا کمپنی پر؟ البتہ اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر حصص یا سٹیفلیٹس کی قیمت شرعی نصاب کو پہنچ جائے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے اگرچہ سٹیفلیٹس کے کاروبار میں حرام، سود اور گندی معیشت شامل ہے، لیکن مال کے کسی حصے میں حرام کی شمولیت سے زکوٰۃ معاف نہیں ہوتی بلکہ اس کے برعکس حرام مال سے بچنے کا اور کوئی راستہ نہیں بجز اس کے کہ سارا حرام مال صدقہ کر دیا جائے۔

### حصص اور سٹیفلیٹس کی تعریف:

حصص: مساوی قیمت کے چیک ہوتے ہیں جنہیں بھنایا نہیں جا سکتا، تجارتی طریقے سے ان کا لین دین ہو سکتا ہے اور کمپنیوں کے اصل سرمائے میں شریک افراد کے حقوق کا ان کے ذریعے سے تعین ہوتا ہے۔

ایک حصہ کمپنی کے اصل سرمائے کی ایک اکائی کو ظاہر کرتا ہے، حصہ دار کمپنی میں شریک ہوتا ہے۔ حصص کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہوتی ہیں (۸۲)

۱۔ ان کی اعتباری قیمت یکساں ہوتی ہے۔ مختلف قیمتوں کے حصص جاری کرنا جائز نہیں۔ حصص کی اعتباری قیمت یکساں ہوتی ہے اور قانون اس امر کا تعین کرتا ہے کہ کتنی سے کتنی مالیت کے درمیان کے حصص جاری کیے جائیں گے، مثلاً امارات میں ایک درہم سے سو درہم کے حصص جاری کیے جاتے ہیں۔

حصص کی اعتباری قیمت ان کی کاروباری اور حقیقی قیمت سے مختلف ہوتی ہے۔ اعتباری قیمت وہ ہوتی ہے جس کے چیک جاری ہوتے ہیں اور ان کی بنیاد پر حساب رکھا



جاتا ہے اور جن کی بنیاد پر کسی کمپنی کے مجموعی سرمائے کا تعین ہوتا ہے۔  
 کاروباری قیمت وہ ہوتی ہے جو کسی حصے کی بازار میں یا سٹاک ایکسچینج میں قیمت ہو  
 اور اس میں رسد و طلب کے بدلنے سے، بازار کے حالات، کمپنی کی شہرت اور اس کے مالی  
 مراکز کے استحکام کی وجہ سے تبدیلی آتی رہتی ہے۔

حصص کی حقیقی قیمت اس کی وہ مالیاتی قیمت ہے کہ کمپنی کے تمام اثاثے حصص پر  
 تقسیم کرنے سے جو رقم ایک حصے کے بالمقابل آتی ہے۔

ب۔ انہیں بھنایا نہیں جا سکتا: حصص کے بارے میں یہ ممکن نہیں کہ یہ حصے آگے  
 چھوٹے چھوٹے حصے کر لیے جائیں اور کمپنی میں ایک حصے میں کئی مالک شریک ہو جائیں۔  
 ج۔ تجارتی طریقے سے ان کا لین دین ہو سکتا ہے: معروف تجارتی طریقے سے  
 حصص کی ملکیت ایک شخص سے دوسرے شخص کو منتقل ہو سکتی ہے اور کمپنی کی طرف سے کسی  
 ذمہ داری کے بغیر بھی منتقل ہو سکتی ہے۔ اگر حصہ اس نوعیت کا ہے کہ حصہ دار کی اجازت  
 کے بغیر فروخت نہیں ہو سکتا تو اس کا لین دین اس حصہ دار کے ذریعے ہی ہوگا۔

اگر حصص اس شخص کے ہیں جس کے پاس حصے کا سرٹیفکیٹ ہے تو ان کا لین دین  
 محض ایک دوسرے کے سپرد کر دینے سے ہو جاتا ہے۔

بالعموم قوانین اس نوعیت کے ہیں کہ حصص لوگوں کے ناموں پر جاری ہوتے ہیں۔  
 بعض قوانین میں اس امر کی اجازت ہے کہ چند شرائط کے ساتھ ہر سرٹیفکیٹ کا حامل حصہ دار  
 بن سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حصص سے سرمائے میں شرکت کی نسبت کا تعین ہوتا ہے۔

سندات، سند کی جمع ہے: یہ ایک مالیاتی چیک ہے جس کا لین دین ممکن ہے، اس  
 کے خریدنے والا اس قرض کی وصولی کا حقدار ہے جو اس نے دیا ہے اور اس پر مقررہ منافع

کا بھی حقدار ہے۔ یہ منافع اسے اس صورت میں ہی ملے گا جب سٹیفلیٹ کی مقررہ مدت پوری ہوگی۔ دوسرے الفاظ میں سند ایک ایسی تحریری دستاویز ہے جو قرض سے متعلق ہے جس کے حامل کو متعین تاریخ پر قرض بمع زائد نفع وصول ہوتا ہے۔

سٹیفلیٹ اپنی اعتباری قیمت، تجارتی طریقے سے لین دین کی صلاحیت اور نہ بھنائے جاسکنے کی حیثیت سے حصص کے مشابہ ہے۔

حصص اور سٹیفلیٹ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ حصص کمپنی میں شراکت کو ظاہر کرتے ہیں۔ یعنی حصص کا مالک کاروبار میں شریک ہے جب کہ سٹیفلیٹ کمپنی کے لیے قرض دینے کو ظاہر کرتے ہیں کہ سٹیفلیٹ خریدنے والے نے کمپنی یا ملک کو کچھ رقم قرض دی ہوتی ہے۔

اس فرق کی وجہ سے حصص کا حامل کمپنی کے نفع میں شریک ہوگا جب کمپنی منافع کمائے گی جب کہ سٹیفلیٹس کا حامل اپنا مقررہ سالانہ منافع وصول کرے گا، خواہ کمپنی کو نفع ہو یا نقصان۔ حصص بالعموم اعتباری ہوتے ہیں اور حصص کے حاملین کو حکومت کی نگرانی کی ضمانت ہوتی ہے جب کہ سٹیفلیٹس کبھی اعتباری ہوتے ہیں اور کبھی سٹیفلیٹ کے حامل کے ہوتے ہیں۔

### مالیاتی تجارتی سٹیفلیٹس کا لین دین:

حصص کا لین دین شرعاً جائز ہے کیوں کہ حصص کے مالک اپنے حصص کی نسبت سے کمپنی کی ملکیت میں شریک ہوتے ہیں مثلاً دس، بیس اور سو حصص۔ سٹیفلیٹس کا لین دین حرام ہے کیوں کہ وہ قطعی سودی منافع پر مشتمل ہے، خواہ کمپنی کو نفع ہو یا نقصان، یہ منافع پر دیا ہوا قرض ہے۔ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء میں مصرف اسلامی کویت کے دوسرے مؤتمر میں یہ قرار داد منظور کی گئی کہ مغربی ماہرین اقتصادیات اور ان کے پیروکار جسے نفع کہتے ہیں وہ شریعت اسلامی کے مطابق سود ہے اور شرعاً حرام ہے۔ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء میں ہی قاہرہ میں اسلامی

بنکوں کے ”فتویٰ اور شرعی نگرانی“ کے پہلے اجتماع نے بالاتفاق یہ قرارداد منظور کی کہ اسلامی بینک کو ایسی کمپنیوں کے حصص خرید کر ان میں سرمایہ کاری نہیں کرنی چاہیے جو سودی کاروبار کرتی ہیں کیوں کہ ان کمپنیوں کی آمد و خرچ ایسے منافع پر مشتمل ہے جس کا کچھ حصہ سرمایہ کاری کرنے والوں کو ادا کیا جاتا ہے اور کچھ محفوظ رکھا جاتا ہے۔

### سٹیفلیٹس کی زکوٰۃ:

ہم یہاں سٹیفلیٹس کی زکوٰۃ کی طرف اشارہ کریں گے کیوں کہ یہ ہمارا موضوع بحث نہیں۔ پس ہماری رائے یہ ہے کہ اگرچہ سٹیفلیٹس کا کاروبار حرام ہے لیکن ان میں زکوٰۃ واجب ہے، کیوں کہ یہ درحقیقت سٹیفلیٹس کے مالک کا کمپنی کے ذمہ قرض ہے اور مالکی فقہاء کے سوا جمہور کی رائے پر عمل کرتے ہوئے اس کی ہر سال زکوٰۃ دینا ضروری ہے، کیوں کہ جس قرض کے ملنے کی امید ہو (قرض دار قرض کا اقرار کرتا ہو اور ادا کر سکتا ہو) اس پر ہر سال زکوٰۃ دینا ہوتی ہے اور منافع کے سٹیفلیٹس درحقیقت سٹیفلیٹس ہیں، ان پر زکوٰۃ واجب ہے، اگرچہ ان سے حاصل ہونے والا نفع خبیث اور ان کی کمائی حرام ہے۔ سٹیفلیٹس پر زکوٰۃ اسی شرح سے دی جائے گی جس شرح سے نقدی اور سامان تجارت بھی دی جاتی ہے یعنی اڑھائی فی صد۔

سٹیفلیٹس کے لین دین کی حرمت کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے مالک کی پوری ملکیت ختم ہو جاتی ہے، اس کی پوری ملکیت باقی رہتی ہے، اس لیے ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ البتہ حرام مال مثلاً غصب، چوری، رشوت، دھوکہ دہی، ذخیرہ اندوزی، سلاوٹ اور سود وغیرہ سے حاصل ہونے والے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ کیوں کہ ان کا قابض ان کا مالک نہیں ہوتا اور اس طرح حاصل ہونے والا مال اصل مالک کو لوٹانا واجب ہوتا ہے، لوگوں کا

مال ناجائز طریقوں سے کھانا حرام ہے۔ اگر یہ حرام مال حاصل کرنے والے کے قبضے میں رہے اور اس پر سال گزر جائے اور اصل مالک کو واپس نہ کیا گیا ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے کیوں کہ فقرا کی مصلحت کا تقاضا یہی ہے۔

### کمپنیوں کے حصص کی زکوٰۃ:

اس موضوع میں تین امور زیر بحث آئیں گے۔ (۱) کیا حصص میں زکوٰۃ واجب ہے؟ (۲) کس نسبت یا کس مقدار سے زکوٰۃ نکالنا واجب ہے؟ (۳) زکوٰۃ کس پر واجب ہے، کیا حصص کے مالک پر یا کمپنی پر؟

### حصص کی زکوٰۃ کے بارے میں معاصر علماء کی آراء:

قدرتی امر ہے کہ حصص کی زکوٰۃ کے بارے میں متقدمین علماء کی آراء موجود نہیں ہیں۔ کیوں کہ یہ دور حاضر کا مسئلہ ہے۔ معاصر علماء نے اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔ علماء میں سے کسی کے اجتہاد میں بھی ہم مکمل درستی محسوس نہیں کرتے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک کے اجتہاد میں ایک پہلو درست ہے۔ ہر عالم کی بحث میں ایک پہلو درست اور دوسرا غلط ہے۔ ہم ذیل میں ان علماء کی آراء اور ان کی صحت و خطا کے پہلوؤں کی نشان دہی کر کے آخر میں اس موضوع پر اپنی رائے بیان کریں گے۔

۱۔ شیخ عبدالرحمن عیسیٰ کی رائے:

شیخ عبدالرحمن عیسیٰ نے اپنی کتاب المعاملات الحدیثہ و احکامہا میں حصص کے منافع کے اعتبار سے حصص کی دو قسمیں کی ہیں: (۸۳)

۱۔ صنعتی کمپنیوں کے حصص

ب۔ تجارتی کمپنیوں کے حصص

جو کمپنیاں خالص صنعتی یونٹ ہیں اور تجارتی عمل میں شرکت نہیں کرتی مثلاً رنگ ساز کمپنیاں، ریفریجریٹر اور ائر کنڈیشنرز تیار کرنے والی کمپنیاں، ہوٹلوں کی کمپنیاں، اطلاعات اور اعلانات کی کمپنیاں، گاڑیاں تیار کرنے والی کمپنیاں، ٹرام، ٹرک، بحری اور ہوائی جہاز تیار کرنے والی کمپنیاں، ان میں زکوٰۃ واجب نہیں، حصص کے مالک کو جو نفع ملتا ہے، اس نفع کو اپنے دوسرے مال کے ساتھ ملا کر، سال گزرنے کے بعد سارے مال پر زکوٰۃ ادا کرے بشرطیکہ وہ شرعی نصاب کی حد کو پہنچ جائے کیوں کہ ان کمپنیوں میں حصص میں لگائی ہوئی رقم، مشینری، تنظیم اور عمارتوں وغیرہ پر خرچ ہوتی ہے۔

تجارتی کمپنیوں کے حصص یعنی جو کمپنیاں سامان خریدتی اور فروخت کرتی ہیں جیسے کہ بین الاقوامی تجارتی کمپنیاں، درآمد برآمد کرنے والی کمپنیاں اور ملکی مصنوعات فروخت کرنے والی کمپنیاں یا خام مال خرید کر اسے تیار کر کے فروخت کرنے والی کمپنیاں، جیسے پٹرول، روئی، اون، لوہا اور کیمیاوی مواد تیار کر کے فروخت کرنے والی کمپنیاں، ان میں زکوٰۃ واجب ہے کیوں کہ یہ کمپنیاں تجارت کرتی ہیں، خواہ صنعت ان کا حصہ ہو یا نہ ہو اور ان کمپنیوں کے حصص کی موجودہ قیمت کا اعتبار ہے، اس میں سے عمارتوں، مشینری اور کمپنی کے دوسرے سامان کی قیمت منہا کر لی جائے گی اور ان کی قیمت مقررہ قواعد کے مطابق طے ہوگی، یعنی ایک چوتھائی یا اس سے کم یا زیادہ۔

خالص تجارتی کمپنیوں کے حصص پر زکوٰۃ ان حصص کی بازار میں تجارتی قیمت کی بنیاد پر متعین ہوگی اور اس میں ہر سال کے آخر میں ملنے والا منافع شامل کیا جائے گا جیسا کہ تجارتی سامان پر اڑھائی فی صد کے حساب سے زکوٰۃ دینا ہوتی ہے جب کہ اصل سرمایہ اور منافع مل کر شرعی نصاب کی حد کو پہنچ جائے، تجارتی مراکز کی عمارت اور دوسری تنصیبات اور

آلات پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

صنعتی کمپنیاں جو تجارت بھی کرتی ہیں مثلاً شوگر مل، پٹرول کی کمپنی، پریس، کشتیاں، جہاز اور گاڑیاں بنانے والی کمپنیاں تو ان کے حصص کا تعین ان کی موجودہ تجارتی قیمت کی بنیاد پر ہوگا اور اس سے عمارات، مشینری اور دیگر سامان کی قیمت منہا کر لی جائے گی۔

یہ رائے چاروں فقہی مذاہب کے مقررہ قواعد کے مطابق ہے کہ کارخانوں اور زیر استعمال عمارتوں پر زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ ان کے منافع پر زکوٰۃ ہے بشرطیکہ وہ شرعی نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر ایک سال گزر جائے (یعنی مالک کے قبضے میں ایک سال گزر جائے) یہی رائے مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے اپنے دوسرے اجلاس ۱۳۰۶ھ/۱۹۸۵ء نے اختیار کی۔ فقہاء مذاہب نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ استعمال کے اسلحہ، علماء کی کتب اور کاریگروں کے آلات پر زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ ان کا تعلق ان افراد کی اصلی ضرورتوں سے ہے اور یہ بڑھنے والا مال نہیں ہے جب کہ زکوٰۃ کا سبب بڑھنے والے مال کا مالک ہونا ہے، خواہ عملاً نہ بڑھ رہا ہو بلکہ اس میں بڑھنے کی صلاحیت ہو۔

المعیار المعرب (۴۰۲:۱) میں ابو العباس الوثریسی لکھتے ہیں: ایک ایسے کاریگر کے بارے میں سوال کیا گیا جس کے پاس اپنی مصنوعات ہیں اور ان پر سال گزر گیا ہے اگر ان کی قیمت لگا کر اس کے پاس موجود نقدی میں جمع کیا جائے تو نصاب کی حد کو پہنچ جاتا ہے، کیا ان کی قیمت لگا کر ان کو شامل کر کے زکوٰۃ دینا ہوگی یا نہیں؟

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اس میں حکم یہ ہے کہ کاریگر کے ہاتھ میں جو نقد رقم ہے اگر وہ نصاب کے برابر ہے اور اس پر سال گزر گیا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس کی مصنوعات کی قیمت نہ لگائی جائے کیوں کہ اس کی مصنوعات جب فروخت ہوں گی تو اس

وقت اسے ان پر نفع ملے گا، اس کے بعد اس پر سال گزرنا ضروری ہے، البتہ اپنی مصنوعات کے لیے کاریگر نے جو خام مال خریدا ہے مثلاً چمڑا، لکڑی، لوہا وغیرہ، اگر کاروباری نقطہ نظر سے خریدا تھا تو زکوٰۃ کا اندازہ کرنے والا اس خام مال کی قیمت لگائے، اس کی مصنوعات کی نہیں۔

یہ فتویٰ انتہائی باریک بینی کا حامل ہے، اس میں کاریگروں مثلاً جوتے، قالین اور لوہے کی الماریاں وغیرہ بنانے والوں کے لیے آسانی ہے۔

میں شیخ عبدالرحمن عیسیٰ کی مذکورہ بالا رائے کی تائید کرتا ہوں البتہ اس اختلافی نوٹ کے ساتھ کہ اگر صنعتی کمپنیوں کی مصنوعات تجارت کے لیے ہیں یا خرید و فروخت اور برآمد کے لیے تیار کی جاتی ہیں تو ان میں سے مشینری اور عمارت کی قیمت منہا کر کے اس پر زکوٰۃ واجب قرار دی جائے۔ مثلاً پریس اپنی طباعت، جلد سازی وغیرہ مشینوں کی قیمت کو اصل سرمائے سے منہا کر کے ہر سال کے آخر پر اپنی مطبوعہ کتب وغیرہ کی قیمت پر زکوٰۃ ادا کرے نیز جو لوگ ان سے طباعت کا کام کرواتے ہیں، ان سے ملنے والی رقوم سے حاصل ہونے والے منافع پر بھی زکوٰۃ ادا کریں۔

لیکن استاذ ڈاکٹر یوسف القرضاوی اس رائے سے متفق نہیں ہیں، ان کے خیال میں ہر قسم کی کمپنیوں پر خواہ وہ صنعتی ہوں یا تجارتی زکوٰۃ واجب ہے۔ شیخ عبدالرحمن عیسیٰ نے دونوں قسم کی کمپنیوں کے حصص کی اقسام میں جو فرق کیا ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ ایسا نتیجہ ہے جسے شریعت کا نظام عدل رد کرتا ہے کہ وہ ایک ہی طرح کے لوگوں میں فرق کرے۔ پھر انہوں نے استاذ شیخ محمد ابوزہرہ اور ان کے ہم رائے حضرات کی رائے کو درست قرار دیا جو کمپنیوں کی اقسام میں اختلاف کی بنیاد میں حصص کی دونوں قسموں

میں فرق نہیں کرتے اور یہ کہا کہ افراد کے اعتبار سے یہ رائے زیادہ بہتر ہے اور حساب میں بھی آسان ہے، پھر کہا البتہ اگر اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آجائے جو کمپنیوں سے زکوٰۃ وصول کرے تو میرے خیال میں پہلی رائے (شیخ عیسیٰ کی رائے) زیادہ بہتر اور قابل ترجیح ہے واللہ اعلم (۸۴)۔

۲۔ استاذ عبد الوہاب خلاف، عبدالرحمن حسن اور محمد ابو زہرہ کی رائے: (۸۵)

ان اساتذہ کی رائے یہ ہے کہ اگر حصص اور سٹینڈنگ ٹیکس تجارت کی غرض سے خریدے گئے ہوں تو ان کی حیثیت سامان تجارت کی ہے، جس شرح سے سامان تجارت پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یعنی اڑھائی فی صد اسی شرح سے ان پر بھی واجب ہوگی اور اصل سرمائے اور نفع پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ دینا ہوگی جیسا کہ جمہور فقہاء کی یہی رائے ہے۔

ڈاکٹر قرضاوی نے اس رائے کو ترجیح دیتے ہوئے کہا ہے کہ غالباً یہ نقطہ نظر اور فتویٰ افراد کے حوالے سے پہلے نقطہ نظر سے بہتر ہے کیوں کہ ہر حصہ دار اپنے حصص کی مقدار اور اس پر سالانہ منافع سے واقف ہوتا ہے اور اس کی زکوٰۃ باسانی ادا کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس پہلے نقطہ نظر میں کمپنیوں کے حصص میں باہمی فرق کیا گیا ہے جس کی بنا پر بعض کمپنیوں کی مصنوعات سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی اور دوسری کمپنیوں میں حصص کی قیمت اور ان پر حاصل شدہ منافع سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ اور ایک عام فرد کے لیے اس گورکھ دھندے میں بہت دقت ہے۔

لیکن میری رائے یہ ہے کہ فقہی اعتبار سے پہلا نقطہ نظر درست ہے جب سے چالیس کی دہائی میں شراکتی کمپنیاں شروع ہوئی ہیں، اس پر عمل ہو رہا ہے اور اس میں کوئی دقت نہیں ہے۔ ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ صنعتی آلات پر زکوٰۃ نہیں ہے، جب وہ اپنا مال



صنعتی آلات کی خریداری میں حصہ دار کے طور پر لگائے گا تو اسے معلوم ہے کہ آلات کی قیمت اصل سرمائے سے منہا کرنا ہوگی اور جب تجارتی کمپنی میں مال لگائے گا تو مال تجارت کے طور پر اس کی زکوٰۃ دے گا۔

استاذ ابو زہرہ کی اس سلسلے میں ایک پرانی رائے ہے جس میں تفصیلات ہیں۔ یہ رائے جامعہ دول عربیہ کے دراسات اجتماعیہ کے حلقہ منعقدہ دمشق ۱۹۵۲ء کی رپورٹ میں ہے، اس رائے کا انہوں نے مجمع البحوث الاسلامی کے دوسرے مؤتمر میں ۱۹۶۵ء میں اعلان کیا، جس کا ماہی حاصل یہ ہے کہ اگر حصص اور سرٹیفکیٹس تجارت کے لیے خریدے جائیں یا مضاربت کے لیے یا سٹاک ایکسچینج میں فروخت کرنے کے لیے تو ان سے حاصل ہونے والی آمدنی کو تجارت کی آمدن سمجھا جائے گا اور انہیں مالی تجارت اور ان سے زکوٰۃ اس طرح وصول کی جائے گی کہ سال کے شروع میں ان کی قیمت کا اندازہ کیا جائے گا اور سال کے آخر میں اور اگر وہ شرعی نصاب کے برابر ہیں تو ان کے اصل سرمائے اور منافع دونوں پر اڑبائی فی صد زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔

اگر سرمایہ اس لیے لگایا ہے تاکہ اس سے منافع حاصل کرے، نہ تو مضاربت کی نیت ہے اور نہ ان کے خرید و فروخت کی بلکہ ان کے سالانہ منافع سے اپنی ضروریات پوری کرنا پیش نظر ہے تو زکوٰۃ کمپنی پر واجب ہوگی اور حصص کے مالکان کی طرف سے وہی زکوٰۃ کافی متصور ہوگی (۸۶)۔

اس رائے کا تعلق اس شخص سے ہے جو حصص کا مالک ہے اور اس بنیاد پر ہے کہ حصص خریدنے سے اس کی نیت کیا ہے، کیا تجارت کرنا چاہتا ہے یا نفع حاصل کرنا چاہتا ہے؟۔ نیز اس رائے کا تعلق اس وقت سے ہے جب کہ کمپنیاں اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا

نہیں کرتی تھیں اور ان سے زکوٰۃ کی کیفیت کے بارے میں پوچھا جاتا تھا۔

میرے خیال میں اس تفصیل کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ حصص کی خریداری کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے، تجارت کرنا اور نفع کمانا، پس ان حصص کی زکوٰۃ اسی طرح دی جائے گی جیسے کہ سامان تجارت کی زکوٰۃ دی جاتی ہے۔

۳۔ بینک فیصل الاسلامی سوڈان کی شرعی نگران کمیٹی کا فتویٰ:

بینک فیصل الاسلامی سوڈان کی شرعی نگران کمیٹی نے استفتاء کے بغیر بینک کے حصص کی زکوٰۃ کی بنیاد سے متعلق فتویٰ نمبر ۷۱ میں مندرجہ ذیل رائے دی ہے:

کمیٹی کے ارکان کی اکثریت (۸۷) کی رائے یہ ہے کہ بینک اپنے حصص کی زکوٰۃ حسب ذیل بنیادوں پر نکالے:

۱۔ بینک ایک سال مکمل ہونے پر حصص کی ادا شدہ رقوم میں موجود نقدی اور ان حصص سے خرید کردہ سامان تجارت کی قیمت پر اڑھائی فی صد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرے، غیر منقولہ جائداد پر اور حصص کے منافع پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

۲۔ وہ جائدیں جو بینک نے حصص کے مال سے خریدی ہیں اگر تجارت کے لیے خریدی ہیں تو ان پر سامان تجارت کے اعتبار سے زکوٰۃ دے یعنی حصص کی موجود نقدی کے ساتھ ان کی قیمت کا اضافہ کر دے، اور اگر اجرت پر دینے کے لیے خریدی ہیں تو غیر منقولہ جائداد کی زکوٰۃ کی طرح جب ان کی اجرت وصول ہو تو ان پر دس فی صد زکوٰۃ دے۔

۳۔ اگر بینک نے حصص کا کچھ مال کسی کو مضاربت پر دیا ہوا ہے تو اصل مال جو مضارب کو دیا گیا اور اس پر حاصل ہونے والے منافع پر زکوٰۃ ادا کی جائے۔

۴۔ اگر بینک پر ان حصص کے مقابلے میں قرضے بھی ہیں اور اگر بینک نے دوسرے لوگوں سے اپنے قرضے وصول بھی کرنے ہیں جو ان قرضوں سے زائد ہیں جو اس نے دیئے ہیں تو جو قرض دینے ہیں وہ ان قرضوں سے منہا کر لیے جائیں جو لینے ہیں اور باقی کی زکوٰۃ دے دی جائے۔ اور اگر جو قرض دینے ہیں وہ ان قرضوں سے زائد ہیں جو لینے ہیں جو ان دونوں میں فرق ہے اسے بینک میں موجود اثاثوں سے منہا کر کے باقی کی زکوٰۃ دے دی جائے۔ اگر بینک نے جو قرض لینے ہیں وہ مؤجل ہیں اور ان کے ملنے کی امید ہے تو سامان کے ذریعے ان کی قیمت کر لی جائے اور سامان کی قیمت کا موجود نقدی سے تعین کر کے اس قیمت کی زکوٰۃ دے دی جائے۔

۵۔ اگر بینک نے قرض وصول کرنے ہیں تو جب تک ان قرضوں کے ملنے کی امید ہے تو بینک موجود نقدی کی طرح ان پر بھی زکوٰۃ ادا کرے۔

۶۔ چھوٹے حصص کے مالکان سے پوچھ لیا جائے کہ کیا ان کے پاس اور مال ہے جسے ساتھ ملا کر یہ حصص نصاب کی حد کو پہنچتے ہیں۔ اگر وہ کہیں کہ اور مال نہیں ہے تو وہ مالک نصاب نہیں ہیں اس لیے ان کے حصص باقی تمام حصص سے الگ کر لیے جائیں۔

یہ رائے بالعموم ان لوگوں کی رائے سے ہم آہنگ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حصص کی زکوٰۃ سامان تجارت کے طور پر ادا کی جائے البتہ بعض تفصیلات میں اختلاف ہے مثلاً اس فتویٰ کی بنیاد حصص کی حقیقی قیمت کے اعتبار پر ہیں اس کی مارکیٹ کی قیمت کا اعتبار نہیں جب کہ اسے سامان تجارت قرار دینے والے مارکیٹ کی قیمت کا اعتبار کرتے ہیں جو حقیقی قیمت نہیں ہوتی بلکہ اعتباری قیمت ہوتی ہے اور جب حقیقی قیمت معلوم کرنا ممکن ہو تو

اعتباری قیمت اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ نیز جو جائداد کرائے پر دینے کے لیے لی گئی ہے اس کے کرائے پر زکوٰۃ رکھی گئی ہے، اس کی قیمت پر نہیں کیوں کہ درحقیقت وہ سامان تجارت نہیں ہے۔

یہ امر واضح ہے کہ بینک نے حصص کی پہلی قسط ادا کر دی اور اس پر ایک سال گزر گیا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو گئی۔ بینک پر یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ گزشتہ بنیادوں پر ادا کرے۔ اگر موجودہ وقت میں اس اصول کو منطبق کرنا مشکل ہے لیکن ہو سکتا ہے بینک نے پہلی قسط کے طور پر حصص کے مالکان کو جو رقم دی ہو اس میں سے غیر منقولہ جائدادوں کی قیمت نکال کر اور چھوٹے حصہ داروں کے حصص الگ کر کے جن کے حصص نصاب کی حد کو نہیں پہنچتے اڑھائی فی صد زکوٰۃ ادا کر دے۔ تاکہ ان کے مالکوں کو بتا سکے اس طریقے کی تطبیق کے لیے غور و فکر کرنا چاہیے تاکہ مستقبل میں اسے مکمل طور پر نافذ کیا جاسکے۔

یہ وقتی حل ان اہل علم کی رائے سے مختلف نہیں ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حصص مال تجارت ہیں، ان کی مارکیٹ کی قیمت میں منافع کا اضافہ کر کے اور غیر منقولہ جائداد کی قیمت منہا کر کے ان سے زکوٰۃ وصول کی جائے، البتہ دو اعتبار سے ان میں اختلاف ہے۔

۱۔ حصص کی حقیقی قیمت کا اعتبار کیا جائے۔

۲۔ نفع شامل نہ کیا جائے، کیوں کہ نفع ابھی تک معلوم نہیں، اسی طرح اخراجات منہا نہ کیے جائیں جو اگرچہ معلوم ہیں لیکن معروف طریقہ یہ ہے کہ اخراجات منافع سے منہا کیے جاتے ہیں اصل زر سے نہیں۔ جب تک منافع معلوم نہ ہو عدل کا تقاضا یہ ہے کہ اخراجات کو بھی شامل نہ کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

بالعموم اس فتوے سے اتفاق کرتے ہوئے ہم مندرجہ ذیل امور میں اس سے

اختلاف کرتے ہیں۔

۱۔ کرائے پر دینے کے لیے حاصل کی گئی جائدادوں کے منافع سے اڑھائی فی صد زکوٰۃ دینا چاہیے، نہ کہ ان کی اجرت جب وصول ہو تو اس میں سے دس فی صد۔ نیز اڑھائی فی صد سال پورا ہونے کے بعد ادا کی جائے، اگر وہ جائدادیں اپنے مالکوں یا بینک کے پاس موجود ہیں۔

۲۔ کمپنیوں کے حصص کی زکوٰۃ اس طرح ادا کی جائے جیسے کہ شراکت کے کاروبار میں شریکوں کے مال پر زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے، خواہ ایک ایک حصہ دار کے الگ الگ حصص نصاب کی حد کو نہ پہنچتے ہوں۔ جیسا کہ اس کی تفصیل آئے گی۔

۳۔ حصص کی قیمت وہ لگانی چاہیے جو سٹاک مارکیٹ میں ان کی قیمت ہے کیوں کہ وہی ان کی معروف قیمت ہے جو بسا اوقات دبیوں اور سینکڑوں گنا اصل قیمت سے زائد ہوتی ہے جیسا کہ بعض سٹاک مارکیٹوں میں ایسا واقعتاً ہے۔ اگر اس وقت ان کی قیمت معلوم نہ ہو تو ان کی قیمت معلوم کی جاسکتی ہے۔

۴۔ حصص کی اصلی قیمت معلوم کرنے کے بعد ان پر حاصل ہونے والے منافع کو بھی حصص کی اصل قیمت میں شامل کرنا ضروری ہے۔ اس لیے کوئی کمپنی ایسی نہیں جو ہر سال ایک مکمل اور جامع بجٹ نہ تیار کرتی ہو جس میں اصل زر اور ذمہ داریاں یا رأس المال، منافع اور قرضے الگ الگ ظاہر کیے جاتے ہیں۔

حصص کی زکوٰۃ میں کتنی مقدار ادا کرنا واجب ہے؟

حصص کی زکوٰۃ وہی ہے جو سامان تجارت کی ہے یعنی اصل زر اور منافع پر اڑھائی فی صد زکوٰۃ واجب ہے۔ جب ہم نے استاذ شیخ ابو زہرہ کی قدیم رائے کو ناقابل عمل سمجھتے

ہوئے شیخ عبدالرحمن عیسیٰ کی رائے پر اعتماد کریں اور صنعتی اور تجارتی اداروں میں فرق کریں تو جو شرح شیخ ابو زہرہ نے مقرر کی ہے کہ تجارتی حصص پر اڑھائی فی صد اور صنعتی حصص پر غیر منقولہ جائداد کی طرح دس فی صد زکوٰۃ وصول کی جائے تو یہ بات غیر مناسب ہے۔ فقہاء کی جو مشہور رائے ہے کہ سامان تجارت پر زکوٰۃ اڑھائی فی صد ہے اس کے خلاف ہے اور صنعتی یونٹوں کے حصص میں دس فی صد کی نسبت سے زکوٰۃ عائد کرنے سے فقہی مذاہب اتفاق نہیں کرتے۔ تجارتی حصص اور صنعتی حصص میں فرق کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بالخصوص جب کہ استاذ ابو زہرہ نے اپنی آخری رائے میں یہ تفصیل ذکر نہیں کی اور صرف یہ بتانے پر اکتفا کیا کہ حصص پر زکوٰۃ اسی شرح سے واجب ہے جس شرح سے سامان تجارت پر زکوٰۃ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حصص اور سرٹیفکیٹس کی تجارتی قیمت اور منافع ہر سال اڑھائی فی صد زکوٰۃ ادا کی جائے گی اور غیر منقولہ جائداد کی طرح اس کے خالص منافع پر دس فی صد زکوٰۃ نہیں دی جائے گی۔

**حصص کی زکوٰۃ کس پر واجب ہے؟**

استاذ ابو زہرہ اور ان کے ہم خیال علماء کی رائے یہ ہے کہ حصص اور سرٹیفکیٹس کے مالکوں سے، جنہوں نے تجارت کے لیے حصص اور سرٹیفکیٹس لیے ہوئے ہوں، اس کے علاوہ زکوٰۃ وصول کی جائے گی جو کمپنیوں سے لی جاتی ہے۔ کمپنیوں سے اس بنا پر زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے کہ کمپنیوں کا مال صنعت وغیرہ کے ذریعے بڑھتا ہے اور حصص والوں سے اس اعتبار سے ان کے اموال سامان تجارت ہیں اور تجارت کے ذریعے بڑھتے ہیں۔

ڈاکٹر قرضاوی نے اس رائے پر بجا طور پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے

حصص مالکان پر دوبار زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، ایک بار حصص کے مالک سے بحیثیت تاجر، اس کے حصص اور منافع پر اڑھائی فی صد زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے اور دوسری بار اسی سے پیداواری عامل ہونے کے باعث اس کے حصے کے نفع یا کمپنی کی پیداوار سے عشر لیا جاتا ہے۔ اس لیے ترجیح اس رائے کو ہے کہ کوئی ایک زکوٰۃ لی جائے یا تو حصص اور منافع پر اڑھائی فی صد لی جائے یا کمپنی کی پیداوار یا خالص منافع پر دس فی صد لی جائے اور دوسری زکوٰۃ وصول نہ کی جائے۔

میری رائے یہ ہے کہ حصص کی زکوٰۃ حصص اور منافع پر صرف اڑھائی فی صد سالانہ حساب سے وصول کی جانی چاہیے اور حصص کی قیمت اسی طرح لگانی چاہیے جیسے ہر سال کے آخر میں مال تجارت کی قیمت اس وقت کی مارکیٹ کے مطابق لگائی جاتی ہے جب زکوٰۃ نکالنے کا وقت ہو، نہ کہ اس کی قیمت خرید کے مطابق۔ اگر تجارت میں مختلف حصص مختلف اجناس سے متعلق ہوں تو قیمت لگاتے وقت تمام تجارتی حصص کو یکجا کر لیا جائے اور صنعتی حصص میں سے مشینری کی قیمت منہا کر لی جائے۔

کمپنیاں خود تمام حصص کی زکوٰۃ ادا کریں کیوں کہ کمپنی کو حصص سے نفع حاصل ہوتا ہے اور حصہ دار کے ساتھ شریک ہے اور شراکتی کمپنی کی ایک اپنی مستقل اعتباری شخصیت (Legal Personality) ہوتی ہے (۸۸)۔ چوں کہ زکوٰۃ کا تعلق خود مال سے ہے اس لیے زکوٰۃ اعتباری شخصیت پر واجب ہو جاتی ہے، کیوں کہ اس میں مکلف ہونا ضروری نہیں جس کے لیے باوغ اور عقل شرط ہے۔ شافعیہ کے جدید مذہب پر قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے جو مولیشیوں وغیرہ میں شراکت پر زکوٰۃ کے قائل ہیں اور مولیشیوں کے بارے میں بالکلیہ اور حنابلہ کا بھی یہی مذہب ہے (۸۹)۔

زکوٰۃ کے بارے میں ایک مستند حدیث پر عمل کا تقاضا بھی یہی ہے، جس میں ہے: ”متفرق مال کو اکٹھا نہ کیا جائے اور اکٹھے مال کو الگ الگ نہ کیا جائے تاکہ صدقہ سے بچا جاسکے۔“ حصہ درحقیقت ایک مالی قیمت یا مالیاتی رقم کا نام ہے پس وہ مال ہے، جس میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اس کی زکوٰۃ میں شراکت اسی طرح مؤثر ہوگی جیسے جانوروں میں شراکت مؤثر ہوتی ہے کیوں کہ دونوں مال اخراجات، گودام اور نگران وغیرہ میں ایک ہی مال جیسے ہیں لہذا پس مویشیوں کے علاوہ نقدی غلہ، پھل اور سامان تجارت سب چیزیں بھی مویشیوں کی مانند ہیں، پس جب ذریعہ ایک ہے۔ گودام، کانٹا ایک ہے، فروخت کنندہ ایک ہے تو تکلیف کم ہو جائے گی۔

اس صورت میں شراکتی کمپنی میں حصہ داروں میں سے کسی کو زکوٰۃ کی معافی نہیں ملے گی خواہ اس کا ایک ہی حصہ ہو۔ کمپنی کے خالص بڑھنے والے سرمائے اور اس کے منافع سے اڑھائی فی صد زکوٰۃ وصول کی جائے گی اور اموال، غیر منقولہ جائداد، زمین، عمارتوں اور مشینری وغیرہ کو حساب میں نہیں لگایا جائے گا۔ کیوں کہ حصہ شراکتی کمپنی کے خالص مال، غیر منقولہ جائداد اور اموال اور منقولہ جائداد (نقدی اور سامان تجارت) سب کو شامل ہے۔ حصص کی زکوٰۃ کو غیر منقولہ جائداد کی زکوٰۃ کی طرح نفع سے دس فی صد قرار دینا بہت کمزور رائے ہے جسے متقدمین فقہاء تسلیم نہیں کرتے۔

پھر اگر تمام حصص کی زکوٰۃ نکالنے کی ذمہ داری شراکتی کمپنی پر ڈال دی جائے تو اس میں فقرا کا یقینی فائدہ ہے۔

اس رائے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ہمارے استاذ شیخ محمد ابو زہرہ نے مجمع البحوث الاسلامیہ ۱۹۶۵ء کے دوسرے مؤتمر میں اس رائے کا اظہار کیا کہ اگر حصص پیداوار



میں شرکت کے لیے خریدے جائیں تو وہ کمپنی کے رأس المال میں شرکت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اگر کمپنی زکوٰۃ ادا کر دیتی ہے تو حصص کے مالک کو زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔

البتہ مجمع البحوث الاسلامیہ نے یہ قرار داد منظور کی کہ شراکتی کمپنیاں جن میں بہت سے افراد شریک ہوتے ہیں ان احکام کی تطبیق میں کمپنی کے مجموعے منافع کو پیش نظر رکھنے کے بجائے ہر شریک کے الگ الگ حصے اور منافع کو پیش نظر رکھے۔ لیکن میں ان اسباب کے باعث جن کا اوپر تذکرہ ہوا اس نقطہ نظر سے اختلاف رکھتا ہوں۔ البتہ زکوٰۃ تقسیم کرنے کے سلسلے میں اس امر میں کوئی حرج نہیں کہ حصص کے ہر مالک کو اس کی زکوٰۃ کی رقم الگ سے دے دی جائے تو وہ کمپنی کی طرف سے نیابتاً اور اپنی ذات کی طرف سے خود زکوٰۃ تقسیم کرے۔

مملکت عربیہ السعودیہ کے دارالامال کی جمعیت عمومیہ نے حصص کے مالکان کے لیے یہ طے کیا ہے کہ ان میں سے ہر فرد کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے حصے کی زکوٰۃ کی رقم کمپنی سے وصول کر لے اور اپنی ذاتی معرفت سے جن لوگوں پر چاہیے تقسیم کرے۔ قرار داد میں اس امر کی تصریح کی گئی دارالامال اخراجات کو منہا کر کے اصل زکوٰۃ کی تقسیم کے اس عمل کی تطبیق کی نگرانی کرے گا۔

جو حصہ دار اپنے حصے کی زکوٰۃ خود تقسیم کرنا چاہتا ہو اس کی ذمہ داری ہے کہ مالی سال پورا ہونے سے تین ماہ قبل وہ دارالامال کو آگاہ کرے کہ وہ اپنی زکوٰۃ خود تقسیم کرے گا تاکہ دارالامان تمام کارروائی شرعی نگرانی کی کمیٹی کی ہدایت کے مطابق بروقت مکمل کر کے زکوٰۃ حصہ دار کے سپرد کر سکے۔

خلاصہ:

میری رائے یہ ہے کمپنیوں کے حصص کی زکوٰۃ ان کی تجارتی قیمت پر ہونی چاہیے جس

کا مارکیٹ میں اعلان ہوتا ہے کہ ان کی اعتباری قیمت پر اور اگر کمپنی تجارتی ہے تو سامان تجارت پر اڑھائی فی صد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے اور اگر کمپنی خالصتاً صنعتی ہے نہ تو تجارت کرتی ہے اور نہ سامان تجارت تیار کرتی ہے تو حصص پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور اگر صنعتی کمپنی مال تجارت بھی تیار کرتی ہے تو اس کی مشینری اور عمارات کی قیمت نکال کر حصص کی باقی رقم پر زکوٰۃ ادا کی جائے اور کمپنی خود تمام حصص کی زکوٰۃ کا اندازہ لگا کر زکوٰۃ ادا کرے، حصص کے مالکان زکوٰۃ ادا نہ کریں، البتہ اگر حصص کے مالکان اپنے حصے کی زکوٰۃ خود تقسیم کرنا چاہیں تو ان کے حصے کی رقم انہیں دے دی جائے تاکہ وہ اپنی صواب دید سے فقرا میں تقسیم کر دیں۔ واللہ اعلم۔

### مطلب دوم: معدنیات اور دینیوں پر زکوٰۃ:

معدنیات اور رکاز یا کنز کے مفہوم میں فقہاء میں اختلاف ہے اور اس امر میں بھی کہ معدنیات کی کون کون سی قسموں میں زکوٰۃ ہے اور معدنیات اور دینیوں میں کس شرح سے زکوٰۃ واجب ہے؟ حنفیہ کے نزدیک معدن اور رکاز ایک ہی چیز ہے جب کہ جمہور کے نزدیک یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ جن معدنیات میں زکوٰۃ واجب ہے وہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک صرف سونا چاندی ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک ہر وہ چیز جو آگ کے ذریعے ڈھالی جا سکتی ہو معدنیات میں شامل ہے اور حنابلہ کے نزدیک تمام ٹھوس اور مانع معدنیات پر زکوٰۃ واجب ہے۔ حنفیہ کے نزدیک معدنیات میں پانچواں حصہ زکوٰۃ ہے جب کہ شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اڑھائی فی صد اور دینیوں میں بالاتفاق پانچواں حصہ زکوٰۃ ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ آ رہی ہے۔ یاد رہے کہ معدنیات میں جمہور کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہے اور حنفیہ کے نزدیک غنیمت۔ اور دینیوں میں جمہور کے نزدیک غنیمت واجب ہے جو رفاہ عامہ کے لیے خرچ کی جائے جب کہ شافعیہ کے نزدیک اس کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے

مصارف ہیں۔ معدنیات میں زکوٰۃ کے لیے بالاتفاق نصاب کی شرط ہے جب کہ دینوں میں جمہور کے نزدیک نصاب کی شرط نہیں ہے صرف شافیہ کے نزدیک شرط ہے۔

معدنیات اور دینے اگر سونے چاندی پر مشتمل ہوں تب بھی انہیں ایک الگ اور مستقل نوع شمار کیا گیا ہے کیوں کہ سونے چاندی کے خاص احکام ہیں مثلاً ان پر سال گزرنا ضروری ہے اور ان کی شرح مختلف ہے جس شرح سے مستحقین کو زکوٰۃ دی جاتی ہے۔

۱۔ حنفی مذہب: (۹۰)

معدنیات، رکاز اور کنز کے ایک ہی معنی ہیں یعنی ہر وہ مال جو زمین کے نیچے دفن ہو البتہ معدنیات وہ چیزیں ہیں جو اللہ نے زمین میں پیدا کیں جب اس نے زمین کی تخلیق کی۔ اور رکاز یا کنز وہ مال ہے جو کفار نے کسی زمانے میں زمین میں دفن کیا۔

معدنیات کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ جو ٹھوس قسم کی ہوں اور آگ کے ذریعے مختلف شکلوں میں ڈھالی جاسکتی ہوں مثلاً سونا، چاندی، تانبہ، لوہا، سیسہ اور پارہ بھی اس کے ساتھ شامل ہے۔ اس قسم میں پانچواں حصہ زکوٰۃ واجب ہے، خواہ نصاب کی مقدار کو نہ پہنچے۔

ب۔ جو ٹھوس ہوں، نہ پگھلیں اور نہ آگ کے ذریعے ڈھالی جاسکیں، جیسے چونا، گچ، سرمہ، گندھک اور دوسرے تمام پتھر مثلاً یا قوت اور نمک۔

ج۔ جو مانع ہوں، ٹھوس نہ ہوں جیسے تارکول اور پٹرول۔

ان میں سے صرف پہلی قسم میں پانچواں حصہ واجب ہے خواہ وہ خراجی زمین سے نکلے یا عشری سے (۹۱) اور اس پانچویں حصے کا مصرف وہی ہے۔ جو غنیمت کے پانچویں حصے کا مصرف

ہے اور اس کے لیے دلیل کتاب اللہ، سنت اور قیاس ہے۔

کتاب اللہ میں ہے: **واعلموا انما غنمتم من شئ فان لله خمسہ (الانفال ۸:۴۱)**؛ جان لو، تمہیں جو چیز بھی غنیمت میں ملے اس کا پانچواں حصہ اللہ کا ہے) اور معدنیات کو غنیمت میں شمار کیا گیا ہے کیوں کہ وہ جس زمین سے نکلی ہیں ان پر کفار کا قبضہ تھا، مسلمانوں نے ان سے بزور وہ علاقہ چھین لیا۔

سنت میں ہے: جانوروں سے پہنچنے والے نقصان کی کوئی تلافی نہیں، کنوئیں کے نقصان کی کوئی تلافی نہیں، معدنی کانوں کے نقصان کا کوئی معاوضہ نہیں اور رکاز (دھینوں) سے پانچواں حصہ دینا ہوگا۔ (۹۲) ”دھینے“ معدنیات اور زمین میں گاڑے ہوئے مال دونوں کو کہا جاتا ہے خواہ اللہ نے زمین میں رکھے ہوں یا لوگوں نے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ معدنیات کو دور جاہلیت کے دھینوں پر قیاس کیا جائے۔ کیوں کہ ان دونوں میں غنیمت کا مفہوم یکساں طور پر پایا جاتا ہے، اس لیے ان میں پانچواں حصہ واجب ہوگا۔

پانچواں حصہ نکالنے کے بعد جو باقی بچ رہے اگر کسی کی ملکیتی زمین سے نکلا ہے تو مالک کا ہے اور اگر ایسی زمین سے نکلا ہے جس کا کوئی مالک نہیں مثلاً صحرا یا پہاڑ ہے تو وہ جسے ملے اس کا ہے۔

دھینوں میں پانچویں حصہ کا وجوب: اس دھینہ میں پانچواں حصہ ہوگا جس پر جاہلیت کی کوئی علامت ہو مثلاً اس پر بت یا صلیب وغیرہ کا نشان ہے اور اگر اس پر کوئی اسلامی علامت ہے مثلاً کلمہ شہادت ہے یا کسی مسلمان حاکم کا نام ہے تو وہ گری پڑی، گم شدہ چیز کے حکم میں ہے، اس پر پانچواں حصہ واجب نہیں ہے۔

اگر کسی کے ملکیتی گھر سے کوئی معدنیات یا دھینہ نکل آئے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک

اس میں خمس (پانچواں حصہ) نہیں ہے کیوں کہ وہ اس زمین کا ایک حصہ ہے اور گھر کے کسی حصے پر کوئی ٹیکس نہیں ہے اس لیے اس پر بھی نہیں ہوگا، صاحبین کی رائے یہ ہے کہ اس میں خمس دینا ہوگا کیوں کہ اوپر مذکور حدیث مطلق ہے کہ ”دینوں میں خمس ہے“۔ اس میں یہ فرق نہیں کیا گیا کہ دینہ گھر سے نکلے یا زمین سے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس بنیاد پر فرق کیا ہے کہ زمین پر ٹیکس ہے جب کہ ملکیتی گھر پر ٹیکس نہیں ہے، زمین پر عشر اور خراج دینا ہوتا ہے، خمس بھی عشر اور خراج کے قبیل سے ہے اس لیے زمین کے دینے پر واجب ہوگا، گھر سے نکلنے والے دینے پر نہیں۔

معدنیات کی دوسری دو قسموں پر زکوٰۃ واجب نہیں (یعنی جو آگ سے پگھلتی نہیں اور مائع) البتہ پارے پر خمس واجب ہے کیوں کہ وہ سیسے کی طرح ہے۔

پھاڑوں میں پائے جانے والے فیروزہ پر زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”پتھر پر زکوٰۃ نہیں ہے“ (۹۳)۔

موتیوں اور عنبر پر زکوٰۃ نہیں ہے، اسی طرح سمندر سے جو زیورات نکلتے ہیں مثلاً سونا خزانے کے طور پر اس میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ سمندر پر کسی نے زبردستی قبضہ نہیں کیا اس لیے وہ غنیمت نہیں سمجھا جائے گا۔ ہاں اگر اس سے تجارت کرے تو زکوٰۃ دینا ہوگی۔

خزانہ یا دینہ جب کسی ایسی زمین میں ملے جس کا کوئی مالک نہ ہو اس میں خمس ہے۔ اوپر مذکور حدیث: ”دینوں میں خمس ہے“ کی بنا پر۔ زیر زمین اور جو کچھ بھی ملے مثلاً اسلحہ، آلات حرب، اور کپڑے وغیرہ سب اس کے ساتھ شامل ہیں کیوں کہ غنیمت ہونے میں یہ سب چیز ہی سونے چاندی کی طرح ہیں۔

جو کوئی امان لے کر دارالحرب میں داخل ہو وہاں کسی کے گھر میں اسے دینہ مل گیا تو

وہ دینہ ان لوگوں کو واپس کر دے تاکہ بد عہدی سے بچ سکے کیوں کہ گھر میں جو کچھ ہے وہ سب اس کے مالک کا ہے اور اگر اس نے اصل مالک کو واپس نہیں کیا بلکہ اسے لے کر واپس دار السلام میں آگیا تو ناپاک مال کا مالک ہو گیا ہے، اسے صدقہ کرے۔ اگر دار الحرب میں کسی صحرا میں کوئی دینہ ملا تو وہ اس کا ہے جسے مل گیا، کیوں کہ وہ بطور خاص کسی کے قبضے میں نہیں ہے۔ اس لیے اسے واپس نہ کرنا بد عہدی نہیں ہے۔ اس پر کوئی زکوٰۃ واجب نہیں، کیوں کہ یہ ایسے ہی ہے جیسے برسر جنگ ملک کے لوگوں کے مال کا کوئی حصہ اعلان کے بغیر خفیہ طور پر لے کر دار السلام میں منتقل کر لیا جائے۔

۲۔ مالکی مذہب (۹۴):

معدن اور رکاز میں فرق ہے۔ معدن سے مراد سونا، چاندی، تابنا، سیسہ اور گندھک وغیرہ ہے جو اللہ نے زمین میں پیدا کیں اور جن کو نکالنے کے لیے محنت کی اور صاف کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

معدنیات کی ملکیت: معدنیات کی تین اقسام ہیں:

۱۔ ایسی زمین میں ہوں جو کسی کی ملکیت نہ ہو، ایسی معدنیات امام یعنی ریاست کی ملکیت ہیں، مسلمانوں میں سے جسے چاہے دے دے یا اسے بیت المال کے لیے مختص کر دے۔ اپنی ذات کے لیے مختص کرنا جائز نہیں۔

۲۔ کسی متعین شخص کی زمین سے معدنیات نکلیں، وہ بھی ریاست کی ملکیت ہیں، زمین کے مالک کی نہیں ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ زمین کے مالک کی ہیں۔

۳۔ زمین کسی غیر معین شخص کی ملکیت ہو مثلاً ایسی زمین ہو جس کا کچھ حصہ بزور اور کچھ صلہ کے ذریعے فتح ہوا ہو۔ جو حصہ قوت کے استعمال سے فتح ہوا ہے اس کی معدنیات میں امام

یعنی حکومت کو اختیار ہے اور جو علاقہ صلح کے تحت زیر نگیں آیا ہے اس کی معدنیات انہیں لوگوں کی ہیں جب تک وہ کافر ہیں۔ اگر مسلمان ہو جاتے ہیں تو پھر حکومت کو اختیار مل جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے معدنیات کے بارے میں حکومت کو اختیار ہے البتہ جو علاقہ صلح کے ذریعے اسلامی حکومت میں شامل ہوا ہو اس کے رہنے والے جب تک کافر ہیں وہاں کی معدنیات ان کے قبضے میں رہیں گی۔

معدنیات میں کتنی زکوٰۃ واجب ہے؟ معدنیات میں زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ وہ نصاب کی مقدار میں ہو، اس کی شرح اڑھائی فی صد ہے اور زکوٰۃ کی طرح معدنیات کی زکوٰۃ کے لیے مالک کا آزاد اور مسلمان ہونا شرط ہے البتہ معدنیات میں سال گزرنے کی شرط نہیں ہے بلکہ غلے وغیرہ کی طرح جب معدنیات نکالی جائیں اسی وقت زکوٰۃ دی جائے گی اور معدنیات میں سے صرف سونے اور چاندی پر زکوٰۃ ہے۔ دوسری معدنیات مثلاً تانبے، سیسے اور پارے وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے البتہ اگر ان معدنیات کی تجارت کی جائے تو سامان تجارت کے طور پر ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ حنفیہ اور مالکیہ میں اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ کیا رکاز کا لفظ معدنیات کو بھی شامل ہے یا نہیں؟ حنفیہ کہتے ہیں کہ معدنیات بھی رکاز ہیں۔ اس لیے حدیث پر عمل کا تقاضا یہ ہے کہ ہر طرح کی رکاز میں خمس واجب ہو۔ جب کہ مالکیہ کہتے ہیں کہ معدنیات رکاز نہیں ہیں اس لیے ان میں سے صرف سونے چاندی پر اڑھائی فی صد زکوٰۃ واجب ہوگی اور اس کا مصرف وہی ہوگا جو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔

زکوٰۃ کے مقصد کے لیے اگر کان ایک ہے تو دوسری بار نکالی ہوئی معدنیات کو پہلی بار نکالی ہوئی معدنیات کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے گا کہ اگر نصاب کی مقدار کو پہنچتی ہے یا اس سے زائد ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، خواہ دوسری بار کام وقفے کے بعد ہوا ہو۔

البتہ دوسری کان کی معدنیات پہلی کان کی معدنیات کے ساتھ شامل نہیں کی جائیں گی جیسا کہ ایک معدنیات کو دوسری سے نہیں ملایا جائے گا بلکہ ہر ایک کی الگ زکوٰۃ دی جائے گی۔

اس میں معدنیات کا وہ حصہ مستثنیٰ ہے جسے ”نَدْرہ“ کہتے ہیں۔ اس سے مراد وہ سونا چاندی ہے جسے مٹی سے صاف کرنا آسان ہو اور الگ کرنے کے لیے زیادہ محنت نہ کرنا پڑتی ہو۔ اس میں خمس ہے، خواہ نصاب سے کم ہو اور اس کا مصرف وہی ہے جو غنیمت کا مصرف ہے یعنی مسلمانوں کے رفاہی کاموں کے لیے خرچ کیا جائے۔ جیسا کہ حنفیہ کے نزدیک ان معدنیات کے بارے میں رائے دی ہے جو آگ سے پگھلائے جاسکتے ہیں۔

رکاز یا کنز سے مراد سونے، چاندی وغیرہ کے جاہلی دور کے دفینے ہیں۔ اگر مدفون مال کے بارے میں شک ہو کہ یہ جاہلی دور کا ہے یا کسی اور دور کا تو اسے جاہلی دور کا ہی سمجھا جائے گا۔

اس کی ملکیت: دفینوں کی ملکیت کے حکم کا تعلق اس زمین سے ہے جس میں دفینہ ملتا ہے۔ اس کی چار اقسام ہیں:

۱۔ اگر جنگل سے ملے تو جاہلیت کا دفینہ سمجھا جائے گا اور جسے ملے وہی اس کا مالک ہے۔

۲۔ کسی کی ملکیتی زمین میں ملے تو اس کا مالک زمین کا اصلی مالک ہوگا جس نے اس زمین کو آباد کیا یا جسے وراثت میں ملی۔ دفینہ پانے والے کو نہیں ملے گا اور نہ وہ زمین خریدنے والے کو یا جسے ہبہ سے ملی ہو اسے ملے گا بلکہ اصل فروخت کرنے والے یا ہبہ کرنے والے کا علم ہو تو اسے ملے گا ورنہ وہ گرا پڑا مال سمجھا جائے گا۔

۳۔ اگر ایسی زمین میں دفینہ ملے جسے زبردستی فتح کیا گیا ہو تو دفینہ اس کا ہے جسے ملا ہو۔



۴۔ اگر ایسی زمین میں ملے جو صلح کے ذریعے فتح ہوئی ہو تو دینہ اس کا ہے جسے ملا ہو۔ یہ تمام صورتیں اس وقت ہیں جب کہ دینے پر کوئی اسلامی علامت نہ ہو، اگر مسلمانوں کی کوئی علامت ہو تو دینے کا حکم گرے پڑے مال کا ہوگا، اس کا ایک سال تک اعلان کیا جائے، اگر مالک نہ ملے تو جسے دینہ ملے وہی اس کا مالک ہے۔

دینے کی زکوٰۃ: دینے پر مطلقاً خمس واجب ہے، خواہ وہ سونا چاندی ہو یا اور کوئی چیز اور خواہ مسلمان کو ملے یا غیر مسلم کو اور اس کا مصرف وہی ہے جو مال غنیمت کا ہے یعنی رفاہی ضروریات میں خرچ کرنا۔ البتہ اگر اسے نکالنے میں بہت محنت اور سرمایہ خرچ کرنا پڑا ہو تو اس میں اڑھائی فی صد زکوٰۃ واجب ہوگی اور اس کا مصرف وہی ہوگا جو زکوٰۃ کا ہے۔

دینے سے خمس نکالنا ہو، چاہے زکوٰۃ اس کے لیے مقدار نصاب ہونا شرط نہیں۔ خمس یا زکوٰۃ نکالنے کے بعد جو باقی بچ جائے وہ اس کا ہے جسے دینہ ملا ہے البتہ اگر کسی کی ملکیتی زمین سے نکالا ہے تو اصل مالک کا ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

سمندر جو چیزیں باہر پھینک دے مثلاً عنبر اور موتی، مرجان اور مچھلی (۹۵) جب تک وہ کسی کی ملکیت نہ ہو، اس میں زکوٰۃ واجب نہیں اور جو شخص اس پر پہلے قبضہ کر لے وہ اسی کی ہے اور اس میں سے خمس وصول نہیں کیا جائے گا کیوں کہ وہ اصلاً مباح ہے۔ اگر وہ چیزیں پہلے جاہلی دور میں کسی کی ملکیت تھیں تو جسے ملی ہوں وہی ان کا حق دار ہے البتہ ان میں سے خمس دینا ہوگا اور اگر یہ معلوم ہو کہ کسی مسلمان یا ذمی کی ملکیت تھیں تو وہ گم شدہ مال ہے جس کا ایک سال تک اعلان کیا جائے۔

۳۔ شافعی مذہب (۹۶):

معدنیات اور دینے الگ الگ چیزیں ہیں۔ معدنیات سے مراد وہ اشیا جو اللہ نے

جہاں پیدا کی ہیں وہاں سے نکالی جائیں اور یہ سونے چاندی کے ساتھ مختص ہیں جیسا کہ مالکیہ کی رائے ہے۔

اگر صرف سونا چاندی ہیں تو اس میں اڑھائی فیصد زکوٰۃ ہے، یا قوت، زمرد، سیسہ اور لوہا اس میں شامل نہیں ہیں۔ خواہ مباح زمین سے نکلے یا کسی آزاد مسلمان کی مملوکہ زمین سے کیوں کہ زکوٰۃ کے بارے میں احادیث عام ہیں مثلاً ”زمین سے نکلے ہوئے مال پر اڑھائی فی صد ہے“، بشرطیکہ نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے، جیسا کہ باقی ائمہ کی رائے ہے۔ مذہب شافعیہ کے مطابق سال گزرنا شرط نہیں ہے کیوں کہ سال کی شرط اس لیے ہے تاکہ مال میں اضافہ مکمل ہو اور کان سے مال نکلنا بذات خود بڑھنے کی صورت ہے اس لیے پھلوں اور غلے سے مشابہ ہے۔

اگر ایک ہی کان سے معدنیات نکالی جا رہی ہیں تو مختلف اوقات میں نکالی ہوئی معدنیات کو ملا کر زکوٰۃ دی جائے گی بشرطیکہ عمل مسلسل جاری رہے، جیسا کہ پھلوں کو باہمی ملا کر زکوٰۃ دی جاتی ہے اور اس میں یہ شرط نہیں کہ پہلا مال ابھی نکالنے والے کے پاس موجود ہو البتہ یہ شرط ہے کہ کان ایک ہی ہو، اگر ایک سے زیادہ کانیں ہیں تو ان سے نکالی ہوئی معدنیات اکٹھی نہیں کی جائیں گی۔ کیوں کہ جگہ بدلنے سے بالعموم نیا کام شروع کرنا پڑتا ہے۔ اگر کسی عذر کی بنا پر کام رک جائے مثلاً مشینری کی اصلاح یا مزدوروں کا بھاگ جانا یا بیماری یا سفر کی وجہ سے اور دوبارہ کام شروع کیا جائے تو دونوں بار کی معدنیات ملالی جائیں خواہ وقفہ طویل ہو جائے کیوں کہ عرف میں اسے یہی سمجھا جاتا ہے کہ پہلا کام جاری ہے اور اگر بلا عذر کام روک دیا گیا ہو تو پھر معدنیات نہ ملانی جائیں کیوں کہ پہلا کام رک گیا تھا۔ دوسری مرتبہ نکلنے والی معدنیات کو پہلی بار کی معدنیات سے ملا لیا جائے، جیسا کہ

نصاب کی تکمیل کے لیے معدنیات کے علاوہ جو مال اس کے پاس ہو اسے بھی ساتھ ملا لیا جائے۔ معدنیات کو صاف کرنے کے بعد ان کی زکوٰۃ دی جائے۔ اگر صاف کرنے سے پہلے دی گئی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

رکاز جاہلیت کے دفینے ہیں (۹۷) ان میں خمس واجب ہے جیسا کہ حنفیہ کی رائے ہے بشرطیکہ رکاز کا مالک آزاد اور مسلمان ہو اور اس کی مقدار نصاب زکوٰۃ کے برابر ہو اور دفینہ سونے چاندی (سکے یا پگھلا ہوا) پر مشتمل ہو، کیوں کہ یہ زمین سے حاصل ہونے والا مال ہے۔ اس لیے معدنیات کی طرح اس کی زکوٰۃ کی مقدار اور انواع میں انہیں امور کا خیال رکھا جائے گا جن کا معدنیات میں خیال رکھا جاتا ہے۔ اس پر سال گزرنے کی شرط نہیں اور مشہور قول یہ ہے کہ اس کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔ اس میں خمس واجب ہونے کی دلیل اوپر مذکور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ”دفینوں میں خمس واجب ہے“۔

اگر دفینہ جاہلیت کے دور کا نہ ہو بلکہ اسلامی عہد کا ہو، یعنی اس پر کوئی ایسی علامت ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ اس کا تعلق اسلامی عہد سے ہے یا یہ معلوم نہ ہو کہ جاہلی ہے یا اسلامی تو اگر اس کا مالک یا وارث معلوم ہو سکے تو اس کا ہے۔ کیوں کہ مسلمان کے مال پر کسی کے قبضہ کرنے سے وہ قبضہ کرنے والے کی ملکیت نہیں ہو جاتا اور اگر اس کا مالک معلوم نہ ہو تو پھر وہ گم شدہ مال ہے، جسے ملے وہ ایک سال تک اس کا اعلان کرے جیسے زمین کے اوپر ملنے والی چیز کا اعلان کیا جاتا ہے۔

اگر کسی شخص کی مملوکہ یا اس کے لیے کی گئی وقف زمین سے دفینہ ملے تو اگر وہ اس دفینے کی ملکیت کا مدعی ہو تو اس سے قسم لیے بغیر اسے دے دیا جائے جیسے گھر کا دوسرا سامان ہوتا ہے۔ اگر وہ اس کا مدعی ہونے سے انکار کرے یا خاموش رہے تو اس سے پہلے

مالکوں کی طرف رجوع کیا جائے حتیٰ کہ اگر ان میں سے کوئی لینے والا نہ ہو تو جس نے سب سے پہلے اس جگہ کو آباد کیا وہ حق دار ہوگا۔

اگر دینہ مسجد یا شاہراہ سے ملے تو مذہب شافعی کے مطابق وہ گم شدہ مال ہے۔ اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو اوپر گم شدہ مال کے بارے میں بتایا گیا ہے کیوں کہ اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہے اور اس کا مالک معلوم نہیں اس لیے گرا پڑا مال متصور ہوگا۔

اگر کسی دینے والے کے بارے میں خریدار اور فروخت کرنے والے، کرایہ دار اور کرائے پر دینے والے، عاریتاً لینے اور دینے والے کے درمیان اختلاف ہو جائے تو جس کے قبضے میں ہے۔ اس سے قسم لے کر اس کے سپرد کر دیا جائے جیسا کہ گھریلو سامان کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔

۴۔ حنبلی مذہب: (۹۸)

معدنیات اور دینے والے الگ الگ چیزیں ہیں۔ معدنیات وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا کی ہوں اور اس سے نکالی جا رہی ہوں اور زمین کی جنس (مٹی) نہ ہوں، انہیں دین نہ کیا گیا ہو، خواہ ٹھوس ہوں یا مائع۔

معدنیات کی ملکیت: ٹھوس معدنیات مثلاً سونا، چاندی تانبہ وغیرہ اس کی ملکیت ہیں جس کی ملکیت میں وہ زمین ہے جہاں سے نکلی ہیں کیوں کہ یہ زمین کے اجزا میں سے ایک جزو ہے اس لیے اس جگہ کی مٹی اور مستقل پتھروں کی طرح ہیں۔ اس کے برعکس دینے والے زمین کے اجزا میں سے نہیں ہیں۔ اس لیے جو دینہ کسی کو اپنی ملکیتی زمین یا بنجر زمین میں ملے وہی اس کا حقدار ہے۔ اگر اکٹھے دو آدمی کسی بنجر زمین کے دینے تک پہنچ جائیں تو جو پہلے پہنچے اور اس پر کام کرنا شروع کر دے وہ اس کا مستحق ہے اور اگر پہلا آدمی کام کرنا بند

کردے تو دوسرے کو وہاں کام کرنے کا حق ہے۔

اگر کسی کی مملوکہ زمین میں دفینہ ملے اور اس کا مالک معلوم ہو تو وہ مالک کا ہے۔

البتہ مائع معدنیات مثلاً پٹرول اور ہڑتال وغیرہ تو وہ ہر حالت میں مباح ہیں البتہ

دوسرے شخص کی اجازت کے بغیر اس کی مملوکہ زمین میں داخل ہونا مکروہ ہے۔

جن معدنیات میں زکوٰۃ واجب ہے ان کی کیفیت: زمین میں پیدا ہونے والی

معدنیات میں سے جو بھی نکالی جائے۔ مثلاً جب کان سے بیس مثقال سونا یا دو سو درہم

چاندی (نصاب زکوٰۃ) یا ان کی قیمت کے برابر لوہا، سیسہ، تانبہ، پارہ، یاقوت، زمرد، بلور،

عقیق، سرمہ، ہڑتال یا بہنے والی معدنیات مثلاً پٹرول، تارکول اور گندھک وغیرہ جو چیزیں

زمین سے نکلتی ہیں، نکالی جائیں تو ان پر فوری طور پر زکوٰۃ دی جائے۔

ان کی دلیل یہ ارشاد ربانی ہے، یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم

ومما اخرجنا لکم من الارض (البقرہ ۲: ۲۶۷؛ اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں

سے خرچ کرو، جو تم کھاتے ہو اور ان میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی

ہیں)۔ یہ چیزیں معدنیات ہیں، اس لیے ان میں سے جو چیز نکلے گی اس پر سونے

چاندی کی طرح زکوٰۃ واجب ہوگی۔ مٹی معدنیات نہیں ہے کیوں کہ وہ زمین کی جنس سے

ہے اور معدنیات وہ چیزیں ہیں جو زمین کی جنس سے نہیں ہیں۔

کتنی زکوٰۃ واجب ہے اور کیسے؟ معدنیات میں اڑھائی فی صد زکوٰۃ واجب ہے اور یہ

زکوٰۃ ہے جیسا کہ شافعیہ نے کہا ہے کیوں کہ حضرت ابو عبید سے روایت ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث مزنیؓ کو الفرع کے نواح میں قبیلہ (۹۹) کی معدنیات

جاگیر کے طور پر دی تھیں، کہا: یہ معدنیات ہیں ان سے آج تک زکوٰۃ کے علاوہ کچھ وصول

نہیں کیا گیا۔ نیز یہ ایسا حق ہے جو مال دار قریبی رشتہ داروں کے لیے حرام ہے، پس یہ زکوٰۃ ہوگی جیسا کہ مملوکہ نقدی میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

معدنیات کا نصاب: معدنیات کا نصاب بیس مثقال سونا یا دو سو درہم چاندی یا ان کی قیمت کے برابر دوسری معدنیات ہیں کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”پانچ اوقیہ سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے“۔ نیز آپؐ نے فرمایا: ”ایک سو نوے درہم میں زکوٰۃ نہیں ہے“۔ نیز فرمایا: ”جب تک سونا بیس مثقال نہ ہو تم پر اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے“۔

ان پر سال گزرنے کی شرط نہیں کیوں کہ یہ ایک ہی بار مل جاتی ہیں اس لیے یہ غلے اور پھلوں کی طرح ہیں۔

نصاب کے برابر معدنیات ایک ہی بار نکالی جائیں، اگر کئی بار نکالی گئی ہوں تو بیچ میں کام چھوڑ نہ دیا گیا ہو، اگر وقفہ ہو، تو راتوں کا یا آرام کے لیے یا بیماری کے باعث یا مشینری درست کرنے کے لیے لیکن کام بند نہ کر دیا گیا ہو۔

نصاب کی تکمیل کے لیے دو بار نکال کر معدنیات کو اکٹھا کر لیا جائے لیکن دو مختلف معدنیات کو اکٹھا نہ کیا جائے بلکہ ہر معدنیات کے نصاب کا الگ حساب کیا جائے کیوں کہ معدنیات مختلف اجناس کی مانند ہیں۔ مختلف اجناس کو نصاب کی تکمیل کے لیے یک جا کرنا درست نہیں البتہ سونے اور چاندی کا اس سے استثناء ہے، انہیں تکمیل نصاب کے لیے یکجا کرنا چاہیے۔ اسی طرح معدنیات میں بھی سونے اور چاندی کو اکٹھا کر لینا چاہیے جیسا کہ سامان تجارت کی قیمت اور نقدی کو اکٹھا کر کے زکوٰۃ دینا چاہیے۔

زکوٰۃ کے وجوب کا وقت: جب معدنیات نکالی جائیں اور مقدار نصاب کو پہنچ جائیں تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ چاروں فقہی مذاہب کا اتفاق ہے کہ ان پر سال گزرنا ضروری

نہیں کیوں کہ یہ زمین سے حاصل ہونے والا مال ہے اس لیے اس کے لیے سال گزرنے کی شرط نہیں جیسا کہ غلے، پھلوں اور دہینوں کے بارے میں یہ شرط نہیں ہے۔

معدنیات سے زکوٰۃ نکالنے کی شرائط: اس کی دو شرائط ہیں:

- ۱۔ پگھلانے اور صاف کرنے کے بعد، اگر سونا چاندی ہوں تو نصاب کی مقدار میں ہوں اور اگر کوئی اور معدنیات ہوں تو نصاب کی قیمت کے برابر ہوں، جیسا کہ وضاحت کر دی گئی۔
- ۲۔ انہیں نکالنے والا وہ شخص ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ ذمی، کافر یا قرض دار وغیرہ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

سمندری معدنیات: سمندر سے نکلنے والی اشیا مثلاً موتی، مرجان، عنبر اور مچھلی وغیرہ پر زکوٰۃ واجب نہیں جیسا کہ دوسرے مذاہب کی بھی یہی رائے ہے کیوں کہ ابن عباسؓ کا قول ہے: ”عنبر میں زکوٰۃ نہیں، یہ تو سمندر نے باہر پھینک دی ہے“۔ حضرت جابرؓ سے بھی ایسی ہی روایت ہے (۱۰۰) کیوں کہ یہ چیزیں عہد نبویؐ اور عہد خلافت راشدہ میں نکالا کرتی تھیں، ان سے کوئی ایسی سنت مروی نہیں کہ ان پر زکوٰۃ لی گئی ہو۔ نیز اصل یہ ہے کہ کچھ نہ لیا جائے۔ انہیں خشکی کی معدنیات پر قیاس کرنا جائز نہیں کیوں کہ عنبر کو سمندر باہر پھینک دیتا ہے اور وہ بلا مشقت خشکی پر پڑا ہوا مل جاتا ہے، پس خشکی کی دوسری مباح اشیا سے مشابہ ہے جن کو لینے پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ رہی مچھلی تو وہ ایک شکار ہے جیسے خشکی کے شکار پر زکوٰۃ نہیں سمندری شکار پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔

رکاز: جاہلی دور کے دینے ہیں یعنی کفار کا وہ مال جو اسلامی عہد میں حاصل ہو، کم ہو، چاہے زیادہ۔ اس میں وہ مال بھی شامل ہے جو کفار کا ہو اور زمین کے اوپر ملے۔ اس میں پانچواں حصہ (خمس) ہے جیسا کہ حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کا قول ہے کیوں کہ متفق علیہ

حدیث میں ہے: ”چوپایوں کا کیا ہوا نقصان معاف ہے اور دینوں میں خمس ہے۔“

اگر دینوں پر یا ان میں سے کچھ پر اسلامی علامات موجود ہوں مثلاً قرآنی آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی یا کسی اسلامی خلیفہ یا حاکم کا نام تو وہ گرا پڑا مال ہے اس پر وہی احکام جاری ہوں گے کیوں کہ وہ کسی مسلمان کی ملکیت تھا، جس کی ملکیت ختم ہونے کا کوئی علم اور ثبوت نہیں ہے۔

دینوں کا خمس بیت المال میں جمع کرا دیا جائے اور رفاہی کاموں میں خرچ کیا جائے، اگر کسی مباح زمین سے ملا ہے تو باقی مال اس کا حق ہے جسے ملا ہے اور اگر کسی کی مملو کہ زمین سے ملا ہے تو اس کا حق ہے جس کی زمین ہے۔ اگر کسی دوسرے کی مملو کہ زمین سے ملا لیکن وہ اس دینے کا مدعی نہیں ہے تو جسے ملا اس کا ہے اور اگر مدعی ہے تو قسم کھا کر اسے لے سکتا ہے۔

اگر دینہ دار الحرب میں ملے اور مسلمانوں کی ایک جماعت کے تعاون کے بغیر اس کا حصول ممکن نہ ہو تو وہ ان کے لیے مال غنیمت ہے اور اگر اکیلا شخص اس پر قابض ہو گیا ہے تو وہ اس کا حق ہے جیسے مسلمانوں کی کسی بنجر زمین سے کسی کو دینہ ملے تو وہ اس کا حق ہے جسے ملا ہے۔

کس قسم کے دینے میں خمس واجب ہے؟ جو دینہ کسی بھی قسم کا مال ہو مثلاً سونا، چاندی، لوہا، سیسہ، گندھک اور برتن وغیرہ سب میں خمس ہے کیوں کہ حدیث میں ہے ”دینوں میں خمس ہے۔“

دینوں میں کتنی زکوٰۃ واجب ہے اور اس کا مصرف کیا ہے؟ دینوں میں خمس واجب ہے کیوں کہ اوپر مذکور حدیث میں یہی ہے اور اجماع بھی اس پر ہے۔ اس کا مصرف امام



احمد کی دو روایتوں میں سے صحیح تر روایت کے مطابق وہی ہے جو مال نے کا ہے یعنی رفاہ عامہ کے کام۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کی پیروی اسی میں ہے۔ نیز یہ خمس کا مال ہے، جس پر سے کافروں کا قبضہ ختم ہو گیا اس لیے یہ مال غنیمت کے مشابہ ہے۔

خمس کس پر واجب ہے؟ جس شخص کو بھی دینہ ملے خواہ مسلمان ہو یا ذمی آزاد ہو یا غلام، بڑا ہو یا چھوٹا، عاقل ہو یا دیوانہ، حدیث کے عموم کی وجہ سے جمہور فقہاء کی یہی رائے ہے کہ ”دینوں میں خمس ہے“ شافعیہ کے نزدیک خمس اسی شخص پر واجب ہوگا جس پر زکوٰۃ واجب ہو سکتی ہے، کیوں کہ یہ زکوٰۃ ہے۔ کوئی بھی دینہ پانے والا شخص اپنے طور پر خمس تقسیم کر سکتا ہے۔ یہ متاخرین فقہاء کی رائے ہے کیوں کہ حضرت علیؓ نے ایک ایسے شخص کو جسے دینہ ملا تھا یہ حکم دیا کہ وہ اسے خود مسکینوں پر تقسیم کر دے۔

### مطلب سوم: مال تجارت پر زکوٰۃ:

اس میں درج ذیل امور زیر بحث آئیں گے: مال تجارت سے کیا مراد ہے؟ اس میں زکوٰۃ کی شرائط، مال تجارت کی قیمت لگانے کا طریقہ، اس میں واجب زکوٰۃ کی مقدار، منافع، اضافہ اور غیر تجارتی مال کو مال تجارت میں ملانے کا حکم، مالکیہ کے نزدیک مال تجارت کی زکوٰۃ کا طریقہ، شرکت مضاربت پر زکوٰۃ۔

#### ۱۔ مال تجارت کا مفہوم

عروض تجارت: عروض عرض کی جمع ہو، دنیا کا ایندھن اور عرض (راء کی جزم) کی جمع ہو تو سونے چاندی کے علاوہ سامان، غیر منقولہ جائداد، جانوروں کی مختلف اقسام، غلے اور پھل وغیرہ جو چیزیں تجارت کے لیے تیار کی گئی ہوں۔ مالکیہ کے نزدیک کاروباری مقصد کے تحت تیار کیا ہوا زیور بھی اس میں شامل ہے۔ جو غیر منقولہ جائداد

کاروباری مقصد کے تحت ہو اس کا حکم مال تجارت کا ہے اور جس مکان میں خود رہتا ہو یا جہاں کاروبار کرتا ہو یا صنعت لگائی ہوئی ہو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

## ۲۔ مال تجارت پر زکوٰۃ کی شرائط:

مال تجارت پر زکوٰۃ کے وجوب کے سلسلے میں فقہاء نے مختلف شرائط بتائی ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک چار شرطیں ہیں، مالکیہ کے نزدیک پانچ، شافعیہ کے نزدیک چھ اور حنابلہ کے نزدیک صرف دو (۱۰۱) تین شرائط پر تمام فقہاء متفق ہیں یعنی مقدار نصاب، سال گزرنا اور تجارت کی نیت۔ بعض مذاہب میں بعض شرطیں زائد ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ مقدار نصاب: مال تجارت سونے چاندی کے مقررہ نصاب کے برابر ہونا چاہیے اور اس شہر کی قیمت کا اعتبار ہے جس میں مال تجارت ہے۔ اگر مال کہیں جنگل میں ہے تو اس کے قریب ترین شہر کی قیمت کا اعتبار ہے۔

اس کی دلیل وہ تمام مرفوع اور موقوف احادیث ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ مال تجارت کی قیمت لگائی جائے اور ہر دو سو درہم پر پانچ درہم زکوٰۃ ادا کی جائے۔ (۱۰۲)

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر تاجر ذخیرہ اندوز ہے تو اس پر واجب ہے کہ مال تجارت سونے چاندی کے نصاب کے بدلے فروخت کرے اور اگر باقاعدہ تاجر ہے تو جس چیز کے بدلے چاہے فروخت کرے، خواہ درہم کے بدلے۔

باقاعدہ تاجر وہ ہے جو مسلسل خرید و فروخت کرتا ہے اور وقت کا انتظار نہیں کرتا، سال کا حساب نہیں رکھتا، جیسے عام بازار میں بیٹھنے والے تاجر ہوتے ہیں۔ ایسا شخص اپنے لیے سال میں ایک مہینہ مقرر کر لے اور اس میں دیکھ لے کہ اس کے پاس کس قدر نقدی ہے اور پھر سامان تجارت کی قیمت لگا کر اسے نقدی میں جمع کر لے اور اگر اس پر قرض ہے تو

اسے منہا کرنے کے بعد دیکھے، اگر وہ رقم نصاب زکوٰۃ کو پہنچتی ہے تو اس پر زکوٰۃ ادا کرے۔ ذخیرہ اندوز وہ ہے جو سامان خریدتا ہے اور اس کے مہنگا ہونے کا انتظار کرتا ہے اس پر اس وقت زکوٰۃ واجب ہوگی جب وہ اسے فروخت کرے گا، خواہ ایک سال بعد یا کئی سال بعد، وہ ایک ہی سال کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مالکیہ کے علاوہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ تاجر خواہ باقاعدہ تاجر ہو یا ذخیرہ اندوز دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ جس کسی نے تجارت کے لیے مال خریدا، جب اس پر ایک سال گزر گیا تو اس کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کرے۔ باقاعدہ تاجر پر جمہور کے نزدیک کچھ واجب نہیں ہوتا کیوں کہ سال کی شرط اصل مال پر ہے، مال کی کسی خاص قسم سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ امام مالک کے نزدیک باقاعدہ تاجر پر زکوٰۃ واجب ہے، خواہ اصل مال پر سال پورا نہ ہوا ہو، مال کی کسی ایک قسم پر سال پورا ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہو گی تاکہ باقاعدہ تاجر سے سرے سے زکوٰۃ ساقط ہی نہ ہو جائے۔ اس مسئلہ کے لیے مالکیہ نے اپنے اصول مصالح مرسلہ سے استدلال کیا ہے جس کے لیے امام مالک کے نزدیک کسی منصوص اصل کا ہونا ضروری نہیں۔

۲۔ پورا سال گزرنا۔ مال پر (یعنی اس کی قیمت پر) مال کی ملکیت کے وقت سے ایک سال گزر گیا ہو۔ کسی خاص سامان پر سال گزرنے کی شرط نہیں۔ اس سلسلے میں حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک (باقاعدہ تاجر کے علاوہ پر) یہ کافی ہے کہ سال کے آخر اور اختتام پر نصاب کا مالک ہو، درمیان میں اگر مال کم ہو جائے تب بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ سال کے ابتدا میں اس لیے تاکہ اس کا مال دار ہونا ثابت ہو جائے اور اختتام پر اس لیے تاکہ زکوٰۃ واجب ہو سکے۔ جو شخص سال کے آغاز میں نصاب کا مالک تھا، درمیان میں مال کم ہو گیا

اور آخر میں پھر نصاب کا مالک ہو گیا تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر سال کے شروع یا آخر میں مال کم ہو گیا تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

شافعیہ کے نزدیک، تجارت کی وجہ سے سال کے اختتام تک نصاب ہونا ضروری ہے کیوں کہ یہ زکوٰۃ کے وجوب کا وقت ہے، سال کے آغاز اور اختتام پر مالک نصاب ہونا ضروری نہیں۔ اس لیے اگر ایک شخص کے پاس سال کے شروع میں سو درہم تھے ان میں سے پچاس درہم کا سامان تجارت خرید کر اس نے کاروبار شروع کر دیا۔ سال کے آخر میں اس سامان کی قیمت ڈیڑھ سو درہم ہو گئی تو اسے سال کے اختتام پر سارے مال کی زکوٰۃ دینا ہوگی۔

حنبلیہ کے نزدیک سارا سال نصاب باقی رہنا ضروری ہے۔ اگر تھوڑی دیر مثلاً آدھا دن کے لیے نصاب کی مقدار میں کمی آجائے تو اس سے فرق نہیں پڑتا۔ بہر حال جب تک شروع، درمیان اور آخر میں نصاب کی مقدار مکمل نہ ہو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

۳۔ خریداری کے وقت کاروبار کی نیت: جب مال تجارت خریدا جا رہا ہو اس وقت اس کے کاروبار کی نیت ہو۔ اگر خریداری کے بعد کاروبار کی نیت کی تو جب تجارت کی نیت کے ساتھ عملاً تجارت شروع کر دی تو اس وقت سے سال شمار ہوگا۔ حنفیہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ جس چیز کی تجارت کی نیت کی ہو اس میں یہ صلاحیت ہو کہ اس پر زکوٰۃ نافذ ہو سکتی ہو۔ اگر کسی شخص نے تجارت کے لیے خراجی زمین خریدی تو اس پر خراج ادا کرنا ہوگا زکوٰۃ نہیں اور اگر عشری زمین خریدی تو اس کی پیداوار پر عشر ادا کرنا ہوگا، زکوٰۃ نہیں۔

شافعیہ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ خریدتے وقت معاہدے کے اندر یا اسی مجلس میں اس کی تجارت کی نیت کی ہو، اگر اس وقت نیت نہیں کی تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ ہر دفعہ

فروخت کا معاہدہ کرتے وقت نئی نیت شرط ہے تا آنکہ سارا مال ختم ہو جائے۔

۴۔ سامان کا معاوضہ ادا کر کے مالک بنا ہو: حنفیہ کے علاوہ جمہور نے یہ شرط بھی عائد کی ہے کہ سامان تجارت کا معاوضہ ادا کر کے مالک بنا ہو مثلاً چیز خریدی ہو یا اجارہ پر لی ہو یا مہر ہو۔ اگر بلا معاوضہ مالک بن گیا مثلاً وارثت، خلع، ہبہ، وصیت یا صدقہ وغیرہ سے مثلاً کسی شخص نے ترکہ میں اپنے ورثاء کے لیے مال تجارت چھوڑا تو جب تک ورثاء اس مال میں تجارت کی نیت سے تصرف نہ کریں اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ مالکیہ نے اس شرط کا اضافہ کیا ہے کہ مال تجارت خریدتے وقت معاوضے میں مال دیا ہو، ہبہ یا وارثت کے طور پر معاوضہ نہ دیا ہو۔ مالکیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص سامان کی تجارت سامان سے کرتا ہے اور نقدی کا لین دین نہیں کرتا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، ہاں اگر زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ایسا کرتا ہو تو پھر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ دوسرے فقہاء کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہے۔

۵۔ مال اپنے ذاتی استعمال کے لیے روک کر نہ رکھا ہوا ہو: مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ مال کے بارے میں یہ نیت نہ ہو کہ اس کو فروخت نہیں کرنا بلکہ ذاتی استعمال میں لانا ہے۔ اگر ایسی نیت کر لی تو سال پورا ہونے کا مسئلہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد اگر تجارت کی نیت کرے تو نئی نیت کی ضرورت ہوگی۔

۶۔ سال کے دوران کسی بھی وقت مال تجارت نقدی میں تبدیل ہو کر نصاب کی مقدار سے کم نہ ہو جائے۔ یہ شافعیہ کے نزدیک ایک اور شرط ہے۔ اگر سارا مال نقدی میں تبدیل ہو کر نصاب کی مقدار سے کم ہو جائے تو سال پورا ہونے کا مسئلہ ختم ہو گیا۔ شافعیہ کے علاوہ اور کسی نے یہ شرط نہیں لگائی۔

۷۔ ایسا مال نہ ہو جس پر بذات خود زکوٰۃ ہو: یہ مالکیہ کے نزدیک شرط ہے۔ اگر

مال ایسا ہے جس پر بذات خود زکوٰۃ ہے مثلاً سونے، چاندی کے زیورات، جانور (اونٹ، گائے، بکری) غلہ اور پھل تو ان پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب یہ چیزیں نصاب زکوٰۃ کے برابر ہوں یعنی سونا، چاندی، جانور اور غلہ وغیرہ اور اگر ایسا مال نہیں جس پر زکوٰۃ بذات خود واجب ہو مثلاً کپڑے، کتابیں وغیرہ ہیں تو ان پر مال تجارت کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ حنا بلہ نے سامان تجارت میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے دو شرائط بتائی ہیں (۱۰۳):

- ۱۔ اپنے عمل سے اس کا مالک ہوا ہو مثلاً وہ مال خریدا ہو، یہ اوپر مذکورہ چوتھی شرط ہے۔
- ۲۔ جب مال کا مالک ہوا، اس وقت تجارت کی نیت کی ہو، یہ اوپر مذکورہ تیسری شرط ہے۔

حنفیہ نے چار شرائط بتائی ہیں:

- ۱۔ مال نصاب کی مقدار میں ہو۔
- ۲۔ اس پر سال گزر چکا ہو۔
- ۳۔ عملی طور پر کاروبار کے ساتھ کاروبار کی نیت بھی ہو۔ محض نیت کافی نہیں ہے۔
- ۴۔ مال اس نوعیت کا ہو اس کی تجارت کی نیت کرنا درست ہو۔

مالکیہ کے ہاں پانچ شرائط ہیں:

- ۱۔ مال ایسا نہ ہو جس پر بذات خود زکوٰۃ فرض ہو۔ مثلاً کپڑے، کتابیں وغیرہ ہوں۔
- ۲۔ کسی معاوضے اور بدلے میں مال کا مالک ہوا ہو مثلاً مال خریدا ہو، وراثت اور ہبہ وغیرہ میں نہ ملا ہو۔

- ۳۔ خریدتے وقت تجارت کی نیت ہو۔
- ۴۔ مال کی خریداری کے بدلے میں جو معاوضہ دیا ہو وہ مالی معاوضہ کے طور پر دیا ہو اور اس کا خریداری کے طور پر مالک بنایا ہو، نہ کہ وراثت یا ہبہ کے طور پر دیا ہو۔
- ۵۔ ذخیرہ اندوز نے اس مال سے اتنا فروخت کیا ہو جو نصاب کے برابر ہے یا اس سے زیادہ ہے اور اگر باقاعدہ تاجر ہے تو اس نے کچھ نہ کچھ فروخت کیا ہو خواہ ایک درہم کے بدلے۔

شافعیہ نے چھ شرائط عائد کی ہیں:

- ۱۔ مال تجارت کا معاوضے کے ذریعے مالک ہوا ہو مثلاً خریداری سے نہ کہ وراثت وغیرہ سے۔
- ۲۔ معاہدہ کرتے وقت اس میں تجارت کی نیت ہو یا اسی مجلس میں تجارت کی نیت کی ہو ورنہ نئے سرے سے تجارت کی نیت کی ضرورت ہوگی۔
- ۳۔ مال اپنی ذاتی ضرورت اور استعمال کے لیے نہ محفوظ کیا ہو۔
- ۴۔ خریداری کے وقت سے لے کر ایک سال پورا ہو گیا ہو۔
- ۵۔ سارا مال تجارت نقدی میں تبدیل ہو کر مقدار نصاب سے کم نہ ہو گیا ہو۔ شافعیہ نے اس بات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: کسی شخص کی ذاتی اختیار کے باعث خرید و فروخت یا ضائع کرنے کی وجہ سے سارا مال نقدی میں تبدیل نہ ہو گیا ہو۔ راجح روایت یہی ہے۔
- ۶۔ سال کے آخر میں مال تجارت کی قیمت نصاب کے برابر ہو۔

۳۔ مال تجارت کی قیمت لگانا، اس میں کتنی زکوٰۃ واجب ہے؟ اور قیمت لگانے کا طریقہ:

ہر سال کے آخر میں تاجر اپنے مال تجارت کی قیمت لگائے۔ جب زکوٰۃ ادا کرے اس وقت جو مال کی قیمت ہو اس کا اعتبار ہے، قیمت خرید کا نہیں اور جتنی زکوٰۃ واجب ہو وہ ادا کرے۔ مختلف اجناس تجارت کی قیمت کو جمع کر کے حساب کرے مثلاً کپڑے، چمڑا، کھانے پینے کی اشیا سب کی قیمت لگائے اور بالاتفاق مال تجارت کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے، مال تجارت کی اصل پر نہیں۔ کیوں کہ نصاب میں قیمت کا اعتبار ہے اور اسی پر زکوٰۃ ہے۔ علماء کا اتفاق ہے کہ مال تجارت کی قیمت پر اڑھائی فی صد زکوٰۃ واجب ہے جیسے نقدی میں ہے۔ ابن المنذر کہتے ہیں: اہل علم کا اجماع ہے کہ جس مال کی تجارت کی نیت ہو اس پر جب سال گزر جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے (۱۰۴)۔

مال تجارت میں زکوٰۃ کے واجب ہونے کے درج ذیل دلائل ہیں (۱۰۵)۔

۱۔ ارشاد ربانی ہے: یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم (البقرہ ۲: ۲۶۷)؛ اے ایمان والو! جو تم کماتے ہو اس پاکیزہ رزق میں سے خرچ کرو) مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت تجارت کے بارے میں نازل ہوئی۔

۲۔ ارشاد نبویؐ ہے: ”اونٹوں میں زکوٰۃ ہے، گائیوں میں زکوٰۃ ہے، بھیڑ بکریوں میں زکوٰۃ ہے اور تجارتی کپڑے میں (۱۰۶) زکوٰۃ ہے“ (۱۰۷)۔ سمرہ بن جندبؓ کہتے ہیں: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیتے تھے جو مال ہم تجارت کے لیے تیار کریں، اس پر زکوٰۃ دیں“ (۱۰۸)۔ ابو عمرو بن حماس اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ: ”حضرت عمرؓ نے انہیں کہا تھا کہ اپنے مال کی زکوٰۃ دیں، انہوں نے کہا، میرے پاس ترکش اور چمڑے کے علاوہ



کوئی مال نہیں ہے۔ انہوں نے کہا ان کی قیمت لگا لو اور زکوٰۃ ادا کرو“ (۱۰۹)۔ صاحب المغنی ابن قدامہ کہتے ہیں اس طرح کے واقعہ کی شہرت ہو جاتی ہے، کسی نے اس کا انکار نہیں کیا، اس لیے اس پر اجماع ہے۔

امام مالک اور داؤد سے جو روایت ہے کہ تجارت میں زکوٰۃ نہیں، جس کی بنیاد اس حدیث پر ہے جس میں کہا گیا ہے: ”میں نے تمہارے لیے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ معاف کر دی ہے“۔ اس سے مراد یہ ہے گھوڑوں پر زکوٰۃ نہیں، یہ مراد نہیں کہ قیمت پر زکوٰۃ نہیں، اس کی دلیل وہ احادیث ہیں جو ہم نے ذکر کیں۔ پھر یہ حدیث عام ہے اور مذکورہ احادیث خاص ہیں اس لیے خاص کو عام پر فوقیت حاصل ہے۔ مالکیہ کے نزدیک بھی حکم یہی ہے کہ مال تجارت میں زکوٰۃ ہے۔

سامان تجارت کی قیمت لگانے کا طریقہ (۱۱۰) شافعیہ کے علاوہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ مال تجارت پر سال مکمل ہونے کے بعد اس کی قیمت سونے یا چاندی میں سے اس کرنسی سے لگائی جائے جس میں فقرا کو زیادہ فائدہ ہوتا کہ ان کے حق کی ادائیگی میں احتیاط کا پہلو ملحوظ رکھا جاسکے۔ جس کرنسی سے مال خریدا ہے اس سے قیمت نہ لگائی جائے۔ اگر مال تجارت پر سال پورا ہوتا ہے اور چاندی کے ذریعے اس کی قیمت لگانے سے نصاب کی مقدار کو پہنچ جاتا ہے اور سونے کے ذریعے قیمت لگانے سے نہیں پہنچتا تو چاندی سے قیمت لگائی جائے گی تاکہ فقرا کو حصہ ملے اور اگر اس کے برعکس چاندی کے بجائے سونے سے قیمت لگانے سے نصاب کو پہنچ جاتا ہے تو سونے سے قیمت لگائی جائے گی تاکہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو سکے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مال سونے سے خریدا تھا یا چاندی سے یا دوسرے مال کے بدلے۔

شافعیہ کہتے ہیں: تاجر نے سونے یا چاندی جس سے سامان خریدا ہو اسی سے قیمت لگائی جائے کیوں کہ سامان کا نصاب اس پر مبنی ہے جس سے مال خریدا گیا ہے، اس لیے زکوٰۃ اسی قیمت پر واجب ہوگی اور اسی کا اعتبار ہے، جیسا کہ اس نے اس سے کوئی چیز نہ خریدی ہو۔ بلکہ اصل نقد اس کے پاس ہو، پس جس قسم کی نقدی سے اس نے سامان خریدا، اسی قسم کی نقدی سے اس کی قیمت کا تعین کیا جائے گا، خواہ وہ نصاب کے برابر ہو یا اس سے کم، خواہ اس شہر میں بالعموم استعمال ہوتی ہو یا حکمرانوں نے اسے منسوخ کر دیا ہو کیوں کہ اس کے پاس جو مال ہے اس کی اصل وہ نقدی ہے۔ لہذا دوسری کسی بھی نقدی کی بہ نسبت اس کے ذریعے قیمت مقرر کرنا زیادہ مناسب ہے۔ اگر وہ کسی دوسرے ایسے مال جو اس نے اپنے استعمال کے لیے رکھا ہوا تھا یا خلع، نکاح یا قتل عمد کی دیت کے بدلے میں مال تجارت کا مالک ہوا تو شہر میں استعمال ہونے والے درہم و دینار سے اس کی قیمت کا تعین ہوگا کیوں کہ جب اصل کے ذریعے قیمت کا تعین ممکن نہ ہو تو قیمتوں کے تعین کا یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جیسے کہ تلف ہونے والی اشیا کی قیمتوں کے تعین میں یہی قاعدہ ہے۔

اگر کسی ایسی جگہ سال پورا ہوا جہاں نقدی نہیں ہے مثلاً ایسے شہر میں جہاں روپوں سے معاملات طے ہوتے ہوں تو قریبی شہر جہاں نقدی زیر استعمال ہو اس جگہ کی قیمت معتبر ہوگی۔ اگر فروخت کرنے والے کے ذمے قرض تھا، اس کے بدلے میں مال تجارت حاصل کیا یا پگھلے ہوئے سونے چاندی کے بدلے تو اسی جنس کی نقدی کے ذریعے قیمت کا تعین کیا جائے گا۔

اگر کسی شہر میں دو کرنسیاں برابر چل رہی ہیں اور ان میں سے ایک کے ساتھ قیمت

لگانے سے نصاب پورا ہو جاتا ہے اور دوسری کے ساتھ نہیں تو اس کرنسی کے ساتھ قیمت لگائی جائے جس سے نصاب پورا ہوتا ہے کیوں کہ شہر کی عام مروج کرنسی سے نصاب پورا ہو گیا اور اگر دونوں کرنسیوں سے نصاب پورا ہوتا ہے تو اس کرنسی سے حساب لگایا جائے جس میں فقرا کو زیادہ فائدہ ہو۔ اگر سامان تجارت کا کچھ حصہ نقدی دے کر خریدا اور کچھ حصہ ایسا سامان دے کر جو اپنی ضرورت کے لیے تھا، مثلاً کچھ سامان تجارت کو دوسو درہم کے بدلے اور کچھ اپنی ضرورت کے سامان کے بدلے خریدا تو جو سامان نقدی سے خریدا ہے اس کی قیمت اسی نقدی میں لگائی جائے اور جو سامان دے کر خریدا اس کی قیمت شہر میں عام مروج نقدی سے لگائی جائے جیسا کہ اگر ان میں سے صرف کسی ایک سے خریدا ہوتا تب بھی قیمت لگانے کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا جاتا۔

جمہور کی رائے زیادہ مناسب ہے کیوں کہ اس میں سہولت ہے اور فقرا کی مصلحت اسی میں ہے۔ اس لیے ہر تاجر پر فرض ہے کہ سال کے آخر میں مال تجارت کو اپنے دوسرے سامان سے الگ کر لے اور اس وقت جو کرنسی رائج ہے اس کے مطابق اس کی قیمت لگا لے اور اگر وہ نصاب پورا کرتی ہو تو اس پر اڑبائی فی صد زکوٰۃ دے دے اور منافع کو رائس المال میں شامل کر لے اور دوسرا سامان جو دوکان میں موجود ہو اور صنعت، تجارت کے آلات اور مزدوری یا کمائی کی مشینری اور دوکان کی شہرت وغیرہ کو اس میں شامل نہ کرے۔

کیا مال تجارت سے ہی زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

فقہاء کی اس میں دو آراء ہیں (۱۱۱):

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ تاجر کو اختیار ہے، چاہے مال تجارت سے زکوٰۃ دے اس کی

قیمت سے، جب سال پورا ہو جائے تو تاجر مال تجارت کا اڑھائی فی صد یا اس کی قیمت کا اڑھائی فی صد دے سکتا ہے۔ چونکہ زکوٰۃ مال تجارت میں واجب ہوئی ہے اس لیے دوسرے تمام اموال کی زکوٰۃ کی طرح اس میں سے بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے مثلاً کپڑے کے تاجر کے لیے جائز ہے کہ ہر قسم کے کپڑے میں سے درمیانی نوع کپڑے منتخب کر کے ان میں سے زکوٰۃ کے طور پر دے دے، البتہ اگر گھٹیا مال زکوٰۃ میں دیتا ہے یا ایک ہی قسم دے دیتا ہے تو جائز نہیں۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ قیمت میں سے زکوٰۃ دینا واجب ہے، مال تجارت سے زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیوں کہ زکوٰۃ مال تجارت کی قیمت پر واجب ہوتی ہے، اس لیے قیمت پر زکوٰۃ دینا گویا اصل مال سے زکوٰۃ دینا ہے۔ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ زکوٰۃ مال میں واجب ہے، زکوٰۃ درحقیقت قیمت میں واجب ہے۔

## ۴۔ منافع، اضافہ اور غیر تجارتی مال کو اصل مال کے ساتھ ملانے کا حکم:

فقہاء کا اتفاق ہے کہ مال تجارت کا سالانہ نفع اصل رأس المال سے ملا دیا جائے گا، جیسا کہ حنفیہ کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ تجارت کے علاوہ حاصل ہونے والا مال مثلاً عطیہ، وراثت وغیرہ بھی اصل مال سے ملا دیا جائے، دوسرے فقہاء کا اس سے اختلاف ہے۔ اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

حنفیہ کہتے ہیں (۱۱۲) تجارت سے حاصل ہونے والا منافع مال تجارت میں، جانوروں کے بچے جانوروں کے ساتھ اور تجارت کے علاوہ حاصل ہونے والا مال مثلاً وراثت، ہبہ وغیرہ کا اصل مال کے ساتھ شامل کیا جائے بشرطیکہ سال کے آغاز میں صاحب نصاب تھا کیوں کہ زکوٰۃ کے وجوب کا سبب سال کے آغاز میں پیدا ہوتا ہے اور سال کے دوران

نصاب کا کچھ نہ کچھ حصہ اس کے پاس باقی رہا تاکہ مال کے کچھ حصے پر سال پورا ہوا ہو جس کے ساتھ نیا مال شامل کیا جاسکے اور سال کے آخر میں بھی نصاب کی مقدار مال موجود ہو تو سارے مال پر زکوٰۃ دے کیوں کہ نیا حاصل ہونے والا اصل مال کی جنس سے ہے اور اس کے تابع ہے، اسی میں اضافہ ہے اور مال بڑھتا رہتا ہے اور اضافہ اصل کے تابع ہوتا ہے۔ تابع کا وہی حکم ہوتا ہے جو اصل کا ہو ورنہ اصل کی حیثیت بدل جاتی ہے۔ اگر سال گزرنے کے بعد مزید مال ملے تو بالاتفاق اسے گزرنے والے سال کے مال کے ساتھ نہ ملایا جائے۔ نیز جانوروں کی مختلف قسمیں مثلاً اونٹ اور بکریاں ایک دوسرے سے نہ ملائی جائیں البتہ سونا چاندی نصاب کی تکمیل کے لیے ایک دوسرے سے ملائی جائیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ (۱۱۳) تجارت سے حاصل ہونے والا نفع اور تجارتی سامان سے آنے والا کرایہ اصل مال میں شامل کیا جائے جس مال کی وجہ سے سال کے دوران اضافہ ہوا ہے، خواہ اصل مال مقدار نصاب سے کم ہو۔

تجارت کے علاوہ جو مال حاصل ہو مثلاً وراثت اور ہبہ سے اسے سال کے دوران اصل مال سے نہ ملایا جائے، خواہ اصل مال مقدار نصاب ہو بلکہ اس مال کی ملکیت کے دن سے از سر نو سال شروع کیا جائے۔

اگر پہلے سے کسی کے پاس مقدار نصاب جانور ہیں اور سال کے دوران وراثت یا ہبہ سے اور جانور مل جاتے ہیں تو انہیں پہلے جانوروں کے ساتھ شامل کر لیا جائے اور اگر پہلے سے مقدار نصاب نہیں ہیں تو شامل نہ کیے جائیں۔

شافعیہ کا صحیح تر قول یہ ہے (۱۱۴) کہ منافع، تجارتی جانوروں کے بچے اور سامان

تجارت کے ثمرات درخت کے پھل، شاخوں، پتوں اور جانوروں کی اون، بالوں وغیرہ کی طرح ہیں اور یہ بھی مال تجارت ہیں اس لیے رأس المال کے ساتھ ملا دیے جائیں اور ان کا سال وہی ہے جو اصل مال کا سال ہے، اصل مال خواہ مقدار نصاب سے کم ہو کیوں کہ منافع وغیرہ اصل کا جزو ہیں، ان کا سال اصل کے تابع ہے جیسے جانوروں کے بچے اصل کے تابع ہیں۔ جو مال تجارت کے علاوہ کسی اور ذریعے سے حاصل ہوا ہو تو اسے تجارتی مال کے سال میں شامل نہ کیا جائے بلکہ اس کی ملکیت کے دن سے نیا سال شروع کیا جائے۔

حنابلہ کا مذہب (۱۱۵) تقریباً شافعیہ کے مطابق ہے البتہ اصل کے مقدار نصاب ہونے کی شرط میں اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں: اگر کسی شخص کی ملکیت میں مقدار نصاب مال ہے۔ اس میں تجارت کرتا ہے اور اضافہ ہوتا ہے تو اصل اور اضافے دونوں کی زکوٰۃ دے جب سال پورا ہو جائے۔ اضافے پر سال اصل پر سال پورا ہونے کے تابع ہے کیوں کہ اضافہ ملکیت میں بھی اصل کے تابع ہے اس لیے سال میں بھی تابع ہوگا جیسا کہ جانوروں کی اولاد میں یہی مسئلہ ہے۔ تجارت کے علاوہ دوسرے ذرائع سے حاصل ہونے والے مال کو مال تجارت سے نہ ملایا جائے بلکہ اس کی ملکیت کے دن سے اس کا سال شروع کیا جائے۔

۵۔ مالکیہ کے نزدیک مال تجارت پر زکوٰۃ مقرر کرنے کا طریقہ:

مالکیہ کے نزدیک تاجر یا تو ذخیرہ اندوز ہوگا یا باقاعدہ مسلسل تجارت کرنے والا یا بیک وقت ذخیرہ اندوز بھی ہوگا اور باقاعدہ تاجر بھی۔ (۱۱۶)

ا۔ ذخیرہ اندوز وہ تاجر ہے جو سامان خرید کر اس کے مہنگا ہونے کا انتظار کرتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک سامان فروخت نہ ہو جائے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، اگر ایک سال یا

کئی سال بعد نقدی کے عوض سامان فروخت کرتا ہے تو ایک ہی سال کی زکوٰۃ دے اور اگر کچھ مال بیچ رہے تو اس کی قیمت لگا کر نقدی میں شامل کر لی جائے۔

مالکیہ کی یہ رائے جمہور کے خلاف ہے، جمہور کی رائے یہ ہے کہ ذخیرہ اندوز چاہے مال بیچے یا نہ بیچے لیکن ہر سال زکوٰۃ دے البتہ حنفیہ کے نزدیک اسے اختیار ہے، چاہے قیمت سے زکوٰۃ دے، چاہے مال تجارت سے دے لیکن شافعیہ کے جدید قول اور حنابلہ کے نزدیک مال تجارت سے زکوٰۃ دینا درست نہیں۔ اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

ذخیرہ اندوز کا سال مالکیہ کے نزدیک اس دن سے شروع ہوگا جس روز وہ مال تجارت کا مالک ہو یا اگر اس نے پہلے زکوٰۃ ادا کر دی تھی تو جس روز زکوٰۃ دی گئی تھی۔

ذخیرہ اندوز نے جو تجارتی مال پر لوگوں سے قرض وصول کرنے ہیں ان کی زکوٰۃ اس وقت ادا کرے جب قرضے واپس مل جائیں اور صرف ایک سال کی زکوٰۃ دے۔

ب۔ باقاعدہ تاجر وہ ہے جو خرید و فروخت جاری رکھتا ہے، کسی وقت کا انتظار نہیں کرتا اور نہ سال کا حساب رکھتا ہے جیسے کہ عام بازاروں میں بیٹھنے والے تاجر ہیں۔ وہ اپنے لیے سال کا ایک مہینہ مقرر کرے اور اس میں دیکھے کہ اس کے پاس کتنی نقدی ہے اور کتنی قیمت کا مال تجارت ہے دونوں کو ملانے کے بعد اگر اس پر قرض ہے تو اسے منہا کر کے مقدار نصاب باقی بچے تو اس پر زکوٰۃ ادا کرے۔

اس کی زکوٰۃ کا حکم: ہر سال اپنے پاس موجود مال تجارت کی قیمت لگائے اور اگر کساد بازاری کی وجہ سے مال کئی کئی سال پڑا رہے تب بھی اس کی قیمت لگا کر پاس موجود نقدی کو اس میں جمع کر کے سارے مال کی زکوٰۃ دے۔

ایسے تاجر کے پاس جب وہ رقم آتی ہے جس سے وہ سامان تجارت خریدتا ہے اس

وقت سے اس کا سال شروع ہو جاتا ہے کیوں کہ مال تجارت کی اصل وہی رقم ہے۔ اس کی ملکیت کے دن سے یا پچھلی زکوٰۃ کی ادائیگی کے دن سے سال شروع ہوگا۔ خواہ تجارت دیر سے شروع کی ہو مثلاً محرم کے مہینے میں نصاب زکوٰۃ کی رقم کا مالک ہو گیا لیکن اس سے کاروبار، رجب میں شروع کیا تو سال کا آغاز محرم سے ہوگا۔

باقاعدہ تاجر کا تجارتی قرض: اگر اس نے کسی سے ایسا قرض لینا ہے جس کی فوری ادائیگی واجب ہے اور اس کے ملنے کی امید بھی ہے تو قرض کی رقم کو اصل مال کے ساتھ شامل کر کے زکوٰۃ دے۔ اگر کسی کے ذمے مال تجارت کا قرض ہے یا میعاد قرض ہے جس کے ملنے کی امید ہے تو اس کی قیمت کر کے اسے اصل مال کے ساتھ شامل کرے اور سارے مال پر زکوٰۃ دے۔

اگر کسی تنگ دست فقیر کے ذمے قرض ہے جس کی وصولی کی امید نہیں ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ ہاں جب یہ قرض وصول ہو جائے تو صرف ایک سال کی زکوٰۃ دے۔ باقاعدہ تجارت کرنے والے پر وہ برتن جن میں تاجر سودا سلف رکھتا ہے یا کام کرنے کے دوسرے آلات ان کی قیمت نہیں لگائی جائے گی۔

ج۔ اگر تاجر اپنا کچھ مال ذخیرہ کرتا ہو اور کچھ باقاعدہ بیچتا رہتا ہو تو اگر دونوں قسم کے مال برابر ہوں یا مسلسل کاروباری مال کم اور ذخیرہ کیا ہو زیادہ ہو تو ذخیرہ کیے ہوئے مال پر اس کے فروخت ہونے اور رقم ملنے کے بعد صرف ایک سال کی زکوٰۃ دے اور باقاعدہ فروخت ہونے والے کی ہر سال قیمت کر کے زکوٰۃ دے۔

اگر زیادہ مال باقاعدہ خرید و فروخت میں آتا ہے اور کم ذخیرہ کیا جاتا ہے تو سارے مال کو گردش کرنے والا قرار دیا جائے گا اور ذخیرہ اندوزی کا حکم نہیں لگے گا یعنی سارے



مال کی ہر سال قیمت لگا کر اس پر زکوٰۃ دی جائے گی اور مال کی گردش کو ذخیرہ اندوزی پر غلبہ حاصل رہے گا۔

## ۶۔ شرکت مضاربت پر زکوٰۃ:

مال کا مالک اصل مال اور اپنے حصے کے منافع کی زکوٰۃ ادا کرے اور کام کرنے والا اپنے حصے کے منافع کی زکوٰۃ ادا کرے، جس کی تفصیل فقہاء کے نزدیک درج ذیل ہے (۱۱۷):

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مالک اور کام کرنے والا ہر سال اپنے اپنے حصے کی زکوٰۃ ادا کریں اور حساب کتاب تک زکوٰۃ کو مؤخر نہ کریں۔

حنا بلہ کہتے ہیں کہ مالک اصل مال اور اسے حاصل ہونے والے منافع پر زکوٰۃ ادا کرے کیوں کہ تجارت کے منافع پر سال اسی وقت پورا ہو جاتا ہے جب اصل پر سال پورا ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص نے دوسرے کو ایک ہزار روپے مضاربت پر دیے کہ نفع آدھا آدھا ہوگا، اس پر ایک سال گزر گیا اور رقم تین ہزار ہو گئی تو مالک دو ہزار کی زکوٰۃ دے۔

البتہ کام کرنے والے پر اپنے حصے کی زکوٰۃ اس وقت تک نہیں ہے جب تک کہ نفع تقسیم نہ ہو جائے اور تقسیم کے بعد کام کرنے والے کی رقم پر سال کا آغاز ہوگا کیوں کہ کام کرنے والے یعنی مضارب کی ملکیت مکمل نہیں ہے۔ جب مضارب مالک سے حساب کتاب کر لیتا ہے تب اس کے سال کا آغاز ہوتا ہے اور جب سال پورا ہو تو زکوٰۃ ادا کرے کیوں کہ حساب کے بعد اسے معلوم ہوا کہ مشترکہ مال میں اس کا کتنا حصہ ہے۔ اس کے بعد اگر گھانا ہو جائے تو وہ گھانا مالک پر ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں: اصل مال اور اپنے حصے کے منافع کی زکوٰۃ مالک کے ذمے ہے

کیوں کہ وہ دونوں کا مالک ہے اور مضارب کے ذمے اپنے حصے کے منافع کی زکوٰۃ ہے کیوں کہ وہ جب چاہے منافع تقسیم کر کے اپنے حصے پر قابض ہو سکتا ہے، اس لیے یہ رقم ایسے قرض کی طرح ہے جو فوری وصول ہو سکتا ہے اور جب سے منافع ملنا شروع ہوگا، اس وقت سے سال کا آغاز ہوگا۔ تقسیم سے پہلے شافعی مذہب کے مطابق مضارب کے ذمے زکوٰۃ ادا کرنا نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر مال مالک کے شہر میں ہو، اگرچہ حکماً ہو یعنی اسے مال کی غیر موجودگی میں بھی اس کے بارے میں علم ہو تو اس پر باقاعدہ تاجر کی طرح زکوٰۃ واجب ہوگی۔ یعنی ہر سال مال کی قیمت اور منافع پر زکوٰۃ ادا کرے اور اصل سرمائے اور منافع کو جمع کر کے حساب کتاب سے پہلے زکوٰۃ ادا کر دے۔ یہ ظاہر مذہب ہے لیکن مالکیہ کی معتمد روایت یہ ہے کہ حساب کتاب کے بعد زکوٰۃ ادا کرے اور اس موقع پر پچھلے تمام مالوں کی زکوٰۃ ادا کرے۔ اگر مال موجود نہیں اور اس کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ ہے بھی یا ضائع ہو گیا، اس پر نفع ہوا یا نقصان تو بعد میں پچھلے تمام سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے۔

مضارب حساب کتاب کے بعد اپنے حصے پر ایک سال کی زکوٰۃ ادا کرے۔

**مطلب چہارم: غلے اور پھلوں پر زکوٰۃ (یعنی زمینی پیداوار پر زکوٰۃ):**

اس عنوان کے تحت غلوں اور پھلوں پر زکوٰۃ کی فرضیت، اس کا سبب اور شرائط، کتنی پیداوار پر زکوٰۃ واجب ہے، زکوٰۃ کا کم از کم نصاب کیا ہے، کتنی اور کس نوع کی زکوٰۃ واجب ہے، زکوٰۃ کب ادا کی جائے اور کیا غلوں اور پھلوں کو ایک دوسرے سے ملایا جا سکتا ہے، وقف پھلوں کی زکوٰۃ، بٹائی پر دی ہوئی زمین کی زکوٰۃ خراجی زمین کی زکوٰۃ (خراجی اور عشری زمین اور خراج کی دو قسمیں) عشر وصول کرنے والا اور ٹیکس، غلوں اور پھلوں پر

زکوٰۃ ادا کرنا اور زکوٰۃ کی معافی زیر بحث آئیں گے۔

۱۔ غلوں اور پھلوں پر زکوٰۃ کی فرضیت اور فرضیت کا سبب (۱۱۸):

یہ زکوٰۃ قرآن، سنت، اجماع اور عقلی دلائل کی رو سے واجب ہے:

قرآن حکیم میں ہے: وَاَتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (الانعام ۶: ۱۳۱) جس روز فصل کاٹو، اس کا حق ادا کرو) ابن عباسؓ کہتے ہیں اس سے فرض زکوٰۃ مراد ہے: ایک بار انہوں نے کہا اس سے عشر اور نصف عشر مراد ہے۔ نیز ارشاد ربانی ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا انْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ (البقرہ ۲: ۲۶۷) اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں تم کماتے ہو اس میں سے خرچ کرو اور جو کچھ ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے، اس میں سے بھی) زکوٰۃ کو نفقہ بھی کہا گیا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (التوبہ ۹: ۳۴) جو لوگ سونے چاندی کی ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے)۔

سنت میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس زمین کی بارش، چشموں یا قدرتی ندی نالوں سے (۱۱۹) آبپاشی ہوتی ہو اس میں عشر ہے اور جس کی رہٹ سے آبپاشی ہوتی ہو اس میں نصف عشر ہے“ (۱۲۰)۔ نیز فرمایا: ”جس زمین کی سیرابی دریاؤں یا بادلوں سے ہو اس میں عشر ہے اور جس کی رہٹ کے پانی سے ہو (۱۲۱) اس میں نصف عشر ہے“ (۱۲۲)۔

اجماع: عشر کی فرضیت پر امت کا اجماع ہے۔

عقلی تقاضا: زکوٰۃ کے شرعی حکم کے بارے میں جو عقلی دلیل دی گئی وہ یہاں بھی صادق آتی ہے کیوں کہ عشر فقیر کو دینا اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے، بے سہارا لوگوں کو سہارا دینا، انہیں اپنے فرائض ادا کرنے کے قابل بنانا، نفس کو گناہوں سے پاک صاف کرنا ہے

اور یہ سارے کام عقلاً اور شرعاً ضروری ہیں۔

زمینی پیداوار پر زکوٰۃ کی فرضیت کا سبب: ایسی زمین جس کے ذریعے پیداوار ہو اس کا سبب ہے، حقیقتاً زمین کے ذریعے اضافہ ہو جیسے عشر کے بارے میں ہے یا تقدیراً ہو جیسے خراج کے بارے میں ہے۔ اگر کسی آفت کی وجہ سے زمینی پیداوار نہ ہو تو عشری زمین پر عشر اور خراجی زمین پر خراج واجب نہیں رہتا کیوں کہ زمین سے اضافہ حقیقتاً اور تقدیراً دونوں طرح ختم ہو جاتا ہے۔ حقیقتاً اور تقدیراً کا فرق یہ ہے کہ اگر عشری زمین ہے اور اس میں زراعت کی قدرت کے باوجود زراعت نہیں کی تو عشر واجب نہیں ہوگا کیوں کہ حقیقتاً اس میں کوئی چیز پیدا نہیں ہوئی لیکن اگر خراجی زمین ہے اور اس میں کچھ پیدا نہیں ہوا تب بھی خراج واجب ہوگا کیوں کہ تقدیراً اس سے اضافہ حاصل کیا جاسکتا تھا۔

غلوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب دانے تیار ہو کر سخت ہو جائیں، خواہ ان کا کچھ حصہ تیار ہو کر سخت ہو جائے اور پھلوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب وہ استعمال کے قابل ہو جائیں اور ان کا رنگ پکنے کے قریب ہونے کی وجہ سے بدلنے لگ جائے جیسا ہر پھل کا رنگ ہوتا ہے۔ سرخ یا پیلا یا اس میں گداز اور نرمی پیدا ہو جائے۔ اس جنس کے پھلوں میں سے بعض پھل اگر استعمال کے قابل ہو جائیں تو کافی ہے۔ اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

۲۔ غلوں اور پھلوں کی زکوٰۃ کی شرائط:

ہر قسم کی زکوٰۃ کی کچھ عام شرائط ہیں جو اوپر بیان کر دی گئی ہیں مثلاً زکوٰۃ دینے والے کا عاقل بالغ ہونا، حنفیہ کے نزدیک زمینی پیداوار کے سوا اور کسی مال پر بچے اور دیوانے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ اسلام بھی شرط ہے، کافر پر زکوٰۃ واجب نہیں کیوں کہ

زکوٰۃ عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل اور مکلف نہیں ہے۔

ان کے علاوہ کچھ اور شرائط بھی ہیں جن کی مختلف مذاہب میں تفصیلات ہیں:

حنفیہ کے نزدیک (۱۲۳) عام شرائط کے علاوہ زمینی پیداوار کی زکوٰۃ کے لیے مندرجہ ذیل شرائط ہیں:

۱۔ زمین عشری ہو۔ خراجی زمین پر زکوٰۃ واجب نہیں کیوں کہ ان کے نزدیک ایک زمین پر عشر اور خراج دونوں نہیں لگ سکتے۔

۲۔ زمین سے پیداوار ہو۔ اگر زمین سے کچھ پیدا نہ ہو تو عشر واجب نہیں ہے کیوں کہ عشر پیداوار کے جز کے طور پر واجب ہے۔

۳۔ زمین سے ایسی پیداوار ہو جس کی زراعت سے زمین کی ترقی، اس سے پھل حاصل کرنا اور اسے استعمال میں لانا مقصود ہو۔ ایندھن اور گھاس وغیرہ پر زکوٰۃ واجب نہیں کیوں کہ ایندھن اور گھاس سے زمین کی ترقی نہیں ہوتی بلکہ زمین خراب ہوتی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عشر کے وجوب کے لیے نصاب شرط نہیں۔

زمینی پیداوار کم ہو یا زیادہ اس پر عشر واجب ہے۔

مالکیہ کے ہاں دو شرائط ہیں (۱۲۴)۔

۱۔ زمینی پیداوار غلہ (دانے) اور پھل (کھجور، کشمش اور زیتون) ہو۔ فواکہ میں زکوٰۃ نہیں ہے مثلاً سیب اور انار میں اور نہ سبزیوں اور ساگ میں زکوٰۃ ہے۔ خواہ زمین خراجی ہو جیسے مصر و شام کی زمین ہے جو بزور فتح کی گئی اور ان زمینوں کے خراج سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی یا غیر خراجی ہو یعنی ایسی زمین جو صلح کے معاہدے کے تحت مسلمانوں کے قبضے

میں آئی ہو یا وہاں کے لوگ مسلمان ہو گئے ہوں یا بنجر زمین ہو۔

۲۔ زمینی پیداوار نصاب کی مقدار کے برابر ہو یعنی پانچ اوسق (۶۵۳ کیلوگرام)۔ ایک اوسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے حساب سے چار مد کا ہوتا ہے اور وہ بارہ قنطار اندکی کے برابر ہے۔

شافعیہ کے ہاں تین شرائط ہیں (۱۲۵)۔

۱۔ زمینی پیداوار ایسی ہو جسے غذا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہو، ذخیرہ کیا جاسکتا ہو اور اسے انسان آگاتے ہوں۔ مثلاً غلوں میں سے گندم، جو، باجرا، مکی، چاول، مسور، چنے اور اس کے مشابہ غلے۔ اور پھلوں میں سے کھجور، انگور۔ سبزیوں اور ساگ اور پھل مثلاً ککڑی، تربوز، انار اور گنے وغیرہ میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ غلے سے بھوسہ الگ کرنے اور چھلکے اتارنے کے بعد اس کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

۲۔ زمینی پیداوار پورا نصاب ہو یعنی پانچ اوسق جو ایک ہزار چھ سو رطل بغدادی کے برابر ہے اور ۶/۷ ۳۴۲ رطل دمشق کے برابر جو ۶۵۳ کیلوگرام کے برابر ہے۔

۳۔ کسی متعین مالک کی ملکیت میں ہے۔ جو زمین مساجد کے لیے وقف ہو، صحیح یہ ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ اس کا کوئی متعین مالک نہیں ہے اور صحرا کی کھجوروں پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ ان کا کوئی متعین مالک نہیں ہوتا۔

حنابلہ کے ہاں بھی تین شرائط ہیں (۱۲۶)۔

۱۔ زمینی پیداوار کو ذخیرہ کرنا اور باقی رکھنا ممکن ہو اور اس میں درج ذیل اوصاف بھی ہوں: ماپی یا تولی جاسکتی ہو، باقی رہنے والی ہو، غلہ اور پھل خشک ہوں، ایسی پیداوار ہو جسے لوگ خود آگاتے ہوں، خواہ خوراک کی قسم سے ہو جیسے غلہ اور دالیں ہوں جیسے مسور، چنے

اور موٹھ یا بیج ہوں جیسے زیرے، کھیرے، گلڑی وغیرہ کے بیج یا سبزیوں کے بیج ہوں جیسے مولی، عصفر، ترمس اور کسم کے بیج اور دوسری دانہ دار اشیا۔

جن پھلوں میں یہ اوصاف پائے جاتے ہوں ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہے مثلاً کھجور، کشمش، اخروٹ، پستہ، بندق کا پھل۔

ان پھلوں میں زکوٰۃ نہیں ہے جیسے خرمانی، دراق، بہی، سیب اور نہ سبزی میں مثلاً کھیرا، گلڑی، بیٹنگن، شلغم اور گاجر۔

۲۔ زمینی پیداوار دانوں کی صفائی اور پھل خشک ہونے کے بعد مقدار نصاب یعنی پانچ وسق کے برابر ہو، یعنی ۳/۳ء ۱۳۲۸ رطل مصر یا ۵۰ کیلہ یا ۴ ارادب، مصری اردب ۱۲۸ لیٹر پانی یا ۹۶ پیالوں کے برابر ہے۔

۳۔ زکوٰۃ کے وجوب کے وقت نصاب زکوٰۃ آزاد اور مسلمان کی ملکیت ہو۔ زکوٰۃ کے وجوب کے وقت سے مراد وہ وقت ہے جب دانے سخت ہو جائیں اور پھل استعمال کے قابل ہو جائیں۔ جو فصلیں لوگ خود اگاتے ہیں اگر وہ خود بخود اگ آئیں تو ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہے جیسے کسی کے دانے زمین میں گر گئے اور خود بخود اگ آئے کیوں کہ زکوٰۃ کے وجوب کے وقت وہ ان کا مالک ہے۔ خود کاشت کرنا شرط نہیں۔ گرا پڑا پھل اٹھانے والے پر زکوٰۃ واجب نہیں، یا کسی کو پھل استعمال کے قابل ہونے کے بعد بہہ کیے گئے یا کسی نے اس کے بعد خریدے یا کٹائی کرنے والے کو کٹائی اور صفائی وغیرہ کی اجرت کے طور پر پیداوار ملی۔ اس شخص پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں جو کسی غلے یا پھل کا اس کے قابل استعمال ہونے کے بعد مالک ہوا مثلاً خریدی یا وارثت وغیرہ میں ملی یا مہر، عوض خلع، اجارہ یا صلح کے بدلے میں حاصل ہوئی کیوں کہ زکوٰۃ واجب ہونے کے وقت وہ اس کا مالک

نہیں تھا۔ کسی مباح پیداوار کو حاصل کر لینے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، خواہ اپنی زمین میں اُگی ہو یا بنجر زمین سے لی ہو کیوں کہ اس کی ملکیت قبضے سے ہوتی ہے، زکوٰۃ کے وجوب کے وقت وہ کسی کی ملکیت نہیں تھی۔

### ۳۔ زکوٰۃ کس پیداوار میں واجب ہے؟

زمینی پیداوار کی زکوٰۃ کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔ ایک رائے یہ ہے ہر زمینی پیداوار پر زکوٰۃ ہے اور دوسری یہ ہے کہ جن چیزوں کو غذا کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے اور ذخیرہ کیا جا سکتا ہے انہیں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (۱۲۷)

پہلی رائے امام ابوحنیفہ کی ہے کہ زمینی پیداوار کم ہو جائے زیادہ اس میں زکوٰۃ ہے البتہ چارہ، ایندھن اور سرکنڈے (جن سے قلم بنائے جاتے ہیں البتہ گنے میں عشر ہے) کھجور کی شاخیں اور گھاس اور ایسی اشیا جن سے مقصد زمین کی پیداوار نہیں ہوتی اور وہ زمین کے کناروں پر ہوتی ہیں زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ البتہ اگر زمین کو سرکنڈوں یا جھاڑیوں یا گھاس کاشت کرنے کے لیے مختص کر لیا جائے اور اسے پانی دیا جائے اور لوگوں کو اس میں آنے جانے سے روکا جائے تو اس میں بھی عشر واجب ہوگا۔ زمینی پیداوار پر زکوٰۃ مطلقاً واجب ہے۔ اس میں سال کی شرط نہیں کیوں کہ اس میں ٹیکس کا مفہوم پایا جاتا ہے اس لیے حکمرانوں کو جبراً عشر وصول کرنے کا حق ہے اور ترکے سے بھی وصول کیا جائے گا۔ اور قرض ہوتے ہوئے بھی واجب ہوگا اور چھوٹے بچے، دیوانے کی زمین اور وقف زمین سے بھی لیا جائے گا۔

ان کی دلیل یہ حدیث ہے: ”ہر قسم کی زمینی پیداوار میں عشر ہے“ (۱۲۸)۔

اس لیے ہر پیداوار پر عشر واجب ہے۔ حنفیہ کے نزدیک امام ابوحنیفہ کی رائے درست ہے



اور سب نے ان کی دلیل کو ترجیح دی ہے۔

دوسری رائے صاحبین اور جمہور کی ہے کہ صرف اس زمینی پیداوار میں زکوٰۃ واجب ہے جو غذا کے لیے کام آتی ہو اور ذخیرہ کی جا سکتی ہے۔ حنابلہ کے نزدیک جو خشک ہو یا باقی رہنے والی ہو اور اسے ناپا جاتا ہو، سبزیوں اور پھلوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ یہی راجح ہے۔

حنفیہ میں سے صاحبین یہ کہتے ہیں کہ جس پیداوار کا ثمرہ باقی رہے جب پانچ وسق کو پہنچ جائے تو صرف اس میں عشر واجب ہوتا ہے۔ سبزیوں (مثلاً سیب، بہی وغیرہ اور ساگ، مثلاً پیاز کے ساگ اور اجوائن وغیرہ) پر عشر نہیں کیوں کہ یہ زیادہ دیر باقی نہیں رہتیں۔

مالکیہ کے نزدیک بیس اقسام پر زکوٰۃ واجب ہے ان میں سے سترہ اشیا دانے دار ہیں۔ سات قسم کی دالیں ہیں (یعنی چنے، موٹھی، لوبیا، مسور، ترمس، مٹر اور بسیلہ) گندم، بغیر چھلکے کے جو، علس (گندم کی ایک قسم جسے چھلکے سمیت ذخیرہ کیا جاتا ہے)، مکی، باجرا، چاول۔ چار قسم کے تیل والی اشیا یعنی زیتون، سسم، عصفر کے دانے، گاجر، سفید مولیٰ کے دانوں پر زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ اس میں تیل نہیں ہوتا۔

تین قسم کے پھل یعنی کھجور، کشمش اور زیتون کیوں کہ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے: ”زیتون میں عشر ہے۔“

مندرجہ ذیل قسم کے پھلوں میں زکوٰۃ نہیں ہے: انجیر، انار، سیب وغیرہ اور نہ روئی، شلجم، بیج اخروٹ اور بادام وغیرہ ہیں۔

شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ خوراک کے ساتھ مختص ہے، اور پھلوں میں کھجور اور کشمش (۱۲۹) اور غلوں میں، گندم، جو، چاول، مسور، ماش اور دوسری اشیا جو غذا میں استعمال ہوتی ہیں مثلاً چنے، باقلا، مکی، ہرطمان (گندم اور جو کے درمیانی قسم) اور مٹر، گاؤ دانہ،

میٹھی، خشخاش اور سمسم۔

ککڑی، تربوز، انار اور برسیم میں زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زکوٰۃ معاف کر دی تھی۔ پھلوں میں سے شفتالو، انار، انجیر، بادام، ناریل، سیب، آڑو اور جنگلی دانے مثلاً حنظل کے بیج اور جنگلی جانوروں مثلاً ہرنوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

جو چیزیں مساجد، پلوں اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے اور فقرا و مساکین کے لیے وقف ہوں، صحیح یہ ہے کہ ان پر زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ ان کا کوئی متعین مالک نہیں ہے۔ زیتون، زعفران، ورس، عصفر کے دانوں اور جدید مذہب کے مطابق شہد میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

حنابلہ کے نزدیک ہر ایسی چیز میں زکوٰۃ ہے جو خوراک میں کام آتی ہے، اسے مایا جا سکتا ہو، اور وہ ایسی دانے دار غذا ہو جسے ذخیرہ کیا جا سکتا ہو جیسے گندم، جو، سلت (ایک ایسا غلہ جس کا رنگ گندم کا اور اثرات جو کے ہوتے ہیں، ٹھنڈا ہوتا ہے) مکی، دالیں، (۱۳۰) مثلاً باقلا، چنے، لوبیا، مسور، ماش، ترمس (باقلا سے چھوٹے لیکن چوڑے دانے) باجرا، چاول، ہرطمان (ایک غلے کی قسم یعنی مٹر، گاؤدانہ، میٹھی، خشخاش، اور سمسم اور علس (گندم کی ایک قسم جسے چھلکے سمیت ذخیرہ کیا جاتا ہے)۔

تمام سبزیوں کے بیجوں میں زکوٰۃ واجب ہے مثلاً کاسنی، اجوائن، پیاز، مسور وغیرہ اور تمام پھلوں کے بیجوں میں اور دھنیا، زیرہ اور کلونجی کے بیجوں میں اور دوائیوں میں استعمال ہونے والی نباتات کے بیجوں میں مثلاً شمر (ایک پودا جس کے پھول زرد اور دانے سبز ہوتے ہیں) انیسون (ایک دوا کا نام ہے) اور کہو کے بیجوں میں رائی، روئی اور کھیرے ککڑی کے بیجوں میں اور خرفہ کے ساگ، بیگن، خس اور گاجر کے بیجوں میں۔

تمام ساگوں کے بیجوں میں مثلاً رشاد (۱۳۱) (ایک نباتات کا نام ہے) مولیٰ اور

قرطم (عصفر) کے بیجوں میں۔

ہر ایسا پھل جو مایا جاتا ہے اور اس کی ذخیرہ اندوزی ہو سکتی ہے مثلاً کھجور، کشمش، بادام، پستہ، بندق اور سماق (ایک کھٹا پھل) میں زکوٰۃ واجب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ زکوٰۃ غلوں میں، بیجوں میں اور قابل ذخیرہ پھلوں میں واجب ہے۔ جیسا کہ کتاب الفروع میں ہے راجح روایت یہ ہے کہ انگور، انجیر، آڑو اور توت میں زکوٰۃ واجب ہے کیوں کہ انہیں کھجور کی طرح ذخیرہ کیا جا سکتا ہے لیکن معتمد روایت یہ ہے کہ ان میں زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ انہیں ذخیرہ کرنے کی عادت نہیں ہے۔ پہاڑی پودینے اور اشنان اور ان کے بیجوں پر زکوٰۃ واجب ہے اور جو پتے کار آمد ہوں مثلاً بیری، خطمی اور آس کے پتے کیوں کہ انہیں مایا جاتا ہے اور ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ روئی، کپاس، پٹ سن، زعفران، ورس (رنگ کرنے والی گھاس) نیل (نیلا رنگ کرنے والی گھاس) ناریل اور دوسرے تمام پھلوں مثلاً شفتالو، سیب، آلو بخارا، ناشپاتی، بہی، انار، بیری، زعرور (پھل جس کا رنگ سرخ اور گٹھلی بڑی ہوتی ہے) اور کیلے پر زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ انہیں مایا نہیں جاتا اور نہ اخروٹ پر کیوں کہ انہیں گنا جاتا ہے اور نہ گنے پر۔

سبزیوں مثلاً تربوز، ککڑی، کھیرا، بینگن، شانم، چقندر، کرم کلا، گوبھی، تھوم، پیاز، کراث (تھوم اور پیاز کی ملی جلی قسم) گاجر اور مولی وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں ہے“ (۱۳۲) اور نہ ساگوں پر، مثلاً کاسنی، اجوائن، پودینہ، رشاد، خرفہ کے ساگ، سلم درخت کے پتوں، دھنیا اور لوبیا پر زکوٰۃ ہے۔

خوشبو اور پھلوں مثلاً گلاب کے پھول، بنفشہ، نرگس، نیلوفر اور خیری کے پھولوں پر

زکوٰۃ نہیں کیوں کہ یہ بکھر جاتے ہیں۔ اسی طرح زنبق (ساگ کی قسم) پر اور نہ زکھجور کے خوشوں پر اور نہ کھجوروں کی شاخوں پر (ایسی شاخیں جن سے پتے الگ نہ کیے گئے ہوں، اگر پتے الگ کر لیے جائیں تو وہ ٹہنی ہے) نہ کھجور کے پتوں پر، نہ غلے کے چھلکے اور بھوسے پر، نہ ایندھن، لکڑی اور بید کی شاخوں پر زکوٰۃ ہے۔ نہ توت کے پتوں، گھاس، بانس اور جانوروں کے دودھ، ان کے بالوں، اون اور صوف وغیرہ پر زکوٰۃ ہے۔ اسی طرح ریشم اور ریشم کے کیڑوں پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ ان میں سے کسی کے بارے میں کوئی نص نہیں ہے۔ اور نہ یہ چیزیں منصوص کے حکم میں ہیں یعنی کسی نص پر قیاس کا تقاضا بھی یہ نہیں کہ ان پر زکوٰۃ عائد کی جائے اس لیے ان میں زکوٰۃ معاف ہے۔

زیتون کے بارے میں خلاصہ یہ ہے کہ شافعیہ کے جدید قول اور حنابلہ کی معتمد روایت کے مطابق زیتون پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور مالکیہ کے نزدیک زیتون پر زکوٰۃ ہے اور مالکیہ (۱۳۳) کے نزدیک زیتون کا نصاب پانچ وسق ہے۔

شہد کی زکوٰۃ: شہد کی زکوٰۃ کے حکم کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں (۱۳۴)۔

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اس میں عشر ہے البتہ امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ اگر شہد عشری زمین سے حاصل کیا جائے تو اس میں عشر ہے خواہ شہد کم ہو یا زیادہ، لیکن خراجی زمین سے حاصل ہونے والے شہد میں عشر نہیں ہے۔ حنابلہ کے نزدیک شہد کا نصاب دس افراق ہے۔ افراق فرق کی جمع ہے اور فرق ان کے نزدیک سولہ رطل کے برابر ہے۔ پس نصاب ایک سو ساٹھ رطل بغدادی اور ۲۷۲ رطل دمشق اور ایک سو چار مصری ہے۔ حنفیہ کے نزدیک رطل ایک سو تیس درہم ہے اور درمیانہ درہم ۲۷۹ گرام ہوتا ہے۔

شہد پر عشر واجب ہونے کی دلیل مندرجہ ذیل آثار ہیں۔

ابو سیارہ المتعی نے کہا: ”میں نے پوچھا، یا رسول اللہ، میرے پاس شہد کی مکھیاں ہیں، آپ نے فرمایا، عشر دیا کرو“ (۱۳۵)۔

عمرو بن شعیب اپنے باپ اور دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد سے عشر وصول کیا“ (۱۳۶)۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ شہد کا عشر لیا کرتے تھے، ہر دس قرب سے ایک قربہ وصول کرتے۔

عقیلی نے اپنی کتاب ”الضعفاء“ میں عبد الرزاق کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ: ”شہد میں عشر واجب ہے“ (۱۳۷)۔ مالکیہ اور شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ شہد میں زکوٰۃ واجب نہیں، ان کی دلیل دو باتیں ہیں:

۱۔ ترمذی میں ہے: ”اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بڑی بات ثابت نہیں“۔ ابن المنذر نے کہا ہے کہ: ”شہد میں عشر کے وجوب کے بارے میں نہ کوئی حدیث ثابت ہے نہ اجماع“۔

۲۔ شہد ایک جاندار سے خارج ہونے والا مائع ہے اس لیے دودھ کے مشابہ ہے اور دودھ پر بالا جماع زکوٰۃ نہیں ہے۔

ابو عبید نے اس امر کو ترجیح دی کہ شہد حاصل کرنے والوں کو عشر دینے کا حکم دیا جائے اور اس پر ابھارا جائے اور اسے نہ دینا مکروہ سمجھا جائے اور چھپانے والے کو گناہ سے محفوظ نہیں سمجھا جاتا۔ اگرچہ عشر فرض نہیں ہے۔

۳۔ کم از کم نصاب جس سے غلے اور پھلوں کی زکوٰۃ شروع ہوتی ہے:

امام ابو حنیفہؒ (۱۳۸) کے نزدیک عشر کے وجوب کے لیے نصاب شرط نہیں ہے۔ زمینی

پیداوار کم ہو چاہے زیادہ اس پر عشر واجب ہے کیوں کہ ارشاد ربانی عام ہے: یا ایہا الذین

آمنوا انفقوا من طيبات ما كسبتم ومما اخرجنا لكم من الارض (البقرة ۲: ۲۶۷)؛  
 اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو اور ان میں سے جو ہم  
 نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہیں (نیز ارشاد ربانی ہے: و آتوا حقه يوم حصاده  
 (الانعام ۶: ۱۳۱)؛ فصل کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو) ارشاد نبویؐ ہے: ”جو کھیتی بارش  
 سے سیراب ہوتی ہے اس میں عشر ہے اور جو ڈول یا رہٹ سے سیراب کی جائے اس میں  
 نصف عشر ہیں“ (۱۳۹)۔ ان نصوص میں کم یا زیادہ پیداوار کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ عشر کے  
 وجوب کا سبب ایسی زمین ہے جس سے پیداوار ہوتی ہو، اس میں کم یا زیادہ کا کوئی فرق  
 نہیں ہے۔ جو پیداوار زمین سے نکلے اس میں عشر واجب ہے۔ کام کرنے والوں کی  
 اجرت، کھیتی باڑی کے دوسرے اخراجات کا حساب نہیں کیا جائے گا کیوں کہ رسول اللہ صلی  
 اللہ علیہ وسلم نے جو مقدار واجب کی ہے اس میں فرق رکھ کر محنت کا فرق خود ملحوظ رکھا ہے  
 کہ آپؐ نے فرمایا: ”جو بارش سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جسے خود سیراب کیا جائے  
 اس میں نصف عشر ہے“۔ پس اخراجات کسان کے ذمے ہوں گے اور زکوٰۃ اخراجات  
 نکالے بغیر ساری پیداوار پر واجب ہوگی۔

صاحبین اور جمہور فقہاء (۱۴۰) کی رائے یہ ہے کہ نصاب شرط ہے، ایسے غلوں اور  
 پھلوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جو پانچ وسق ۶۵۳ کیلوگرام یا پچاس مصری کیلو سے کم ہو  
 کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے“ (۱۴۱)۔ وسق ساٹھ  
 صاع ہوتا ہے۔ یہ حدیث بطور خاص اس زکوٰۃ سے متعلق ہے۔ اس لیے اسے مقدم رکھنا  
 ضروری ہے اور اس کی بنا پر امام ابوحنیفہؒ کے دلائل کی عمومیت کی تخصیص ہو جاتی ہے۔ جیسا  
 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”چرنے والے اونٹوں میں زکوٰۃ ہے“۔ اس

حدیث کے آخر میں آپؐ نے فرمایا کہ: ”پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے“۔ اس حصے سے پہلے کی تخصیص ہوگئی۔ اسی طرح آپؐ کا ارشاد: ”زمینی پیداوار میں عشر ہے“ کی تخصیص اس حدیث سے ہوتی ہے ”پانچ اوقیہ سے کم میں صدقہ نہیں ہے“۔ چوں کہ زمینی پیداوار ایسا مال ہے جس میں زکوٰۃ واجب ہے۔ پس اس کے تھوڑے سے حصے میں زکوٰۃ نہیں ہے جیسا کہ تمام اموال میں یہی اصول ہے۔ صدقہ صرف مال دلاؤں پر واجب ہوتا ہے اور نصاب کے بغیر کوئی مال دار نہیں ہو سکتا، جیسا کہ زکوٰۃ کے تمام اموال کے بارے میں ایسا ہے۔ حدیث کے صحیح ہونے کی وجہ سے ہمارے نزدیک یہی رائج ہے۔

البتہ زمینی پیداوار کی زکوٰۃ میں سال گزرنے کا اعتبار نہیں ہے کیوں کہ اس میں اضافہ فصل کاٹنے سے ہو جاتا ہے، اسے باقی رکھنے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ دوسرے اموال میں سال کا اعتبار اس لیے کیا گیا ہے کہ ایک سال میں مال بڑھنے کا غالب گمان ہوتا ہے۔ نصاب میں ماپ کا اعتبار ہے کیوں کہ وسق ماپ کا پیمانہ ہے اور عہد نبویؐ میں اہل مدینہ کا ماپ کا پیمانہ صاع تھا جو چار مُد کے برابر تھا اور صاع ۳/۵ء رطل کا تھا اور رطل ۶۷۵ گرام کا۔ شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے اگر کھجوریں اور انگور خشک ہو سکیں تو خشک کھجوروں اور کشمش کے ذریعے نصاب کا حساب کیا جائے گا، کیوں کہ مسلم کی روایت ہے: ”غلے اور کھجور میں اس وقت تک صدقہ نہیں جب تک پانچ وسق نہ پہنچ جائے“۔ اگر تازہ کھجوریں خشک نہ ہو سکیں یا انگور کشمش نہ بن سکے مثلاً ان سے اچھے قسم کی کھجوریں اور کشمش تیار نہ ہوتی ہو یا خشک ہونے میں طویل مدت مثلاً ایک سال لگ جاتا ہو تو تازہ کھجوروں اور انگور پر ہی وسق کے حساب سے زکوٰۃ دی جائے، کیوں کہ فصل کی تیاری کے بعد ان کا خشک ہونا، اس کے کمال کا وقت ہے، اس لیے خشک ہونے کی صورت میں جتنا وزن کم ہو

سکتا ہے اتنا منہا کر کے باقی پر فوری طور پر زکوٰۃ دے دی جائے کیوں کہ ایسے پھلوں کا کامل تر حال یہی ہے۔

دانوں کے پانچ وسق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھوسے، گھاس پھونس اور تنکوں سے صاف ہونے کے بعد پانچ وسق ہوں، کیوں کہ بھوسہ وغیرہ نہ کھایا جاتا ہے نہ سنبھال کر رکھا جاتا ہے۔

جو غلے چھلکے کے سمیت ذخیرہ کیے جاتے ہیں مثلاً چاول، علس (جو کی قسم ہے) اس کا نصاب دس وسق ہے۔ یہ غلے چھلکوں میں زیادہ محفوظ اور زیادہ اچھے رہتے ہیں، ان چھلکوں کو نصف وزن کے برابر سمجھا جائے گا۔

نصاب کی تکمیل کے لیے ایک سال کا پھل دوسرے سال کے پھل میں اور ایک سال کا غلہ دوسرے سال کے غلے میں نہ ملایا جائے۔ البتہ ایک سال کے بعض پھل دوسروں سے اور بعض غلے دوسروں سے ملا دیے جائیں۔ خواہ ان کی اقسام اور پیداوار ہونے کے علاقوں میں اختلاف اور گرمی سردی کے فرق کے باعث مختلف اوقات میں تیار ہوں۔ سال سے مراد یہاں بارہ عربی مہینے ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک نصاب میں اس امر کا اعتبار ہے کہ دانے بھوسے وغیرہ سے صاف ہوں، کیوں کہ ان کے ساتھ ذخیرہ نہیں کیے جاتے اور خشک ہو چکے ہوں۔ تازہ کھجوریں خشک ہو گئی ہوں اور انگور کشمش بن گئے ہوں۔ اگر کھجوریں تازہ ہوں اور انگور ہوں تو فروخت کی صورت میں نصف عشر کی قیمت ادا کی جائے۔ اسی طرح ہری لوبیا اور سبز چنوں پر جو خشک نہیں ہوتے نصف عشر واجب ہوگا۔ جن چیزوں سے تیل نکالنا ہے ان کے تیل پر اگر وہ خشک نہ ہوں تو نصف عشر لیا جائے گا۔ البتہ جن چیزوں کو چھلکے سمیت ذخیرہ کیا جاتا



ہے، مثلاً چاول، علس اور جو ان میں چھلکا ساتھ شمار کیا جائے گا۔ یعنی اگر چاول چھلکے کے بغیر چار دستق ہوں اور چھلکے کے ساتھ پانچ دستق تو ان پر زکوٰۃ دی جائے، اگر اس میں کم ہوں تو نہیں۔

جمہور اس مسئلے میں حنفیہ سے متفق ہیں کہ کٹائی اور صفائی وغیرہ کاشت کے دوسرے اخراجات کی بنا پر نصاب میں کمی واقع نہیں ہوگی۔

۵۔ زکوٰۃ کی واجب مقدار اور اس کی کیفیت:

فقہاء کا اتفاق ہے (۱۲۲) جو فصلیں بلا مشقت سیراب ہوتی ہیں مثلاً بارش سے یا قریبی چشموں، ندی، نالوں سے ان پر عشر واجب ہے۔

جن فصلوں کو مصنوعی طریقے، رہٹ وغیرہ کے ذریعہ سیراب کرنا پڑتا ہے ان پر نصف عشر واجب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ بالا فرمان اس پر دلیل ہے، آپ نے فرمایا: ”جو زمین بارش یا چشموں سے سیراب ہو یا قریبی ندی نالوں سے اس میں عشر ہے اور جسے رہٹ وغیرہ سے سیراب کرنا پڑے اس پر نصف عشر ہے“ (۱۲۳)۔ بیہقی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے۔ اگر آدھا سال مشقت سے سیراب کرنا پڑے اور آدھا سال بغیر مشقت کے تو تین چوتھائی عشر دیا جائے تاکہ ہر ایک کے تقاضے پر عمل ہو۔ اگر سال کا اکثر حصہ ایک طریقے سے اور کم حصہ دوسرے طریقے سے سیراب کرنا پڑے تو اکثر کا اعتبار ہے، تاکہ اس کے تقاضے پر عمل ہو، دوسرے کا اعتبار نہیں۔

فرق کی وجہ واضح ہے اور وہ یہ کہ جو زمین سیراب کرنا پڑتی ہے اس میں زیادہ مشقت ہے اور جو اپنے اندر موجود (۱۲۴) پانی کے چشمے یا ندی، نالوں سے سیراب ہوتی ہے

اس میں کم مشقت ہے جیسا کہ جو جانور چراگاہ میں چر چُگ کر آتے ہیں، ان میں اور جن کو چارہ دینا پڑتا ہے ان میں فرق ہے۔ غلے اور پھلوں کے نصاب سے زائد ایسی کوئی مقدار نہیں ہے جس میں زکوٰۃ معاف ہو، بلکہ جتنی زمینی پیداوار بڑھتی جائے گی اسی حساب سے زکوٰۃ میں اضافہ ہوتا جائے گا اور حساب کر کے عشر یا نصف عشر نکالا جائے گا۔ کیوں کہ اس کے حساب میں کوئی دقت نہیں جب کہ مویشیوں کے حصے بخرے کرنے میں دقت تھی۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کیسے کی جائے؟ حنفیہ کے نزدیک اسی زمینی پیداوار میں سے کچھ حصہ یا اس کی قیمت دی جائے، جمہور کے نزدیک اسی پیداوار میں سے دینا ضروری ہے اور کوئی صورت جائز نہیں۔

کیا زراعت پر اٹھنے والے اخراجات منہا کیے جاسکتے ہیں؟

کاشتکار کے زراعت پر بالعموم کئی اخراجات اٹھتے ہیں مثلاً بیج اور کھاد کی قیمت، کاشت، آب پاشی، صفائی اور کٹائی وغیرہ کے اخراجات۔

جدہ میں چھٹے ندوۃ البرکۃ کے فتویٰ نمبر ۱۵ میں ہے کہ اس سلسلے میں تین آراء ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ تمام اخراجات منہا کر دیے جائیں اور دوسری یہ کہ کسی قسم کے اخراجات منہا نہ کیے جائیں اور تیسری یہ کہ حاصل شدہ زمینی پیداوار کے ایک تہائی کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر کے باقی پر زکوٰۃ دی جائے۔ ندوۃ کے شرکاء نے تیسری رائے کو اختیار کرتے ہوئے کہا کہ اس میں اعتدال ہے لہذا ایک تہائی مستثنیٰ کرنے کے بعد اگر قدرتی ذرائع سے آبپاشی ہوتی ہے تو عشر اور اگر آلات کے ذریعے آبپاشی کی ہے تو نصف عشر ادا کرے۔

یہ رائے ابن العربی کی شرح ترمذی سے ماخوذ ہے جس میں اس حدیث نبویؐ پر عمل کیا گیا ہے: ”ایک تہائی یا چوتھائی چھوڑ دو“ مسلمانوں کا عمل بھی اسی پر ہے اور ابن حزم

نے لمحلی ۲۵۸:۵ میں چاروں ائمہ کی یہی رائے ذکر کی ہے۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ زراعت پر اٹھنے والے اخراجات میں سے کچھ بھی منہا نہ کیا جائے کیوں کہ زکوٰۃ کا تعلق تمام زمینی پیداوار سے ہے۔ کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: و آتوا حقہ یوم حصادہ (الانعام، ۱۴۱:۶؛ کثائی کے دن اس کا حق دیا کرو) میں اس کو ترجیح دیتا ہوں (۱۳۵)۔

## ۶۔ زکوٰۃ کے وجوب کا وقت:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک (۱۳۶) زکوٰۃ کے وجوب کا وقت وہ ہے جب فصل نکلتی ہے اور پھل ظاہر ہوتا ہے کیوں کہ ارشاد باری ہے: انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض (البقرۃ، ۲: ۲۶۷، ان پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو اور جو ہم نے زمین سے تمہارے لیے نکالی ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں سے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے جو اس نے زمین سے نکالی ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب فصل زمین سے نکلے اسی وقت زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اگر اس کا مالک خود اسے ضائع کر دے تو وہ زکوٰۃ کا ضامن ہوگا واجب ہونے سے پہلے ضامن نہیں ہوگا اور اگر خود بخود ضائع ہو جائے تو ہلاک شدہ پیداوار میں عشر واجب نہیں ہے۔

مالکیہ کے نزدیک عشر کے وجوب کا وقت وہ ہے جب پھل قابل استعمال ہو (کھجوریں پیلی ہونے لگ جائیں اور انگوروں میں مٹھاس آجائے) اور غلے میں جب دانہ تیار ہو جائے اور کھانے کے قابل ہو جائے، اسے مزید آبپاشی کی ضرورت نہ ہو، خشک ہونے، کثائی اور صفائی کی ضرورت نہیں ہے (۱۳۷)۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک (۱۳۸) جب پھل میں استعمال کی صلاحیت پیدا ہو جائے اس وقت وہ مکمل پھل ہے، اس سے پہلے گچھے اور خوشے ہیں۔ جب دانوں میں سختی ظاہر ہو جائے اس وقت وہ غلہ ہے اس سے پہلے

گھاس پھونس ہے۔

زکوٰۃ کے اس وقت واجب ہونے سے یہ مراد نہیں کہ اس وقت زکوٰۃ دینا واجب ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پھلوں، کشمش اور صاف غلے پر جب وہ تیار ہو جائے زکوٰۃ دینے کا سبب اس وقت پیدا ہوا ہے۔

آخری رائے کی بنا پر اگر پیداوار کا مالک اسے ضائع کر دے یا زکوٰۃ کے وجوب کے بعد اس کے ذاتی فعل کے باعث فصل تباہ ہو جائے تو زکوٰۃ معاف نہیں ہوگی۔ اور اگر زکوٰۃ کے وجوب سے پہلے ضائع کر دے تو زکوٰۃ معاف ہے، ہاں اگر ضائع کرنے سے نیت یہ ہو کہ زکوٰۃ سے بچ سکے تو زکوٰۃ معاف نہیں ہوگی بلکہ زکوٰۃ کا ضامن ہوگا۔

اگر زمینی پیداوار کاٹ یا توڑ کر برتنوں یا کھلیانوں میں خشک ہونے کے لیے رکھ دی تو زکوٰۃ کا وجوب پختہ ہو گیا، اس کے بعد اگر خود بخود فصل ضائع ہوگئی، تب بھی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی بلکہ اس کا تاوان دینا پڑے گا، جیسا کہ سال پورا ہونے کے بعد چرنے والے جانور مر جائیں یا نقدی ضائع ہو جائے تو زکوٰۃ معاف نہیں ہوگی بلکہ زکوٰۃ کا ضامن ہوگا۔

اگر زمینی پیداوار کاٹ یا توڑ کر برتنوں یا کھلیانوں میں خشک ہونے کے لیے رکھ دی تو زکوٰۃ کا وجوب پختہ ہو گیا، اس کے بعد اگر خود بخود فصل ضائع ہوگئی تب بھی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی بلکہ اس کا تاوان دینا پڑے گا، جیسا کہ سال پورا ہونے کے بعد چرنے والے جانور مر جائیں یا نقدی ضائع ہو جائے تو زکوٰۃ معاف نہیں ہوگی۔

اگر پھل قابل استعمال ہونے سے پہلے اور غلے کے دانے سخت ہونے سے پہلے ضائع ہو جائیں تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

پیداوار ماپنے تو لنے سے پہلے اور بعد میں مالک کو اس کے فروخت کرنے اور ہبہ

کرنے کا اختیار ہے۔ اگر پھل قابل استعمال ہونے کے بعد فروخت کر، یا یاہبہ کر دیا تو اس کی زکوٰۃ فروخت کرنے والے یاہبہ کرنے والے پر ہے، یہ حنابلہ اور مالکیہ کی رائے ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر پکنے سے پہلے کھیتی فروخت کر دی تو زکوٰۃ خریدنے والے پر واجب ہے۔ شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ جب زکوٰۃ واجب ہوئی تو اس وقت جو اس کا مالک ہے اس پر زکوٰۃ ہے۔

۷۔ جن فصلوں کو باہم ملا دینا جائز ہے۔

اہل علم میں، اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں کہ غلے اور پھلوں کے سوا نصاب کی تکمیل کے لیے ایک جنس کو دوسری جنس کے ساتھ ملانا جائز نہیں۔ جانوروں میں تین قسمیں ہیں: اُونٹ، گائے اور بھیڑ بکریاں۔ ان میں سے ایک قسم دوسری قسم سے نہ ملائی جائے۔ پھلوں کی ایک قسم دوسری سے نہ ملائی جائے، کھجوریں انگوروں کے ساتھ اور نہ بادام یا پستے یا بندق سے ملائی جائیں۔ نہ ان میں سے کوئی چیز دوسری سے ملائی جائے اور نہ پھل جانوروں سے ملائے جائے اور نہ کوئی غلہ پھلوں سے ملایا جائے۔

اس امر میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ ایک جنس کی مختلف انواع کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے تاکہ نصاب مکمل ہو۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سامان تجارت نقدی کے ساتھ اور نقدی سامان تجارت کے ساتھ ملائی جائے البتہ امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ سامان تجارت کو اس کرنسی سے ملایا جائے جس سے وہ خریدا گیا ہو، کیوں کہ اسی سے نصاب کی تکمیل کا اعتبار ہے (۱۳۹)۔

مالکیہ کے سوا جمہور میں کوئی اختلاف نہیں کہ گندم کو علس (گندم اور جو کی درمیانی قسم) کے ساتھ ملا لیا جائے گا کیوں کہ وہ اس کی ایک قسم ہے، اسی طرح سلت (جو کی عمدہ

قسم) کو جو کے ساتھ ملا دیا جائے گا کیوں کہ یہ اسی کی قسم ہے۔ شافعیہ کے سوا باقی فقہاء کے نزدیک اسے ملا دیا جائے گا۔

بعض غلوں کو دوسرے بعض کے ساتھ اور سونے چاندی کو ایک دوسرے کے ساتھ ملانے میں فقہاء میں اختلاف ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک ایک جنس کو دوسری جنس سے نہ ملایا جائے، ہر جنس کا الگ الگ نصاب معتبر ہے کیوں کہ ہر جنس الگ ہے۔ ہر جنس کا الگ نصاب کا اعتبار ہے، مثلاً پھلوں کا الگ، مویشیوں کا الگ۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ زمینی پیداوار جتنی بھی ہو اس میں زکوٰۃ واجب ہے اس میں نصاب کی شرط نہیں، اس لیے ان کے نزدیک ملانے کا مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔

مالکیہ اور حنابلہ میں سے قاضی کی رائے یہ ہے کہ گندم اور جو کو ملا دیا جائے اور دالیں ایک دوسرے کے ساتھ ملا دی جائیں کیوں کہ یہ ساری ایک ہی قسم کی غذا ہے، انہیں اسی طرح ملا دیا جائے جیسے گندم کی بعض اقسام ایک دوسرے سے ملا دی جاتی ہیں۔

ان آراء کی تفصیل یہ ہے:

مالکیہ کہتے ہیں (۱۵۰) کہ سات قسم کی دالیں (چنے، موٹھ، لوبیا، مسور، مٹر، ترمس اور بیلہ) کو ایک دوسری سے ملا لیا جائے کیوں کہ یہ زکوٰۃ کے مسئلے میں ایک ہی جنس ہے۔ اگر یہ سب یا ان میں سے کوئی دو اکٹھی ہو کر نصاب کو پہنچ جائیں تو ان کی زکوٰۃ ادا کی جائے اور ہر قسم میں سے اس کے حصے کی زکوٰۃ دی جائے۔ گندم، جو اور سلت (جو کی ایک قسم) ایک ہی قسم کی چیزیں ہیں ان کو آپس میں ملا لیا جائے۔

اگر ان میں سے اعلیٰ قسم سے زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو ادنیٰ قسم سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی

ہے لیکن اس کے برعکس ادا نہیں ہوتی جیسے گندم، سلت اور جو کیوں کہ یہ تینوں ایک ہی جنس ہیں۔ البتہ انہیں علس (گندم کے مشابہ لمبے دانے والا غلہ جو یمن میں ہوتا ہے) سے نہ ملایا جائے کیوں کہ وہ الگ جنس ہے۔ ان میں سے کوئی چیز مکی، باجرے اور چاول سے نہ ملائی جائے کیوں کہ ان میں سے ہر ایک الگ جنس ہے۔ ان کو آپس میں بھی ایک دوسرے سے نہ ملایا جائے بلکہ ہر ایک کو الگ جنس سمجھا جائے۔

چاروں تیل پیدا کرنے والی اجناس یعنی زیتون، سسم، گاجر کے بیج اور قرطم الگ الگ اجناس ہے انہیں ایک دوسرے سے نہ ملایا جائے۔

ایک ہی جنس کی مختلف اقسام کو آپس میں ملا لیا جائے۔ کشمش کی تمام قسمیں ایک ہی جنس ہیں انہیں کسی دوسری چیز سے نہ ملایا جائے۔ کھجور کی تمام قسمیں ایک جنس ہیں اور گندم عمدہ ہو یا معمولی ایک جنس ہے۔

شافعیہ کے نزدیک (۱۵۱) ایک دوسری جنس سے اور ایک قسم دوسری قسم سے نہ ملائی جائے، ہر قسم سے الگ اس کے حصے کی زکوٰۃ نکالی جائے کیوں کہ اس میں کوئی مشقت نہیں جب کہ جانوروں میں مشقت ہے۔ صحیح یہ ہے زکوٰۃ دینے والا ان میں سے کسی ایک قسم سے زکوٰۃ دے بشرطیکہ قیمت اور تقسیم میں کوئی کمی واقع نہ ہو۔ ہر قسم سے تھوڑا تھوڑا نکالنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ اس میں مشقت ہے۔ اگر بہت سی اقسام ہیں اور ہر قسم سے تھوڑی تھوڑی زکوٰۃ نکالنا مشکل ہے یا بہت تھوڑی نکلتی ہے تو درمیانی قسم سے زکوٰۃ ادا کرے، نہ سب سے اعلیٰ سے اور نہ گھٹیا سے تاکہ دونوں (زکوٰۃ لینے اور دینے والے) کی رعایت ہو۔

علس کو گندم سے ملا لیا جائے کیوں کہ یہ گندم کی قسم ہے اور صنعاء یمن کے رہنے والوں

کی خوراک ہے۔ سلت مستقل جنس ہے اسے کسی سے نہ ملایا جائے جیسے جو مستقل جنس ہے۔

ایک سال کے پھلوں کو دوسرے سال کے پھلوں سے نہ ملایا جائے۔ ایک سال کے پھل ایک دوسرے سے ملا لیے جائیں خواہ ان کی اقسام، جگہوں اور گرمی سردی کے اختلاف کے باعث ان کے پکنے کے اوقات مختلف ہوں، اظہر یہ ہے کہ اگر دونوں قسمیں ایک سال کے دوران چنی جاتی ہیں تو انہیں ملا لیا جائے۔

حنابلہ میں سے ابن قدامہ کہتے ہیں (۱۵۲) قاضی ابویعلیٰ کے نزدیک امام احمد کی تین روایات میں سے صحیح یہ ہے کہ گندم جو سے ملا دی جائے۔ دالیں ایک دوسری سے ملا دی جائیں سونا چاندی ملا دیئے جائیں اور ایک جنس کی مختلف اقسام کے غلے اور پھل جو ایک سال کے اندر پیدا ہوتے ہوں نصاب کی تکمیل کے لیے آپس میں ملا دیے جائیں جیسے کہ مختلف انواع کے جانور اور سونے چاندی کو ملا لیا جاتا ہے۔

سلت جو کی ایک قسم ہے اسے ملا لیا جائے اور علس گندم کی قسم ہے اسے گندم سے ملا لیا جائے۔

نصاب کی تکمیل کے لیے ایک سال کے غلے ملا لیے جائیں اور ایک سال کے پھل آپس میں ملا لیے جائیں خواہ ان کی کاشت اور پکنے کا وقت ایک ہو یا مختلف، خواہ ایک ہی وقت ان کے پھل نکلتے ہوں اور پکتے ہوں یا مختلف اوقات میں۔

بھوتی کشاف القناع میں لکھتے ہیں کہ ایک سال کے ایک جنس کی مختلف اقسام کے غلے اور پھل آپس میں ملا لیے جائیں۔ ایک جنس دوسری جنس سے نہ ملائی جائے، مثلاً گندم کو جو سے، یا باجرے، چاول اور مسور کو ایک دوسرے سے نہ ملایا جائے کیوں کہ یہ ایسی اجناس ہیں جن کے لین دین میں اضافہ کر کے لینا دینا جائز ہے، پس ان کو آپس میں ملانا



درست نہیں، جیسا کہ مختلف جنس کے پھلوں اور مویشیوں کو ملانا دوست نہیں۔ علس کو گندم سے ملانے پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیوں کہ علس گندم کی ہی ایک قسم ہے۔ سونے چاندی کی نقدی اور قیمتوں کو ایک دوسرے سے ملانا یا غلے، پھلوں اور مویشیوں کو ایک دوسرے سے ملانا درست نہیں کیوں کہ یہ مختلف اجناس ہیں۔ البتہ سامان تجارت کو نقدی (قیمت) سے ملایا جا سکتا ہے۔ یہی حنابلہ کی معتمد رائے ہے اور وہ اپنی اس رائے میں دوسرے مذاہب سے ہم آہنگ ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ مالکیہ اور حنابلہ میں سے قاضی کے نزدیک گندم جو سے ملا دی جائے اور شافعیہ کے نزدیک اور حنابلہ کی معتمد روایت کے مطابق نہ ملائی جائے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک دالیں ایک دوسری سے ملا دی جائیں۔ شافعیہ کے نزدیک نہ ملائی جائیں اور امام احمد سے دوسری روایت یہی ہے۔

### ۸- وقف پھلوں پر زکوٰۃ:

وقف کی زکوٰۃ کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔ اس اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ کیا زکوٰۃ کے لیے زمین کی ملکیت شرط ہے یا نہیں؟ ایک رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ واجب نہیں ہے (۱۵۳)۔

حنفیہ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ زمینی پیداوار کی ملکیت ہو، ایسی زمین جس کا کوئی مالک نہیں ہے اس پر بھی عشر واجب ہے یعنی وقف زمین پر کیوں کہ اس کی پیداوار کا کوئی نہ کوئی مالک ہے، وجہ یہ ہے کہ ارشاد ربانی ہے: یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض (البقرة ۲: ۲۶۷) اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں تم کماتے ہو ان میں سے خرچ کرو اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین

سے نکالا) نیز ارشاد ربانی ہے: و آتوا حقہ یوم حصادہ (الانعام ۶: ۱۴۱) جس روز فصل کاٹو اس روز اس کا حق ادا کرو۔ نیز ارشاد نبویؐ ہے: ”جو فصل آسمان سے سیراب ہوتی ہے اس میں عشر ہے اور جسے ڈول یا رہٹ سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔“ عشر اس پیداوار پر واجب ہوتا ہے جو زمین سے نکلتی ہے، زمین پر واجب نہیں ہوتا اس لیے زمین کا مالک ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔

مالکیہ بھی حنفیہ سے متفق ہیں، وقف کرنے والے پر یا وقف کا انتظام کرنے والے پر وقف اشیا پر زکوٰۃ واجب ہے۔ سونا، چاندی جو قرض کے لیے وقف کیا گیا ہو اگر اس پر اس کی ملکیت کے دن سے ایک سال گزر جائے یا وہ اس شخص کے پاس ہو جس نے وقف نہیں کیا اور مقدار نصاب ہو، کیوں کہ اسے وقف کرنا ہر سال اس کی زکوٰۃ کی معافی کا باعث نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی زمین کسی کی مملوکہ ہو یا کرائے پر لی ہوئی ہو اور اسے کھیتی باڑی کے لیے وقف کیا گیا ہو تو اس کی پیداوار سے زکوٰۃ دی جائے گی۔ جن جانوروں کا دودھ یا اون تقسیم کرنے کے لیے یا سواری کے لیے ان کی نسل کو وقف کیا ہو تو ان کی زکوٰۃ دینا ہوگی، خواہ زکوٰۃ کے بارے میں کوئی تصریح نہ کی ہو، انہیں مساجد کے لیے یا فقرا کے لیے وقف کیا ہو خواہ فقرا متعین ہوں یا غیر متعین، اگر مالک خود ان وقف جانوروں کا انتظام کرتا ہے، ان کا دودھ وغیرہ خود تقسیم کرتا ہے اور ان کی خوراک، علاج وغیرہ کا خود یا اس کا نمائندہ انتظام کرتا ہو۔ اگر مالک خود ان کا انتظام نہ کرتا ہو بلکہ وہی لوگ ان کا انتظام کرتے ہوں جن متعین لوگوں کے لیے وہ اشیا وقف ہیں انہوں نے ان پر قبضہ کر لیا ہو اور خود کاشت کرتے ہیں اور پیداوار اپنے درمیان تقسیم کر لیتے ہیں اور اگر ان میں سے ہر ایک کو مقدار نصاب مال مل جاتا ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔ اگر ان کے پاس اپنا اتنا مال ہو کہ

اسے ملا کر مالک نصاب ہو جاتے ہیں تو بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

شافعیہ کہتے ہیں جن باغات کے پھل اور جن علاقوں کے غلے مساجد، پلوں اور سراؤں (۱۵۳) وغیرہ اور فقرا اور مساکین کے لیے وقف ہوں ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کیوں کہ ان کا کوئی متعین مالک نہیں ہے۔

حنابلہ نے فرق کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کوئی جانور، زمین کی پیداوار اور درخت کا منافع کسی متعین فرد یا افراد کے لیے وقف ہے اور ہر ایک کا حصہ نصاب کی مقدار کو پہنچتا ہے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے اور اگر غیر متعین افراد یا مسجد کے لیے وقف ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

## ۹۔ کرائے پر لی ہوئی زمین کی زکوٰۃ:

کیا کرائے پر لی ہوئی زمین میں زکوٰۃ مالک پر ہے یا کرایہ دار پر، اس میں فقہاء کی دو آراء ہیں (۱۵۵)۔

امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ زمین کی زکوٰۃ مالک پر ہے کیوں کہ اس کا فائدہ اسے پہنچ رہا ہے، یہ مقرر خراج کی طرح ہے، زمین کا کرایہ مالک وصول کرتا ہے اس لیے گویا اس نے خود کاشت کی ہے اور زکوٰۃ کے وجوب کے لیے اصل زمین ہی ہے۔

صاحبین اس رائے کے خلاف ہیں، ان کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ کرایہ دار پر ہے کیوں کہ عشر پیداوار پر واجب ہوتا ہے اور پیداوار کا مالک کرایہ دار ہے۔ اس پر عشر اسی طرح واجب ہے جیسے عاریت پر کوئی چیز لینے والے پر واجب ہوتا ہے، لیکن فتویٰ امام ابوحنیفہؒ کی رائے پر ہے اور عمل بھی اسی پر ہے کیوں کہ وہ ظاہر الروایت ہے۔ متاخرین احناف کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر کرایہ دار پر زکوٰۃ واجب کرنا فقرا کے لیے زیادہ سود مند ہے تو

انہیں پر واجب ہوگی۔

جمہور کی رائے یہ ہے اگر کسی شخص نے زمین کرایے پر لے کر عاریتاً لے کر کاشت کی یا اس میں درخت لگائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ زکوٰۃ کرایہ دار پر اور عاریتاً لینے والے پر ہے، زمین کے مالک پر نہیں ہے کیوں کہ زکوٰۃ پیداوار پر واجب ہوتی ہے اس لیے پیداوار کے مالک پر واجب ہوگی یعنی کرایہ دار اور عاریتاً لینے والے پر، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: **وَاتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (الانعام ۶: ۱۴۱) فصل کا حق اسے کاٹنے کے دن ادا کرو** نیز ارشاد نبویؐ ہے: **”جو کھیتی بارش سے سیراب ہو اس میں عشر ہے“**۔ زمین کے مالک پر زکوٰۃ واجب کرنا زیادتی ہے جو باہمی ہمدردی کے منافی ہے۔ نیز عشر پیداوار پر واجب ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ اگر زمین کاشت نہ کی جائے تو عشر واجب نہیں ہوتا اور جتنی پیداوار ہوگی اسی قدر عشر ہوگا۔

### ۱۰۔ خراجی زمین کی زکوٰۃ:

زمین کی دو قسمیں: زمین کی دو قسمیں ہیں: عشری اور خراجی (۱۵۶)۔

عشری وہ زمین ہے جس پر عشر واجب ہے اور عشر میں عبادت کا مفہوم ہے۔ عشری زمینیں درج ذیل ہیں:

الف۔ عرب کی سرزمین عنذیب (کوفہ کا ایک گاؤں) سے یمن اور عدن کی آخری حدود تک کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے عرب کی سرزمین سے خراج وصول نہیں کیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ عرب کی زمین عشری ہے۔

ب۔ جس جگہ کے رہنے والے اپنی خوشی سے اسلام قبول کر لیں، ان کی زمین اسلامی سرزمین ہوگی، ان پر عشر نافذ ہوگا، کیوں کہ اس میں عبادت کا پہلو ہے۔

ج۔ جو زمین بزور فتح کی گئی ہو اور غنیمت کے طور پر مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئی ہو، اس کی وجہ بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہے۔

د۔ مسلمان کا گھر، اسے باغ بنا لیا گیا ہو، اگر عشری پانی سے سیراب ہوتا ہو۔ اور اگر خارجی پانی سے سیراب ہوتا ہو تو خارجی ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک جو بنجر زمین کوئی مسلمان حکمران کی اجازت سے آباد کر لے تو امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اگر عشری زمین کے علاقے میں ہے تو عشری ہوگی اور اگر خارجی زمین کے علاقے میں ہے تو خارجی ہوگی۔ بصرہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عشری ہے کیوں کہ اس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔

امام محمدؒ کہتے ہیں، اگر بارش کے پانی سے یا کنواں کھود کر یا ایسے بڑے دریاؤں سے جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا مثلاً دجلہ اور فرات بنجر زمین آباد کی گئی تو وہ عشری ہے اور اگر عجیبوں کے دریاؤں سے نہر کھود کر آباد کی گئی تو خارجی ہے۔

خارجی زمین وہ ہے جس پر خراج واجب ہے کیوں کہ اصل میں یہ کفار کی زمین ہے جو زور اور قوت کے استعمال سے فتح کی گئی اور مسلم حکمرانوں نے وہاں کے رہنے والوں پر احسان کرتے ہوئے ان کے پاس رہنے دی البتہ اگر وہ لوگ اسلام قبول نہ کریں تو ان پر جزیہ لگا دیا گیا اور ان کی زمینوں پر خراج، خواہ اسلام قبول کریں یا نہ کریں جیسے سواد عراق، شام، مصر اور ہندوستان کی زمینیں۔

یہ حنفیہ کی رائے ہے۔ جمہور کے نزدیک (۱۵۷) خارجی زمین کی تین قسمیں ہیں:

- ۱۔ جو بزور فتح کی گئی ہو اور غنیمت کے طور پر مسلمان فاتحین کے مابین تقسیم نہ کی گئی ہو۔
- ۲۔ جس جگہ سے لوگ مسلمانوں کے خوف سے ترک سکونت کر گئے ہوں۔

۳۔ جس جگہ کے رہنے والوں سے اس شرط پر صلح ہوئی ہو کہ زمین ان کے پاس رہے گی اور مسلم حکمران جو خراج ان پر لگائیں گے وہ ادا کریں گے۔

عشری زمین وہ ہے جس پر خراج نہیں ہے کیوں کہ وہ ان لوگوں کی اپنی ملکیت ہے۔ ایسی ملکیتی زمین کی پانچ قسمیں ہیں:

۱۔ جس جگہ کے رہنے والے مسلمان ہو گئے ہوں جیسے مدینہ منورہ اور بحرین کا قصبہ جو اٹھی۔

۲۔ جس جگہ کو مسلمانوں نے آباد کیا ہو اور اس کی تعمیر و ترقی انجام دی ہو، جیسے بصرہ جو ۱۸ھ میں عراق کی زمین وقف کرنے کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت کے دوران آباد ہوا، جو عراق کی حدود میں شامل ہے لیکن اس کے حکم میں نہیں ہے۔

۳۔ جس علاقے کے لوگوں سے اس شرط پر صلح ہو جائے کہ وہ خراج کے بجائے عشر ادا کریں گے جیسے یمن۔

۴۔ خلفائے راشدین نے سواد عراق کے جو علاقے لوگوں کو ملکیتی جاگیر کے طور پر دے دیے تھے۔

۵۔ جو علاقہ قوت استعمال کر کے فتح کیا گیا اور فوجیوں میں تقسیم کر دیا گیا مثلاً خیبر کا نصف حصہ (مدینہ سے شام کی جانب چار منزلوں کے فاصلے پر ہے)۔

خراج کی دو قسمیں: خراج کی دو قسمیں ہیں: خراج وظیفہ اور خراج مقاسمہ (۱۵۸)۔

خراج وظیفہ وہ مقررہ ٹیکس ہے جو زمین پر لگایا جاتا ہے خواہ اس کا مالک اسے کاشت کرے یا نہ کرے۔ حضرت عمرؓ نے قابل کاشت زمین کے ایک جریب پر ایک قفیز غلہ اور ایک درہم نقد (۱۵۹) خراج وظیفہ مقرر کیا تھا اور یہ خراج حسب استطاعت وصول کیا

جائے گا۔

خراج مقاسمہ: زمینی پیداوار کا ایک مقررہ حصہ ہے مثلاً نصف یا ایک تہائی یا ایک چوتھائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر فتح کیا تو یہودیوں پر خراج مقاسمہ لگایا تھا۔ یہ عشر کی طرح پیداوار پر لگتا ہے، البتہ اسے خراج کے مصارف میں خرچ کیا جاتا ہے کیوں کہ یہ حقیقتاً خراج ہے۔

علماء کا اتفاق ہے کہ اگر خراجی زمین غیر مسلم کی ملکیت ہو تو اس سے خراج وصول کیا جائے گا عشر نہیں اور اگر عشری زمین مسلمان کی ملکیت ہو تو اس سے عشر وصول کیا جائے گا۔ خراجی زمین کی زکوٰۃ: اگر خراجی زمین کسی مسلمان کی ملکیت ہو جائے تو فقہاء کا اختلاف ہے کہ کیا اس سے صرف خراج ہی لیا جائے گا یا خراج اور عشر دونوں لیے جائیں گے یا خراج عشر میں تبدیل ہو جائے گا؟

۱۔ حنفیہ کی رائے یہ ہے (۱۶۰) کہ اگر زمین خراجی ہے تو اس سے خراج لیا جائے گا، اس کی پیداوار پر عشر وصول نہیں کیا جائے گا۔ ایک زمین سے عشر اور خراج دونوں وصول نہیں کیے جاسکتے۔

۲۔ تینوں ائمہ کی رائے یہ ہے (۱۶۱) کہ خراجی زمین کی پیداوار سے عشر اور خراج دونوں وصول کیے جائیں گے۔

دلائل:

حنفیہ کے دلائل یہ ہیں:

الف۔ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مسلمان کی

زمین میں عشر اور خراج جمع نہیں ہو سکتے“ (۱۶۲)۔

ب۔ مسلمانوں کے عادل اور ظالم حکمرانوں میں سے کسی نے بھی سواد عراق کی زمین سے عشر نہیں لیا، اس لیے خراج کے ساتھ عشر واجب کرنا اجماع کے خلاف ہے اور باطل ہے۔

ج۔ اگر خراج اور عشر کا سبب ایک ہے کہ زمین پیداوار کے قابل ہو تو ایک زمین میں عشر اور خراج جمع نہیں ہو سکتے جیسے کہ ایک مال میں دو زکوٰتیں جمع نہیں ہو سکتیں، مثلاً جانوروں میں سے جانوروں کی اور مال تجارت کی دونوں زکوٰتیں نہیں لی جا سکتیں۔

جمہور نے درج ذیل امور سے استدلال کیا ہے:

الف۔ ان آیات اور احادیث کے عموم سے جن کا ہم نے زمین پر فرضیت زکوٰۃ کے ذیل میں ذکر کیا، اور جن سے زکوٰۃ کی فرضیت معلوم ہوتی ہے خواہ زمین خراجی ہو یا عشری۔

ب۔ خراج اور عشر اپنی ذات، محل، سبب، مصرف اور دلیل کے اعتبار سے دو الگ الگ حقوق ہیں۔ ذات کے اعتبار سے اس طرح کہ عشر میں عبادت کا مفہوم ہے اور خراج میں سزا کا۔ محل میں اس طرح اختلاف ہے کہ عشر پیداوار پر واجب ہے اور خراج شخص پر۔ سبب میں اس طرح اختلاف ہے کہ عشر پیداوار ہی پر واجب ہے، پیداوار کے بغیر واجب نہیں ہوتا اور خراج زمین کے قابل کاشت ہونے پر کیوں کہ اگر اسے کاشت نہ کیا جائے تب بھی خراج واجب ہے۔ مصرف میں اس طرح اختلاف ہے کہ عشر کا مصرف فقرا ہیں اور خراج کا مصرف رفاہی یا دفاعی ضرورتیں ہیں۔ دلیل میں اس طرح اختلاف ہے کہ عشر کی دلیل نص ہے اور خراج کی دلیل اجتہاد ہے جو مصلحتوں کی رعایت پر مبنی ہے۔

جب ان تمام طریقوں سے عشر اور خراج میں اختلاف ثابت ہو گیا تو دونوں کے اکٹھا ہونے میں کوئی حرج نہیں، ایک کے وجوب سے دوسرے کے وجوب پر کوئی فرق



نہیں پڑتا جیسے کوئی شخص حرم مکی میں کسی کا مملوکہ شکار مار دے تو اسے جزا اور قیمت دونوں دینے پڑیں گے۔

جمہور کی رائے کو ترجیح ہے کیوں کہ حنفیہ کی حدیث ضعیف ہے۔ نیز خراج اجتہاد کے ذریعے واجب کیا گیا ہے، تاکہ مسلمانوں کی جماعت کو تقویت ملے اور عوام کی ضرورتیں پوری کی جاسکیں جب کہ عشر مسلمانوں کی دینی ذمہ داری ہے۔ اس لیے ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ خراج میں سزا کا مفہوم نہیں ہے اس لیے کہ اگر یہ سزا ہوتی تو جزیے کی طرح خراج بھی مسلمانوں پر واجب نہ ہو سکتا۔

بعض حنفیہ مثلاً ابن عابدین (ردالمحتار ۲: ۶۷) وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ مصر و شام کی خارجی زمینیں جب بیت المال کے تصرف میں آگئیں تو ان پر سے خراج ختم کر دیا گیا کیوں کہ کوئی ایسا شخص نہیں تھا جس سے خراج لیا جاتا۔ اب ان زمینوں کا کرایہ لیا جاتا ہے، خراج نہیں اور ان پر اب عشر واجب ہے۔

۱۱۔ ٹیکس وصول کرنے والا اور عشور کا ٹیکس (۱۶۳):

عاشر: ٹیکس وصول کرنے والا، وہ شخص جسے حکمران گزرگاہ پر مقرر کرے کہ وہاں سے گزرنے والے تاجروں سے ٹیکس وصول کرے۔ اگر اس کے اور تاجروں کے درمیان اختلاف ہو جائے اور کوئی تاجر یہ کہے کہ ابھی سال پورا نہیں ہوا یا اس کے مال تجارت پر قرض ہے، اس لیے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی تو تاجر سے قسم لی جائے گی اور قسم کھالے تو اس کا قول معتبر ہوگا۔

اسی طرح اگر وہ قسم کھا کر کہے کہ اس نے دوسرے ٹیکس وصول کرنے والے کو ٹیکس دے دیا ہے یا اپنے شہر کے فقرا کو خود زکوٰۃ دے دی ہے تو اس کی بات سچ مان لی جائے گی۔

جو باتیں ایک مسلمان کی سچ مانی جائیں گی وہ ذمی (اسلامی ریاست کا غیر مسلم شہری) کی بھی سچ مانی جائیں گی۔ ذمیوں کے بارے میں ذمی کا یہی تقاضا ہے۔ ٹیکس وصول کرنے والا مسلمان تاجر سے عشر کا ایک چوتھائی، غیر مسلم لیکن اسلامی ریاست کے شہری سے نصف عشر اور غیر اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری سے پورا عشر وصول کرے، کیوں کہ محمد بن حسن نے زیاد بن حدیر سے روایت کی ہے کہ: ”حضرت عمرؓ بن الخطاب نے انہیں عین التمر کے مقام پر لوگوں سے ٹیکس وصول کرنے کے لیے بھیجا اور انہیں کہا کہ جب مسلمان تاجر وہاں سے مال لے کر گزریں تو ان سے عشر کا چوتھائی، ذمیوں سے نصف عشر اور حربی تاجروں سے عشر وصول کریں۔“

حنفیہ کے نزدیک حربی تاجروں یعنی غیر مسلم ریاست کے غیر مسلم باشندوں سے اتنا لیا جائے جتنا وہ مسلمان تاجروں سے لیتے ہیں۔ اگر مسلمان تاجروں سے کچھ نہیں لیتے تو ان کے تاجروں سے کچھ نہ لیا جائے تاکہ وہ ہمارے تاجروں سے لینا نہ شروع کر دیں۔ یوں بھی ہمیں زیادہ عمدہ اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اگر کوئی حربی تاجر پچاس درہم لے کر گزرے تو اس سے کچھ نہ لیا جائے، ہاں اگر وہ مسلمانوں سے اتنی رقم پر ٹیکس لیتے ہیں تو ان سے بھی لیا جائے۔ کیوں کہ جو ٹیکس لیا جاتا ہے وہ زکوٰۃ ہے یا زکوٰۃ کا دوگنا ہے، اس لیے مقدار نصاب مال ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی حربی تاجر دو سو درہم لے کر گزرے (جو مقدار نصاب ہے) اور یہ معلوم نہ ہو کہ کفار ہم سے کتنی مقدار لیتے ہیں تو اس سے عشر لے لیا جائے کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ”اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو عشر لیا کرو۔“

اگر کوئی حربی تاجر کسی ٹیکس وصول کرنے والے کے پاس سے گزرے اور وہ اس سے عشر لے لے، پھر سال پورا ہونے سے پہلے وہیں سے گزرے تو اس سے دوبارہ ٹیکس نہ

لے کیوں کہ ہر بار ٹیکس لینا مال کو ختم کرنے کے مترادف ہے اور ٹیکس لینے کا مقصد مال کی حفاظت ہے اور ابھی پہلے ٹیکس کا حق باقی ہے۔ البتہ سال ختم ہونے کے بعد دوبارہ حفاظت کے لیے ٹیکس ادا کرے کیوں کہ دارالاسلام میں ایک سال سے زیادہ ٹھہرنا ممکن نہیں اور اس کے بعد دوبارہ ٹیکس وصول کرنا مال کے خاتمے کا باعث نہیں بنتا۔

اگر حربی تاجر نے ٹیکس دے دیا، اور واپس دارالحرب میں چلا گیا، پھر اسی روز سامان لے کر دوبارہ نکلا تو پھر ٹیکس دے، کیوں کہ اسے نئے سرے سے تحفظ کی ضرورت ہے اور دوبارہ اس سے ٹیکس وصول کرنا مال کے خاتمے کا باعث نہیں ہے۔

اگر ذمی شراب یا خنزیر تجارت کی غرض سے لے کر گزرے اور ان کی قیمت دو سو درہم کو پہنچتی ہو تو امام ابوحنیفہ اور محمد کے نزدیک شراب کی قیمت سے عشر لیا جائے لیکن خنزیر کی قیمت سے نہیں، کیوں کہ ٹیکس کی وصولی حفاظت کے لیے ہے اور مسلمان اپنی شراب کی حفاظت کر سکتا ہے تاکہ اس کا سرکہ بنالے۔ اسی طرح دوسرے (ذمی) کی شراب کی حفاظت بھی ضروری ہے، لیکن اپنے خنزیر کی حفاظت نہیں کر سکتا بلکہ اسلام قبول کرتے ہی انہیں چھوڑ دینا واجب ہے پس کسی دوسرے کے خنزیروں کی بھی حفاظت نہیں کی جاسکتی۔ امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں اگر دونوں چیزیں اکٹھی لے کر نکلے تو ان سے ٹیکس وصول کر لے، گویا انہوں نے خنزیر کو شراب کے تابع کر لیا ہے اور اگر الگ الگ لے کر گزرے تو شراب سے ٹیکس لیا جائے، خنزیر سے نہیں۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں، ان سے عشر نہ لیا جائے، کیوں کہ ان کی قیمت نہیں۔

اگر کوئی حربی مضارب کسی دوسرے کا اتنا مال لے کر ٹیکس وصول کرنے والے کے پاس سے گزرے جو دو سو درہم کے برابر ہو تو اس سے ٹیکس نہ لیا جائے کیوں کہ نہ تو وہ خود

مالک ہے اور نہ زکوٰۃ ادا کرنے میں مالک کا نائب ہے البتہ اگر اس کا اپنا منافع نصاب کی مقدار کے برابر ہو تو اس سے ٹیکس لے لیا جائے کیوں کہ اپنے منافع کا وہ خود مالک ہے۔

## ۱۲۔ زکوٰۃ نکالنا اور زکوٰۃ معاف کرنا:

یہاں ہم چند موضوعات پر بحث کریں گے:

### ۱۔ زکوٰۃ نکالنے کا رکن:

زکوٰۃ نکالنے کا رکن مالک بنانا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: و آتوا حقه يوم حصاده (الانعام ۶: ۱۳۱)؛ فصل کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو) دینے کا مطلب یا ادا کرنے کا مطلب مالک بنانا ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: و آتوا الزکوٰۃ (البقرہ ۲: ۲۷۷) اور زکوٰۃ دیا کرو) پس اگر کسی کے لیے کھانا مباح کر دیا گیا اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، نیز جہاں کوئی مالک بنانا نہیں ہوتا جیسے مسجد کی تعمیر وغیرہ، وہاں زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ (۱۶۴)

### ۲۔ زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ:

اس امر میں علماء میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر جس مال میں زکوٰۃ واجب ہے وہ ایک ہی نوع ہے تو اسی سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی، عمدہ ہو، چاہے ردی، کیوں کہ فقرا کا حق ہمدردی کے طور پر واجب ہے پس فقرا گویا اس مال میں شریک ہیں۔

اگر مال کئی انواع کا ہے تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک بطور خاص ہر نوع سے الگ الگ لی جائے، جب کہ امام مالک کہتے ہیں۔ درمیانی نوع سے لی جائے، اعلیٰ سے نہ ادنیٰ سے اور ہر نوع سے لینے کی ضرورت نہیں کیوں کہ اس میں مشقت ہے البتہ اگر زکوٰۃ دینے والا اپنی خوشی سے اعلیٰ نوع سے دے دے تو لے لی جائے۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ہر نوع میں سے ایک حصہ زکوٰۃ کے طور پر لی جائے اور اگر مشکل ہو تو درمیانی نوع لے لی جائے اس پر اتفاق ہے کہ ردی مال زکوٰۃ میں دینا جائز نہیں کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: وَلَا تِمْمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تَنْفِقُونَ (۱۶۵) (البقرة ۲: ۲۶۷)؛ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے گھٹیا مال دینے کی نیت نہ کرو۔

ردی مال میں سے چھانٹ کر عمدہ مال لینا بھی جائز نہیں کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”لوگوں کے عمدہ مال نہ لیا کرو (۱۶۶) ہاں اگر مال کا مالک خوشی سے عمدہ مال دے تو جائز ہے۔“

### ۳۔ زکوٰۃ نکالنے کا وقت:

غلے کی زکوٰۃ اس وقت لی جائے جب اسے صاف کر دیا جائے اور پھلوں کی اس وقت جب وہ خشک ہو جائیں، اس پر اتفاق ہے (۱۶۷) کیوں کہ اسی وقت یہ چیزیں اپنے کمال کو پہنچتی ہیں اور ان کے ذخیرہ کرنے کا وقت یہی ہے اور صفائی، کٹائی، خشک کرنے کے اخراجات زکوٰۃ نکالنے تک مالک کی ذمہ داری ہے۔ ان اخراجات میں سے کچھ بھی زکوٰۃ سے منہا نہیں کیا جائے گا۔ کیوں کہ پھل بھی جانوروں کی طرح ہیں اور جانوروں کو سنبھالنے، پالنے، رکھوالی کرنے اور ان کی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری زکوٰۃ نکالنے تک مالک کی ہے۔

اگر زکوٰۃ وصول کرنے والے نے غلہ یا پھل خشک ہونے سے پہلے زکوٰۃ وصول کر لی تو غلط کیا، اگر ابھی اسی طرح تازہ ہوں تو واپس کر دے اور اگر ضائع ہو گئے تو ان کی مثل واپس کرے اور اگر انہیں خشک کر لیا اور وہ زکوٰۃ کی مقدار کے برابر ہیں تو زکوٰۃ ادا ہوگئی اور اگر کم ہیں تو باقی وصول کرے اور اگر زیادہ ہیں تو زائد واپس کرے۔

اگر مال کے مالک نے زکوٰۃ نکالی تھی تو کافی نہیں بلکہ خشک ہونے کے بعد باقی زکوٰۃ بھی دے کیوں کہ اس نے فرض ادا نہیں کیا، اس لیے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی جیسے کہ

بڑے جانوروں کی زکوٰۃ میں چھوٹا جانور دے دیا جائے۔

۴۔ پھلوں کا اندازہ کر کے زکوٰۃ مقرر کرنا:

خرص، حزر، تخمین کا مطلب ہے کسی عادل تجربہ کار آدمی کے ذریعے پیداوار کا اندازہ کرنا۔ حنفیہ نے کہا ہے کہ اندازہ کرنا درست نہیں اس لیے یہ غیب کی بات بتانا ہے اور ظن اور تخمین کی بنا پر کوئی حکم واجب نہیں ہوتا جیسا کہ حنفیہ قرعہ اندازی کو بھی جائز نہیں سمجھتے۔ اندازہ کرنے کا طریقہ اس لیے اختیار کیا گیا تھا کہ کاشتکار خیانت نہ کریں (۱۶۸)۔

جمہور کی رائے یہ ہے (۱۶۹) کہ پھلوں میں سے کھجور اور انگور کا اندازہ کرنا سنت ہے، دوسرے پھلوں مثلاً زیتون کا نہیں، اندازہ اس وقت کیا جائے جب پھل ظاہر ہو جائیں اور استعمال کے قابل ہوں، اس سے پہلے نہیں۔ حاکم کو چاہے کہ جب پھل استعمال کے قابل ہو جائیں تو زکوٰۃ وصول کرنے والے کو بھیجے، تاکہ وہ اندازہ کر کے بتائے کہ کتنی زکوٰۃ واجب ہے اور مالک کو بھی بتا دے۔ اگر حاکم کسی کو نہ بھیجے تو مالک خود کسی تجربہ کار آدمی کی خدمات حاصل کر کے یہ اندازہ کروالے کہ اس کے باغ میں کتنی کھجوریں اور انگور ہیں خواہ وہ اس قسم سے ہیں جو خشک ہوتے ہیں یا وہ قسم ہے جو خشک نہیں ہوتی جیسے مصری کھجوریں اور انگور تاکہ اسے معلوم ہو کہ اس پر ان دونوں پھلوں میں کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے افراد کو بھیجتے تھے جو انگور اور کھجوروں کا اندازہ کر کے لوگوں کو بتاتے تھے“۔ عتاب بن اسید کہتے ہیں کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ انگوروں کا بھی اس طرح اندازہ کیا جائے جیسے کھجوروں کا کیا جاتا ہے اور جب انگور خشک ہو کر کشمش ہو جائیں تو زکوٰۃ وصول کی جائے جیسے کہ کھجوریں جب خشک ہو جاتی ہیں تو زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے“ (۱۷۰)۔

ایک تہائی یا ایک چوتھائی چھوڑ دینا: اندازہ کرنے میں سارے پھل شامل کیے جائیں اور اندازہ کرنے والا شافیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایک تہائی یا ایک چوتھائی چھوڑ دے تاکہ مال والوں کے لیے آسانی ہو، کیوں کہ سہل بن ابی حاتمہؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب اندازہ کرو تو زکوٰۃ لے لو لیکن ایک تہائی چھوڑ دو، اگر ایک تہائی نہ چھوڑ سکو تو ایک چوتھائی چھوڑ دو“ (۱۷۱)۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک کچھ نہ چھوڑا جائے، کیوں کہ سہل کی حدیث کی سند میں ایک راوی ایسا ہے جس کے حالات کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، جیسا کہ ابن القطان نے کہا۔

ایک ہی اندازہ کرنے والے پر اکتفا کرنا:

ایک ہی اندازہ کرنے والا کافی ہوتا ہے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن رواحہؓ کو بھیجا کرتے تھے وہ کھجوروں کا اندازہ کیا کرتے تھے، جب وہ استعمال کے قابل ہو جائیں (۱۷۲)۔ ان کے ساتھ کسی اور کو بھیجنے کا کوئی ذکر نہیں۔ اندازہ کرنے والا وہی کام کرتا ہے جو اس کا اجتہاد اسے بتاتا ہے، اندازہ کرنے والا حاکم اور قیافہ شناس کی طرح ہے۔

اندازہ کرنے والے کی شرائط:

اندازہ کرنے والے کے لیے شرط یہ ہے کہ عادل اور امین ہو کیوں کہ فاسق کی بات قبول نہیں کی جاتی، آزاد ہو، مرد ہو کیوں کہ اندازہ کرنا ولایت (ولی ہونا) ہے اور غلام اور عورت ولایت کے اہل نہیں ہوتے۔ ضروری ہے وہ شخص اندازہ کرنے کا ماہر ہو کیوں کہ یہ اجتہاد ہے اور کسی معاملے سے ناواقف شخص اس کے بارے میں اجتہاد نہیں کر سکتا۔

اندازہ کرنے کا طریقہ:

مختلف پھلوں کا اندازہ کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔ اگر پھل ایک ہی نوع ہو تو ہر

کھجور یا ہر درخت کے ارد گرد گھومے اور تمام کھجوروں، انگوروں کو دیکھے، پھر اندازہ کرے کہ اس سے خشک کھجوریں کتنی ہوں گی۔ اگر کئی انواع ہوں تو ہر نوع کا الگ اندازہ کرے کیوں کہ مختلف انواع میں فرق ہوتا ہے، کچھ ایسی ہوتی ہیں کہ تازہ زیادہ ہوتی ہیں اور خشک ہو کر کم ہو جاتی ہیں اور کچھ اس کے برعکس، یہی حال انگوروں کا ہے۔ جب اندازہ کرنے والا اندازہ کر کے مالک کو زکوٰۃ کی مقدار سے آگاہ کر دے تو اس کے بعد مالک کو اختیار دے دے کہ وہ چاہے تو زکوٰۃ کی مقدار ادا کرنے کی ذمہ داری اٹھالے، اور پھلوں میں جیسے چاہے تصرف کرے اور کھائے یا پھل تیار ہونے اور خشک ہونے تک ان کی حفاظت کرے۔

اگر مالک دوسری صورت یعنی حفاظت کرنے کو اختیار کرے، پھر اس کی اپنی کوتاہی سے پھل ضائع ہو جائے تو اندازے کے مطابق فقرا کا جتنا حصہ تھا اس کی ذمہ داری مالک پر ہوگی اور اگر کوئی اجنبی ضائع کر دے تو جتنا نقصان ہوا اس کی قیمت اس پر کے ہوگی اور اگر کسی آسمانی آفت سے ضائع ہو جائے تو مالک پر سے اندازے مطابق زکوٰۃ مقرر کرنے کے احکام ساقط ہو جائیں گے کیوں کہ زکوٰۃ کے ثبوت سے پہلے پھل ضائع ہو گیا اور جتنا پھل ضائع ہو گیا، اس کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اور اگر سارا تلف نہ ہوا ہو تو باقی اگر نصاب کے برابر ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرے۔

اگر مالک یہ دعویٰ کرے کہ اس کی زیادتی کے بغیر پھل ضائع یا تباہ ہو گیا کسی مخفی سبب مثلاً چوری وغیرہ یا کسی ظاہری سبب مثلاً آگ لگنے، سردی یا لوٹ مار سے تو شافیہ کے نزدیک اس سے قسم لے کر اس کی تصدیق کر دی جائے اور حنابلہ کے نزدیک بغیر قسم کے اسے سچا سمجھا جائے۔

اندازہ کرنے والے کی غلطی:

اگر اندازہ کرنے والا اندازے میں غلطی کر کے کم یا زیادہ اندازہ کرے تو امام مالکؒ



کے نزدیک مالک کے لیے اندازے کرنے والا اندازے کی پابندی واجب ہے، کم ہو چاہے زیادہ، بشرطیکہ زکوٰۃ اصل زکوٰۃ کے قریب قریب ہو کیوں کہ یہ ایک ایسا حکم ہے جو ہو چکا اور اس میں کوئی نقص نہیں ہے (۱۷۳)۔

شافعیہ کہتے ہیں (۱۷۴) اگر مالک اندازہ کرنے والے کے ایسے ظلم یا غلطی کی شکایت کرے جو بالعموم نہیں ہوتی یعنی ماہر اندازہ کرنے والے ایسا نہیں کرتے جیسے ایک چوتھائی کا فرق ہو تو مالک کی بات بغیر ثبوت کے قبول نہیں کی جائے گی اور اگر غلطی کا احتمال ہو تو اصح روایت یہ ہے کہ قبول کی جائے گی اور جتنی غلطی کا اس نے دعویٰ کیا ہے اتنی مقدار کم کر دی جائے گی کیوں کہ وہ امین ہے۔ اگر وہ ماپ کے وقت یہ دعویٰ کرے کہ اندازہ غلط تھا تو اس کی بات مانی جائے گی کیوں کہ ماپ یقینی چیز ہے اور اندازہ تو محض اندازہ ہے اس لیے یقین پر عمل کریں گے۔

حنابلہ کا قول یہ ہے (۱۷۵) کہ اگر مال کا مالک اندازہ کرنے والے کی غلطی کا دعویٰ کرے اور اس کے دعویٰ کے درست ہونے کا احتمال ہو تو اس سے قسم لیے بغیر اس کا قول مان لیا جائے اور اگر اس کے دعویٰ کے درست ہونے کا احتمال نہ ہو مثلاً وہ نصف اندازہ غلط ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کی بات قبول نہ کی جائے کیوں کہ اتنی بڑی غلطی کا امکان نہیں ہوتا اس سے اس کا جھوٹ معلوم ہو جاتا ہے۔ اگر وہ کہے کہ مجھے تو صرف اس قدر پیداوار حاصل ہوتی ہے جو یہ میرے پاس ہے تو قسم کے بغیر اس کی بات مان لی جائے کیوں کہ ہو سکتا ہے کسی نامعلوم آفت کے باعث فصل کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا ہو۔

۵۔ زمینی پیداوار کی زکوٰۃ کن وجوہ سے ساقط ہو جاتی ہے؟

حنفیہ اور دوسرے فقہاء کہتے ہیں (۱۷۶) اگر مالک کے اختیار کے بغیر زمینی پیداوار پر

زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد ضائع ہو جائے تو زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے، کیوں کہ زکوٰۃ پیداوار میں واجب تھی، جب پیداوار ہی نہ رہی تو زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی جیسے کہ سال گزرنے کے بعد نصاب زکوٰۃ ضائع ہو جائے۔

اگر خود پھل یا کھیتی تباہ کر دی تو اگر مالک کے سوا کسی اور نے کی تو اس سے تاوان لیا جائے گا اور عشر ادا کر دیا جائے گا اور اگر کچھ حصہ ضائع کیا تو ضائع شدہ حصے کی زکوٰۃ، تاوان سے ادا کی جائے گی اور اگر مالک نے خود ساری یا کچھ فصل ضائع کر دی مثلاً کھالی تو جتنی ضائع کی اس کے عشر کا ذمہ دار ہوگا اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اتنی مقدار کا عشر اس کے ذمے قرض ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو اس پر عشر واجب نہیں رہتا کیوں کہ عشر عبادت ہے اور کافر عبادت کی اہلیت نہیں رکھتا، دوسرے فقہاء کا اس میں اختلاف ہے۔

اگر مالک وصیت کیے بغیر عشر ادا کرنے سے پہلے مر جائے اور پیداوار ضائع کر دی گئی ہو تو حنفیہ کے نزدیک عشر واجب نہیں رہتا جیسا کہ زکوٰۃ کی دوسری قسمیں واجب نہیں رہتیں البتہ اگر پیداوار بعینہ موجود ہو تو حنفیہ کی ظاہر الروایۃ کے مطابق اس کا عشر ادا کیا جائے۔

### مطلب پنجم: جانوروں اور مویشیوں پر زکوٰۃ:

جانوروں کی زکوٰۃ کا شرعی حکم، اس کی شرائط، ان کی اقسام اور ہر قسم کا نصاب۔ جانوروں وغیرہ میں شریک دو مالکوں کی زکوٰۃ کا حکم۔ جانوروں کی زکوٰۃ کے متفرق احکام (کیا زکوٰۃ جانوروں کی ذات میں واجب ہے یا مالک کے ذمہ ہوتی ہے؟) زکوٰۃ میں قیمت کی ادائیگی، بعض اجناس کی قسموں کو آپس میں ملانا، بچے زکوٰۃ میں اصل جانوروں کے تابع ہوتے ہیں، سال کے دوران جانوروں میں اضافہ، نصاب میں زکوٰۃ

ہے، جو حصہ معاف ہے اس میں زکوٰۃ نہیں، زکوٰۃ وصول کرنے والا کس قسم کا مال زکوٰۃ میں لے؟۔

۱۔ جانوروں پر زکوٰۃ کا شرعی حکم:

جانوروں کی زکوٰۃ کا حکم سنت نبویؐ سے ثابت ہے۔ اس سلسلے میں متعدد صحیح اور حسن احادیث ہیں، جن میں سے دو بہت مشہور ہیں۔

۱۔ حضرت ابو بکرؓ کی حدیث (۱۷۷) جس میں اونٹوں کی زکوٰۃ کا نصاب اور مقدار زکوٰۃ، دوسرے جانوروں کی زکوٰۃ کا نصاب اور مقدار، دو شریکوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ، زکوٰۃ کے لیے کس قسم کے جانور لینے کا حکم ہے، یعنی درمیانے درجے کے، جو نہ بوڑھے ہوں نہ اندھے ہوں اور نہ نر ہوں البتہ اگر زکوٰۃ وصول کرنے والا چاہے تو لے سکتا ہے (۱۷۸) اونٹوں کی زکوٰۃ میں ایک دوسرے کے بدلے میں کس قسم کے اونٹ لینے جائز ہیں اور چاندی کی زکوٰۃ اڑھائی فی صد ہے۔

۲۔ حضرت معاذؓ کی حدیث جس میں گائیوں کی زکوٰۃ کا بیان ہے (۱۷۹)۔

جانوروں میں زکوٰۃ کی فرضیت پر علماء کا اجماع ہے (۱۸۰)۔ اونٹ اور گائے اور گھریلو بھیڑ بکریوں میں زکوٰۃ واجب ہے۔ گھوڑے، غلام، خچر، گدھے اور ہرن میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب ہے، صاحبین کے نزدیک نہیں اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

۲۔ جانوروں پر زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط:

فقہاء نے جانوروں میں زکوٰۃ کے وجوب کی پانچ شرائط بیان کی ہیں۔ جن میں سے بعض میں اختلاف ہے۔

شرائط درج ذیل ہیں (۱۸۱)۔

۱۔ جانور یعنی اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری گھریلو ہوں، جنگلی نہ ہوں، ایسے جانور جو گھریلو اور جنگلی جانوروں کے ملاپ سے پیدا ہوئے ہوں مثلاً بکری اور ہرن کا مشترکہ بچہ یا گھریلو اور جنگلی گائے بیل کا مشترکہ بچہ تو ان میں شافیہ کے نزدیک اور مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق زکوٰۃ واجب نہیں ہے کیوں کہ اصل یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب نہیں ہے، کوئی نص موجود نہیں اور نہ اس پر اجماع ہے کیوں کہ ایسے بچوں کو بھیڑ بکری کا نام نہیں دیتے، ایک جنگلی جانور سے پیدا ہونے والا بچہ ایسے ہی ہے جیسے اس کے ماں باپ دونوں جنگلی ہوں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ان میں زکوٰۃ واجب ہے جیسے چرنے والے اور گھر میں چارہ کھانے والے جانوروں کے مشترکہ بچوں میں واجب ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اگر بچے کی ماں گھریلو ہو اور ان کی تعداد نصاب کو پہنچتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں کیوں کہ جانور اپنی ماں کے تابع ہوتے ہیں۔ (۱۸۲)

۲۔ جانوروں کی تعداد مقدار نصاب کو پہنچتی ہو، جو سنت نے متعین کر دی ہے جس کی وضاحت ہر قسم کے جانوروں کے نصاب کے بیان میں آگے آرہی ہے۔

۳۔ جانوروں کے مالک کی ملکیت میں ان پر ایک سال گزر جائے، یعنی ملکیت کے آغاز سے جب ایک سال پورا ہو اور سارا سال ملکیت باقی رہے تب زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر ملکیت میں پورا سال نہ گزرے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیوں کہ حدیث میں ہے: ”جب تک مال پر سال نہ گزرے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی“ (۱۸۳) کیوں کہ سال پورا ہونے سے پہلے مال میں اضافہ نہیں ہوتا۔ البتہ جانوروں کے بچے اس سے مستثنیٰ ہیں کیوں کہ وہ اپنی ماؤں کے تابع ہیں۔

اگر سال کے دوران پورا نصاب یا نصاب سے کم جانوروں سے بذریعہ فروخت وغیرہ ملکیت ختم ہوگئی پھر بذریعہ خرید وغیرہ واپس ملکیت میں آگئے، یا پہلے جانوروں کو نئے ہم جنس جانوروں سے کسی صحیح طریقہ سے تبدیل کر لیا، مثلاً اونٹ، اونٹ سے بدل لیا یا ایک جنس دوسری سے مثلاً اونٹ گائے سے تو اگر یہ مبادلہ تجارت کے لیے نہیں تھا تو سال نئے سرے سے شروع کیا جائے کیوں کہ پہلے جانوروں کی ملکیت کا سال درمیان میں ہی ختم ہو گیا اور اب نئی ملکیت شروع ہوئی ہے، اس لیے نئے سرے سے سال شروع ہو گیا جیسا کہ اوپر مذکور حدیث میں ہے۔

۵۔ جانور چراہ گاہ میں چرنے والے ہوں، یعنی سال کا اکثر حصہ باہر چرچگ کر آتے ہوں، انہیں بندھے ہوئے چارہ نہ دینا پڑتا ہو اور نہ کھیتوں پر کام کرتے ہوں۔ یہ مالکیہ کے سوا جمہور کی شرط ہے، کیوں کہ حدیث میں ہے: ”ہر چالیس چرنے والے اونٹوں پر ایک دو سالہ اونٹنی ہے“ (۱۸۴) اور ”بکریاں اگر چرچگ کر آتی ہوں تو چالیس سے ایک سو بیس تک ایک بکری ہے“ (۱۸۵)۔ گائیوں کو اونٹوں اور بکریوں پر قیاس کریں گے۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک چرنے والے جانور: چرنے والے جانور وہ ہیں جو سال کا اکثر حصہ جنگل وغیرہ میں چرتے چگتے ہیں اور انہیں دودھ کے لیے بانسل بڑھانے کے لیے یا موٹا تازہ ہونے کے لیے پالا جاتا ہو۔ اگر ان کو ذبح کرنے کے لیے یا سواری کے لیے یا بار برداری کے لیے یا کھیتی باڑی کے لیے پالا جا رہا ہو تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اگر انہیں تجارت کے لیے پالا جا رہا ہو تو ان کو مال تجارت کی زکوٰۃ ہے۔ تھوڑا بہت گھر پر چارہ دینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ اکثر کا وہی حکم ہوتا ہے جو کل کا ہے۔ اگر آدھا سال یا آدھے سے زیادہ گھر پر چارہ دینا پڑتا ہو تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

اگر جانور خود چرتے چگتے ہیں، مالک کی نیت یہ نہیں ہے تو حنفیہ کے نزدیک ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ حنابلہ کے نزدیک زکوٰۃ ہے۔

شافعیہ کے نزدیک چرنے والے جانور وہ ہیں جن کو ان کا مالک سارا سال یا سال کا اکثر حصہ ایسی چراگاہ میں چھوڑے جس کی گھاس مباح ہو۔ گھر پر اتنا چارہ دینا جس کے بغیر کسی بڑے نقصان کے بغیر جانور زندہ رہ سکتے ہیں مثلاً ایک دو دن تو اس سے فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ جانور دو دن تک صبر کر سکتے ہیں، تیسرے دن بالعموم نہیں کر سکتے۔ اگر سال کا اکثر حصہ انہیں چارہ دینا پڑتا ہے یا اتنا وقت دینا پڑتا ہے جس میں چارے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے یا زندہ تو رہ سکتے ہیں لیکن ان کا زیادہ نقصان ہو جاتا ہے تو ایسے جانوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں کیوں کہ انہیں پالنے میں مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے۔

اگر جانور خود چرتے ہیں یا کوئی غاصب یا ایسا خریدار جس نے فاسد معاہدے کے تحت جانور خریدے ہوں انہیں چراتا ہو یا جانور کھیت یا پانی نکالنے (رہٹ) کے کام کرتے ہوں تو صحیح تر یہ ہے کہ ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیوں کہ مالک نے خود انہیں نہیں چرایا۔ زکوٰۃ میں اس امر کا اعتبار سے مالک نے چرانے کی نیت کی تھی یا چارہ کھلانے کی، کیوں کہ چرانا زکوٰۃ کے وجوب کا مؤثر عامل ہے اس لیے اس میں نیت کا اعتبار ہے اور چارہ کھلانا زکوٰۃ کے عدم وجوب کا مؤثر عامل ہے۔ اس لیے اس میں نیت کی ضرورت نہیں کیوں کہ اصل یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب نہ ہو، اس وجہ سے شافعیہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ چرانے کا عمل مالک کی طرف سے ہو، اگر جانور خود چرچگ لیتے ہیں یا مالک کے سوا کوئی اور انہیں چراتا ہے تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

مالکیہ کا مذہب یہ ہے (۱۸۶) کہ زکوٰۃ تمام جانوروں میں واجب ہے، خواہ چرتے

ہوں یا انہیں گھر پر چارہ کھلایا جاتا ہو، یا کام کرنے والے ہوں کیوں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث عام ہے کہ ”ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری واجب ہے۔“

دونوں آراء میں اختلاف کی بنیاد، جو ابن رشد نے بیان کی، یہ ہے کہ مطلق اور مقید میں اختلاف ہے اور دلیل خطاب کا عموم سے اختلاف ہے، اور قیاس کا لفظ کے عموم سے اختلاف ہے۔ مطلق تو یہ حدیث ہے: ”ہر چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے“، اور مقید یہ حدیث ہے ”چرنے والی بکریوں میں زکوٰۃ ہے“ جنہوں نے مطلق کو مقید پر ترجیح دی (یعنی مالکیہ نے)۔ انہوں نے کہا کہ چرنے والے اور چارہ کھانے والے دونوں قسم کے جانوروں میں زکوٰۃ ہے۔ اور جنہوں نے مقید کو ترجیح دی (یعنی جمہور) انہوں نے کہا کہ صرف چرنے والے جانوروں میں زکوٰۃ ہے، اور بالعموم مقید کو مطلق پر ترجیح دی جاتی ہے نہ کہ مطلق کو مقید پر۔

دلیل خطاب یعنی مفہوم مخالف یہ ہے کہ حدیث میں ہے: ”چرنے والی بکریاں“ کا لفظ آیا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ چارہ کھانے والی بکریوں میں زکوٰۃ واجب نہ ہو اور دوسری حدیث ”چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے“ کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ چرنے والی اور چارہ کھانے والی برابر ہوں۔ مالکیہ نے اس اصول کو اختیار کیا کہ لفظ کا عموم دلیل خطاب یعنی مفہوم مخالف کی بہ نسبت قوی دلیل ہے۔

رہا قیاس جو حدیث کے عموم کے معارض ہے وہ یہ ہے حدیث میں ہے ”چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے“ زکوٰۃ جس بنیاد پر واجب ہوتی ہے وہ ہے اضافہ اور منافع، اور یہ چیز خود چرنے والے جانوروں میں بھی پائی جاتی ہے کیوں کہ یہ چیز (اضافہ اور منافع) چرنے والے جانوروں میں چارہ کھانے والے جانوروں کی بہ نسبت زیادہ پائی جاتی

ہے۔ اور چوں کہ زکوٰۃ زائد اموال پر فرض ہوتی ہے اور زائد اموال خود چرنے والے ہوتے ہیں اسی لیے اس میں سال گزرنا شرط ہے۔ جمہور نے اس قیاس سے حدیث کے عموم کی تخصیص کر لی ہے اس لیے ان کے نزدیک چارہ کھانے والے جانوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، مالکیہ نے قیاس سے حدیث کی تخصیص نہیں کی اور یہ رائے دی کہ عموم کی دلیل قوی تر ہے اس لیے انہوں نے دونوں قسم کے جانوروں میں زکوٰۃ واجب قرار دی۔

میری رائے میں جمہور کا قول صحیح تر ہے کیوں کہ حدیث کا آخری حصہ صراحت سے بتاتا ہے کہ جانوروں سے مراد چرنے والے جانور ہیں۔ اسی وجہ سے حدیث کی شروع میں اونٹوں کو چرنے والے اونٹوں پر محمول کریں گے کیوں کہ یہ امر غیر معقول ہے کہ حدیث کا آخری حصہ ابتدائی حصے سے متعارض ہو۔ حضرت انسؓ کی حدیث جو جانوروں کی زکوٰۃ کے سلسلے میں حضرت ابوبکرؓ کے خط پر مشتمل ہے۔ اس میں پہلے اونٹوں کی زکوٰۃ کا نصاب بتایا گیا ہے، پھر اس بکریوں کی زکوٰۃ کے ذکر میں کہا گیا ہے کہ ”چرنے والی بکریاں جب چالیس ہو جائیں تو ان میں ایک بکری واجب ہے ایک سو بیس تک“۔

۳۔ جانوروں کی جن اقسام میں زکوٰۃ واجب ہے اور ہر قسم کا نصاب:

اونٹوں، گائیوں اور بھیڑ بکریوں میں زکوٰۃ واجب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گھوڑوں میں بھی زکوٰۃ واجب ہے، صاحبینؒ کا اس سے اختلاف ہے۔ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے کہ گھوڑے اگر تجارت کے لیے نہ ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

اونٹوں میں زکوٰۃ:

اونٹ: نر ہوں، چاہے مادہ، بڑے ہوں یا چھوٹے، چھوٹے بڑوں کے تابع ہوتے ہیں۔ مالکیہ کے سوا دوسرے فقہاء کے نزدیک ان سے چرنے والے اونٹ مراد ہیں۔ مالکیہ



کے نزدیک چارہ کھانے والے بھی ان میں شامل ہیں۔ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”جس کسی کے پاس چار اونٹوں سے زائد نہ ہوں، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، ہاں اگر ان کا مالک چاہے تو دے دے۔ نیز آپؐ نے فرمایا: ”پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے“ (۱۸۷)۔ علماء کا اجماع ہے کہ پانچ اونٹوں پر ایک بکری واجب ہے، دس پر دو، پندرہ پر تین اور بیس پر چار بکریاں واجب ہیں (۱۸۸)۔ حضرت ابوبکرؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ایسا ہی ہے۔ جو بھیڑیں یا بکریاں زکوٰۃ میں دی جائیں وہ ایک سال کی پوری ہو کر دوسرے میں داخل ہو چکی ہوں (۱۸۹)۔ مالکیہ کے نزدیک اس علاقے میں جو عام بھیڑ یا بکریاں پائی جاتی ہوں اسی قسم سے زکوٰۃ دے۔ جمہور کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے بلکہ حدیث میں یہ ہے کہ: ”پانچ اونٹوں میں ایک شاة ہے۔“ ”شاة“ کا لفظ بھیڑ اور بکری دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

علماء کا اجماع ہے کہ جب اونٹوں کی تعداد پچیس ہو جائے تو پینتیس تک ایک بنت مخاض (وہ اونٹنی جو ایک سال کی پوری ہو کر دوسرے میں داخل ہو چکی ہو) دی جائے۔ شافعیہ اور حنابلہ نے کہا ہے کہ اگر مخاض نہ ہو تو ابن لبون دیا جائے یعنی وہ اونٹ جو دو سال کا ہو چکا ہو۔

چھتیس سے پتالیس (۳۶-۴۵) اونٹوں پر ایک بنت لبون (وہ اونٹنی جو دو سال کی ہو کر تیسرے میں داخل ہو جائے)۔

چھیالیس سے ساٹھ تک (۴۶-۶۰) اونٹوں پر ایک حقہ (وہ اونٹنی جو تین سال کی ہو کر چوتھے میں داخل ہو جائے)۔

اکٹھ سے پچھتر (۶۱-۷۵) اونٹوں تک ایک جذعہ (وہ اونٹنی جو چار سال کی ہو کر

پانچویں میں داخل ہو جائے) (۱۹۰)۔

چھتر سے نوے تک (۷۶-۹۰) دو بنت لبون۔

اکیانوے سے ایک سو بیس (۹۱-۱۲۰) تک دو حقے جیسا کہ حدیث ابو بکرؓ میں سنت سے معلوم ہوتا ہے۔

ایک سو اکیس سے ایک سو انتیس تک تین بنت لبون، جمہور کے نزدیک اور حنفیہ کے نزدیک دو حقے اور ایک بکری، کیوں کہ جب ایک سو بیس سے آگے بڑھ جائیں تو نصاب نئے سرے سے شروع کیا جائے گا، ہر پانچ اونٹوں پر دو حقے اور ایک بکری، دس پر دو بکریاں، پندرہ پر تین بکریاں اور بیس پر چار بکریاں اور پچیس پر دو حقوں کے ساتھ ایک بنت مخاض اور جب ایک سو پچاس ہو جائیں تو تین حقے۔ جب ان سے بڑھ جائیں تو پھر نئے سرے سے آغاز کیا جائے اور تین حقوں کے ساتھ ہر زائد پانچ اونٹوں پر ایک بکری ارنج۔

مالکیہ کے نزدیک صرف زکوٰۃ وصول کرنے والے کو یہ اختیار ہے نہ کہ مالک کو کہ ۱۲۱-۱۲۹ اونٹوں پر چاہے، تو دو حقے لے لے اور چاہے تو تین بنت لبون لے لے، اگر دونوں اقسام اس کے پاس موجود ہوں یا دونوں موجود نہ ہوں اور اس پر لازم ہے کہ دو حقے یا تین بنت لبون جو مالک کے پاس موجود ہیں وہی لے لے۔

جب ایک سو تیس یا اس سے زائد ہو جائیں تو جمہور کے نزدیک ہر چالیس اونٹوں میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس اونٹوں میں ایک حقہ، کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”جب ایک سو بیس سے زائد ہو جائیں تو ہر چالیس میں ایک بنت لبون“۔ (۱۹۱) دارقطنی کی روایت ہے: ”ایک سو بیس تک، جب اس سے ایک بھی زیادہ ہو جائے تو ہر چالیس میں

ایک بنت لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ۔

حنفیہ کی رائے جیسا کہ اوپر بیان ہوئی یہ ہے کہ جب ایک سو بیس سے زائد ہو جائیں تو تین جگہوں پر نئے سرے سے حساب شروع کیا جائے یعنی ایک سو بیس سے زائد جب تک پانچ نہ ہو جائیں کچھ واجب نہیں ہوگا، جب پانچ زائد ہو جائیں تو ایک سو بیس کی زکوٰۃ کے سوا یعنی دو حقوں کے سوا ایک بکری واجب ہوگی۔  
پہلی بار نئے سرے سے حساب ایک سو اکیس سے شروع ہوگا۔

۱۲۱-۱۲۹ میں دو حقے اور ایک بکری واجب ہیں۔

۱۳۰-۱۳۳ میں دو حقے اور دو بکریاں واجب ہیں۔

۱۳۵-۱۳۹ میں دو حقے اور تین بکریاں واجب ہیں۔

۱۴۰-۱۴۳ میں دو حقے چار بکریاں واجب ہیں۔

۱۴۵-۱۴۹ میں دو حقے اور بنت مخاض

دوسری بار ایک سو پچاس سے نئے سرے سے حساب شروع ہوگا۔

۱۵۰-۱۵۳ میں ایک سو پچاس کی زکوٰۃ ہی واجب ہوگی۔

۱۵۵-۱۵۹ میں تین حقے اور ایک بکری

اسی طرح تین حقوں کے ساتھ پانچ میں ایک بکری، دس میں دو، پندرہ میں تین، بیس میں چار اور پچیس میں بنت مخاض اور چھتیس میں بنت لبون اور جب ایک سو چھیانوے ہو جائیں تو دو سو تک چار حقے زکوٰۃ میں دینے ہوں گے۔

تیسری جگہ دو سو کے بعد ہمیشہ نئے سرے سے حساب شروع ہوگا جیسا کہ ایک سو پچاس

کے بعد نئے سرے سے حساب شروع ہوا تھا تا آنکہ ہر پچاس میں ایک حقہ واجب ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک زاونٹ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی البتہ اونٹنیوں کی قیمت کے برابر زاونٹ دیے جائیں تو ادا ہو جائے گی جب کہ گائے اور بکری میں ز سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیوں کہ ان میں مالک کو اختیار ہے۔ نئے سرے سے زکوٰۃ شروع کرنے کے بارے میں حنفیہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کی کتاب میں ہے، جس میں ایک سو بیس اونٹوں تک کی زکوٰۃ بتانے کے بعد کہا گیا ہے کہ: ”جب ایک سو بیس سے زائد ہو جائیں تو نئے سرے سے حساب کیا جائے“ (۱۹۲)۔

اس امر پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اوپر جو تعداد بتائی گئی، ان میں دو عددوں کے درمیان جتنے اونٹ ہوں ان کو ”اوقاص“ کہتے ہیں ان پر زکوٰۃ معاف ہے مثلاً پانچ سے نو تک ایک بکری ہے یعنی پانچ کے بعد جو چار اونٹ ہیں ان کے مقابلے میں الگ سے زکوٰۃ کی کوئی مقدار فرض نہیں ہے کیوں کہ ابو عبید نے یحییٰ بن الحکم سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اوقاص میں صدقہ نہیں ہے“ کیوں کہ جو حصہ نصاب کی اگلی تعداد سے کم ہے وہ معاف ہے۔

جب دو طرح کے جانور دیے جاسکتے ہوں: شافعیہ کہتے ہیں (۱۹۳) اگر اونٹوں میں کسی موقع پر دو طرح کے جانور دیے جاسکتے ہوں مثلاً کسی کے پاس دو سو اونٹ ہوں تو وہ چار حقے بھی دے سکتا ہے اور پانچ بنت لبون بھی، تو شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ چار حقے دے بلکہ ان میں سے جو چاہے دے دے کیوں کہ دو سو کا عدد ایسا ہے کہ وہ پچاس پر چار بار اور چالیس پر پانچ بار برابر تقسیم ہو جاتا ہے۔ ابوداؤد وغیرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نوشتہ موجود ہے کہ: ”جب دو سو اونٹ ہوں تو ان میں چار حقے یا پانچ

بنت لبون واجب ہیں۔“ ان میں سے جو بھی مالک کے پاس موجود ہوں لے لیے جائیں۔ اگر اس کے پاس موجود نہ ہوں تو ان دونوں قسموں میں سے جو چاہے خرید کر یا کسی اور طریقے سے مہیا کر کے زکوٰۃ ادا کرے۔

اگر کسی کے مال میں دو مقداریں اس طرح موجود ہوں کہ ان میں سے کوئی بھی مقدار دی جاسکتی ہو تو وہ مقدار دی جائے جس کی قیمت زیادہ ہونے کے باعث مستحقین کے لیے زیادہ نفع بخش ہو، اگر زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ دینے کے بارے میں کوئی نامناسب رویہ اختیار کرے اور زیادہ نفع بخش مال چھپالے اور زکوٰۃ وصول کرنے والا کوتاہی کرے، تو غیر نفع بخش مال دے کر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ اگر زکوٰۃ دینے والا کوئی نامناسب رویہ اختیار نہ کرے اور زکوٰۃ وصول کرنے والا کوتاہی نہ کرے تو اگر زکوٰۃ ادا کرنے والا زکوٰۃ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اس تفاوت کو بھی ادا کرے جو ادا کردہ زکوٰۃ اور مستحقین کے لیے نفع بخش مقدار کے درمیان ہو، کیوں کہ اس صورت میں زکوٰۃ دینے والے نے اپنی ذمہ داری پورے طور پر ادا نہیں کی، اس لیے اس پر نقصان پورا کرنا واجب ہے۔

**کسی فرض مقدار کے موجود نہ ہونے کی صورت میں کمی پوری کرنا:**

جس شخص کے پاس وہ جانور نہ ہو جو اس پر زکوٰۃ میں واجب ہے مثلاً اس پر بنت مخاض واجب ہے لیکن اس کے پاس بنت مخاض نہیں ہے تو اس سے اس سے اعلیٰ چیز لی جاسکتی ہے اور اس سے دو بکریاں (۱۹۴) یا بیس درہم واپس کیے جائیں (۱۹۵) جیسا کہ بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت حضرت ابو بکرؓ کی مذکورہ بالا تحریر میں ہے یا اس سے مطلوبہ زکوٰۃ سے ایک درجہ کم مال لے لیا جائے اور اسے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے وہ دو بکریاں یا بیس درہم مزید ادا کرے۔ یہ شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے (۱۹۶)۔ حنفیہ کہتے ہیں

کہ اس صورت میں جتنی زکوٰۃ واجب ہے اس کی قیمت ادا کرے یا زکوٰۃ وصول کرنے والا، کم عمر کا جانور لے لے اور فرق کے درہم وصول کر کے یا زیادہ عمر کا لے لے اور زائد قیمت مالک کو واپس لوٹا دے۔ (۱۹۷)

مالک اور زکوٰۃ وصول کرنے والے دونوں کو یہ حق ہے کہ زکوٰۃ میں مطلوبہ جانور سے دو درجے کم عمر یا دو درجے زیادہ عمر کا جانور لیا اور دیا جاسکتا ہے اور کمی زیادتی کا حساب کر لیا جائے مثلاً حقہ کے بدلے بنت لبون لی اور دی جاسکتی ہے بشرطیکہ اس سے قریبی درجے کا جانور موجود نہ ہو۔ مثلاً حقہ کے بدلے بنت مخاض یا بنت مخاض کے بدلے حقہ لینا اور دینا اس وقت جائز ہے جب کہ بنت لبون موجود نہ ہو کیوں کہ اگر بنت لبون موجود ہو تو پھر جائز نہیں، کیوں کہ بلا ضرورت زیادہ کمی پوری کرنے سے چھٹکارا ممکن ہے۔

فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر زکوٰۃ دینے والا اگر جس عمر کا جانور اس پر واجب ہے اس سے زیادہ عمر کا دے دے تو جائز ہے۔ کیوں کہ اس نے اسی جنس سے جو اس پر واجب تھی حق سے زیادہ ادا کر دیا۔

### گایوں میں زکوٰۃ:

گائے کی زکوٰۃ کی فرضیت سنت اور اجماع سے ثابت ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ سنت میں حضرت معاذؓ کی حدیث ہے کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن بھیجا اور فرمایا کہ تیس گائیوں میں سے ایک تبیح یا تبعہ (ایک سال کی گائے یا بیل) اور چالیس گائیوں میں سے ایک مسنہ (دو سال کی گائے یا بیل) یا اس کے برابر معافری کپڑا لے لیں“ (۱۹۸)۔ تبیح: ایک سال کی مادہ یا نر گائے: مسنہ دو سال کا۔ معافر: یمن میں معافر نام کا ایک محلہ ہے، وہاں بننے والے کپڑے کو معافری کپڑا کہتے ہیں۔

نیز حضرت ابو ذرؓ کی حدیث ہے: ”جو کوئی اونٹ گائے اور بکری کا مالک ہے اور اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو قیامت کے روز اس طرح آئے گا کہ وہ جانور موٹا تازہ اس پر سوار ہو گا اور اسے اپنے سینگوں سے مارے گا اور پاؤں کے نیچے روندے گا۔ جب پہلے سینگ ٹوٹ جائیں گے تو دوبارہ اسی طرح کے پیدا ہو جائیں گے تا آنکہ لوگوں کے درمیان فیصلے ہو جائیں“ (۱۹۹)۔

تمیں گائیوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے اس کی دلیل حضرت معاذؓ کی مذکورہ بالا حدیث ہے۔ جمہور کے نزدیک اگر گائیں چراگا ہوں اور جنگلوں میں چرنے والی نہیں ہیں تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ جب کہ مالکیہ کے نزدیک بندھی ہوئی چارہ کھانے والی اور کام کرنے والی گائیوں پر بھی اونٹوں کی طرح زکوٰۃ ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا جمہور کی رائے راجح ہے کیوں کہ حدیث میں ہے: ”کام کرنے والے گائے بیلوں میں زکوٰۃ نہیں ہے“ (۲۰۰)۔ چوں کہ زکوٰۃ کے لیے اضافہ شرط ہے اور وہ چرنے والے جانوروں میں ہی ہوتا ہے۔

حضرت معاذؓ کی حدیث کی بنا پر فقہاء کا اتفاق ہے (۲۰۱) کہ گائے پر زکوٰۃ تمیں گائیوں سے شروع ہوتی ہے بھینس بھی گائے کی طرح ہے۔ تمیں سے انتالیس (۳۰-۳۹) تک ایک گائے یا بیل جو ایک سال کی ہو اور دوسرے میں داخل ہو گئی ہو، یہ جمہور کی رائے ہے اور مالکیہ کے نزدیک جو دو سال کی ہو گئی ہو اور تیسرے سال میں داخل ہو۔ زکوٰۃ تب واجب ہوگی جب ان پر سال گزر جائے۔

حنفیہ کے نزدیک اگر گائے اور بھینس گھریلو اور جنگلی جوڑے کے ملاپ سے پیدا ہوئی ہوں تو اگر اس جوڑے میں زکوٰۃ اور مادہ گھریلو ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور اس

کے برعکس ہے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

چالیس سے انسٹھ گائیوں پر ایک مثنہ جو جمہور کے نزدیک دو سال کا ہو کر تیسرے میں داخل ہو گیا ہو اسے ثنیہ بھی کہتے ہیں، مالکیہ کے نزدیک جو تین سال کا ہو کر چوتھے میں داخل ہو گیا ہو۔ حنفیہ کے ہاں یہ اجازت ہے کہ دو سال کی گائے اور بیل کوئی بھی زکوٰۃ میں دیا جاسکتا ہے۔

ساٹھ کے بعد ہر تیس گائیوں میں ایک سالہ بچھڑی یا بچھڑا اور ہر چالیس میں دو سالہ بچھڑی یا بچھڑا یعنی ۶۰-۶۹ تک دو ایک سالہ، ۷۰-۷۹ میں ایک دو سالہ اور ایک ایک سالہ، یعنی چالیس پر ایک دو سالہ اور ایک تیس پر ایک ایک سالہ اور ۸۰-۸۹ تک دو دو سالہ بچھڑے اور ۹۰-۹۹ میں تین ایک سالہ اور ایک سو گائیوں پر دو ایک سالہ اور ایک دو سالہ یعنی ساٹھ پر دو ایک سالہ اور چالیس پر ایک دو سالہ بچھڑا دیا جائے۔ اس طرح ہر دس گائیوں پر زکوٰۃ میں ایک سالہ سے دو سالہ بچھڑے میں تبدیل ہوتی جائے گی۔ حضرت معاذؓ کی حدیث پر عمل کا تقاضا یہی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ایک سو بیس گائیوں میں زکوٰۃ وصول کرنے والے کو اختیار ہے کہ تین دو سالہ گائے لے یا چار ایک سالہ وصول کرے۔ یہ اس صورت میں ممکن ہے جب کہ مالک کے پاس دونوں عمر کے جانور موجود ہوں یا دونوں عمر کے موجود نہ ہوں۔ اگر مالک کے پاس صرف ایک ہی عمر کے موجود ہوں تو وہی لے لیے جائیں۔

معافی: دو مرحلوں کے درمیان جانوروں کی تعداد پر زکوٰۃ معاف ہے البتہ چالیس اور ساٹھ کے درمیان امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جتنی تعداد زائد ہوگی، اتنی مقدار میں زکوٰۃ دینا ہوگی یعنی ایک پر دو سالہ بچھڑے کا اڑھائی فی صد، دو پر پانچ فی صد، تین پر ساڑھے سات فی



صد اور چار پردس فی صد۔

صاحبین کہتے ہیں اور انہیں کی رائے پر فتویٰ ہے اور انہیں کا قول حنفیہ نے اختیار کیا ہے کہ چالیس سے ساٹھ کے درمیان کی تعداد پر زائد زکوٰۃ نہیں ہے۔ جب ساٹھ ہو جائیں تو ان پر دو ایک سالہ بچھڑیاں یا بچھڑے دیے جائیں۔ اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ بھینس اور گائے کا ایک ہی حکم ہے کیوں کہ یہ دونوں ایک ہی جنس کی دو انواع ہیں۔

اگر جانوروں میں نر اور مادہ دونوں ہوں تو زکوٰۃ میں نر ہرگز نہ دیے جائیں کیوں کہ مادہ افضل ہے، اس سے دودھ حاصل ہوتا ہے اور نسل بڑھتی ہے۔ البتہ گائے بیل اس سے مستثنیٰ ہیں کیوں کہ حضرت معاذؓ کی حدیث میں صراحت موجود ہے۔ اگر نصاب میں تمام نر ہوں تو تمام قسم کے جانوروں یعنی اونٹ، بیل اور بکریوں میں صرف نر ہوں تو زکوٰۃ میں نر ہی لیے جائیں کیوں کہ زکوٰۃ کے وجوب میں ہمدردی اور شفقت کا پہلو ہے اس لیے کسی کو ایسے مال کی زحمت نہ دی جائے جو اس کے پاس نہیں ہے۔

### بھیڑ بکریوں میں زکوٰۃ:

غنم میں بھیڑ بکریاں، نر، مادہ سب شامل ہیں۔

بھیڑ بکریوں پر بھی زکوٰۃ سنت اور اجماع سے واجب ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ سنت میں حضرت انسؓ کی حدیث ہے جس میں حضرت ابو بکرؓ کے مذکورہ بالا نوشتہ میں ہے کہ: ”بھیڑ بکریاں اگر چرنے چگنے والی ہوں تو چالیس سے ایک سو بیس تک کی تعداد میں ایک بکری اور ایک سو بیس سے بڑھ جائیں تو دو سو تک دو بکریاں اور دو سو سے زائد ہو جائیں تو تین سو تک تین بکریاں اور جب تین سو سے زائد ہو جائیں تو ہر سو بکریوں پر ایک بکری واجب ہے۔“

اگر کسی شخص کی چرنے والی بھیڑ بکریوں کی تعداد چالیس سے ایک بھی کم ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ ہاں اگر مالک اپنی خوشی سے دینا چاہے تو الگ بات ہے۔

زکوٰۃ کے خوف سے متفرق مال کو جمع کرنا یا اکٹھے مال کو حصوں میں بانٹ دینا جائز نہیں (۲۰۲)۔ جس مال میں دو آدمی شریک ہوں تو وہ اپنے اپنے حصے کے مطابق ایک دوسرے سے حساب کر لیں (۲۰۳)۔

زکوٰۃ میں بوڑھی اور اندھی بکری نہ دی جائے اور نہ بکرا دیا جائے۔ اگر زکوٰۃ دینے والا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے (۲۰۴)۔

اس بنا پر فقہاء کا اتفاق ہے (۲۰۵) اگر سال کا اکثر حصہ چرنے چگنے والی بھیڑ بکریاں چالیس سے کم ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں کیوں کہ وہ نصاب کو نہیں پہنچتیں۔ جمہور کے نزدیک چارہ کھانے والی اور کام کرنے والی بھیڑ بکریوں پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ ان کا تعلق انسان کی اصلی ضروریات سے ہے البتہ مالکیہ چرنے والی اور چارہ کھانے والی بھیڑ بکریوں میں زکوٰۃ کے حوالے سے فرق نہیں کرتے۔

اگر بھیڑ بکریاں چالیس سے ایک سو بیس تک ہیں اور ان پر سال گزر گیا ہے تو ان میں ایک بکری واجب ہے۔ اگر ایک سو اکیس اور دو سو کے درمیان ہیں تو دو بکریاں اور دو سو ایک اور تین سو ننانوے تک تین بکریاں اور چار سو میں چار بکریاں، پھر ہر سو میں ایک بکری واجب ہے۔

اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ نصاب میں، زکوٰۃ کے وجوب اور ادا میں بھیڑیں اور بکریاں برابر ہیں۔ جمہور کے نزدیک زکوٰۃ میں وہی بکری لی جائے جو ایک سال کی پوری ہو چکی ہو۔ شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ بکری دو سال کی ہونی چاہیے اور حنابلہ کی رائے یہ

ہے کہ بھیڑ چھ ماہ کی بھی کافی ہے۔ اگر مالک اپنی خوشی سے زیادہ عمر کی دینا چاہے تو جائز ہے۔ حنابلہ کی دلیل امام مالک کی سوید بن غفلہؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ”ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والا آیا اور اس نے کہا کہ ہمیں یہ حکم ہے کہ بھیڑ چھ ماہ کی لے لیں اور بکری ایک سال کی“۔ ابراہیم حربی کا قول ہے کہ چھ ماہ کی بھیڑ اس لیے وصول کر لی جاتی ہے کہ وہ چھ ماہ کی حاملہ ہو جاتی ہے جب کہ بکری ایک سال کی حاملہ ہوتی ہے۔

فقہاء کا اتفاق ہے کہ دو مراحل کے درمیان کے جانوروں پر زکوٰۃ معاف ہے۔

شافعیہ کے نزدیک صحیح تر روایت یہ ہے کہ بھیڑ کی جگہ بکری اور بکری کی جگہ بھیڑ دینا جائز ہے بشرطیکہ ان کی قیمت برابر ہو یعنی سال کی بکری کی قیمت چھ ماہ کی بھیڑ کے برابر ہو کیوں بھیڑ اور بکری کی جنس ایک ہی ہے۔

حنابلہ نے چھ ماہ کی بھیڑ کی جگہ ایک سال کی بکری اور ایک سال کی بکری کی جگہ چھ ماہ کی بھیڑ دینے کو جائز قرار دیا ہے اور اگر قیمتوں میں فرق ہو تو فرق وصول نہیں کیا جائے گا کیوں کہ نص میں ایسا کوئی حکم نہیں ہے۔

**گھوڑوں، خچروں اور گدھوں میں زکوٰۃ:**

خچر اگر تجارت کے لیے نہ ہوں تو ان میں بالاتفاق زکوٰۃ نہیں ہے۔ تجارت کے لیے ہوں تو انہیں مال تجارت سمجھا جائے گا۔ اسی طرح گھوڑے اگر تجارت کے لیے ہوں تو بالاتفاق ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔

غیر تجارتی گھوڑوں کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے (۲۰۶) کہ اگر چرنے والے ہوں نہ یا مادہ یا صرف مادہ اور دودھ یا نسل کے لیے ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب

ہے اور ان کے مالک کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو ہر گھوڑے کے بدلے ایک دینار دے اگر چاہے تو قیمت کر لے اور ہر دو سو درہم قیمت پر پانچ درہم زکوٰۃ دے جیسا کہ مال تجارت پر ہے۔ اگر صرف زر چرنے والے گھوڑے ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ کسی روایت سے ثابت نہیں۔

ان کی دلیل حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ: ”ہر چرنے والے گھوڑے میں ایک دینار یا دس درہم زکوٰۃ ہے“ (۲۰۷)۔ نیز روایت ہے کہ عمر بن خطابؓ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو گھوڑوں کی زکوٰۃ کے بارے میں لکھا کہ: ”گھوڑوں کے مالکان کو اختیار دیا جائے اگر چاہیں تو ہر گھوڑے کے بدلے ایک دینار دیں، ورنہ ان کی قیمت کر کے ہر دو سو درہم پر پانچ درہم وصول کر لیں“ (۲۰۸)۔

صاحبینؒ کی رائے جس پر فتویٰ ہے، یہ ہے کہ گھوڑوں، نچروں اور گدھوں پر زکوٰۃ نہیں، بشرطیکہ وہ تجارت کے لیے نہ ہوں۔ یہ رائے باقی ائمہ کی رائے کے موافق ہے (۲۰۹) کیوں کہ حدیث میں ہے: ”مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں ہے“ (۲۱۰)۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کہ کیا گدھوں میں زکوٰۃ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اس کے بارے میں بجز اس اکیلی آیت کے اور کوئی چیز نازل نہیں ہوئی (۲۱۱)۔ فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره ومن يعمل مثقال ذرة شراً يره (الزلزال ۹۹: ۷-۸) جس نے ذرہ بھر کوئی اچھا کام کیا تو اسے دیکھ لے گا اور جس ذرہ بھر کوئی برا کام کیا تو اسے دیکھ لے گا) حضرت علیؓ سے یہ حدیث مروی ہے: ”میں نے تمہارے لیے گھوڑے اور غلام میں زکوٰۃ معاف کر دی ہے“ (۲۱۲)۔ حضرت عمرؓ نے جو لوگوں سے گھوڑوں پر زکوٰۃ وصول کی تو وہ لوگوں نے بطور احسان دی تھی اور اس خواہش کا اظہار کیا

کہ ان سے زکوٰۃ لی جائے اور اس کے بدلے حضرت عمرؓ انہیں غلاموں کے لیے خوراک دیتے تھے۔ یہی رائے صحیح ہے اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ گھوڑے، خچر اور گدھے میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

### ۴۔ جانوروں وغیرہ میں دو شریک مالکوں کی زکوٰۃ:

شراکت کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ کا وجوب متاثر نہیں ہوتا اگر ان میں کوئی ایک بھی مالک نصاب نہ ہو تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، جیسا کہ اگر وہ باہمی شریک نہ ہوتے تو زکوٰۃ واجب نہیں تھی۔ اگر دو شریک دو نصابوں میں شریک ہو جاتے ہیں مثلاً ہر ایک ان میں سے چالیس بکریوں کا مالک ہے تو ان میں سے ہر ایک پر ایک بکری واجب ہے کیوں کہ حدیث میں ہے: ”چالیس بکریوں میں ایک بکری واجب ہے“۔

جمہور کہتے ہیں، جانوروں میں شراکت کا زکوٰۃ میں اثر ہوتا ہے۔ دو شراکت دار ایک مالک کے طور پر زکوٰۃ دیں گے۔ البتہ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر دونوں کے مجموعی حصے کو ملا کر نصاب پورا ہوتا ہو تو ان میں سے کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ شراکت کا اثر تب ہوتا ہے جب شرکاء میں سے ہر ایک الگ الگ مالک نصاب ہو۔

جمہور کے مذاہب کی تفصیل یہ ہے:

مالکیہ کہتے ہیں (۲۱۳) ایک نوع کے جانوروں کی ملکیت میں شریک مالک زکوٰۃ کے حوالے ایک مالک کی طرح ہیں مثلاً تین شریکوں کی چالیس بکریاں ہیں تو ان پر ایک بکری واجب ہوگی یعنی ہر ایک پر بکری کا ایک تہائی۔ شراکت کے مؤثر ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ میں تخفیف ہوگئی ہے۔ اگر وہ شریک نہ ہوتے تو ان پر الگ الگ ایک ایک بکری واجب ہوتی۔ کبھی شراکت کی وجہ سے زکوٰۃ زیادہ ہو جاتی ہے مثلاً اگر ایک کی ایک سو ایک بکریاں

ہیں اور دوسرے کی بھی ایک سو ایک بھیڑ بکریاں ہیں تو ان پر تین بکریاں واجب ہوں گی۔ اگر وہ شریک نہ ہوتے تو ان پر ایک ایک بکری واجب ہوتی۔ شریک ہونے کی وجہ سے تیسری بھی واجب ہوگئی کیوں کہ زکوٰۃ کے خوف سے مشترکہ مال کو الگ الگ اور الگ الگ مال کو اکٹھا کرنا درست نہیں ہے۔

اگر دونوں شریک الگ الگ نصاب کے مالک ہیں تو شراکت کی وجہ سے زکوٰۃ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اگر دونوں کے حصے ملا کر نصاب بنتا ہو تو ان میں سے کسی پر زکوٰۃ نہیں۔ اگر ان کا مجموعہ مقدار نصاب کو نہیں پہنچتا تو بالاتفاق ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ اگر ان میں سے ایک صاحب نصاب ہو اور دوسرے کا مالک نصاب سے کم ہو تو صرف صاحب نصاب اپنے حصے کی زکوٰۃ دے گا۔

جس شراکت کا زکوٰۃ پر اثر ہوتا ہے اس میں چار شرائط ہیں:

۱۔ شراکت کے ذریعے زکوٰۃ سے فرار کی نیت نہ ہو۔

۲۔ شراکت داروں میں سے ہر ایک کے جانور اس نوع کے ہوں کہ ایک دوسرے سے مل سکتے ہوں مثلاً بھیڑ بکریاں۔

۳۔ شریکوں میں سے ہر ایک شرعاً زکوٰۃ کے حکم کا مخاطب ہو، یعنی آزاد، مسلمان، مالک نصاب ہو اور سال پورا ہو چکا ہو، اگر شریکوں میں سے ایک پر زکوٰۃ واجب ہو اور دوسرا مثلاً کافر ہو تو صرف ایک پر زکوٰۃ واجب ہوگی، جب کہ دیگر شرائط پوری ہوں۔ اگر ایک کے جانوروں پر سال پورا ہو گیا ہو اور دوسرے کے جانوروں پر سال پورا نہ ہو تو صرف ایک ہی زکوٰۃ دے گا۔

۴۔ شرکت میں ان جانوروں کا چرواہا ایک ہو، ان کے ز جانور مشترک ہوں، پانی پینے،

اکٹھے ہونے اور رات رہنے کی جگہ ایک ہو، یعنی ان کے لیے ایک یا ایک سے زیادہ مشترک چرواہے ہوں جو مل کر چراتے ہوں یا اگر بیک وقت دو چرواہوں کی ضرورت نہ ہو تو ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہوں۔ مادہ جانوروں کی بار آوری کے لیے مشترک زر جانور ہو جو دونوں شریکوں کی اجازت سے رکھا گیا ہو۔ جانوروں کے لیے دونوں کا مشترک پانی ہو یا ایک کا ہو اور دوسرا منع نہ کرتا ہو، جانور چراگاہ میں جانے سے پہلے ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہوں اور رات ایک جگہ رہتے ہوں۔ اگر اکٹھے ہونے اور رات رہنے کی جگہ ضرورت کی وجہ سے الگ الگ ہوں تب بھی کوئی حرج نہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں (۲۱۳) شراکت جانوروں میں ہوگی یا دوسرے مال میں۔

۱۔ اگر شراکت دوسرے مال مثلاً نقدی، غلے، پھلوں اور سامان تجارت میں ہو تو حنابلہ کے نزدیک شراکت سے زکوٰۃ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”صدقہ کے خوف سے متفرق مال کو جمع نہ کیا جائے“۔ شراکت درحقیقت جانوروں میں مؤثر ہے جس کی وجہ سے کبھی نفع اور کبھی نقصان ہو جاتا ہے۔ جانوروں کے سوا شراکت میں مال کے مالک کے سوا کسی کو کوئی نقصان نہیں کیوں کہ اس میں نصاب سے جتنا زائد ہوگا اسی حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی، اس لیے اسے اکٹھا کرنے کا کوئی فائدہ یا نقصان نہیں کیوں کہ جب مال مقدار نصاب کے برابر ہے تو مال کا کوئی حصہ ایسا نہیں جس پر زکوٰۃ معاف ہو، اس لیے ہر ایک سے اس کے حصے کی زکوٰۃ الگ وصول کی جائے گی، اگر ہر ایک کے پاس اتنا مال ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

جدید شافعی مذہب میں مویشیوں کے سوا دوسری چیزوں میں بھی شراکت مؤثر ہوتی ہے کیوں کہ اوپر مذکور حدیث: ”زکوٰۃ کے خوف سے متفرق مال اکٹھا نہ کیا جائے اور اکٹھا

مال الگ الگ نہ کیا جائے۔“ کیوں کہ جس مال میں زکوٰۃ واجب ہے اس میں شراکت اثر انداز ہوتی ہے جیسے کہ مویشیوں کی زکوٰۃ پر اثر انداز ہوتی ہے، کیوں کہ دونوں مال اپنے مخزن اور اپنے نگران وغیرہ کے اعتبار سے ایک مال کی طرح ہیں، اس لیے دوسری قسم کا مال بھی مویشیوں کی طرح ہے۔ اگر مخزن ایک ہو، میزان ایک ہو اور فروخت کرنے والا ایک ہو تو مشقت کم ہو جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حنابلہ کے نزدیک مویشیوں کے سوا اور کسی مال میں شراکت کا شریکوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا، جب کہ شافعیہ کے نزدیک ہر قسم کے مال میں شراکت کا فائدہ ہوگا لہذا مشترکہ مال کی زکوٰۃ ایک مال کے طور پر دی جائے گی۔

ب۔ اگر شراکت مویشیوں میں ہو، یعنی زکوٰۃ دینے والے مویشیوں میں شریک ہوں تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک زکوٰۃ کے وجوب، اسقاط، شدت اور تخفیف میں شراکت اثر انداز ہوگی اور مشترکہ اموال ایک مال کی طرح ہوں گے۔ کیوں کہ حدیث میں ہے: ”متفرق مال اکٹھا نہ کیا جائے اور اکٹھا مال الگ الگ نہ کیا جائے۔“ زکوٰۃ کے وجوب یا کثرت کے خوف سے مالک کو منع کیا گیا ہے کہ وہ نہ مال اکٹھا کرے نہ اسے الگ الگ کرے، اسی طرح زکوٰۃ وصول کرنے والے کو زکوٰۃ کی معافی یا کمی کے خوف سے مال کو جمع کرنے یا الگ الگ کرنے سے روکا گیا ہے۔

جس جائز شراکت کا اثر ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

شرکت اعیان یا شرکت شیوع اور شرکت مجاورت یا شرکت اوصاف:

شرکت اعیان یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والے ایک ہی جنس کے جانوروں میں وراثت، خریداری یا ہبہ وغیرہ کی وجہ سے شریک ہوں اور وہ مال نصاب کی مقدار ہو یا کم ہو لیکن ان میں سے ایک کے حصے کا مال نصاب کے برابر یا زیادہ ہو اور مال مشترک ہی رہے جیسے دو



بھائیوں کے پاس چالیس بکریاں ہوں یا دو آدمی مل کر تیس گائیں خرید لیں یا دو حصہ داروں میں جانور اس طرح مشترک ہوں کہ ہر جانور میں ہر حصہ دار کا حصہ ہو اور کسی ایک کا حصہ دوسرے سے الگ کرنا ممکن نہ ہو۔ یعنی ہر ایک کا حصہ ایسا ہو کہ وہ متعین نہ ہو بلکہ ہر ہر جز میں دونوں مالک شریک ہوں۔

شرکت مجاورت یا اوصاف یہ ہے کہ ہر ایک کا مال دوسرے سے الگ ہو، دونوں مال میں ان ذرائع سے شریک ہوں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا، خواہ ان کے حصے برابر ہوں یا مختلف مثلاً ایک آدمی کی ایک بکری ہو اور دوسرے کی انتالیس یا چالیس آدمیوں کی چالیس بکریاں ہوں یعنی ہر ایک کی ایک بکری ہو اور مال ملا ہوا نہ ہو بلکہ ہر ایک کا حصہ الگ ہو۔

مالکیہ کے برعکس شافعیہ کے نزدیک یہ شرط نہیں کہ شراکت سے پہلے ہر ایک کا حصہ نصاب کے برابر ہو اور شراکت کی نیت بھی شرط نہیں کیوں کہ شریکوں کے لیے مشقت کی کمی کا تعلق شراکت کے عمل سے ہے۔ نیت یا عدم نیت کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ شراکت سے حاصل ہونے والی سہولتیں نیت کے بغیر بھی حاصل ہو جاتی ہیں۔ کیوں کہ نیت شراکت میں مؤثر نہیں ہوتی ہے اس لیے دونوں قسم کی شراکت کے حکم میں بھی مؤثر نہیں ہو سکتی۔ شرط صرف یہ ہے کہ ایسے امور میں شراکت ہو جن کی وجہ سے دو مال جمع ہو کر ایک مال ہو جائیں تاکہ زکوٰۃ دینے والے پر مشقت کم ہو جائے۔

یہ دونوں قسم کی شراکتیں کبھی شریکوں کے لیے تخفیف کا باعث ہوتی ہیں جیسے اسی بکریوں میں برابر شریک ہوں اور کبھی زیادہ بوجھ کا باعث جیسے چالیس بکریوں میں شریک ہوں اور کبھی ایک کے لیے تخفیف اور دوسرے کے لیے بوجھ کا باعث ہوتی ہیں جیسے کہ ساٹھ بکریاں دو آدمیوں کی مشترک ہوں اور ایک چالیس اور دوسرا بیس بکریوں کا مالک ہو

اور کبھی کسی کے لیے کوئی تخفیف اور بوجھ نہیں ہوتا جیسے دو سو بکریوں میں دو آدمی برابر شریک ہوں۔

مشترک مال میں اسی طرح زکوٰۃ واجب ہے جیسے ایک آدمی کے مال میں،  
البتہ شرائط یہ ہیں:

۱۔ دونوں شریک ایسے ہوں کہ ان پر زکوٰۃ واجب ہو اور یہ معلوم ہو کہ زکوٰۃ آزاد مسلمان پر واجب ہوتی ہے جس کی ملکیت مکمل ہو۔

۲۔ مشترک مال مقدار نصاب کے برابر ہو اگر اس سے کم ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

۳۔ اس پر پورا سال گزر گیا ہو، ورنہ ہر ایک انفرادی طور پر اپنا سال پورا ہونے پر زکوٰۃ دے مثلاً اگر شریکوں میں سے ایک کی چالیس بکریاں تھیں، مشترک مال پر سال کا کچھ حصہ گزر گیا، ان میں سے بعض مشترک بکریاں اس نے فروخت کر دی، اب اس کی جو بکریاں بچ رہیں، ان کے سال کا حساب نئے سرے سے شروع ہوگا۔

۴۔ چھ اوصاف میں ایک شریک کا مال دوسرے سے الگ نہ ہو۔ مسرح (چراگاہ میں جانے سے پہلے اکٹھے ہونے کی جگہ) رات رہنے کی جگہ، پانی کا گھاٹ، دودھ دوہنے کی جگہ، نر جانور (۲۱۵) اور چرواہا۔ اگر مذکورہ بالا امور میں ایک شریک کا مال دوسرے سے الگ ہے تو وہ ایک مال کی طرح نہیں ہوتا۔ شراکت کا مقصد ہی یہ ہے کہ دو مال اس طرح ایک مال کی طرح ہو جائیں جس سے اخراجات کم ہوں۔ ایک سے زیادہ چرواہے بھی ہو سکتے ہیں بشرطیکہ ہر شریک کے جانوروں کا الگ چرواہا نہ ہو۔

ان تمام شرائط کی بنیاد اوپر مذکور حدیث پر ہے کہ ”زکوٰۃ کے خوف سے متفرق مال جمع نہ کیا جائے اور اکٹھا مال الگ الگ نہ کیا جائے اور جو مال دو شریکوں کا ہو وہ ایک

دوسرے سے برابر اپنا حق لینے کے لیے رجوع کریں۔“ چوں کہ دو مال اخراجات کے لحاظ سے ایک مال کی طرح ہو گئے، پس واجب ہے کہ ان کی زکوٰۃ ایک مال کی زکوٰۃ کی طرح وصول کی جائے۔ اس کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ ”شریک وہ ہیں جن کے مال کا زکوٰۃ، چرواہا اور پانی کا حوض ایک ہو“ (۲۱۶) تین چیزوں میں شراکت کی صراحت ہے اور باقی کی طرف اشارہ۔

مشترک مال میں سے زکوٰۃ وصول کرنے والا کیسے زکوٰۃ وصول کرے اور شراکت دار ایک دوسرے کی طرف اپنے حصوں کے مطابق رجوع کریں:

شافعیہ کا اصح قول اور امام احمد کے ظاہر کلام پر مبنی حنابلہ کی روایت (۲۱۷) یہ ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا دونوں شریکوں میں سے جس کے مال سے چاہے زکوٰۃ وصول کر لے خواہ اس کی ضرورت ہو یا ضرورت نہ ہو۔ ضرورت کی مثال یہ ہے کہ ایک جانور زکوٰۃ میں واجب ہوا اور وہ کسی ایک کے حصے سے ہی لیا جاسکتا ہے۔ ضرورت نہ ہونے کی مثال یہ ہے کہ ہر ایک کے مال سے الگ الگ زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے۔ دونوں مال مل کر زکوٰۃ کے وجوب کے حوالے سے ایک ہو گئے ہیں، پس اس صورت دونوں کے حصوں سے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔

اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ: ”زکوٰۃ کے خوف سے متفرق مال جمع نہ کیا جائے اور اکٹھا مال الگ الگ نہ کیا جائے“۔ خوف دو طرح کے ہیں: مال کے مالک کو زیادہ زکوٰۃ واجب ہونے کا خوف ہوتا ہے اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کو زکوٰۃ کی کمی کا خوف ہوتا ہے۔ پس مال کے مالکوں کے لیے جائز نہیں کہ متفرق مال جس میں ہر ایک میں ایک ایک بکری واجب ہے، جمع کر لیں تاکہ کم مقدار میں زکوٰۃ واجب ہو

اور نہ اکٹھا مال جس میں زکوٰۃ واجب شہی الگ الگ کر لیں تاکہ زکوٰۃ واجب نہ رہے۔ زکوٰۃ وصول کرنے والے کے لیے بھی جائز نہیں کہ شراکت داروں کا مال الگ الگ کرے تاکہ زیادہ زکوٰۃ واجب ہو اور اگر الگ الگ ہو تو اس نیت سے اسے اکٹھا نہ کر لے کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے۔

اگر زکوٰۃ وصول کرنے والا کسی ایک حصہ دار کے حصے سے زکوٰۃ وصول کر لے تو وہ حصہ دار اپنے دوسرے شریک سے اس کے حصے کی زکوٰۃ وصول کر لے۔ یہی مالکیہ کی رائے بھی ہے (۲۱۸) حضرت انسؓ سے مروی اوپر مذکور حدیث پر عمل کا یہی تقاضا ہے کہ جو مال دو آدمیوں میں مشترک ہو وہ برابری کے لیے ایک دوسرے کی طرف رجوع کر کے حساب درست کر لیں مثلاً ایک کا حصہ ایک تہائی اور دوسرے کا دو تہائی ہے اور زکوٰۃ وصول کرنے والے نے ایک تہائی حصہ رکھنے والے کے حصے سے زکوٰۃ وصول کر لی تو وہ اپنے دوسرے ساتھی سے دو تہائی کی قیمت وصول کر لے اور اگر دو تہائی والے سے زکوٰۃ وصول کی گئی تو وہ اپنے ساتھی سے ایک تہائی کی قیمت وصول کر لے۔

اگر دونوں میں اختلاف ہو جائے اور ثبوت نہ ہو تو جس سے قیمت وصول کی جا رہی ہے اس کی بات کا اعتبار ہوگا لیکن قسم کے ساتھ کیوں کہ تاوان اسے دینا پڑ رہا ہے اس لیے اس کی بات کا اعتبار ہے جیسا کہ مالک اور غاصب میں مال مغصوب کے تلف ہو جانے کے بعد قیمت میں اختلاف ہو جائے تو قسم کے ساتھ غاصب کی بات معتبر مانی جائے گی۔

اگر بلا وجہ زکوٰۃ وصول کرنے والا مقررہ زکوٰۃ سے زیادہ لے لے مثلاً ایک بکری کی جگہ دو یا حقہ کی جگہ جذعہ تو دوسرے ساتھی سے اتنا ہی وصول کر سکتا ہے جتنی کہ مقررہ زکوٰۃ میں اس کا حصہ تھا، اضافہ وصول نہیں کر سکتا، اضافہ ظالم کے سوا کسی سے وصول نہیں کیا جاسکتا۔

اگر کسی جائز وجہ کی بنا پر مقررہ زکوٰۃ سے زیادہ لیتا ہے مثلاً بیمار جانوروں کی جگہ ایک تندرست جانور یا کئی چھوٹے جانوروں کی جگہ ایک بڑا جانور لے لیتا ہے تو جتنا زکوٰۃ وصول کرنے والے نے وصول کیا ہے اسی حساب سے اپنے دوسرے شریک سے وصول کر لے کیوں کہ یہ فیصلہ حکمرانوں کی طرف سے اجتہادی فیصلہ ہے اور اجتہادی فیصلہ توڑا نہیں جاسکتا، نیز اگر زکوٰۃ وصول کرنے والے مقدار زکوٰۃ کے برابر قیمت وصول کر لی تو اسی حساب سے اپنے دوسرے شریک سے لے لے کیوں کہ یہ بھی اجتہادی فیصلہ ہے۔

## ۵۔ جانوروں کی زکوٰۃ کے متفرق احکام:

۱۔ کیا زکوٰۃ متعین مال میں واجب ہے یا ایک ذمہ داری ہے؟

اس سلسلے میں فقہاء کی دو آراء ہیں: (۲۱۹)

۱۔ حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کا جدید مذہب یہ ہے کہ زکوٰۃ متعین مال میں واجب ہے۔ کسی شخص کے ذمے میں نہیں۔ پس اگر زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد مال ضائع ہو گیا تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، حنفیہ کی اصح روایت کے مطابق اگر زکوٰۃ وصول کرنے والے کو زکوٰۃ کی ادائیگی سے روکنے کے بعد مال ضائع ہو گیا تب بھی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ کیوں کہ زکوٰۃ ایک ایسا حق ہے جس کا تعلق مال سے ہے۔ مال کے ضائع ہونے سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، زکوٰۃ کا تعلق متعین مال سے ہے جیسے کہ مضارب کا حق۔ اگر مال کا کچھ حصہ ضائع ہو جائے تو اتنے حصے کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

البتہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر مال ضائع کر دے تو زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی کیوں کہ واجب ہونے کے بعد وہ امانت کی طرح ہے اگر امانت کو کوئی شخص دانستہ ضائع کر دے تو اس کا تاوان دینا واجب ہوتا ہے۔

ب۔ حنابلہ کے نزدیک سال پورا ہو جائے تو زکوٰۃ ایک ذمہ داری بن جاتی ہے، خواہ مال خود بخود ضائع ہو گیا ہو یا ضائع کر دیا ہو۔ جب سال گزر گیا اور زکوٰۃ ادا نہیں کی تو جو وقت گزر گیا اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

زکوٰۃ کا تعلق چوں کہ متعین مال سے ہے اس لیے شافعیہ نے اس پر یہ ذیلی مسئلہ بیان کیا کہ اگر کسی مال میں زکوٰۃ واجب ہوگئی خواہ وہ کھجوریں ہوں، غلہ ہو، جانور یا نقدی یا کوئی اور چیز اور اس کے مالک نے زکوٰۃ ادا کرنے سے پہلے اسے فروخت کر دیا تو مقدار زکوٰۃ مال کی فروخت جائز نہیں کیوں کہ وہ مساکین کا حصہ ہے اور ان کی اجازت کے بغیر ان کا حصہ فروخت نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ وہ اس میں شریک ہیں۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس مال کو فروخت کرنا جائز ہے البتہ مالک مقدار زکوٰۃ ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

## ۲۔ زکوٰۃ میں قیمت ادا کرنا:

الف۔ حنفیہ کہتے ہیں (۲۲۰) زکوٰۃ کی بنیاد یہ ہے کہ زکوٰۃ میں نصاب کا ایک حصہ دینا واجب ہے۔ چاہے صورت اور معنی حصہ ہو یا صرف معنی۔ اس بنیاد کی اساس پر زکوٰۃ میں قیمت ادا کرنا جائز ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ، عشر، خراج، صدقہ فطر، نذر اور غلام آزاد کرنے کے سوا دوسرے کفارے میں قیمت ادا کرنا بھی جائز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ کے وجوب کے دن جو قیمت ہو وہ ادا کی جائے اور صاحبینؒ کے نزدیک زکوٰۃ ادا کرنے کے دن کی قیمت ادا کی جائے۔ چرنے والے جانوروں میں بالاتفاق حنفیہ کے نزدیک ادا کرنے کے دن قیمت دی جائے۔ جس شہر میں مال ہو اس میں جو قیمت ہو اس کے حساب سے زکوٰۃ کا تعین ہوگا۔ اگر مال جنگل میں ہو تو قریب ترین شہر کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ نصاب کا ایک جز ادا کرنا واجب ہے اور معنوی اعتبار سے قیمت نصاب کا جز ہے۔ قیمت ادا کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ نصاب کا ایک حصہ ادا کرنا کیوں کہ دونوں مال ہیں اور قیمت ادا کرنے میں زکوٰۃ دینے والے کو بھی آسانی ہے اور فقیر کو بھی آزادی ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق اسے جہاں چاہے خرچ کر سکتا ہے۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے اونٹوں میں ایک اونٹنی کو ہان والی اونٹنی (۲۲۱) دیکھی تو آپؐ زکوٰۃ وصول کرنے والے پر ناراض ہوئے اور فرمایا: ”کیا میں نے تمہیں روکا نہیں تھا کہ لوگوں کے عمدہ مال نہ لینا (۲۲۲)۔ اس نے کہا، میں نے دو اونٹ دے کر یہ ایک اونٹنی لی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا میں نے قیمت ادا کر کے خریدی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ ایک اونٹنی کے بدلے میں دو اونٹ دینا قیمت کے اعتبار سے ہی تھا“ (۲۲۳)۔

ب۔ جمہور کی رائے یہ ہے (۲۲۴) کہ زکوٰۃ میں قیمت ادا کرنا جائز نہیں کیوں کہ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اس نے صراحت سے بتایا ہے کہ کس کس چیز میں زکوٰۃ ہے، اس لیے اسے دوسری چیز سے بدلنا جائز نہیں۔ جیسا کہ قربانی کے لیے اس نے جانوروں کی تخصیص کر دی ہے، اس کی قیمت دینا جائز نہیں۔ دوسرے الفاظ میں زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور عبادات میں اللہ کے حکم کی اطاعت ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”چالیس بکریوں میں ایک بکری اور دو سو درہم میں پانچ درہم“۔ یہ احادیث: ”اتوا الزکوٰۃ“ (البقرۃ ۲: ۲۷۷؛ زکوٰۃ دیا کرو) مجمل حکم کی تفصیل ہے اس لیے بکری ہی دینا ضروری ہے اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تو فرمایا: ”غلے میں سے غلہ، بھیڑ بکریوں میں سے بکری، اونٹوں میں سے اونٹ اور گائیوں میں

سے گائے زکوٰۃ میں وصول کرنا“ (۲۲۵)۔ یہ نص ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے۔ اسے چھوڑ کر قیمت وصول کرنا جائز نہیں کیوں کہ اس سے حدیث میں جس چیز کا حکم آیا ہے اسے چھوڑ کر دوسری چیز لینا لازم آتا ہے۔ اور قیمت ادا کرنا نص کو ترک کرنے کے مترادف ہے، پس اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، جیسا کہ عمدہ مال کی جگہ گھٹیا مال دینا۔ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے زکوٰۃ متعین مال میں واجب ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ پانچ صورتوں کے سوا زکوٰۃ میں قیمت وصول کرنا جائز نہیں: مال تجارت میں، اصل واجب مال نہ ہونے کی صورت میں مثلاً واجب اونٹ موجود نہ ہو، اس کی جگہ دو بکریاں یا بیس درہم لینا، پچیس اونٹوں سے کم ہوں اور ان میں بکری ادا کرنا، اگرچہ بکری اونٹ کی قیمت نہیں ہے لیکن قیمت کے مفہوم میں ہے۔ جو نقدی یا مال زکوٰۃ کے طور پر واجب ہو وہ موجود نہ ہو اور اس سے کم یا زیادہ ادا کرنے کی صورت میں جب کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا اپنی طرف سے کسی کوتاہی کے بغیر اجتہاد کر کے دو فرض مقداروں میں سے کسی ایک کو اختیار کرتے ہوئے زکوٰۃ وصول کرے اور مالک نے مال چھپایا نہ ہو۔ نیز امام کو مستحقین کے لیے نقد رقم کی ضرورت ہے اور اس مال زکوٰۃ کے بدلے اس کی قیمت وصول کر لے کیوں کہ مال زکوٰۃ سے مستحقین کی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو۔

ہم حنفیہ کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں کیوں کہ زکوٰۃ کا مقصد فقیر کو بے نیاز کرنا اور ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا ہے اور یہ مقصد جس طرح زکوٰۃ دینے والے کے اصل مال کے حصے میں سے دینے سے حاصل ہو جاتا ہے اسی طرح قیمت سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ نیز فقیر اصل مال کی بجائے قیمت میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ لوگوں کے لیے قیمت ادا کرنا اور اس کا حساب رکھنا آسان ہے۔



۳۔ مختلف اجناس کو ایک دوسرے سے ملانا:

اہل علم میں اس مسئلہ پر اختلاف نہیں کہ مختلف اجناس کو ایک دوسرے سے ملایا جا سکتا ہے تاکہ زکوٰۃ واجب ہو (۲۲۶) بھیڑوں اور بکریوں کو، گائیوں اور بھینسوں کو، اونٹوں کی مختلف اقسام (۲۲۷) کو آپس میں ملا دیا جائے۔

جمہور کے نزدیک زکوٰۃ ادا کرنے والا جس قسم سے چاہے زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے، خواہ اس قسم کے انتخاب کی کوئی ضرورت ہو مثلاً ایک ہی چیز واجب ہوتی ہو یا دونوں اقسام میں سے کوئی ایک الگ سے کسی ایک جانور کے واجب ہونے کا باعث نہیں یا کوئی ضرورت نہ ہو مثلاً ہر قسم میں سے الگ الگ زکوٰۃ واجب ہوتی ہو، کیوں کہ یہ دونوں اقسام جانوروں کی ایک جنس سے ہیں، اس لیے جس قسم سے چاہے زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

اگر کسی کے پاس بیس بھیڑیں اور بیس بکریاں ہیں تو جو چیز چاہے لے لے البتہ اس کی قیمت آدھی بھیڑ اور آدھی بکری کے برابر ہو۔

شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر جانور ایک ہی قسم کے ہوں تو انہیں سے زکوٰۃ وصول کی جائے مثلاً سارے ایک ہی قسم کے اونٹ ہوں یا ساری بھینسیں ہوں۔ بھیڑ کی جگہ بکری اور بکری کی جگہ بھیڑ قیمت کی رعایت کرتے ہوئے لینا واجب ہے۔ اگر مالک کے پاس بھیڑیں اور بکریاں دونوں ہوں تو اسے اختیار ہے کہ قیمت کی رعایت کرتے ہوئے جس قسم سے چاہے زکوٰۃ ادا کر دے مثلاً اگر تیس بکریاں اور دس بھیڑیں ہیں اور زکوٰۃ وصول کرنے والا بکری اور بھیڑ میں سے کوئی بھی لے سکتا ہے۔ البتہ بھیڑ تین چوتھائی بکری اور ایک چوتھائی بھیڑ کی قیمت کے برابر ہو اور بکری تین چوتھائی بھیڑ اور ایک چوتھائی بکری کی قیمت کی ہو۔

اس رائے کے باعث درحقیقت شافعیہ دوسرے مذاہب سے متفق ہیں البتہ ان کے نزدیک بھیڑ اور بکری میں قیمت کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

۴۔ جانوروں کے بچے زکوٰۃ میں اصل جانوروں کے تابع ہوتے ہیں:

چاروں ائمہ اس امر پر متفق ہیں (۲۲۸) کہ جانوروں کے بچے جو سال کے دوران پیدا ہوں اور ان کی پیدائش سال پورا ہونے سے پہلے ہوگئی ہو تو وہ اپنی ماؤں کے تابع ہو کر مال زکوٰۃ میں شمار ہوں گے اور سال کی اصل زکوٰۃ کے ساتھ ان پر بھی زکوٰۃ دینا ہوگی، خواہ وہ سال پورا ہونے سے ایک لمحے پہلے پیدا ہوئے ہوں۔ کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل (زکوٰۃ وصول کرنے والا) سے کہا تھا: ”چھوٹے بچے کو شمار کر لینا (۲۲۹) جنہیں چرواہا اپنے سامنے رکھتا ہے، لیکن زکوٰۃ میں چھوٹے بچے نہ لینا“ (۲۳۰) چوں کہ سال کی شرط اس لیے ہے کہ اس میں مال میں اضافہ مکمل ہو جاتا ہے اور بچوں کا ہونا اضافہ ہے، اس لیے انہیں بھی مال تجارت کی طرح سال کے دوسرے مال کے ساتھ شامل کیا جائے گا۔

پس اگر کسی شخص کے پاس ایک سو بیس بکریاں ہوں اور سال پورا ہونے سے لمحہ بھر پہلے ایک بچہ پیدا ہو جائے اور ان کی مائیں سب زندہ ہوں تو دو بکریاں زکوٰۃ میں دینا ہوں گی۔

اگر بچہ سال پورا ہونے کے بعد پیدا ہو یا ابھی ماں کے پیٹ سے پورا نہیں نکلا تھا کہ سال پورا ہو گیا تو اسے شمار نہیں کیا جائے گا کیوں کہ اس کی مکمل پیدائش سے پہلے، پچھلا سال پورا ہو گیا اسے اگلے سال میں شمار کرنا ہی مناسب ہے۔

چھوٹے بچوں پر زکوٰۃ:

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر صرف اونٹوں، گائیوں اور بھیڑ بکریوں کے بچے ہوں، ان کے ساتھ ایک بھی بڑا جانور نہ ہو تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اگر ان کے

ساتھ ایک بھی بڑا جانور ہو تو اگر وہ عمدہ قسم کا نہ ہو تو وہی زکوٰۃ میں واجب ہے ورنہ درمیانہ جانور واجب ہوگا۔ ان کے نزدیک یہ شرط ہے کہ کم از کم ایک جانور اس عمر کا ہو جس عمر کے جانور زکوٰۃ میں دیے جاسکتے ہیں یعنی ایک سال کا ہو۔ سارے یا بعض جانور ایک سال یا اس سے زائد ہونا ضروری ہیں کیوں کہ زکوٰۃ کی مقدار میں سال سے فرق پڑتا ہے اس لیے اس کی کمی سے بھی اسی طرح فرق پڑے گا جیسے کہ تعداد کے کم زیادہ ہونے سے فرق پڑتا ہے۔ باقی ائمہ کا اس سے اتفاق نہیں۔ ان کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوگی کیوں کہ چھوٹے بچے جب بڑوں کے ساتھ شمار ہوتے ہیں تو الگ سے بھی اسی طرح شمار ہوں گے جیسے ان کی مائیں شمار ہوتی ہیں۔ تعداد بڑھنے سے زکوٰۃ میں اضافہ ہوتا ہے جب کہ عمر بڑھنے سے زکوٰۃ میں اضافہ نہیں ہوتا۔

### ۵۔ سال کے دوران ملنے والے جانور:

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں (۲۳۱) جس کے پاس مقدار نصاب موجود ہے۔ سال کے دوران اسی جنس سے خریداری، ہبہ یا صدقہ کے ذریعے اس کے پاس اور مال آگیا تو اسے اصل نصاب کے ساتھ ملا کر سارے پر زکوٰۃ دے جیسا کہ مال تجارت کے منافع اور جانوروں کے بچوں کو ملا لیا جاتا ہے اور سال کا اعتبار اصل نصاب کے سال سے ہوگا کیوں کہ باقی مال اصل کے تابع ہے جیسے کہ اصل پر اضافہ مثلاً سامان تجارت کی قیمت بڑھ جائے تو سارے مال پر زکوٰۃ واجب ہے اگر درمیان میں ملنے والا مال دوسری جنس سے ہو تو بالاتفاق اسے ملایا نہیں جائے گا۔

شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے (۲۳۲) کہ خریداری سے یا دوسرے کسی ذریعے مثلاً ہبہ، وراثت، وصیت وغیرہ سے سال کے درمیان جو مال ملتا ہے اسے پہلے مال سے ملانا

درست نہیں، اس کا سال نئے سرے سے شروع کیا جائے کیوں کہ یہ جانوروں کے بچوں کے مفہوم اور زمرے میں شامل نہیں۔ ایک سال مکمل ہونے کی دلیل موجود ہے اور جانوروں کے بچے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی بنا پر مستثنیٰ ہیں، اس لیے جانوروں کے بچوں کے علاوہ دوسرا مال اپنے اصل حکم (سال گزرنے) پر باقی رہے گا۔ نیز جانوروں کے بچے ملکیت میں بھی اصل کے تابع ہوتے ہیں، جب کہ نیا مال کسی کے تابع نہیں ہوتا۔

اس اختلاف سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر کسی کے پاس پانچ اونٹ یا تیس گائے یا چالیس بکریاں تھیں سال کے دوران اسے ہبہ یا صدقہ یا وقف کے استحقاق کے باعث یا قرض کی وصولی یا خریداری کے ذریعے مزید اتنے جانور مل گئے کہ نصاب کی اگلی شرح کے برابر ہو گئے تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک انہیں پہلے جانوروں سے ملا کر سارے مال پر زکوٰۃ دی جائے مثلاً پہلے اس پر ایک بکری یا ایک چھڑا یا ایک اونٹ واجب تھا تو اب دو بکریاں یا دو چھڑے یا دو اونٹ واجب ہوں گے۔

اسی طرح اگر کسی کے پاس سال کے شروع میں مقدار نصاب نقدی تھی، پھر ہر مہینے تنخواہ لے کر اس میں شامل کرتا رہا تو آخری مہینے کی تنخواہ تک جمع شدہ تمام رقم پر زکوٰۃ دے گا۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک سال کے دوران حاصل ہونے والے مال کا سال، نئے سرے سے شروع کیا جائے گا۔ ہر نئے مال کے لیے نیا سال شمار ہوگا۔

۶۔ زکوٰۃ نصاب پر واجب ہے نہ کہ (اوقاص) یعنی دو مقداروں کے درمیان کے مال پر:

اوقاص، قص کی جمع ہے، جانوروں کی دو مقداریں جن پر زکوٰۃ فرض ہے ان کے

درمیان کی تعداد۔

اوقاص یعنی زکوٰۃ کی دو مقداروں کی درمیانی تعداد پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ تمام مذاہب کا اتفاق ہے (۲۳۳) کہ زکوٰۃ کا تعلق صرف مقرر نصاب سے ہے، درمیانی تعداد پر زکوٰۃ نہیں کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”اوقاص پر زکوٰۃ نہیں ہے“ (۲۳۳)، کیوں کہ درمیانی تعداد نصاب سے کم مال ہے، اس پر زکوٰۃ ابتداءً واجب نہیں ہوتی اس لیے اس پر زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی جیسا کہ نصاب کی ابتدائی تعداد مکمل نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

جو مقدار نصاب سے کم ہو اس پر زکوٰۃ معاف ہے اور جو نصاب کی ایک حد سے دوسری حد کے درمیان ہو اس پر بھی معاف ہے۔ اگر زائد مال ضائع ہو جائے اور مقدار نصاب باقی رہے تو زکوٰۃ واجب رہے گی مثلاً کسی کے پاس نو اونٹ یا ایک سو بیس بکریاں تھیں، سال پورا ہونے کے بعد چار اونٹ یا اسی، بکریاں مر گئیں تو زکوٰۃ میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

۷۔ ساعی (زکوٰۃ وصول کرنے والا) کس قسم کا مال زکوٰۃ میں لے؟

ساعی، عامل یا مصدق اس شخص کو کہتے ہیں جو حاکم کی طرف سے زکوٰۃ اور ٹیکس وصول کرنے کے لیے مقرر ہو۔

اگر مال میں عمدہ جانور ہوں اور کم تر بھی (۲۳۵)، موٹے تازے اور دبے پتلے بھی، تندرست اور بیمار بھی، بڑے اور چھوٹے بھی، تو عامل پر واجب ہے کہ دونوں قسم کے مالوں کی درمیانی قیمت کا مال زکوٰۃ کے طور پر لے، تاکہ عدل کے تقاضے پورے ہوں۔ حنفیہ کے نزدیک درمیانے سے مراد اعلیٰ مال کی ادنیٰ قسم اور ادنیٰ مال کی اعلیٰ قسم ہے نہ تو سب سے عمدہ مال لے اور نہ گھٹیا اور نہ بچے لے۔ اگر سارا مال عمدہ ہے تو سنفیہ کے نزدیک عمدہ مال ہی لے (۲۳۶) کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے جو اوپر حضرت معاذؓ کی حدیث میں بیان ہوا کہ:

”لوگوں سے ان کے عمدہ مال نہ لیا کرو“، نیز آپؐ نے فرمایا: ”اللہ تم سے، سب سے اچھا مال نہیں مانگتا اور سب سے بُرے مال کے دینے کا حکم نہیں دیتا“ (۲۳۷)۔

چوں کہ زکوٰۃ کا دار و مدار باہمی ہمدردی پر ہے اور بیمار جانوروں میں سے تندرست لے لینا، ہمدردی کے تقاضے کے خلاف ہے۔ ہمدردی کا تقاضا یہ ہے مالک اور مستحق دونوں کی رعایت کی جائے۔

فقہاء نے اس اصول کی بنیاد پر کئی فروری مسائل بیان کیے ہیں:

حنفیہ کہتے ہیں (۲۳۸) عامل کے لیے عمدہ اور ردی مال لینا جائز نہیں، ہاں مالک کی رضامندی سے قیمت کر کے لے سکتا ہے، نہ بچے کو دودھ پلانے والا جانور، نہ گا بھن اور نہ ایسا جانور جیسے ذبح کرنے کے لیے موٹا تازہ کیا جا رہا ہو لینا جائز ہے۔

عامل درمیانے درجے کا جانور لے، خواہ نصاب ایک ہی قسم پر مشتمل ہو یا دو اقسام مثلاً بھیڑ بکری، گائے اور بھینس، عربی اور بختی اونٹ پر مشتمل ہو۔ درمیانے سے مراد یہ ہے کہ اعلیٰ قسم کا ادنیٰ درجہ ہو اور ادنیٰ قسم کا اعلیٰ درجہ ہو۔

اونٹوں کی زکوٰۃ میں نر اونٹ لینا درست نہیں، کیوں کہ ان میں مادہ اونٹیاں یعنی بنت مخاض، بنت لبون، حقہ اور جذع لینا متعین ہیں۔ نر اونٹ یعنی ابن مخاض، ابن لبون، حق اور جذع لینا درست نہیں البتہ قیمت کر کے لیے جاسکتے ہیں کیوں کہ نص نے صرف مادہ اونٹیوں کی زکوٰۃ لینے کا حکم دیا ہے۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ میں قیمت دی جاسکتی ہے۔

گائے میں نر اور مادہ دونوں لینے جائز ہیں کیوں کہ نص میں اس کی اجازت ہے۔ صرف بچوں میں اور صرف نر جانوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں البتہ مادہ بڑے جانوروں کے

ساتھ بچے اور نر جانور ہوں تو انہیں بھی شمار کیا جائے گا اور جو زکوٰۃ (مثلاً، یعنی دو سالہ بچھڑا یا بچھڑی) بڑے جانوروں پر واجب ہوگی، وہی بچوں پر واجب ہوگی۔

اگر جس عمر کا جانور زکوٰۃ میں واجب ہے وہ مالک کے پاس موجود نہ ہو تو عامل کے لیے جائز ہے کہ اس سے بڑا جانور لے کر زائد کی قیمت مالک کو لوٹا دے یا کم عمر جانور لے کر باقی کی قیمت مالک سے لے لے۔ حنفیہ نے قیمت کا تعین نہیں کیا کیوں کہ مختلف اوقات میں گرانی اور ارزانی ہوتی رہتی ہے (۲۳۹)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جو جانور زکوٰۃ میں واجب ہو وہ درمیانے درجے کا لینا عامل کے لیے ضروری ہے، نہ تو بہت اچھا لے اور نہ گھٹیا، حتیٰ کہ اگر مالک کے پاس صرف عمدہ صرف گھٹیا جانور ہوں تب بھی درمیانے درجے کا جانور واجب ہے، ہاں اگر کوئی جانور مثلاً زیادہ گوشت کی وجہ سے فقرا کے لیے زیادہ کارآمد ہے تو عامل وہ لے سکتا ہے۔ زکوٰۃ میں چھوٹے بچے نہ لیے جائیں۔ اگر مالک کے پاس مثلاً بھیڑیں اور بکریاں برابر تعداد میں ہیں تو عامل کو اختیار ہے ان میں سے جو چاہے لے لے اور اگر برابر نہیں بلکہ ایک قسم کی تعداد زیادہ ہے مثلاً تیس بھیڑیں اور دس بکریاں ہیں یا اس کے برعکس ہے یا بیس گائیں اور دس بھینس ہیں تو جو زیادہ ہیں ان میں سے لے کیوں کہ اکثریت کو فوقیت حاصل ہوتی ہے۔

شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ میں بیمار اور عیب دار جانور نہ لیا جائے، ہاں اگر سارے جانور بیمار یا عیب دار ہوں تو اسی طرح کا لیا جاسکتا ہے۔ نیز نر جانور بھی نہ لیا جائے کیوں کہ نص میں مادہ جانور لینے کا حکم ہے البتہ اگر واجب ہی ہو مثلاً ابن لبون یا گائے میں تبیع تو نر کی زکوٰۃ جائز ہے یا سارے جانور نر ہوں تو ان میں سے نر ہی زکوٰۃ میں وصول کیا جائے گا جیسے کہ بیمار یا عیب دار جانوروں میں سے بیمار اور عیب دار ہی لیا

جائے گا۔ شافعیہ کے جدید مذہب کے مطابق چھوٹے جانوروں میں سے چھوٹا جانور ہی لیا جائے گا۔ دودھ پلانے والا، کھانے کے لیے رکھا ہوا، گا بھن اور بکریوں کے لیے رکھا ہوا بکرا اور عمدہ جانور زکوٰۃ میں نہ لیا جائے کیوں کہ حضرت معاذؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے: ”لوگوں سے ان کے اچھے مال نہ لیا کرو“۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ”کھانے کے لیے پالے جانے والے جانور، دودھ پلانے والا، گا بھن اور بکریوں کے لیے رکھا ہوا بزکوٰۃ میں نہ لو“ ہاں اگر مالک اپنی خوشی سے ان میں سے کوئی بھی دینا چاہے تو جائز ہے کیوں کہ وہ زیادہ نیکی کرنا چاہتا ہے اور ارشاد ربانی ہے: ”مَاعَلٰی الْمَحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلِ“ (التوبہ، ۹: ۹۱؛ نیکی کرنے والوں پر کوئی الزام نہیں)۔

اوپر ہم بتا چکے ہیں کہ زکوٰۃ کی کمی پورا کرنے کے لیے اگر مالک کے پاس مطلوبہ عمر کا اونٹ موجود نہ ہو تو مالک کو یہ حق ہے کہ اس سے ایک یا دو درجے اوپر یا نیچے کا اونٹ دے دے اور اگر اوپر کے درجے کا دیا ہو تو عامل سے دو بکریاں یا بیس درہم لے لے اور اگر نیچے کے درجے کا دیا ہو تو اسے دو بکریاں یا بیس درہم دے دے، اس طرح مالک کے لیے آسانی رہتی ہے اور اسے مطلوبہ جانور خریدنا نہیں پڑتا۔ دو بکریوں اور بیس درہم کا اختیار مالک اور عامل دونوں کو حاصل ہے کیوں کہ حضرت انسؓ کی حدیث میں جس میں حضرت ابو بکرؓ کی تحریر ہے اور بخاری نے روایت کی ہے ایسا ہی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں زکوٰۃ میں زر جانور، بوڑھا اور کانا (عیب دار) لینا جائز نہیں البتہ اگر عامل چاہے تو یہ کر سکتا ہے کہ اگر سارا مال اسی قسم کا ہے تو اسی میں سے زکوٰۃ وصول کر لے بوڑھے جانوروں میں سے بوڑھا، عیب داروں میں سے عیب دار اور زر جانوروں میں سے زر لے لے جیسا کہ شافعیہ کی رائے ہے اور حضرت ابو بکرؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں بھی یہی ہے۔



صحت مند جانوروں کی زکوٰۃ میں بیمار جانور دینا جائز نہیں خواہ اس کی قیمت زیادہ ہو کیوں کہ اس سے منع کیا گیا ہے اور اس میں فقرا کا نقصان ہے۔

دودھ پلانے والا، گابھن اور گوشت کے لیے رکھا ہوا جانور لینا بھی جائز نہیں، جیسا کہ شافعیہ کا مذہب ہے۔ زکوٰۃ میں چھوٹا بچہ لینا جائز نہیں البتہ اگر تمام جانور چھوٹے ہوں تو ان میں سے چھوٹا بچہ لینا جائز ہے جیسا کہ شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

زکوٰۃ کی کمی پورا کرنے کے سلسلے میں حنابلہ کی رائے شافعیہ سے ہم آہنگ ہے۔ جس شخص پر کسی خاص عمر کا جانور واجب ہو، صرف اسے (یعنی مالک کو) اختیار ہے، عامل یا فقیر کو اختیار نہیں، کہ ایک درجہ اوپر کا جانور دے دے اور اگر وہ بھی نہ ہو تو اسے ایک اور درجہ اوپر کا یا ایک درجہ نیچے کا اور اگر وہ بھی نہ ہو تو اس سے ایک اور درجہ نیچے کا اور ہر درجے کے بدلے میں دو بکریاں یا بیس درہم ہیں جن کے ذریعے لین دین میں کمی پوری کی جائے۔ نقصان کی تلافی کا جواز صرف اونٹوں میں ہے، جن کے بارے میں نص موجود ہے۔ دوسرے جانوروں میں نہیں کیوں کہ دوسرے جانوروں کا مسئلہ اونٹوں جیسا نہیں ہے۔ ایک تو اونٹ کی قیمت زیادہ ہوتی ہے دوسرے سالوں کے اختلاف سے بکریوں کی زکوٰۃ میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور گائیوں کی زکوٰۃ کے دو درجوں میں جو فرق ہے وہ اونٹوں کی زکوٰۃ کے دو درجوں سے مختلف ہے اس لیے اونٹوں پر قیاس جائز نہیں۔

اگر کسی پر گائے یا بکری کی زکوٰۃ واجب ہے اور اس کے پاس مطلوبہ معیار کی گائے یا بکری نہیں ہے تو کم تر درجے کا جانور زکوٰۃ میں دینا جائز نہیں۔ مالک کے ذمے واجب ہے کہ مطلوبہ معیار کا جانور حاصل کر کے زکوٰۃ دے اور اگر اعلیٰ درجے کا جانور موجود ہے اور بغیر نقصان کی تلافی وصول کیے دینے کو تیار ہے تو لے لیا جائے اور اگر ایسا کرنے کو تیار

نہ ہو تو اسے پابند کیا جائے کہ مطلوبہ معیار کا جانور خرید کر زکوٰۃ ادا کرے کیوں کہ واجب ادا کرنے کا یہی طریقہ ہے۔

**بحث پنجم: کیا عمارتوں، کارخانوں، محنت، ملازمت اور آزادانہ صنعت و حرفت کی آمدن پر زکوٰۃ واجب ہے؟**

ہم نے حصص اور سٹیفنڈس کی زکوٰۃ کا حکم نقدی کی زکوٰۃ کی بحث میں بیان کر دیا۔ اس بحث میں ہم اس آمدنی اور پیداوار کی زکوٰۃ کو زیر بحث لائیں گے جو کوئی شخص عمارتوں کے کرائے، کارخانوں کی پیداوار، ملازمتوں اور آزاد صنعت و حرفت کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ اس بحث میں دو مطالب ہیں۔

**مطلب اوّل: عمارتوں اور کارخانوں وغیرہ پر زکوٰۃ:**

موجودہ دور میں کاروبار اور منافع کے لیے سرمائے کا رُخ زمینوں اور تجارت کے بجائے دوسری کئی جہتوں کی طرف ہو گیا ہے۔ کرائے پر چلانے کے لیے مکانات اور عمارتیں بنائی جاتی ہیں، پیداوار کے لیے کارخانے قائم کیے جاتے ہیں، وسائل نقل و حمل کے لیے ہوائی جہاز، بحری جہاز اور گاڑیاں خریدی جاتی ہیں۔ جانور اور مرغ پالنے کے لیے بڑے بڑے قطععات اراضی تیار کیے جاتے ہیں۔ یہ تمام کاروبار صرف اسی ایک صفت میں شریک ہیں کہ ان کے اصل سرمائے پر زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ ان کے منافع اور پیداوار پر زکوٰۃ ہے۔

باوجودیکہ جمہور فقہاء نے اس نوع کی اشیاء پر زکوٰۃ کے وجوب کا قول اختیار نہیں کیا، بلکہ انہوں نے کہا کہ مکانوں، گھر کے سامان، صنعت و حرفت کی مشینری اور سواری کے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مذکورہ بالا اشیاء کی پیداوار پر مندرجہ ذیل شرائط کے تحت زکوٰۃ واجب ہونی چاہے کیوں کہ زکوٰۃ کے واجب ہونے کی علت یعنی مال

میں اضافہ اس میں پایا جاتا ہے، اور حکم کا ثبوت اور عدم ثبوت کا دارومدار علت پر ہے، نیز زکوٰۃ کے شرعی حکم کی حکمت کا یعنی سرمایہ داروں کے نفسوں کی پاکیزگی اور صفائی، محتاجوں سے شفقت، فقر کے خاتمہ میں شرکت، جس نے آج کے دور کی بہت سی تنظیموں کو مشغول کر رکھا ہے تقاضا یہ ہے کہ ان اشیاء پر زکوٰۃ واجب ہو۔

علماء المسلمین کے دوسرے مؤتمر اور مؤتمر البحوث الاسلامیہ کے دوسرے اجلاس ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء نے مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی: وہ بڑھنے والے اموال جن پر زکوٰۃ کے وجوب کے سلسلے میں فقہاء نے کوئی رائے نہیں دی اور نہ تصریح کی ہے ان کا حکم یہ ہے کہ: جو عمارتیں، کارخانے، بحری اور ہوائی جہاز زیر استعمال ہوں ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ البتہ ان کی خالص پیداوار میں زکوٰۃ ہے بشرطیکہ نصاب کے برابر ہو اور اس پر ایک سا گزر جائے۔

زکوٰۃ کی شرح سال کے آخر میں اڑھائی فی صد ہے یعنی خالص پیداوار کا اڑھائی فی صد، جیسا کہ سامان تجارت اور نقدی پر زکوٰۃ دی جاتی ہے۔ کمپنیوں کی زکوٰۃ ادا کرتے ہوئے ان کے مجموعی منافع کے بجائے ہر شریک کے الگ الگ حصے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

یہ قرار داد امام احمدؒ کی روایت کے مطابق ہے جن کی رائے یہ ہے کہ اس نوعیت کی زیر استعمال اشیاء کی پیداوار اور آمدنی سے زکوٰۃ وصول کی جائے اور بعض مالکیہ کی رائے سے بھی ہم آہنگ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جب ان اشیاء کے منافع قبضے میں آئیں ان پر زکوٰۃ دی جائے (۲۴۰)۔

ابن عقیل حنبلی اور زید یہ میں سے ہادیہ کی رائے یہ ہے اس نوعیت کی تمام اشیاء جب زیر استعمال آئیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے، جو زمین کرائے پر دی گئی ہو یا جو سامان اجرت پر دینے کے لیے ہو اور اجارہ کے لیے تیار کیا گیا ہو، اس کے رأس المال کی ہر

سال قیمت کر کے اس پر سامان تجارت کی طرح زکوٰۃ ادا کی جائے (۲۳۱)۔

مطلب دوم: محنت، ملازمت اور آزادانہ صنعت و حرفت کی آمدنی پر زکوٰۃ:

کام یا تو آزادانہ ہوگا یعنی سرکاری نوکری نہیں ہوگی جیسے ڈاکٹر، انجینئر، وکیل، درزی، بڑھئی وغیرہ اپنے آزادانہ کام کرتے ہیں۔

یا کسی حکومت یا ادارے کمپنی کی سرکاری یا غیر سرکاری نوکری ہوگی اور ملازم ہر ماہ اپنی تنخواہ وصول کرتا ہوگا۔ دونوں طرح کے کام کرنے والے، خواہ آزادانہ کام کریں یا ملازم ہوں انہیں جو آمدنی ہوتی ہے اسے فقہی اصطلاح میں ”حاصل شدہ مال“ کہتے ہیں۔ (۲۳۲)

حاصل شدہ مال کے بارے میں چاروں فقہی مذاہب کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس میں اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی جب تک کہ وہ نصاب کی مقدار کو نہ پہنچے اور اس پر ایک سال نہ گزر جائے۔ شافعیہ کے سوا باقی فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر اصل نصاب موجود تھا تو سال کے آخری لمحے تک اس میں جتنا اضافہ ہوتا رہا اس پر زکوٰۃ دینا واجب ہے۔

بعض صحابہؓ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے یہ قول اختیار کرنا بھی ممکن ہے کہ اس نوعیت کا حاصل شدہ مال جب قبضے میں آئے تو اسی وقت اس پر زکوٰۃ دے دی جائے خواہ اس پر پورا سال نہ گزرے جیسا کہ صحابہؓ میں سے ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور حضرت معاویہؓ کی رائے اور تابعین میں سے زہریؓ، حسن بصریؓ اور مکحولؓ کی اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ، باقرؓ، صادقؓ، ناصر اور داؤد ظاہریؓ کی رائے ہے۔ زکوٰۃ کی شرح: اڑھائی فی صد ہے، نقدی میں جن نصوص کے عموم سے اڑھائی فی صد زکوٰۃ واجب ہے ان کا تقاضا یہی ہے کہ اڑھائی فی صد ہو، خواہ اس پر سال گزر گیا ہو یا نیا حاصل شدہ مال ہو۔ جب کوئی شخص کسی کام یا

حرفت کے معاوضے کے حصول کے وقت اس کی زکوٰۃ ادا کر دے تو سال ختم ہونے پر دوبارہ زکوٰۃ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس طرح وقفے وقفے سے آمدنی حاصل کرنے والے افراد ان کسانوں کے برابر ہو جاتے ہیں جن پر محض فصل کی کٹائی اور صفائی سے غلے اور پھلوں پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔

## بحث ششم: زکوٰۃ کے مصارف

اس بحث میں دو مطلب ہیں:

(۱) مستحقین زکوٰۃ (۲) زکوٰۃ کی تقسیم کے متفرق احکام۔

مطلب اوّل: زکوٰۃ کے مستحقین کون ہیں؟

۱۔ مستحقین کے متعین ہونے کی دلیل:

سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۶۰ نے قطعی طور پر مستحقین زکوٰۃ کی آٹھ قسمیں بیان کی ہیں۔ آیت یہ ہے: انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضة من اللہ، واللہ علیم حکیم (التوبہ، ۹: ۶۰؛ صدقات کے مستحقین فقراء، مساکین، زکوٰۃ اکٹھی کرنے والے ہیں لوگوں کی دلجوئی کے لیے، گردنیں چھڑانے میں، قرض داروں کو، اللہ کی راہ میں اور مسافروں کو دی جائے، یہ اللہ کی طرف سے فرض ہے، اللہ علیم و حکیم ہے)۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ صرف ان آٹھ مصارف پر خرچ کی جا سکتی ہے۔

ابن عباسؓ سے صحاح ستہ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تو فرمایا: ”..... اگر وہ زکوٰۃ کے وجوب کا اقرار کرتے

ہوئے اطاعت اختیار کر لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے اغنیا سے لے کر ان کے فقرا کو دی جائے گی.....“۔ اس سے ثابت ہوا کہ زکوٰۃ خلیفہ کے حکم سے صاحب استطاعت مسلمانوں سے وصول کی جاتی ہے اور انہی کے محتاجوں کے اوپر خرچ کی جاتی ہے۔ صرف فقرا کا ذکر امام مالک کے مذہب کی دلیل ہے کہ اگر صرف ایک ہی قسم کے مستحقین کو زکوٰۃ دی جائے تو بھی کافی ہے۔

۲۔ کیا زکوٰۃ ان تمام آٹھ قسم کے مستحقین کو دینا ضروری ہے؟

شافعیہ کی رائے یہ ہے (۲۴۳) کہ واجب صدقات خواہ صدقہ فطر ہو یا زکوٰۃ ان تمام آٹھ قسم کے مستحقین کو دینا واجب ہے۔ انما الصدقات..... (التوبہ، ۹: ۶۰) کی آیت پر عمل کا تقاضا یہی ہے۔ آیت میں تمام صدقات کی ان آٹھ اقسام کی طرف اضافت اور نسبت کرتے ہوئے لام تملیک استعمال کیا ہے اور واو تشریک کے ذریعے سب کو اس مال میں شریک کر دیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ صدقات کے مالک یہ تمام لوگ ہیں اور صدقات ان سب کے مشترک ہیں۔ اگر حاکم زکوٰۃ تقسیم کرے تو اس کے آٹھ حصے کرے اور عامل (زکوٰۃ وصول کرنے والے) کا ایک حصہ بھی اسی میں شامل ہے۔ سب سے پہلے عامل کو اس کا حصہ دے کیوں کہ وہ اپنے کام کا معاوضہ وصول کرے گا اور باقی مستحقین ہمدردی کے طور پر اپنا حصہ لیں گے۔ اگر مالک خود یا اس کا کوئی وکیل زکوٰۃ تقسیم کرے تو عامل کا حصہ ختم ہو جاتا ہے اور باقی سات اقسام اگر موجود ہوں تو ان میں تقسیم کر دی جائے ورنہ جو اقسام موجود ہوں انہیں دے دی جائے۔ مستحب یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو ہر قسم کو زکوٰۃ دی جائے۔ ہر قسم میں سے تین سے کم افراد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، کیوں کہ جمع کی کم از کم تعداد تین ہے۔ اگر صرف دو افراد کو دی تو تیسرے کو زکوٰۃ دینے کا ذمہ دار رہے گا البتہ عامل

اس تعداد سے مستثنیٰ ہے کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ عامل اگر ایک ہی کافی ہے تو ایک ہی شخص کو زکوٰۃ دی جائے گی۔

بالعموم آج کل مختلف شہروں میں چار قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ فقیر، مسکین، قرض دار اور مسافر۔ شافعیہ کی ایک جماعت نے اجازت دی ہے صدقہ فطر تین تین فقراء یا مساکین کو دی جاسکتی ہے۔ شافعیہ میں سے الرویانی کی رائے یہ ہے کہ کسی بھی مستحقین کے تین تین افراد کو زکوٰۃ دی جائے، انہوں نے کہا کہ ہمارے مذہب پر عمل کرنا مشکل ہے اس لیے ہم اس فتویٰ کو اختیار کرتے ہیں۔

جمہور (حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ) کی رائے یہ ہے (۲۴۴) کہ کسی ایک قسم کے مستحقین کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ان میں سے کسی ایک کو زکوٰۃ دینا بھی جائز ہے۔ مالکیہ کے نزدیک زکوٰۃ مضطر یعنی جو شخص دوسروں کی بہ نسبت زیادہ حاجت مند ہو دینا مستحب ہے اور اختلاف سے بچنے اور یقینی طور پر زکوٰۃ کے حکم کو پورا کرنے کے لیے آٹھوں اصناف میں زکوٰۃ تقسیم کرنا مستحب ہے البتہ سب اقسام کو دینا واجب نہیں۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ آیت کا مفہوم دراصل یہ ہے کہ ان آٹھ اصناف سے باہر زکوٰۃ صرف نہیں کی جاسکتی جب کہ ان میں سے کسی کو بھی دی جاسکتی ہے۔ یعنی آیت کا مقصد ان اقسام کی تعیین ہے جنہیں زکوٰۃ دینا جائز ہے، یہ نہیں کہ ان سب کو زکوٰۃ دی جائے۔

ایک شخص کو زکوٰۃ دینے کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ ”الفقرا“ کا لفظ ”ال“ کے ساتھ جمع استعمال ہوا ہے اس لیے اسے مجاز پر معمول کرتے ہوئے اس سے جنس فقیر مراد لینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اور ایک شخص کو زکوٰۃ دینے سے اس پر عمل ہو جاتا ہے ورنہ اگر ”ال“ کو اس کے حقیقی معنی یعنی استغراق کے مفہوم میں لیا جائے کہ تمام فقیروں کو زکوٰۃ دی

جائے، تو اس پر عمل کرنا مشکل ہے کیوں کہ اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ ہر قسم کا صدقہ ہر فقیر کو دیا جائے اور یہ بات غیر معقول ہے۔

### ۳۔ آٹھ اقسام کا بیان:

زکوٰۃ کے مستحقین آٹھ اقسام کے افراد ہیں: فقراء، مساکین، زکوٰۃ کے عامل، دلجوئی کے لیے، گردنیں چھڑانے میں، قرض دار، راہ خدا میں اور مسافر (۲۳۵)۔

۱۔ فقراء: پہلے حصے والے: فقرا فقیر کی جمع ہے۔ شافیہ اور حنابلہ کی رائے میں فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس نہ مال ہو نہ کوئی ایسا روزگار جس سے اس کی ضرورت یا حاجت پوری ہو، نہ بیوی یا شوہر ہو نہ والدین، نہ اولاد جو اس کے اخراجات برداشت کریں۔ اس کی آمدنی اس کے کھانے، پہننے اور رہائش کی ضرورت کے لیے کافی نہ ہو مثلاً اسے دس روپے کی ضرورت ہے اور اس کے پاس تین ہی ہیں۔ خواہ صحت مند ہو، لوگوں سے سوال کرتا ہو، اس کے پاس مکان اور لباس ہو، جس سے اس کی خوش لباسی کا اظہار ہوتا ہو۔

۲۔ مساکین حصہ داروں میں دوسرے نمبر پر ہیں۔ مساکین مسکین کی جمع ہے۔ مسکین وہ شخص ہے جو اتنا کما سکتا ہو تو اس کی حاجت بمشکل پوری ہوتی ہو لیکن اس کی آمدنی اس کی کفایت نہ کرتی ہو مثلاً اسے دس روپے کی ضرورت ہے اور اس کے پاس آٹھ ہیں جس کی وجہ سے اسے اپنی ضرورت کے مطابق کھانا، لباس اور رہائش نہیں میسر آسکتی۔

شافیہ کے نزدیک فقیر، مسکین کی بہ نسبت زیادہ بدتر حالات کا شکار ہوتا ہے۔ فقیر وہ ہے جس کے پاس سرے سے مال اور کوئی ذریعہ آمدنی نہ ہو یا مال اور ذریعہ آمدنی تو ہو لیکن اس کے اپنے اخراجات اور مالی ذمہ داریاں اسراف اور بخل کے بغیر نصف حد تک بھی اس سے پوری نہ ہو سکتی ہوں۔ مسکین وہ ہے جس کا مال یا ذریعہ آمدنی اس کی نصف یا اس



سے کچھ زائد ضرورت پوری کرتی ہو لیکن اس کی کفایت کی مقدار میں نہ ہو۔ کفایت سے مراد یہ ہے کہ اگر کمانے والا ہے تو ہر روز اتنا کمائے جتنے کی ضرورت ہو اور اگر کمانے والا نہیں ہے تو اوسط عمر جو باسٹھ سال ہے، اس میں سے جتنی رہ گئی ہے اس کی ضرورت کے لیے کافی ہو۔

اس امر پر کہ فقیر مسکین کی بہ نسبت زیادہ بدتر حالات کا شکار ہوتا ہے شافیہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے فقیر کا ذکر کیا اور بالعموم پہلے سب سے اہم چیز کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کے بعد درجہ بدرجہ۔ نیز ارشاد ربانی ہے: *اما السفینة فکانت لمساکین یعملون فی البحر (الکہف ۱۸: ۷۹)*۔ کشتی مسکینوں کی ہے جو سمندر میں کام کرتے ہیں (اس آیت میں بتایا گیا کہ مسکین ہیں لیکن ان کے پاس کشتی ہے جس سے سمندر میں کام کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر سے پناہ مانگی اور مسکنت کا سوال کرتے ہوئے دعا کی: ”اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین مار اور مساکین کی جماعت کے ساتھ اٹھا“ (۲۳۶) جب کہ اللہ سے سختی مانگنا جائز نہیں اور یہ بھی اس سے بہتر حالت سے پناہ مانگی جائے۔ فقیر لغت میں اسے کہتے ہیں جو مفقور ہو، مفقور کا مطلب ہے جس شخص کی ریڑھ کی ہڈی کا مہرہ نکل گیا ہو اور اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔

حفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں مسکین فقیر کی بہ نسبت زیادہ بدتر حالت میں ہوتا ہے جیسا کہ بعض ائمہ لغت نے تصریح کی ہے۔ نیز ارشاد ربانی ہے: *او مسکیناً ذامتربة (البلد ۹۰: ۱۶)*؛ خاک آلود مسکین) یعنی جس نے اپنا بدن مٹی سے ملایا ہوا ہے تاکہ اس کے ذریعے اپنی پردہ پوشی کرے اس سے انتہائی سختی اور شدت کا اظہار ہوتا ہے۔ (۲۳۷) نیز مسکین کا مفہوم یہ ہے کہ جس کا کوئی مسکن اور ٹھکانا نہیں، وہیں رہ جاتا ہے جہاں پہنچتا ہے، اس سے اس کی سختی کی

انتہاء اور تنگی اور تنگ دستی کا اظہار ہوتا ہے۔

۳۔ عالمین زکوٰۃ: یعنی زکوٰۃ وصول کرنے والے بشرطیکہ عادل ہوں، زکوٰۃ کے مسائل سے آگاہ ہوں۔ عالمین زکوٰۃ میں عشر وصول کرنے والا، حساب کتاب رکھنے والا، مستحقین میں زکوٰۃ تقسیم کرنے والا، مال کا نگران، مالداروں سے مال جمع کرنے والا، مالداروں کے بارے میں بتانے والا، مویشیوں، ماپ اور تول کا حساب رکھنے والا، چرواہا اور ہر وہ شخص جس کے کام کی زکوٰۃ کے سلسلے میں ضرورت پڑتی ہے عالمین میں شامل ہے۔ البتہ قاضی اور حاکم شامل نہیں کیوں کہ انہیں بیت المال سے تنخواہ ملتی ہے۔ زکوٰۃ ادا کرتے وقت ماپ تول کی اجرت مالک کے ذمے ہے کیوں کہ زکوٰۃ ادا کرنا مالک کی ذمہ داری ہے، اس کے اخراجات بھی اسی کے ذمے ہیں، البتہ ماپ تول کر زکوٰۃ کے محافظوں کے پاس جمع کرانے کی اخراجات عالمین کے حصے سے ادا کیے جائیں۔ عامل کو اس کے کام کی اجرت دی جاتی ہے، اس لیے اگر وہ غنی ہو تب بھی اس کے لیے لینا جائز ہے۔ اگر اسے زکوٰۃ قرار دیا جائے تو مالدار کے لیے لینا جائز نہیں۔

۴۔ مؤلفۃ قلوب: لوگوں کی دلجوئی کے لیے زکوٰۃ دینا: ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا اسلام کے ساتھ تعلق کمزور ہوتا ہے، ان کی اسلام سے وابستگی مستحکم ہو جائے۔ مؤلفۃ قلوب کی دو قسمیں ہیں: مسلمان اور کافر:

کافروں کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جن سے بھلائی کی توقع ہو اور دوسری وہ جن سے نقصان کا اندیشہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے کفار کے کچھ لوگوں کو ان کی دلجوئی کے لیے زکوٰۃ دی، تاکہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپؐ نے ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، عیینہ بن حصن، اقرع بن حابس اور عباس

بن مرداس میں سے ہر ایک کو سو اونٹ دیے اور علقمہ بن علاشہ کو حنین کی غنیمت میں سے حصہ دیا (۲۴۸)۔

علماء کا اختلاف ہے کہ کفار کو ان کی دلجوئی کے لیے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، جب کہ وہ کافر ہوں۔ حنابلہ اور مالکیہ کہتے ہیں: اسلام کی ترغیب دینے کے لیے دی جاسکتی ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور مشرکوں دونوں کو دلجوئی کے لیے زکوٰۃ دی۔

حنفیہ اور شافعیہ کا موقف یہ ہے کہ کافر کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، نہ دلجوئی کے لیے نہ کسی اور مقصد کے لیے۔ اسلام کے آغاز میں جب مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور دشمن زیادہ تھے تو انہیں زکوٰۃ میں سے مال دیا گیا۔ جب اللہ نے اسلام اور اہل اسلام کو عزت دے دی اور انہیں کفار کی دلجوئی سے بے نیاز کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین میں سے کسی نے انہیں زکوٰۃ نہیں دی اور حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”ہم اسلام کے لیے کچھ نہیں دیں گے، جو چاہے ایمان لائے، جو چاہے کافر رہے۔“

جہاں تک مسلمانوں کی دلجوئی کا تعلق ہے کہ چوں کہ ہمیں ان کی ضرورت ہے اس لیے انہیں زکوٰۃ دی جائے گی، ان کی کئی قسمیں ہیں:

۱۔ جن کا اسلام کے ساتھ تعلق کمزور ہے، انہیں زکوٰۃ دی جائے گی تاکہ ان کی اسلام کے ساتھ وابستگی مضبوط ہو جائے۔

۲۔ ایسا مسلمان جو اپنی قوم میں معزز ہو اور اس کو مال دینے سے اس کی طرح کے دوسرے لوگوں کے اسلام قبول کرنے کی توقع ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان بن حرب اور دوسرے، اوپر مذکور افراد کو اسی سلسلے میں زکوٰۃ دی اور آپؐ نے زبیر بن بدر اور عدی بن حاتم کو اس لیے زکوٰۃ دی کہ وہ اپنی قوم میں معزز تھے۔

۳۔ وہ لوگ جو ایسی سرحدوں پر آباد ہیں جن کے پڑوس میں کفار رہتے ہیں تاکہ لڑائی میں وہ مسلمانوں کا دفاع کر سکیں۔

۴۔ جن لوگوں کے پاس عامل بھیجنا مشکل ہو، جو لوگ ان سے زکوٰۃ جمع کر کے لائے، اگرچہ وہ زکوٰۃ سے انکار نہ کرتے ہوں۔ روایات سے ثابت ہے کہ ارتداد کے موقع پر حضرت عدی بن حاتم اپنی اور اپنی قوم کی زکوٰۃ اکٹھی کر کے لائے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں اس میں سے کچھ مال دیا۔

فقہاء کا اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مؤلفۃ قلوب کا حصہ باقی ہے یا نہیں۔ حنفیہ اور امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ اسلام پھیل جانے اور غالب آجانے کے بعد ان کا حصہ باقی نہیں رہا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت سے سرفراز کیا اور مسلمانوں کو اس طبقے کی منت سماجت کر کے ان کو اسلام کی طرف مائل کرنے سے بے نیاز کر دیا ہے اس لیے اب زکوٰۃ کے مصارف آٹھ نہیں رہے بلکہ سات ہیں اور اس پر صحابہؓ کا اجماع ہے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں: اسلام کی قوت کے باعث کفار کی دلجوئی کی ضرورت نہیں رہی۔

جمہور اور مالکیہ میں سے خلیل کی رائے یہ ہے کہ مؤلفۃ قلوب کا مصرف باقی ہے منسوخ نہیں ہوا اور جب ضرورت پڑے انہیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ حضرت عمرؓ اور عثمانؓ نے اس لیے نہیں دی تھی کہ ان کی خلافت کے دوران انہیں زکوٰۃ دینے کی ضرورت نہیں رہی تھی، نہ کہ اس لیے کہ ان کا حصہ منسوخ ہو گیا تھا۔ مذکورہ بالا آیت قرآن حکیم میں نازل ہونے والی آخری آیات میں سے ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عدی بن حاتم اور زبیر بن بدر کو زکوٰۃ دی، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ انہیں زکوٰۃ دینے کا مقصد یہ ہے کہ

انہیں اسلام کی ترغیب دی جائے اور انہیں آگ میں کودنے سے بچایا جائے، یہ مقصد نہیں کہ وہ ہماری مدد کریں تاکہ یہ کہنا درست ہو کہ اسلام پھیل جانے کے بعد ان کی مدد کی ضرورت نہیں رہی اور ان کا حصہ ساقط ہو گیا۔

۵۔ گردنیں چھڑانے میں: حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس سے مکاتب (۲۳۹) مراد ہیں، یعنی وہ مسلمان غلام جن کے پاس اتنا سرمایہ نہیں کہ وہ اپنے مالکوں کو دے کر آزادی خرید سکیں، خواہ کما سکتے ہوں اور قوت رکھتے ہوں۔ جو غلام آزادی حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ صرف مکاتب ہونے کی صورت میں آزادی حاصل کر سکتا ہے لہذا اسی صورت میں اسے اپنی گردن چھڑانے کے لیے زکوٰۃ دینا ممکن ہے۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی رقم سے غلام خرید کر آزاد کرتا ہے تو وہ رقم غلاموں کو نہیں بلکہ ان کے مالکوں کو دی جاتی ہے چوں کہ اسی صورت میں ادائیگی زکوٰۃ میں مطلوبہ تملیک نہیں ہو پاتی، اس لیے مال زکوٰۃ سے غلام نہیں خریدا جا سکتا۔ اس ارشاد ربانی سے مکاتبوں کو دینے کے حکم کی تاکید ہوتی ہے۔ و آتوہم من مال اللہ الذی آتاکم (النور ۲۳: ۳۳) اللہ نے جو مال تمہیں دیا ہے اس میں سے تم مکاتبوں کو بھی دو) حضرت ابن عباسؓ نے ”فی الرقاب“ کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ اس سے مکاتب مراد ہیں۔

مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ”گردنیں چھڑانے کے مصرف سے غلام خرید کر آزاد کرے کیوں کہ جہاں بھی ’گردن‘ کا ذکر ہے وہاں گردن کی آزادی مراد ہے اور آزادی انہیں غلاموں کی ہوتی ہے جو مکمل غلام ہوں یعنی مکاتب نہ ہوں، جیسا کہ کفاروں میں مکمل غلام آزاد کیا جائے گا مکاتب کو آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہیں ہوتا۔

مکاتب کو زکوٰۃ دینے کی شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو اور محتاج ہو۔ چوں کہ اب دنیا میں کہیں بھی غلامی موجود نہیں، حکومتوں نے اسے ممنوع قرار دے دیا ہے، اس لیے ان کے حصے

کا اب کوئی وجود نہیں۔ اگر کہیں غلامی موجود ہے تو وہ غیر قانونی، غیر شرعی اور ناجاز ہے۔

۶۔ قرض دار: شافیہ اور حنابلہ کے نزدیک خواہ اس نے اپنی ذات کے لیے قرض لیا ہو یا کسی دوسرے کے لیے اور خواہ طاعت کے لیے قرض لیا ہو یا معصیت کے لیے۔ اگر اپنی ذات کے لیے قرض لیا تو اسے صرف اسی صورت میں زکوٰۃ دینا جائز ہے جب کہ وہ فقیر ہو۔ اور اگر لوگوں کے درمیان صلح صفائی کے لیے لیا ہے، خواہ غیر مسلم شہریوں کے مابین لیا ہو مثلاً جان یا مال کا نقصان ہو گیا ہو یا لوٹ کھسوٹ ہو گئی ہو تو ایسا شخص اگر مالدار ہو تب بھی اسے قرض داروں کے حصے سے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”صدقہ کسی مال دار کے لیے جائز نہیں بجز پانچ آدمیوں کے: جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو، زکوٰۃ وصول کرنے والا، قرض دار، جو شخص زکوٰۃ کے مال کو قیمت دے کر خرید لے۔ جس شخص کا کوئی پڑوسی مسکین ہو، وہ اسے صدقہ دے، پھر مسکین پڑوسی اسے ہدیے کے طور پر کچھ دے دے“ (۲۵۰)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ غارم (مقروض) سے مراد وہ شخص ہے جس پر قرض ہو اور اس کے پاس اتنا سرمایہ نہ ہو کہ قرض ادا کر کے نصاب کا مالک رہ سکے۔ مالکیہ کے نزدیک مقروض سے مراد وہ ہے جس نے کسی بے وقوفی یا فساد کے بغیر قرض لیا ہو اور اس کے پاس قرض ادا کرنے کی گنجائش نہ ہو بشرطیکہ اس نے کسی گناہ مثلاً شراب نوشی اور جو بازی کے لیے قرض نہ لیا ہو اور اس خیال سے بھی نہ لیا ہو کہ زکوٰۃ لے کر ادا کر دوں گا۔ اگر کسی کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کے وسائل تھے لیکن اس نے خرچ میں ہاتھ کھلا کرنے کے لیے قرض لے لیا کہ زکوٰۃ سے دے دے گا تو اسے بھی زکوٰۃ نہ دی جائے کیوں کہ اس کی نیت بری تھی۔ اس کے برعکس اگر کوئی ضرورت مند تھا اور اس نے اپنی ضرورت پوری

کرنے کے لیے قرض لیا اور نیت یہ تھی کہ زکوٰۃ ملے گی تو قرض ادا کروں گا تو اسے قرض کی مقدار زکوٰۃ دے دی جائے کیوں کہ اس کی نیت نیک تھی۔

اگر کسی نے گناہ کے لیے قرض لیا، بعد میں توبہ کر لی یا کسی برے مقصد کے لیے لیا، پھر توبہ کر لی تو بہتر یہ ہے کہ اسے زکوٰۃ دے دی جائے۔

۷۔ فی سبیل اللہ: راہ خدا میں، اس سے مراد ایسے مجاہدین جن کو سرکاری خزانے سے تنخواہ نہیں ملتی کیوں کہ جب ”سبیل“ کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے جہاد مراد ہوتا ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: ان اللہ يحب الذين يقاتلون في سبيله صفا (الصفا ۶۱: ۴)؛ اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو صف بندی کر کے اس کی راہ میں لڑائی کرتے ہیں) اور وقاتلوا في سبيل الله (البقرہ ۲: ۱۹۰)؛ اللہ کی راہ میں لڑائی کرو) وغیرہ، ان کی مہم کی تکمیل اور ان کی واپسی تک کے انتظامات کے لیے انہیں زکوٰۃ دی جائے گی، جمہور کے نزدیک خواہ وہ مال دار کیوں نہ ہوں۔ کیوں کہ اس میں عوام کی مصلحت ہے۔ جن مجاہدین کو سرکاری خزانے سے مقرر تنخواہ ملتی ہو ان کو زکوٰۃ نہ دی جائے کیوں کہ ان کے لیے جو تنخواہ مقرر ہے وہ کافی ہے، ان کو زکوٰۃ لینے کی ضرورت نہیں۔

لیکن کوئی شخص اپنے مال کی زکوٰۃ سے نہ خود حج کرے نہ کسی دوسرے کو اپنی طرف سے حج کرائے، نہ خود لڑائی میں شریک ہو نہ کسی دوسرے کو اپنی طرف سے لڑائی میں بھیجے کیوں کہ اس صورت میں متعلقہ مصرف (فی سبیل اللہ) میں زکوٰۃ ادا کرنے کے حکم کی تعمیل نہیں ہوتی۔

امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ مجاہد فی سبیل اللہ اگر فقیر ہو تو اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے ورنہ نہیں۔ حنابلہ اور بعض حنفیہ کے نزدیک حج بھی راہ خدا کے سفر میں شامل ہے، جو

شخص حج پر جانا چاہتا ہے اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کیوں کہ ابو داؤد میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے: ”ایک شخص نے اپنی اونٹنی راہ خدا میں وقف کر دی، اس کی بیوی نے حج کا ارادہ کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جاؤ، حج بھی راہ خدا کا سفر ہے۔“ حج پر جانے والا اگر فقیر ہے تو اگر فرض حج یا عمرہ ادا کر رہا ہے یا زکوٰۃ کے ذریعے ان میں سے کسی فرض کی ادائیگی پر مدد لے رہا ہے تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے کیوں کہ اس کے لیے فرض کی ادائیگی ضروری ہے۔ رہا نفل حج یا عمرہ تو وہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

۸۔ مسافر یا جو شخص کسی گناہ کے لیے نہیں بلکہ نیکی کا سفر کرنا چاہتا ہو اور مدد کے بغیر اس کے لیے منزل پر پہنچنا ممکن نہ ہو۔ نیکی کے سفر سے مراد حج، جہاد یا کوئی دوسرا مستحب سفر ہے، اگر مسافر دوران سفر محتاج ہو گیا ہو تو اسے اتنی زکوٰۃ دے دی جائے جس سے وہ اپنی منزل پر پہنچ جائے، خواہ اپنے وطن میں وہ مال دار ہو۔

۴۔ کیا ان اقسام کے علاوہ کسی اور کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

جمہور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ (۲۵۱) جو مصارف اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان کر دیے ہیں ان کے سوا کسی دوسرے مصرف میں زکوٰۃ استعمال کرنا جائز نہیں مثلاً مساجد، پل، باولیاں بنوانا، نہریں کھدوانا، سڑکیں تعمیر کرنا یا درست کرنا، مردوں کو کفن دینا، قرض ادا کرنا، مہمانوں کی خاطر مدارات کرنا، فضیلیں تعمیر کرنا اور جہاد کا ساز و سامان تیار کرنا مثلاً جنگی کشتیاں بنوانا، یا اسلحہ خریدنا وغیرہ جو ثواب کے کام ہیں لیکن اللہ نے ان کا ذکر نہیں کیا کیوں کہ ان میں تملیک نہیں ہوتی یعنی کوئی خاص فرد مالک نہیں ہوتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انما الصدقات للفقراء (التوبہ ۹: ۶۰) اس میں ”انما“ کا کلمہ حصر اور اثبات کے



لیے ہے، جس کا مطلب ہے صرف انہیں مصارف پر زکوٰۃ خرچ کی جائے جن کا ذکر ہوا اور ان کے سوا دوسرے مصارف پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ ان میں سرے سے مالک بنانے کا کوئی تصور نہیں ہے۔

البتہ کاسانی نے البدائع میں ”فی سبیل اللہ“ میں تمام نیکی کے کام شمار کیے ہیں۔ پس جو شخص بھی اللہ کی طاعت اور بھلائی کے راستے میں کوشاں ہیں اگر ضرورت مند ہے تو فی سبیل اللہ میں شامل ہے کیوں کہ فی سبیل اللہ ملک عام ہے، اس میں ملکیت شرط نہیں ہے یعنی فی سبیل اللہ اور عام ملکیت ہے۔ اس لیے مساجد وغیرہ کی تعمیر اور دوسری چیزیں جن کا اوپر ذکر ہوا فی سبیل اللہ میں شامل ہیں بعض حنفیہ نے کہا ہے کہ فی سبیل اللہ سے طلب علم مراد ہے۔ طالب علم اگر مال دار بھی ہو اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ حضرت انسؓ اور حسنؓ کی رائے یہ ہے کہ پل بنانے میں جو خرچ کیا جائے وہ زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ فی سبیل اللہ کی بہت صورتیں ہیں لیکن میرے علم میں اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہاں فی سبیل اللہ سے جہاد مراد ہے۔

### ۵۔ مستحقین زکوٰۃ کو کتنی مقدار میں زکوٰۃ دی جائے؟

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ فقیر اور مسکین کو کتنی مقدار میں زکوٰۃ دی جائے۔ (۲۵۲) شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ فقیر اور مسکین کو اتنی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے جس سے اس کی ضرورت پوری ہو یا اگر اس میں کام کرنے کی طاقت ہے تو اسے اتنی زکوٰۃ دی جائے جس سے وہ کام کرنے کے آلات خرید سکے یا تجارت کے لیے سامان خرید سکے، حتیٰ کہ اگر اسے اپنے کاروبار کے لیے زیادہ مال کی ضرورت ہے تو اتنا دیا جاسکتا ہے جس سے وہ اچھی طرح تجارت کر سکے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ان افراد کے لیے زکوٰۃ اس لیے

واجب کی ہے تاکہ ان کی ضرورتیں پوری کی جاسکیں اور ان کی مصلحتوں کا حصول ممکن ہو، پس زکوٰۃ کا مقصد ضرورت پوری کرنا اور حاجت دور کرنا ہے۔ اس لیے فقیر اور مسکین کو اتنا دینا چاہیے جو اس کی ضرورت کے لیے کافی ہو یعنی ایک سال کے اخراجات۔ صحیح مسلم میں قبیصہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تک کسی کو زندگی کی ضروریات حاصل نہ ہوں اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے۔“

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کسی ایک شخص کو نصاب کی مقدار یعنی دو سو درہم دے دینا مکروہ ہے البتہ جتنا دیا جائے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

امام مالکؒ نے اجازت دی ہے کہ نصاب کی مقدار زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ اس مسئلہ کا تعلق اجتہاد سے ہے اور اصل مقصد یہ ہے کہ فقیر کو مال دار کر دیا جائے لیکن مالکیہ کے نزدیک ایک سال سے زائد اخراجات دینا مکروہ ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ اور مالکؒ کے نزدیک آیت میں کسی ایسی مقدار کی تحدید نہیں ہے کہ ان اصناف میں سے ہر ایک کو کتنا دیا جائے۔

عادل کے بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے (۲۵۳) کہ اسے اس کے کام کی مقدار کے حساب سے دیا جائے یعنی جتنا اس کے اور اس کے عملے کے افراد کے لیے آمد و رفت کے لیے کافی ہو لیکن حنفیہ نے یہ شرط رکھی ہے کہ وصول شدہ زکوٰۃ کے نصف سے زائد نہ ہو۔

قرض دار نے اگر گناہ یا اسراف کے لیے قرض نہیں لیا بلکہ ضرورت کے لیے لیا ہے تو اسے اتنا دیا جائے جس سے اس کا قرض ادا ہو جائے۔

اسی طرح مسافر کو اتنا دیا جائے جس سے وہ اپنی منزل پر پہنچ جائے (۲۵۴)۔

## ۶۔ جو زکوٰۃ مانگے اور مستحق نہ ہو:

اس مسئلے میں زکوٰۃ کے آٹھوں مصارف شریک ہیں (۲۵۵) اور وہ یہ ہے کہ کوئی شخص زکوٰۃ کا سوال کرے اور حاکم کو معلوم ہو کہ وہ مستحق نہیں ہے تو اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور اگر معلوم ہو کہ مستحق ہے تو بالاتفاق زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

اگر اس کی حالت کا علم نہ ہو تو انسانی صفات دو طرح کی ہوتی ہیں: مخفی اور ظاہر۔ مخفی جیسے فقر و مسکنت، اگر فقر و مسکنت کا دعویٰ کرے تو اس سے ثبوت نہ مانگا جائے کیوں کہ اس کا ثبوت لانا مشکل ہے۔ اگر معلوم ہو کہ اس کے پاس مال تھا، لیکن وہ کہتا ہے کہ مال ضائع ہو گیا تو ثبوت کے بغیر اس کی یہ بات نہیں مانی جائے گی، اگر کہے کہ بڑا خاندان ہے جس کی ذمہ داریاں ہیں تو صحیح یہ ہے کہ اس کا ثبوت لانا ضروری ہے۔

ظاہر صفات کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جن میں زکوٰۃ کا استحقاق مستقبل سے ہے مثلاً کوئی شخص جہاد یا سفر کے لیے زکوٰۃ کا خواہش مند ہے تو بلا ثبوت اور قسم لیے بغیر انہیں زکوٰۃ دے دی جائے، پھر اگر معلوم ہو کہ وہ نہیں گیا تو اسے دی ہوئی زکوٰۃ واپس لے لی جائے۔ اس دوران میں معمول کے مطابق اس کی نگرانی کی جائے کہ وہ جہاد یا سفر کے لیے جا رہا ہے یا نہیں۔ دوسرے وہ جن میں زکوٰۃ کا تعلق حال سے ہے اور اس میں باقی تمام مصارف شریک ہیں۔ مثلاً عامل زکوٰۃ اگر زکوٰۃ جمع کرنے کا دعویٰ کرے تو اس سے ثبوت مانگا جائے گا، اسی طرح مکاتب اور قرض دار سے بھی ثبوت مانگا جائے گا۔ اگر مؤلفہ قلوب یہ کہے کہ اس کا اسلام سے تعلق بہت کمزور ہے تو اس کی بات مان لینی چاہیے کیوں کہ بظاہر اس کی اس بات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے لیکن اگر یہ کہے کہ وہ معزز شخص ہے، لوگ اس کی بات مانتے ہیں تو اس سے ثبوت مانگا جائے۔ شافیہ میں سے رافعی

کی رائے یہ ہے کہ لوگوں میں اگر کسی شخص کے بارے میں کوئی خاص شہرت ہو تو جہاں جہاں ثبوت کی ضرورت ہے وہاں شہرت ثبوت کے قائم مقام ہوگی کیوں کہ اس سے علم یا ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے۔

۷۔ مستحقین زکوٰۃ کی شرائط اور اوصاف:

فقہاء نے مستحقین زکوٰۃ کے لیے مندرجہ ذیل پانچ شرائط بتائی ہیں (۲۵۶):

۱۔ فقیر ہو، عامل اس سے مستثنیٰ ہے، اگر وہ مال دار ہو تب بھی اپنے کام کی اجرت کا مستحق ہے کیوں کہ اس نے اپنے آپ کو اس کام کے لیے فارغ کر لیا ہے۔ اس لیے اس کے اخراجات ادا کیے جانے چاہیے۔ مسافر اگر اپنے وطن میں مال دار ہو اور سفر میں فقیر تو وہ بھی مستثنیٰ ہے کیوں کہ ضرورت کا اعتبار ہے اور اس وقت وہ محتاج ہے اگرچہ بظاہر مال دار ہے، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک دل جوئی کے لیے اور جہاد کے لیے دی گئی زکوٰۃ بھی استثنا ہے۔

تمام فرض اور واجب صدقات کے مصارف کے لیے فقر عام شرط ہے مثلاً عشر، کفارے، نذر اور صدقہ فطر کے مستحق فقرا ہیں کیوں کہ ارشاد ربانی عام ہے، انما الصدقات للفقراء (التوبہ ۹: ۶۰؛ صدقات فقرا کے لیے ہیں)۔

اس بنا پر زکوٰۃ اور دوسرے واجب صدقے مالدار کو دینا جائز نہیں کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”صدقہ مال دار اور تندرست، صحت مند آدمی کے لیے جائز نہیں“ (۲۵۷) البتہ چار یا پانچ مالداروں کو صدقہ دینا جائز ہے۔ عامل زکوٰۃ، مؤلفۃ قلوب، غازی، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جو شخص باہمی صلح کرانے میں مقروض ہو جائے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”پانچ آدمیوں کے سوا کسی مال دار کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں: ”عامل، جو شخص اپنے مال کے

بدلے زکوٰۃ کا مال خرید لے، مجاہد فی سبیل اللہ، قرض دار، جس مسکین کو صدقہ دیا گیا ہو وہ ہدیتاً کسی غنی کو دے دے“ (۲۵۸)۔

حنفیہ کے نزدیک غنی (۲۵۹) وہ ہے جس کے پاس اصلی ضرورتوں سے زائد اتنا کوئی بھی مال ہو جو نصاب کی مقدار کے برابر ہو۔ زکوٰۃ ایسے شخص کو دی جائے جو شرعی نصاب زکوٰۃ کا مالک نہ ہو خواہ تندرست، صحت مند اور مزدوری پر قادر ہو کیوں کہ وہ فقیر ہے اور فقرا زکوٰۃ کا مصرف ہیں۔ کیوں کہ ضرورت کی حقیقت صحت و تندرستی وغیرہ پر موقوف نہیں، اس لیے حکم کا دار و مدار دلیل پر ہوگا اور وہ یہ کہ وہ مالک نصاب نہ ہو۔ اس شخص کو دینے میں کوئی حرج نہیں جس کے پاس گھر ہو، گھر کا سامان ہو، ملازم، گھوڑا، اسلحہ، لباس اور اگر عالم ہے تو علمی کتب خانہ ہو کیوں کہ یہ سب چیزیں ضرورت کا سامان ہیں جن کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ اگر اس کے پاس دو سو درہم اصل ضرورتوں سے زائد ہوں تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ اگر مکاتب کے پاس اگر کتابت کے معاوضہ سے زائد مقدار نصاب مال موجود ہو تب بھی اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ جس شخص کے پاس کسی بھی قسم کے مال سے مقدار نصاب مال موجود ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیوں کہ وہ شرعاً مال دار ہے۔

مالکیہ کے نزدیک (۲۶۰) غنی وہ ہے جس کے پاس ایک سال کے ضروری اخراجات ہوں اور جس کے پاس سال بھر کا خرچ نہ ہو وہ فقیر ہے۔ اگر اس کے پاس مقدار نصاب مال ہو لیکن سال بھر کی ضرورت کے لیے کافی نہ ہو تو اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، خواہ قوی ہو، کمانے پر قادر ہو اور کوئی ایسا کام کر سکتا ہو جس سے اس کی ضروریات پوری ہو سکتی ہوں لیکن اس نے وہ کام چھوڑ دیا ہو، کر نہ رہا ہو، مشہور روایت کے مطابق خواہ اس نے اپنے اختیار سے کام کرنا چھوڑ دیا ہو۔ جس شخص کے پاس سال بھر کا خرچ نہ ہو اور کوئی دوسرا مثلاً

والد یا بیت المال اس کو گزارہ الاؤنس دیتا ہو تو جو اس کے کھانے اور لباس کے لیے کافی نہ ہو یا کوئی کام کرتا ہو جس سے اس کا گزارا نہ ہوتا ہو تو اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

شافعیہ کے نزدیک (۲۶۱) غنی وہ ہے جس کے پاس اس کی اوسط عمر یعنی باسٹھ سال کے اخراجات موجود ہوں، اگر وہ کاروبار کرتا ہو تو اس کا ہر روز کا نفع روزانہ اخراجات کے لیے کافی ہو۔ اگر کسی کے پاس روزانہ کے اخراجات سے آدھا مال ہے تو وہ فقیر ہے۔ اگر کسی شخص کی عمر باسٹھ سال سے اوپر ہو گئی ہے تو اس کے ہر روز کا الگ الگ اعتبار ہے۔ اگر اس کا مال یا روزگار ایک روز کے اخراجات کے نصف کو پورا نہیں کرتے تو وہ فقیر ہے۔

فقیر وہ ہے جس کے پاس سرے سے مال نہ ہو یا حلال ذریعہ آمدنی نہ ہو، یا مال اور حلال ذریعہ آمدنی تو ہو لیکن نصف ضروریات زندگی سے کم ہو اور کوئی ایسا شخص بھی نہ ہو جو اس کی ضروریات کی کفالت کرے جیسے بیوی کے لیے شوہر۔ روزگار سے مراد ایسا روزگار ہے جو اس کے حال اور منصب کے مطابق ہو، جو کام اس کے لائق نہ ہو وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ شرعی علوم کے طالب علم کے لیے زکوٰۃ جائز ہے کیوں کہ حصول علم فرض کفایہ ہے اور اگر طالب علم روزگار میں مشغول ہو گیا تو حصول علم سے رہ جائے گا۔

مسکین وہ ہے جو اتنے مال یا حلال روزگار پر قادر ہو جو اس کی اوسط عمر کی ضروریات کے نصف کے لیے کافی ہو۔

اگر فقیر اور مساکین کام کاج کرنے پر قادر ہیں تو انہیں زکوٰۃ نہ دی جائے کیوں کہ ابو داؤد میں صحیح سند کے ساتھ حدیث ہے: ”مالدار اور کما سکنے والے صحت مند آدمی کے لیے زکوٰۃ میں کوئی حصہ نہیں۔“

البتہ اگر غلام مکاتب ہے اور صحت مند ہے، کام کاج کر سکتا ہے تب بھی اسے زکوٰۃ

دی جا سکتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی اپنے گھر، لباس اور مال سے دو مرحلوں کی مسافت ہے (یعنی جتنے فاصلے پر نماز میں قصر کیا جا سکتا ہے) پر دور ہے یا اس نے میعادِ قرض دینا ہے یا ایسا کام ہے جو اس کی حیثیت کے مطابق نہیں ہے تو وہ فقیر ہے۔ وہ زکوٰۃ دینے سے محروم نہ کیا جائے۔ اس میں یہ شرط نہیں کہ اس حالت پر بہت وقت گزرا ہو یا وہ شخص سوال کرنے سے باز رہتا ہو، شافعیہ کا جدید مذہب یہی ہے۔ جس کسی کا کوئی قریبی عزیز یا شوہر کفالت کرنے والا موجود ہے وہ صحیح روایت کے مطابق فقیر نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص حصولِ علم میں مشغول ہے اور روزگار کی مصروفیت علمی مصروفیت سے مانع ہے تو وہ بھی فقیر ہے۔

حنابلہ کے نزدیک (۲۶۲) امام احمدؒ کی دو روایتوں میں سے راجح روایت کے مطابق غنی وہ ہے جس کے پاس پچاس درہم یا ان کی قیمت کا سونا ہو یا اس کے پاس کوئی مستقل ایسا روزگار، کاروبار یا جائداد ہو جس سے اس کی کفالت ہوتی ہو، کیوں کہ ابو داؤد اور ترمذی میں حدیث ہے: ”غنی وہ ہے جس کے پاس پچاس درہم یا ان کی قیمت کا سونا ہو“ اور فقیر وہ ہے جس کے پاس بالکل کچھ نہ ہو یا معمولی مال ہو جو نصف ضروریات زندگی کے لیے یہی کافی نہ ہو، ان سے کچھ نہ بنتا ہو مثلاً دس درہم کی جگہ دو درہم ہوں۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس روزگار وغیرہ سے اکثر ضروریات یا نصف سے زائد پوری کرنے کا ذریعہ ہو۔ ان میں سے ہر ایک کو اس کا اپنا اور اس کے خاندان کا ایک سال کا خرچ دیا جا سکتا ہے۔ اگر فقیر اور مسکین محنت مزدوری پر قادر ہیں تو انہیں زکوٰۃ نہ دی جائے، کیوں کہ غنی اور کما سکنے والے صحت مند آدمی کا زکوٰۃ میں کوئی حق نہیں، جیسا کہ ابو داؤد میں ہے۔ لیکن اگر کام کاج کرنے والا اپنے آپ کو حصولِ علم کے لیے فارغ کر لے اور طلبِ علم اور روزگار دونوں کو ساتھ ساتھ

جاری رکھنا ممکن نہ ہو تو اسے زکوٰۃ دی جائے لیکن جس شخص نے اپنے آپ کو عبادت کے لیے فارغ کر لیا ہے اسے زکوٰۃ نہ دی جائے کیوں کہ اس کا نفع اپنی ذات تک محدود ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ غنی یعنی مال داری زکوٰۃ لینے میں رکاوٹ ہے، یعنی مال دار زکوٰۃ نہیں لے سکتا اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مال دار وہ شخص ہے جس پر لغت میں مالدار کا اطلاق ہوتا ہو۔ حنفیہ کے نزدیک شرعی معنی کا اعتبار کرتے ہوئے مال دار اسے کہیں گے جو مالک نصاب ہو کیوں کہ شریعت نے حضرت معاذؓ کی حدیث میں مالک نصاب کو غنی قرار دیا ہے۔ امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ مال دار ہونے کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس کا تعلق اجتہاد سے ہے اور حالات، ضروریات، افراد، مقامات اور زمانے کے اختلاف سے اس کا مفہوم بدلتا رہتا ہے۔

اگر کسی کے پاس گزارے کے لیے اخراجات ہوں تو اس کے لیے زکوٰۃ، نفل صدقہ، کفارہ وغیرہ کے لیے سوال کرنا حرام ہے کیوں کہ اس صورت میں اس کے لیے یہ لینا حرام ہے اور حرام کا ذریعہ بھی حرام ہوتا ہے۔

کیا فقیر کو بتانا ضروری ہے کہ یہ زکوٰۃ ہے؟ اگر کوئی مسلمان کسی کو فقیر سمجھ کر یا ظاہری حالت سے فقیر جان کر زکوٰۃ دے تو اسے بتانا ضروری نہیں ہے کہ یہ زکوٰۃ ہے۔

اگر بعد میں معلوم ہو کہ وہ غنی یا غیر مستحق تھا؟ اگر کسی کو فقیر سمجھ کر یا ظاہری حالت سے فقیر گمان کر کے زکوٰۃ دی، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ غنی تھا یا مسلمان سمجھا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ کافر تھا تو فرض زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ (۲۶۳) کے راجح قول کے مطابق واپس لینا واجب ہے کیوں کہ غیر مستحق کو زکوٰۃ دینے سے ذمہ داری پوری نہیں ہوتی جیسے کہ کافر کو یا کسی قریبی عزیز کو زکوٰۃ دے دے جیسے کہ آدمیوں کا قرض کا



معاملہ ہے کہ کسی دوسرے کو قرض ادا کر دیا جائے تو ادا نہیں ہوتا۔ اگر اس کے پاس مال باقی ہو تو اس سے لے کر فقیر کو دے دے اور اگر باقی نہیں رہا تو اس کا متبادل لے کر فقیر کو دے۔ اگر اس شخص کے پاس مال نہ ہو تو صاحب مال پر زکوٰۃ کی ذمہ داری نہیں رہتی کیوں کہ جب زکوٰۃ کی رقم حاکم کو دے دی تو صاحب مال سے ذمہ داری ختم ہو گئی اور حاکم ذمہ دار نہیں ہوگا۔ کیوں کہ وہ امین ہے اور اس کی طرف سے کوئی زیادتی نہیں ہوئی۔

اگر صاحب مال نے خود زکوٰۃ دی ہے اور دیتے وقت یہ بتایا نہیں کہ یہ زکوٰۃ ہے تو واپس نہیں لے سکتا کیوں کہ اس طرح کبھی زکوٰۃ دی جاتی ہے اور کبھی نقلی صدقہ اور اگر بتا دیا تھا کہ زکوٰۃ ہے تو واپس لے لے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک اگر غیر مستحق کو زکوٰۃ دی جائے تو اگر حاکم خود دے تو درست ہے ورنہ نہیں۔ مالکیہ کے نزدیک قاضی اور وصی بھی حاکم کی طرح ہیں، اگر واپس لینا مشکل ہو تو زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے کیوں کہ یہ لوگ اجتہاد سے زکوٰۃ دیتے ہیں۔ حنابلہ کے نزدیک اگر زکوٰۃ دیتے وقت مالدار شخص کو فقیر سمجھ لیا تو زکوٰۃ ادا ہو گئی۔

حنفیہ کا نقطہ نظر یہ ہے (۲۶۴) اگر کسی شخص نے زکوٰۃ دی، بعد میں معلوم ہوا کہ جسے زکوٰۃ دی گئی وہ مال دار ہے یا ذمی ہے یا باپ یا بیٹا یا بیوی یا ہاشمی ہے تو دوبارہ زکوٰۃ ادا نہ کرے کیوں کہ زکوٰۃ دینے والے نے اپنی وسعت کے مطابق کام کر دیا ہے اور اپنی استطاعت کے مطابق زکوٰۃ ادا کر کے ایک شخص کو مالک بنا دیا ہے، ہر شخص اپنی وسعت کے مطابق ہی تحقیق و جستجو کا مکلف ہے، البتہ اگر بلا تحقیق دے دی تو جائز نہیں کیوں کہ یہ غلطی ہے۔

۲۔ زکوٰۃ کا مستحق صرف مسلمان ہے۔ البتہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک دل جوئی کے لیے

زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ کافروں کو بالاتفاق زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیوں کہ حضرت معاذؓ کی حدیث میں ہے: ”زکوٰۃ مسلمانوں کے مال دار لوگوں سے لے کر ان کے فقرا میں تقسیم کر دو“ اس حدیث میں جس قوم کے اغنیا سے زکوٰۃ لینے کا حکم ہے اسی کے فقرا میں تقسیم کرنے کا بھی ہے اور وہ قوم مسلمانوں کی قوم ہے اس لیے غیر مسلموں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

زکوٰۃ کے سوا دوسرے صدقات مثلاً صدقہ فطر، کفارے اور منتیں بلاشبہ مسلمان فقرا کو دینا افضل ہیں کیوں کہ مسلمانوں کو دینے سے طاعات پر ان کی اعانت ہوتی ہے لیکن کیا ذمیوں کو دینا جائز ہیں؟

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ جائز ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ان تبسوا الصدقات فنعمامہی وان تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خیر لکم ونکفر عنکم سیئاتکم (البقرہ ۲: ۲۷۱)؛ اگر تم صدقہ کھلے طور پر بندوں دو، تو بہت اچھا ہے اور اگر اسے چھپا کر فقرا کو دو، تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور ہم تمہارے گناہ تم سے دور کر دیں گے۔

اس آیت میں ایک اور دوسرے فقیر میں فرق نہیں کیا گیا، اس لیے آیت کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ زکوٰۃ بھی ذمیوں کو دینا جائز ہوتی لیکن حضرت معاذؓ کی حدیث سے زکوٰۃ اس سے مستثنیٰ ہوگئی۔ کفاروں کے بارے میں ارشاد ربانی ہے: فکفارتہ اطعام عشرة مساکین (المائدہ ۵: ۸۹)؛ قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے) اس میں ایک اور دوسرے مسکین میں فرق نہیں ہے البتہ ان سے وہ کافر مستثنیٰ ہیں جو مسلمانوں سے برسر جنگ ہوں کیوں کہ انہیں کھانا کھلانا گویا اپنے دشمنوں کو اپنے خلاف لڑائی کے لیے طاقت بہم پہنچانا ہے۔ ذمیوں کو صدقہ دینا ان سے بھلائی کرنے کے مترادف ہے اور ہمیں اس سے نہیں روکا گیا کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: لا ینہاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی

الدين ولم يخرجوكم من دياركم ان تبروهم (الممتحنہ ۶۰: ۸؛ اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے تمہارے خلاف دین کے معاملے میں لڑائی نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا)۔

ابو یوسف، زفر اور امام شافعی اور جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ پر قیاس کرتے ہوئے دوسرے صدقات بھی ذمیوں کو نہیں دیے جاسکتے اور نہ برسر جنگ کافروں کو۔

۳۔ مستحق زکوٰۃ بنو ہاشم میں سے نہ ہو: کیوں زکوٰۃ لوگوں کا میل ہے جو آل بیت پر حرام ہے۔ انہیں بیت المال کے خمس میں خمس ملتا ہے جو ان کی ضروریات کے لیے کافی ہے۔ اس کی دلیل یہ ارشاد نبویؐ ہے کہ: ”یہ صدقات لوگوں کا میل ہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آل محمد کے لیے جائز نہیں“ (۲۶۵)۔

حنفیہ میں سے کرخی اور حنابلہ کے نزدیک (۲۶۶) جن بنو ہاشم کے لیے زکوٰۃ حرام ہے وہ ہیں: آل عباس، آل علی، آل جعفر، آل عقیل بن ابی طالب، آل حارث بن عبدالمطلب کیوں کہ یہ اوپر مذکور حدیث میں عموم شامل ہے (۲۶۷)، شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے (۲۶۸) کہ ان سے مراد بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک چیز ہیں اور آپ نے اپنی انگلیوں ایک دوسری میں ڈالیں“ (۲۶۹)۔

امام ابوحنیفہ اور مالکیہ کے نزدیک (۲۷۰) ان سے صرف بنو ہاشم مراد ہیں۔ بنو مطلب جو ہاشم کے بھائی تھے وہ آل بیت میں شامل نہیں، انہیں مشہور قول کے مطابق زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

ابوحنیفہ، مالکیہ اور بعض شافعیہ سے ہاشمی کو زکوٰۃ دینے کا جواز بھی منقول ہے، کیوں کہ اب وہ ذوی القربی کے حصہ سے محروم ہو چکے ہیں تاکہ وہ ضائع نہ ہو جائیں اور

ان کی ضروریات بھی پوری ہوتی رہیں۔ اس رائے کی بنیاد مصالِحِ مرسلہ پر ہے۔ دوستی مالکی کے نزدیک انہیں زکوٰۃ دینا دوسروں کے نسبت بہتر ہے تاہم اکثر فقہاء کے نزدیک نفلی صدقہ دینا جائز ہے۔

۴۔ ایسے شخص کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی جس کا نفقہ زکوٰۃ دینے والے پر واجب ہو: قریبی رشتہ دار ہو یا بیوی ہو خواہ عدت میں ہو، کیوں کہ اس صورت میں زکوٰۃ کا فقیر کو مالک بنانے کا عمل مکمل طور پر نہیں ہے بلکہ ایک اعتبار سے زکوٰۃ اپنے لیے خرچ کرنا ہے کیوں کہ اس سے زکوٰۃ دینے والا خود فائدہ اٹھا رہا ہے کہ اسے اخراجات ادا نہیں کرنے پڑیں گے۔ پس والدین اور والدین کے والدین، اولاد اور اولاد کی اولاد اور بیویوں (حتیٰ کہ اگر بیوی تین طلاق کے بعد عدت گزار رہی ہو، حنفیہ کے نزدیک) کو ان کے فقر و مسکنت کی وجہ سے زکوٰۃ دینا جائز نہیں، کیوں کہ ان کے اخراجات زکوٰۃ دینے والے پر واجب ہیں۔ اور زکوٰۃ کا تعلق حاجت سے ہے اور جب اخراجات کسی اور پر واجب ہیں تو حاجت نہیں ہے کیوں کہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے مال سے نفع اٹھاتے ہیں، بلکہ شافیہ کے نزدیک کسی ایسے شخص کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں جس کے اخراجات کسی دوسرے کے ذمے ہوں کیوں کہ وہ محتاج نہیں بلکہ اس شخص کی طرح ہے جو روز کی ضروریات کے مطابق روزی کما لیتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ایسی فقیر عورت کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے جس کا شوہر مالدار ہو کیوں کہ شوہر کے ذمے بیوی کا صرف نفقہ ہے اور نفقہ ملنے سے عورت مالدار نہیں ہو جاتی، کوئی شخص حنفیہ کے نزدیک اپنے زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بیٹے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا، ہاں اگر وہ لڑکا کسی دوسرے مرد کے بیٹے کے طور پر معروف ہو تو جائز ہے۔

البتہ مذکورہ بالا افراد اگر مقروض یا مجاہدین ہوں تو ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ نووی کی

المجموع میں تصریح کے مطابق شافعیہ کے نزدیک، مالکیہ اور ابن تیمیہ کے نزدیک ایسے بیٹے اور باپ کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جن کے اخراجات زکوٰۃ دینے والے کے ذمے نہ ہوں اور وہ حاجت مند ہوں، کیوں کہ اس صورت میں وہ اجنبی کی مانند ہیں۔ مالکیہ کے نزدیک بیوی اپنے فقیر شوہر کو صدقہ فطر دے سکتی ہے زکوٰۃ نہیں۔

استاذ ابو اسحاق شیرازی نے المہذب میں کہا ہے: جن اقربا اور بیویوں کا نفقہ زکوٰۃ دینے والے پر واجب ہو ان کو فقرا کے حصے کی زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی کیوں کہ زکوٰۃ حاجت پوری کرنے کے لیے اور نفقہ واجب ہونے کی صورت میں حاجت موجود نہیں ہے۔

نووی نے امام شافعیؒ کے اصحاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگر کسی کا باپ یا بیٹا حامل زکوٰۃ یا مکاتب یا مقروض یا مجاہد ہوں تو اس حیثیت سے انہیں زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ البتہ اگر اس کا نفقہ زکوٰۃ دینے والے کے ذمے ہے تو دل جوئی کے طور پر زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیوں کہ اس کا فائدہ خود زکوٰۃ دینے والے کو ہے یعنی اس کا نفقہ واجب نہیں رہتا اور اگر اس کے اخراجات زکوٰۃ دینے والے کے ذمے نہیں ہیں تو اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے (۲۷۱)۔ اس بنا پر شافعیہ کے نزدیک ایسی اولاد جو الگ رہتی ہے حاجت مند ہے اور اس کے پاس گزارے کے مطابق روزگار نہیں ہے تو اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

کیا بیوی اپنی زکوٰۃ شوہر کو دے سکتی ہے؟

امام ابو حنیفہ اور حنابلہ کی راجح رائے یہ ہے (۲۷۲) کہ نہیں دے سکتی، کیوں کہ زکوٰۃ واپس نفقہ کی صورت میں اسے مل جائے گی۔

صاحبین، امام شافعی اور مالکیہ کی صحیح رائے یہ ہے (۲۷۳) کہ شوہر کو اور اپنی اولاد کو زکوٰۃ دے سکتی ہے کیوں کہ ابن مسعودؓ کی بیوی زینبؓ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: ”تمہارا شوہر اور تمہاری اولاد تمہارے صدقے کے زیادہ مستحق ہیں“ (۲۷۴) کیوں کہ شوہر اور اولاد کا نفقہ بیوی اور ماں پر واجب نہیں ہے۔

دوسرے اقربا جو اوپر مذکور نہیں اگر حاجت مند ہوں تو انہیں زکوٰۃ دینا جائز ہے مثلاً بھائی، بہن، پھوپھی، چچا، خالہ اور ماموں وغیرہ کیوں کہ طبرانی کی حدیث میں سلمان بن عامر سے روایت ہے کہ: ”مسکین کو صدقہ دینا صدقہ ہے اور قریبی رشتہ دار کو صدقہ دینے کا دوہرا ثواب ہے، صدقہ کا اور صلہ رحمی کا“۔ بلکہ رشتہ دار زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ کا زیادہ حق دار ہیں۔ امام مالک کہتے ہیں سب سے افضل ان قریبی رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا ہے جس کے اخراجات زکوٰۃ دینے والے کے ذمے نہ ہوں۔

باپ کی بیوی، بہو اور داماد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ مالکیہ کے نزدیک جس کے اخراجات زکوٰۃ دینے والے کے ذمے ہوں یا جسے بیت المال سے ضرورت کے مطابق اخراجات ملتے ہوں۔ اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

اسی طرح حنا بلہ کے نزدیک نسب میں سید ہے اوپر اور نیچے آنے والوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں خواہ ان کے اخراجات زکوٰۃ دینے والے کے ذمہ ہوں یا نہ ہوں مثلاً نانا اور نواسے کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

**نفل صدقات (۲۷۵)** نفل صدقات اپنے خاندان کے بڑوں، چھوٹوں، بیویوں اور شوہروں کو دینا نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے کیوں کہ اس میں دواجر ہیں: صدقے کا اور صلہ رحمی کا۔

نفل صدقہ مال داروں اور کفار کو دینا بھی جائز ہے اور ان کے لیے لینا بھی جائز ہے، اس میں اجر ملتا ہے، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: **وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مَسْكِينًا**

ویتیمان واسیرا (الانسان، ۷۶: ۸؛ اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں) اس دور میں قیدی صرف کافر ہی ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایک گاون (حلہ) اپنی مشرکہ ماموں کو پہنایا جو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ جب حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے اپنی مشرکہ والدہ سے صلہ رحمی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ”اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو“ (۲۷۶) لیکن مالدار شخص کو اگر ضرورت بھی ہو تب بھی مانگنے سے گریز کرنا چاہیے، ارشاد ربانی ہے: یحسبہم الجاہل اغنیاء من التعفف (البقرہ ۲: ۲۷۳؛ ناواقف شخص ان کے سوال سے بچنے کے باعث انہیں مالدار سمجھتا ہے) اگر مالدار شخص فاقے کا اظہار کر کے صدقہ لے لے تو اس کے لیے حرام ہے خواہ نقلی صدقہ ہو کیوں کہ اس میں جھوٹ اور دھوکہ دہی ہے۔

اگر زکوٰۃ دینے والے سے غلطی ہو گئی مثلاً اندھیرے میں زکوٰۃ دی اور اپنے ماں باپ یا اولاد میں سے کسی کو دے دی، اور اس وقت پتہ نہیں چلا تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دوبارہ زکوٰۃ دینے کی ضرورت نہیں ہے جب کہ امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک دوبارہ زکوٰۃ ادا کرے۔

۵۔ زکوٰۃ لینے والا بالغ، عاقل اور آزاد ہو: بالاتفاق غلام کو زکوٰۃ دینا درست نہیں اور حنفیہ کے نزدیک (۲۷۷) سات سال سے کم عمر بچے کو اور نہ دیوانے کو بھی زکوٰۃ دینا درست نہیں، ہاں اگر بچے اور دیوانے کی طرف سے کوئی ایسا شخص وصول کرے، جس کا وصول کرنا درست ہو مثلاً ان کا باپ یا نگران وغیرہ تو پھر جائز ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ایسے بچوں کو عید وغیرہ کے موقع پر اپنے اقربا کے ایسے بچوں کو دینا جائز ہے جو شعور کی عمر کو پہنچے ہوئے ہوں۔ مالدار شخص کا بچہ اگر چھوٹا ہو تو اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیوں کہ چھوٹا بچہ اپنے باپ

کے مالدار ہونے سے مال دار سمجھا جائے گا اور اگر بڑا ہے اور فقیر ہے تو اسے دینا جائز ہے کیوں کہ وہ اپنے والد کے مال کی وجہ سے مالدار نہیں سمجھا جائے گا۔ بلکہ اس کی حیثیت اجنبی کی سی ہے، جیسا کہ بیٹے کے مال دار ہونے سے باپ، شوہر کے مالدار ہونے سے بیوی اور ماں کے مالدار ہونے سے بچہ مالدار نہیں سمجھے جاتے۔

شافعیہ کے ہاں یہ شرط ہے (۲۷۸) کہ زکوٰۃ لینے والا رشید ہو یعنی بالغ، عاقل اور مال کے بہترین استعمال سے واقف ہو، بچے، دیوانے اور بے وقوف کو دینا زکوٰۃ دینا صحیح نہیں ہے جیسا کہ نماز کے تارک کو زکوٰۃ دینا درست نہیں، ہاں اگر بے وقوف یا بچے وغیرہ کا نگران ان کی طرف سے زکوٰۃ لے لے تو درست ہے۔

مالکیہ کے نزدیک (۲۷۹) یہ شرط ہے کہ زکوٰۃ کا عامل بالغ ہو، نابالغ کو زکوٰۃ نہ دی جائے۔ حنابلہ کے نزدیک (۲۸۰) ہر چھوٹے بڑے کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، خواہ کھانا کھاتا ہو یا نہ کھاتا ہو، اور دیوانے کو بھی دی جاسکتی ہے البتہ بچے اور دیوانے کا نگران ان کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرے۔

دارقطنی نے ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زکوٰۃ وصول کرنے والا بھیجا، اس نے ہمارے مال دار لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے ہمارے فقرا میں تقسیم کر دی، میں اس وقت یتیم لڑکا تھا، میرے پاس مال نہیں تھا، اس نے مجھے ایک جوان اونٹنی دے دی۔“

ان شرائط کی روشنی میں مالدار، کمانے والے، غلام، بنو ہاشم اور مالکیہ اور ابوحنیفہ کے آخری قول کے سوا جمہور کے نزدیک بنو مطلب اور کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ نیز جس کے اخراجات زکوٰۃ دینے والے یا کسی دوسرے کے ذمے ہوں، بچوں اور دیوانوں کو خود



انہیں دینا بھی جائز نہیں، نیز جو شخص اس شہر میں نہ ہو جس میں زکوٰۃ تقسیم ہو رہی ہے، اسے بھی زکوٰۃ دینا درست نہیں، اس کی تفصیل زکوٰۃ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے مسئلہ میں آئے گی۔ حنفیہ نے اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ بدعتیوں کو مثلاً جو اللہ کی ذات یا صفات میں تشبیہ کے قائل ہیں زکوٰۃ دینا جائز نہیں، حنفیہ نے عیدوں اور تہواروں کے موقع پر فقرا کو یا جو شخص کوئی خوش خبری لے کر آئے اسے زکوٰۃ دینا جائز قرار دیا ہے۔

**مطلب دوم: تقسیم زکوٰۃ کے متفرق احکام:**

۱۔ حاکم کو زکوٰۃ دینا اور اپنی زکوٰۃ خود دینا:

ارشاد ربانی ہے: والعاملین علیہا (التوبہ ۹: ۶۰) عاملین زکوٰۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اگر مالک کے لیے خود مستحقین کو زکوٰۃ دینا جائز ہوتا تو عامل زکوٰۃ کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی تائید دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے کہ: خذ من اموالہم صدقۃ (التوبہ ۹: ۱۰۳) ان کے اموال سے صدقہ وصول کریں۔

حکمران کے لیے واجب ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی کے لیے عملہ بھیجا جائے (۲۸۱) کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین زکوٰۃ وصول کرنے والے افراد بھیجتے تھے کیوں کہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس مال ہوتا ہے لیکن انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ کتنی زکوٰۃ ان پر واجب ہے، کچھ لوگ بخیل ہوتے ہیں اس لیے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے آدمی بھیجنے واجب ہیں۔

امام ایسے شخص کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجے جو آزاد ہوں، عادل ہو، قابل اعتماد ہو، کیوں کہ یہ ذمہ داری کا کام ہے اور امانت بھی ہے۔ غلام اور فاسق کو ذمہ داری اور امانت کے کام سپرد نہیں کیے جاسکتے۔ صرف فقیہ کو بھیجا جائے، کیوں کہ زکوٰۃ کی وصولی میں یہ معلوم

ہونا چاہیے کہ کیا وصول کرنا ہے اور کیا نہیں اور جو زکوٰۃ کے مسائل و احکام پیش آتے ہیں ان میں کبھی اجتہاد کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔

ایک آیت ایسی ہے جو مال دار لوگوں کو اجازت دیتی ہے کہ وہ خود اپنا مال مستحقین کو بطور زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: **وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ لِّلْمَسْكِينِ وَالمَحْرُومِ (المعارج ۷۰: ۲۴-۲۵)**؛ وہ لوگ جن کے مالوں میں مانگنے والے اور محروم کا معلوم حق ہے) کیوں کہ جب زکوٰۃ مسائل اور محروم کا حق ہے تو انہیں براہ راست بھی دینا جائز ہے۔

ان آیات کی روشنی میں علماء نے زکوٰۃ کی تقسیم کے احکام کی تفصیل بیان کی ہے:

۱۔ اگر زکوٰۃ کا مال چھپا ہوا ہو مثلاً سونا چاندی یا تجارتی مرکز میں سامان تجارت ہے تو مالک کے لیے جائز ہے کہ اس کی زکوٰۃ خود تقسیم کر دے اور چاہے تو حکومت کو دے دے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زکوٰۃ کا مطالبہ کیا تھا، پھر اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ ایک مدت تک اس قسم کے مال پر زکوٰۃ وصول کرتے رہے۔ جب لوگوں کے پاس مال بہت ہو گیا اور حضرت عثمانؓ نے دیکھا کہ اسے اکٹھا کرنا مشکل ہے تو آپؓ نے صاحب مال لوگوں کے سپرد کر دیا کہ وہ خود زکوٰۃ ادا کر دیا کریں۔ مخفی اموال کی زکوٰۃ اگر حاکم کے سپرد کرے تو حاکم فقرا کا نمائندہ ہے، اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے جیسے کہ ینیم کے ولی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ کیوں کہ حاکم زکوٰۃ کے مصارف سے واقف ہوتا ہے، حاکم کو زکوٰۃ دینے سے ظاہری اور باطنی طور پر زکوٰۃ ہو جاتی ہے، کیوں کہ اس امر کا احتمال ہوتا ہے کہ خود صاحب مال کسی غیر مستحق کو زکوٰۃ دے دے۔ حاکم کو زکوٰۃ دینے میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا اور تہمت سے بھی بچا جاسکتا ہے۔

ب۔ اگر زکوٰۃ کا مال ظاہر ہو جیسے مویشی، غلے، پھل اور وہ مال جو تا جر ٹیکس وصول کرنے والے کے پاس سے (چونگی پر سے) لے گزرتا ہے، جمہور کے نزدیک بشمول حنفیہ و مالکیہ (۲۸۲) اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ حاکم کو دینا واجب ہے اور اگر خود دی تو وہ حساب میں نہیں آئے گی کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: خذ من اموالہم صدقۃ (التوبہ ۹: ۱۰۳؛ ان کے اموال سے صدقہ وصول کریں) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم کو زکوٰۃ کے مطالبے اور وصولی کا حق ہے، نیز مصارف میں عالمین زکوٰۃ کے ذکر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حاکم صاحب مال سے صدقات کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے قبائل، شہروں اور مختلف علاقوں میں جانور اور مویشیوں کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے ان کے علاقوں میں عالمین زکوٰۃ کو بھیجتے تھے (۲۸۲)۔

خلفاء راشدین نے بھی یہی طریقہ جاری رکھا۔ جب عربوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو انہوں نے کہا: ”بخدا، اگر ایک رسی بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے روک لی گئی تو میں اس پر بھی ان سے لڑائی کروں گا“ (۲۸۲)۔

لیکن مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر حاکم عادل ہو تو اسے زکوٰۃ دینا واجب ہے اور اگر عادل نہ ہو تو اگر زکوٰۃ دینے والا اپنے طور پر زکوٰۃ دینے پر قادر نہ ہو تو اسے دے دے، زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اگر خود دینے پر قادر ہو تو خود مستحق کو دے دے، مستحب یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے زکوٰۃ نہ دے تاکہ لوگ تعریف نہ کریں۔

امام شافعیؒ کا جدید قول یہ ہے (۲۸۵) کہ زکوٰۃ دینے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے مخفی اموال کی طرح اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ بھی خود دے دے، کیوں کہ یہ بھی زکوٰۃ ہے تو جس طرح اموال باطنہ (مخفی مال) کی زکوٰۃ خود دے سکتا ہے، اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ بھی خود تقسیم کر سکتا ہے۔

حنابلہ کی رائے (۲۸۶) یہ ہے کہ خواہ اموال ظاہرہ ہوں یا باطنہ مستحب یہ ہے کہ آدمی اپنی زکوٰۃ خود تقسیم کرے تاکہ اسے یقین ہو کہ مستحقین کو مل گئی ہے۔ امام احمدؒ کہتے ہیں: میرے نزدیک یہ امر بہت پسندیدہ ہے کہ خود زکوٰۃ تقسیم کرے، اگر حاکم کو دے دے تب بھی جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والا مستحق زکوٰۃ کو دے رہا ہے جس کا تصرف جائز ہے، پس زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، جیسا کہ قرض خواہ کو قرض دیا جائے تو ادا ہو جاتا ہے اور جیسے اموال باطنہ کی زکوٰۃ دی جائے تو ادا ہو جاتی ہے۔ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ، زکوٰۃ کی دو قسموں (اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ پر زکوٰۃ) میں سے ایک قسم ہے، اس لیے ایک قسم دوسری قسم کے مشابہ ہے اور اس سے عالمین زکوٰۃ کی تنخواہ بھی بچتی ہے۔

لیکن حاکم کو یہ حق ہے کہ وہ زکوٰۃ وصول کرے، اس میں کوئی اختلاف نہیں کیوں کہ آیت: خذ من اموالہم صدقۃ (التوبہ ۹: ۱۰۳؛ ان کے اموال سے صدقہ وصول کرو) سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کا زکوٰۃ کا مطالبہ بھی اسی وجہ سے تھا کہ عرب مستحقین زکوٰۃ کو زکوٰۃ دینے کے لیے تیار نہ تھے، اگر اس کے لیے تیار ہوتے تو لڑائی کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

بہر حال امر واقعہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنا صاحب اموال کی ذمہ داری ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے قانون سازی کی ضرورت ہے اور حکومت کو زکوٰۃ وصول کرنے کے

لیے عملہ مقرر کرنا چاہیے کیوں کہ اکثر لوگ زکوٰۃ ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں اور اس کی تقسیم شرعی مصارف میں کرنا ضروری ہے، حاکم کو عادل ہونا چاہیے کیوں کہ وہ مسلمانوں کی مصلحتوں کا امین ہے۔

## ۲۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں کسی کو وکیل بنانا:

فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے (۲۸۷) کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنانا جائز ہے بشرطیکہ زکوٰۃ ادا کرنے والے یا وکیل بنانے والے نے زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کی ہو، اگر کسی شخص نے زکوٰۃ ادا کرتے وقت یا حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک وکیل کو زکوٰۃ کی رقم دیتے وقت یا حنابلہ کے نزدیک اس سے تھوڑا پہلے یا مالکیہ، حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک زکوٰۃ الگ کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت کر لی پھر وکیل نے بلا نیت زکوٰۃ دے دی تو درست ہے، کیوں کہ زکوٰۃ کی تقسیم مالی حق ہے اور اسے ادا کرنے کے لیے وکیل بنانا اسی طرح جائز ہے جیسے لوگوں کے قرضے ادا کرنے کے لیے وکیل بنانا جائز ہے۔ وکیل کے لیے جائز ہے کہ وہ بلا اجازت آگے کسی اور کو وکیل بنا دے۔ اگر وکیل نے زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کی لیکن مؤکل نے نہیں کی تھی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کیوں کہ زکوٰۃ مؤکل پر فرض تھی، اس لیے اس کی طرف سے ادا ہونا ضروری تھی۔ اگر کسی نے زکوٰۃ کی نیت کر کے حاکم کو زکوٰۃ دے دی لیکن حاکم نے فقرا میں تقسیم کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تو بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

اس بنا پر حنفیہ کی رائے میں غیر مسلم ذمی فقرا کو زکوٰۃ ادا کرنے کا وکیل بنایا جا سکتا ہے کیوں کہ اصل ادا کرنے والا مسلمان ہے۔ اگر مؤکل نے کہا، یہ نفلی صدقہ ہے یا کفارہ ہے، پھر وکیل کی ادائیگی سے پہلے زکوٰۃ کی نیت کر لی تو جائز ہے اور وکیل کو یہ اختیار ہے

کہ اپنے فقیر بیٹے یا غریب بیوی کو زکوٰۃ دے دے بشرطیکہ مؤکل نے کسی خاص شخص کو زکوٰۃ دینے کا حکم نہ دیا ہو وکیل خود زکوٰۃ نہیں رکھ سکتا، البتہ اگر مؤکل نے کہا ہو کہ ”جہاں چاہو خرچ کرو“۔

اگر مؤکل نے کسی متعین آدمی کو زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تھا وکیل نے کسی دوسرے کو دے دی تو حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں دو رائیں ہیں: ایک یہ وکیل اس مال کا ضامن نہیں ہے جیسا کہ نذر میں یہی مسئلہ ہے کہ اگر مؤکل نے کہا کہ فلاں کو دے دو، وکیل نے کسی دوسرے کو دے دی تو وکیل ضامن نہیں ہوگا۔ لیکن ابن عابدین نے اس رائے کو ترجیح دی ہے کہ وکیل ضامن ہوگا کیوں کہ وکیل اختیار مؤکل سے حاصل کرتا ہے اور مؤکل نے اسے کسی خاص شخص کو زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تھا تو وہ کسی دوسرے کو زکوٰۃ دینے کا اختیار نہیں رکھتا، جیسے کوئی وصیت کرے کہ زید کو فلاں چیز دے دی جائے تو وصی کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو دے دے۔

### ۳۔ ادا کردہ مال کی شرط:

زکوٰۃ میں دیے جانے والے مال کے بارے میں مطلقاً یہ شرط ہے کہ دیا جانے والا مال ایسا ہو جس کی قیمت ہو، حنفیہ کے نزدیک (۲۸۸) اس کے بارے میں نص موجود ہو یا نہ ہو۔ جس مال میں زکوٰۃ واجب ہوتی، اس کی جنس سے ہو یا غیر جنس سے ہو۔ حنفیہ کے نزدیک اصول اور قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ مال جسے نفل صدقے کے طور پر دیا جاسکتا ہے اسے زکوٰۃ کے طور پر بھی دیا جاسکتا ہے اور جسے نفل صدقہ میں نہیں دیا جاسکتا، اسے زکوٰۃ میں بھی نہیں دیا جاسکتا۔ اگر کسی شخص نے کوئی سامان مثلاً کپڑا، روٹی، شکر، گھی یا جوتے زکوٰۃ کی نیت سے دے دیے تو جائز ہے۔ حنفیہ کے نزدیک صرف وہی چیز زکوٰۃ میں دینا جا

ہے جس کے بارے میں نص موجود ہو، اس موضوع پر تفصیلی بحث زکوٰۃ کی قیمت ادا کرنے کے زیر عنوان گزر چکی ہے۔

### ۴۔ زکوٰۃ ادا کرنے والے کے شہر سے زکوٰۃ دوسرے شہر میں منتقل کرنا:

عام قاعدہ یہ ہے کہ زکوٰۃ جہاں سے وصول کی جائے وہیں تقسیم کر دی جائے کیوں کہ حضرت معاذؓ کی حدیث میں ہے: ”ان میں امراء سے زکوٰۃ لے کر انہیں کے فقرا میں تقسیم کر دو“۔ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک زکوٰۃ کے سلسلے میں اس جگہ کا اعتبار ہے جہاں مال ہو اور صدقہ فطر میں اس جگہ کا جہاں صدقہ دینے والا موجود ہے، دونوں کے وجوب کے سبب کا اعتبار کیا جائے گا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ زکوٰۃ منتقل کرنے کے بارے میں فقہاء کی آراء میں تفصیل ہے۔ (۲۸۹)

حنفیہ کے نزدیک ایک شہر سے دوسرے شہر میں زکوٰۃ منتقل کرنا مکروہ تنزیہی ہے البتہ اگر اپنے قرابت دار محتاج ہوں تو ان کی ضرورت پورا کرنے کے لیے زکوٰۃ منتقل کی جاسکتی ہے یا ایسے لوگوں کو دینے کے لیے منتقل کی جاسکتی ہے جو زیادہ محتاج، زیادہ نیک اور متقی ہوں یا جہاں مسلمانوں کے لیے زکوٰۃ دینا زیادہ نفع بخش ہو یا دار الحرب سے دار السلام میں یا طلبہ کو یا عبادت گزار افراد کو دینے کے لیے منتقل کی جاسکتی ہے۔ با سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ ادا کر رہا ہو تو اسے بھی منتقل کرنا مکروہ نہیں۔ اگر ان اسباب کے بغیر منتقل کر دی تو تب بھی جائز ہے کیوں کہ زکوٰۃ کا مصرف مطلقاً فقرا ہیں، جہاں کہیں بھی ہوں۔

مالکیہ کے نزدیک زکوٰۃ اتنی مسافت پر اس سے زیادہ پر منتقل کرنا جائز نہیں جس میں قصر نماز جائز ہو جاتی ہے۔ البتہ کسی زیادہ محتاج شخص کو دینے کے لیے منتقل کرنا جائز ہے۔ مسافت قصر سے کم فاصلے (۸۹ کیلو میٹر) پر منتقل کرنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ اتنا کم

فاصلہ گویا وہی جگہ ہے جہاں زکوٰۃ واجب ہوئی ہے۔ جہاں زکوٰۃ واجب ہوئی وہیں فوراً تقسیم کر دینا واجب ہے یہ غلے (فصلوں اور پھلوں) کے بارے میں ہے اور جانوروں کی جہاں سے زکوٰۃ لی جائے اور نقدی اور سامان تجارت میں جہاں مالک رہتا ہو اگر مسافر نہ ہو، جو شخص سفر پر ہو وہ اس شہر میں جہاں اس کا مال ہے کسی کو وکیل بنا جائے۔

شافعیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ زکوٰۃ منتقل کرنا ممنوع ہے اور جس شہر میں مال ہے اسی میں مختلف مصارف میں زکوٰۃ صرف کرنا واجب ہے کیوں کہ حضرت معاذؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں یہی حکم ہے۔ اگر اس شہر میں مصارف زکوٰۃ موجود نہ ہوں یا بعض مصارف موجود نہ ہوں یا جو موجود ہوں ان کو دینے کے بعد زکوٰۃ بیچ رہے تو جہاں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس کے قریبی شہر میں زکوٰۃ منتقل کر دی جائے۔

حنابلہ کے نزدیک جس شہر میں زکوٰۃ کا مال موجود ہے وہاں سے دوسرے شہر میں منتقل کرنا جائز نہیں، بشرطیکہ دوسرا شہر قصر نماز کی مسافت (۸۹ کیلو میٹر) پر ہو، اگر کسی نے منتقل کر دی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، قصر کی مسافت سے کم مسافت پر منتقل کرنا جائز ہے۔ مستحب یہ ہے کہ زکوٰۃ اسی شہر میں تقسیم کی جائے جہاں سے وصول کی گئی ہے پھر اس کے قریب کے شہروں اور قصبوں میں درجہ بدرجہ منتقل کی جائے۔

##### ۵۔ باغیوں اور سرکشوں کا زکوٰۃ وصول کر لینا:

اگر کسی اسلامی ریاست پر باغی اور سرکش گروہ غالب آجائے اور وہ لوگوں سے زکوٰۃ زمینوں کے عشر اور خراج وصول کر لے، پھر مسلم حکمران ان سے وہ مال واپس لے لیں یا کوئی ظالم حکمران زکوٰۃ وصول کرے تو زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، دوبارہ زکوٰۃ نہ دی جائے۔



اسی طرح خراج بھی ادا کرنے والے کی طرف سے ادا ہو جائے گا، خواہ لینے والے نے عدل سے لیا یا ظلم سے، زبردستی لیا یا دینے والے نے اپنے اختیار سے دیا۔ صحابہؓ کے فعل پر عمل کا تقاضا یہی ہے۔ کیوں کہ دینے والے نے بااختیار لوگوں کو دیا ہے اور حکمرانوں کو وصول کا حق اس وجہ سے ہے کہ وہ حفاظت اور نگرانی کا کام کرتے ہیں، جب وہ یہ کام نہیں کر سکے تو دوسروں کو دینا جائز ہے (۲۹۰)۔ لیکن حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والے اپنے دل کو ٹٹولیں اور اپنے رب سے رجوع کرتے ہوئے دوبارہ زکوٰۃ اور عشر دے دیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ جب کسی غلبے اور تسلط والے شخص نے زکوٰۃ، ٹیکس یا برآمدی مال پر ڈیوٹی لے لی اور دینے والے نے دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کی تو جائز ہے اور فتویٰ اسی جواز پر ہے۔ یا کسی بھی ظالم کو صدقے کی نیت سے مال دے دیا تو صدقہ ادا ہو جائے گا لیکن احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ دوبارہ دے دیا جائے۔

## ۶۔ زکوٰۃ سے بچنے کا حیلہ:

زکوٰۃ سے بچنے کے لیے حیلہ کرنا حرام ہے مثلاً زکوٰۃ کا مال کسی فقیر کو ہبہ کر دے پھر اس سے خرید لے یا سال پورا ہونے سے پہلے اپنے کسی عزیز کی ملکیت میں دے دے اور پھر اس سے واپس لے لے۔ اگر زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ایک جنس کے نصاب کو دوسری جنس سے تبدیل کر دیا مثلاً جانوروں کو نقدی سے یا نصاب کا ایک حصہ اس خیال سے تلف کر دیا کہ مال کم رہ جائے اور زکوٰۃ واجب نہ ہو یا جنگل میں چرنے والے جانوروں کو گھر میں چارہ دینا شروع کر دیا تو سد ذرائع کے طور پر حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی (۲۹۱) کیوں کہ مالک نے مستحقین کا حق ضائع کرنے کا ارادہ کیا ہے جب کہ ان کے حق کا سبب موجود تھا۔ نیز ارشادِ ربانی ہے: انا بلوناہم کما بلونا اصحاب الجنة اذ

أقسموا ليصرمنها مصبحين ولا يستثنون فطاف عليها طائف من ربك وهم نائمون فاصبحت كالصريم (القلم ۶۸: ۱۷-۲۰؛ ہم نے انہیں ایسے آزمایا جیسے ہم نے باغ کے مالکوں کو آزمایا تھا، جب انہوں نے قسمیں کھائیں کہ صبح ہی پھل توڑ لیں گے اور ان شاء اللہ نہیں کہا تو ان کے رب کی طرف سے ایک ناگہانی آفت اس پر نازل ہو گئی اور وہ سوتے رہے، نتیجتاً ان کے پھل بھوسے کی طرح ہو گئے)۔

چوں کہ انہوں نے صدقہ سے بچنے کی کوشش کی تھی، اس لیے اللہ نے ان پر عذاب نازل کیا، امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں، زکوٰۃ سے بچنے کے لیے کسی طرح کا حیلہ اور کسی طرح کا بہانہ جائز نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کہتے ہیں، اس کی زکوٰۃ معاف ہو جائے گی، کیوں کہ سال پورا ہونے سے پہلے مال زکوٰۃ کم ہو گیا، اس لیے زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی جیسا کہ اپنی ضرورت میں خرچ کر دے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

۷۔ کیا حکومت کو دیا گیا ٹیکس زکوٰۃ شمار ہو سکتا ہے؟

ٹیکس ہرگز زکوٰۃ نہیں شمار ہو سکتا، کیوں کہ زکوٰۃ عبادت ہے جو اللہ نے مسلمانوں پر شکرانے اور حصول ثواب کے لیے واجب کی ہے، جب کہ ٹیکس محض ایک مالی ذمہ داری ہے جس میں عبادت اور ثواب کا کوئی تصور نہیں ہے، اسی لیے زکوٰۃ میں نیت شرط ہے، ٹیکس میں نہیں، زکوٰۃ شریعت کی طرف سے مقرر کردہ حق ہے، ٹیکس حکومت کی طرف سے متعین کیا جاتا ہے۔ زکوٰۃ ہمیشہ رہنے والا ثابت حق ہے جب کہ ٹیکس ایک وقتی ذمہ داری ہے جو ضرورت سے وابستہ ہے۔ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف، فقرا اور مساکین وغیرہ مقرر ہیں جب کہ ٹیکس حکومت کی عام اخراجات پورے کرنے کے لیے لگایا جاتا ہے۔ زکوٰۃ کے

روحانی، اخلاقی اور معاشرتی اہداف ہیں جب کہ ٹیکس کے اہداف میں ان میں کوئی چیز شامل نہیں ہے (۲۹۲)۔

۸۔ جو شخص مر جائے اور اس کے مال پر زکوٰۃ واجب ہو، اس کا حکم یا کیا موت سے زکوٰۃ ختم ہو جاتی ہے؟

فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے (۲۹۳)۔ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگئی اور وہ اسے ادا کرنے پر قادر تھا اور ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو گنہگار ہے اور اس کے ترکے سے زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، خواہ اس نے وصیت نہ کی ہو۔ موت سے زکوٰۃ ختم نہیں ہوتی کیوں کہ یہ ایک ایسا واجب حق ہے جس کی وصیت کی جاسکتی ہے یا ایک مالی حق ہے جو اس کی زندگی میں واجب ہو گیا تھا، اس لیے مرنے سے ختم نہیں ہوگا جیسے کسی آدمی کا قرض دینا ہو۔ لیکن مالکیہ کے مشہور مذہب کے مطابق ترکے کے ایک تہائی سے ادا کی جائے گی اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک پورے مال سے ادا کی جائے گی۔

جب میت کے ترکے سے اللہ کا قرض بھی دینا ہو مثلاً زکوٰۃ، کفارہ، نذر اور حرم میں کیے گئے شکار کا کفارہ اور آدمی کا قرض بھی دینا ہو تو شافعیہ کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ پہلے اللہ کا قرض ادا کیا جائے۔

امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ مرنے سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے البتہ اگر وصیت کی ہو تو ایک تہائی ترکے سے زکوٰۃ ادا کی جائے۔ اس میں دوسرے لوگ بھی شریک ہوں گے جن کے لیے وصیت کی ہو۔ اگر وصیت نہ کی ہو تو زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے کیوں کہ زکوٰۃ عبادت ہے اور اس کے لیے نیت شرط ہے، پس جس پر زکوٰۃ واجب ہے اگر وہ مر جائے تو

جسے مرنے والے سے روزے ساقط ہو جاتے ہیں، زکوٰۃ بھی ساقط ہو جاتی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک تین اسباب سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ ادا کیے بغیر اور وصیت کیے بغیر مر جائے۔ مرتد ہو جائے یا سال پورا ہونے کے بعد نصاب زکوٰۃ ضائع ہو جائے خواہ زکوٰۃ ادا کرنے پر قادر ہوا ہو یا نہ، ان تینوں مسائل میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔

### ۹۔ قرض معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

زکوٰۃ میں فقرا وغیرہ کو مالک بنانا شرط ہے (۲۹۴)۔ اس سے یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک قرض معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، فقیر کو زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، اس سے قرض وصول کرنے کا یہ طریقہ ممکن ہے کہ پہلے اسے زکوٰۃ دے دے اس کے بعد اس سے کہے میرا قرض ادا کرو۔ حنابلہ نے بھی اس کی اجازت دی ہے کہ قرض دار کو پہلے زکوٰۃ دے دے اور بعد میں اس سے قرض وصول کر لے بشرطیکہ اس میں کوئی حیلہ نہ ہو مثلاً یہ شرط نہ ہو کہ میں تمہیں زکوٰۃ دے رہا ہوں تم مجھے قرض ادا کر دو۔ اگر زکوٰۃ سے کھانا خریدا اور فقرا کو صبح و شام کھانا کھلایا، ان کو اصل مال نہیں دیا تو جائز نہیں کیوں کہ انہیں مالک نہیں بنایا گیا۔ اگر کسی فقیر کو زکوٰۃ دی تو جب تک وہ فقیر خود یا اس کا ولی یا نگران زکوٰۃ کے مال پر قبضہ نہ کر لے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

اگر کسی نے فقیر میت کا قرض زکوٰۃ کی نیت سے ادا کر دیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کیوں کہ فقیر کا اس پر قبضہ نہیں ہو سکا، وہ مالک نہیں بنا، البتہ اگر کسی نے زندہ فقیر کے کہنے پر اس کی طرف سے زکوٰۃ کی نیت سے قرض ادا کر دیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیوں کہ اس میں ملکیت پائی جاتی ہے۔ جب فقیر نے خود کہہ دیا تو قبضے میں اسے اپنا وکیل بنا دیا، گویا

فقیر نے پہلے خود زکوٰۃ پر قبضہ کر لیا اور پھر قرض خواہ کو اس کا مالک بنا دیا۔

۱۰۔ مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کے حساب میں قرض معاف کر دینا، یہ سمجھتے ہوئے کہ اتنی زکوٰۃ سال کے آخر میں واجب ہوگی، پہلے ہی اتنی زکوٰۃ کے برابر قرض معاف کر دینا، گویا قبل از وقت زکوٰۃ ادا کر دی:

اس موضوع پر قدیم ایام سے بحث کی جا رہی ہے کہ کیا کسی مستحق کو قرض معاف کر دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟ ہمارے دور میں اس کا حکم جاننا اور بھی ضروری ہے کیوں کہ لوگ فرض زکوٰۃ ادا کرنے میں سستی کرتے ہیں اور اسے بار سمجھتے ہوئے ایسے حیلے تلاش کرتے ہیں جن سے زکوٰۃ ادا کرنے سے بچ سکیں۔

اس مسئلہ میں واجب الاتباع حکم جاننے سے پہلے اس امر کی یاد دہانی ضروری ہے کہ ایک عالم دین کا منہج اور فتویٰ دلائل کی ترجیح کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک جو حق ہو وہ بتانا واجب ہے، علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ ایسے اقوال کو اختیار کرنا چاہیے جو اکثر قواعد شرعیہ کے مطابق ہوں، جن کے بارے میں عقل مطمئن ہو اور ضمیر سکون محسوس کرے اور اکثر علماء کی رائے ہو اور دلائل سے قابل ترجیح ہو۔

آج کے دور میں بعض لوگ جب فقہ اسلامی کے کونے کھدروں میں اپنی من پسند آراء دیکھتے ہیں تو فوراً اسے قبول کرنے کے لیے دوڑ پڑتے ہیں خواہ وہ آراء شاذ یا ضعیف ہوں اور انہیں قبول کرنے کے لیے کوئی ضرورت یا مجبوری نہ ہو۔ یاد رہے کہ فقہ میں شاید ہی کوئی ایسا مسئلہ ہو جس میں اختلاف نہ ہوں، اور ایک سے زائد آراء نہ ہوں، کبھی کبھی تو ایک مسئلہ میں دس دس اقوال ہوتے ہیں۔ شاذ آراء کو زندہ کرنا تجدید ہے نہ ترجیح نہ اجتہاد۔

زیر بحث مسئلہ پر ابتدائی غور و خوض سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شریعت کے

قواعد کا لحاظ رکھنے کے بجائے آسانی کی تلاش کا رجحان پایا جاتا ہے کہ مالدار آدمی زکوٰۃ ادا کرنے کے بجائے مستحقین کے ذمے سے اپنے قرضے معاف کر کے زکوٰۃ سے فارغ ہو جائے اور ظاہریہ اور مالکیہ کے سوا جمہور فقہاء کے نزدیک ان قرضوں کو قبل از وقت ادا کی گئی زکوٰۃ سمجھا جائے کیوں کہ جمہور ایک سال کی زکوٰۃ قبل از وقت ادا کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں، دو سالوں کی نہیں بشرطیکہ شرعی نصاب کا مالک ہو، کیوں کہ نصاب کا مالک ہونے کے بعد ہی زکوٰۃ کے وجوب کا سبب پایا جائے گا اور اس کے بعد زکوٰۃ ادا کی جاسکے گی۔

جس کے ذمے قرض ہو، اسے قرض ہبہ کر دینے کو ”قرض سے بری کر دینا“ کہتے ہیں۔ کیوں کہ حقیقتاً ہبہ وہ ہوتا ہے جو ایسے شخص کو دیا جائے جو دینے والے کا مقروض نہ ہو۔ (۲۹۵)

اس بحث میں ہم علماء کی آراء اور ان کے دلائل، کا موازنہ کر کے اپنی راجح رائے بیان کریں گے۔

### قرض کی معافی کو زکوٰۃ کی ادائیگی شمار کرنے والے علماء کی آراء:

اس سلسلے میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے۔ دوسری یہ کہ ایسا کرنا جائز نہیں اور اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ پہلی رائے ظاہریہ بعض تابعین (حسن بصری اور عطاء) اور شیعہ جعفریہ کی ہے۔ دوسری رائے تمام جمہور، چاروں ائمہ مذاہب، اباضیہ، زیدیہ، سفیان ثوری اور ابو عبید کی ہے۔

پہلی رائے کے قائلین کے اقوال اور دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ ابن حزم ظاہری کہتے ہیں: اگر کسی زکوٰۃ دینے والے کا کسی مستحق کے ذمے قرض تھا، اس نے زکوٰۃ کی نیت سے قرض معاف کر دیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اسی طرح اگر کسی مستحق کے قرض ادا کرنے کی ذمہ داری خود اٹھالی اور زکوٰۃ سے ادا کرنے کی نیت کر لی تو

زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ صاحب مال کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنی فرض زکوٰۃ مستحقین پر صدقہ کرے اور قرض کی معافی بھی صدقہ ہے، اس لیے اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ اس کی تائید مسلم کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک شخص نے پھل خریدے، نتیجتاً بہت زیادہ مقروض ہو گیا، آپؐ نے لوگوں سے کہا، اسے صدقہ دو“ (۲۹۶)۔

لیکن یہ حدیث تو یہ بتاتی ہے کہ جس شخص کے تمام مال کا قرض نے احاطہ کر لیا اس کے بارے میں مالدار لوگوں سے کہا گیا کہ وہ اپنا صدقہ اس مقروض شخص کو دیں، خواہ صدقہ دینے والا قرض خواہ ہو یا نہ ہو۔ بلاشبہ صدقے کے طور پر مال دینا کسی کو قرض معاف کرنے سے ایک مختلف چیز ہے۔ کیوں کہ صدقہ دینا کسی کو غنی کرنے کا ذریعہ، قرض ادا کرنے کا وسیلہ، مقروض کو قرض اور افلاس کی جکڑ بندیوں سے نجات دلانے کا سبب ہے کہ لوگوں کے صدقات کے ذریعے مقروض کے پاس مال جمع ہو جائے گا اور اس سے قرض ادا کر سکے گا اور قرض معاف کر دینا کسی کو مال کا مالک بنانا نہیں ہے بلکہ قرض کی معافی ہے اور بس جیسا کہ اکثر فقہاء کی رائے ہے اگرچہ قرض کی معافی تنگ دست مقروض کے حق میں ایک نفلی صدقہ ہے لیکن اسے زکوٰۃ شمار کر لینا مشکل ہے کیوں کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت زکوٰۃ کی نیت کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

ب۔ بعض تابعین (حسن بصری اور عطاء) کی رائے یہ ہے کہ تنگ دست فقیر کو قرض معاف کر دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے کیوں کہ اگر کوئی شخص اسے زکوٰۃ دے اور پھر اپنے قرض میں اس سے واپس لے لے تو جائز ہے، اسی طرح قرض خواہ کے قرض واپس

قبضہ کیے بغیر مقروض کو قرض چھوڑ دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی مثلاً کسی شخص نے اگر کسی مستحق زکوٰۃ کے پاس کچھ روپے امانتاً رکھے ہوئے ہوں اور اس سے واپس لیے بغیر وہ روپے اسے زکوٰۃ میں چھوڑ دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے پاس موجود مال کی زکوٰۃ کے عوض اپنے کسی مقروض کا قرض معاف کر دیتا ہے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی بشرطیکہ مقروض مستحق زکوٰۃ ہو۔ عطاء بن ابی رباحؓ سے کسی نے پوچھا فلاں شخص نے میرا قرض دینا ہے اور وہ تنگ دست ہے کیا میں اسے زکوٰۃ میں وہ قرض چھوڑ دوں؟ آپ نے کہا، چھوڑ دو۔

حسن بصری صرف قرض کی صورت میں اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ اگر کاروباری معاملات میں کسی کے ذمے پیسے رہتے ہوں تو اس میں جائز قرار نہیں دیتے (۲۹۷) یعنی کسی سامان کی قیمت دینی ہو تو اسے معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی تاکہ لوگ اسے ایسے کاروباری قرضوں کی وصولی کا ذریعہ نہ بنالیں جن کی وصولی مشکل ہوتی ہے، انہیں زکوٰۃ کے طور پر معاف کر دیں۔

لیکن حافظ ابو عبید نے اس رائے کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ حسنؒ اور عطاءؒ قرض کی معافی سے زکوٰۃ کی ادائیگی کو جائز اس لیے قرار دیتے ہیں کہ زکوٰۃ کے بارے میں ان کا ایک خاص مذہب ہے اور وہ یہ ہے کہ عطاءؒ کے نزدیک قرض پر زکوٰۃ نہیں ہے، خواہ قرض کسی مالدار خوش حال شخص کے ذمے ہو اور حسنؒ کی یہی رائے ایسے قرض کے بارے میں ہے جس کا ملنا مشکل ہو یعنی قرض ضمار۔ اگر اس کا ملنا مشکل نہ ہو تو وہ قرض ضمار نہیں ہے (۲۹۸)۔ جو قرض کسی تنگ دست کے ذمے ہے وہ لازماً قرض ضمار ہے اور اس کا ملنا مشکل ہے، گویا دونوں حضرات کے نزدیک یہ رائے ایسے قرض کے بارے میں جس کا ملنا



مشکل ہے اور ایسے قرض پر ان کے نزدیک زکوٰۃ نہیں ہے، گویا اس مال میں اللہ کا حق نہیں ہے، پس وہ مال اگر اس نے تنگ دست مقروض کو معاف کر دیا، تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنا مال ایک تنگ دست کو دے دیا، اب صرف زکوٰۃ کی نیت باقی رہ گئی، سو جب بھی قرض معاف کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت کر لے گا تو زکوٰۃ کی ادائیگی کے تمام تقاضے پورے ہو جائیں گے۔ نیت بھی اور قرض کی معافی بھی۔ یہ ایسا مذہب ہے کہ ہمارے علم کی حد تک اس پر کسی نے عمل نہیں کیا اور علمائے حدیث اور اصحاب رائے میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے (۲۹۹)۔

اس رائے میں مقروض اور قرض خواہ دونوں کے لیے آسانی ہے لیکن ہر آسانی کے لیے موقع، محل اور حالت ایک لازمی شرط ہے مثلاً نماز سفر کی حالت میں قصر پڑھی جاتی ہے اور روزے کا مطالبہ سفر اور بیماری کی حالت میں نہیں ہوتا کیوں کہ ان صورتوں میں سفر اور بیماری ایک موقع و محل اور حالت کے طور پر موجود ہیں۔ اگر آسانی کے لیے موقع و محل اور حالت موجود نہ ہوں جنہیں شریعت قبول کرتی ہو جیسا کہ تنگ دست کے قرض کی معافی کے سلسلے میں ہے تو ایسی آسانی پیدا کرنا اللہ کی شریعت اور دین میں ایک بے مقصد کام ہے۔ نیز اس سے زکوٰۃ کے احکام اور شرائط میں خلل اندازی ہوتی ہے۔

ج۔ شیعہ امامیہ (جعفریہ) کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے ذمے قرض ہو اور وہ اسے ادا کرنے پر قادر نہ ہو اور مستحق زکوٰۃ ہو تو اس کو زکوٰۃ کے طور پر قرض معاف کر دینا جائز ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کے طور پر میت کا قرض معاف کر دینا بھی جائز ہے۔ ایک شخص نے حضرت جعفر صادقؑ سے پوچھا: کچھ لوگوں نے میرا قرض دینا ہے، مدت گزر گئی، وہ ادا کرنے پر قادر نہیں اور مستحقین زکوٰۃ ہیں، کیا میں انہیں زکوٰۃ کے حساب میں قرض معاف

کر دوں؟ آپ نے فرمایا، ہاں (۳۰۰)۔

اس رائے کے لیے دلیل چاہیے کیوں کہ شرعی قواعد اس سے رد کرتے ہیں، کیوں کہ اس سے یہ راستہ نکلتا ہے کہ ایک ایسے تنگ دست کے ذمے قرض ہے جو کسی حالت میں قرض ادا نہیں کر سکتا۔ گویا اسے دیا ہو مال ضائع ہو گیا، اب اسے ایک حیلے کے تحت زکوٰۃ کے حساب میں لگانا، ڈوبے ہوئے قرض کی وصولی کا حیلہ ہے اور اپنا مال زکوٰۃ سے بچانا اور بس ہے۔ کیوں کہ وہ ایسا مال ہے جس کی وصولی سے مکمل مایوسی ہے۔

دوسری رائے کے قائلین یعنی جمہور اعظم یہ کہتے ہیں کہ تنگ دست کا قرض معاف کر دینے یا قرض ساقط کر دینے یا قرض سے درگزر کر لینے سے کسی طور زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، زکوٰۃ واقعی طور پر فقیر کو دینا واجب ہے۔ اگر کسی نے کسی میت فقیر کا قرض ادا کرنے کے لیے زکوٰۃ دی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کیوں کہ اس میں کسی فقیر کو مالک نہیں بنایا گیا، مرنے والا اس مال پر قبضہ نہیں کر سکتا تھا، البتہ اگر زندہ فقیر کی طرف سے اس کے کہنے پر اس کا قرض زکوٰۃ کی نیت سے ادا کر دیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیوں کہ یہاں وہ فقیر مالک بن جاتا ہے اور مال دینے والا فقیر کے وکیل کے طور پر اس پر مال پر قبضہ کر کے آگے قرض خواہ کو دیتا ہے، گویا فقیر نے خود قبضہ کر کے آگے قرض خواہ کو دے دیا۔

اس رائے کے قائلین میں سے ہر مذہب کی کتب کی عبارت یہ ہے:

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں: زکوٰۃ کا تعلق زکوٰۃ دینے والے کے متعین مال سے ہے جیسا کہ رہن کا تعلق رہن رکھے ہوئے متعین مال سے ہوتا ہے اور یہ حق اسی صورت میں ادا ہو سکتا ہے جب کہ وہ مال مستحق کو دیا جائے (۳۰۱)۔ اس لیے جب تک زکوٰۃ ادا کرتے وقت یا زکوٰۃ کا مال الگ کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت نہ کی جائے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی کیوں کہ زکوٰۃ عبادت

ہے اور نیت اس کے لیے شرط ہے اور اصل یہ ہے کہ عبادت اور نیت ساتھ ساتھ ہوں لیکن زکوٰۃ کی رقم مختلف مواقع پر الگ الگ دی جاتی ہے اس لیے اگر رقم الگ کرتے وقت نیت کر لی تب بھی کافی ہے جیسا کہ روزے کی نیت پہلے سے کر لی تو درست ہے۔

اگر کسی شخص کا کسی فقیر پر قرض ہو اور وہ اسے زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت سے معاف کر دے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیوں کہ معاف کرنا قرض ساقط کرنا ہے اور ساقط کرنا مال نہیں، جو مال ذمے میں واجب ہے، ساقط ہونے والا مال اس کا بدل نہیں ہو سکتا، اس لیے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ اس بنا پر حنفیہ نے کہا ہے کہ دو صورتوں میں زکوٰۃ ادا کرنا جائز نہیں۔ ہمیں پہلی صورت سے زیادہ دلچسپی ہے۔

پہلی صورت: موجود مال کی طرف سے قرض زکوٰۃ کے طور پر دینا، یعنی جو مال کسی کے پاس موجود ہو اس کی زکوٰۃ ادا کرنے کی غرض سے مقروض فقیر کے ذمے قرض کو معاف کر دینا، البتہ اگر صاحب مال فقیر سے یہ کہے کہ فلاں شخص کے ذمے میرا جو قرض ہے وہ تم زکوٰۃ کے طور پر لے لو تو اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے کیوں کہ جب فقیر وہ مال وصول کرے گا تو وہ متعین مال ہو جائے گا، گویا متعین مال کی زکوٰۃ متعین مال سے ادا کی گئی ہے۔ یعنی جو مال صاحب مال کے پاس ایسا ہے جس کا کوئی فقیر مستحق ہے اس کے بدلے میں اگر کسی دوسرے کے ذمے اس شخص کا قرض ہے اور وہ فقیر سے کہے کہ اس سے زکوٰۃ کے طور پر قرض وصول کر لے تو یہ جائز ہے۔

دوسری صورت: بعد میں وصول ہونے والے قرض کی زکوٰۃ قرض سے بری کر کے ادا کرنا، مثلاً کسی شخص نے نصاب زکوٰۃ کا ایک حصہ فقیر کو معاف کر دیا تاکہ نصاب کے باقی حصہ کی زکوٰۃ ادا ہو جائے تو باقی حصہ قبضہ کے باعث متعین مال ہوگا جس کی زکوٰۃ ادا کرنے کے

لیے قرض معاف کیا گیا اس لیے یہ بھی جائز نہیں (۳۰۲)۔

ب۔ مالکیہ نے بھی یہی کہا ہے کہ فقیر کو زکوٰۃ ادا کرتے وقت نیت کرنا واجب ہے، اگر زکوٰۃ الگ کرتے وقت نیت کی گئی تب بھی درست ہے۔ لیکن فقیر کو بتانا ضروری نہیں بلکہ مکروہ ہے کیوں کہ اس سے اس کی دل شکنی ہوتی ہے، نیز مالکیہ کے نزدیک سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا جائز نہیں۔ زکوٰۃ نماز کی طرح عبادت ہے اس لیے قبل از وقت ادا نہیں کی جاسکتی، سال گزرنا زکوٰۃ کی شرائط میں سے ایک شرط ہے۔ اس لیے سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ دینا اسی طرح ناجائز ہے جیسے نصاب پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ دے دینا۔ زکوٰۃ واجب ہونے سے ایک ماہ پہلے یا ایک ماہ بعد زکوٰۃ دینا مکروہ ہے، اس سے زیادہ جلدی یا دیر کرنا نقدی اور جانوروں میں بشرطیکہ حکومت کی طرف سے وصول کرنے والا کوئی نہ ہو، مکروہ ہے لیکن کراہت کے باوجود زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اگر جانوروں کی زکوٰۃ وصول کرنے والا شخص حکومت کی طرف سے مقرر ہو تو اس کے آنے پر زکوٰۃ دی جائے۔ غلے وغیرہ کے لیے سال کی شرط نہیں ہے۔ نیز مالکیہ نے کہا کہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی مقدار مال چوری کر لے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کیوں کہ نیت نہیں ہے (۳۰۳)۔

الونشریسی کی کتاب ”المعیار المعرب“ میں ہے: فقرا کے ذمے جو قرض ہو وہ زکوٰۃ کے حساب میں معاف کرنا درست نہیں۔ پوچھا گیا کہ جس شخص کا فقرا پر قرض ہے، کیا زکوٰۃ کے حساب میں وہ شخص انہیں قرض معاف کیا جاسکتا ہے؟ تو جواب دیا، جائز نہیں، اگر ایسا کیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (۳۰۴)۔

ج۔ شافعیہ کی رائے بھی یہی ہے کہ فقیر کو زکوٰۃ دیتے وقت یا تقسیم کرتے وقت نیت کرنا واجب ہے، اگر زکوٰۃ کی مقدار مال سے الگ کرتے وقت نیت کر لی تب بھی جائز ہے۔

اگر حکومت کو زکوٰۃ دیتے وقت مالک نے زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تو صحیح قول کے مطابق زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (۳۰۵)۔

نووی المجموع میں لکھتے ہیں (۳۰۶) اگر کسی شخص کا کسی تنگ دست پر قرض ہے اور اسے زکوٰۃ میں منہا کرنے کی نیت سے اسے کہا کہ وہ میں نے تمہیں زکوٰۃ میں چھوڑ دیا تو کتاب البیان کے مؤلف نے اس میں دو اقوال بیان کیے ہیں جن میں سے صحیح تر یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، الصیری نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ یہی امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کا مذہب ہے، کیوں کہ زکوٰۃ ادا کرنا ایک ذمہ داری ہے اور یہ اسی صورت میں پوری ہو سکتی ہے جب کہ زکوٰۃ کے مال کا قبضہ دیا جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، یہ حسن بصری اور عطا کا مذہب ہے کیوں کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد وہ رقم قرض کی واپسی کے طور پر واپس لے لے تو جائز ہے، اسی طرح قرض خواہ کے قرض واپس قبضہ کیے بغیر مقروض کو قرض چھوڑ دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

اگر اس شرط پر کسی کو زکوٰۃ دی کہ تم مجھے یہ رقم قرض کی ادائیگی میں واپس کر دو تو ایسا کرنا بالاتفاق جائز نہیں، اس سے بالاتفاق نہ زکوٰۃ ادا ہوتی ہے نہ قرض ادا ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کی تصریح قتال نے الفتاویٰ میں اور صاحب التہذیب نے باب الشرط فی المہر میں اور صاحب البیان اور الرافعی اور دوسرے فقہاء نے کی ہے۔ اگر دونوں کی نیت ہوئی ہو کہ زکوٰۃ سے قرض ادا ہو جائے گا لیکن انہوں نے شرط نہ لگائی ہو تو بالاتفاق جائز ہے۔ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اگر اس سے قرض ادا کر دیا تو قرض بھی ادا ہو جائے گا۔

بغوی کہتے ہیں: اگر مقروض کہے کہ مجھے اپنی زکوٰۃ دے دو تاکہ میں تمہارا قرض ادا

کروں اور قرض خواہ زکوٰۃ دے دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور زکوٰۃ پر قبضہ کرنے والا اس کا مالک ہو جائے گا لیکن اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ رقم قرض کی ادائیگی میں واپس دے دے، ہاں اگر دے دی تو درست ہے۔

فقہاء کہتے ہیں، اگر کسی نے اپنے مقروض سے کہا کہ مجھے قرض واپس کر دو، میں تمہیں وہ رقم زکوٰۃ میں دے دوں گا، اس نے قرض دے دیا تو قرض ادا ہو گیا، مالک کے ذمے ضروری نہیں کہ اسے زکوٰۃ کے طور پر واپس کر دے، اس پر اتفاق ہے۔ رویانی نے البحر میں لکھا ہے کہ اگر کسی نے کسی مسکین کو زکوٰۃ دی اور اس سے یہ وعدہ لیا کہ وہ اسے زکوٰۃ دینے والے پر فروخت کر دے گا یا ہبہ کر دے گا تاکہ وہ مسکین کو کپڑے دینے میں یا کسی دوسری ضرورت میں خرچ کرے تو اس نوعیت کے قبضے کے درست ہونے میں دو احتمال ہیں۔ نووی کہتے ہیں کہ صحیح تر یہ ہے کہ ایسا قبضہ درست نہیں اور یہ اسی طرح ہے جیسے قرض کی ادائیگی کی شرط پر کسی کو زکوٰۃ دی جائے۔ فقہاء کہتے ہیں: اگر کسی شخص کی کسی فقیر کے پاس گندم بطور امانت ہو، مالک اسے کہے کہ اس میں سے اتنی تم خود کھا لو اور اس میں زکوٰۃ کی نیت کرے تو زکوٰۃ کے درست ہونے کے بارے میں دو رائے ہیں: ایک یہ کہ درست نہیں ہے کیوں کہ مالک نے اسے ماپ کر نہیں دی اور فقیر کے ماپ کا اعتبار نہیں۔ البتہ اگر مالک نے فقیر کو وکیل بناتے ہوئے کہا کہ اتنی گندم خرید لو، اس نے خرید لی اور وصول کر لی، پھر مالک نے کہا کہ یہ تم خود رکھ لو، اور زکوٰۃ کی نیت کی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اس صورت میں ماپنے کی ضرورت نہیں ہے، واللہ اعلم۔

د۔ حنابلہ کے نزدیک زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے نیت شرط ہے اور تمام عبادات کی طرح زکوٰۃ کے ادا کرنے کے ساتھ یا تھوڑا وقت پہلے نیت کرنا ضروری ہے، زکوٰۃ فقیر کو دینے

واجب ہے۔ اگر قرض دار کو زکوٰۃ دے دی اور پھر اس سے قرض وصول کر لیا تو جائز ہے، بشرطیکہ حیلہ نہ ہو، یعنی یہ شرط نہ رکھی ہو کہ زکوٰۃ سے قرض ادا کرے (۳۰۷) جیسا کہ نووی نے کہا ہے۔

کشاف القناع میں ہے: زکوٰۃ کی نیت سے قرض معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، خواہ جس مال کی زکوٰۃ دی جا رہی ہو وہ مال بطور خود قرض ہو یا قرض نہ ہو۔ کسی طرح کسی کے قرض کا ذمہ لینا، یا کسی کے ذمے قرض کر دینا اور اس میں زکوٰۃ کی نیت کرنا درست نہیں کیوں کہ اس میں زکوٰۃ ادا کرنے کا مفہوم نہیں ہے، بلا وجہ قرضے کا ادل بدل ہے البتہ اگر اس میں قبضے میں وکیل بنایا جائے تو جائز ہے (۳۰۸)۔

۵۔ ابضیہ کہتے ہیں: اگر زکوٰۃ دینے والا کسی مقروض کو زکوٰۃ ادا کرتے وقت کہے کہ تمہارے ذمے میرا یا فلاں شخص کا جو قرض ہے وہ اب میں ادا کروں گا، تم یہ پیش کش زکوٰۃ کے طور پر قبول کرو اور اب قرض نہ ادا کرو، بعض فقہاء کے نزدیک یہ جائز نہیں کیوں کہ یہ قرض کی قرض سے فروخت ہے اور ان شاء اللہ جائز نہیں ہے۔ اور اگر قرض ادا کر دیا، پھر مالک نے وہ رقم مقروض پر صدقہ کر دی تو جائز ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے کیوں کہ یہ ایسے ہے جیسے کسی کے ذمے کوئی چیز ہو اور وہ اسے ہبہ کر دی جائے اور ایسا ہبہ جائز ہے۔ پہلی رائے ”الدیوان“ کی مختار رائے ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر کسی نے مقروض سے کہا کہ تمہارے ذمے میرا جو قرض ہے وہ میں ادا کر دیتا ہوں تو اگر اس کے پاس ادا کرنے کے لیے مال ہے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اگر نہیں ہے تو اس سلسلے میں دو رائیں ہیں (۳۰۹)۔

۱۔ زید یہ کہتے ہیں: زکوٰۃ کی نیت سے فقیر کو قرض معاف کر دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں

ہوتی اور ایسا کرنا جائز نہیں بلکہ مالک فقیر سے قرض وصول کر کے پھر اسے لوٹا دے یا فقیر کو اپنا وکیل بنا کر قرض وصول کرے اور پھر لوٹائے یا فقیر مالک کو اپنا وکیل بنائے کہ وہ اپنی زکوٰۃ فقیر کی طرف سے وصول کر کے، پھر اپنا قرض اس میں سے وصول کر لیں۔ اس صورت میں دو قبضے ضروری ہیں: ایک زکوٰۃ کا اور دوسرا قرض ادا کرنے کا۔ زکوٰۃ ادا نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ادائیگی نہیں ہے، معافی ہے اور کوئی متعین شے زکوٰۃ میں نہیں دی جا رہی، نیز مالک بنانا زکوٰۃ میں شرط ہے اور قرض میں ملکیت ناقص ہے، اس لیے کامل ملکیت کا قائم مقام نہیں ہو سکتا، پس زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ البتہ فقیر قرض سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ یہ کہنا درست نہیں کہ قرض کی معافی جس مقصد کے لیے تھی وہ حاصل نہیں ہوا کیوں کہ مقصد کا تعلق مالک سے ہے اس کی وجہ سے فقیر کے قرض کی معافی متاثر نہیں ہوگی۔ ایک رائے یہ ہے کہ قرض بھی معاف نہیں ہوگا کیوں کہ وہ جس مقصد کے لیے معاف کیا جا رہا تھا، وہ حاصل نہیں ہوا، البتہ اگر یہ جانتے ہوئے کہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، قرض معاف کر دے تو معاف ہو جائے گا۔

زید یہ کے ہاں یہ بھی شرط ہے کہ مقروض فقیر کی طرف سے مالک قرض خواہ جو چیز وصول کرے وہ قرض کی جنس سے ہو، اگر کسی دوسری جنس سے ہے تو وہ خرید و فروخت ہے اس لیے ایک ہی فرد اس میں وکیل اور مؤکل نہیں ہو سکتا۔ ایک قول یہ ہے کہ بہر طور یہ جائز ہے زیادہ سے زیادہ بیع فاسد ہوگی جس میں قبضے سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے (۳۱۰)۔

ز۔ سفیان ثوری کے نزدیک قرض کو زکوٰۃ کے حساب میں لگانا مکروہ ہے اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، جیسا کہ ابو عبید نے بیان کیا۔ (۳۱۱)

ح۔ اسی طرح ابو عبید کے نزدیک بھی قرض کی معافی سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، انہوں نے



اس کے تین دلائل دیے، جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ زکوٰۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ایسے نہیں رہی، آپؐ اغنیا کے موجود اموال لے کر ان پر قبضے کے بعد فقرا میں تقسیم فرماتے تھے۔ آپؐ کے بعد خلفاء کا بھی یہی طریقہ رہا، اور کسی موقع پر یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے زکوٰۃ کے حساب میں قرض کی معافی کی اجازت دی ہے، جب کہ ہمیں معلوم ہے لوگ اس وقت بھی قرض کے لین دین کرتے تھے۔

۲۔ قرض کا مال ختم ہو گیا، مالک کے ہاتھ سے نکل گیا اور اب موجود نہیں ہے، پھر اس ختم ہونے والے مال کی حیثیت محض نیت سے بدلنے کی کوشش کی جا رہی ہے، ایسا کرنا لوگوں کے باہمی معاملات میں بھی جائز نہیں، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ قرض وصول کرے، پھر اسے کسی اور طریقے سے خرچ کرے، تو اللہ کے اور بندوں کے باہمی معاملات میں اس کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے؟ بندوں کے حقوق میں تو مطالبہ بھی ہوتا ہے، جب کہ اللہ کے حقوق سہولت اور آسانی پر مبنی ہیں۔

۳۔ درحقیقت اس طریقے سے زکوٰۃ دینے والا ایسے مال کو بچانے کی کوشش کرتا ہے جس کی وصولی سے وہ مایوس ہو گیا ہے، اسے ڈھال بنا کر اپنا دوسرا مال زکوٰۃ میں خرچ ہونے سے بچاتا ہے۔ بشرطیکہ قرض کی وصولی سے مایوس ہو گیا ہو اور اللہ تعالیٰ وہی مال قبول کرتا ہے جو خالص اس کے لیے ہو (۲۱۲)۔

ترجیح: اس ساری بحث سے واضح ہوتا ہے کہ پہلی رائے کے قائلین نے جن دلائل پر اعتبار کرتے ہوئے قرض کو زکوٰۃ کے حساب میں لگانے کو جائز قرار دیا، وہ کمزور ہیں اور دوسری رائے کے حاملین جو اسے جائز نہیں سمجھتے ان کے دلائل مضبوط ہیں۔ ان کے دلائل کا

خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ مقروض کے ذمے جو قرض ہے جو زکوٰۃ ادا کرنے والے قرض خواہ کے قبضے میں نہیں کیوں کہ قرض وصول کے بعد قبضے میں آتا ہے۔

۲۔ مستحقین کو زکوٰۃ دینے کے حکم کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے قبضے میں مال دیا جائے جب کہ اس صورت میں وہ بھی نہیں ہے۔

۳۔ زکوٰۃ وغیرہ میں شرط ہے کہ ادائیگی کے وقت نیت کی جائے۔

۴۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے درست ہونے کے لیے مالک بنانا شرط ہے یعنی مستحقین کو زکوٰۃ دی جائے صرف کسی چیز کو ان کے لیے مباح کر دینے یا کھانا کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی جب تک کہ مالک نہ بنایا جائے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: انما الصدقات للفقراء (التوبہ، ۹: ۶۰) میں تصدق کا مفہوم ہے مالک بنانا اور "للفقراء" میں لام تملیک کے لیے ہے اور قرض کی ملکیت قبضے کے بغیر نہیں ہوتی جیسا کہ خود امامیہ نے بھی کہا ہے (۳۱۳)۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک قرض کی معافی، قرض ساقط کرنے کے مفہوم میں ہے اس میں مالک بنانے کا مفہوم نہیں ہے۔ اگرچہ مالکیہ کے نزدیک قرض کی معافی ملکیت کا انتقال ہے اور شافعیہ کے جدید قول میں مقروض کے ذمے جو قرض تھا اس کا اسے مالک بنانا ہے لیکن ان سب کے نزدیک قرض کی معافی کو زکوٰۃ میں شمار کرنا درست نہیں، جیسا کہ اوپر اس کی تفصیل گزر چکی ہے کیوں کہ قرض کی معافی میں تملیک کا مفہوم نہیں پایا جاتا۔

۵۔ قرض کی معافی زکوٰۃ سے فرار کا حیلہ اور فقرا کے حقوق کی ادائیگی سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

۶۔ قرض کی معافی قرض کی قرض کے بدلے خرید و فروخت کی طرح ہے جیسا کہ اباضیہ کی رائے ہے اور یہ جائز نہیں۔

۷۔ یہ عمل سنت نبویؐ اور خلفائے راشدینؓ، صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ کے تعامل کے خلاف ہے۔

۸۔ مقروض کے پاس جو مال بطور قرض ہے وہ ضائع ہو گیا، ختم ہو گیا۔

۹۔ زکوٰۃ دینے والا ایسے قرض کو جس کی وصولی سے مایوس ہو گیا ہے ڈھال بنا کر اپنا باقی مال بچانا چاہتا ہے۔

۱۰۔ اگرچہ قبضے کی تجدید کے لیے امانت رکھی ہوئی یا عاریت رکھی ہوئی چیز کے ہبہ کرنے

میں قبضے کی صفت تبدیل ہو جاتی ہے جیسا کہ حنفیہ کی رائے ہے لیکن زکوٰۃ پر اسے

منطبق کرنا مشکل ہے کیوں کہ زکوٰۃ کی نیت کا وقت متعین ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے

سے اور قبضہ دینے سے فوراً پہلے نیت کی جائے جب کہ اس صورت میں وہ وقت

جاتا رہا، واللہ اعلم، والحمد لله رب العالمین۔

## بحث ہفتم: زکوٰۃ کے آداب اور ممنوعات

ابن جزئی مالکی کہتے ہیں (۳۱۳) زکوٰۃ کے ممنوعات تین ہیں:

۱۔ احسان جتانے اور ایذا دینے سے زکوٰۃ باطل ہو جاتی ہے کیوں کہ زکوٰۃ دے کر احسان

جتلانے سے ثواب ختم ہو جاتا ہے، ارشاد ربانی ہے: یا ایہا الذین آمنوا لا تبطلوا

صدقاتکم باليمن والاذی (البقرہ ۲: ۲۶۳؛ ۱۷۱) ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا

کر اور ایذا دے کر باطل نہ کرو) اسی طرح زکوٰۃ کی مقدار کو بہت زیادہ نہ سمجھے کیوں کہ اس

سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

۲۔ اپنی دی ہوئی زکوٰۃ خود خرید لینا۔

۳۔ زکوٰۃ وصول کرنے والا، لوگوں کو ایک جگہ جمع کر کے زکوٰۃ دے، لوگوں کو ان کے گھروں پر زکوٰۃ پہنچانی چاہیے۔

حنابلہ دوسرے ممنوع میں مالکیہ سے ہم آہنگ ہیں وہ کہتے ہیں (۳۱۵) زکوٰۃ نکالنے والے کے لیے جائز نہیں کہ جسے زکوٰۃ دی گئی ہو اس سے مال زکوٰۃ خرید لے کیوں کہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ”میں نے ایک شخص کو راہ خدا میں گھوڑا دیا، اس نے اس کا خیال نہیں رکھا، میں نے سوچا کہ وہ اسے سستے داموں بیچ دے گا، میرا خیال ہوا کہ میں اسے خرید لوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: مت خریدو، اپنا صدقہ واپس نہ لوٹاؤ خواہ وہ تمہیں ایک درہم میں دے دے، کیوں کہ صدقہ دے کر لوٹانا ایسا ہے جیسا کتے کر کے چاٹ لے“۔ (۳۱۶)

امام شافعیؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ میں دی ہوئی چیز واپس خریدی جاسکتی ہے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: مال دار کے لیے پانچ صورتوں میں صدقہ لینا جائز ہے۔ ایک وہ شخص جو صدقے کا مال خرید لے.....“ (۳۱۷) نووی کہتے ہیں (۳۱۸) حضرت عمرؓ کی حدیث میں نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں۔ جو شخص کوئی چیز صدقہ کرے یا زکوٰۃ، کفارے یا نذر وغیرہ ثواب کی نیت سے کسی کو دے اس کے لیے مکروہ ہے کہ جس کو دی ہے اس سے واپس خرید لے یا ہبہ سے یا اختیاری طور پر کسی طرح اس کا مالک بن جائے، ہاں اگر وارث ہو جائے تو مکروہ نہیں ہے۔

ابن جزئی نے مزید کہا ہے کہ زکوٰۃ کے آداب چھ ہیں:

۱۔ خوش دلی سے زکوٰۃ ادا کرے۔

۳۲۔ حلال طیب، عمدہ اور پسندیدہ مال زکوٰۃ میں دے، البتہ زکوٰۃ لینے والے کو چاہیے کہ درمیانے درجے کا مال لے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

۳۔ لوگوں کی نگاہوں سے چھپا کر دے، حنفیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ چھپا کر دینا افضل ہے کیوں کہ اس میں ریاکاری نہیں ہے، فقیر کی عزت نفس مجروح نہیں ہوتی۔ البتہ اگر مال دار ہے اور اس خیال سے لوگوں کے سامنے دے کہ دوسرے مال دار بھی اس کی اقتدا کریں تو درست ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ (۳۱۹) کی رائے یہ ہے کہ اموال ظاہرہ میں افضل یہ ہے کہ زکوٰۃ کھلے بندوں نکالے، تاکہ لوگ دیکھ کر اس کے مطابق عمل کریں اور کسی کو یہ بدگمانی نہ ہو کہ یہ شخص زکوٰۃ نہیں دیتا۔ امام کو زکوٰۃ دینا ہو تو ہر طرح کے مال کی زکوٰۃ کھلے بندوں دی جائے۔ البتہ نفل صدقہ بالاتفاق چھپا کر دینا افضل ہے، کیوں کہ جس حدیث میں سات لوگوں کے عرش کے سائے میں ہونے کا ذکر ہے، اس میں ہے کہ ایک وہ شخص جو اس طرح صدقہ چھپا کر دے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے کہ دائیں نے کیا دیا ہے (۳۲۰)۔ شافعیہ نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ لوگ جس شخص کی اقتدا کرتے ہیں اگر وہ کھلے بندوں صدقہ دے تاکہ دوسرے لوگ اس کی پیروی کریں، اس میں ریا، شہرت اور کسی کی ایذا رسانی کی نیت نہ ہو تو کھلے بندوں دینا افضل ہے۔

۵۔ تعریف سے بچنے کے لیے زکوٰۃ دینے میں کسی کو وکیل بنا دے۔

۶۔ زکوٰۃ دیتے وقت دینے والا یہ کہے: اے اللہ! اسے ہمارے لیے باعث نفع بنا دے، ہم پر تاوان نہ بنا اور لینے والا یا زکوٰۃ کا محصل یوں کہے: تم نے جو دیا اس پر اللہ تعالیٰ تمہیں اجر دے اور جو باقی رہ گیا اس میں برکت دے اور اسے تمہارے لیے پاکی کا ذریعہ بنائے۔ کچھ اور آداب کا اضافہ کرنا ممکن ہے (۳۲۱)۔

۷۔ زکوٰۃ دینے کے لیے ان لوگوں کو منتخب کرے جو تقویٰ اور علم سے متصف ہوں، فقر کو چھپاتے ہوں اور قریبی رشتہ دار ہوں کیوں کہ ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینے میں اللہ کی طاعت اور حصول علم پر تعاون، سوال سے بچنے میں معاونت ہے اور قریبی رشتہ داروں کو صدقہ دینے میں دوگنا ثواب ہے، صدقہ کا اور صلہ رحمی کا۔

۸۔ زکوٰۃ ادا کرنے میں جلدی کرنا تاکہ اللہ کے حکم کی فرمان برداری ہو، کیوں کہ زکوٰۃ ادا کرنا فوری طور پر واجب ہے۔ اگر کوئی شخص کسی قریبی رشتہ دار یا شدید محتاج کو دینے کے لیے جو زیادہ حق دار ہو زکوٰۃ کی ادائیگی مؤخر کر دے تو حنا بلہ کہتے ہیں کہ اگر تھوڑی مقدار تاخیر ہو تو کوئی حرج نہیں اور اگر زیادہ ہو تو جائز نہیں۔ امام احمدؒ کہتے ہیں: یہ جائز نہیں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی مؤخر کر دے اور ہر ماہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو تھوڑی تھوڑی دیتا رہے۔ اگر قبل از وقت رشتہ داروں کو یا دوسرے لوگوں کو متفرق یا اکٹھی زکوٰۃ دے تو جائز ہے کیوں کہ اس نے زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کا ارتکاب نہیں کیا۔

۹۔ حنفیہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ فقیر کو اتنا دے کہ اس روز اسے اپنے لیے اور اپنے خاندان کے لیے کچھ مانگنے کی ضرورت نہ پڑے۔

۱۰۔ فقیر کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اسے زکوٰۃ دی جا رہی ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔

مصارف زکوٰۃ سے متعلق دو اضافی مباحث:

۱۔ زکوٰۃ سے مؤلفۃ قلوب کا حصہ:

اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے زکوٰۃ کے فریضہ کا استعمال ایک انتہائی ثمر آور عمل ہے

اور اسے مستحق محتاجوں کے لیے صرف کرنے کی رہنمائی موجود ہے اور ساری دنیا میں دعوت اسلامیہ کے نتائج کے نشوونما کے لیے زکوٰۃ کے استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی شریعت معاشرتی کفالت، ضروریات کی تکمیل، عالمی اور مقامی اقتصادی مشکلات کے حل میں صحیح دینی فکر کی اساس پر شریک ہے۔ جو معاشرے کی ضروریات پورا کرنے کے لیے مستحکم ذاتی، مؤثر محرک کا کردار ادا کرتی ہے جس میں کسی جبر واکراہ کی ضرورت پیش آتی ہے نہ سختی، پابندی، یا سزاؤں کے خوف سے کام لینا پڑتا ہے۔

اسلامی شریعت کی حکیمانہ سیاسی اصول میں استحسان، استصلاح اور سد ذرائع کے قواعد کو جب زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے ایک مصرف یعنی مؤلفۃ قلوب کی تخصیص پر منطبق کیا جائے تو اس سے اس معاشرتی مسئلہ کا حل نکلتا ہے کہ جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوتے ہیں ان کے دلوں میں اسلام اور ایمان کو راسخ کرنا یا بعض ایسے لوگ جو اعتقادی طور پر تردد کا شکار ہوتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص آگے بڑھ کر ان کے ساتھ مالی تعاون کرے، ان کی ضروریات پوری کرنے کی راہ نکلتی ہے۔ نیز اسلامی شعائر اور مبادیات کے دفاع کے لیے مادی اور معنوی قوتوں کو مسخر کرنے اور حاسد دشمنوں، دشمن ادیبوں اور اسلام مخالف نقطہ نظر رکھنے والوں کے ساتھ مستقل مقابلے کے لیے زکوٰۃ سے کام لیا جاسکتا ہے۔

میں پوری وضاحت کے ساتھ مؤلفۃ قلوب کا مصرف بیان کرنا چاہتا ہوں، جو سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۶۰ میں مذکور آٹھ مصارف میں سے ایک مصرف ہے، جس میں ہے: انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضة من اللہ واللہ علیم حکیم (التوبہ: ۹)

۶۰؛ صدقات، فقراء، مساکین، زکوٰۃ کے فحاصلین، مؤلفۃ قلوب، گردنیں چھڑانے میں، قرض داروں کو، راہ خدا میں اور مسافروں کے لیے ہیں، اللہ کی طرف سے فرض ہے، اللہ علیم و حکیم ہے۔

### بحث کا خاکہ:

۱۔ مؤلفۃ قلوب کا مفہوم، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان کا حصہ منسوخ ہو گیا یا ابھی تک باقی ہے منسوخ نہیں ہوا؟

۲۔ یہ حصہ کن حالات میں استعمال کیا جائے گا اور آج کے دور میں اسلام اور مسلمانوں کی ضروریات پورا کرنے میں اس کی کیا اہمیت ہے؟

۳۔ جن لوگوں کے اسلام کی امید ہو یا ان کی دل جوئی کرنا یا اسلامی معاشرے کو اسلامی دعوت و تبلیغ کی طرف متوجہ کرنے میں اس کی تاثیر۔

۴۔ نئے مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اس مصرف کو استعمال کر کے ادارے قائم کرنا۔

۵۔ بعض غیر اسلامی ممالک اور حکومتوں کی دل جوئی کرنا اور ان میں آباد مسلمانوں کے لیے پر امن حالات کی ضمانت حاصل کرنا یا بعض ایسی غیر اسلامی حکومتوں کی دل جوئی کرنا جو اپنی سرزمین پر اسلامی ادارے قائم کرنے کی مخالف ہیں۔

۶۔ بعض غیر اسلامی ممالک میں عام آفات سماویہ مثلاً زلزلوں اور سیلابوں سے متاثر لوگوں کے لیے مؤلفۃ قلوب کے مصرف سے امداد دینا۔

۷۔ مؤلفۃ قلوب کے حصے سے اسلام کے تبلیغی امور میں رقوم صرف کرنا کہ اسلام اور



مسلمانوں کے بارے میں لوگوں کی رائے مثبت ہو۔

اب ہم ترتیب وار ان کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

۱۔ مؤلفۃ قلوب کا مفہوم، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مؤلفۃ قلوب کا حصہ منسوخ ہو گیا یا ابھی تک باقی ہے، منسوخ نہیں ہوا؟

مؤلفۃ قلوب سے ایسے کفار مراد ہیں جنہیں روپے پیسے دے کر اسلام کی طرف مائل کیا جاتا ہے اور ان سے بھلائی کی توقع کی جاتی ہے یا ان کے ضرر اور ایذا سے بچنے کے لیے ان کی شر کے خوف سے انہیں مال دیا جاتا ہے۔ یا ایسے ضعیف ایمان والے مسلمان مراد ہیں جن کو زکوٰۃ دے کر انہیں دین اسلام پر ثابت قدم رہنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے یا اس طرح کے دوسرے افراد کو اسلام کی ترغیب دینے کے لیے یا ان کی قوم سے صدقات وصول کرنے کے لیے یا پڑوسی کفار سے لڑائی کے لیے مالی تعاون کیا جاتا ہے (۳۲۲) یا وہ لوگ جو بقول حسن اور ابن جریج کے عطیات کے ذریعے مانوس کیے جاتے ہیں، اسلام میں ان کا کوئی کردار نہیں ہوتا (۳۲۳)۔

طبری نے مؤلفۃ قلوب کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ جن لوگوں کی مدد کرنا عام حالات میں درست نہیں ان کو اسلام سے مانوس کرنے کے لیے ان کی ذاتی اور خاندانی بہتری کے لیے انہیں مال دیا جاتا ہے جیسے ابوسفیان بن حرب، عیینہ بن بدر، اقرع بن حابس اور اس طرح کے دوسرے سرداران قبائل۔ مفسرین نے مؤلفۃ قلوب کے بارے میں یہی کہا ہے جو ہم نے بیان کیا (۳۲۳)۔

قرطبی نے کہا ہے کہ مؤلفۃ قلوب آغاز اسلام میں وہ لوگ تھے جو اسلام کا اظہار کرتے تھے لیکن ان کے دلوں میں اسلام راسخ نہیں ہوا تھا ان کی دل جوئی کے لیے انہیں

زکوٰۃ سے رقم دی جاتی تھی۔ (۳۲۵)

کئی ایک احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے ایمان پختہ نہ ہوں انہیں اللہ کے مال سے دے دلا کر ان کی دل جوئی کرنا جائز ہے۔ اسی سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان بن حرب، اقرع بن حابس، عباس بن مرداس، مالک بن عوف نضری، حکیم بن حزام میں سے ہر ایک کو سو سو اونٹ (۳۲۶) اور عبدالرحمن بن یربوع، حویطب بن عبد العزی کو پچاس پچاس اونٹ دیے تھے۔ یہ تمام لوگ قریش کے سردار اور عربوں کے سربر آوردہ لوگ تھے جنہیں فتح مکہ کے روز عام معافی مل گئی تھی، ان کو قوت و شوکت حاصل تھی اور بہت لوگ ان کے پیروکار تھے۔ ان میں سے بعض لوگ حقیقتاً مسلمان ہو گے، بعض نے ظاہری طور پر اسلام کا اظہار کیا لیکن حقیقتاً مسلمان نہیں ہوئے بلکہ منافق رہے اور بعض نے مصالحت کر لی۔

روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علقمہ بن علاشہ کو سو اونٹ دیے، پھر جب انصار نے ناخوشی کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا: ”کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم اللہ کے رسول کو لے کر اپنے گھروں کو لوٹو“۔ پھر جب آپ کو معلوم ہوا کہ لوگ کہتے ہیں نجد کے رؤسا کو مال دیا گیا اور ہمیں نظر انداز کر دیا گیا تو آپ نے فرمایا: ”میں نے انہیں مانوس کرنے کے لیے مال دیا ہے“ جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ (۳۲۷)

امام احمد نے صحیح سند سے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ قبول اسلام کے بدلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کوئی جو چیز مانگتا آپ اسے دے دیتے۔ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے سوال کیا آپ نے دو پہاڑیوں کے درمیان بکریوں کا ایک

پورا ریوڑ جو زکوٰۃ کا تھا اسے دے دیا، وہ اپنی قوم میں واپس گیا تو کہنے لگا، لوگو، مسلمان ہو جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کی طرح دیتے ہیں جسے فاقہ کا کوئی غم نہیں ہوتا۔

امام احمد اور بخاری نے عمرو بن تغلب سے روایت کی ہے کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مال اور قیدی آئے جسے آپ نے تقسیم کر دیا، کچھ لوگوں کو دیا، پھر آپ کو معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو نہیں ملا انہوں نے ناخوشی کا اظہار کیا، آپ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: میں ایک شخص کو دیتا ہوں اور دوسرے کو چھوڑ دیتا ہوں، جسے چھوڑ دیتا ہوں وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے، جسے دیتا ہوں لیکن میں جن لوگوں کے دل میں تشویش اور پریشانی دیکھتا ہوں انہیں دیتا ہوں اور جن کے دل میں غنا اور بھلائی پاتا ہوں انہیں چھوڑ دیتا ہوں اور عمرو بن تغلب انہیں لوگوں میں سے ہیں۔ عمرو بن تغلب کہتے ہیں کہ بخدا میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سرخ اونٹنیوں سے زیادہ محبوب تھی“۔ امام زہری سے مؤلفۃ قلوب کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا۔ اس سے نو مسلم یہودی اور عیسائی مراد ہیں، خواہ مال دار ہوں (۲۲۸)۔

ان احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار کو جن کے دل میں ایمان راسخ نہیں ہوا تھا زکوٰۃ کے مال سے حصہ دیتے تھے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اسے بند کر دیا کہ مؤلفۃ قلوب کو کچھ دیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ابو سفیان، عیینہ، اقرع اور عباس بن مرداس کو زکوٰۃ دینا بند کر دی اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ: ”ہم اسلام کے بدلے میں کچھ نہیں دیں گے جو چاہے ایمان لائے، جو چاہے کفر اختیار کرے۔“

اس طرز عمل کی روشنی میں علماء میں اختلاف ہوا ہے کہ کیا مؤلفۃ قلوب کا حصہ باقی ہے منسوخ نہیں ہوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد منسوخ ہو گیا ہے؟

اس سلسلے میں علماء دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ منسوخ ہو گیا۔ زکوٰۃ میں حاجت مندوں کے سوا کسی کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ جب کہ دوسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ مؤلفۃ قلوب کا حصہ باقی ہے منسوخ نہیں ہوا، مؤلفۃ قلوب ہر دور میں ہوتے ہیں اور زکوٰۃ میں ان کا حق ہے۔ (۳۲۹)

تمام مذاہب کی آراء اور ہر مذہب کو الگ الگ بیان کرنے کی ضرورت ہے کیوں کہ بسا اوقات ایک ہی مذہب میں ایک سے زائد آراء ہوتی ہیں اور بعض مذاہب میں تفصیلات بھی موجود ہیں۔

حنفیہ کی رائے یہ ہے (۳۳۰) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مؤلفۃ قلوب کا حصہ منسوخ ہو گیا کیوں کہ اس کی علت ختم ہو گئی کیوں کہ دین کو استحکام نصیب ہو گیا اور جن لوگوں کے تعاون کی صدر اسلام میں ضرورت تھی اس وقت مسلمان کمزور تھے بعد میں نہیں رہی۔ اسلام کے استحکام کے بعد ضرورت ختم ہو گئی۔ اس لیے جب وہ علت ختم ہو جائے جس کی بنا پر انہیں زکوٰۃ دینا جائز تھا تو حکم ختم ہو جاتا ہے۔ انہیں اسلام کے استحکام کے لیے مال دیا جاتا ہے اور اللہ نے اسلام کو عزت دے کر ان کے تعاون سے بے نیاز کر دیا، جیسا کہ ابن عابدین نے البحر الرائق کے حوالے سے کہا ہے۔ المرغینانی ہدایہ میں لکھتے ہیں: مؤلفۃ قلوب کا حصہ ختم ہو گیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دے کر ان سے مستغنی کر دیا۔ اس پر اجماع ہو گیا ہے یا ان کا حصہ اس حکم کی بنا پر ختم ہو گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ کے آخری دنوں میں زکوٰۃ کے بارے میں حضرت معاذؓ کو دیا تھا کہ: ”مسلمان مال داروں سے زکوٰۃ وصول کر کے مسلمان فقرا میں تقسیم کر دو“ (۳۳۱)۔

یا جیسا کہ کاسانی نے ذکر کیا صحابہؓ کے اجماع سے ان کا حصہ منسوخ ہو گیا، کیوں کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے مؤلفۃ قلوب کو زکوٰۃ میں سے کچھ نہیں دیا اور صحابہؓ میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو مؤلفۃ قلوب حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے کہ اس دستاویز کی تجدید کر دیں جس میں زکوٰۃ میں ان کا حصہ مقرر ہے، انہوں نے تجدید کر دی، پھر وہ لوگ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور انہیں یہ بات بتائی، حضرت عمرؓ نے ان کے ہاتھ سے دستاویز لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر دی اور کہا کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں اس لیے دیتے تھے کہ اسلام کی محبت تمہارے دلوں میں جاگزیں ہو جائے۔ اسلام پر قائم رکھنے کے لیے دیتے تھے۔ اب اسلام بذات خود مضبوط ہو گیا ہے، اگر چاہو تو اسلام پر قائم رہو ورنہ تمہارے اور ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی“۔ وہ لوٹ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے اور حضرت عمرؓ کے طرز عمل کی شکایت کرتے ہوئے کہا، کیا آپؓ خلیفہ ہیں یا وہ، حضرت ابوبکرؓ نے کہا، ان شاء اللہ وہی خلیفہ ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے طرز عمل اور گفتگو پر اعتراض نہیں کیا۔ صحابہ کرامؓ کو یہ بات معلوم ہوئی تو کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ پس اس سے صحابہ کرامؓ کا اجماع ثابت ہوتا ہے۔

امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی دل جوئی کے لیے انہیں زکوٰۃ دیتے تھے۔ اسی لیے ان کا نام مؤلفۃ قلوب رکھا گیا اور اسلام اس وقت کمزور تھا، اہل اسلام اقلیت میں تھے دشمن اکثریت میں تھے، ان کی قوت اور تعداد زیادہ تھی، آج اللہ کے فضل سے اسلام مضبوط ہے، اہل اسلام کی اکثریت ہے، اس کی بنیادیں مستحکم اور ستون مضبوط ہیں، مشرک ذلیل ہو چکے ہیں اور جب کوئی حکم کسی خاص عقلی وجہ

پر مبنی ہو تو اس علت کے ختم ہونے سے ختم ہو جاتا ہے۔

روایت ہے کہ جب عیینہ بن حصن حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس آیا تو آپؓ نے فرمایا: الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر (الکہف: ۱۸: ۲۹) حق تمہارے رب کی طرف سے ثابت ہو گیا، جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے (یعنی آج دل جوئی کے لیے پیسے نہیں ملیں گے۔

ابن ابی شیبہ نے شععی سے روایت کی ہے کہ: ”مؤلفۃ قلوب عہد نبویؐ میں تھے، جب حضرت ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے تو ان کا حصہ ختم کر دیا گیا۔“

بعض مالکیہ کی رائے یہ ہے (قاضی عبدالوہاب کی، جس کو ابن بشیر اور ابن حاجب نے صحیح قرار دیا اور علامہ خلیل نے اپنی مختصر میں اسی پر اعتماد کیا) کہ مؤلفۃ قلوب (وہ کافر جسے اس لیے زکوٰۃ دی جائے کہ مسلمان ہو جائے، ایک قول یہ ہے کہ وہ نیا مسلمان جسے اس لیے زکوٰۃ دی جائے کہ اسلام پر پکار ہے) کا حکم باقی ہے منسوخ نہیں ہوا۔ یعنی ان کی دل جوئی کے لیے زکوٰۃ دینے کا حکم ابھی تک باقی ہے اور اس پر عمل جاری ہے کیوں کہ ان کو زکوٰۃ دینے کا مقصد انہیں اسلام کی ترغیب دے کر کفر اور جہنم کی آگ سے بچانا ہے۔

مالکیہ کا مشہور اور رائج مذہب یہ ہے کہ مؤلفۃ قلوب کا حصہ ختم ہو گیا ہے کیوں کہ اسلام اب مستحکم ہو گیا اور اسلام کے لیے ان کے تعاون کی ضرورت پڑتی تھی اس لیے ان کو اسلام کی ترغیب دینے کی خاطر انہیں زکوٰۃ دی جاتی تھی۔

یہ اس صورت میں ہے جب کہ مؤلفۃ قلوب کافر ہوں اور انہیں زکوٰۃ دینے سے انہیں اسلام کی ترغیب دینا مقصود ہو اور اگر نئے نئے مسلمان ہوں تو ان کو حکم بالاتفاق باقی ہے تاکہ وہ اسلام پر جمے رہیں (۳۳۲)۔

الغرض مالکیہ اور حنفیہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ کفار مؤلفۃ قلوب کو زکوٰۃ دینے کا حکم منسوخ ہو گیا جب کہ نو مسلم مؤلفۃ قلوب کو زکوٰۃ دینے میں اختلاف ہے، جس کا حکم مالکیہ کے نزدیک باقی ہے۔ حضرت عمرؓ، حسن بصری اور شعمی وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے، وہ کہتے ہیں اسلام کے مستحکم ہونے اور پھیل جانے کے باعث اب مؤلفۃ قلوب کو زکوٰۃ نہیں دیں گے (۳۳۳)۔ اباضیہ کی بھی یہی رائے ہے وہ کہتے ہیں ”ہمارے نزدیک جب اسلام مضبوط ہو اور ان کے تعاون سے بے نیاز ہو تو انہیں زکوٰۃ نہ دی جائے اور اگر اسلام کمزور ہو اور ان لوگوں کی دشمنی سے نقصان کا اندیشہ ہو تو ان کی شر سے بچنے اور ان کا تعاون حاصل کرنے کے لیے ان کی دل جوئی کرنا جائز ہے۔ (۳۳۳)

شافعیہ کے مذہب میں بھی وہی تفصیل ہے جو مالکیہ کے مذہب میں ہے، یعنی مؤلفۃ قلوب اگر کافر ہوں تو ان کے کفر کی وجہ سے بالاتفاق انہیں زکوٰۃ میں سے کچھ نہ دیا جائے، صحیح یہ ہے کہ انہیں مال غنیمت اور مال فے کے خمس کے خمس میں سے بھی کچھ نہ دیا جائے۔ اور نہ رفاہ عامہ کے بجٹ سے انہیں دیا جائے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو عزت سے نواز دیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس وقت دیا تھا جب اسلام کمزور تھا، اب یہ صورت نہیں رہی، واللہ اعلم۔

مؤلفۃ قلوب کی دوسری قسم یعنی کمزور ایمان والے نو مسلم تو انہیں دل جوئی کے لیے زکوٰۃ دی جائے تاکہ وہ اسلام پر جمے رہیں۔ ایک تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو اپنی قوم میں معزز ہوتے ہیں اور ان کو زکوٰۃ دینے سے ان کی طرح کے دوسرے غیر مسلم معززین اسلام کی طرف راغب ہو سکتے ہیں۔ ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو اپنے قریبی کفار کے حملوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور زکوٰۃ نہ دینے والوں سے زکوٰۃ وصول کرتے ہیں، شافعی

مذہب کے مطابق ان اقسام کو زکوٰۃ دی جائے گی۔ واللہ اعلم (۳۳۵)۔

حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ مؤلفۃ قلوب کا حکم باقی ہے۔ مؤلف وہ شخص ہے جو اپنے قبیلے کا سردار ہو اس کے مسلمان ہونے کی امید ہو اور اس کی شرک اندیشہ ہو جیسے خوارج ہیں یا اس کو زکوٰۃ دینے سے یہ امید ہو کہ وہ اسلام پر جمار ہے گا اور اس کی طرح کے دوسرے لوگ اسلام لے آئیں گے یا جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے ان سے زکوٰۃ وصول کرنے میں معاونت کرتا ہے یا مسلمانوں کا دفاع کرنے میں اور جہاد کے سلسلے میں مدد کرتا ہے۔ اسے اتنا دیا جائے جس سے اس کی دل جوئی ہو۔ اگر وہ اپنے کمزور ایمان ہونے کا اعتراف کرتا ہے تو اسے بوقت ضرورت کچھ نہ کچھ دیا جائے۔

حنابلہ کی دلیل واضح ہے کہ قرآن حکیم میں موجود مصارف زکوٰۃ کی آیت پر عمل کا تقاضا ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ نے زکوٰۃ کے بارے میں فیصلہ دے دیا ہے اور اسے آٹھ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے“۔ مشہور احادیث میں ہے کہ آپؐ مؤلفۃ قلوب کو بہت مال دیتے تھے اور یہ سلسلہ آپؐ کے وصال تک جاری رہا اور جب تک کوئی حکم منسوخ نہ ہو کتاب اللہ اور سنت کے حکم کو چھوڑنا جائز نہیں اور محض احتمال سے کوئی حکم منسوخ نہیں ہوتا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کسی حکم کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ حضرت عمر، عثمان، اور علی رضی اللہ عنہم نے اپنی خلافت کے دوران مؤلفۃ قلوب کو زکوٰۃ نہیں دی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دور میں انہیں دینے کی ضرورت نہیں رہی تھی، یہ نہیں کہ ان کا حصہ منسوخ ہو گیا تھا، کیوں کہ یہ آیت آخری دور میں نازل ہونے والی آیات میں سے ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عدی بن حاتم اور زبرقان بن بدر کو زکوٰۃ دی تھی اور ان کا مقصد یہ تھا کہ انہیں آگ سے بچا کر اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی جائے۔ ان سے مدد حاصل کرنا مقصود نہیں تھی تاکہ یہ کہا



سکے کہ اسلام کے مستحکم ہونے کے بعد ان کا حق ختم ہو گیا (۳۳۶) زہری کہتے ہیں ہیں: مجھے ایسا کوئی حکم معلوم نہیں جس نے مؤلفۃ قلوب کا حکم منسوخ کر دیا ہو۔

شیعہ جعفریہ اور زیدیہ بھی اس رائے سے متفق ہیں، ان کے نزدیک مؤلفۃ قلوب کا حکم باقی ہے نہ منسوخ ہوا اور نہ تبدیل (۳۳۷)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک رائے کے مطابق کفار مؤلفۃ قلوب کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، دوسری رائے کے مطابق نہیں دی جا سکتی۔ مسلمان مؤلفۃ قلوب اگر نو مسلم ہوں تو ان کو بالاتفاق زکوٰۃ دی جا سکتی ہے تاکہ ان کے دلوں میں اسلام جاگزیں ہو جائے جیسا کہ دسوتی نے ذکر کیا، البتہ اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے اور ان کے نزدیک کسی قسم کے مؤلفۃ قلوب کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

میرے نزدیک راجح رائے یہ ہے کہ مؤلفۃ قلوب کا حصہ باقی ہے منسوخ نہیں ہوا، بوقت ضرورت انہیں زکوٰۃ سے دیا جائے یا دوسرے بجٹ سے، مؤلفۃ قلوب خواہ مسلمان ہوں یا کافر، ابو عبید نے کتاب الاموال میں کہا ہے کہ حضرت حسن بصری اور ابن شباب زہری کی رائے کا مطلب یہ ہے کہ مؤلفۃ قلوب کو حصہ دینے کا حکم ہیبتہ کے لیے باقی ہے اور یہی میری رائے ہے کیوں کہ آیت محکم ہے کتاب اللہ اور سنت میں کوئی چیز ایسی نہیں جس نے اسے منسوخ کر دیا ہو (۳۳۸)۔

شوکانی کہتے ہیں: بظاہر مؤلفۃ قلوب کو زکوٰۃ دینا بوقت ضرورت جائز ہے، اگر کسی حکمران کے عہد میں لوگ صرف دنیا کی خاطر اس کی اطاعت پر رضا مند ہوں، سختی اور غلبے سے انہیں زیر فرمان لانا ممکن نہ ہو تو ان کی دل جوئی کرے۔ نیز تالیف قلب کو اسلام کی نشر و اشاعت میں خاص اہمیت حاصل ہے، کسی خاص واقعہ کے ساتھ اس کا تعلق نہیں بلکہ

ابن جوزی نے ایک مستقل رسالہ میں ان لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جو مؤلفۃ قلوب میں شامل تھے، ان کی تعداد تقریباً پچاس تھی (۳۳۹)۔

طبری نے مؤلفۃ قلوب کے حصہ کے باقی ہونے اور منسوخ ہونے کے بارے میں علماء کے اختلافات کو بیان کرنے کے بعد کہا میرے نزدیک درست بات یہ ہے کہ صدقہ دو مقاصد کے تحت اللہ نے فرض کیا ہے۔

ایک مسلمان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اور دوسرے اسلام کی مدد اور تقویت کے لیے جو صدقہ اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کی تقویت کے لیے ہو وہ غنی اور فقیر ہر ایک کو دیا جاسکتا ہے کیوں کہ وہ جسے دیا جاتا ہے اسے اس وجہ سے نہیں دیا جاتا کہ وہ محتاج ہے بلکہ اس وجہ سے کہ وہ دین کی مدد کرے گا، جیسا کہ جہاد فی سبیل اللہ میں دیا جاتا ہے کہ اس میں لڑائی کے لیے غنی اور فقیر دونوں کو دیا جاسکتا ہے، اس میں ضرورت پوری کرنے کا پہلو نہیں ہوتا۔ اسی طرح مؤلفۃ قلوب کو خواہ مال دار ہوں، اس لیے دیا جاتا ہے تاکہ ان سے اسلام کی تائید اور تقویت کا مطالبہ کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتوحات کے بعد، اسلام کے غالب آنے اور مسلمانوں کے فاتح ہو جانے کے بعد بھی مؤلفۃ قلوب کو زکوٰۃ دی، پس جو لوگ یہ کہتے ہیں آج ہم اسلام کے بدلے میں کسی کو کچھ نہیں دیں گے کیوں کہ اب مسلمان اکثریت میں ہیں، ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن حالات میں ایسے لوگوں کو مال دیا وہ ہم نے بیان کر دیے ہیں (۳۴۰)۔

۲۔ یہ حصہ کن حالات میں استعمال کیا جائے، اسلام اور مسلمانوں کو آج کے دور میں اس کی کہاں تک ضرورت ہے؟

جیسا کہ نووی نے بیان کیا مؤلفۃ قلوب کی دو قسمیں ہیں: مسلمان اور کفار، (۳۴۱) کفار

کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جن سے بھلائی کی امید ہو اور دوسرے وہ جن کی برائی کا ڈر ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیا کرتے تھے اور ہم نے وضاحت کر دی کہ رائج قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی جب ضرورت ہو انہیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کیوں کہ کسی معتبر دلیل سے اس کا منسوخ ہونا ثابت نہیں اور ہر دور میں ضرورت پیدا ہو سکتی ہے اور لوگوں کے حالات قوت و ضعف کے اعتبار سے مختلف ہونے کے باعث اس کے متقاضی ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ ایسے معزز مسلمان جو اپنے قبائل کے سردار ہیں، لوگ ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ انہیں اس خیال سے زکوٰۃ دی جائے کہ ان کی طرح کے دوسرے لوگ بھی حلقہ اسلام میں داخل ہوں۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبرقان بن بدر اور عدی بن حاتم کو اسی سلسلے میں زکوٰۃ دی۔

۲۔ ایسے لوگ جو مسلمان ہو گئے لیکن ان کے ایمان کمزور ہیں، انہیں مال دیا جائے تاکہ اسلام پر جم جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن میں سے ہر ایک کو سو سو اونٹ اسی سلسلے میں دیے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی انہیں مال دیا جائے گا، کیوں کہ دینے کی علت آپ کے بعد بھی پائی جاتی ہے۔

۳۔ ایسے مسلمان جو کفار کی سرحدوں کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں، ان سے لڑائی کرنے والوں کو زکوٰۃ دی جائے۔

۴۔ ایسے مسلمان جو صدقات دینے والوں کے پڑوس میں رہتے ہیں، اگر ان کو زکوٰۃ دی

جائے تو صدقات کی وصولی میں تعاون کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے دونوں گروہوں کی مجموعی طور پر چھ قسمیں ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلفہ قلوب کے حصص استعمال کرنے کے لیے کئی ایک مواقع ہیں اور مسلم حکمران ہر دور میں مصلحت کے پیش نظر حنابلہ اور شیعہ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے انہیں زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ نیز اگر نو مسلم ہوں تو ان کے دلوں میں ایمان راسخ کرنے کے لیے زکوٰۃ دینے پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

مؤلفہ قلوب کے حالات کے پیش نظر ہم اپنے عہد میں کئی حقیقی مثالیں پیش کر سکتے ہیں:

۱۔ مسلمانوں سے خطرات اور مفاسد کا دفعیہ کرنے کے لیے، اگر بعض غیر مسلم کسی ایسی سٹریٹجک جگہ پر آباد ہوں جہاں سے دشمن اسلامی علاقے میں داخل ہو کر تخریب کاری کر سکتے ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے تاکہ خطرات کا مقابلہ کریں، اسلامی شہروں اور مسلمانوں کی مصلحتوں کا تحفظ کریں۔ بعض فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر مؤلفہ قلوب کو دینے سے جہادی کوششوں میں فائدہ ہونے کی توقع ہو یا مسلمانوں کا دفاع ہو سکتا ہو مثلاً وہ مسلمانوں کی سرحدوں پر آباد ہوں یا ان کی اپنی تخریب کاری سے بچا جا سکتا ہو جیسے باغی گروہ ہو تو انہیں زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

۲۔ جہاد میں غیر مسلموں سے مدد حاصل کرنا: اگر مسلمان جنگوں میں غیر مسلموں کے تعاون کے محتاج ہوں مثلاً مسلمان کمزور ہوں یا غیر مسلموں کے پاس جنگی فنی مہارت ہو یا کسی دوسری جنگی غرض سے ان کے تعاون کی ضرورت ہو تو ضرورت و مصلحت کے تحت ان پر زکوٰۃ کا ایک حصہ خرچ کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ صدقات وغیرہ کی وصولی: جب صدقات وغیرہ، ٹیکس، عشور، کسٹم ڈیوٹی وغیرہ کی

وصولی مشکل ہو اور بعض کفار کے تعاون سے ان کی وصولی ممکن ہو تو کوئی حرج نہیں کہ انہیں زکوٰۃ میں سے کچھ دے دیا جائے تاکہ اس کے ذریعے مسلمان ایسا مال حاصل کرنے کے قابل ہو سکیں جس کی وصولی مشکل یا ناممکن تھی۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر کچھ لوگ ایسے ہوں جو سختی اور خوف کے بغیر ٹیکس ادا نہ کرتے ہوں اور مؤلفۃ قلوب کے پاس قوت ہو تو ان کو زکوٰۃ دے کر ان کے ذریعے سے زکوٰۃ اور ٹیکس وصول کیے جاسکتے ہیں۔

۴۔ اسلام کی تبلیغ اور عیسائیت کے تبلیغی وسائل کا مقابلہ: افریقہ، انڈونیشیا اور بعض دوسرے اسلامی ممالک میں عیسائی مشنریوں کی تبلیغی مساعی کے مقابلے کے لیے اور ان کے مشن کو روکنے کے لیے مزید وسائل کی ضرورت ہے اور زکوٰۃ کا بہت بڑا حصہ ان مساعی میں خرچ کیا جاسکتا ہے نیز مختلف طریقوں سے اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے زکوٰۃ کے مال سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، ماہر دعوتی کارکن بھیج کر یا اسلام سے متعارف کرانے والی چھوٹی چھوٹی کتابیں طبع کروا کے تقسیم کر کے جن میں اسلام پر کیے گئے اعتراضات اور شبہات کے جوابات ہوں، کیوں کہ مؤلفۃ قلوب کے حصے کا اصلی مقصد اسلام کی ترغیب اور لوگوں کے عقیدے کو مستحکم کرنا ہے۔

۵۔ ناگہان آفات میں لوگوں کی مدد کرنا: مثلاً زلزلے، سیلاب اور قحط کی آفات کا مقابلہ کرنے کے لیے لوگوں کی مدد کرنا اور اس کے ساتھ اسلام کی دعوت دینا، جب عیسائی مشنریز اور بعض عیسائی حکومتیں ان حالات سے فائدہ اٹھا کر ضرورت مندوں کو مادی سہولتیں اور خوراک مہیا کرنے کے ساتھ عیسائیت کی تبلیغ کرتی ہیں تو مسلمانوں پر بطریق اولیٰ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم مقدور بھراپنے وسائل کو استعمال کرنے ہوئے اسلام کے فضائل، اس کے سادہ عقائد اور آسان احکام کو مشکل حالات تنگی اور سختی کے دنوں میں

لوگوں میں متعارف کرائیں کیوں کہ زکوٰۃ کا مقصد محتاجوں کی ضروریات پوری کرنا، مسلمانوں کی مدد کرنا اور اسلام کو تقویت بہم پہنچانا ہے۔

۶۔ غریب ممالک اور مختلف اقوام، قبائل اور خاندانوں کے سربراہوں کو ہدیے، تحفے اور مالی معاونت دے کر ان کی دل جوئی کے ذریعے ان کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنا یا ان کی شر سے محفوظ رہنا یا یہ کوشش کرنا کہ ان کی رعایا اور متعلقین قبول اسلام میں ان کی پیروی کریں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رؤساء قریش اور سربراہان قبائل کو اسی مقصد سے زکوٰۃ دیتے تھے۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مؤلفۃ قلوب کو اس امید پر زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کہ ان کی طرح کے دوسرے لوگ بھی اسلام قبول کریں حضرت ابوبکرؓ نے عدی بن حاتم اور زبرقان بن بدر کو زکوٰۃ دی حالانکہ وہ نیک نیت مسلمان تھے لیکن مقصد یہ تھا کہ ان کی طرح کے دوسرے سردار بھی اسلام قبول کریں۔

۷۔ کمزور ایمان والے افراد کی معاونت: ہمارے فقہاء بالخصوص حنابلہ نے تصریح کی ہے کہ مؤلفۃ قلوب کا حصہ ان مسلمانوں کو دیا جائے جن کے ایمان کمزور ہوں اور اس سے ان کے اسلام پر جم جانے کی امید ہو، ابوبکرؓ نے کتاب التفسیر میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے والمؤلفۃ قلوبہم (التوبہ ۹: ۶۰) سے ایسے لوگ مراد ہیں کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقات تقسیم کرتے، اگر انہیں دے دیتے تو وہ کہتے یہ بہت اچھا دین ہے ورنہ اسلام پر نکتہ چینی کرتے (۳۲۲)۔

۳۔ ایسے افراد کی دل جوئی کرنا جن کے قبول اسلام کی امید ہو یا جن کا معاشرے پر اثر ہوتا کہ ان کی کوششوں سے دعوت اسلامی کے لیے کام کیا جاسکے۔

مؤلفۃ قلوب کے حصے کی تخصیص کا اصل مقصد یہ ہے کہ بعض ایسے لوگ جو اپنے کمزور

جذبوں کے باعث مال سے محبت کرتے ہیں اور مادی نفع کو ترجیح دیتے ہیں، ان کی مالی معاونت کر کے دعوت اسلامی کی نشر و اشاعت کی جائے۔ اس طرح کے لوگ غریب یا کمزور معاشروں میں بکثرت ہوتے ہیں یا جہاں پیداوار کم اور آمدن کے ذرائع محدود ہوں۔

اگر بعض ایسے افراد میں جن کے قبول اسلام کی امید ہو اس طرح کا رجحان ہو یا ان کا معاشرے میں کچھ اثر و نفوذ ہو جسے اسلامی دعوت کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہو تو ضروری ہے کہ آگے بڑھ کر انہیں اللہ کے مال میں سے کچھ نہ کچھ دیا جائے۔ خواہ ایسی بعض غیر مسلم حکومتیں ہوں یا ادارے، گروہ یا قبائل یا بعض عام افراد یا خطباء، ادیب وغیرہ جن کی کاوشوں کے ذریعے معاشرے کو اللہ، حق، خیر اور توحید کی دعوت کی طرف متوجہ کرنے کی امید ہو۔

ہمارے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مؤلفۃ قلوب کی اقسام میں وہ لوگ شامل ہیں جنہیں اس مقصد کے تحت دیا جائے کہ ان کا ایمان مستحکم ہو یا ان کی طرح کے دوسرے لوگ ایمان کی طرف راغب ہوں یا جہاد میں ان کی رائے سے استفادہ کیا جاسکے یا مسلمانوں کے دفاع میں تعاون کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کمزور ایمان والے لوگوں کو زکوٰۃ دیا کرتے تھے تاکہ ان کی دل جوئی ہو، اسلام پر جے رہیں اور ان کی نیت مستحکم ہو جائے۔ (۳۲۳)

۴۔ نئے مسلمانوں کی مصلحتوں کے لیے اس حصے سے ادارے قائم کرنا:

زکوٰۃ دینے والے کے لیے جائز ہے کہ اپنی زکوٰۃ کسی وکیل کو دے دے جو اس کی طرف سے قرآن حکیم میں مذکور تمام مصارف یا بعض مصارف پر خرچ کرنے کی ذمہ داری ادا کرے لیکن فقہاء کا اتفاق ہے کہ زکوٰۃ فوراً دی جائے۔

اس بنا پر یہ ممکن ہے کہ محصلین زکوٰۃ کے حصے کی رقم ایسے اداروں کے قیام اور انتظام کے لیے مختص کر دی جائے جو دنیا بھر میں نو مسلموں کے حالات معلوم کر کے ان میں سے ضرورت مند افراد کی امداد کریں اور ان کی مادی اور معنوی خدمت کریں، ان کی صحت اور تعلیم و تربیت پر خرچ کریں اور زکوٰۃ میں سے انہیں حصہ دیں تاکہ وہ دین پر قائم رہیں اور ان کی حوصلہ افزائی کی جائے اور ان کی اقوام کے سامنے ان کی مدد اور نصرت کا احساس پیدا کیا جائے کیوں کہ جو کوئی اسلام قبول کرے اس کی رعایت اور حفاظت ایک اہم مقصد ہے۔

ابوعبید کہتے ہیں: جب کچھ لوگوں کا یہ حال ہو کہ انہیں مالی مفادات کے بغیر اسلام میں رغبت نہ ہو، اور اگر ان کے پاس ایسی قوت و طاقت ہو کہ اگر مرتد ہو کر اسلام کے خلاف نبرد آزما ہو جاتے ہیں تو اسلام کو نقصان پہنچ سکتا ہو اور حکمران انہیں زکوٰۃ دینا مناسب سمجھتا ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کی تین شرائط ہیں: ایک یہ ہے کہ کتاب و سنت کے مطابق ہو، دوسرے یہ کہ باقی ماندہ مسلمانوں کو دیا جائے اور تیسرے یہ ان پر خرچ کرنے میں اس بات کی امید ہو کہ وہ اسلام کی سوجھ بوجھ حاصل کر کے اسلام کی مدد کریں گے اور ان کی اسلام کی طرف رغبت بڑھے گی (۳۴۴)۔

سید رشید رضا کہتے ہیں: ہمارے زمانے میں بہتر یہ ہے کہ سرحدوں پر آباد لوگوں اور دشمن ممالک کی سرحدوں پر رہنے والوں کی دل جوئی کی جائے۔ مسلمانوں میں ایسے بہت لوگ ہیں جن کی کفار دل جوئی کرتے ہیں تاکہ ان کا تعاون حاصل کریں یا ان کے دین میں داخل ہو جائیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ استعماری ممالک مسلمانوں کو ان کے دین سے دور کرنے اور مرتد کرنے کے لیے اپنے مال کا بہت بڑا حصہ مسلمانوں کی دل جوئی کے لیے وقف کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کو عیسائیت قبول کرنے پر آمادہ کیا جاتا ہے تاکہ وہ اسلام



سے نکل جائیں۔ بعض دوسرے کو اسلامی ریاست کی حمایت سے دست بردار کروا کر اپنی حمایت میں داخل کیا جاتا ہے تاکہ اسلامی وحدت کو نقصان پہنچایا جاسکے۔ جیسا کہ جزیرہ عرب کے اکثر امراء اور سلاطین کا ہی حال ہے، کیا مسلمان اس امر کے زیادہ مستحق نہیں کہ وہ اسی نوعیت کے اقدامات کریں۔ (۲۳۵)

۵۔ بعض ایسی غیر اسلامی ممالک اور حکومتوں کی دل جوئی جن میں مسلمان آباد ہیں تاکہ مسلمان امن سے رہ سکیں یا بعض ایسی غیر اسلامی حکومتوں کی دل جوئی جو اپنی سرزمین پر اسلامی ادارے قائم کرنے کی خلاف ہیں۔

اسلام اور مسلمانوں کی ہر طرح کی اعانت شرعاً مطلوب ہے، خواہ اس کا تعلق لوگوں کے قبول اسلام سے ہو یا مسلمانوں کی بھلائی سے اور ان کے وجود، امن، ان کی ذاتی اور شخصی دلچسپیوں کے تحفظ سے یا اسلامی دعوت و تبلیغ کے لیے مصالح اسلامیہ کی حمایت، مساجد اور اسلامی مراکز کے قیام، قرآن کی تعلیم کے لیے مختلف سہولتیں فراہم کرنے، اسلامی تربیت کے اہتمام اور نوجوان مردوں اور عورتوں کی اسلامی تعلیم و تربیت سے یا ان کی اسلامی شخصیت کے غیر اسلامی رسوم و رواج میں جذب ہونے سے بچانے سے۔

اس لیے ان مقاصد کے لیے مال خرچ کرنا شرعاً جائز ہے، ہر طرح بعض غیر اسلامی حکومتوں اور ممالک کی زکوٰۃ وغیرہ کے ذریعے امداد کرنا اس لیے جائز ہے تاکہ وہاں موجود مسلمان نسل کو تحفظ ملے، انہیں امن حاصل ہو اور اسلامی شعائر پر آزادانہ عمل کر سکیں، اپنے اسلامی ناموں اور اسلامی اخلاق کا تحفظ کر سکیں، نکاح، طلاق، قسموں، نذروں وغیرہ ایسے امور میں جن کا تعلق شخصی قوانین سے ہے اور جو مسلمانوں کے امتیازی امور ہیں ان میں اسلامی شریعت کے احکام کی تطبیق کر سکیں۔

اسی طرح غیر اسلامی حکومتوں کی مدد کرنا جائز ہے تاکہ وہ مسلمانوں کو اپنی سرزمین پر بعض اسلامی منصوبے قائم کرنے کی اجازت دیں، مثلاً مساجد، اسلامی مراکز و مدارس کی تعمیر، کیوں کہ اس میں مسلمانوں کے ضائع ہونے اور اسلامی طرز زندگی سے منحرف ہونے سے تحفظ اور اسلامی انداز فکر، اور اسلامی عقیدے کی حمایت ہے۔ کیوں کہ امریکا اور یورپ وغیرہ ممالک میں جس امر کا سب سے زیادہ خطرہ ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی دوسری نسل جو انہیں ممالک میں پیدا ہوئی اور پلی بڑھی

اپنا اسلامی وجود کہیں کھو نہ بیٹھے، ان کے والدین جو پہلی نسل ہے اور اسلامی ممالک سے ہجرت کر کے وہاں گئے ہیں ان پر اسلامی یا عربی ثقافت، دین اور اخلاق کے اثرات ہیں اور ان تحریر و تقریر میں عربی زبان کا اثر اور اس پر فخر موجود ہے۔

۶۔ حادثات اور مصائب (زلزلوں اور سیلاب وغیرہ) میں مؤلفۃ قلوب کے حصے سے امداد دے کر شرکت کرنا:

شرعی سیاست کے میدان میں یہ امر لائق تحسین ہے کہ غیر اسلامی ریاستوں میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی تعلقات خوشگوار ہوں کیوں کہ اچھے تعلقات اسلامی مصلحتوں کے لیے مفید ہیں اور کشیدہ تعلقات مسلمانوں کی مصلحتوں کے لیے نقصان دہ ہے بالخصوص ان حالات میں جب کہ مسلمان کمزور ہوں اور ہمارے آج کل کے حالات میں۔ اگر اسلام میں جہاد کا مقصد پر امن تعلقات کا حصول اور امن و عافیت کے حالات پیدا کرنا اور معاہدات کے ذریعے جائز مصلحتوں کا حصول ہے تو جو چیز ان مقاصد کے حصول میں معاون ہو وہ شرعاً جائز ہے۔

لیکن اس چیز کو پیش نظر رکھا جائے کہ زکوٰۃ ضرورت مند اور محتاج مسلمانوں کی

خبرگیری اور عام مسلمانوں کے باہمی کفالت سے گہرا تعلق رکھتی ہے اور یہ کہ اس میں عبادات کا ایک رنگ بھی پایا جاتا ہے تو پھر امکانی حد تک انہی پہلو تک رکھا جائے۔ اور جو مصارف قرآن مجید میں صراحتاً ذکر ہیں انہی پر خرچ کیا جائے۔ اس لیے مال زکوٰۃ دوسری امتوں کے سائنحات کی تخفیف میں نہیں دیا جاسکتا۔

لیکن شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں کہ زکوٰۃ کے سوا مسلمانوں کے دوسرے مال غیر مسلموں کی شر سے بچنے، ان کے نقصان سے حفاظت اور ان سے بھلائی کی امید میں ان پر خرچ کیے جائیں جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے۔ پس سختی، مصیبت آفات اور حادثات مثلاً زلزلوں اور سیلابوں وغیرہ میں اگر ہم انہیں امدادی تحائف کے طور پر انہیں اپنے اموال دیں تو یہ جائز ہے، اس میں ایک قسم کا تحفظ ہے اور برائی کے دروازے بند کرنے کا ذریعہ بھی۔ بعض شافعیہ نے بیت المال کی عام آمدنی سے تالیف قلب کے لیے کفار کو دینے کی اجازت دی ہے یعنی مال نے وغیرہ کے خمس کے خمس میں سے، کیوں کہ یہ مال رفاہ عامہ کے لیے ہے اور کفار بھی عوام میں شامل ہیں۔

شافعیہ کے سوا دوسرے فقہاء جنہوں نے تالیف قلب کے لیے بوقت ضرورت کافروں کو زکوٰۃ دینے کی اجازت دی ہے، ان کے نزدیک زکوٰۃ دینے میں بھی کوئی قباحت نہیں کیوں کہ اس طرح دل جوئی کرنے سے ان کے بالواسطہ یا بلاواسطہ اسلام میں داخل ہونے کی راہ کھلتی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں: مؤلفۃ قلوب وہ لوگ تھے جو دیہات وغیرہ میں رہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دل جوئی کے لیے عطیات دیتے تھے تاکہ وہ ایمان لے آئیں (۳۲۶) ان حالات میں اگرچہ یہ امر بعید ہے کہ جن آفت رسیدہ لوگوں کی مدد کی جائے وہ خود یا ان کی حکومتیں اسلام کے بارے میں قریب یا دور کا کوئی ایسا خیال

کریں کہ اسے قبول کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ تاہم جواب میں وہ ان انسانی جذبات کی قدر کریں گے جن کی وجہ سے آفت رسیدہ لوگوں کی مشکلات کم کرنے میں مدد دی گئی اور سفارتی سطح پر شکریہ کے پیغامات بھیجے جائیں گے جن میں انسانی جذبات اور انسانی برادری کے درمیانی برادرانہ تعلقات کی پاسداری کی تعریف کی جائے گی، کیوں کہ ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کو سب سے زیادہ وہ لوگ محبوب ہیں جو اس کے کنبے کو نفع پہنچاتے ہیں، جیسا کہ سنت نبویہ میں مذکور ہے، کیوں کہ اسلام تمام لوگوں کے لیے عمومی رحمت کے پیام کا علمبردار ہے۔

۷۔ مؤلفہ قلوب کا حصہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اچھے خیالات پیدا کرنے کے لیے نشر و اشاعت (دعوت و تبلیغ) پر صرف کرنا:

موجودہ دور میں ہم پروپگنڈے کے مختلف طریقوں اور نشر و اشاعت سے متاثر ہوتے ہیں، مشہور ادیب جو کچھ لکھتے ہیں، روزنامے اور بڑے مجلات جو کچھ شائع کرتے ہیں ان کی اہمیت ہوتی ہے اس لیے ہمارے لیے بھی ضروری ہے کہ ہم دور حاضر کے دیے ہوئے انداز حیات کے ساتھ زندگی گزاریں اور اس کے مثبت و منفی پہلوؤں سے استفادہ کریں۔ ہمارے پاس جو عمدہ افکار و نظریات اور بہترین ذاتی اور اجتماعی اخلاقی اقدار ہیں، مخصوص انسانی اور مادی نقطہ نظر ہے اسے لوگوں کے سامنے پیش کریں اور جو چیز ہماری شریعت، اخلاق اور اداروں کے ساتھ متصادم ہے اس کا دفاع کریں اور ہماری اقدار کے بارے میں جو جھوٹ اور افترا پردازیاں کی جاتی ہیں ان کا جواب دیں اور اسلام کے بارے میں پیدا کیے جانے والے شبہات اور باطل تاویلات کا قلع قمع کریں۔

ہم مثبت اور منفی دونوں اعتبار سے جہاد کر رہے ہوں گے جو ہم پر دین کی طرف

سے واجب ہے۔ امام احمد، ابو داؤد، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مشرکین کے مقابلے میں اپنے مال، جان اور زبان سے جہاد کرو“۔

اس میں کوئی حرج نہیں کہ مسلمان اللہ کی راہ میں جو مال خرچ کرتے ہیں، اس میں سے زکوٰۃ کے ”فی سبیل اللہ“ یا مؤلفۃ قلوب کے حصے میں سے کچھ قلم کاروں اور خطیبوں کو بھی دیا جائے تاکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اچھی رائے کا اظہار کریں، اسلامی شریعت کی حکمت بیان کریں اور جھوٹے پروپیگنڈے اور الزامات وغیرہ کے مقابلے میں اسلام اور مسلمانوں کے قومی اور اجتماعی مسائل کا دفاع کریں، شبہات کا قلع قمع کریں اور بے راہ ثقافتی یلغار کا راستہ روکیں اور اوپر ہم نے بیان کیا ہے کہ طبری نے اسلام کی تقویت کے لیے مؤلفۃ قلوب کا حصہ خرچ کرنے کی اجازت دی ہے۔

شریعت کی رو سے بہتر یہ ہے کہ نشر و اشاعت اور پروپیگنڈے کے لیے بیت المال کے عام فنڈز میں سے مسلمانوں کا مال خرچ کیا جائے کیوں کہ وہ مال عمومی مصلحتوں کے لیے مختص ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ: عادل حکمران ماہر صاحب رائے، اہل علم کے مشورے سے جس موقع محل پر ضرورت سمجھے، دیانت داری سے زکوٰۃ کے مال سے خرچ کر سکتا ہے۔ اگر حکومتیں اس جانب توجہ نہ دے رہی ہوں تو مسلمانوں کی عام تنظیموں اور اداروں کو چاہیے کہ اس فریضے کی ادائیگی کی طرف توجہ دیں، جب کہ انفرادی طور پر کسی فرد کو یہ اختیار حاصل نہیں۔ اور مختلف طریقوں سے غیر مسلموں کی دل جوئی کر کے اسلام کا دفاع کریں، اسلامی دعوت کو پھیلائیں اور نئے مسلمانوں کے مصالح کی نگہداشت کریں۔

## ۲۔ زکوٰۃ کا مصرف ”گردنیں چھڑانا“۔

اسلام میں زکوٰۃ کے فریضہ کی بہت بڑی اہمیت ہے، اسے ہمیشہ نماز کے ساتھ ملا کر ذکر کیا گیا ہے تاکہ نماز کے ذریعے بندے اور اللہ کا تعلق مستحکم ہو تو زکوٰۃ کے ذریعے بندوں کے باہمی تعلقات خوشگوار رہیں۔ زکوٰۃ کے مقاصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ زکوٰۃ ادا کرنے والا ان مصارف میں زکوٰۃ خرچ نہ کرے جن کا قرآن نے اس آیت میں ذکر کیا ہے: انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفي الرقاب والغارمین وفي سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم (التوبہ ۹: ۶۰؛ صدقات فقرا مساکین، محصلین زکوٰۃ، مؤلفۃ قلوب اور مقروضوں کا حق ہے، اور گردنیں چھڑانے میں، اللہ کی راہ میں اور مسافروں کو دی جائے، اللہ کی طرف سے فرض ہے، اللہ علیم و حکیم ہے)۔

زکوٰۃ کے آٹھ مصارف جو آیت میں بیان کیے ہیں گردنیں چھڑانا پانچواں مصرف ہے اور تمام مستحقین زکوٰۃ کے اوصاف الگ الگ بیان کیے گئے ہیں۔

چوں کہ ہمارے زمانے میں اسلامی ممالک میں بالعموم ان میں سے چار مصارف باقی رہ گئے ہیں یعنی فقیر، مسکین، مقروض اور مسافر تو اس کی ضرورت ہے کہ دور حاضر میں غلامی کے غیر قانونی قرار دیے جانے کے بعد یہ معلوم کیا جائے کہ گردنیں چھڑانے کا مفہوم کیا ہوگا اور وہ یہ ہے کہ آج کے دور میں مسلمان آبادی کو مختلف استعماری طاقتوں کے شکنجوں سے نجات دلانے کے لیے زکوٰۃ استعمال کی جائے۔ ان استعماری طاقتوں میں سب سے اہم یہ ہے کہ زبردستی دوسروں کے علاقوں پر قبضہ کر کے اسے اپنی ریاست میں تبدیل کر لینا۔ زکوٰۃ کے ذریعے دشمن کے ظلم سے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے فدیہ دینا اور دشمنوں

کے اجتماعی اور انفرادی قید خانوں کے مظالم سے مسلمانوں کو نجات دلانا جہاں ان سے جو وحشیانہ سلوک ہوتا ہے وہ انسانیت کا ادنیٰ تصور اور انسانوں کے معمولی حقوق کے بھی منافی ہے، جیسے کہ مقبوضہ فلسطین میں یہودیوں نے فلسطینی عوام کی قیمت پر بڑی عالمی طاقتوں کی مدد سے اسرائیل کی ریاست قائم کی اور ان کی مسلسل مدد سے یہودی ریاست باقی ہے۔

### بحث کا خاکہ:

گردنیں چھڑانے کے مصرف پر مندرجہ ذیل خاکے کی روشنی میں بحث کرنا ممکن ہے:

- ۱۔ ”فی الرقاب“ کا مفہوم۔
  - ۲۔ دور حاضر میں غلامی کا ختم ہو جانا۔
  - ۳۔ مکاتیب کے سوا دوسرے مصارف میں اسلامی تاریخ کے سابقہ ادوار میں اس مصرف کا استعمال۔
  - ۴۔ دور حاضر میں ”فی الرقاب“ کے مصرف سے قیدیوں کی رہائی اور اس سلسلے میں فقہی مذاہب کی تفصیلات۔
  - ۵۔ اس مصرف کی اصلی تطبیق یعنی مکاتب کو آزادی خریدنے کے لیے مالی مدد دینا۔
  - ۶۔ کیا جو اسلامی گروہ کافر حکومتوں کے استبدادی شکنجوں میں سسک رہے ہیں انہیں اپنے آپ کو آزاد کرانے کے لیے اس مصرف سے امداد دی جاسکتی ہے؟
- ۱۔ گردنیں چھڑانے کا مفہوم:

فی الرقاب کے لفظ کا ظاہری مفہوم اور اطلاق اس کے مفہوم کی عمومیت کا تقاضا کرتا ہے، جو انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کرانے، کتابت میں یا غلامی اور قید سے

لوگوں کی گردنیں چھڑانے پر مشتمل ہے جیسا کہ زختری نے الکشاف میں لکھا ہے (۳۲۷) زجاج نے کہا ہے کہ ارشاد ربانی ”وفی الرقاب“ میں ایک لفظ محذوف ہے اور وہ ہے ”وفی فك الرقاب“ (گردنیں چھڑانے میں) (۳۲۸)۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت انما الصدقات للفقراء والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم (التوبہ ۹: ۶۰) میں پہلی چار اقسام کے لام استعمال کیا گیا اور دوسری چار اقسام کے لیے ”فی“ کا لفظ استعمال کیا، وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل (التوبہ ۹: ۶۰) گردنوں میں، قرض داروں میں، راہ خدا میں اور مسافروں میں) جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صدقات کے استحقاق میں آخری چار اقسام پہلی چار کے مقابلے میں زیادہ اہم ہیں۔ کیوں کہ کشاف نے لکھا ہے ”فی“ کا لفظ برتن (طرف) کے لیے آتا ہے۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ لوگ اس امر کے زیادہ مستحق ہیں کہ صدقات ان میں خرچ کیے جائیں اور ان پر مال صرف کیا جائے (۳۲۹)۔ قرض داروں کو قرض سے نجات دلانا بھی گردن چھڑانے اور آزادی دلانے کے مترادف ہے۔ اسی طرح فی سبیل اللہ میں جہاد کے ذریعے امت کو اجتماعی آزادی دلائی جاتی ہے۔ نیز ابن السبیل (مسافر) کو افلاس سے بچا کر اور اس کے سفر کو منقطع ہونے سے روک کر اسے بحفاظت وطن پہنچانا گویا مسافر کو بچانے کے مترادف ہے۔

بحیری الشافعی کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں صدقات کی پہلی چار اقسام میں لام تملیک کے ساتھ اضافت کی اور آخری چار میں فی ظرفیہ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ پہلی چار اقسام میں مطلقاً ملکیت کافی ہے جب کہ دوسری چار میں ملکیت مقید ہے، اگر وہ اقسام موجود نہ ہوں تو زکوٰۃ دوسری اقسام میں خرچ



کی جائے گی، جب کہ پہلی اقسام میں ایسا نہیں (۳۵۰)۔

امام رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے الرقاب (گردنیں چھڑانے) کا ذکر کیا تو لام کو فی سے تبدیل کر کے فی الرقاب کہا، اس میں لازماً کوئی حکمت ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلی چار اقسام میں مستحقین کو اختیار ہے کہ وہ اپنے حصے میں آنے والی زکوٰۃ جیسے چاہیں صرف کریں لیکن ”گردنیں چھڑانے“ کے مصرف میں ضروری ہے کہ ان لوگوں کی غلامی سے گردنیں آزاد کرانے میں زکوٰۃ دی جائے۔ انہیں اپنی آزادی کی قیمت دینے کے لیے زکوٰۃ دی جائے نہ یہ کہ وہ جیسے چاہیں اسے استعمال کریں۔ اسی طرح مقروضوں کے قرض ادا کرنے میں اور جہاد میں شریک لوگوں کی جہادی اور جنگی ضروریات کی تیاری میں مال صرف کیا جائے۔ یہی صورت مسافر کے سلسلے میں ہے۔ الغرض پہلی چار قسموں کو اختیار ہے جیسے چاہیں زکوٰۃ کا مال خرچ کریں اور دوسری چار قسموں میں مال ان پر نہ خرچ کیا جائے بلکہ ان ضرورتوں پر خرچ کیا جائے جن کی وجہ سے وہ زکوٰۃ کے مستحق قرار پائے ہیں، (۳۵۱) یعنی ان صورتوں میں مالک بنانا ضروری نہیں۔

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ ”فی الرقاب“ (التوبہ ۹: ۶۰) سے مراد ایسے مسلمان مکاتب ہیں (۳۵۲) جو قدرت، قوت اور ہنر رکھنے کے باوجود اپنی کتابت کا معاوضہ ادا کرنے کی رقم کے مالک نہیں ہیں، کیوں کہ مکاتب کے سوا اور کسی کو آزادی حاصل کرنے کے لیے زکوٰۃ دینا ممکن نہیں۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی اس مد سے غلام خرید کر آزاد کرے تو یہ رقم غلام کو نہیں دی گئی بلکہ اس کے مالکوں کو دی گئی اور زکوٰۃ ادا کرنے میں جو ملکیت کی شرط ہے وہ پوری نہیں ہوتی۔ اس مفہوم کی تائید سورۃ النور (۲۴: ۳۳) کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے: وَاَتَوْهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ (انہیں اللہ کے اس

مال میں سے دو جو اس نے تمہیں دیا ہوا ہے۔ ابن عباسؓ نے فی الرقاب کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مکاتب مراد ہیں۔

امام مالک اور احمد وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ ”فی الرقاب“ کے حصے سے غلام خرید کر آزاد کرے۔ یہی صورت متعین ہے کیوں کہ قرآن حکیم میں جہاں بھی رقبہ (گردن) کا ذکر ہے وہاں غلام آزاد کرنا مراد ہے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ خالص غلام آزاد کیا جائے یعنی جو مکاتب نہ ہو، جیسا کہ کفاروں میں ہے۔

مکاتب کو زکوٰۃ دینے کی شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو، محتاج ہو جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ زکوٰۃ کے ایک حصے کو لوگوں کو آزادی دلانے کے لیے مختص کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام آزادی، حریت اور غلامی کے خاتمے کے لیے کس قدر پر جوش اور متحرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اس نے قرآن حکیم میں لوگوں کو غلام بنانے کا ذکر نہیں کیا البتہ انہیں آزاد کرنے اور غلامی سے رہائی دلانے کی ترغیب دی۔ اسلام پہلا مذہب ہے جس نے غلامی سے نجات کے دروازے کھول کر اور غلاموں کی آزادی کی ترغیب دے کر دنیا سے غلامی کے خاتمے کی راہیں ہموار کیں۔ ماضی میں بعض پیش آمدہ حالات میں اگر ایسا ہوا کہ قیدیوں کو غلام بنا لیا گیا تو اس میں عام مصلحت کے تقاضے پیش نظر رکھے گئے کیوں کہ دشمنوں کے ساتھ برابری کا معاملہ کرنا ہی درست طرز عمل ہے۔ یہ بات غیر معقول ہوتی کہ اسلام کافر قیدیوں کو غلام نہ بناتا اور کافر مسلمان قیدیوں کو غلام بنا لیتے۔

## ۲۔ دور حاضر میں غلامی کا خاتمہ:

قدیم اقوام، فلاسفہ، اہل کتاب، یہود اور نصاریٰ کے نزدیک غلامی جائز تھی۔ رومی پہلی قوم ہے جس نے قیدیوں کو غلام بنانے اور محکوم اقوام کو غلامی کے شکنجوں میں جکڑنے کا

آغاز کیا۔ ان کے ہاں غلامی کی کئی قسمیں رائج تھیں۔

غلامی تجارتی اور زراعتی سرگرمیوں کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی تھی اور قدیم اقوام کے طرز زندگی کی اساس شمار ہوتی تھی اور ان کے اقتصادی اور معاشرتی نظام کا بنیادی ستون تھا۔

اہل اسلام مجتہدین نے۔ اس صورت حال کے پیش نظر۔ دنیا سے غلامی کے خاتمے کی راہ اختیار نہیں کی تاکہ لوگ جس نظام سے مانوس ہیں اس کی مخالفت کی وجہ سے اسلام کے مخالف نہ ہو جائیں اور معاشرتی اور اقتصادی سرگرمیاں متاثر نہ ہوں۔ جھگڑے اور فسادات نہ پھوٹ پڑیں اور معاشرے میں فقر و فاقہ کی کار فرمائی ہونے کے باعث غلاموں کے جرائم سے دنیا میں جینا دو بھر ہو جائے۔

چوں کہ اصل یہ ہے کہ انسان آزاد ہو، اسلامی قانون کا تقاضا بھی یہی ہے، اس لیے اسلام نے آزادی کے وجود اور بقا کو بہت اہمیت دی ہے اور غلامی کے مسئلے کا تدریجی حل پیش کیا اور ایسے اسباب بتائے جن سے غلامی ختم کی جاسکتی ہے اور غلامی کے تمام راستے بند کرتے ہوئے صرف ایک راستہ کھلا رکھا کہ اگر انصاف پر مبنی ایسی جنگ ہو جس میں ظلم کے خاتمے اور عدل کے قیام کے لیے غیر مسلموں سے معرکہ آرائی ہو اور اس میں غیر مسلم قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگیں اور کافر بھی مسلمان قیدیوں کو غلام بنا لیتے ہوں تو اس صورت میں غلام بنانا جائز ہے، یا وراثت میں غلام کا مالک بنا جاسکتا ہے۔ پھر غلامی سے آزادی کے لیے اور غلامی کو ختم کرنے کے لیے کئی دروازے کھول دیے اور اللہ کی قربت اور آخرت میں اس کی رضا کے حصول کے لیے غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی، نیز کئی ایک گناہ ایسے ہیں مثلاً قتل، قسم توڑنا، بیوی سے ظہار کرنا وغیرہ جس کا کفارہ یہ رکھا گیا کہ غلام آزاد

کرے۔ اسی طرح جنگی قیدیوں کی رہائی کے لیے کئی ایک متبادل مہیا کیے مثلاً بلا معاوضہ چھوڑ دینا، فدیہ لے کر یا اپنے قیدیوں کے بدلے میں چھوڑ دینا۔ نیز غلاموں سے عمدہ سلوک کرنے کا حکم دیا اور زکوٰۃ میں ایک حصہ مقرر کر دیا جسے خرچ کر کے غلاموں کی آزادی خریدی جاسکتی ہے۔

اسلام کی ان تعلیمات کی وجہ سے یہ نتیجہ نکلا کہ انسانی ضمیر میں یہ احساس بیدار ہوا کہ بتدریج غلامی کو ختم کرنے کی راہ ہموار ہوئی۔ اسلام نے ایسا نہیں کیا کہ فوری طور پر غلامی کو قطعی حرام قرار دیا ہے۔

اس سے یہ حقیقت نگاہوں سے سامنے آتی ہے کہ اسلام دنیا سے غلامی ختم کرنے کے خلاف نہیں ہے بلکہ غلامی کے خاتمے کی ترغیب دیتا ہے اور ایسے اسباب اختیار کرنے پر آمادہ کرتا ہے جس سے غلامی کلیتاً ختم ہو جائے۔ یاد رہے کہ اسلام آزاد شخص کو غلام بنانے کو جائز قرار نہیں دیتا اور غلاموں کی تجارت کو بہت برا سمجھتا ہے اور وسطی افریقہ کے ممالک میں غلام بنانے اور ان کے ساتھ بدسلوکی کے جو نمونے سامنے آتے ہیں ان کو قطعاً حرام قرار دیتا ہے۔ نیز اسلام کسی طرح بھی قبائل و اقوام کو مجموعی طور پر غلام بنانے کی اجازت نہیں دیتا جیسا کہ آج کے دور میں اس صورت حال نے انفرادی غلامی کی جگہ لے لی ہے۔ نیز امریکہ اور برطانیہ میں جو سفید و سیاہ کے درمیان تفریق ہے جو غلامی کے آثار ہیں انہیں اپنے معاشرے میں قبول نہیں کرتا۔

غلامی کا نظام قرون وسطیٰ میں اور ان کے بعد رائج رہا تا آنکہ یورپی ممالک نے ویانا کے اجلاس میں ۱۸۱۵ء میں غلاموں کی تجارت ممنوع قرار دی اور اس کے بعد کئی ایک قرار دادیں پاس ہوئیں جن میں سے آخری قرار داد ۱۹۵۶ء کو جنیوا میں پاس ہوئی جس

میں غلامی کا خاتمہ کرتے ہوئے، غلاموں کی تجارت اور غلامی کی طرح کے حالات پیدا کرنے پر مکمل پابندی عائد کر دی گئی۔ (۲۵۳)

۳۔ زکوٰۃ کے اس مصرف کو مکاتبوں کے سوا دوسرے مواقع پر استعمال کرنے میں اسلامی عہد کے تاریخی شواہد:

اسلام نے بالعموم غلاموں کی آزادی اور غلامی کے خاتمے کی ترغیب دی اور غلام کو آزاد کرنے کے عمل کو آخرت کی نجات کا باعث بتایا، ارشاد ربانی ہے: *فلا اقتحم العقبة وما ادراك ما العقبة، فك ر قبله بئلد ۹۰: ۱۱-۱۳*؛ وہ گھاٹی پر نہیں چڑھا، تجھے کیا خبر گھاٹی کیا ہے، گردن چھڑانا) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو مسلمان کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو آگ سے آزادی دے گا“۔ (۲۵۴)

صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسے کمزور مسلمان غلاموں کو آزاد کرانے میں خصوصی دلچسپی لیتے تھے جنہیں آغاز اسلام میں قریش کے سردار اسلام کی وجہ سے سزا دیتے مثلاً بلالؓ حبشی، اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اپنی وفات تک ایک ہزار غلام آزاد کیے تھے۔

بعض مسلمان خلفاء نے ”فی الرقاب“ کے مصرف کو مکاتبوں کے سوا دوسرے غلاموں کو آزاد کرانے میں بھی استعمال کیا، جیسا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے عہد کے بارے میں ہے کہ یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے افریقہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا، میں نے زکوٰۃ جمع کر کے فقرا کو بلایا تاکہ انہیں زکوٰۃ دی جائے تو مجھے کوئی فقیر نہ ملا، کوئی ایسا شخص دست یاب نہ ہوا جو مجھ سے زکوٰۃ لے کیوں کہ

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے لوگوں کو مال دار کر دیا تھا، میں نے اس رقم سے غلام خرید کر آزاد کر دیے اور ان کی ولاء (حق وراثت) مسلمانوں کو دے دی (۳۵۵)۔

بلاشبہ میرے اندازے کے مطابق یہ عمل ایک عملی نمونہ تھا جس پر مسلمانوں کے ائمہ اور مختلف زمانوں کے عام مسلمان عمل پیرا رہے۔

اس موضوع سے متعلق دوسرے واقعات ”فی الرقاب“ کے حصے کو خرچ کرنے کے بارے میں مختلف مذاہب کے دلائل کے ضمن میں بیان کیے جائیں گے۔

۴۔ دورِ حاضر میں ”فی الرقاب“ کے مصرف سے قیدی چھڑائے جائیں۔ فی الرقاب کے حصے کے بارے میں فقہی مذاہب کی تفصیل:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر پہلے صحابہؓ اور تابعینؓ وغیرہ کی آراء عمومی طور پر بیان کی جائیں پھر فقہی مذاہب اور ان کے دلائل کی تفصیل بیان کی جائے۔

”الرقاب“ کے عام مفہوم کے تعین میں علماء کی آراء:

الرقاب کی تفسیر میں علماء کے چار اقوال ہیں (۳۵۶)۔

پہلا قول: ”فی الرقاب“ سے مراد گردنیں چھڑانا ہے۔ زکوٰۃ میں یہ حصہ اس لیے رکھا

گیا ہے تاکہ اس سے غلام خرید کر آزاد کیے جائیں یہ ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، حسن بصریؓ،

ابوعبیدؓ کا قول ہے اور امام مالک، احمد، اسحاق، عبید اللہ بن حسن العنبری کا مذہب ہے۔

حاکم کے لیے جائز ہے کہ زکوٰۃ کے مال سے غلام خرید کر انہیں مسلمانوں کی طرف سے

آزاد کر دے اور مالکیہ کی رائے میں ان کی ولاء (حق وراثت) مسلمانوں کی جماعت کے

لیے ہوگی۔ اگر زکوٰۃ دینے والا خود غلام خرید کر آزاد کر دے تو بھی جائز ہے۔

دوسرا قول: الرقاب کا حصہ مکاتبوں کو دیا جائے تاکہ وہ اس سے آزادی حاصل کر سکیں۔ زکوٰۃ دینے والا خود مال زکوٰۃ سے کوئی غلام نہ خریدے جس کی ولایت اسے مل سکے۔ یہ ابو موسیٰ اشعریؓ، مقاتل، سعید بن جبیر، لیث بن سعد، ابن وہب اور ابن زید کا قول ہے اور یہی امام شافعی اور ابو ثور کا مذہب ہے اور امام مالک سے ایک روایت یہ بھی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ابن عباسؓ ”فی الرقاب“ میں رقاب سے مکاتب مراد لیتے تھے اور دوسری آیت و آتوہم من مال اللہ الذی آتاکم (النور ۲۴: ۳۳؛ اللہ کے اس مال میں سے مکاتبوں کو دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے) سے اس کی مزید تاکید ہوتی ہے۔

قرطبی کہتے ہیں کہ پہلا قول صحیح ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و فی الرقاب (التوبہ ۶۰: ۹) اگر زکوٰۃ میں گردنیں چھڑانے کے لیے حصہ ہے تو صاحب زکوٰۃ کو حق ہے کہ غلام خرید کر آزاد کر دے جیسا کہ اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ صاحب زکوٰۃ، زکوٰۃ کے مال سے گھوڑا خرید کر اس پر جہاد کر سکتا ہے۔ اگر زکوٰۃ سے پورا گھوڑا خریدا جا سکتا ہے تو پورا غلام خریدنا بھی جائز ہے، اس میں کوئی فرق نہیں۔

تیسرا قول: امام ابو حنیفہؒ، ان کے اصحاب، سعید بن جبیر، اور نخعی کا ہے کہ زکوٰۃ سے کامل غلام نہ خریدا جائے ہاں غلام خریدنے میں حصہ ڈال دیا جائے اور مکاتب کی مدد کی جائے کیوں کہ یہ حصہ غلام کا اور مکاتب کا کچھ حصہ خریدنے کے لیے ہے۔ کیوں کہ آیت میں ”فی الرقاب“ کے لفظ کا تقاضا یہ ہے کہ زکوٰۃ کا غلام چھڑانے میں حصہ ہونا چاہیے۔ اور یہ بات پورا غلام خریدنے کے منافی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ دوسرے اور تیسرے قول کو ایک ہی قول سمجھا جائے۔

چوتھا قول: امام زہری کا ہے وہ کہتے ہیں کہ الرقاب کے حصے کو آدھا آدھا کر دیا جائے،

آدھا مسلمان مکاتبوں کو دیا جائے اور آدھے سے ایسے غلام خریدے جائیں جو نماز روزہ کرتے ہیں اور خاصے عرصے سے مسلمان ہوں اور انہیں ان کی نمازوں کی بنا پر آزاد کر دیا جائے۔ یہ ابو عبید کی رائے ہے۔

دوسرے قول کے حامل شافعیہ نے اپنی پہلی بات کے ساتھ اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ رقاب کا حصہ مکاتب کی اجازت سے اس کے مالک کو دیا جائے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی چار اقسام میں صدقات کے وجوب کو لام تملیک کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے فرمایا: انما الصدقات للفقراء (التوبہ ۹: ۶۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ مالکیہ اور حنابلہ کے سوا سب علماء اس پر متفق ہیں کہ الرقاب کے حصے سے مکاتب غلام خریدے جاسکتے ہیں۔ لیکن دو امور پر ان کے درمیان اختلاف ہے۔ عام غلاموں کی آزادی اور قیدیوں کی آزادی۔ الکیا الطبری کہتے ہیں کہ آزادی ملکیت ختم کرنے کا نام ہے، مالک بنانا نہیں ہے اور مکاتب کو جو دیا جاتا ہے اس میں مالک بنانا ہے اور زکوٰۃ اس وقت درست ہوگی جب کہ اس میں مالک بنایا جائے گا۔ یہ حنفیہ اور شافعیہ کی رائے ہے، اس لیے زکوٰۃ کا کوئی حصہ خالص غلام کی آزادی پر صرف نہ کیا جائے۔

مالکیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ مطلقاً گردنیں آزاد کرنے میں زکوٰۃ سے حصہ ڈالا جاسکتا ہے اور امام بخاری اور ابن المنذر کا میلان بھی اسی طرف ہے۔

قرطبی کہتے ہیں حدیث میں واضح طور پر موجود ہے کہ غلام آزاد کرنا اور مکاتب کی مدد کرنا دونوں کام مال زکوٰۃ سے جائز ہیں۔ احمد اور دارقطنی نے براء بن عازبؓ سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور اس نے کہا: ”مجھے



کوئی ایسا کام بتائیں جو مجھے جنت کے قریب اور دوزخ سے دور کر دے، آپؐ نے فرمایا، تم نے مختصر بات کی لیکن بڑا لمبا سوال کر دیا۔ جان آزاد کرو اور گردن چھڑاؤ۔ اس نے پوچھا، یا رسول اللہ، کیا یہ دونوں ایک ہی کام نہیں، آپؐ نے فرمایا: نہیں، جان آزاد کرنا یہ ہے کہ تم اکیلے غلام آزاد کرو اور گردن چھڑانا یہ ہے کہ اس کی قیمت میں مدد کرو۔ حنفیہ نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آیت میں مذکور ”فی الرقاب“ کا یہ مطلب ہے۔

مکاتب کو آزاد کرانے میں زکوٰۃ دینے کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جسے ابوداؤد کے سوا پانچوں کتب حدیث (مسند احمد، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ) نے روایت کیا (۳۵۶) کہ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”تین آدمیوں کی مدد کرنا اللہ پر واجب ہے مجاہد فی سبیل اللہ، مکاتب جو اپنی قیمت ادا کرنا چاہتا ہو اور شادی کرنے والا جو پاک دامن رہنا چاہتا ہو“۔

قیدیوں کو چھڑانے کے بارے میں اصبح اور ابن قاسم کی رائے یہ ہے کہ قیدیوں کو چھڑانے میں زکوٰۃ صرف نہیں کی جاسکتی، مالکیہ کے نزدیک مشہور قول یہ ہے کہ قیدی چھڑانے میں زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، حنفیہ اور شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ ابن حبیب اور ابن عبدالحکم کہتے ہیں کہ جائز ہے کیوں کہ قیدی کی گردن بھی غلامی کے قبضے میں پھنس گئی ہے اور وہ غلامی سے آزاد ہو سکتی ہے، اس لیے وہ ان غلاموں کی بہ نسبت جو ہمارے قبضے میں ہیں آزادی کی زیادہ حق دار ہے، کیوں کہ اگر مسلمان کی گردن مسلمان کی غلامی سے چھڑانا عبادت ہے اور اس کے لیے صدقہ دینا جائز ہے تو کافر کی غلامی اور ذلت سے مسلمان کی گردن چھڑانا زیادہ بہتر ہے اور یہ حنابلہ کا قول ہے۔

گردنیں چھڑانے کے حصے کے بارے میں فقہاء کے مذاہب کی تفصیل اور ان کے دلائل:

”فی الرقاب“ کے بارے میں فقہی آراء میں دو پہلو ہیں۔ ایک تنگی کا پہلو ہے جو حنفیہ اور شافعیہ کی رائے ہے اور وہ یہ کہ زکوٰۃ صرف مکاتبوں پر خرچ کی جاسکتی ہے۔ دوسرا وسعت کا پہلو ہے جو مالکیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ اس حصے سے غلاموں کو بھی آزاد کرایا جاسکتا ہے اور مطلقاً گردنیں چھڑائی جاسکتی ہیں۔ حنابلہ کے مذہب میں خواہ وہ مکاتب ہوں یا خالص غلام، البتہ حنابلہ قیدیوں کو چھڑانے کے لیے زکوٰۃ خرچ کرنے کی اجازت دیتے ہیں جب کہ مالکیہ کے مشہور قول میں یہ جائز نہیں۔ ہم ہر مذہب کا الگ الگ خلاصہ بیان کر کے ان دونوں نقطہ ہائے نظر کے دلائل بیان کریں گے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں (۳۵۸) زکوٰۃ کے مصارف کی پانچویں قسم ”فی الرقاب“ سے ایسے مکاتب مراد ہیں جو ہاشمی نہ ہوں۔ زکوٰۃ سے مکاتبوں کی گردنیں چھڑانے میں مدد دینی چاہیے، خواہ مکاتب کے پاس کتابت کی رقم ادا کرنے کے بعد مقدار نصاب مال موجود ہو۔

۲۔ شافعیہ کی رائے یہ ہے (۳۵۹) پانچویں قسم الرقاب سے مراد ایسے مکاتب ہیں جو زکوٰۃ دینے والے کی ملکیت نہ ہوں اور مکاتب صحیح ہو، ان کو ان کے مالکوں کی اجازت کے بغیر اور مکاتب کی قسط ادا کرنے کا وقت آنے سے پہلے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے تاکہ آزادی حاصل کرنے پر ان کی مدد ہو سکے، بشرطیکہ ان کے پاس مکاتب کی رقم پوری ادا کرنے کے لیے مال نہ ہو۔ البتہ صاحب زکوٰۃ کا اپنا مکاتب ہو تو اسے زکوٰۃ دینا درست نہیں کیوں کہ اس کا فائدہ واپس مالک کی طرف لوٹ آتا ہے۔

۳۔ مالکیہ کہتے ہیں (۳۶۰) زکوٰۃ مسلمان غلام کی آزادی پر خرچ کی جائے، کافر کی آزادی

پر نہیں مثلاً اس سے غلام خرید کر آزاد کر دیا جائے یا اگر صاحب زکوٰۃ کے پاس غلام ہو تو اس کی غیر جانب دارانہ قیمت کروا کر اسے اپنی زکوٰۃ کے طور پر آزاد کر دے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”وفی الرقاب“ کا یہ مفہوم ہے۔

غلام کے بارے میں یہ شرط ہے کہ وہ خالص غلام ہو، اس کی آزادی کی امید نہ ہو مثلاً مکاتب یا مدبر (جسے مالک نے کہا ہو کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے) یا جس کی آزادی کا کوئی وقت مقرر کر دیا گیا ہو یا ام ولد (مالک کے بچوں کی ماں) نہ ہو ورنہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ مالکیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ اس صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا لیکن زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

یہ بھی شرط ہے کہ غلام ایسا نہ ہو کہ صاحب مال کی ملکیت میں آتے ہی خود بخود آزاد ہو جاتا ہو جیسے صاحب مال کے والدین، اولاد یا قریبی رشتہ دار مثلاً بھائی بہنیں کیوں کہ احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، اور حاکم نے حضرت سمرہؓ سے روایت کی ہے: ”جو کوئی اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو جائے تو وہ محرم رشتہ دار آزاد ہو جائے گا“۔ اگر کوئی صاحب مال اپنے مال زکوٰۃ سے ایسا رشتہ دار خرید لیتا ہے جو خود بخود آزاد ہو جاتا ہے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، ہاں اگر حاکم اسے زکوٰۃ دے اور اس سے صاحب مال کا والد اس کے بیٹے کو خرید لے اور آزاد کر دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیوں کہ اس میں پہلی صورت نہیں ہے۔

اگر مال زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کیے گئے ہوں تو ان کی ولاء (حق وارثت) مسلمانوں کو حاصل ہوگی خواہ آزاد کرنے والا اس کی تصریح کرے یا خاموش رہے بلکہ اگر اپنے لیے ولاء کی شرط رکھے تب بھی ولاء مسلمانوں کو حاصل ہوگی۔ البتہ اگر کسی نے یوں کہا، تم میری طرف سے آزاد ہو اور تمہاری ولاء مسلمانوں کو ملے گی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی،

غلام آزاد ہو جائے گا اور ولاء آزاد کرنے والے کو ملے گی کیوں کہ ولاء اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو کسی کو آزاد کرتا ہے۔

مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ قیدیوں کو چھڑانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ ابن حبیبؒ کہتے ہیں کہ قیدی ہمارے اپنے غلاموں کی بہ نسبت زیادہ آزادی کے حق دار ہیں اور ابن عبدالحکم کی بھی یہی رائے ہے۔

۴۔ حنابلہ کا مذہب (۳۶۱) جیسا کہ ان کی مستند کتابوں میں یہ ہے کہ پانچویں قسم ”الرقاب“ سے مراد مسلمان مکاتب ہیں جن کے پاس مکاتب کی پوری رقم ادا کرنے کے لیے نہ ہو خواہ صحت مند اور ہنرمند ہوں کیوں کہ ارشاد ربانی ”وفی الرقاب“ عام ہے۔ المبدع میں ہے کہ مذہب حنبلی میں کوئی اختلاف نہیں کہ مکاتب بھی غلاموں میں شامل ہیں کیوں کہ اگر کسی نے کہا ”میں نے اپنی ملکیت کی تمام گردنیں آزاد کر دیں“ تو مکاتب بھی شامل ہوں گے۔ ارشاد ربانی فکاتبوہم (النور ۲۴: ۳۳) میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ نیز مکاتب کا مال اس کے مالک کا مال ہوتا ہے اور اس پر کی گئی بدنی زیادتی کا معاوضہ بھی مالک کو ملتا ہے، گویا مکاتب کو مال۔ مینا اس کے مالک کو مال دینا ہے، گردن چھڑانے میں نہیں۔

مکاتب کے لیے جائز ہے کہ قسط ادا کرنے کا وقت آنے سے پہلے زکوٰۃ وصول کرے تاکہ ایسا نہ ہو کہ قسط کی ادائیگی کا وقت آ جائے اور اس کے پاس کچھ نہ ہو اور مکاتب کا معاہدہ ختم ہو جائے۔

زکوٰۃ مکاتب کے مالک کو دینا مکاتب کو دینے کی بہ نسبت بہتر ہے۔

ابن عباسؒ کے قول کے مطابق زکوٰۃ دینے والے کے لیے جائز ہے کہ ایسا غلام خرید کر آزاد کر دے جو اس کی ملکیت میں آنے سے خود بخود آزاد نہیں ہو جاتا۔ نیز زکوٰۃ کی رقم

سے خالص غلام آزاد کرنا اور مکاتب کو آزاد کرانا جائز ہے کیوں کہ یہ قیدی کی گردن چھڑانے کے مترادف ہے، خالص غلام کی گردن چھڑانا بھی ایسا ہی ہے اور اس میں دین کی عزت اور غلبہ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے قرض دار کی گردن قرض سے آزاد کرائی جائے۔

حنابلہ کے نزدیک اس صورت میں ولاء آزاد کرنے والے کا حق ہے کیوں کہ صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ولاء اس کا حق ہے جو غلام کو آزاد کرے“۔ اگر زکوٰۃ کا وصول کرنے والا اور حاکم زکوٰۃ کی رقم سے غلام خرید کر آزاد کرتا ہے تو اس کی ولاء مسلمانوں کا حق ہے کیوں کہ وہ مسلمانوں کے نائب کے طور پر یہ کام کر رہے ہیں۔

مذہب کے دلائل:

پہلا نقطہ نظر رکھنے والے یعنی حنفیہ، شافعیہ اور اسلاف میں سے ان کے ہم آہنگ علماء کے دلائل:

ان سب کی رائے یہ ہے کہ ”فی الرقاب“ کا حصہ مکاتبوں کو آزادی حاصل کرنے کے لیے مدد دینے میں خرچ کیا جائے۔ ان کے دلائل یہ ہیں:

۱۔ اللہ کا ارشاد ”فی الرقاب“ (التوبہ ۹: ۶۰) اسی طرح ہے جیسے ارشاد ربانی ”فی سبیل اللہ“ ہے۔ فی سبیل اللہ میں مجاہدین کو دینا واجب ہے اسی طرح رقاب میں مکاتبوں کو ہی دیا جاسکتا ہے۔ جو ہمارا مذہب ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس مال سے غلام خرید لیے جائیں تو اس صورت میں غلاموں کو مال دینا نہیں ہے بلکہ ان کے آقاؤں کو دینا ہے۔ باقی تمام مصارف میں زکوٰۃ کا مال مصارف کو دیا جاتا ہے اور اس صورت میں بھی مصارف کو ہی دیا جانا چاہیے نہ کہ ان کے مالکوں کو، لہذا مکاتب ہی ایسی قسم ہے جسے زکوٰۃ دی جاسکتی

ہے۔ نیز اس صورت میں بہت سے لوگوں کے لیے اس حصہ میں زکوٰۃ دینا ممکن ہی نہیں ہوگا کیوں کہ اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں جن پر اتنی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی جس سے غلام خرید سکیں اگر کسی مشترک غلام کا ایک حصہ آزاد کر دیا جائے تو باقی غلام کی قیمت لگا کر دوسرے مالک کو دیا جائے گا۔ نیز اموال باطنہ کی زکوٰۃ حکومت کو دینا ضروری نہیں ہے۔ پس اس حصہ پر زکوٰۃ خرچ ہی نہیں کی جاسکے گی، جب کہ مکاتب کو دینے کی صورت میں خرچ کی جاسکے گی کیوں کہ مکاتب کو ایک درہم بھی دیا جاسکتا ہے۔

”فی الرقاب“ کے لفظ سے صرف مکاتب ہی مراد لیے جاسکتے ہیں کیوں کہ خالص غلاموں کو زکوٰۃ دینے کے لیے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے جب کہ کفارے میں غلام سے مراد خالص غلام ہی ہے کیوں کہ وہاں یہ قرینہ موجود ہے کیوں کہ کہا گیا ہے کہ غلام آزاد کرو، اور آزاد خالص غلام ہی کیا جاسکتا ہے۔ یہاں کوئی ایسا قرینہ نہیں جو یہ بتائے کہ اس سے خالص غلام بھی مراد ہو سکتا ہے، پس اس سے مکاتب ہی مراد لیا جائے گا جیسے کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں (۲۶۲)۔

اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ مستحقین زکوٰۃ کو مالک بنانا شرط ہے اور صرف مکاتب کو مالک بنایا جاسکتا ہے، خالص غلام کو مالک نہیں بنایا جاسکتا اس لیے اس کی آزادی کے لیے زکوٰۃ خرچ کرنا درست نہیں۔

البتہ مکاتبوں کو زکوٰۃ ادا کر کے انہیں مکاتب کی رقم ادا کرنے میں معاونت کی جاسکتی ہے۔ یاد رہے کہ پہلی چار اقسام اور دوسری چار اقسام میں قرآنی تعبیر کے فرق سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری چار اقسام میں مالک بنانا شرط نہیں جیسا کہ امام رازی نے تصریح کی ہے۔

۲۔ گردن چھڑانے کو صدقہ نہیں کہتے اور گردن چھڑانے کے لیے جو رقم دی جائے وہ صدقہ نہیں ہے کیوں کہ بیچنے والے نے غلام کی قیمت وصول کر لی ہے اس لیے گردن کی آزادی ہی صدقہ نہیں اور اللہ تعالیٰ نے گردنیں چھڑانے میں صدقہ دینے کا حکم دیا لہذا غلام خریدنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (۳۶۳)۔

نیز زکوٰۃ کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا کسی کو مالک بنایا جائے جب کہ غلام آزادی کے حصول سے کسی چیز کا مالک نہیں بنتا بلکہ اس کی گردن سے اپنے آقا کی ملکیت ختم ہوتی ہے اور وہ اپنا مالک خود نہیں بن جاتا اگر وہ خود اپنا مالک بن سکتا تو ہم کہتے کہ وہ اس معاملے کے بعد اپنے آقا کے قائم مقام ہو گیا اور اپنی گردن چھڑانے میں اس طرح کا تصرف کر رہا ہے جیسا کہ مالک کر سکتا ہے۔ پس غلام کی آزادی سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ کہ مالک کی ملکیت ختم ہوئی اور کسی دوسرے کی ملکیت ثابت نہیں ہوئی پس عدم تملیک کے باعث زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کیوں کہ زکوٰۃ کے لیے یہ شرط ہے کہ جسے دی جائے وہ اس کا مالک بن جائے۔

نیز آزادی کا وقوع مالک کی طرف سے ہوتا ہے جو کسی اور کی طرف منتقل نہیں ہوتا اس لیے ولاء کا حق مالک کو ملتا ہے، اس لیے صدقے کی طرف آزادی کا وقوع جائز نہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کر دیا کہ ولاء اس کا حق ہے جو آزاد کرتا ہے تو ضروری ہے کہ ولاء کا حق کسی دوسرے کو نہ ملے صرف آزاد کرنے والے کو ملے، پس اس آیت میں رقاب سے مراد مکاتب ہی ہو سکتے ہیں۔ (۳۶۳) تملیک کو شرط قرار دینے کے بارے میں جواب اوپر گزر چکا ہے۔

۳۔ عبدالرحمن بن سہل بن حنیف اپنے والد کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

روایت کرتے ہیں کہ: ”جس نے مکاتب کی گردن چھڑانے میں مدد کی یا غازی کی تنگ دستی میں یا مجاہد فی سبیل اللہ کی تو اللہ تعالیٰ اسے اس روز اپنے سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔“ اس سے ثابت ہوا کہ زکوٰۃ مکاتبوں کو دینی چاہیے تاکہ انہیں آزادی کے حصول میں معاونت حاصل ہو اور یہ روایت ارتداد ربانی ”وفی الرقاب“ کے مطابق ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ”وفی الرقاب“ فرمایا تو بہتر یہ ہے کہ مکاتب کے ساتھ تعاون کیا جائے تاکہ وہ غلامی سے اپنی گردن چھڑالے نہ یہ کہ غلام خرید کر آزاد کیا جائے کیوں کہ خریدنے کی صورت میں رقم فروخت کرنے والے کو دی جاتی ہے اور غلام خریدنے میں کوئی ثواب نہیں ہے (۳۶۵)۔ ثواب اس میں ہے خود غلام کو مال دیا جائے تاکہ وہ آزادی خرید سکے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ غلام مکاتب ہو، کیوں کہ مکاتب اپنے آقا سے آزادی کی ضمانت پہلے حاصل کر چکا ہے۔ اگر وہ مکاتب ہے تو جو مال اسے دیا جائے گا وہ اس کی اپنی ملکیت ہوگا، آقا اس کا مالک نہیں ہوگا، اس لیے زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح ہوگی (۳۶۶)۔

۴۔ اگر زکوٰۃ کی رقم سے غلام خرید کر آزاد کیا تو اس کے نتیجے میں غلام کی گردن آزاد ہو جائے گی اور اس کا مالک کوئی نہیں بنے گا، اس میں مالک کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص کسی کی اجازت کے بغیر اس کا قرض ادا کر دے تو اس سے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور اگر قرض دار کو رقم دے دے تاکہ وہ خود قرض ادا کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اسی طرح اگر مکاتب کو زکوٰۃ دے تاکہ وہ اس کا مالک ہو جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اگر زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کر دیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کیوں کہ غلام اس



مال کا مالک نہیں ہوا اور ایسے مال یا آزادی قبول کیے بغیر اور مال خرچ کرنے کی اجازت دیے بغیر آزادی حاصل ہوگی (۳۶۷)۔

۵۔ حسن بصری، زہری، عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے کہا ہے کہ فی الرقاب سے مکاتب مراد ہیں۔ (۳۶۸)

۶۔ طبری نے اپنی تفسیر میں محمد بن اسحاق سے حسن بن دینار کے حوالے سے حسن بصری سے روایت کی ہے کہ ایک روز ابو موسیٰ اشعریؓ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک مکاتب کھڑا ہوا، اس نے کہا، اے امیر، لوگوں کو ترغیب دلائیں کہ میری مدد کریں۔ ابو موسیٰؓ نے ترغیب دلائی تو لوگوں نے مال پھینکنا شروع کر دیا، کوئی اپنا عمامہ پھینک رہا تھا، کوئی گاؤن، کوئی انگوٹھی، حتیٰ کہ لوگوں نے بہت مال پھینک دیا، جب ابو موسیٰؓ اشعری نے وہ مال دیکھا تو کہا اسے اکٹھا کرو، پھر لوگوں سے کہا، اسے فروخت کرو، پھر اس میں سے جتنا مکاتب کو ضرورت تھا اسے دے دیا، باقی گردنیں چھڑانے میں خرچ کر دیا اور لوگوں کو واپس نہیں کیا بلکہ کہا: یہ مال جو لوگوں نے دیا ہے گردنیں چھڑانے کے لیے ہے۔

میری رائے میں اس روایت سے یہ لازم نہیں آتا کہ غلام خرید کر آزاد کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

دوسرے گروہ یعنی مالکیہ اور حنابلہ اور ان اسلاف کے دلائل جو ان سے ہم آہنگ ہیں:

اس گروہ کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے غلام خرید کر آزاد کیے جاسکتے ہیں، ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ رقاب کا لفظ عام ہے، خواہ مکاتب کو زکوٰۃ دے یا زکوٰۃ دینے والا مستقل غلام خرید کر

آزاد کرے کیوں کہ یہ مطلق تعبیر ہے اسے مطلق ہی رہنا چاہیے۔

۲۔ اگر رقاب سے مراد صرف مکاتب ہو تو وہ قرض داروں میں داخل ہے، اس کا الگ ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

۳۔ مکاتب کی مدد کرنے کی بہ نسبت مستقل غلام خرید کر آزاد کرنا زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ کبھی مکاتب کی مدد کی جاتی ہے لیکن وہ آزادی حاصل نہیں کر سکتا، جب تک اس پر ایک درہم بھی باقی ہے وہ غلام رہتا ہے جب کہ غلام ہر وقت خریدا جا سکتا ہے جب کہ مکاتب ہر وقت اور ہمیشہ نہیں ہوتی۔

رائح رائے:

اوپر مذکور مذاہب کے دلائل کے موازنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے گروہ کا نقطہ نظر رائح ہے، کیوں کہ ارشاد ربانی: *وفی الرقاب* (التوبہ ۹: ۶۰) مطلق ہے۔ مطلق اپنے طلاق پر رہتا ہے۔ میں، جس رائے کو ترجیح دیتا ہوں وہ ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، حسن بصریؓ، زہریؓ، ابو عبیدہ کا قول اور حنابلہ کا مذہب ہے اور وہ یہ ہے کہ فی الرقاب میں مکاتب کی مدد کرنا، غلام آزاد کرنا اور قیدی چھڑانا سب شامل ہیں، قرآن کی مطلق تعبیر کے اطلاق پر عمل کا تقاضا یہی ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رقاب مکاتبوں سے عام ہے اس لیے زکوٰۃ کے مال سے غلام آزاد کرانے میں کوئی حرج نہیں۔ اس امر میں کوئی حرج نہیں کہ غلام کی ولاء آزاد کرنے والے کو مل جائے گی کیوں کہ جو ولاء کا وارث ہوگا وہی دیت، تاوان اور ان جرائم کے معاوضے دینے کا ذمہ دار ہوگا جو آزاد ہونے والا کرے گا۔ اس لیے ذمہ داری کے بدلے تاوان کا جو اصول ہے اس کا یہی تقاضا ہے۔ جب سنت نبویؐ سے یہ ثابت ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کو مال زکوٰۃ وراثت کے طور پر واپس مل جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں تو اگر ولاء زکوٰۃ دینے والے کو مل

جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔ ابو عبید کہتے ہیں: اگر سنت نبویؐ میں یہ گنجائش موجود ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ بعینہ وراثت کے طور پر واپس اسے مل جائے تو ولاء کی وراثت اگر آزاد کرنے والے کو مل جائے تو اس کے جواز میں کوئی قباحت نہیں (۳۶۹)۔

یہ نقطہ نظر مختلف آراء کا جامع ہے اور یہی واضح اور درست ہے کیوں کہ آیت میں دو امور کا احتمال ہے (کہ اس سے مکاتب مراد ہوں اور مکمل غلام) حضرت براءؓ کی مذکورہ بالا حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ گردن چھڑانا آزادی دلانے سے مختلف عمل ہے اور غلاموں کو آزاد کرنا اور مکاتبوں کو مال کتابت کے سلسلے میں مدد کرنا ایسے اعمال ہیں جن سے آدمی جنت کے قریب اور دوزخ سے دور ہوتا ہے۔

۵۔ اس مصرف کی اصلی تطبیق: مکاتب کو غلامی سے آزادی کے حصول میں مدد دینا

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ غلاموں سے متعین مقرر اقساط پر مکاتبت کر لیا کریں تاکہ غلام اپنے آپ کو آزاد کروا سکیں اور آزادی حاصل کر سکیں۔ ارشاد ربانی ہے: **وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَمَكَتُوهُمْ أَنْ عِلْمَتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا وَأَتَوْهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ (النور ۲۴: ۳۳)** تمہارے جو غلام مکاتبت کرنا چاہیں تو ان سے مکاتبت کر لیا کرو، اگر تم ان میں بھلائی دیکھو اور اللہ نے اپنا جو مال تمہیں دیا ہے اس میں سے انہیں بھی دو) نسائی میں حضرت علیؓ سے مرفوع روایت مذکور ہے کہ: ”آیت میں ایک چوتھائی مال مکاتبت کا ذکر ہے“ (۴۷۰) اور فی الرقاب کی تفسیر مکاتبوں کی مدد سے کی گئی ہے۔ ابن جریر وغیرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مالک سے کہا ہے کہ مکاتب کے بدل کتابت میں سے ایک، چوتھائی قیمت چھوڑ

دو، یہ اللہ کی طرف سے تعلیم ہے، فرض نہیں ہے البتہ اس میں اجر و ثواب ہے۔ اور ہم نے وہ احادیث بیان کی ہیں جن میں مکاتب کی مدد کی ترغیب ہے۔ اس خدائی حکم اور احادیث میں وارد ہونے والی ترغیب کی وجہ سے ماضی میں لوگ بڑھ چڑھ کر مکاتبوں کی مدد کرتے رہے تاکہ وہ غلامی سے آزادی حاصل کر سکیں، حتیٰ کہ اگر ان کے پاس مطلوبہ رقم سے زائد مقدار نصاب مال ہوتا تب بھی لوگ مدد جاری رکھتے، جیسا کہ حنفیہ کے نزدیک یہ جائز ہے اور شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک انہیں زکوٰۃ دینے کے لیے ضروری ہے ان کے پاس مکاتب کی قسطیں پوری ادا کرنے کے لیے مطلوبہ مال نہ ہو، اس صورت میں مکاتب کو اتنا مال دیا جائے جس سے وہ اپنے قرض کی قسطیں ادا کر سکے، خواہ وہ کام کاج کرنے پر قادر ہو اور قسط کی ادائیگی کا وقت آنے سے پہلے اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے البتہ مالکیہ کے نزدیک مکاتبوں کو زکوٰۃ کے سوا دوسرے صدقات سے مدد کی جائے۔

مکاتبوں کی مدد کے سلسلے میں زکوٰۃ خرچ کرنے کا عملی طریقہ بالعموم یہ تھا کہ نہیں نقد یا جنس مثلاً غلہ، پھل اور مویشی وغیرہ صدقے کے طور پر دیے جاتے تھے جیسا کہ اوپر مذکور حدیث میں ہے جو حسن بصری سے مروی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک مکتب کھڑا ہوا اور اس نے اپنی حاجت بیان کی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے درخواست کی کہ لوگوں سے اس کی مدد کرنے کا کہا جائے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے لوگوں سے اس کی مدد کرنے کا کہا، لوگوں نے اس کے لیے سامان جمع کیا جو اکٹھا کر کے فروخت کر دیا گیا، حضرت ابو موسیٰ نے اس مکتب کو اس کی ضرورت کے مطابق رقم دے کر زائد مال دوسرے مکاتبوں کو دے دیا اور لوگوں کو ان کی دی ہوئی چیزیں واپس نہیں کیں۔

مکاتبوں کی مدد کرنے کا مقصد واضح ہے اور وہ یہ کہ مکاتب کو آزادی خریدنے کے

قابل بنایا جائے۔ اور غلامی کے آثار کو ختم کیا جائے کیوں کہ اسلام آزادی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور غلامی سے لوگوں کو نجات دلانا چاہتا ہے اور اگر مالک معاوضہ لیے بغیر آزاد کرنے کو تیار نہ ہو تو مکاتبت کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ ابو داؤد نے عمرو بن شعیب سے ان کے والد اور دادا کے حوالے سے حسن سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تک مکاتبت کے ذمے ایک درہم بھی موجود ہے وہ غلام ہے“۔

۶۔ کیا الرقاب کی مد میں سے ان اسلامی گروہوں اور جماعتوں کو حصہ دیا جاسکتا ہے جو کافر حکومتوں کے پنجہ استبداد میں پس رہی ہیں اور اپنی آزادی کے لیے کوشاں ہیں؟

”رقاب“ کے لفظ کا شرعی مفہوم واضح ہے کہ اس سے مراد غلاموں کو غلامی سے آزاد کرانا ہے خواہ وہ فرد ہو یا جماعت۔ آج کے دور میں جو استعمار اور استبداد کی انتہائی منحوس صورتیں ہیں۔ ان پر غلامی کے معروف معنی کا اطلاق نہیں ہوتا، اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ استعمار غلامی کی طرح ہے یا استعمار کا شکار اسلامی گروہوں کو آزادی کے حصول کے لیے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے لیکن سید شیخ رشید رضا نے استبداد کا شکار مسلم گروہوں کو زکوٰۃ سے مال دینے کو جائز قرار دیا ہے تاکہ وہ آزادی حاصل کر سکیں اور اسلام کی عزت و مجد کا اعادہ کر سکیں بلکہ غیر ملکوں نے ان سے جو اسلامی ممالک چھین لیے ہیں انہیں واپس حاصل کر سکیں۔ کیوں کہ آج دنیا میں غلامی ختم ہونے کی وجہ سے ”رقاب“ کا اور کوئی مصرف باقی نہیں رہا (۳۷۱)۔

ہمارے استاذ مرحوم شیخ محمود شلتوت نے بھی یہی رائے اختیار کرتے ہوئے اپنی کتاب ”الاسلام عقیدۃ و شریعۃ“ میں سید رشید رضا کا اتباع کیا ہے۔ اس رائے کے اختیار

کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں زکوٰۃ مسلمانوں کو کفار کی غلامی سے نجات دلانے میں استعمال ہوگی۔ جو زکوٰۃ دی جاتی ہے وہ دسواں یا چالیسواں حصہ ہے جو اغنیا کی ضروریات سے زائد ہے۔

اس رائے میں ”الرقاب“ کے مفہوم میں وسعت پیدا کر دی گئی ہے اور غلامی کے مجازی معنی اختیار کیے گئے ہیں کیوں کہ موجودہ دور کی غلامی پچھلے دور کی غلامی سے قانوناً اور عملاً مختلف اور نئی ہے اگرچہ اپنی خرابیوں اور برائیوں میں اس کے مشابہ ہے۔ استعمار کا شکار ہونے والے لوگوں پر غلامی کے شرعی احکام منطبق کرنے ممکن نہیں ہیں البتہ ان کے لیے جہاد واجب ہے اور یہ کہ ظالموں کو اپنے علاقوں سے کھدیڑ دیں۔

تاہم ظلم و استبداد یا استعمار کا شکار لوگوں کی مدد کرنا اور جس سرزمین پر غیر مسلموں نے قوت، ظلم اور غصب کے ذریعے قبضہ کر لیا ہے اسے ان کے قبضے سے چھڑانا ”فی سبیل اللہ“ کے مصرف میں زکوٰۃ دینے سے بھی ممکن ہے لیکن محدود پیمانے پر دوسرے صدقات بھی اس مصرف میں خرچ کیے جاسکتے ہیں اور ملک کے عام ذرائع آمدنی سے جو کہ مصالح عامہ کے لیے ہوتے ہیں یا زکوٰۃ کے سوا دوسرے ٹیکسوں کی آمدنی اس مقصد کے لیے خرچ کی جاسکتی ہے۔

خاتمہ بحث:

اس بحث سے واضح ہوتا ہے کہ ”فی الرقاب“ زکوٰۃ کے مصارف میں سے ایک مصرف ہے جو اپنے اطلاق کے اعتبار سے غلاموں کو غلامی سے آزاد کرانے، مکاتبوں کو آزادی خریدنے میں مدد دینے اور مسلمان قیدیوں کو غیر مسلموں کی قید و بند سے آزاد کرانے میں صرف کی جاسکتی ہے۔

چوں کہ اللہ کے فضل سے دنیا سے غلامی کا خاتمہ ہو گیا ہے، اس لیے امام احمد کی رائے پر عمل کرتے ہوئے اس مصرف کے ایک حصے کو مسلمان قیدیوں کو آزادی دلانے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے کیوں کہ اس میں قید سے گردن چھڑائی جاتی ہے۔

اسی طرح استعماری طاقتوں کے شکنجے میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کی مدد ”فی سبیل اللہ“ کے مصرف کے تحت کی جاسکتی ہے تاکہ ظالموں کے خلاف جہاد کر کے ان کے ناپاک وجود سے زمین کو پاک کیا جائے اور ان کی استعماری تباہ کاریوں سے نجات حاصل کی جائے۔



## حواشی و تعلیقات

- ۱۔ العنایۃ حاشیہ فتح القدیر، ۲۸۱:۱، مراقی الفلاح، ۱۲۱، الدر المختار، ۲:۲ و بعد، اللباب، ۱۳۹:۱، الشرح الكبير، ۴۳۰:۱، المغنی، ۵۷۴:۲، کشف القناع، ۱۹۱:۲ و بعد۔
- ۲۔ طبرانی؛ ابو نعیم، الحلیہ، خطیب بغدادی نے ابن مسعودؓ سے اور ابوداؤد نے مرسلًا حسن سے روایت کی حدیث ضعیف ہے۔
- ۳۔ طبرانی نے حضرت علیؓ سے روایت کی، ضعیف ہے (مجمع الزوائد، ۶۲:۳)۔
- ۴۔ طبرانی نے حضرت انسؓ سے روایت کی، ضعیف ہے (ایضاً)۔
- ۵۔ اس حدیث کی تخریج گزر چکی، اسی طرح کی حدیث بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا، اس نے کہا، یا رسول اللہ، اسلام کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، کہ تو اللہ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، فرض نمازیں قائم کرے اور فرض زکوٰۃ دے اور رمضان کے روزے رکھے“۔ وہ شخص جبریل تھے۔
- ۶۔ ابن عباسؓ سے صحاح ستہ نے روایت کی (نیل الاوطار، ۱۱۴:۴)۔
- ۷۔ ترمذی کے سوا تمام صحاح ستہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی (مجمع الفوائد، ۳۷۶:۱)۔
- ۸۔ بہز بن حکیم نے اپنے باپ اور دادا سے روایت کی، احمد؛ نسائی؛ ابوداؤد نے کہا ہے کہ شطر مالہ (مال کا ایک حصہ) اس امر کی دلیل ہے کہ مانعین زکوٰۃ سے مال کا ایک حصہ لے کر اس کے مصرف پر خرچ کر دیا جائے۔ (نیل الاوطار، ۱۲۱:۴ و بعد)۔
- ۹۔ بکری کا مادہ بچہ، ایک روایت میں ”عقال“ کا لفظ ہے، ایک جماعت کے نزدیک عقال ایک سال کی زکوٰۃ کو کہتے ہیں کیوں کہ اونٹ باندھنے والی رسی پر لڑائی کرنا جائز نہیں، اکثر محققین کا خیال



ہے کہ اس سے مراد اونٹ باندھنے والی رسی ہے اور بطور مبالغہ یہ بات کہی گئی ہے۔

۱۰۔ ابن ماجہ کے سوا صحاح ستہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے۔ (نیل لاوطار، ۴: ۱۱۹)۔

۱۱۔ الدر المختار، ۲: ۵-۱۲؛ فتح القدیر، ۱: ۴۸۷۔

۱۲۔ حضرت علیؓ کی طرف منسوب ہے۔ غریب اور غیر معروف ہے۔ سبط ابن الجوزی نے آثار

الانصاف میں حضرت عثمانؓ اور ابن عمرؓ سے روایت کی، ابو عبید نے کتاب الاموال میں حسن بصری

سے، امام مالک نے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے روایت کی۔ اس کی سند میں انقطاع ہے۔ امام

مالک کہتے ہیں: الضمار: جو مالک سے روک دیا گیا ہو، لغت میں ضمار اسے کہتے ہیں جو غائب ہو

اور اس کی واپسی کی امید نہ ہو۔ اس کی اصل اضمار ہے یعنی غائب اور مخفی ہونا (نصب الراية،

۲: ۳۳۴؛ رد المحتار، ۲: ۱۲)۔

۱۳۔ البدائع، ۲: ۳۹۔

۱۴۔ فتح القدیر، ۱: ۴۸۱-۴۸۶، الدر المختار، ۲: ۴؛ وبعد؛ ۱۳؛ اللباب، ۱: ۱۴۰، بدایۃ المجتہد،

۱: ۲۳۶؛ حاشیہ الدسوقی، ۱: ۴۳۱، ۴۵۹، ۴۶۳؛ القوانین الفقہیہ، ۹۸؛ وبعد؛ الشرح

الصغیر، ۱: ۵۹؛ وبعد؛ ۶۲۹؛ شرح الرسالة، ۱: ۳۱۷؛ الام، ۴: ۱۲۵؛ المہذب، ۱: ۱۴۰، ۱۴۳؛ وبعد؛

المجموع، ۵: ۲۹۳-۲۹۹؛ المغنی، ۲: ۶۲۱-۶۲۸؛ کشف القناع، ۲: ۱۹۵، ۲۳۹؛ وبعد؛ ۲۸۳،

۲۸۵؛ حاشیہ الباجوری، ۱: ۲۷۰-۲۷۵۔

۱۵۔ بنو تغلب: عرب کے عیسائی تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان پر جزیہ نافذ کرنا چاہا تو انہوں نے کہا کہ ہم

عرب ہیں اس لیے وہ نیکیں نہیں دیں گے جو عجمی لوگ دیتے ہیں۔ آپ ہم سے وہ لیں جو آپ

مسلمانوں سے لیتے ہیں یعنی زکوٰۃ، حضرت عمرؓ نے کہا، نہیں، وہ تو مسلمانوں پر فرض ہے، انہوں

نے کہا، اسی نام سے اس کی شرح میں جتنا چاہیں اضافہ کر لیں لیکن جزیہ کے نام سے نہیں۔

- حضرت عمرؓ نے ایسا ہی کیا اور دونوں کا اتفاق ہو گیا کہ زکوٰۃ کے نام سے شرح دو گنی کر دی جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ جزیہ ہے تم اسے جو نام چاہو دے دو (رد المحتار، ۲: ۳۷)۔
- ۱۶۔ یہ حدیث ضعیف ہے، عمرو بن شعیب نے اپنے باپ اور دادا سے روایت کی، شافعی اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ یوسف بن مالک کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل روایت کی۔ بیہقی نے حضرت عمرؓ سے موقوفاً روایت کی اور کہا کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (المجموع، ۵: ۲۹۷)۔
- نصب الراية، ۲: ۳۳۱ و بعد)۔
- ۱۷۔ البدائع، ۲: ۹؛ رد المحتار، ۲: ۵۔
- ۱۸۔ صاحب کنز نے اسے شرط قرار دیا اور صاحب درر نے اسے سبب بتایا جیسا کہ ہم نے وصاحت کر دی، قرانی کہتے ہیں کہ یہ سبب ہے۔
- ۱۹۔ الشرح الكبير، ۱: ۴۳۱، ۴۵۷، ۴۸۴ و بعد؛ الشرح الصغير، ۱: ۵۸۸، ۶۲۲ و بعد؛ ۶۲۷۔
- ۲۰۔ المجموع، ۵: ۳۰۸ - ۳۱۸، المہذب، ۱: ۱۴۱ و بعد؛ الام، ۱: ۴۲ - ۴۳۔
- ۲۱۔ المغنی، ۳: ۲۸ - ۵۳۔
- ۲۲۔ ابو داؤد نے حضرت علیؓ سے روایت کی۔ یہ حدیث حسن ہے۔ دارقطنی نے حضرت ابن عمرؓ اور انسؓ سے روایت کی جو موقوف ہے یا ضعیف، ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی جو ضعیف ہے۔ نصب الراية، ۲: ۳۲۸ و بعد۔
- ۲۳۔ مراقی الفلاح، ۱: ۱۲۱، الدر المختار، ۲: ۳۱، ۷۲، فتح القدير، ۱: ۵۱۰؛ البدائع، ۲: ۵۱۔
- ۲۴۔ القوانین الفقہیہ، ۹۹: ۱۰۱؛ الشرح الصغير، ۱: ۵۹۰؛ بدایة المجتہد، ۱: ۲۶۱ - ۲۱۳؛ شرح الرسالة، ۱: ۳۲۶۔
- ۲۵۔ غلے وغیرہ کو "حرث" اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے لیے زمین پر ہل چلایا جاتا ہے۔ حرث سے

مراد غلہ اور چاروں قسم کے تیل کی فصلیں، کھجور اور انگور ہیں۔

۲۶۔ جب دانے اس قدر پک جائیں کہ کھانے کے قابل ہو جائیں اور انہیں مزید پانی دینے کی ضرورت نہ رہے تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ ضروری نہیں کہ خشک ہو جائے اور کاٹ لیے جائیں یا صاف کر لیے جائیں۔ پھل جب کھانے کے قابل ہو جائے اور انگوروں میں مٹھاس آجائے (الشرح الصغير، ۱: ۶۱۵ یہ درریر کی رائے ہے)، الرسالہ (۱: ۳۱۸) میں ہے کہ جس روز فصل کاٹی جائے اس روز زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، مشہور قول یہی ہے۔

۲۷۔ المہذب، ۱: ۱۳۳؛ المجموع، ۵: ۳۲۸؛ وبعد؛ الحضرمیہ، ۹۹۔

۲۸۔ المغنی، ۲: ۶۲۵-۶۲۹۔

۲۹۔ یہ حدیث ابن عمرؓ پر موقوف ہے۔ ترمذی، دارقطنی اور بیہقی نے روایت کی (مصباح الراءیۃ، ۲: ۳۳۰)۔

۳۰۔ الدر المختار، ۲: ۶؛ وبعد؛ الشرح الصغير، ۱: ۶۲۷-۶۲۹؛ القوانین الفقہیہ، ۹۹؛ المہذب، ۱: ۱۲۲؛ المجموع، ۵: ۳۱۳؛ وبعد؛ المغنی، ۳: ۳۱؛ وبعد۔

۳۱۔ ابو عبید نے کتاب الاموال میں روایت بیان کی۔

۳۲۔ الدر المختار و رد المحتار، ۲: ۷-۸۔

۳۳۔ فتح القدیر، ۱: ۴۹۳؛ الدر المختار، ۲: ۱۴-۱۵؛ البدائع، ۲: ۱۳۰؛ کتاب، ۱: ۱۳۰؛ وبعد؛

القوانین الفقہیہ، ۹۹؛ المہذب، ۱: ۱۷۰؛ المجموع، ۶: ۱۸۲؛ وبعد؛ الحضرمیہ، ۱: ۱۰۵؛

المغنی، ۲: ۶۳۸؛ وبعد؛ الشرح الصغير، ۱: ۶۶۶؛ وبعد؛ ۶۷۰؛ وبعد۔

۳۴۔ البدائع، ۲: ۳۹؛ الدر المختار، ۲: ۸۵؛ احکام القرآن لابن العربی، ۲: ۹۳۷؛ المہذب، ۱: ۱۷۱؛

المغنی، ۲: ۶۶۵-۶۶۷۔

۳۵۔ شرح الرسالة، ا: ۳۱۷؛ القوانین الفقہیہ، ۹۹۔

۳۶۔ الدر المختار، ۲: ۱۶؛ شرح الرسالة، ا: ۳۱۷؛ القوانین الفقہیہ، ۹۹، بجیرمی الخطیب،

۲: ۳۲۰؛ المجموع، ۵: ۳۰۲، ۳۰۵؛ المہذب، ا: ۱۴۰؛ کشاف القناع، ۲: ۱۹۲؛ المغنی،

۲: ۶۸۴۔

۳۷۔ حنفی علماء اصول نے اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے کہ امر کا تقاضا کیا ہے کیا فوراً عمل کرنا ضروری

ہوتا ہے یا تاخیر کی جا سکتی ہے لکھا ہے کہ زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی میں معتمد روایت کے مطابق تاخیر

کی جا سکتی ہے۔ (اصول سرخسی، ا: ۲۶؛ مسلم الثبوت، ا: ۳۱۸؛ الزحیلی، اصول الفقہ،

۱: ۲۲۹-۲۳۲)۔

۳۸۔ یعنی مختلف اقسام کا سامان تجارت۔

۳۹۔ رد المحتار، ۲: ۷۲۔

۴۰۔ امام ابو یوسف کہتے ہیں: جب کاٹنے کا وقت آ جائے اور امام محمد کہتے ہیں کہ جب کاٹ کر محفوظ کر

لیا جائے۔

۴۱۔ الشرح الصغیر، ا: ۶۱۵؛ شرح الرسالة (ا: ۳۱۸) میں انہوں نے لکھا ہے جس دن فضل کنتی ہے

اور پھل چنے جاتے ہیں اس روز مشہور قول کے مطابق زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے اور حسب الامکان

نکال دینی چاہیے۔

۴۲۔ مغنی المحتاج، ا: ۳۸۶۔

۴۳۔ کشاف القناع، ۲: ۱۹۲۔

۴۴۔ المہذب، ا: ۱۶۶، المغنی، ۲: ۶۳۱۔

۴۵۔ فتح القدير، ا: ۵۱۶؛ البدائع، ۲: ۵۰؛ المجموع، ۶: ۱۳۹؛ المہذب، ا: ۱۶۶؛ وبعد؛

الحضرمیہ، ۱۰۵؛ المغنی، ۲: ۶۲۹ و بعد؛ کشاف القناع، ۲: ۳۱۰ و بعد۔

۴۶۔ احمد؛ ابوداؤد؛ ابن ماجہ؛ ترمذی نے اسناد حسن سے روایت کی، ابوداؤد نے مرسل حسن بن مسلم سے روایت کی اور یہی صحیح تر ہے (نیل الاوطار، ۴: ۱۳۹)۔

۴۷۔ بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۶۶؛ الشرح الکبیر، ۱: ۳۳۱؛ القوانین الفقہیہ، ۹۹؛ نیل الاوطار، ۴: ۱۵۱۔

۴۸۔ ابن قدامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: ”سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ ادا نہ کی جائے“۔

۴۹۔ فتح القدیر، ۱: ۵۱۳-۵۱۶؛ الدر المختار، ۲: ۲۸ و بعد، ۱۰۰ و بعد؛ البدائع، ۲: ۱۵۔

۵۰۔ بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۳۱؛ المہذب، ۱: ۱۳۳؛ القوانین الفقہیہ، ۹۹؛ المغنی، ۲: ۲۸۵ و بعد۔

۵۱۔ بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۴۰۔

۵۲۔ فتح القدیر، ۱: ۵۱۹-۵۲۵؛ الدر المختار، ۲: ۳۸-۳۶؛ اللباب، ۱: ۱۲۸ و بعد؛ الشرح الصغیر،

۱: ۶۲۰؛ القوانین الفقہیہ، ۱۰۰؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۸۹ و بعد؛ المہذب، ۱: ۱۵۷ و بعد؛ المغنی،

۳: ۱-۱۶؛ کشاف القناع، ۲: ۲۶۶-۲۷۵؛ شرح الرسالۃ، ۱: ۳۲۲ و بعد۔

۵۳۔ حنفیہ کے نزدیک مثقال پانچ گرام کے برابر ہے۔ بنک فیصل السعودی نے سوڈان میں مثقال کو

۴،۲۵۷ گرام بتایا ہے اور یہی معقول اور معتدل رائے ہے یا ۴،۲۵ گرام۔

۵۴۔ یاد رہے کہ حنابلہ کے نزدیک دینار مثقال سے چھوٹا ہوتا ہے اور نصاب:  $1/9 + 25.2/7$  دینار ہوگا۔

۵۵۔ انگریزی لیرہ، ۲،۵۰ درہم اور عثمانی لیرہ، ۲،۲۵ درہم اور فرانسیسی لیرہ ۲ درہم کا ہے۔

۵۶۔ دو سو درہم سات مثقال کے برابر ہے اور دینار بیس قیراط کے برابر اور قیراط پانچ جو کے برابر

ہے۔ شرعی درہم ستر جو کے برابر ہے اور مثقال سو جو کے برابر ہے۔ مثقال اور دینار میں مطابقت

ہے۔ حنفیہ کے نزدیک شرعی درہم ۳،۵۰ گرام اور جمہور کے نزدیک ۳،۲۰۸ گرام اور عربی درہم

۲۶۹۷۵ گرام ہے۔

۵۷۔ د۔ ضیاء الدین الریس: الخراج فی الدولة الاسلامیة، ۳۳۳۔

۵۸۔ ۱۹۹۳ء کے وسط میں۔

۵۹۔ ابوداؤد اور بیہقی نے سند جدید سے روایت کی (نیل الاوطار، ۴: ۱۳۸)۔

۶۰۔ شیخین نے روایت کی۔ الفاظ بخاری کے ہیں۔ ورق راء کی زیر کے ساتھ چاندی: الذود تین سے

دس تک، اس لفظ کا مفرد کوئی نہیں ہے۔ اس حدیث میں اوقیہ کی مقدار بالاتفاق چالیس درہم ہے۔

درہم سے مراد خالص چاندی ہے خواہ سکے کی شکل میں ہو یا نہ (نیل الاوطار، ۴: ۱۲۶، ۱۳۸)۔

۶۱۔ المغنی، ۳: ۴؛ اللباب، ۱: ۱۳۸۔

۶۲۔ ابو عبید نے روایت کی۔

۶۳۔ اللباب، ۱: ۱۳۹؛ الدر المختار، ۲: ۳۲؛ فتح القدیر، ۱: ۵۲۰۔

۶۴۔ احمد؛ ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت علیؓ سے ان الفاظ میں روایت کی: ”میں نے تمہارے لیے

گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ معاف کر دی ہے، چاندی کی زکوٰۃ ادا کرو، ہر چالیس درہم پر ایک

درہم اور ایک سونوے درہم پر زکوٰۃ نہیں ہے جب دو سو ہو جائیں تو پانچ درہم زکوٰۃ ہے“۔ (نیل

الاطار، ۴: ۱۳۷)۔

۶۵۔ المغنی، ۳: ۶؛ الشرح الصغیر، ۱: ۶۲۰؛ الحضرمیہ، ۱: ۱۰۱۔

۶۶۔ دارقطنی، الاثرم، ابوداؤد نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے، نیز یہ روایت حضرت علیؓ اور ابن عمر

سے موقوفاً ہے۔

۶۷۔ اللباب، ۱: ۱۳۹؛ الدر المختار، ۲: ۳۲؛ الشرح الصغیر، ۱: ۶۲۲؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۹۰؛

المغنی، ۳: ۵؛ فتح القدیر، ۱: ۵۲۳؛ القوانین الفقہیہ، ۱۰۰ و بعد۔

- ۶۸۔ الشرح الكبير مع الدسوقي، ۱: ۳۶۰؛ القوانين الفقيهية، ۱۰۱؛ بداية المجتهد، ۱: ۲۳۲۔
- ۶۹۔ مغنی المحتاج، ۱: ۳۹۰؛ وبعد؛ المجموع، ۶: ۲۹؛ المهذب، ۱: ۱۵۸؛ وبعد؛ الحضرمية، ۱۰۲۔
- ۷۰۔ شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ خانہ کعبہ اور دوسری مساجد کی سونے چاندی سے تزئین و آرائش کرنا اور ان کی چھتوں اور قندیلوں پر سونے کا پانی چڑھانا حرام ہے اور گھری چھت یا دیواروں پر سونے یا چاندی کا پانی چڑھانے کی حرمت پر اتفاق ہے۔ (المجموع، ۶: ۳۹) ضبہ سے مراد ایسا ٹانگا یا بندھن جس سے برتن جوڑے جاتے ہیں۔
- ۷۱۔ المغنی، ۳: ۹-۱۷؛ کشاف القناع، ۲: ۲۷۲-۲۷۵۔
- ۷۲۔ طبرانی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی۔ بیہقی نے کہا، اس کی کوئی اصل نہیں، جابرؓ سے ان کی اپنی بات نقل کی گئی جو مرفوع نہیں ہے (المجموع، ۶: ۳۲)۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے جابر بن عبد اللہ سے پوچھا کیا زیور میں زکوٰۃ ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔
- ۷۳۔ فتح القدير، ۱: ۵۲۳؛ الدر المختار، ۲: ۴۱۔
- ۷۴۔ حدیث ضعیف ہے۔ ابو داؤد نے عمرو بن شعیب سے ان کے والد، دادا کے حوالے سے روایت کی۔
- ۷۵۔ البدائع، ۲: ۱۰؛ الدر المختار، ۲: ۴۷؛ مراقی الفلاح، ۱: ۱۲۱۔
- ۷۶۔ الشرح الكبير، ۱: ۴۵۸؛ وبعد؛ بداية المجتهد، ۱: ۲۶۳؛ الشرح الصغير، ۱: ۲۲۸؛ وبعد۔
- ۷۷۔ المهذب، ۱: ۱۴۲؛ المجموع، ۵: ۳۱۳۔
- ۷۸۔ المغنی، ۳: ۳۶؛ وبعد۔
- ۷۹۔ دیکھیے: الفقه على المذاهب الأربعة، ۱: ۴۸۶، طبع پنجم۔
- ۸۰۔ الدر المختار ورد المحتار، ۲: ۵-۸۔
- ۸۱۔ ریٹیکایش کے لین دین کے حرام ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی پر مکمل

ملکیت نہیں ہوتی۔ البتہ حرام مال مثلاً غصب، چوری، رشوت، دھوکہ دہی، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ اور سود وغیرہ کے ذریعے حاصل ہونے والے مال میں حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ نہیں ہے، جمہور کے نزدیک زکوٰۃ ہے، کیوں کہ اس طرح حاصل ہونے والے مال کا مالک نہیں ہوتا اور اصل مالک کو واپس کرنا واجب ہوتا ہے کیوں کہ لوگوں کے مال ناجائز طریقے سے کھانے کی ممانعت ہے۔

۸۲۔ دیکھیے: ڈاکٹر حسین غنائم، الشركات التجارية، ۱۸۹ و بعد۔

۸۳۔ استاد ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے اپنی کتاب فقہ الزکوٰۃ، ۱: ۵۲۳ و بعد میں اور ڈاکٹر خلیفہ باکر حسن نے اپنی کتاب (بحوث و دراسات اسلامیہ) ۱۰۱ میں ذکر کیا۔

۸۴۔ قرضاوی، فقہ الزکوٰۃ، ۱: ۵۲۵، ۵۲۸۔

۸۵۔ حلقہ الدراسات الاجتماعية الثالثة، ۲۲۲، بحث الاستاذ الشيخ محمد ابوزهرة، مجمع البحوث الإسلامية، المؤتمر الثاني، القاهرة مئی ۱۹۶۵ء۔

۸۶۔ دیکھیے، ص ۱۳۷، ڈاکٹر شوقی اسماعیل شحاتہ نے اپنی کتاب ”التطبيق المعاصر للزكاة“، ص ۱۱۸ میں اشارہ کیا ہے اور اپنی بحث میں اس پر اعتماد کیا۔

۸۷۔ پانچ میں سے چار ارکان نے، پانچویں رکن ڈاکٹر خلیفہ باکر نے یہ رائے اختیار کی کہ حصص کو غیر منقولہ جائداد قرار دیتے ہوئے اس کے منافع پر دس فی صد زکوٰۃ وصول کی جانی چاہیے۔

۸۸۔ یہ ڈاکٹر شوقی اسماعیل شحاتہ کی رائے ہے جو انہوں نے التطبيق المعاصر للزكاة ص ۱۱۹ پر دی ہے۔

۸۹۔ دیکھیے، آگے: ”بھیڑ بکریوں کی زکوٰۃ“۔

۹۰۔ فتح القدیر، ۱: ۵۳۷-۵۳۳؛ الدر المختار، ۲: ۵۹-۶۵؛ البدائع، ۲: ۶۵-۶۸۔

۹۱۔ خراجی زمین: ہر وہ زمین جسے بزور فتح کیا گیا ہو اور اس کے رہنے والوں کو وہیں آباد رہنے دیا گیا ہو، یا اسلامی حکمران نے ان سے خراج (کفار پر ٹیکس) پر مصالحت کی ہو، مکہ معظمہ کی زمین پر



سے مستثنیٰ ہے، اسے بزور فتح کیا گیا، وہاں کے رہنے والوں کو وہیں رہنے دیا گیا لیکن ان پر خراج نہیں مقرر کیا گیا۔ عشری زمین: ہر وہ زمین جس کے رہنے والوں نے اسلامی فوجوں کے قبضے سے پہلے اسلام قبول کر لیا ہو، یا وہ زمین جسے فتح کے بعد اسلامی فوج میں تقسیم کر دیا گیا ہو، عرب کی ساری زمین عشری ہے، اس میں عشر واجب ہے جو مسلمانوں کی زمینوں پر لگایا جاتا ہے (الکتاب مع اللباب، ۴: ۱۳۷ و بعد) پہلی قسم کی زمین حکومت کی ہوتی ہے اور دوسری لوگوں کی ملکیت۔

۹۲۔ صحاستہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی (نصب الراية، ۲: ۳۸۰)۔

۹۳۔ زیلعی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ ابن عدی نے الکامل میں عمرو بن شعیب سے ان کے والد کے حوالے سے روایت کی کہ ”پتھر میں زکوٰۃ نہیں ہے“ اس حدیث میں ضعیف یا مجہول راوی ہے۔ ابن ابی شیبہ نے عکرمہ سے روایت کی کہ: ”موتی اور زمرہ کے پتھروں میں زکوٰۃ نہیں، ہاں اگر تجارت کے لیے ہو تو پھر زکوٰۃ ہے“۔ (نصب الراية، ۲: ۲۸۳)۔

۹۴۔ القوانین الفقہیہ، ۱۰۲: ۱؛ باء اية المجتهد، ۱: ۲۵۰؛ الشرح الصغير، ۲: ۶۵۰-۶۵۶؛ الشرح الكبير، ۱: ۳۸۶-۳۹۲۔

۹۵۔ یہ حنفیہ کے مذہب کے مطابق ہے۔

۹۶۔ مغنی المحتاج، ۱: ۳۹۴-۳۹۶؛ المہذب، ۱: ۱۶۲۔

۹۷۔ جاہلیت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کا دور ہے۔

۹۸۔ المغنی، ۳: ۱۷-۲۹۔

۹۹۔ ابو عبید نے کہا ہے التبدلیہ حجاز میں معروف علاقہ ہے۔

۱۰۰۔ ابو عبید نے یہ دونوں روایات بیان کیں۔

۱۰۱۔ البدائع، ۲: ۲۱؛ الدر المختار، ۲: ۴۵؛ تبیین الحقائق، ۱: ۲۸۰؛ فتح القدیر، ۱: ۵۲۶-۵۲۸؛

اللباب، ۱: ۱۵۰ و بعد؛ بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۶۰-۲۶۲؛ القوانین الفقہیہ، ۱: ۱۰۳؛ الشرح الصغیر،

۱: ۶۳۶-۶۳۸، ۶۳۱؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۹۷-۳۰۰؛ المہذب، ۱: ۱۵۹-۱۶۱؛ کشاف

القناع، ۲: ۲۸۰ و بعد؛ المغنی، ۳: ۲۹-۳۶۔

۱۰۲۔ مرفوع احادیث میں سے ابوداؤد میں سمرہ بن جندبؓ کی حدیث ہے جو حسن ہے اور موقوف

احادیث میں سے حضرت عمرؓ کی حدیث ہے جسے احمد، عبدالرزاق اور دارقطنی نے روایت کیا

(نصب الراية، ۲: ۳۷۵-۳۷۸)۔

۱۰۳۔ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ دونوں شرائط جو الفقہ علی المذاهب الاربعہ میں منقول ہیں (۱: ۳۹۰)

المغنی ۳: ۳۱؛ کشاف القناع، ۲: ۲۸۰ سے ماخوذ ہیں۔ ان شرائط کا مقصد یہ ہے کہ مال کا

تجارت کے لیے ہونا ثابت ہو جائے۔ شافعیہ کے نزدیک بھی یہ شرائط ہیں (المہذب، ۱: ۱۵۹)

دیگر شرائط مثلاً مقدار نصاب اور سال گزرنا حنابلہ کے نزدیک بھی اسی طرح ضروری ہیں جیسے

شافعیہ کے نزدیک، (المغنی، ۲: ۳۰-۳۲، ۳۶)۔

۱۰۴۔ المغنی، ۳: ۲۹۔

۱۰۵۔ مغنی المحتاج، ۱: ۳۹۷؛ المغنی، ۳: ۳۰؛ البدائع، ۲: ۲۰-۲۱۔

۱۰۶۔ البزباء کی زبر کی ساتھ، کپڑے فروشوں کے پاس فروخت کے لیے رکھے ہوئے کپڑے؛ ہتھیار

چوں کہ کپڑوں اور ہتھیاروں میں زکوٰۃ کے طور پر ان کے ٹکڑے کاٹ کر دینا ممکن نہیں اس لیے

حدیث کے یہ معنی متعین ہیں کہ مال تجارت پر زکوٰۃ دی جائے۔

۱۰۷۔ حاکم نے دو صحیح اسناد سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ یہ شیخین کی شرط پر ہے۔ دارقطنی نے حضرت

ابوداؤد سے روایت کی۔

۱۰۸۔ ابوداؤد نے قریب قریب اسی طرح کی سند سمرہ سے روایت کی۔

- ۱۰۹۔ امام احمد اور ابو عبید نے روایت کی ہے۔
- ۱۱۰۔ فتح القدیر، ۱: ۵۲۷؛ البدائع، ۲: ۲۱؛ المغنی، ۳: ۳۳؛ بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۶۰؛ بعد؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۹۹؛ المہذب، ۱: ۱۶۱۔
- ۱۱۱۔ البدائع، ۲: ۲۱؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۹۹؛ المغنی، ۳: ۳۱؛ القوانین الفقہیہ، ۱۰۳۔
- ۱۱۲۔ البدائع، ۲: ۱۳؛ بعد؛ فتح القدیر، ۱: ۵۲۹؛ الدر المختار، ۲: ۳۱؛ تبیین الحقائق، ۱: ۲۸۰۔
- ۱۱۳۔ الشرح الکبیر مع الدسوقی، ۱: ۳۶۱-۳۶۳؛ بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۶۳۔ کسی چیز کا بڑھنا یہ ہے اس میں نفع ہو اور اضافہ حاصل ہو اور فائدہ ہو۔ نفع سے مراد یہ ہے مال تجارت پر قیمت خرید سے زائد رقم (سونا، چاندی) ملے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اسے اصل کے ساتھ شامل کر لیا جائے خواہ مقدار نصاب سے کم ہو۔ غلہ سے مراد وہ اضافہ ہے جو سامان تجارت کی اصل فروخت سے پہلے اس میں حاصل ہو جائے مثلاً کھجور کا پھل (جو کھجوریں تجارت کے لیے خریدی ہوں) ان کا حکم یہ ہے کہ قبضے کے دن سے سال شمار ہوگا۔ فائدہ سے مراد وہ مال ہے جو کسی اور طریقے سے حاصل ہو جس کا زکوٰۃ کے مال سے تعلق نہ ہو مثلاً عطیہ، میراث یا استعمال کے سامان کی قیمت۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جس دن یہ مال حاصل ہو اس دن سے سال کا آغاز ہوگا۔
- ۱۱۴۔ مغنی المحتاج، ۱: ۳۹۹۔
- ۱۱۵۔ المغنی، ۳: ۳۷۔
- ۱۱۶۔ الشرح الصغیر، ۱: ۶۳۹-۶۴۲؛ القوانین الفقہیہ، ۱۰۳۔
- ۱۱۷۔ القوانین الفقہیہ، ۱۰۳-۱۰۴؛ الشرح الکبیر، ۱: ۴۷۷؛ الشرح الصغیر، ۱: ۶۴۲؛ مغنی المحتاج، ۱: ۴۰۱؛ المغنی، ۳: ۳۸؛ بعد۔
- ۱۱۸۔ البدائع، ۲: ۵۳؛ بعد؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۸۱؛ بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۲۵؛ المغنی، ۲: ۶۸۹؛ بعد؛

کشاف القناع، ۲: ۲۳۶؛ فتح القدیر، ۲: ۲۔

- ۱۱۹۔ العثری: جو بارش یا قریب ندی نالوں سے سیراب ہو۔ ایک روایت میں ”بعلاً“ کے الفاظ ہیں۔
- ۱۲۰۔ مسلم کے سوا صحاح ستہ نے ابن عمرؓ سے روایت کی (نیل الاوطار، ۴: ۱۳۹ و بعد)۔
- ۱۲۱۔ السانیۃ: رہٹ کے ذریعے، اونٹ آگے باندھ کر پانی نکال کر آپاشی کرنا۔
- ۱۲۲۔ احمد؛ مسلم؛ نسائی؛ ابو داؤد نے کہا ہے: نہریں اور چشمے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے (نیل الاوطار، ایضاً)۔
- ۱۲۳۔ البدائع، ۲: ۵۷-۶۳۔
- ۱۲۴۔ الشرح الصغیر، ۱: ۶۰۸ و بعد؛ القوانین الفقہیہ، ۱۰۵۔
- ۱۲۵۔ المہذب، ۱: ۱۵۶ و بعد؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۸۱ و بعد۔
- ۱۲۶۔ المغنی، ۲: ۶۹۰-۶۹۵؛ کشاف القناع، ۲: ۲۳۹-۲۴۲۔
- ۱۲۷۔ فتح القدیر، ۲: ۲ و بعد؛ اللباب، ۱: ۱۵۱ و بعد؛ الشرح الکبیر، ۱: ۴۴۷ و بعد؛ الشرح الصغیر، ۱: ۶۰۹ و بعد؛ القوانین الفقہیہ، ۱۰۵؛ مغنی المحتاج، ۱: ۲۸۱ و بعد؛ المہذب، ۱: ۱۵۶؛ المغنی، ۲: ۶۹۰ و بعد؛ کشاف القناع، ۲: ۲۳۶-۲۳۸؛ المجموع، ۵: ۲۳۲-۲۴۲۔
- ۱۲۸۔ زیلعی کہتے ہیں: ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث غریب ہے۔ ابن عمرؓ کی مذکورہ بالا حدیث بھی اسی مفہوم میں ہے کہ: ”بارش اور چشموں سے سیراب ہونے والی زمین میں عشر ہے“ (نصب الراية، ۲: ۳۸۴)۔
- ۱۲۹۔ ترمذی نے عتاب بن اسیدؓ سے روایت کی ہے کہ: ”مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کھجوروں کی طرح انگوروں کی پیداوار کا بھی اندازہ کیا جائے اور جیسے کھجوروں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے کشمش سے بھی وصول کی جائے“۔

۱۳۰۔ قاف کی زیر، زبر اور پیش کے ساتھ، باء کی تشدید کے ساتھ اور بغیر تشدید کے، ان کا یہ نام اس لیے ہے انہیں گھر میں رکھا جاتا ہے۔ قطن یقطن (گھر میں رہنا) سے ماخوذ ہے۔

۱۳۱۔ رشاد: صلیبی نسل کا ساگ ہے جو سال میں ایک بار ہوتا ہے۔ اسے خشکی میں کاشت کیا جاتا ہے اس کے بیج حب رشاد کہلاتے ہیں۔

۱۳۲۔ حضرت عائشہؓ سے اسی طرح کی ایک حدیث مروی ہے، دونوں روایتیں دارقطنی کی ہیں، اشرم نے اپنی سنن میں موسیٰ بن طلحہ سے ہزریوں کے بارے میں یہ حدیث روایت کی کہ ”ان میں صدقہ واجب نہیں“ یہ قوی مرسل روایت ہے (نیل الاوطار، ۴: ۱۳۲)۔

۱۳۳۔ کتاب الاموال، ۵۰۴: ۲؛ المغنی، ۶۹۴: ۲؛ وبعد؛ نیل المآرب، ۱: ۱۸۵۔

۱۳۴۔ البدائع، ۶۱: ۲؛ وبعد؛ اللباب، ۱: ۱۵۳؛ الاموال لابن عبید، ۵۰۶: ۲؛ فتح القدير، ۲: ۵؛ المجموع، ۴۳۴: ۵؛ وبعد؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۸۲؛ کشف القناع، ۲: ۲۵۷؛ المغنی، ۲: ۷۱۳۔

۱۳۵۔ احمد؛ ابن ماجہ؛ ابوداؤد؛ بیہقی، یہ روایت منقطع ہے (نیل الاوطار، ۴: ۱۳۵؛ وبعد)۔

۱۳۶۔ ابن ماجہ نے متصل اور مرسل روایت کی (ایضاً) اسی طرح ابو عبید اور اشرم نے بھی روایت کی۔

۱۳۷۔ زیلعی نے کہا ہے کہ ان الفاظ سے مجھے مصنف عبد الرزاق میں یہ روایت نہیں ملی۔ دراصل اس کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کو لکھا کہ شہد حاصل کرنے والوں سے عشر لیا جائے (نصب الراية، ۲: ۳۹۰)۔

۱۳۸۔ البدائع، ۵۹: ۲؛ فتح القدير، ۲: ۲؛ وبعد۔

۱۳۹۔ ابومطیع بنی نے ابان بن عیاش سے ایک شخص کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی لیکن اس کی سند کی کوئی حیثیت نہیں (نصب الراية، ۲: ۳۸۵) ”رب: بڑا ڈول اور والیہ

پانی سے چلنے والے رہٹ کو کہتے ہیں۔ بخاری نے حضرت عمرؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بارش، چشموں اور عثری زمین پر عشر ہے اور مصنوعی آبپاشی والی زمین پر نصف عشر ہے۔“ عثری اس زمین کو کہتے ہیں جس میں بارش سے یا قریبی نہر سے نکلنے والی نالیوں سے آبپاشی ہوتی ہو۔ اس آبپاشی کو ”بعل“ کہتے ہیں جو مصنوعی آبپاشی کے بالمقابل ہے۔

۱۳۰۔ القوانین الفقہیہ، ۱۰۵: الشرح الصغیر، ۶۰۸:۱ و بعد؛ الشرح الکبیر، ۲۲۷:۱ و بعد؛ مغنی

المحتاج، ۳۸۲:۱ و بعد؛ المغنی، ۲: ۶۹۰، ۶۹۵-۶۹۹؛ المجموع، ۵: ۲۳۹۔

۱۳۱۔ ابوسعید خدریؓ سے صحاح ستہ نے روایت کی (نیل الاوطار، ۴: ۱۳۱)۔

۱۳۲۔ البدائع، ۲: ۶۲-۶۳؛ القوانین الفقہیہ، ۱۰۶: الشرح الصغیر، ۶۱۰-۶۱۲؛ مغنی المحتاج،

۱: ۶۵۸؛ المغنی، ۲: ۶۹۸، ۷۰۲؛ کشاف القناع، ۲: ۲۳۲ و بعد۔

۱۳۳۔ ابن عمرؓ سے مسلم کے علاوہ باقی صحاح ستہ نے روایت کی، مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے:

”نہروں اور بارش سے سیراب ہونے والی زمین پر عشر ہے اور رہٹ وغیرہ سے سیراب ہونے

والی زمین پر نصف عشر ہے۔“ ابوداؤد کی ایک روایت ہے: ”قدرتی آبپاشی کی زمین پر عشر ہے۔“

۱۳۴۔ اہل لغت کہتے ہیں: البعل: جو ندی نالوں سے سیراب ہو۔ العثری: جو تالاب سے جاری پانی سے

سیراب ہو، تالاب کو عاثوراء کہتے ہیں۔ تاکہ کوئی گزرنے والا لاعلمی کی بنا پر اس میں گر نہ جائے۔

السوانی: رہٹ جنہیں اونٹ سے چلایا جائے تاکہ زمین کو سیراب کرے۔

۱۳۵۔ دیکھیے اور موازنہ کیجیے: یوسف القرضاوی، فقہ الزکاة، ۱: ۳۹۳-۳۹۷۔

۱۳۶۔ البدائع، ۲: ۶۳۔

۱۳۷۔ القوانین الفقہیہ، ۱۰۶: الشرح الصغیر، ۶۱۵: الشرح الکبیر، ۱: ۲۵۱۔

۱۳۸۔ مغنی المحتاج، ۱: ۳۸۶؛ کشاف القناع، ۲: ۲۳۵؛ المجموع، ۵: ۲۵۳؛ المغنی، ۲: ۷۰۲۔

۷۰۵؛ المہذب، ۱: ۱۵۷۔

۱۴۹۔ المغنی، ۲: ۷۳۰۔

۱۵۰۔ الشرح الکبیر، ۱: ۶۱۳ و بعد؛ القوانین الفقہیہ، ۱۰۶؛ الشرح الکبیر، ۱: ۴۲۹ و بعد۔

۱۵۱۔ المجموع، ۵: ۴۴۳؛ المہذب، ۱: ۱۵۷؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۸۲۔

۱۵۲۔ المغنی، ۲: ۷۳۰ و بعد؛ کشف القناع، ۲: ۲۴۱ و بعد۔

۱۵۳۔ البدائع، ۲: ۵۶؛ الشرح الکبیر، ۱: ۴۸۵ و بعد؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۸۲؛ کشف القناع،

۲: ۴۴۴؛ غایۃ المنتہی، ۱: ۲۶۶ و بعد۔

۱۵۴۔ رباط سے مراد وہ عمارتیں جو بنا کر فقرا کے لیے وقف کر دی جائیں۔

۱۵۵۔ البدائع، ۲: ۵۶؛ اللباب، ۱: ۱۵۴؛ المہذب، ۱: ۱۵۷؛ المغنی، ۲: ۷۲۸؛ کشف القناع، ۲: ۲۵۳؛

فتح القدير، ۲: ۸؛ بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۳۹۔

۱۵۶۔ البدائع، ۲: ۵۷ و بعد؛ اللباب، ۳: ۱۳۷-۱۳۹؛ الفتاویٰ الہندیہ، ۲: ۲۱۹؛ فتح القدير، ۲: ۳۵۸

و بعد؛ بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۳۹ و بعد۔

۱۵۷۔ کشف القناع، ۲: ۲۵۵ و بعد؛ المغنی، ۲: ۷۱۶-۷۱۹؛ الاحکام السلطانیۃ للماوردی، ۱۳۲

و بعد؛ الاحکام السلطانیۃ لابی یعلیٰ، ۱۳۰ و بعد؛ الاموال لابی عبید، ۶۸ و بعد، ۱۰۰ و بعد۔

۱۵۸۔ البدائع، ۲: ۶۲ و بعد؛ الاحکام السلطانیۃ للماوردی، ۱۴۱۔

۱۵۹۔ جریب سے مراد ساٹھ ذراع لبائی اور سات ذراع چوڑائی، کسری کے ذراع کے ساتھ جو عوام

کے ذراع سے بانس کے برابر بڑا ہوتا ہے، قفیز لبائی میں دس جریب اور پیمانے میں بارہ صاع

کے برابر ہے۔

۱۶۰۔ فتح القدير، ۳: ۳۶۵ و بعد؛ البدائع، ۲: ۵۷؛ اللباب، ۱: ۱۵۴؛ مقارنة المذاهب فی الفقہ، ۵۱

وبعد۔

۱۶۱۔ الشرح الصغير، ۶۰۹:۱؛ المهذب، ۱۵۷:۱، ۶۰۹:۲؛ المغنی، ۷۲۵:۲۔

۱۶۲۔ یہ حدیث بہت ضعیف ہے۔ ابن عدی نے الکامل میں یحییٰ بن عنبسہ سے روایت کی۔ ابن حبان

نے کہا ہے کہ یہ حدیث کلام نبوت میں سے نہیں ہے (دیکھیے: فتح القدير، ۳۶۶:۲؛ کشف

القناع، ۲:۲۵۵) ممکن ہے اس میں خراج سے مراد جزیہ ہو۔

۱۶۳۔ فتح القدير، ۱:۵۳۰-۵۳۶۔

۱۶۴۔ البدائع، ۲:۶۴؛ وبعد۔

۱۶۵۔ المغنی، ۲:۷۱۲؛ وبعد؛ الشرح الصغير، ۱:۶۱۹؛ مغنی المحتاج، ۱:۳۸۴؛ الشرح الكبير مع

الدسوقي، ۱:۲۵۴؛ وبعد۔

۱۶۶۔ ابن عباسؓ سے صحاح ستہ روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ کو یمن

بھیجا (نیل الاوطار، ۴:۱۱۴)۔

۱۶۷۔ المجموع، ۵:۲۸۱؛ المغنی، ۲:۷۱۱۔

۱۶۸۔ المغنی، ۲:۷۰۶؛ الاموال، ۲:۳۹۲؛ وبعد۔

۱۶۹۔ الشرح الكبير، ۱:۳۵۲؛ الشرح الصغير، ۱:۶۱۷؛ مغنی المحتاج، ۱:۳۸۶؛ وبعد؛

المغنی، ۲:۷۰۶-۷۱۰۔

۱۷۰۔ پہلی حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے عتاب بن اسیدؓ سے روایت کی اور دوسری ابو داؤد اور ترمذی

نے (نیل الاوطار، ۴:۱۲۳)۔

۱۷۱۔ ابن ماجہ کے سوا صحاح کی پانچوں کتابوں نے روایت کی (ایضاً) ابن حبان اور حاکم نے روایت کی

اور اسے صحیح قرار دیا۔



- ۱۷۲۔ احمد؛ ابوداؤد نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی (ایضاً)۔
- ۱۷۳۔ الاموال، ۳۹۴، وبعد۔
- ۱۷۴۔ مغنی المحتاج، ۱: ۳۸۸۔
- ۱۷۵۔ المغنی، ۲: ۷۰۸۔
- ۱۷۶۔ البدائع، ۲: ۶۵؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۸۷۔
- ۱۷۷۔ احمد؛ نسائی، ابوداؤد؛ بخاری، دارقطنی نے حضرت انسؓ سے اور احمد؛ ابوداؤد؛ ترمذی نے زہری سے سالم کے حوالے سے سالم کے باپ سے روایت کی۔ یہ حدیث حسن ہے (نیل الاوطار، ۳: ۱۲۴-۱۳۱؛ سبل السلام، ۲: ۱۲۱-۱۲۴)۔
- ۱۷۸۔ ابو عبید کے نزدیک اس سے مالک مراد ہے، باقی تمام راوی زکوٰۃ وصول کرنے والا مراد لیتے ہیں۔
- ۱۷۹۔ احمد؛ ابوداؤد؛ ترمذی؛ نسائی؛ ابن ماجہ نے حضرت معاذؓ سے، نیز احمد نے یحییٰ بن حکم سے روایت کی کہ حضرت معاذؓ نے کہا.....۔ (نیل الاوطار، ۳: ۱۳۲؛ سبل السلام، ۲: ۱۲۴)۔
- ۱۸۰۔ انعام نعم کی جمع ہے، اسم جمع ہے، اس کا واحد کوئی لفظ نہیں ہے، مذکر مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ اللہ کی بندوں پر بہت بڑی نعمت ہے اس لیے جانوروں کو انعام کہتے ہیں اور ان کے منافع بہت زیادہ ہیں اللہ نے ان کو بڑھنے کے لیے پیدا کیا ہے۔
- ۱۸۱۔ الدر المختار، ۲: ۳۰، وبعد؛ فتح القدیر، ۱: ۲۹۳-۵۰۲، ۵۰۹؛ الشرح الصغیر، ۱: ۵۹۰۔
- ۵۹۴؛ القوانین الفقہیہ، ۷: ۱۰۷، وبعد؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۶۸، وبعد؛ ۳۷۸-۳۸۰؛ المہذب، ۱: ۱۲۲-۱۵۰؛ المغنی، ۲: ۵۷۵-۵۷۷؛ ۵۹۱-۵۹۶، ۶۰۳، ۶۲۵؛ کشاف القناع، ۲: ۲۱۲۔
- ۱۸۲۔ البدائع، ۲: ۳۰، وبعد؛ الشرح الکبیر مع الدسوقی، ۱: ۳۳۲؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۶۹؛ المغنی، ۲: ۵۹۵۔

۱۸۳۔ ابو داؤد؛ ترمذی نے ابن عمرؓ سے روایت کی کہ ”جو کوئی مال حاصل کرے، جب تک اس پر سال نہ

گزر جائے، زکوٰۃ نہیں ہے“۔ (سبل السلام، ۲: ۱۲۹)

۱۸۴۔ ابو داؤد وغیرہ نے روایت کی۔ حاکم نے کہا، اس کی سند صحیح ہے۔ راوی بہز بن حکیم نے اپنے باپ

سے روایت کی (سبل السلام، ۲: ۱۲۶)۔

۱۸۵۔ بخاری نے حضرت انسؓ کی حدیث میں حضرت ابو بکرؓ کی مذکورہ بالا حدیث روایت کی۔

۱۸۶۔ القوانین الفقہیہ، ۱۰۸؛ بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۳۲؛ الشرح الکبیر، ۱: ۴۳۲؛ الشرح الصغیر، ۱: ۵۹۲۔

۱۸۷۔ متفق علیہ۔ الذود، تین سے دس تک اونٹ، اس لفظ کا واحد کوئی نہیں ہے۔

۱۸۸۔ اس سلسلے میں فقہاء کی آراء کے لیے دیکھے، فتح القدیر، ۱: ۴۹۴؛ البدائع، ۲: ۳۱؛ وبعد؛

الشرح الکبیر، ۱: ۴۳۲؛ وبعد؛ الشرح الصغیر وبعد؛ ۱: ۵۹۴؛ القوانین الفقہیہ، ۱۰۸؛

المہذب، ۱: ۱۴۵؛ وبعد؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۶۹؛ وبعد؛ المغنی، ۲: ۵۷۹؛ وبعد؛ کشاف القناع،

۲: ۲۱۳؛ وبعد۔

۱۸۹۔ الجذع والثنی: جو ایک سال کا ہو جائے اور دوسرے میں داخل ہو، شافیہ کے ہاں یہ شرط ہے کہ

بکری دو سال کی ہو اور حنابلہ نے کہا ہے کہ دنبہ چھ ماہ کا پورا ہونا چاہیے۔

۱۹۰۔ یاد رہے کہ حنابلہ نے عمروں کی تعیین میں یہ شرط نہیں رکھی کہ دوسرے سال میں داخل ہو جائے۔

انہوں نے اسی پر اکتفا کیا ہے پچھلا سال پورا ہو۔

۱۹۱۔ ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کی ہے۔

۱۹۲۔ ابو داؤد نے مراہیل میں؛ اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں اور طحاوی نے مشکل الآثار میں حماد

بن سلمہ سے روایت کی۔

۱۹۳۔ مغنی المحتاج، ۱: ۳۷۱-۳۷۳؛ المہذب، ۱: ۱۴۷۔

- ۱۹۳۔ ان دو بکریوں کی طرح جو قربانی کے لیے کافی ہوتی ہیں۔
- ۱۹۵۔ اس سے مراد خالص چاندی کے شرعی درہم ہیں۔
- ۱۹۶۔ المغنی، ۲: ۵۸۷؛ وبعد؛ کشاف القناع، ۲: ۲۱۹۔
- ۱۹۷۔ الكتاب مع اللباب، ۱: ۱۳۶۔
- ۱۹۸۔ پانچوں کتب حدیث (سنن اربعہ اور مسند احمد) نے روایت کی، الفاظ مسند احمد کے ہیں۔
- ۱۹۹۔ متفق علیہ۔
- ۲۰۰۔ دارقطنی نے عمرو بن شعیب سے ان کے والد، دادا سے روایت کی۔ ابوداؤد نے حضرت علیؓ سے روایت کی کہ ”کام کرنے والے بیلوں پر زکوٰۃ نہیں ہے“ (سنن ابی داؤد، ۱: ۳۶۲)۔
- ۲۰۱۔ الدر المختار، ۲: ۲۴؛ فتح القدیر، ۱: ۴۹۹؛ وبعد؛ البدائع، ۲: ۲۸؛ الشرح الصغير، ۱: ۵۹۷؛ القوانين الفقہیہ، ۱۰۸؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۷۴؛ المہذب، ۱: ۱۲۸؛ المغنی، ۲: ۵۹۲؛ کشاف القناع، ۲: ۲۲۱؛ وبعد۔
- ۲۰۲۔ متفرق کو جمع کرنا: مثلاً تین شریکوں میں سے ہر شریک کی چالیس بکریاں ہیں، انہیں اکٹھا نہ کر لیا جائے تاکہ ایک ہی بکری دینی پڑے۔ اکٹھے کو متفرق کرنا: مثلاً دو شریکوں کی ایک سو بیک بکریاں ہیں۔ ان پر تین بکریاں واجب ہیں۔ وہ انہیں الگ الگ کر لیں تاکہ ہر ایک پر ایک بکری واجب ہو۔
- ۲۰۳۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک شریک کی چالیس گائے ہیں اور دوسرے کی تیس اور ان کا مال مشترک ہے۔ زکوٰۃ وصول کرنے والا چالیس گائیوں پر دو سالہ بچھڑا اور تیس پر ایک ایک سالہ بچھڑا لے گا۔ پھر جس نے دو سالہ بچھڑا دیا ہے وہ  $\frac{۳}{۷}$  اپنے شریک سے وصول کرے اور جس نے ایک سالہ دیا ہے وہ  $\frac{۳}{۷}$  اپنے شریک سے وصول کرے۔
- ۲۰۴۔ صدق سے مراد صدقہ دینے والا یعنی مالک ہے اور استثنا کا تعلق صرف بکرے سے ہے۔

۲۰۵۔ البدائع، ۲: ۲۸؛ وبعده؛ فتح القدیر، ۱: ۵۰۱؛ وبعده؛ الشرح الكبير، ۱: ۴۳۵؛ القوانین الفقہیہ، ۱: ۱۰۸؛ المہذب، ۱: ۱۲۸؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۷۴؛ المغنی، ۲: ۵۹۶؛ وبعده؛ ۶۰۵: کشاف القناع، ۲: ۲۲۵-۲۲۷۔

۲۰۶۔ الكتاب مع اللباب، ۱: ۱۲۵؛ وبعده؛ البدائع، ۲: ۳۳۲؛ فتح القدیر، ۱: ۵۰۲؛ الدر المختار، ۲: ۲۵؛ وبعده۔

۲۰۷۔ بیہقی، دارقطنی، یہ حدیث بہت ضعیف ہے (نصب الرایۃ، ۲: ۳۵۷؛ وبعده)۔

۲۰۸۔ دارقطنی میں اس سے ملتا جلتا ایک اثر مذکور ہے (نصب الرایۃ، ۲: ۳۵۸)۔

۲۰۹۔ بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۲۳؛ الشرح الصغير، ۱: ۵۸۹؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۶۹؛ المغنی، ۲: ۶۲۰۔

۲۱۰۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے صحاح ستہ نے روایت کی ہے۔ ابوداؤد میں ہے۔ گھوڑوں اور غلاموں میں

زکوٰۃ نہیں ہے البتہ غلاموں کی طرف سے صدقہ فطر واجب ہے۔ (نیل الاوطار، ۲: ۱۳۶)۔

۲۱۱۔ احمد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی، صحیحین میں اسی طرح کی روایت ہے۔ (ایضاً)۔

۲۱۲۔ ترمذی نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے۔

۲۱۳۔ الشرح الصغير، ۱: ۶۰۲؛ القوانین الفقہیہ، ۱: ۱۰۸؛ الشرح الكبير، ۱: ۴۳۹۔

۲۱۴۔ المہذب، ۱: ۱۵۰-۱۵۳؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۷۶؛ وبعده؛ المغنی، ۲: ۶۰۷-۶۱۹؛ کشاف

القناع، ۲: ۲۲۷-۲۳۵؛ شرح المجموع، ۵: ۴۰۸؛ وبعده۔

۲۱۵۔ مروح: وہ جگہ جہاں چراگاہ میں جانے سے پہلے جانور اکٹھے ہوتے ہیں، ایک جگہ جمع ہو کر وہاں

سے ایک ہی چراگاہ میں ایک ہی راستے سے جاتے ہیں: مراح (میم کی پیش کے ساتھ): راستے

رہنے کی جگہ؛ ایک ہی نر جانور یا مشترک نر جانور ہوں یعنی ایک شریک کے جانوروں کے لیے

الگ نر مختص نہ ہو۔

- ۲۱۶۔ دارقطنی اور بیہقی نے ضعیف سند کے ساتھ سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت کی۔
- ۲۱۷۔ المہذب، ۱: ۱۵۳؛ شرح المجموع، ۵: ۲۲۶؛ بعد؛ المغنی، ۲: ۶۱۴؛ بعد؛ کشاف القناع، ۲: ۲۳۳؛ بعد۔
- ۲۱۸۔ القوانین الفقہیہ، ۱۰۹۔
- ۲۱۹۔ الدر المختار، ۲: ۲۷؛ بعد؛ الكتاب مع اللباب، ۱: ۱۳۸؛ شرح المجموع، ۵: ۳۳۱؛ بعد؛ ۴۵۴؛ بعد؛ البدائع، ۲: ۲۲-۲۵؛ المغنی، ۲: ۶۷۸-۶۷۹؛ القوانین الفقہیہ، ۹۹۔
- ۲۲۰۔ البدائع، ۲: ۲۵؛ الدر المختار، ۲: ۲۹؛ اللباب، ۱: ۱۳۷؛ فتح القدير، ۱: ۵۰۷۔
- ۲۲۱۔ جس کی کوہان بلند ہو، کو ماء: اونچی کوہان والی اونٹنی۔
- ۲۲۲۔ حضرت ابن عباسؓ سے صحاح ستہ نے یہ ممانعت روایت کی ہے کہ ”لوگول، سے ان کے عمدہ مال زکوٰۃ میں وصول نہ کرو“۔ (نیل الاوطار، ۴: ۱۱۳)۔
- ۲۲۳۔ احمد؛ بیہقی۔
- ۲۲۴۔ الشرح الكبير، ۱: ۵۰۲؛ بداية المجتهد، ۱: ۲۶۰؛ المہذب، ۱: ۱۵۰؛ شرح المجموع، ۵: ۴۰۱؛ بعد؛ ۶: ۲۵۳؛ تحفة الطلاب للانصاری، ۹۵؛ کشاف القناع، ۲: ۲۲۶؛ المغنی، ۲: ۶۵-۶۶۔
- ۲۲۵۔ ابوداؤد؛ ابن ماجہ (نیل الاوطار، ۴: ۱۵۲)۔
- ۲۲۶۔ المغنی، ۲: ۶۰۵؛ بعد؛ القوانین الفقہیہ، ۱۰۸؛ اللباب، ۱: ۱۳۳؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۷۴؛ بعد؛ کشاف القناع، ۲: ۲۲۳؛ الشرح الصغير، ۱: ۵۹۸۔
- ۲۲۷۔ بخت بختی کی جمع ہے جس سے مراد اونٹوں کی اقسام میں سے وہ قسم ہے جو عربی و عجمی نسل کے اشتراک سے پیدا ہوا ہو، بخت نصر کی طرف منسوب ہے۔ عرب عربی کی جمع ہے جس سے مراد کم

بالوں والا، نرم جلد والا، خوب صورت رنگ والا عمدہ اونٹ ہو۔

۲۲۸۔ البدائع، ۲: ۳۱؛ فتح القدير، ۱: ۵۰۴؛ الدر المختار، ۲: ۲۶؛ القوانین الفقہیہ، ۹: ۰۰۹؛ الشرح

الصغير، ۱: ۵۹۱؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۷۸؛ المغنی، ۲: ۶۰۲، ۶۰۴؛ الشرح الكبير، ۱: ۴۳۲۔

۲۲۹۔ السخلة: بھیڑ بکری کے وہ بچے جو ایک سال کے نہ ہوئے ہوں۔ نر اور مادہ دونوں کے لیے استعمال

ہوتا ہے۔

۲۳۰۔ امام مالک نے موطاً میں روایت کی (نصب الراية، ۲: ۳۵۵)۔

۲۳۱۔ فتح القدير، ۱: ۵۱۰؛ الدر المختار، ۲: ۳۱؛ اللباب، ۱: ۱۲۷؛ الشرح الصغير، ۱: ۹۳؛ حاشیہ

الدسوقي، ۱: ۴۳۲۔

۲۳۲۔ مغنی المحتاج، ۱: ۳۷۹؛ المغنی، ۲: ۶۲۷۔

۲۳۳۔ فتح القدير، ۱: ۵۱۱؛ الشرح الصغير، ۱: ۵۹۹؛ المهذب، ۱: ۱۲۵؛ المغنی، ۲: ۱۰۴؛ كشاف

القناع، ۲: ۲۱۹۔

۲۳۴۔ ابو عبید نے کتاب الاموال میں یحییٰ بن الحکم سے روایت کی۔

۲۳۵۔ کرائم، کریمہ کی جمع ہے: اس سے مراد وہ جانور ہے جس میں تمام ممکنہ خوبیاں، یعنی دودھ،

خوبصورتی، گوشت اور اون وغیرہ کی عمدگی جمع ہوں۔ لئام، لیمہ کی جمع ہے، کریمہ کا متضاد لفظ ہے۔

۲۳۶۔ البدائع، ۲: ۳۲-۳۳؛ الدر المختار، ۲: ۳۰؛ فتح القدير، ۱: ۵۰۶، ۵۱۰؛ اللباب، ۱: ۱۲۶؛

الشرح الكبير، ۱: ۴۳۲-۴۳۶؛ الشرح الصغير، ۱: ۵۹۸، ۶۰۴؛ القوانین الفقہیہ، ۸: ۱۰۸؛

مغنی المحتاج، ۱: ۳۷۵؛ وبعد؛ المهذب، ۱: ۱۲۷، ۱۵۰؛ المغنی، ۲: ۵۹۸-۱۰۴؛ كشاف

القناع، ۲: ۲۱۳-۲۱۹، ۲۲۳؛ وبعد۔

۲۳۷۔ ابوداؤد۔

۲۳۸۔ البدائع، ۲: ۳۲-۳۳۔

۲۳۹۔ شافعیہ اور حنابلہ کا اس میں اختلاف ہے، ان کی رائے میں اضافہ دو بکریاں یا بیس درہم کی مقدار میں ہوگا۔

۲۴۰۔ المغنی، ۲: ۲۹، ۳۷؛ شرح الرسالة، ۱: ۳۲۹۔

۲۴۱۔ بدائع الفوائد لابن القيم، ۳: ۱۳۳؛ البحر الزخار، ۲: ۱۳۷۔

۲۴۲۔ فقہ الزکوٰۃ للدكتور يوسف القرضاوی، ۱: ۳۸۷-۵۲۰۔

۲۴۳۔ المہذب، ۱: ۱۷۰-۱۷۳؛ حاشیہ الباجوری، ۱: ۲۹۱-۲۹۴؛ مغنی، ۳: ۱۱۶؛ وبعده۔

۲۴۴۔ الكتاب مع اللباب، ۱: ۱۵۶؛ فتح القدير، ۲: ۱۳؛ البدائع، ۲: ۳۶؛ الدر المختار، ۲: ۸۴؛

القوانين الفقهية، ۱۰: ۱۱۰؛ وبعده؛ بداية المجتهد، ۱: ۲۶۷؛ المغنی، ۲: ۶۶۸؛ الشرح الصغير،

۱: ۶۶۳؛ كشف القناع، ۲: ۲۳۵؛ وبعده۔

۲۴۵۔ البدائع، ۲: ۳۳-۳۶؛ الدر المختار، ۱: ۷۹-۸۴؛ فتح القدير، ۲: ۱۴-۲۰؛ الشرح الكبير، ۱: ۴۹۲۔

۴۹۷؛ الشرح الصغير، ۱: ۶۵۷-۶۶۳؛ بداية المجتهد، ۱: ۲۶۶-۲۶۹؛ القوانين الفقهية، ۱۰۹-۱۱۱؛

المہذب، ۱: ۱۷۰-۱۷۳؛ كشف القناع، ۲: ۳۱۶-۳۳۲؛ المغنی، ۲: ۶۶۵؛ وبعده۔

۲۴۶۔ ترمذی۔

۲۴۷۔ پہلے گروہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ فقیر کو مسکین کہنا جائز ہے، اور مسکین کی یہ تعریف مطلقاً

درست نہیں ہے۔ دوسرے فریق نے پہلے فریق کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے یہ کہا کہ کشتی

کے مالک پر ترس کھاتے ہوئے اس کو مسکین کہا گیا ہے۔

۲۴۸۔ نیل الاوطار، ۴: ۱۶۶۔

۲۴۹۔ مکاتیب اس غلام کو کہتے ہیں، جس سے مالک متعین رقم کی قسطیں مقرر کر دے، کہ جب وہ اتنی رقم

ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا۔ غلاموں سے مکاتبت کرنا مستحب ہے کیوں کہ ایشاد ربانی ہے: فکاتبوہم ان علمتم فیہم خیراً۔ ان سے مکاتبت کر لیا کرو اگر تم دیکھو کہ غلاموں میں بھلائی ہے، (النور: ۲۳: ۳۳) یعنی گردنیں آزاد کرنے کے لیے۔

۲۵۰۔ ابو داؤد؛ ابن ماجہ نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کی۔

۲۵۱۔ الدر المختار و رد المحتار، ۲: ۸۱، ۸۳، ۸۵؛ البدائع، ۲: ۴۵؛ الشرح الكبير، ۱: ۴۹۷؛

المہذب، ۱: ۱۷۰، ۱۷۳؛ المغنی، ۲: ۶۶۷؛ القوانین الفقہیہ، ۱۱۱؛ احکام القرآن لابن العربی، ۲: ۹۵۷۔

۲۵۲۔ الدر المختار، ۲: ۸۸، ۹۳؛ فتح القدیر، ۲: ۲۸؛ الشرح الكبير مع الدسوقی، ۱: ۴۹۴؛ احکام

القرآن لابن العربی، ۲: ۹۶۱؛ المجموع، ۶: ۲۰۲؛ المہذب، ۱: ۱۷۱؛ مغنی المحتاج، ۳: ۱۱۴؛  
بداية المجتہد، ۱: ۲۶۸؛ و بعد؛ کشف القناع، ۲: ۳۱۷؛ و بعد۔

۲۵۳۔ الكتاب مع اللباب، ۱: ۱۵۵؛ الشرح الكبير، ۱: ۴۹۵؛ بداية المجتہد، ۱: ۲۶۹؛ المہذب،

۱: ۱۷۱؛ کشف القناع، ۲: ۳۲۲؛ الدر المختار، ۲: ۸۱۔

۳۵۴۔ بداية المجتہد، ۱: ۲۶۸؛ و بعد

۲۵۵۔ المجموع، ۶: ۲۱۴؛ و بعد؛ الشرح الصغير، ۱: ۶۶۸؛ کشف القناع، ۲: ۳۳۳۔

۲۵۶۔ البدائع، ۲: ۴۳-۴۸؛ فتح القدیر، ۲: ۲۱-۲۹؛ الفتاویٰ الہندیہ، ۱: ۱۷۶؛ الدر المختار و حاشیہ ابن

عابدین، ۲: ۸۱-۹۰، ۹۳؛ الشرح الكبير، ۱: ۴۹۴؛ و بعد؛ بداية المجتہد، ۱: ۲۶۷؛ و بعد؛ الشرح

الصغير، ۱: ۶۵۹-۶۶۸؛ مغنی المحتاج، ۳: ۱۱۴؛ بجیرمی الخطیب، ۲: ۳۱۹؛ المہذب،

۱: ۱۷۳-۱۷۵؛ المجموع، ۶: ۲۲۳-۲۲۸؛ حاشیہ الباجوری، ۱: ۲۹۵؛ کشف القناع،

۲: ۳۱۷-۳۲۳؛ المغنی، ۲: ۶۳۶-۶۵۰، ۶۶۱؛ احکام القرآن لابن العربی، ۲: ۹۲۵-۹۶۳۔



۲۵۷۔ ابو داؤد، ترمذی نے عمرو بن العاصؓ سے روایت کی۔ البرزّة: قوت، شدت اور السوي: مکمل اعضاء والا، صحیح شکل و صورت والا۔

۲۵۸۔ ابو داؤد؛ ابن ماجہ۔

۲۵۹۔ الدر المختار، ۲: ۸۸، ۹۶؛ البدائع، ۲: ۳۸؛ فتح القدیر، ۲: ۲۷؛ وبعده؛ فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بہن کو زکوٰۃ دے، جب کہ اس کا اپنے شوہر کے ذمے اتنا مہر ہو جو نصاب کے برابر ہے اور شوہر خوش حال ہے۔ اگر بیوی مطالبہ کرے تو دے دے گا تو اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ ورنہ جائز ہے۔

۲۶۰۔ الشرح الكبير وحاشیہ الدسوقی، ۱: ۴۹۴۔

۲۶۱۔ المجموع، ۶: ۱۹۷-۲۰۲؛ مغنی المحتاج، ۳: ۱۰۷-۱۰۸، ۱۰۸-۲۳۶۔

۲۶۲۔ کشف القناع، ۲: ۳۱۷، ۳۱۹، ۳۳۳؛ وبعده؛ المغنی، ۲: ۶۶۱۔

۲۶۳۔ المہذب، ۱: ۱۷۵؛ المغنی، ۲: ۶۶۷؛ وبعده؛ کشف القناع، ۲: ۳۳۳؛ الشرح الصغير، ۱: ۶۶۸؛ غایۃ المنتہی، ۱: ۳۱۵؛ وبعده۔

۲۶۴۔ الدر المختار و رد المحتار، ۲: ۹۳؛ الكتاب مع اللباب، ۱: ۱۵۷۔

۲۶۵۔ مسلم نے عبدالمطلب بن ربیعہ سے ایک طویل مرفوع حدیث میں روایت کیا، احمد اور سنن اربعہ نے ابورافع سے روایت کی کہ ”ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں“ نصب الراية، ۲: ۴۰۳؛ نیل الاوطار، ۴: ۱۷۳۔

۲۶۶۔ البدائع، ۲: ۴۹؛ کشف القناع، ۲: ۳۳۹۔

۲۶۷۔ ہاشمی سے مراد ہاشم کی اولاد جیسے عباسؓ، حمزہؓ، ابوطالب، ابولہب اور سیدہ فاطمہؓ کی اولاد، حنابلہ نے ابولہب بن عبدالمطلب کو بھی آل ہاشم میں شامل کیا ہے، کیوں کہ ابولہب کے دو بیٹوں عقبہؓ

اور معتب کا فتح مکہ کے سال اسلام لانا ثابت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مسلمان ہونے پر خوش ہوئے، ان کے لیے دعا فرمائی اور وہ دونوں آپ کے ساتھ حنین اور طائف کے معرکوں میں شریک ہوئے اور علماء انساب کے مطابق ان کی اولاد بھی آگے چلی۔ (نیل الاوطار، ۱۷۲:۳) ہاشم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے والد کا نام تھا۔

۲۶۸۔ شرح المجموع، ۶: ۲۲۲ و بعد۔

۲۶۹۔ بخاری نے جبیر بن مطعم سے روایت کی۔

۲۷۰۔ الشرح الصغير، ۱: ۶۵۹؛ الشرح الكبير، ۱: ۴۹۳۔

۲۷۱۔ المجموع للنووی، ۶: ۲۴۷۔

۲۷۲۔ الدر المختار، ۲: ۸۶-۹۰؛ البدائع، ۲: ۴۰؛ كشاف القناع، ۲: ۳۳۸ و بعد؛ الكتاب مع اللباب،

۱: ۱۵۶۔

۲۷۳۔ البدائع، ۲: ۴۰؛ احكام القرآن لابن العربي، ۲: ۹۶۰؛ المجموع، ۶: ۲۴۷؛ حاشیہ الصاوی، ۱: ۶۵۸۔

۲۷۴۔ بخاری، مسلم۔

۲۷۵۔ البدائع، ۲: ۵۰؛ احكام القرآن لابن العربي، ۲: ۹۶۰؛ المجموع، ۶: ۲۵۸ و بعد؛ كشاف

القناع، ۲: ۳۲۵ و بعد۔

۲۷۶۔ بخاری، مسلم؛ ابوداؤد۔

۲۷۷۔ حاشیہ ابن عابدین، ۲: ۸۱، ۸۵، ۹۰ و بعد؛ البدائع، ۲: ۴۷۔

۲۷۸۔ مغنی المحتاج، ۳: ۱۱۲۔

۲۷۹۔ الشرح الكبير، ۳: ۴۹۳۔

۲۸۰۔ المغنی، ۲: ۶۴۶۔

- ۲۸۱۔ المہذب، ۱: ۱۶۸۔
- ۲۸۲۔ البدائع، ۲: ۳۵؛ الشرح الصغير، ۱: ۶۷۰؛ القوانین الفقہیہ، ۱۱۱۔
- ۲۸۳۔ امام احمد؛ نسائی؛ ابو داؤد اور بخاری کے ہاں حضرت انسؓ کی حضرت ابو بکرؓ سے روایت کردہ حدیث سے ثابت ہے اور مسند احمد اور سنن اربعہ نے معاذ بن جبلؓ اور دوسرے راویوں سے روایت کی ہے۔ نیل الاوطار، ۴: ۱۲۳ و بعد؛ ۱۳۲ و بعد۔
- ۲۸۴۔ ابن ماجہ کے علاوہ باقی کتب صحاح ستہ نے روایت کی ہے۔ نیل الاوطار، ۴: ۱۱۹۔
- ۲۸۵۔ المہذب، ۱: ۱۶۸۔
- ۲۸۶۔ المغنی، ۲: ۶۳۱۔
- ۲۸۷۔ البدائع، ۲: ۴۰؛ و بعد؛ الدر المختار، ۲: ۱۲؛ و بعد؛ الشرح الصغير، ۱: ۶۶۶؛ و بعد؛ المہذب، ۱: ۱۶۸؛ المغنی، ۲: ۶۳۸ و بعد۔
- ۲۸۸۔ البدائع، ۲: ۴۱۔
- ۲۸۹۔ الدر المختار، ۲: ۹۳-۹۵؛ الفتاویٰ الہندیہ، ۱: ۱۷۸؛ الکتاب مع اللباب، ۱: ۱۵۸؛ فتح القدير، ۲: ۲۸؛ و بعد؛ القوانین الفقہیہ، ۱۱۱؛ الشرح الصغير، ۱: ۶۶۷؛ احکام القرآن لابن العربی، ۲: ۹۶۳؛ المجموع، ۶: ۲۳۷؛ مغنی المحتاج، ۳: ۱۱۸؛ بجیر۔ سی الخطیب، ۲: ۳۱۸؛ المہذب، ۱: ۱۷۳؛ المغنی، ۲: ۶۷۱-۶۷۲۔
- ۲۹۰۔ البدائع، ۲: ۳۶؛ فتح القدير، ۱: ۵۱۲؛ المغنی، ۲: ۶۳۳؛ و بعد؛ الدر المختار، ۲: ۳۳۔
- ۲۹۱۔ المغنی، ۲: ۶۷۶؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۷۹؛ حاشیہ ابن عابدین، ۲: ۴۵؛ الخراج لابن یوسف، ۸۰۔
- ۲۹۲۔ فقہ الزکاۃ للقرضاوی، ۹۹۷-۱۰۰۳۔
- ۲۹۳۔ بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۳۱؛ و بعد؛ المہذب، ۱: ۱۷۵؛ المجموع، ۶: ۲۵۰؛ و بعد؛ المغنی، ۲: ۶۸۳؛ و بعد؛

۸۰:۳ و بعد؛ البدائع، ۵۲:۲ و بعد۔

۲۹۴۔ البدائع، ۳۹:۲؛ الدر المختار، ۸۵:۲؛ الفتاویٰ الہندیہ، ۱:۱۷۸؛ کشف القناع، ۲:۳۳۔

۲۹۵۔ حاشیہ الصاوی علی الشرح الصغیر، ۱:۶۲۹۔

۲۹۶۔ المحلی لابن حزم، ۶:۱۰۵ و بعد؛ ف/۲۹۸، طبع دارالافتاح الجدیدہ بیروت۔

۲۹۷۔ المجموع للنووی، ۶:۱۵۷؛ مکتبہ الارشاد، جدہ، الاموال لابی عبید، ۵۳۳، ۶۱۱؛ مکتبہ

الکلیات الازہریہ و دارالفکر، مصر۔

۲۹۸۔ مال ضمار میں گم شدہ مال، بھاگا ہوا غلام، گم شدہ جانور، ایسا غضب شدہ مال جس کے غضب ہونے کا

ثبوت نہ ہو، ایسا قرض جس کی ادائیگی سے مقروض انکار کر دے شامل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا

ارشاد ہے: ”مال ضمار میں زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ زکوٰۃ کا سبب یہ ہے کہ مال بڑھتا ہو اور بڑھنے کے

لیے ضروری ہے کہ مال کے تصرف پر قدرت ہو اور مال ضمار پر قدرت و اختیار نہیں ہے۔“

۲۹۹۔ کتاب الاموال، ایضاً، ۵۳۳۔

۳۰۰۔ الفقہ علی المذاهب الخمسہ، ۱۷۵ و بعد، استاذ محمد جوہر مغینہ، طبع پنجم، دارالعلم للملایین

بیروت، فقہ الامام جعفر، ایضاً، ۲:۸۸؛ النہایۃ فی مجرد الفقہ والفتاویٰ، شیخ الطائفہ محمد بن

الحسن علی الطوسی، (۳۸۵-۴۶۰ھ) دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۸۸۔

۳۰۱۔ شافعیہ، مالکیہ اور امامیہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ عین مال میں واجب ہے اور فقیر مالک کے ساتھ اس

میں حقیقی شریک ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: وفی اموالہم حق للسانل والمحرورم

(الذاریات، ۵۱:۱۹۰؛ ان کے مال میں سائل اور محروم کا حق ہے)۔ متواتر احادیث میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اموال میں اغنیاء اور فقرا کو شریک کر دیا ہے۔ شریعت نے مالک کے ساتھ نرمی کا

برتاؤ کرتے ہوئے اسے اجازت دے دی ہے کہ وہ دوسرے مال سے زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔

۳۰۲۔ البدائع، ۲: ۳۹؛ فتح القدير، ۲: ۱۶۹-۱۷۱؛ طبع دارالفکر، بیروت، حاشیہ ابن عابدین، ۲: ۲۷۱-۲۷۰؛ طبع ثالث، طبع البابي الحلبي، مصر، الفتاوى الهندية، ۱: ۱۷۸۔

۳۰۳۔ الشرح الصغير، ۱: ۶۶۶، ۶۶۹، ۶۷۱، الشرح الكبير، ۱: ۳۳۱؛ بداية المجتهد، ۱: ۲۶۶؛

القوانين الفقيهه، ۹۹۔

۳۰۴۔ المعيار المعرب، ۱: ۳۸۹۔

۳۰۵۔ السراج الوهاج شرح المنهاج، ۱۳۳، طبع دارالمعرفة، بیروت

۳۰۶۔ المجموع، ۶: ۱۵۷۔

۳۰۷۔ المغنی، ۲: ۶۳۸ و بعد؛ کشاف القناع، ۲: ۳۳۷، طبع مکه، الشرح الكبير مع المغنی، ۲: ۵۳۳۔

۳۰۸۔ کشاف القناع، ۲: ۲۶۹، طبع عالم الکتب، بیروت۔

۳۰۹۔ شرح النيل وشفاء الغليل للعلامه محمد بن يوسف أطفيش، ۳: ۲۵۱ و بعد۔

۳۱۰۔ شرح الازهار لابی الحسن عبد الله بن مفتاح، ۱: ۵۳۱-۵۳۲، مطبع حجازی، القاہرہ۔

۳۱۱۔ کتاب الاموال لابی عبید، ۵۳۳۔

۳۱۲۔ کتاب الاموال لابی عبید، ۵۳۳-۵۳۳۔

۳۱۳۔ الفقه على المذاهب الخمسه، للأستاذ محمد جواد مغینہ، ۱۶۷۔

۳۱۴۔ القوانين الفقيهه، ۹۹ و بعد۔

۳۱۵۔ المغنی، ۲: ۶۵۱۔

۳۱۶۔ متفق علیہ، زید بن اسلم نے اپنے والد سے روایت کی۔ مراد یہ ہے کہ میں نے ایک شخص کو گھوڑا

صدقے میں اس غرض سے دیا کہ اس سے جہاد میں حصہ لے گا لیکن اس نے اس کے چارے اور

خدمت میں کوتاہی کی جس کی وجہ سے ضائع ہو گیا۔ (شرح مسلم، ۱۱: ۶۲)

۳۱۷۔ ابو داؤد وغیرہ نے روایت کی۔

۳۱۸۔ شرح مسلم، ۱۱: ۶۲۔

۳۱۹۔ المجموع، ۶: ۲۵۳؛ غایۃ المنتہی، ۱: ۳۰۲۔

۳۲۰۔ امام مالک اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ اور ابوسعیدؓ سے اور امام احمد، شیخین اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ اور ابوسعیدؓ دونوں سے روایت کی۔

۳۲۱۔ غایۃ المنتہی، ۱: ۳۱۴؛ المغنی، ۲: ۶۸۵؛ الدر المختار، ۲: ۹۵؛ فتح القدیر، ۲: ۲۸۔

۳۲۲۔ المجموع للنووی، ۶: ۲۰۶ و بعد۔

۳۲۳۔ کتاب الاموال، ۶: ۶۰۶۔

۳۲۴۔ تفسیر الطبری، ۱۰: ۱۱۲۔

۳۲۵۔ تفسیر القرطبی، ۸: ۱۷۸۔

۳۲۶۔ نیل الاوطار، ۳: ۱۶۶؛ فتح القدیر، ۲: ۱۴۔

۳۲۷۔ ایضاً۔

۳۲۸۔ تفسیر الطبری، ۱۰: ۱۱۲۔

۳۲۹۔ ایضاً، ۱۱۳۔

۳۳۰۔ البدائع، ۲: ۴۴؛ رد المحتار علی الدر المختار، ۲: ۸۲-۸۳؛ فتح القدیر مع الہدایۃ، ۲: ۱۴۔

۳۳۱۔ ابن عباسؓ سے صحاح ستہ نے روایت کی۔

۳۳۲۔ الشرح الكبير الدردير وحاشیہ الدسوقي، ۱: ۴۹۵؛ الشرح الصغير، ۱: ۶۶۰۔

۳۳۳۔ تفسیر القرطبی، ۸: ۱۸۱۔

- ۳۳۳۔ شرح النیل، ۳: ۲۳۳۔
- ۳۳۵۔ کفایۃ الاخیار، ۱: ۳۸۱، طبع قطر، المہذب، ۱: ۱۷۲۔
- ۳۳۶۔ المغنی، ۲: ۶۶۶؛ کشاف القناع، ۲: ۳۲۵؛ غایۃ المنتہی، ۱: ۳۱۰؛ نیل المآرب، ۱: ۳۱۹۔
- ۳۳۷۔ المختصر النافع فی الفقہ الامامیہ، ۸۳؛ البحر الزخار، ۲: ۱۷۹-۱۸۰۔
- ۳۳۸۔ کتاب الاموال، ۶۰۷۔
- ۳۳۹۔ نیل الاوطار، ۴: ۱۶۶ وبعده۔
- ۳۴۰۔ تفسیر الطبری، ۱۰: ۱۱۳۔
- ۳۴۱۔ المجموع، ۶: ۲۰۶ وبعده؛ کشاف القناع، ۲: ۳۲۵ وبعده، السید رشید رضا نے تفسیر المنار، ۵۷۴: ۱۰ وبعده میں نقل کیا ہے۔
- ۳۴۲۔ تفسیر الطبری، ۱۰: ۱۱۲۔
- ۳۴۳۔ کشاف القناع، ۲: ۳۲۶؛ المجموع، ۶: ۲۰۹؛ تفسیر ابن کثیر، ۲: ۳۶۵۔
- ۳۴۴۔ کتاب الاموال، ۶۰۷۔
- ۳۴۵۔ تفسیر المنار، ۱۰: ۵۷۴۔
- ۳۴۶۔ تفسیر الطبری، ۱۰: ۱۱۲۔
- ۳۴۷۔ الکشاف، ۲: ۱۹۸، طبع طهران۔
- ۳۴۸۔ تفسیر الرازی، ۱۶: ۱۱۴، طبع دارالفکر، بیروت۔
- ۳۴۹۔ الکشاف، ۲: ۱۹۸۔
- ۳۵۰۔ بجیرمی علی الخطیب، ۲: ۳۱۳، طبع دارالمعرفہ، بیروت۔

۳۵۱۔ التفسیر الکبیر، ۱۶: ۱۱۵، ج ۸۔

۳۵۲۔ مکاتب، وہ غلام جس کا مالک اس کی آزادی کی قیمت مقرر کر کے قسطنین مقرر کر دے، کہ جب وہ

پوری رقم ادا کر دے تو آزاد ہو جائے گا۔ غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے مکاتب کرنا مستحب ہے

کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فکاتبوہم ان علمتم فیہم خیراً (النور، ۲۳: ۳۳، اگر تم غلاموں میں

بھلائی دیکھو تو ان سے مکاتب کر لیا کرو) یعنی انہیں آزاد کرنے کے لیے۔ ان کے ساتھ مکاتب

کا معاہدہ کرو۔

۳۵۳۔ دیکھیے میری کتاب: آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی، دراستہ مقارنہ، ص ۲۴۱-۲۴۵۔

۳۵۴۔ طبرانی نے عمرو بن عبسہ سے ان الفاظ میں روایت کی ہے: ”جو کوئی کسی مسلمان کو آزاد کرے گا،

آزاد ہونے والے کا ہر عضو آزاد کرنے والے کے ہر عضو کا آگ سے بچاؤ کا سامان ہوگا۔“

۳۵۵۔ ابن عبد الحکیم، سیرۃ عمر بن عبد العزیز، مکتبہ وہبہ مصر، ص ۵۹۔

۳۵۶۔ تفسیر الرازی، ۱۶: ۱۱۴، وبعده، دار الفکر بیروت، تفسیر القرطبی، ۸: ۱۸۲، وبعده؛ دار الکاتب

العربی، قاہرہ، تفسیر ابن کثیر، ۲: ۳۶۵؛ شیخ محمد امین <sup>لشقیطی</sup>، اضواء البیان، ۲: ۲۷۰، وبعده؛

عالم الکتب، بیروت، ابو عبید، کتاب الاموال، مکتبہ کلیات الازہریہ، ۷۹۷ وبعده۔

۳۵۷۔ یعنی احمد اور سنن اربعہ، حاکم نے روایت کی۔

۳۵۸۔ احکام القرآن للجصاص، ۳: ۱۲۵، طبع بیروت؛ فتح القدیر، ۲: ۲۶۳، دار الفکر، بیروت،

حاشیہ ابن عابدین رد المحتار علی الدر المختار، ۲: ۳۴۱، مطبع البابی الحنفی، مصر۔

۳۵۹۔ شرح المجموع للنووی، ۶: ۱۴۶، وبعده؛ مطبع المدنی القاہرہ، بجیرمی علی الخطیب، ۲: ۱۳۔

وبعده؛ مطبع دار المعرفہ بیروت۔

۳۶۰۔ مواہب الجلیل للخطاب، ۲: ۳۵۰، طبع ثالث، ۱۹۷۸، الشرح الصغیر للدردیر و حاشیہ



الصاوی، ۱: ۲۶۱۔

۳۶۱۔ کشف القناع للبهوتی، ۲: ۲۷۹ و بعد، عالم الکتب بیروت، الروض المربع بشرح زاد المستنقع للشیخ منصور بن یونس البهوتی، ۱۵۱؛ المغنی والشرح الکبیر، ۲: ۷۰۹۔

۳۶۲۔ شرح المجموع، ۶: ۱۳۶-۱۳۷۔

۳۶۳۔ احکام القرآن للجصاص الرازی، ۳: ۱۲۵۔

۳۶۴۔ ایضاً۔

۳۶۵۔ یہ عجیب بات ہے، کیا غلام آزاد کرنے میں مال خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑے ثواب کا

باعث نہیں؟ ارشاد ربانی ہے: وما ادراک ما العقبۃ، فک رقۃ ببلد ۹۰: ۲۱-۱۳، تجھے کیا خبر کہ

گھائی کیا ہے، گردن چھڑانا)۔

۳۶۶۔ ایضاً۔

۳۶۷۔ ایضاً۔

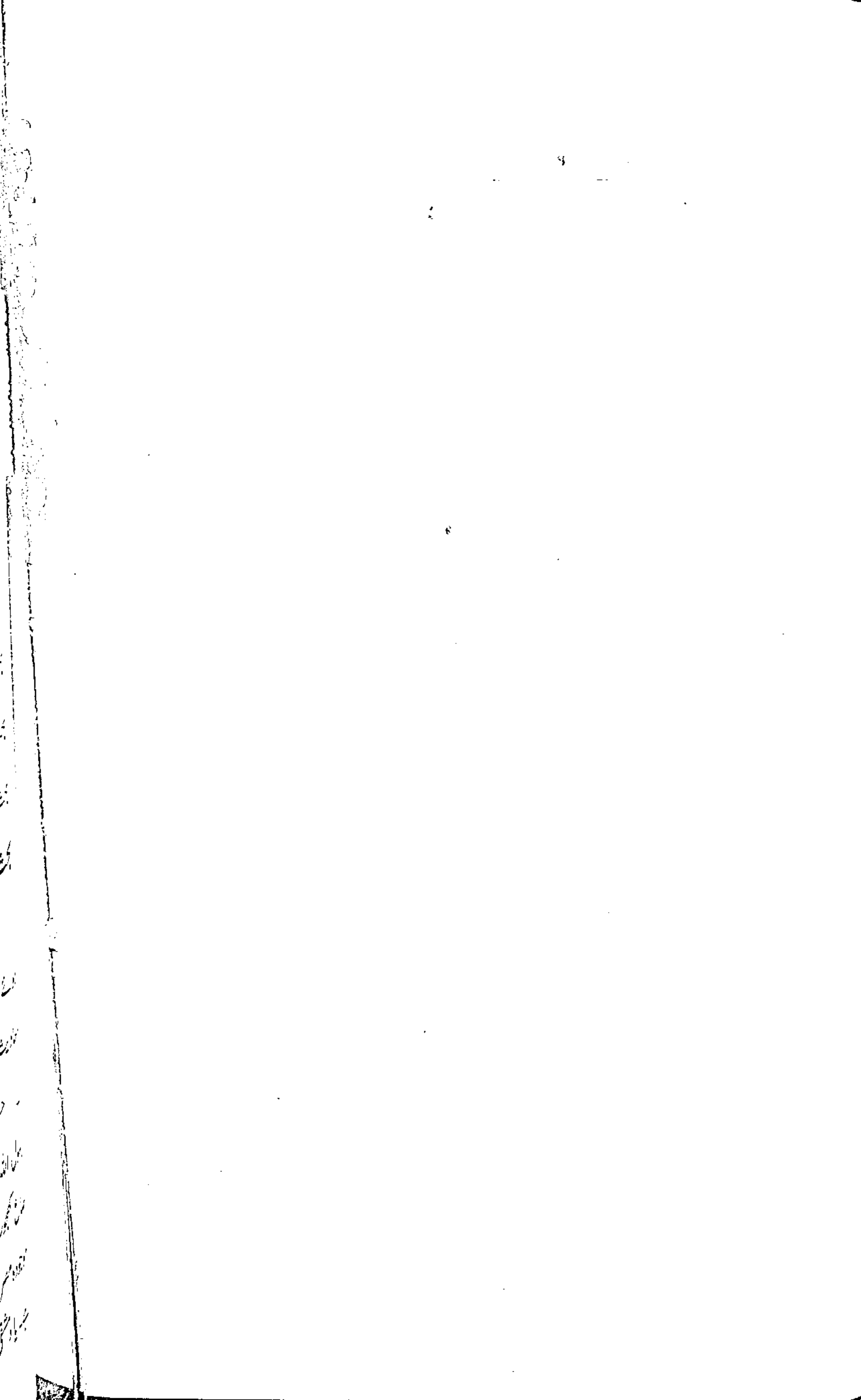
۳۶۸۔ فتح القدیر، ۲: ۲۶۳۔

۳۶۹۔ کتاب الاموال، ۷۹۹۔

۳۷۰۔ آیت میں کسی ایسی مقدار کا ذکر نہیں جو مکاتب کو دی جائے بلکہ صرف اس کی امداد کرنے کا کہا گیا

ہے، اسی لیے نسائی نے کہا ہے صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔

۳۷۱۔ تفسیر المنار، ۱۰: ۵۱۵، دار المعرفہ بیروت۔



## فصل دوم

## صدقہ فطر

اس میں پانچ مباحث ہیں:

بحث اول: صدقہ فطر کا مشروعیت، حکم اور اس کے حکم کا مخاطب کون ہے؟

بحث دوم: صدقہ فطر کے وجوب کا وقت اور اسے جلدی یا دیر سے دینے کا حکم۔

بحث سوم: صدقہ فطر میں کیا چیز، کیسی اور کتنی مقدار میں واجب ہے؟

بحث چہارم: صدقہ فطر کے مستحبات اور جائز امور۔

بحث پنجم: صدقہ فطر کے مصارف یعنی صدقہ فطر کون لے سکتا ہے؟

بحث اول: صدقہ فطر کا مشروعیت، حکم اور اس کے حکم کا مخاطب کون ہے؟

صدقہ فطر کا حکم شعبان ۲ ہجری میں دیا گیا جس سال رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ یہ حکم زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے دیا گیا۔ اس کے وجوب کے دلائل مندرجہ ذیل احادیث ہیں:

۱۔ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث: ابن ماجہ کے علاوہ باقی صحاح ستہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں لوگوں پر صدقہ فطر واجب قرار دیا کہ ایک صاع کھجور یا جو ہر مسلمان آزاد ہو، چاہے غلام، مرد ہو یا عورت بطور صدقہ دے۔ صاع موجودہ مصری پیمانے کے اعتبار سے ۱۱/۳ اے اے پیلے اور قدیم پیمانے کے اعتبار سے دو پیلے ہے۔ یاد مشقی مد کا ۱/۸ جسے شمینہ کہتے ہیں اور ۲۷۵۱ گرام کے برابر ہے، حنفیہ کے نزدیک

۳۸۰۰ گرام ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ فطر کے وجوب کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے۔ کافر پر صدقہ فطر واجب نہیں۔

۲۔ ابوسعیدؓ کی حدیث میں ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود تھے تو ہم ایک صاع طعام (گندم) یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو یا ایک صاع کشمش یا ایک صاع پنیر صدقہ فطر کے طور دیتے تھے اور میں جس طرح اس وقت صدقہ فطر دیتا تھا اسی طرح زندگی بھر دیتا رہا ہوں (۱) طعام سے مراد گندم ہے اور اقط سے پنیر مراد ہے جیسا کہ شوکانی نے بیان کیا لیکن مشہور یہ ہے کہ اس سے مراد مکھن نکالا ہوا پنیر ہے۔

۳۔ ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کے دوران لغو اور بے ہودہ باتوں سے پاکی حاصل کرنے کے لیے صدقہ فطر واجب کیا ہے، جو مساکین کے لیے خوراک ہے جو شخص نماز عید سے پہلے ادا کر دے تو اس کا صدقہ قبول ہو جاتا ہے اور جو نماز کے بعد ادا کرے تو یہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے (۲)۔  
رفت: فحش گفتگو؛ طعمہ: غذا؛ خوراک، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ فطر صرف مساکین کو دیا جائے، زکوٰۃ کے دوسرے مصارف میں خرچ نہ کیا جائے۔

۴۔ عبد اللہ بن ثعلبہؓ کی روایت ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر سے ایک یا دو دن پہلے خطبہ دیا اور فرمایا: ہر آزاد، غلام، چھوٹے اور بڑے کی طرف سے ایک صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ادا کرو“ (۳)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ فطر ایک صاع ہے، خواہ گندم ہو یا جو یا کھجور۔ بعض فقہاء نے دوسری احادیث کی روشنی میں کہا ہے کہ گندم نصف صاع دینا کافی ہے۔ مثلاً حاکم نے ابن عباسؓ سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ دو مد گندم ہے۔ عمرو بن

شعیب نے اپنے والد اور دادا کے حوالے سے بھی یہی روایت مرفوع بیان کی، نیز اس مفہوم میں اور روایات بھی ہیں (۴)۔

### صدقہ فطر کی حکمت:

صدقہ فطر کی حکمت یہ ہے کہ اس سے روزے کی کمی پوری کی جاتی ہے اور فقرا کو عید کے روز مانگنے سے بے نیاز کیا جاتا ہے۔ وکیع بن الجراح کہتے ہیں: رمضان کے مہینے کے لیے صدقہ فطر ایسے ہی ہے جیسے نماز کے لیے سجدہ سہو، اس سے روزے میں جو کمی واقع ہو جائے وہ پوری کی جاتی ہے جیسے کہ سجدہ سہو سے نماز کی کمی پوری کی جاتی ہے، حدیث میں ہے کہ: ”آج کے دن یعنی عید کے دن فقرا کو پھر کر مانگنے سے بے نیاز کر دو“ (۵)۔

### صدقہ فطر کا حکم:

اس کا حکم یہ ہے کہ ہر آزاد مسلمان پر جو صدقہ فطر کے وجوب کے وقت صدقہ دینے پر قادر تھا اس پر واجب ہے (۶) جیسا کہ اوپر مذکور احادیث میں حکم دیا گیا ہے۔ ابن المنذر کہتے ہیں کہ تمام اہل علم جن سے ہم نے استفادہ کیا، اس پر متفق ہیں کہ صدقہ فطر فرض ہے۔ اسحاق کہتے ہیں کہ یہ گویا اہل علم کا اجماع ہے۔

بعض حنفیہ کہتے ہیں (۷): اسلام کے واجبات سات ہیں: صدقہ فطر، ذورحم کا نفقہ، وتر، قربانی، عمرہ اور والدین کی خدمت اور بیوی کے لیے شوہر کی خدمت۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سات کام اسلام نے واجب قرار دیے، یہ نہیں کہ یہی سات واجب ہیں بلکہ اور چیزیں بھی واجب ہیں مثلاً باجماعت نماز اور عیدین کی نماز وغیرہ۔

صدقہ فطر کس پر واجب ہے؟ حنفیہ کے نزدیک (۸): ہر آزاد مسلمان، چھوٹا ہو، چاہے بڑا، مرد ہو، چاہے عورت، عاقل ہو، چاہے دیوانہ۔ اگر نصاب کی مقدار کا مالک ہو (کسی

قسم کے مال کا مالک ہو) جو اس کی اصلی حاجت (رہائش، لباس، گھر کا سامان، سواری، ہتھیار، خادم اور خاندان کی ضروریات اور قرض کے سوا) سے زائد ہو۔ دادا پر اپنے یتیم پوتوں کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب ہے اگر وہ فقیر ہوں، یتیم نواسوں کی طرف سے دینا واجب نہیں۔

صدقہ فطر کے وجوب کی تین شرائط ہیں (۹)۔ اسلام، آزادی اور اصلی ضروریات سے زائد اتنے مال کا مالک ہونا جو نصابِ زکوٰۃ کے برابر ہے۔ پہلی دونوں شرائط اوپر مذکور احادیث کی روشنی میں لگائی گئی ہیں اور نصابِ زکوٰۃ کے مالک ہونے کی شرط اس وجہ سے ہے کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”صدقہ مال دار ہونے کی صورت میں ہی دیا جائے“ (۱۰) اور خوش حالی کا پیمانہ یہ ہے کہ مالک نصاب ہو، شریعت نے یہی مقرر کیا ہے، اور نصاب اصلی ضروریات سے زائد ہو کیوں کہ اگر اصلی ضروریات پوری کرنے کے لیے ہے تو وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

جس شخص پر صدقہ فطر واجب ہے وہ اپنی طرف سے اور اپنی چھوٹی اولاد کی طرف سے اور دیوانے اور پاگل فقرا اولاد کی طرف سے بھی دے۔ نیز خدمت کے لیے جو غلام رکھے ہوئے ہوں ان کی طرف سے بھی دے، البتہ تجارت کے لیے جو غلام ہوں ان کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب نہیں۔ مالک اپنے کافر غلام کی طرف سے بھی صدقہ فطر دے کیوں کہ صدقہ فطر کا سبب موجود ہے اور مالک پر صدقہ فطر واجب ہے۔

اپنے ماں باپ کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب نہیں، خواہ وہ اس کی زیر کفالت ہوں۔ کیوں کہ اپنے والدین پر کسی کو حق ولایت حاصل نہیں ہوتا، اسی طرح اپنی بڑی اولاد یا اپنے چھوٹے بہن بھائیوں یا دوسرے قریبی رشتہ داروں کی طرف سے بھی صدقہ فطر دینا

واجب نہیں، خواہ وہ اس کی زیر کفالت ہوں۔ اپنی بیوی اور بالغ اولاد کی طرف سے بھی صدقہ فطر دینا واجب نہیں، خواہ وہ اس کی کفالت میں ہوں، البتہ اگر بیوی یا بالغ اولاد کی طرف سے ان کے کہے بغیر صدقہ فطر دے دیا تو استحساناً ادا ہو جائے گا۔

بیوی کی طرف صدقہ فطر ادا کرنے کی ذمہ داری اس وجہ سے شوہر پر نہیں ہے کہ بیوی پر شوہر کی ولایت بھی کم ہے اور ذمہ داری بھی کم۔ صدقہ فطر ان حقوق میں نہیں آتا جن کا تعلق شادی کی ذمہ داریوں سے ہے۔ معمول کے اخراجات کے سوا باقی چیزیں مثلاً دوا علاج وغیرہ شوہر کی ذمہ داری نہیں ہے اور حنفیہ کے نزدیک عام اصول یہ ہے کہ ان لوگوں کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب ہوتا ہے جن پر ولایت کا حق ہو اور جن کی ذمہ داری ہو۔ پس جن پر حق ولایت حاصل ہو اور جن کی ذمہ داری اور نفقہ واجب ہو ان کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب ہے، ورنہ نہیں۔

جمہور کی رائے یہ ہے (۱۱) کہ صدقہ فطر ہر آزاد مسلمان پر چھوٹا ہو، چاہے بڑا، مرد ہو، چاہے عورت واجب ہے جیسا کہ حنفیہ کی رائے ہے۔ کافر پر صدقہ فطر واجب نہیں، البتہ شافعیہ کے نزدیک اگر کسی کا غلام یا قریبی رشتہ دار مسلمان ہو تو اس کی طرف سے صدقہ فطر واجب ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک غلام پر صدقہ فطر واجب نہیں ہے، اپنی طرف سے نہ کسی اور کی طرف سے کیوں کہ وہ مالک نہیں ہوتا۔ حنابلہ کے نزدیک اس پر صدقہ فطر واجب ہے کیوں کہ اوپر مذکور حدیث عام ہے کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان آزاد، غلام، مرد اور عورت پر صدقہ فطر واجب کیا ہے“۔ حنفیہ کے سوا باقی فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جس شخص کے پاس عید کی رات اور دن کے لیے اپنا اور اپنے زیر کفالت افراد کا خرچ موجود ہے، یعنی جس کے پاس یہی ذاتی ضرورت اور اپنی ذمہ داریوں سے زائد یعنی اصلی

ضروریات مثلاً رہائش، ملازم، سواری اور لباس وغیرہ سے زائد مال ہے اس پر صدقہ فطر واجب ہے حتیٰ کہ مالکیہ کے نزدیک اگر قرض لے سکتا ہو اور ادا کرنے کی کوئی سبیل ہو تو قرض لے کر بھی صدقہ فطر ادا کرے، کیوں کہ وہ حکماً صدقہ فطر ادا کرنے پر قادر ہے۔

جس شخص پر اپنا صدقہ فطر واجب ہے اس پر اپنے ان قریبی عزیزوں کا صدقہ فطر بھی واجب ہے جن کی کفالت اس کی ذمہ داری ہے مثلاً والدین فقیر ہوں، بیوی یا غلام اگر مسلمان ہوں اور اس کے پاس ان کا صدقہ فطر ادا کرنے کی گنجائش ہو، کیوں کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے ”کسی مسلمان کے ذمے اپنے غلام کی طرف سے صدقہ فطر کے سوا اور کوئی صدقہ واجب نہیں ہے“۔ باقی لوگوں کی طرف سے غلام پر قیاس کر کے صدقہ فطر واجب کیا گیا ہے۔ اگر قریبی رشتہ دار، بیوی، اور غلام کافر ہوں تو ان کی طرف سے صدقہ فطر دینا مسلمان پر واجب نہیں کیوں کہ حدیث میں ”من المسلمین“ کے الفاظ ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک کافر غلام کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب ہے۔

باپ اپنی چھوٹی اولاد کی طرف سے ان کے بالغ ہونے تک صدقہ فطر دینے کا پابند ہے مالکیہ کے نزدیک لڑکیوں کی طرف سے اس وقت تک صدقہ فطر دینا ضروری ہے جب تک کہ نکاح کے بعد ان کا شوہر سے جنسی تعلق قائم نہ ہو جائے یا جنسی تعلق کا مطالبہ نہ ہو جائے اور اس میں مانع بھی کوئی نہ ہو۔ حنابلہ کے نزدیک اگر چھوٹے بچے کے پاس اپنا مال ہے یا اپنا روزگار ہے جس کی وجہ سے وہ مال دار ہے تو اس کا باپ اس کے مال میں سے صدقہ دے کیوں کہ بچے اپنے اخراجات کا خود ذمہ دار ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر باپ فقیر ہے تو اس کی بیوی اور خادم کی طرف سے بھی صدقہ فطر بیٹا ادا کرے نیز بیوی کا نفقہ اگر شوہر کے ذمے ہے تو اس کے خادم کا صدقہ



فطر بھی دے کیوں کہ صدقہ فطر نفقہ کے تابع ہے کیوں کہ دارقطنی میں مذکور حضرت ابن عمرؓ کی حدیث عام ہے کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان تمام لوگوں کی طرف سے جن کا نفقہ ہمارے ذمہ ہے۔ چھوٹا ہو چاہے بڑا، آزاد ہو، چاہے غلام صدقہ فطر دینے کا حکم دیا۔“ شافعیہ کہتے ہیں کہ اصح قول یہ ہے کہ اگر بیٹے پر غریب باپ کی بیوی کا نفقہ واجب ہے لیکن صدقہ فطر نہیں کیوں کہ بیٹا صرف وہ ذمہ داریاں اٹھائے گا جو اس کے باپ پر تنگ دستی کے باوجود واجب ہیں (یعنی نفقہ) اور صدقہ فطر تنگ دستی کی حالت میں واجب نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص اپنے مال سے اپنے چھوٹے مال دار بچے کا صدقہ دے دے تو جائز ہے جیسے کسی اجنبی کی اجازت سے اس کی طرف سے صدقہ فطر دے دے البتہ بڑی اولاد کی اجازت ضروری ہے۔ اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ جس کا صدقہ فطر کسی دوسرے پر واجب ہو وہ اس کی اجازت کے بغیر صدقہ فطر ادا کر دے، خواہ وہ موجود ہو یا نہ ہو بشرطیکہ زندہ ہو جیسے حنفیہ کے سوا دوسرے فقہاء کے نزدیک بیوی۔

کیا صدقہ فطر حنفیہ کے نزدیک قدرت ممکنہ سے واجب ہوتا ہے یا قدرت میسرہ سے؟

قدرت ممکنہ سے واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کیا صرف صدقہ فطر دینے کی قدرت ہو جائے تو بس واجب ہو جاتا ہے، خواہ بعد میں وہ قدرت نہ رہے تب بھی واجب رہتا ہے۔

قدرت میسرہ سے واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ واجب ہونے کے بعد بھی اگر ادا کرنے کی قدرت رہے تو واجب رہے گا ورنہ نہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں (۱۲) کہ صدقہ فطر، قربانی اور محرم رشتہ داروں کا نفقہ راجح قول کی بنا پر

قدرت ممکنہ سے واجب ہوتا ہے اور اگر واجب ہونے کے بعد کسی کے پاس شرعی نصاب باقی نہ رہے تب بھی واجب رہے گا، نصاب کا باقی رہنا شرط نہیں ہے۔ اگر صدقہ فطر یا حج واجب ہونے کے بعد کسی کا مال ضائع ہو گیا تو صدقہ فطر اور حج واجب رہے گا مثلاً عید الفطر کی فجر کے بعد اگر کسی کا مال ضائع ہو گیا تو صدقہ فطر معاف نہیں ہوگا جب کہ زکوٰۃ، عشر اور خراج مال ضائع ہونے سے معاف ہو جاتے ہیں کیوں کہ ان میں یہ شرط ہے قدرت میسرہ یعنی ادا کرنے کی قدرت بھی باقی رہے تاکہ اس میں اضافے کی صفت باقی رہے۔

لیکن جب وہ شخص جس پر زکوٰۃ، صدقہ فطر، کفارہ یا نذر واجب تھا مر گیا تو اس کے ترکے سے لینا جائز نہیں، ہاں اگر وارث احسان کے طور پر دے دیں اور وہ احسان کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں تو جائز ہے۔ اگر نہ دیں تو ان پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔ اگر مرنے والے نے وصیت کر دی تھی تو ایک تہائی ترکے سے وصیت پوری کی جائے۔

جمہور کی رائے یہ ہے (۱۳) کہ اگر کوئی شخص صدقہ فطر ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو اس کے ترکے سے صدقہ فطر ادا کیا جائے کیوں کہ اگر اللہ کا اور بندے کا حق ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں اور دونوں حق کسی کے ذمے ہوں یا کسی چیز میں ہوں تو دونوں کو ادا کرنا ضروری اور برابر ہے۔ یعنی زکوٰۃ مالی حق ہے جو زندگی میں واجب ہوتا ہے موت کی وجہ سے ختم نہیں ہوگا جیسے کہ کسی انسان کا قرض دینا ہو تو وہ ختم نہیں ہوتا۔ میرے نزدیک یہی راجح ہے۔

بحث دوم: صدقہ فطر کے وجوب کا وقت اور اسے جلدی یا دیر سے دینے کا حکم:

صدقہ فطر اور اس کے متعلقات کے وجوب کے وقت کے بارے میں فقہاء کی دو

آراء ہیں: حنفیہ کے نزدیک (۱۳) صدقہ فطر عید الفطر کے دن صبح صادق کے طلوع ہونے کے ساتھ واجب ہوتا ہے کیوں کہ یہ صدقہ، فطر کی طرف مضاف ہے اور اضافت اختصاص کے لیے ہے اور فطر دن کے ساتھ مختص ہے رات کے ساتھ نہیں کیوں کہ فطر روزے کا متضاد ہے اور روزہ دن میں ہوتا ہے رات میں نہیں۔ اس دن روزہ رکھنا حرام ہے، پس جو کوئی طلوع فجر سے پہلے مر گیا اس پر صدقہ فطر واجب نہیں ہوگا اور جو طلوع فجر کے بعد مسلمان ہوا یا پیدا ہوا اس پر صدقہ فطر واجب نہیں ہوگا۔

صدقہ فطر وقت سے پہلے اور وقت کے بعد دینا جائز ہے۔ رمضان شروع ہونے کے بعد صدقہ فطر واجب ہونے سے پہلے یعنی عید الفطر کی صبح سے پہلے بھی دینا جائز ہے اور اس کے بعد بھی۔ پہلے دینا اس لیے جائز ہے کہ صدقہ فطر کے وجوب کا سبب موجود ہے، پس نصاب کے ہونے پر جیسے زکوٰۃ دینا جائز ہے صدقہ فطر بھی جائز ہے اس میں کسی خاص مدت کی تفصیل نہیں ہے۔ اور عید الفطر کے بعد دینا اس لیے جائز ہے کہ یہ کہ مالی عبادت ہے اور مالی عبادت ہونے کے ناطے اس وقت تک اس کی معافی نہیں ہے جب تک کہ ادا نہ کر لی جائے جیسے کہ زکوٰۃ تاخیر سے دینا جائز ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صدقہ فطر عید الفطر سے پہلے حتیٰ کہ رمضان شروع ہونے سے بھی پہلے دینا جائز ہے اور اگر عید الفطر کے موقع پر بھی نہ دیا تو معاف نہیں ہوگا اور دینا واجب ہے۔ ظاہر الروایۃ میں یہ ہے کہ رمضان سے پہلے دینا جائز ہے لیکن فتویٰ اس پر ہے کہ رمضان شروع ہونا ضروری ہے، رمضان سے پہلے صدقہ فطر دینا جائز نہیں۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ (۱۵) عید الفطر کی رات غروب آفتاب کے وقت صدقہ فطر واجب ہوتا ہے یعنی عید کے دن سے پہلی رات، کیوں کہ صدقہ فطر کی اضافت احادیث

مذکورہ میں رمضان کے افطار کی طرف ہے تو رمضان ختم ہونے پر واجب ہوگا، کیوں کہ اضافت اختصاص کا تقاضا کرتی ہے اور رمضان کا اختتام آخری روزے کے غروب آفتاب سے ہو جاتا ہے، اس کے بعد کوئی روزہ نہیں ہے جمہور اور حنفیہ کے درمیان اختلاف کا سبب یہ ہے کہ کیا صدقہ فطر کا تعلق عید کے دن سے ہے یا رمضان کے اختتام سے ہے؟ کیوں کہ عید کی رات رمضان کے ماہ کی رات نہیں ہے۔

جو کوئی اس رات غروب آفتاب کے بعد فوت ہو اس پر صدقہ واجب ہے اور جو غروب کے بعد مسلمان ہو یا بعد میں پیدا ہو یا تنگ دست تھا، وجوب کے وقت کے بعد خوش حال ہو گیا تو جمہور کے نزدیک اس پر صدقہ فطر واجب نہیں ہے کیوں کہ وجوب کا سبب موجود نہیں ہے جب کہ حنفیہ کے نزدیک اس پر صدقہ فطر واجب ہے۔ جمہور کے نزدیک جب صدقہ فطر واجب ہو جائے تو موت وغیرہ سے ختم نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ ذمے میں باقی رہتا ہے تا آنکہ ادا کیا جائے۔

### جلدی صدقہ فطر ادا کرنا:

شافعیہ کے نزدیک رمضان شروع ہونے کے بعد صدقہ فطر ادا کیا جا سکتا ہے کیوں کہ صدقہ فطر دو اسباب سے واجب ہوتا ہے:

رمضان کا مہینہ اور رمضان کے مہینے سے افطار۔ جب ان دو میں سے ایک سبب موجود ہو تو دوسرے سے پہلے صدقہ دیا جا سکتا ہے جیسا کہ زکوٰۃ میں اگر نصاب ہو تو سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے البتہ رمضان شروع ہونے سے پہلے صدقہ فطر دینا جائز نہیں کیوں کہ اس طرح دونوں اسباب کے وجود سے پہلے صدقہ دیا جانا ہے جو کہ اسی طرح درست نہیں جیسے نصاب زکوٰۃ بھی نہ ہو اور سال بھی نہ پورا ہو اور زکوٰۃ دیکر

جائے جو درست نہیں۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک عید سے دو ایک روز پہلے صدقہ فطر دیا جاسکتا ہے اس سے زیادہ پہلے نہیں کیوں کہ ابن عمرؓ کا قول ہے: ”صحابہ عید الفطر سے ایک دو دن پہلے صدقہ فطر دیا کرتے تھے“ (۱۶)۔ اس سے پہلے دینا درست نہیں کیوں کہ اس سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”فقرا کو آج کے دن مانگنے سے بے نیاز کر دو“ (۱۷)۔ جب کہ زکوٰۃ میں ایسا نہیں ہے۔

### نماز عید کے بعد صدقہ فطر دینا:

شافعیہ کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ نماز عید سے مؤخر نہ کرے کیوں کہ صحیحین میں نماز عید کے لیے نکلنے سے پہلے صدقہ دینے کا حکم ہے۔ اگر دیر ہو جائے تو مستحب یہ ہے کہ ان کے شروع میں صدقہ دے دے تاکہ مستحقین کے لیے کشائش کا سامان ہو اور بلا عذر عید کے دن سے مؤخر کرنا حرام ہے۔ ہاں اگر مال اس وقت موجود نہ ہو یا مستحقین نہ ہوں تو پھر جائز ہے کیوں کہ بلا عذر تاخیر سے وہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا جو صدقہ فطر سے ہے یعنی خوشی کے دن انہیں مانگنے سے بے نیاز کر دینا۔ اگر بلا عذر تاخیر کر دی تو گناہ ہوگا لیکن صدقہ دے اور اسے قضا سمجھا جائے گا کیوں کہ صدقہ کا وقت نکل گیا اور بلا عذر تاخیر کی گئی، جب کہ زکوٰۃ میں قضا کا تصور نہیں ہے جب بھی مال پر قدرت حاصل ہو تو ادا کر دے ادا ہو جائے گی، فرق یہ ہے کہ صدقہ فطر کا وقت مقرر ہے، زکوٰۃ کا وقت مقرر نہیں ہے۔

حنابلہ بھی شافعیہ کے ہم خیال ہیں، وہ کہتے ہیں، صدقہ فطر کا آخری وقت عید الفطر کے سورج غروب ہونے تک ہے کیوں کہ حدیث میں ہے: ”آج کے دن انہیں مانگنے سے بے نیاز کر دو“۔ اگر عید کے دن سے صدقہ فطر مؤخر کر دیا تو واجب کو اپنے وقت سے مؤخر

کرنے کا گناہ ہوگا، نیز اس میں حکم کی بھی خلاف ورزی ہے۔ اب قضاء واجب ہے کیوں کہ یہ عبادت ہے اور عبادت وقت نکلنے سے معاف نہیں ہوتی جیسے نماز۔ افضل یہ ہے کہ عید کے دن نماز عید سے پہلے صدقہ فطر ادا کرے اور اگر کسی جگہ نماز نہیں ہوتی تو اس وقت سے پہلے ادا کرے جس وقت بالعموم نماز عید ادا کی جاتی ہے۔ اس کی وضاحت آگے آرہی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں عید کے دن نماز کے بعد صدقہ فطر دینا جائز ہے اور وقت گزرنے سے پہلے صدقہ معاف نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ ذمے میں باقی رہے گا تا آنکہ ادا کیا جائے جیسے کہ دوسرے فرائض کے بارے میں یہی حکم ہے۔ اگر ادا کرنے پر قدرت ہونے کے باوجود عید کے دن سے مؤخر کر دیا تو گناہ گار ہوگا۔ اگر تنگ دستی کی حالت میں ادا کرنے کا مقررہ وقت گزر گیا تو معاف ہو جائے گا۔

### بحث سوم: صدقہ فطر میں کیا چیز، کیسی اور کتنی مقدار میں واجب ہے؟

حنفیہ کہتے ہیں کہ (۱۸) صدقہ فطر چار چیزوں میں واجب ہے: گندم، جو، کھجور اور کشمش اور اس کی مقدار نصف صاع گندم یا ایک صاع جو یا کھجور یا کشمش ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک صاع آٹھ عراقی رطل کے برابر ہے۔ عراقی رطل ایک سوتیس درہم کے برابر ہے۔ یعنی صاع ۳۸۰۰ گرام کے برابر ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد پانی سے وضو کرتے جو دو رطل کے برابر ہوتا اور ایک صاع سے غسل فرماتے جو آٹھ رطل کے برابر تھا (۱۹)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صاع بھی اتنا ہی تھا (۲۰) اور وہ ہاشمی صاع سے چھوٹا تھا۔ لوگ بالعموم ہاشمی صاع استعمال کرتے تھے۔

حنفیہ نے نصف صاع اور ایک صاع کی مقدار ثعلبہ بن صعیر العذری کی حدیث سے

لی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: ”ہر آزاد اور غلام کی طرف سے نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا جو صدقے میں دو“ (۲۱)۔

حنفیہ کے دن صدقہ فطر کی قیمت ادا کرنا: حنفیہ کے نزدیک اوپر مذکور اشیا میں سے کسی کی بھی قیمت درہم، دینار، روپے، پیسے اور اشیا میں سے جس سے چاہے دے سکتا ہے کیوں کہ اصل میں واجب یہ ہے کہ فقیر کو بے نیاز کر دیا جائے، کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”آج انہیں مانگنے سے بے نیاز کر دو“۔ اور بے نیازی قیمت سے زیادہ بہتر، عمدہ آسان اور مکمل طریقے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس سے ضرورت آسانی سے پوری ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نص کا دارمدار علت پر ہے کہ فقیروں کو بے نیاز کرنا۔

جمہور کی رائے یہ ہے (۲۲) کہ صدقہ فطر ایسے غلے اور پھلوں سے ادا کیا جائے جو بطور غذا استعمال ہوتے ہوں اور اس کی مقدار ایک صاع ہے۔ ان کے مذہب کی تفصیل یہ ہے:

مالکیہ کے نزدیک کسی شہر میں عام طور پر استعمال ہونے والی غذا میں سے صدقہ فطر دینا واجب اور اس کی نو اقسام ہیں: گندم، جو، سلٹ (جو کی ایک قسم ہے) مکئی، باجرہ، کھجور، کشمش اور پنیر یعنی خشک دودھ جس سے مکھن نکال لیا گیا ہے، پس ان کے نزدیک غذا کے طور پر استعمال ہونے والی اشیا سے صدقہ فطر ادا کرنا متعین ہے جو بالعموم ان نو اصناف میں شامل ہیں۔ ان کے سوا کسی دوسری شے سے صدقہ فطر دینا جائز نہیں۔ اگر کسی شہر کی عمومی خوراک کوئی اور چیز ہو تو ان اشیا سے بھی صدقہ دینا درست نہیں البتہ یہ جائز ہے کہ کم تر درجے کی شے کے بدلے اعلیٰ درجے کی شے دے مثلاً جو کے بجائے گندم دے دے۔ صدقہ فطر کی مقدار ایک صاع (چار مد) ہے اور درمیانی ساخت کے دونوں ہاتھوں کو ملا کر ہاتھ بھر کر جتنا غلہ آئے وہ ایک مد ہے۔

شافعیہ کے نزدیک کسی شہر یا علاقے میں عام استعمال میں آنے والی خوراک سے صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے اور مختلف علاقوں کی عمومی غذا مختلف ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں سال کے زیادہ حصے میں استعمال ہونے والی غذا کا اعتبار ہے۔ کم تر خوراک کی جگہ اعلیٰ درجے کی خوراک دی جا سکتی ہے لیکن اس کے برعکس جائز نہیں ہے۔ البتہ کمی پیشی میں مقدار کا اعتبار ہے قیمت کا نہیں بلکہ زیادہ طور پر بطور خوراک کے استعمال کا ہے۔ صحیح قول یہی ہے۔ کھجور اور چاول کی بہ نسبت گندم دینا بہتر ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ کھجور کی بہ نسبت جو دینا بہتر ہے اور کشمش کی بجائے کھجور دینا بہتر ہے۔ ایک شخص کی طرف سے صدقہ فطر میں دو الگ الگ جنسیں نہ دی جائیں۔ اگر کسی شہر میں کئی قسم کی خوراک کا یکساں رواج ہے تو جو چاہے دے دے۔ افضل یہ ہے کہ جو ان میں سب سے زیادہ عمدہ ہے وہ دے۔ نیز یہ کہ صاف ستھرا غلہ دینا واجب ہے، گھن لگے یا عیب دار غلے کا صدقہ درست نہیں، خواہ وہ کھایا جاتا ہو۔ صحیح روایت کے مطابق صدقہ فطر کی مقدار ایک صاع یعنی  $\frac{5}{8}$  یا  $\frac{6}{8}$  درہم یا  $\frac{5}{3}$  رطل بغدادی یا  $\frac{3}{2}$  یا  $\frac{3}{2}$  رطل اور سات اوقیہ مصری ہے۔

حنابلہ کے مطابق جن اجناس کا نص میں ذکر ہے یعنی گندم، جو، کھجور، کشمش اور پیاز ان میں سے کوئی ایک دینا واجب ہے۔ اگر یہ اصناف نہ ہوں تو جو غلہ اور پھل شہر میں عام استعمال ہوتا ہے اس میں سے دے اور دوسری کوئی غذا مثلاً گوشت یا دودھ دینا جائز نہیں۔ حنابلہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ اگر مذکورہ بالا اقسام میں صدقہ فطر ادا کرنے کی قدرت ہو تو دوسری کوئی شے دینا جائز نہیں۔

خواہ دوسری شے شہر میں عام غذا کے طور پر استعمال ہوتی ہو یا نہ۔ آٹا اور ستو دینا جائز ہیں۔ روٹی دینا جائز نہیں۔ جن اشیاء کے بارے میں نص آئی ہے ان میں سے جو چیز



بھی دے دی جائز ہے خواہ خود وہ خوراک نہ کھاتا ہو یا شہر کی عام غذا کوئی اور ہو۔

صدقہ فطر کی مقدار ایک عراقی صاع ہے جو ایک معتدل قامت کے آدمی کی دونوں ہاتھوں کی چار بھری ہوئی مٹھیاں ہیں کیوں کہ عہد نبویؐ میں یہی مقدار ادا کی جاتی تھی اور جمہور نے اس کا اندازہ کرتے ہوئے اس کی مقدار ۲۷۵۱ گرام بتائی ہے جب کہ کچھ علماء کی رائے میں ۲۱۷۶ گرام ہے۔ اور ہم نے پانچ وسق کی مقدار متعین کرتے ہوئے اسے رائے پر اعتماد کیا ہے۔

جمہور کی دلیل: اوپر مذکور احادیث نبویؐ جو حنفیہ کی بیان کردہ احادیث کی بہ نسبت صحیح تر ہیں۔ ان میں سے ایک ابو سعید خدریؓ کی حدیث ہے کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہم غلے (گندم)، جو، کھجور، کشمش یا پنیر کا ایک ایک صاع صدقہ فطر کے طور پر ادا کیا کرتے تھے“۔ دارقطنی نے حضرت مالک بن انسؓ کے حوالے سے بتایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع ۵/۳ عراقی رطل کے برابر تھا۔

جمہور کے نزدیک قیمت ادا کرنے کا حکم: جمہور کے نزدیک ان اشیا کی قیمت ادا کرنا جائز نہیں، جس کسی نے نقد رقم ادا کر دی اس کا صدقہ فطر ادا نہیں ہوگا، کیوں کہ ابن عمرؓ کا قول ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع کھجور اور ایک صاع جو بطور صدقہ فطر واجب کیا تھا“ (۲۳) اگر ان کے سوا کوئی اور چیز دی تو جو چیز فرض تھی وہ ادا نہیں کی گئی۔

**بحث چہارم: صدقہ فطر کے مستحبات اور جائز امور:**

فقہاء کا اتفاق ہے (۲۴) کہ صدقہ فطر عید الفطر کے دن فجر کے بعد نماز عید سے پہلے ادا کرنا مستحب ہے، حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

حکم دیا تھا کہ لوگوں کے نماز عید کے لیے نکلنے سے پہلے صدقہ فطر ادا کر دیا جائے (۲۵)۔ ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے: ”جس کسی نے نماز عید سے پہلے صدقہ دیا تو وہ مقبول زکوٰۃ ہے اور جس نے نماز عید کے بعد دیا اس کا صدقہ عام صدقات میں سے ہے“ (۲۶)۔ زکوٰۃ سے مراد صدقہ فطر ہے اور صدقہ سے مراد عام حالات میں کیا جانے والا صدقہ ہے جو اللہ کی مشیت پر ہے کہ چاہے تو اسے قبول کرے۔

البتہ اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ نماز عید کے پہلے صدقہ فطر دینا صرف مستحب ہے اور عید الفطر کی شام تک دینا درست ہے اور صدقہ فطر ادا ہو جاتا ہے۔ اگر کسی نے نماز عید کے بعد ادا کیا تو اس نے محض افضل عمل ترک کیا، کیوں کہ صدقہ فطر کا مقصد اس روز لوگوں کو مانگنے اور در بدر سوال کرنے سے بے نیاز کرنا ہے، کیوں کہ حدیث میں ہے ”اس روز فقرا کو مانگنے سے بے نیاز کر دو“۔ جس کسی نے نماز عید کے بعد صدقہ فطر دیا اس نے فقرا کو پورے دن کے لیے بے نیاز نہیں کیا بالخصوص نماز کے وقت ان کی تشویش برقرار رہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عید سے مؤخر کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور نماز سے پہلے صدقہ ادا کرنا مستحب ہے اور عید کے دن سے مؤخر کرنے کی حرمت پر فقہاء کا اتفاق ہے کیوں کہ یہ زکوٰۃ ہے اور اس کی تاخیر باعث گناہ ہے جیسا کہ نماز قضا کرنا باعث گناہ ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ شہر میں جو عمدہ خوراک استعمال ہوتی ہے اس میں دینا مستحب ہے اور ایک صاع سے زائد نہ دینا مستحب ہے بلکہ زائد دینا مکروہ ہے، کیوں کہ شارع جب کسی چیز کی کوئی مقدار مقرر کر دیں تو اس پر اضافہ بدعت ہے۔ بدعت سے کبھی سخت خرابی پیدا ہوتی ہے اور کبھی صرف مکروہ ہوتی ہے۔ اگر یقینی طور پر زائد مقدار ادا کی تو مکروہ ہے اور اگر شک دور کرنے کے لیے کچھ زیادہ دے دیا تو جائز ہے۔

## بحث پنجم: صدقہ فطر کے مصارف یعنی صدقہ فطر کون لے سکتا ہے؟

فقہاء کا اتفاق ہے (۲۷) کہ صدقہ فطر کے مصارف وہی ہیں جو فرض زکوٰۃ کے مصارف ہیں کیوں کہ صدقہ فطر بھی زکوٰۃ ہے، اس لیے اس کے مصارف وہی ہوں گے جو دوسری اقسام کی زکوٰۃ کے ہیں۔ نیز یہ صدقہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اس کے مصارف بھی مقرر ہیں: انما الصدقات للفقراء والمساکین (صدقات فقرا اور مساکین کا حق ہے، توبہ ۹: ۶۰) جس کسی کو مال زکوٰۃ دینا جائز نہیں اسے صدقہ فطر دینا بھی جائز نہیں۔ جمہور (مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کے نزدیک ذمی کو صدقہ فطر دینا جائز نہیں کیوں کہ یہ زکوٰۃ ہے، پس کسی غیر مسلم کو دینا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ زکوٰۃ غیر مسلم کو دینا جائز نہیں۔ ابن المنذر کہتے ہیں: اہل علم کا اجماع ہے کہ مال زکوٰۃ کسی ذمی کو دینا جائز نہیں ہے، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

حنفیہ کے نزدیک صدقہ فطر دیگر تمام مسائل میں زکوٰۃ کی طرح ہے البتہ صدقہ فطر ذمیوں کو دیا جاسکتا ہے اگرچہ مکروہ ہے اور اگر مال ضائع ہو جائے تو صدقہ فطر معاف نہیں ہوتا البتہ فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے کہ ذمیوں کو صدقہ فطر دینا جائز نہیں جیسا کہ مال زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیوں کہ زکوٰۃ کے بارے میں اوپر مذکور حدیث میں ہے کہ ”مسلمان مالداروں سے لے کر مسلمان فقرا میں تقسیم کی جائے“۔

اس بنا پر صدقہ فطر بالاتفاق ہر مسلمان آزاد فقیر غیر ہاشمی کو دیا جائے۔ ہاشمیوں کی عزت و شرف کے باعث صدقہ فطر نہ دیا جائے کیوں کہ یہ لوگوں کا میل ہے اور انہیں اس سے بچنا چاہیے لیکن موجودہ دور میں بنو ہاشم کو بیت المال سے وظائف ملنے بند ہو گئے ہیں اس لیے انہیں زکوٰۃ اور صدقہ فطر دیا جاسکتا ہے۔

اگر کسی شخص پر صدقہ فطر واجب ہے لیکن وہ صدقہ فطر کا کچھ حصہ، ایک صاع کا کچھ حصہ یا جتنا واجب ہے اس کی کچھ مقدار ادا کرنے پر قادر ہے تو جتنا ادا کر سکتا ہے اتنا ادا کرنا واجب ہے تاکہ بقدر امکان واجب صدقہ فطر کے ادا کرنے کی حفاظت کی جائے اور پہلے اپنی طرف سے دے پھر ان افراد کی طرف سے جو اس کے زیر کفالت ہیں۔ جمہور کے نزدیک زیر کفالت افراد میں سے پہلے بیوی کی طرف سے دے کیوں کہ اس کے نفقہ کی زیادہ تاکید ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیٹے کے بجائے والد کی طرف سے پہلے ادا کرے اور اس ترتیب کی دلیل یہ حدیث نبویؐ ہے کہ ”اپنی ذات سے آغاز کرو، پھر اپنے زیر کفالت افراد سے“ (۲۸) چوں کہ صدقہ فطر کی بنیاد نفقہ پر ہے جیسے نفقہ میں پہلے اپنی ذات سے شروع کرے اسی طرح صدقہ فطر میں بھی اپنی ذات سے شروع کرے۔

شافعیہ کے نزدیک پہلے اپنی طرف سے، پھر بیوی کی طرف سے، پھر چھوٹی اولاد کی طرف سے، پھر والد اور پھر والدہ کی طرف سے اور پھر بڑی اولاد کی طرف سے کیوں کہ مسلم میں حدیث ہے: ”اپنی ذات سے شروع کرو اور اس پر صدقہ کرو، اگر بیچ جائے تو گھر والوں کو دو، ان سے بیچ جائے تو قریبی رشتہ داروں کو دو“۔

ان قرابت داروں کو صدقہ فطر دینا جائز ہے جن کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ مالدار کو دینا جائز نہیں اور نہ اس قرابت دار کو جس کے اخراجات اس کے ذمے ہوں اور نہ کسی ایسے فرد کو جسے زکوٰۃ دینا جائز نہ ہو۔ صدقہ فطر آٹھوں اصناف میں تقسیم کرنا جائز ہے کیوں کہ یہ صدقہ ہے اور زکوٰۃ کے مشابہ ہے۔

شافعیہ کا ظاہر مذہب تو یہ ہے کہ اسے بھی آٹھ اصناف میں تقسیم کیا جائے لیکن یہ کام بہت مشکل ہے اس لیے بعض شافعیہ نے کہا ہے کہ کسی ایک کو ہی دینا چاہیے اور ہمارے

دور میں اس قول کی تقلید کرنے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ باجوری نے کہا ہے کہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اگر امام شافعی زندہ ہوتے تو وہ بھی یہی فتویٰ دیتے۔

فقہاء نے اس امر کی اجازت دی ہے کہ ایک صاع کئی مساکین کو تقسیم کر دینا جائز ہے اور امام شافعی کے سوا دوسرے فقہاء نے کسی ایک فقیر کو کئی صاع دینے کو جائز قرار دیا ہے اور ہر شخص اپنا صدقہ فطر ایک یا کئی مساکین کو دے سکتا ہے۔ یعنی جمہور نے کئی لوگوں کا صدقہ فطر ایک مسکین کو اور ایک شخص کا صدقہ فطر کئی مساکین کو دینا جائز قرار دیا ہے۔ ایک آدمی کا صدقہ فطر کئی فقرا کو دینے کے جواز پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کیوں کہ صدقہ مستحقین کو دیا گیا ہے اور جس طرح ایک شخص کو دینے سے ادا ہو جاتا ہے اسی طرح کئی لوگوں کو دینے سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔

کئی لوگوں کا صدقہ ایک فقیر کو دینے کے بارے میں امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ صدقہ کو چھ اصناف میں تقسیم کرنا اور ہر حصہ ہر صنف کے تین افراد کو دینا واجب ہے، جیسا کہ مصارف زکوٰۃ میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے لیکن جمہور کی رائے راجح ہے کیوں کہ اس صدقہ کے مصارف اس طرح متعین نہیں ہیں اس لیے کسی ایک کو دینا بھی جائز ہے۔ پس یہ بھی جائز ہے کہ ایک شخص کو کئی آدمیوں کا صدقہ فطر دے دیا جائے۔

## حواشی و تعلیقات

- ۱- صحاح ستہ نے روایت کی (نیل الاوطار، ۴: ۱۷۹)۔
- ۲- ابوداؤد؛ ابن ماجہ (ایضاً، ۴: ۱۸۴)۔
- ۳- عبدالرزاق؛ ابوداؤد وغیرہ نے زہری سے متعدد طرق سے روایت کی، (نصب الراية، ۲: ۴۰۶)۔
- ۴- دیکھیے، نیل الاوطار، ۴: ۱۸۴۔
- ۵- دارقطنی؛ ابن عدی اور حاکم نے علوم الحدیث میں ابن عمرؓ سے روایت کی۔
- ۶- الدر المختار، ۲: ۹۸ وبعده؛ الفتاویٰ الہندیہ، ۱: ۱۷۹؛ الشرح الصغير، ۱: ۶۷۲؛  
بداية المجتهد، ۱: ۲۶۹؛ مغنی المحتاج، ۱: ۴۰۲؛ المہذب، ۱: ۱۶۳؛ المغنی، ۳: ۵۵؛  
کشاف القناع، ۲: ۲۸۷۔
- ۷- الدر المختار و رد المحتار، ۲: ۱۰۹۔
- ۸- کتاب مع اللباب، ۱: ۱۵۹ وبعده؛ الدر المختار، ۲: ۱۰۱، ۹۹۔
- ۹- فتح القدیر، ۲: ۲۹-۳۱؛ الدر المختار، ۲: ۹۹؛ الفتاویٰ الہندیہ، ۱: ۱۷۹-۱۸۱۔
- ۱۰- امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔ صحیحین میں ہے: ”بہترین صدقہ وہ ہے جو مال دار ہونے کی حالت میں دیا جائے“۔ (نصب الراية، ۲: ۴۱۱)۔
- ۱۱- الشرح الكبير، ۱: ۵۰۲-۵۰۶؛ مغنی المحتاج، ۱: ۴۰۲-۴۰۴، ۴۰۷؛ کشاف القناع، ۲: ۲۸۷-۲۹۰؛ المغنی، ۳: ۶۹، ۷۱، ۷۶۔
- ۱۲- الدر المختار و حاشیہ ابن عابدین، ۲: ۹۹ وبعده؛ الفتاویٰ الہندیہ، ۱: ۱۸۲۔
- ۱۳- المغنی، ۳: ۸۰ وبعده؛ المہذب، ۱: ۱۷۵۔

- ۱۴۔ تبیین الحقائق، ۱: ۳۱۰ و بعد؛ الفتاویٰ الہندیہ، ۱: ۱۷۹؛ فتح القدیر، ۲: ۴۱؛ اللباب، ۱: ۱۶۱ و بعد؛ الدر المختار، ۲: ۱۰۶۔
- ۱۵۔ بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۷۳؛ القوانین الفقہیہ، ۱۱۲؛ الشرح الصغیر، ۱: ۶۷۷ و بعد؛ مغنی المحتاج، ۱: ۴۰۱ و بعد؛ المہذب، ۱: ۱۶۵؛ کشف القناع، ۲: ۲۹۴؛ المغنی، ۳: ۶۷-۶۹؛ الشرح الکبیر، ۱: ۵۰۸۔
- ۱۶۔ بخاری۔
- ۱۷۔ دارقطنی۔
- ۱۸۔ البدائع، ۲: ۷۲ و بعد؛ الفتاویٰ الہندیہ، ۱: ۱۷۹؛ فتح القدیر، ۲: ۳۶-۴۱؛ الکتاب مع اللباب، ۱: ۱۲۷، ۱۶۰؛ تبیین الحقائق، ۱: ۳۰۸ و بعد۔
- ۱۹۔ حضرت انسؓ کی حدیث دارقطنی نے تین طرق سے روایت کی ہے۔ حضرت جابرؓ سے ابن عدی نے روایت کی جو ضعیف ہے اور صحیح وہ حدیث ہے جو حضرت انسؓ نے بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مُد سے وضو اور پانچ مُد پانی سے غسل کیا کرتے تھے، جیسا کہ بیہقی میں ہے۔ (نصب الرایۃ، ۲: ۴۳۰)۔
- ۲۰۔ ابن ابی شیبہ نے حسن بن صالح سے روایت کی (ایضاً)۔
- ۲۱۔ ابو داؤد نے روایت کی ہے۔ ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح کی ایک حدیث مروی ہے (نیل الاوطار، ۴: ۱۸۳؛ نصب الرایۃ، ۲: ۴۰۶ و بعد؛ ۴۱۸) یہ حدیث معلول مضطرب ہے کیوں کہ ابو سعیر کے نام میں اور لفظ میں اختلاف ہے۔
- ۲۲۔ الشرح الصغیر، ۱: ۶۷۵ و بعد؛ بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۷۲؛ القوانین الفقہیہ، ۱۱۲؛ مغنی المحتاج، ۱: ۴۰۵-۴۰۷؛ المہذب، ۱: ۱۶۵؛ المغنی، ۳: ۶۵-۶۰؛ کشف القناع، ۲:

۲۹۵-۲۹۷۔

۲۳۔ صحاح ستہ نے روایت کی (نیل الاوطار، ۴: ۱۷۹)۔

۲۴۔ فتح القدير، ۲: ۳۲؛ اللباب، ۱: ۱۶۲؛ حاشیہ ابن عابدین، ۲: ۱۰۷؛ القوانین الفقہیہ، ۱۱۲؛

الشرح الصغير، ۱: ۶۷۷؛ المہذب، ۱: ۱۶۵؛ مغنی المحتاج، ۱: ۴۰۲؛ کشاف القناع، ۲:

۲۹۳؛ المغنی، ۳: ۶۶ و بعد۔

۲۵۔ ابن ماجہ کے سوا صحاح ستہ نے روایت کی (نیل الاوطار، ۴: ۱۸۳)۔

۲۶۔ ابوداؤد؛ ابن ماجہ (نیل الاوطار، ۴: ۱۸۳)۔

۲۷۔ الدر المختار و رد المختار، ۲: ۱۰۷-۱۰۸؛ بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۷۳؛ القوانین الفقہیہ، ۱۱۲؛ الشرح

الصغير، ۱: ۶۷۷ و بعد؛ المہذب، ۱: ۱۷۰؛ حاشیہ الباجوری، ۱: ۲۹۱؛ المغنی، ۳: ۷۳، ۷۸، ۷۹؛

مغنی المحتاج، ۱: ۴۰۵۔

۲۸۔ یہ دو احادیث کا مجموعہ ہے۔ پہلے حصے کو احمد، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا اور

دوسرے حصے کو طبرانی نے حکیم بن حزامؓ سے اور نسائی نے طارق الحارثیؓ سے روایت کیا۔ (نیل

الاطار، ۶: ۳۲۱، ۳۲۷)۔

☆☆☆



## فصل سوم

### نفل صدقہ

نفل صدقے کے احکام پر بحث، جو اس کے استحباب، مخفی طور صدقہ دینے، تمام مال کے صدقہ کرنے، صدقہ میں بہترین طرز عمل، جسے صدقہ دیا جائے (مالدار، کافر، قریبی رشتہ دار، شدید ضرورت مند، میت پر صدقہ) مقروض کا صدقہ دینا، جس کے ذمے کسی کا نفع ہو اس کا صدقہ دینے، تمام مومنوں کی نیت کرنے، مال حرام سے صدقہ دینے، صدقہ دیے ہوئے مال کو خرید کر یا کسی دوسرے طریقے سے واپس لے لینے، بلا ضرورت سوال کرنے کی حرمت اور اللہ کے نام پر سوال کرنے کی کراہت پر مشتمل ہے۔

### ۱۔ نفل صدقے کا حکم:

نفل صدقہ تمام اوقات میں مستحب ہے۔ کتاب اللہ اور سنت نبویؐ نے اسے سنت قرار دیا ہے۔ (۱) کتاب اللہ میں ارشاد ہے: **من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً فیضاعفه له اضعافاً کثیرة** (جو کوئی اللہ کو قرض حسن دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔ البقرہ ۲: ۲۴۵)۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں صدقہ دینے کا حکم دیا ہے۔ سنت میں بھی بہت سی احادیث صدقے سے متعلق ہیں، مثلاً ارشاد نبویؐ ہے: ”جو کسی بھوکے کو کھانا کھلائے اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھلوں میں سے کھلائے گا، جو کسی مومن کو پیاس میں پانی پلائے اللہ تعالیٰ اسے جنت کی سر بھر شراب پلائے گا، جو کسی عریاں بدن کو لباس پہنائے۔ اللہ تعالیٰ اسے جنت کی خلعت سے نوازے گا“ (۲)۔

نیز ارشاد نبویؐ ہے: ”بندہ جب پاکیزہ مال سے صدقہ کرتا ہے تو اللہ اسے قبول کرتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے اور پھر اس کی اس طرح پرورش کرتا ہے جیسے پھڑے یا پچھیرے کی پرورش کی جاتی ہے آدمی ایک لقمہ صدقہ کرتا ہے، اللہ اسے اپنے ہاتھ میں لے کر پالتا اور بڑھاتا ہے حتیٰ کہ وہ پہاڑ جتنا ہو جاتا ہے، پس صدقہ کیا کرو“ (۳) کبھی صدقہ دینا حرام بھی ہوتا ہے مثلاً جب معلوم ہو کہ اسے لینے والا اسے کسی حرام کام میں خرچ کرے گا اور کبھی واجب ہوتا ہے مثلاً کوئی مجبور اور مضطر ہو اور صدقہ دینے والے کے پاس زائد از ضرورت خوراک ہو۔

## ۲۔ نفل صدقہ چھپا کر دینا اور رمضان میں دینا:

اعلانیہ اور سب کے سامنے صدقہ دینے کے بجائے چھپا کر صدقہ دینا افضل ہے۔ افضل یہ ہے کہ نفل صدقہ چھپا کر دے نہ کہ زکوٰۃ کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ان تبسوا الصدقات فنعمما ہی وان تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خیر لکم ویکفر عنکم سیئاتکم (اگر تم صدقات اعلانیہ دو تو بھی اچھا ہے اور اگر چھپا کر فقرا کو دو تو بہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا، البقرہ ۲: ۲۷۱)۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ جس روز عرش الہی کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا اس روز جو سات لوگ اس کے سائے میں ہوں گے ان میں ”ایک وہ شخص بھی ہوگا جو اس طرح چھپا کر صدقہ دیتا تھا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں ہوتا تھا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا“۔ طبرانی نے المعجم الصغیر میں روایت کی ہے: ”منخفی طور پر صدقہ دینا غضب خداوندی کو ٹھنڈا کر دیتا ہے“۔

دوسرے اوقات کی بہ نسبت رمضان میں صدقہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔ ترمذی میں

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، کون سا صدقہ افضل ہے، آپؐ نے فرمایا: ”رمضان میں صدقہ کرنا“ کیوں کہ رمضان میں فقرا روزے کے باعث کمزور ہو جاتے ہیں اور محنت مزدوری کے قابل نہیں رہتے۔ نیز رمضان میں نیکیوں کا ثواب کئی گنا زیادہ ملتا ہے۔

دوسرے بابرکت دنوں میں مثلاً ذوالحجہ کے دس دن اور عید کے دنوں میں نیز مقدس مقامات پر مثلاً مکہ اور مدینہ میں اور اہم مواقع پر مثلاً جہاد اور حج میں اور اہم حالات میں مثلاً سورج گرہن، بیماری اور سفر میں صدقہ کرنے کی زیادہ تاکید ہے۔

اگر کھانے کی بہ نسبت پانی کی ضرورت زیادہ ہو تو پانی صدقہ کرنے کی زیادہ تاکید ہے۔ کیوں کہ ابو داؤد کی حدیث میں ہے: ”کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: پانی“۔ اگر کھانے کی ضرورت زیادہ ہو تو کھانا صدقہ کرنا افضل ہے نیز دودھ والا جانور صدقہ کرنے کی تاکید ہے مثلاً جو کوئی دودھ کا ضرورت مند ہے اسے شیردار بکری دے دی جائے، جب تک وہ دودھ دیتی ہو اور جب خشک ہو جائے تو واپس لے لی جائے، کیوں کہ اس میں زیادہ نیکی اور احسان ہے۔

ضرورت کے وقت بکثرت صدقہ کرنا مستحب ہے۔ ارشاد ربانی ہے: او اطعام فی یوم ذی مسغبة (شدید بھوک کی حالت میں کھانا کھلانا، البلد، ۹۰: ۱۴) جب بھی کسی گناہ کا ارتکاب ہو تو اس کے بعد صدقہ کرنا مسنون ہے اور صدقہ کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے کیوں کہ صدقہ عبادت ہے (۴)۔

### ۳۔ سارا مال صدقہ کر دینا:

اگر آدمی اکیلا ہے یا ایسے افراد کا نگران ہے جو خود کفیل ہیں اور اپنا تمام مال صدقہ کرنا

چاہتا ہو اور خود کمانے کی اہلیت رکھتا ہو یا اسے اپنے آپ پر توکل کرنے کا اعتماد ہو اور فقر کی حالت برداشت کر سکتا ہو، سوال سے بچ سکتا ہو تو ایسا کرنا اچھا ہے ورنہ جائز نہیں بلکہ مکروہ ہے (۵)، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ: ”کون سا صدقہ افضل ہے؟“ آپ نے فرمایا: جو کسی فقیر کو خاموشی سے دیا جائے یا جو کم پیسے والے آدمی کی محنت کا ثمر ہو“ (۶)، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم دیا، اس وقت میرے پاس مال تھا، میں نے سوچا، اگر میں کبھی ابو بکرؓ سے آگے بڑھ سکتا ہو تو آج موقع ہے، میں اپنا آدھا مال لے آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے، میں نے کہا، اتنا ہی ان کے لیے چھوڑ آیا ہوں، ابو بکرؓ اپنا سارا مال لے آئے، آپ نے پوچھا، گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ کہا، اللہ اور اس کا رسول، میں نے کہا، آج کے بعد میں کسی کام میں آپ کا مقابلہ نہیں کروں گا (۷)۔ یہ فضیلت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے یقین کی قوت اور ایمان کے کمال کے باعث حاصل تھی نیز آپ تاجر ہونے کی وجہ سے کمانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

## ۴۔ صدقہ کا بہترین طریقہ

صدقہ میں بہتر یہ ہے کہ آدمی اپنی اور اپنے مستقل زیر کفالت افراد کی ضرورت سے زائد صدقہ کر دے۔ اگر اس طرح صدقہ کیا کہ اپنی یا اپنے زیر کفالت افراد کی ضرورتوں کا حرج ہو تو گناہ ہے (۸) کیوں کہ ارشاد نبوی ہے: ”بہترین صدقہ وہ ہے جو مالدار ہونے کی حالت میں دیا جائے اور اپنے زیر کفالت افراد سے آغاز کرو“ (۹)۔ یعنی نفس میں غنا ہو اور فقر برداشت کرنے کا حوصلہ ہو۔ نیز گناہ کے بارے میں ارشاد نبوی ہے: ”آدمی کے گناہ گار ہونے کے لیے کافی ہے کہ اپنے زیر کفالت افراد کو ضائع کر دے“ (۱۰)۔

## ۵۔ زائد از ضرورت مال صدقہ کرنا مستحب ہے:

اپنے ضروری اخراجات سے زائد مال صدقہ کرنا مستحب ہے (۱۱) کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”آدمی کو چاہیے کہ اپنے روپے پیسے، دینار و درہم، اپنے گندم اور کھجور کے صاع سے صدقہ کرے“ (۱۲)۔

## ۶۔ جو آسانی سے ہو سکے صدقہ کر دیا جائے:

مستحب یہ ہے کہ جس قدر آسانی سے ممکن ہو صدقہ کرے، مستقل مقرر نہ کرے اور کسی بھی مقدار کو کمی کی وجہ سے حقیر نہ سمجھے کہ اس کا صدقہ نہ کرے کیوں کہ اللہ کے نزدیک تھوڑی نیکی بھی بہت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے قبول کر لے اور اس میں برکت ڈالے وہ تھوڑی نہیں ہوتی (۱۳)۔ ارشاد ربانی ہے: فمن يعمل مثقال ذرة خیر یرہ (جو ذرہ برابر نیکی بھی کرے گا اسے دیکھ لے گا، الزلزال، ۹۹: ۷)۔ صحیحین میں عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ: ”آگ سے بچو، خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعے“۔ نیز صحیحین میں ہی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: ”اے مسلمان بیبیو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو ہدیہ بھیجنا حقیر نہ سمجھے خواہ بکری کا گھر ہی کیوں نہ ہو“۔ (اونٹ اور بکری کے گھر کو فرسن اور دوسرے جانوروں کے گھر کو حافر کہتے ہیں) نسائی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ: ایک درہم ایک لاکھ درہم سے بڑھ گیا، ایک شخص نے کہا، وہ کیسے یا رسول اللہؐ، آپؐ نے فرمایا: ”ایک شخص کے پاس بہت مال ہے، اس نے اس میں سے معمولی سا حصہ ایک لاکھ درہم صدقہ کیا، دوسرے کے پاس دو ہی درہم ہیں، اس نے ان میں سے ایک درہم صدقہ کر دیا“۔

## ۷۔ نیک لوگوں کو صدقہ دینا:

مستحب یہ ہے کہ نیک، پرہیزگار، اچھے کام کرنے والے ضرورت مند افراد کو بطور

خاص صدقہ دیا جائے (۱۴)۔

## ۸۔ کن لوگوں کو صدقہ دیا جائے (۱۵)؟

ا۔ قریبی رشتہ دار: افضل یہ ہے کہ قریبی رشتہ داروں کو بطور خاص صدقہ دیا جائے، پھر پڑوسیوں کو پھر دوسرے لوگوں میں سے جو زیادہ مستحق ہوں کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: یتیماناً ذامقربۃ (قرابت دار یتیم، البلد ۹۰: ۱۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی بیوی زینب سے فرمایا: ”جن لوگوں پر تم صدقہ کرتی ہو ان میں تمہارا شوہر اور اولاد زیادہ مستحق ہیں“ (۱۶)۔ نیز ایک حسن حدیث میں جو احمد، ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کی ہے ارشاد نبویؐ ہے: ”مسکین کو صدقہ دینا محض صدقہ دینا ہے اور قریبی رشتہ دار کو صدقہ دینے کا دو گنا ثواب ہے ایک صدقے کا دوسرا صلہ رحمی کا“۔ بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ: ”انہوں نے پوچھا، میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے کون میرے ہدیے کا زیادہ مستحق ہے، آپؐ نے فرمایا: جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہے“۔ اسی طرح تمام اقسام کی زکوٰۃ، کفاروں، وصیتوں، اوقاف اور تمام کار خیر میں مستحب یہ ہے کہ اگر قریبی رشتہ دار مستحق ہوں تو پہلے انہیں دیا جائے اور یہ بھی مستحب ہے کہ قریبی رشتہ داروں میں جو لوگ سخت ترین عداوت رکھتے ہوں انہیں دیا جائے تاکہ ان کی دشمنی محبت و الفت میں تبدیل ہو سکے۔

ب۔ سخت ضرورت مند: سخت ضرورت مند کو صدقہ دینا مستحب ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: أو مسکیناً ذامتربة (خاک آلود مسکین کو، البلد ۹۰: ۱۶)۔

ج۔ مالدار، ہاشمی، کافر اور فاسق کو: مالدار خواہ قریبی رشتہ دار ہو اسے صدقہ دینا جائز ہے کیوں کہ جعفر بن محمد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ وہ مکے اور مدینے کے درمیان

صدقے کی سبیلوں سے پانی پیا کرتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا، کیا آپ صدقے کا پانی پیتے ہیں، انہوں نے کہا، اللہ نے ہمیں فرض صدقہ لینے سے منع کیا ہے (۱۷)۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے صحیحین میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چور، زانیہ اور مال دار کو صدقہ دینے کو جائز قرار دیتے ہوئے فرمایا: ”کہہ سکتا ہے چور صدقہ لے کر چوری سے باز آ جائے اور زانیہ مال پا کر بدکاری چھوڑ دے اور مال دار کو نصیحت ہو اور وہ خود بھی صدقہ کرنے لگ جائے“۔ مالدار کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ صدقہ لینے سے بچے اور اپنے آپ کو صدقہ کے لیے پیش کرنا مال دار کے لیے مکروہ ہے۔

ہاشمی کو صدقہ دینے کا جواز اکثر علماء کی آراء کے مطابق ہم زکوٰۃ کی بحث میں بیان کر چکے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسرے ہاشمیوں کے لیے صدقہ لینا جائز ہے۔ آپ کے مقام و مرتبے کے باعث آپ کے لیے جائز نہیں۔

فاسق، کافر، یہودی، عیسائی یا مجوسی، ذمی ہو، چاہے حربی سب کو صدقہ دینا جائز ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَبَتِيْمًا وَاسِيْرًا (اور اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں، الانسان ۸:۸۶) اور یہ معلوم ہے کہ قیدی حربی کافر ہی ہوتا ہے، صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے پیاسے کتے کو پانی پلانے کے بارے میں حدیث میں ہے: ”ہر جگر والے کے جگر کو ٹھنڈا کرنے کا اجر ہے“ رہی وہ حدیث جس میں کہا گیا ہے کہ ”تیرا کھانا متقی کے سوا کوئی نہ کھائے“ تو اس میں اولویت بتائی گئی ہے کہ بہتر یہ ہے۔

دمیت پر صدقہ کرنا: میت کے ایصال ثواب کے لیے صدقہ کرنے کا نفع ہوتا ہے جیسا کہ کتاب الجنائز میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ کھانے، پینے، کپڑے اور روپے پیسے کا صدقہ

کرنے کا میت کو ثواب پہنچتا ہے نیز اسے دعا وغیرہ کا بھی فائدہ ہے جیسا کہ کہا جائے یا اللہ تو اسے بخش دے، یا اللہ تو اس پر رحم فرما۔ اس پر اجماع ہے۔ بدنی اعمال مثلاً نماز، روزے کا ثواب میت کو بخشنا درست نہیں ہے (۱۸)۔ البتہ تلاوت قرآن مثلاً سورت فاتحہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنا، امام مالک اور شافعی کہتے ہیں کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں اور اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔

## ۹۔ مقروض یا جس کے ذمے کسی کے اخراجات ہوں، اس کا صدقہ کرنا: (۱۹)

مستحب یہ ہے کہ جو شخص مقروض ہو یا اس کے ذمے اپنا یا اپنے خاندان کا نفقہ ہو جب تک اپنا قرض ادا نہ کر لے صدقہ نہ کرے۔ شافعیہ کے نزدیک جو شخص مقروض ہے اور اس کے پاس قرض ادا کرنے کی گنجائش نہیں یا جس کے پاس اپنے ذاتی اخراجات یا اپنے زیر کفالت افراد کے اخراجات کے لیے ایک دن رات کی ضرورتیں پورا کرنے کے لیے بھی مال نہیں ہے اس کے لیے صدقہ کرنا حرام ہے، کیوں کہ قرض ادا کرنا اور اخراجات پورے کرنا واجب ہیں اور نفل صدقہ کی وجہ سے واجب چھوڑنا جائز نہیں، پہلے قرض ادا کرے کیوں کہ وہ ادا کرنا واجب ہے۔ اسے مسنون عمل پر مقدم رکھے۔ اگر اسے امید ہو کہ کسی دوسری طرف سے مال آئے گا جس سے قرض ادا ہو جائے گا تو صدقہ کرنے میں حرج نہیں البتہ اگر مال آنے میں دیر ہونے کا امکان ہے اور قرض فوری ادا کرنا ہے تب بھی قرض ادا کرے، صدقہ نہ کرے۔ اخراجات کو صدقہ پر مقدم کرنے کے لیے اوپر مذکور حدیث دلیل ہے کہ: ”آدمی کے لیے یہی گناہ کافی ہے کہ اپنے زیر کفالت افراد کو ضائع کر دے اور جو لوگ زیر کفالت ہیں ان کے اخراجات پورے کرنے سے آغاز کر دے“ (۲۰)



کیوں کہ اہل اعیال کی ضرورت پوری کرنا فرض ہے یہ نفل پر مقدم ہے۔ نیز ضیافت بھی صدقے کی طرح ہے۔

رہی وہ حدیث جس میں ایک انصاری کا اپنا اور اپنے بچوں کا کھانا مہمان کو کھلانے کا ذکر ہے تو اس میں بچے کھانے کے شدید ضرورت مند نہیں تھے اور میاں بیوی نے اپنا حق صدقہ کر دیا کیوں کہ وہ دونوں خود برداشت کر سکتے تھے۔ مرد نے بچوں کی ماں سے کہا تھا کہ بچوں کو سلا دو کیوں کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ کھانا دیکھ کر بلا ضرورت بھی مانگنے لگ جاتے ہیں۔

### ۱۰۔ تمام اہل ایمان کی نیت کرنا:

افضل یہ ہے کہ نفل صدقے میں تمام اہل ایمان مردوں اور عورتوں کو ثواب پہنچانے کی نیت کرے، کیوں کہ اس سے انہیں ثواب پہنچ جائے گا اور اس کے ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی (۲۱)۔

### ۱۱۔ حرام مال سے صدقہ کرنا:

حنفیہ کہتے ہیں (۲۲) اگر کسی نے قطعی حرام مال سے صدقہ دیا، اس سے مسجد وغیرہ تعمیر کی جس سے ثواب کی امید ہوتی ہے اور اسے جائز سمجھ کر ثواب کی امید رکھی تو کافر ہو جائے گا کیوں کہ گناہ کو جائز سمجھنا کفر ہے اور حرام کام پر کوئی ثواب نہیں۔ البتہ اگر کسی شخص سے جبراً سو روپیہ چھین لیا اور کسی دوسرے سے ویسے سو روپیہ لیا اور دونوں کو ملا دیا، پھر اس میں سے صدقہ کیا تو کافر نہیں ہوگا کیوں کہ حرام اور حلال باہمی مل جانے کے باعث ان میں سے کوئی رقم بھی متعین طور پر حرام نہیں رہی کیوں کہ وہ شخص ملے جلے ماں کا مالک ہو گیا اور اسی میں سے اس نے خرچ کیا، اب اس کا تادان ادا کرنا واجب ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ دو

اسباب کی بنا پر ایسا شخص کافر قرار پائے گا ایک دلیل کی قطعیت کے باعث اور دوسرے مال کے متعین طور پر حرام ہونے کے باعث جیسا کہ خنزیر کا گوشت حرام ہے۔ جب کہ کسی دوسرے کا مال حرام لعینہ نہیں ہے حرام لغیرہ ہے، اس لیے ایسا مال لینا حنفیہ کے نزدیک حرام محض نہیں ہوگا اگرچہ اس کا تاوان دیے بغیر اس سے نفع اٹھانا مباح نہیں۔

### ۱۲۔ صدقے میں حرام، مکروہ اور مستحب امور:

جس شخص کے پاس مال ہو یا جو محنت مزدوری کر سکتا ہو اس کے لیے سوال کرنا حرام ہے، ایسے شخص کے لیے سوال کیے بغیر اپنے فاقے کا اظہار کرنا بھی حرام ہے (۲۳)۔ وہ حدیث اسی دوسرے معنی پر محمول کی گئی ہے جس میں ہے کہ اہل صفہ میں سے ایک شخص مر گیا تو اس کے پاس سے دو دینار نکلے آپ نے فرمایا: ”آگ کے دو انگارے“۔

صدقہ کر کے احسان جتانے سے ثواب ختم ہو جاتا ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: یا ایہا الذین آمنوا لا تبطلوا صدقاتکم باليمن والاذی (اے ایمان والو، احسان جتلا کر اور اذیت دے کر اپنے صدقات باطل نہ کرو، البقرہ، ۲: ۲۶۳)۔

قصداً گھٹیا چیز صدقے میں دینا مکروہ ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ولا تيمموا الخبيث منه تنفقون (جو تم خرچ کرنا چاہتے ہو اس میں گھٹیا چیز دینے کا ارادہ نہ کرو، البقرہ، ۲: ۲۶۷) اور قصداً عمد اور پسندیدہ چیز دینا مستحب ہے (۲۴) کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون (تم نیکی کے بلند معیار کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنا عمدہ مال خرچ نہ کرو۔ آل عمران، ۳: ۹۲)۔

مشتبہ مال خرچ کرنا مکروہ ہے، مستحب یہ ہے کہ ایسا مال خرچ کرے جو حرمت اور اشتباہ سے پاک صاف ہو (۲۵)، کیوں کہ حضرت ابو ہریرہ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے جو

صحیحین میں ہے کہ: ”جو شخص حلال کی کمائی سے کھجور کا ایک ٹکڑا خرچ کرتا ہے اور اللہ پاکیزہ مال کے سوا قبول ہی نہیں کرتا، تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کر کے اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر اسے اس طرح پالتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے بچھڑے کو پالتا ہے اور اسے اتنا بڑا کر دیتا ہے کہ وہ پہاڑ جتنا ہو جاتا ہے۔“

مستحب یہ ہے کہ صدقہ خوش دلی اور ظاہری بشارت سے دے کیوں کہ اس میں زیادہ ثواب ہے اور دل پر جبر بھی ہے۔ صدقہ مستحق کو دیتے وقت بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے کیوں کہ یہ عبادت ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ صدقہ دینے والا مستحق سے کسی دعا کی امید نہ رکھے تاکہ اس کے صدقے کا اجر کم نہ ہو، اگر مستحق از خود دعا کرے تو جواب میں اس کو ویسی ہی دعا دے تاکہ صدقہ کا ثواب کم نہ ہونے پائے۔ (۲۶)

جو شخص کسی کو صدقہ یا زکوٰۃ یا کفارہ یا نذر وغیرہ کے طور پر کوئی چیز ثواب کی نیت سے دیتا ہے تو اس سے صدقہ کے ذریعے یا خرید کر یا معاوضہ یا ہبہ کے طور پر واپس لینا مکروہ ہے بلکہ اگر وراثت کے طور پر اس کا مالک ہو جائے تو مکروہ نہیں یا اس سے آگے کسی اور کے پاس وہ چیز چلی جائے تو اس سے واپس لینے میں کراہت نہیں ہے کیوں کہ حضرت عمرؓ کی اوپر مذکور حدیث میں ہے، جو صحیحین نے روایت کی کہ: ”میں نے ایک شخص کو فی سبیل اللہ سواری کے لیے گھوڑا دیا، اس نے اس کی مناسب دیکھ بھال نہیں کی، میں نے چاہا کہ میں اس سے خرید لوں، میرا خیال ہوا کہ وہ مجھے ستا دے دے گا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا اس سے نہ خریدنا، خواہ وہ تجھے ایک درہم کا دے رہا ہو کیوں کہ صدقہ دے کر واپس لینا ایسا ہے جیسا کہ کتائقے کر کے چاٹ لے۔“

یاد رہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے وکیل، بیٹے یا ملازم وغیرہ کو کوئی چیز کسی سائل وغیرہ

کو نفل صدقہ کے طور پر دینے کے لیے دی تو جب تک اس شخص کے قبضے میں نہ چلی جائے۔ جس کے لیے دی گئی ہے اصل مالک کی ملکیت رہے گی، اگر اس نے اس شخص کو نہیں دی جس کے لیے بھیجی گئی تھی تو مستحب یہ ہے کہ مالک واپس نہ لے بلکہ کسی اور پر صدقہ کر دے۔ اگر واپس لے کر استعمال کر لی تو جائز ہے کیوں کہ اس کی ملکیت ابھی باقی تھی (۲۷)۔

اللہ کے نام پر جنت کے سوا اور کچھ مانگنا کسی بھی انسان کے لیے مکروہ ہے اور جو اللہ کے نام پر مانگے اسے نہ دینا مکروہ ہے اور اس کی سفارش نہ کرنا مکروہ ہے (۲۸) کیوں کہ حدیث میں ہے ”اللہ کے نام پر جنت کے سوا کسی چیز کا سوال نہیں کر چاہیے“ (۲۹)۔ نیز حدیث میں ہے: ”جو اللہ کے نام پر پناہ مانگے اُسے پناہ دے دو، جو اللہ کے نام پر کچھ مانگے، اُسے دے دو، جو اللہ کے نام پر نجات چاہیے اُسے نجات دے دو اور جو تمہارے ساتھ بھلائی کرے اُسے اس کا بدلہ دو، اگر بدلہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو اتنا دعائیں دو کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ تم نے اس کا بدلہ پورا پورا ادا کر دیا ہے“ (۳۰)۔



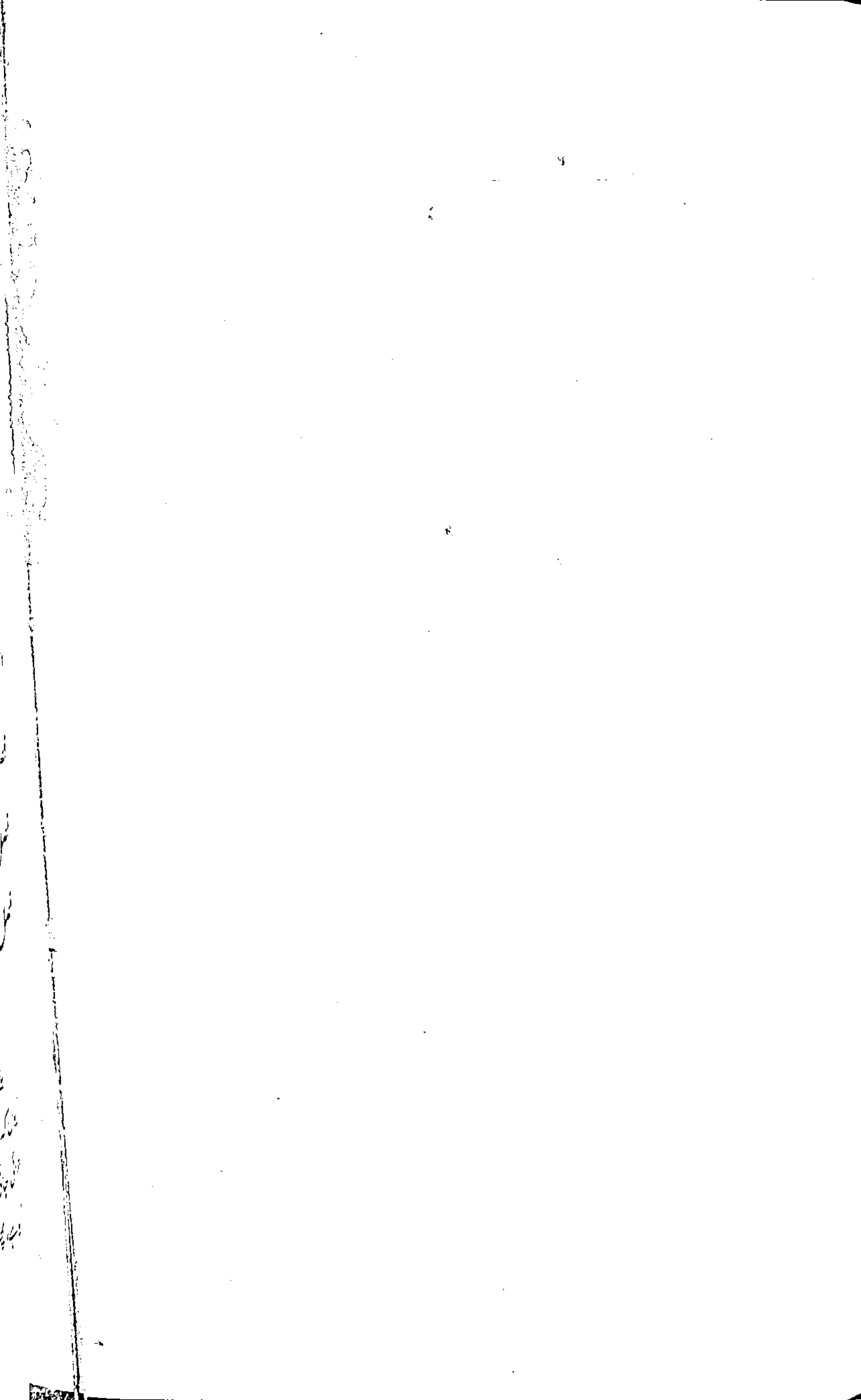
## حواشی و تعلیقات

- ۱۔ مغنی المحتاج، ۳: ۱۲۰؛ المغنی، ۳: ۸۱۔
- ۲۔ ابو داؤد اور ترمذی نے سند جید کے ساتھ روایت کی۔ خضر الجنة (خضر: حرف خاء کے پیش اور حرف ضاد کے سکون کے ساتھ) سے مراد جنت کا سبز لباس ہے۔
- ۳۔ ابن خزیمہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی، بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ان الفاظ سے روایت کی ”جس کسی نے رزق حلال سے کھجور کا ایک ٹکڑا بھی صدقہ کیا، اور اللہ رزق حلال کے سوا قبول ہی نہیں کرتا، تو اللہ اسے قبول کر کے، اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر اسے اس طرح پالتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے بچھڑے کو پالتا ہے حتیٰ کہ وہ پہاڑ جتنا ہو جاتا ہے۔“ عدل: مقدار، دائیں ہاتھ میں لینے کا مطلب ہے قبول کرنا: المبر، گھوڑے کا بچہ، الفضیل اونٹنی کا بچہ جب دودھ چھوڑ دے: اللہ پاک ہے کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ نقائص سے پاک ہے۔
- ۴۔ مغنی المحتاج، ۳: ۱۲۱، ۱۲۲؛ المغنی، ۳: ۸۲؛ المجموع، ۶: ۲۵۸-۲۶۰۔
- ۵۔ الدر المختار، ۲: ۹۶؛ مغنی المحتاج، ۳: ۱۲۲؛ المغنی، ۳: ۸۳۔
- ۶۔ احمد اور طبرانی نے ابو امامہؓ سے روایت کی، اس کی سند میں علی بن یزید ہے (التسرغیب والترہیب، ۲: ۳۲)۔
- ۷۔ ترمذی نے روایت کر کے اسے صحیح قرار دیا۔
- ۸۔ المجموع، ۶: ۲۵۳ و بعد؛ المہذب، ۱: ۱۷۵؛ الدر؛ مغنی المحتاج؛ المغنی (معنیات سابقہ)۔
- ۹۔ متفق نایہ، ان میں سے پہلی قسم ابو داؤد نے روایت کی اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔
- ۱۰۔ حدیث حسن ہے، ابو داؤد اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔ قوت: جس غذا سے

انسانی بدن خوراک حاصل کرتا ہے۔

- ۱۱۔ المجموع، ۶: ۲۵۵ و بعد؛ المہذب، ۱: ۱۷۵۔
- ۱۲۔ صحیح حدیث ہے، مسلم نے جریر بن عبداللہ سے روایت کی۔
- ۱۳۔ المجموع، ۶: ۲۶۱۔
- ۱۴۔ ایضاً۔
- ۱۵۔ ایضاً، ۲: ۲۵۸-۲۶۲؛ المہذب، ۱: ۱۷۶؛ مغنی المحتاج، ۳: ۱۲۰ و بعد؛ المغنی، ۳: ۸۲۔
- ۱۶۔ بخاری، مسلم، اس حدیث میں شوہر اور یتیم بھتیجوں کو صدقہ دینے کا جواب ہے کہ ہاں۔ اس میں دوہرا ثواب ہے، قرابت کا ثواب اور صدقہ کا ثواب (نیل الاوطار، ۴: ۱۷۶)۔
- ۱۷۔ شافعی، بیہقی۔
- ۱۸۔ الشرح الصغير، ۱: ۵۸۰۔
- ۱۹۔ الدر المختار، ۲: ۹۶؛ مغنی المحتاج، ۳: ۱۲۲؛ المجموع، ۶: ۲۵۳؛ المہذب، ۱: ۱۷۵۔
- ۲۰۔ ابوداؤد نے صحیح سند سے روایت کی، مسلم نے بھی اسی طرح کی روایت کی ہے۔
- ۲۱۔ الدر المختار و رد المحتار، ۲: ۹۷۔
- ۲۲۔ ایضاً، ۲: ۳۵۔
- ۲۳۔ مغنی المحتاج، ۳: ۱۲۰؛ الخضر مية، ۱۰۹۔
- ۲۴۔ المجموع، ۶: ۲۶۲۔
- ۲۵۔ ایضاً۔
- ۲۶۔ مغنی المحتاج، ۳: ۱۲۳؛ الخضر مية، ۱۰۹۔

- ۲۷۔ المجموع، ۶: ۲۶۳۔
- ۲۸۔ مغنی المحتاج، ۳: ۱۲۲۔
- ۲۹۔ ابوداؤد؛ الضیاء نے الختارۃ میں جابر بن عبد اللہ سے روایت کی۔ حدیث صحیح ہے۔
- ۳۰۔ ابوداؤد؛ یہ نسائی کے الفاظ ہیں، ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی؛ حاکم نے کہا ہے کہ عبد اللہ بن عمرو سے یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے۔





## باب پنجم

### حج اور عمرہ

اس میں تین فصلیں ہیں:

فصل اوّل: حج اور عمرہ کے احکام

فصل دوم: خصائص حریم یعنی مکہ اور مدینہ

فصل سوم: حج وغیرہ کے آداب سفر اور حج سے واپس آنے والے

حاجی کے آداب

یاد رہے کہ میں حج کی بحث نماز، زکوٰۃ اور روزے کی مباحث کے بعد لایا ہوں کیوں کہ نماز دین کا ستون ہے اور اس کی ضرورت زیادہ ہے کیوں کہ دن میں پانچ مرتبہ دہرائی جاتی ہے، پھر زکوٰۃ ہے کیوں کہ قرآن حکیم میں اکثر مقامات پر اس کا ذکر نماز کے ساتھ آیا ہے، پھر روزے ہیں جو ہر سال آتے ہیں جب کہ حج زندگی میں ایک بار فرض ہے۔



## فصل اوّل

### حج اور عمرہ کے احکام

یہ فصل تین امور پر مشتمل ہے:

- ۱۔ اس عبادت کے مقدمات کا بیان جن میں حج اور عمرہ میں سے ہر ایک کے احکام اور شرائط بیان کی گئی ہیں۔
- ۲۔ حج اور عمرہ کے اعمال یعنی وہ کام جن کا کرنا احرام کے ساتھ مطلوب ہے اور جن کا چھوڑنا ضروری ہے اور اس میں حج اور عمرہ کے ارکان، واجبات اور سنن کی وضاحت ہے۔
- ۳۔ ضمنی مباحث یعنی احرام کے تابع افعال کے احکام، حج یا عمرہ ادا کرنے میں رکاوٹ پیدا ہو جانا، ان کا فوت ہو جانا، غلط کاموں کے کفارے، قربانی۔ یہ فصل اس سلسلے میں اس باب کے موضوع کی بنیادی فصل ہے جسے میں نے اسلام کے ارکان میں سے چوتھے رکن کے بیان کے لیے مختص کیا ہے۔ جب کہ پہلے تینوں ارکان یعنی نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا بیان گزر چکا ہے۔

اس فصل کے موضوعات کو تیرہ ذیلی مباحث کے تحت بیان کرنا ممکن ہے۔

بحث اول: حج اور عمرہ کی تعریف، اسلام میں ان کا مقام، ان کی حکمت اور حکم۔

بحث دوم: حج اور عمرہ کی شرائط (وجوب، صحت اور ادا کی شرائط) اور ان کے موانع

بحث سوم: حج اور عمرہ کے زمانی اور مکانی میقات۔

بحث چہارم: حج اور عمرہ کے اعمال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج اور عمرہ کا بیان۔

بحث پنجم: حج اور عمرہ کے ارکان۔

بحث ششم: واجبات حج۔

بحث ہفتم: حج اور عمرہ کی سنتیں۔

بحث ہشتم: حج اور عمرہ ادا کرنے کا طریقہ۔

بحث نہم: حج سے فارغ ہونے کا طریقہ۔

بحث دہم: احرام کی حالت میں ممنوع اور مباح امور۔

بحث یازدہم: حج میں غلطیوں کا کفارہ

بحث دوازدہم: حج اور عمرے میں رکاوٹ اور ان کا فوت ہو جانا۔

بحث سیزدہم: ہدی (حج کی قرانی)۔

اب ہم مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق شروع کرتے ہیں۔

## بحث اوّل: حج اور عمرہ کی تعریف، اسلام میں ان کا

مقام، حکمت اور حکم:

۱۔ حج اور عمرہ کی تعریف:

لغت میں حج مطلقاً ارادہ کرنے کو کہتے ہیں۔ خلیل نے بتایا ہے کہ حج بکثرت قصد اور ارادے کا نام ہے۔

شریعت: حج سے مراد مخصوص افعال ادا کرنے کے لیے خانہ کعبہ کا قصد کرنا ہے یا حج مخصوص وقت میں مخصوص افعال کے ساتھ خاص جگہ کی زیارت کا نام ہے۔ زیارت سے مراد جانا، خاص جگہ سے مراد خانہ کعبہ اور عرفات اور مخصوص وقت سے مراد حج کے مہینے ہیں یعنی شوال، ذیقعد اور ذوالحجہ کے پہلے دس دن۔ ہر کام کے لیے وقت مقرر ہے مثلاً جمہور کے نزدیک طواف کا وقت قربانی کے دن کی فجر سے لے کر آخری عمر تک، عرفہ میں وقوف کا وقت یوم عرفہ کے سورج ڈھلنے سے قربانی کے دن کی فجر تک اور مخصوص فعل سے مراد حج کی نیت سے احرام باندھ کر متعین جگہوں پر جانا ہے (۱)۔

حج کی فرضیت کی صحیح تاریخ: حج ۹ ہجری کے آخر میں فرض ہوا۔ اور اس کی فرضیت کے لیے آیت: **وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ** (اللہ کے لیے لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے، آل عمران، ۳: ۹۷) نازل ہوئی جو عام الوفود ۹ ہجری کے آخر میں نازل ہوئی اور یہی اکثر علماء کی رائے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرض ہونے کے بعد اسے ادا

کرنے میں ایک سال کی تاخیر بھی نہیں تھی۔ آپؐ نے ۱۰ ہجری میں حج ادا کیا کیوں کہ ۹ ہجری میں حج کا وقت گزر جانے کے بعد حج کے فرضیت کی آیت نازل ہوئی (۲)۔ ہجرت کے بعد آپؐ نے ایک ہی حج ۱۰ ہجری میں کیا جیسا کہ احمد اور مسلم نے روایت کیا۔

عمرہ لغت میں زیارت کو کہتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ کسی آباد جگہ جانے کو عمرہ کہتے ہیں۔ اسے عمرہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ساری عمر کیا جاسکتا ہے۔ شریعت میں عمرہ سے مراد طواف اور سعی کی نیت سے کعبہ کا ارادہ کرنے کا نام ہے (۳) حج کے ساتھ ادا شدہ عمرہ مستقل عمرہ کے لیے کافی نہیں ہے۔

## ۲۔ اسلام میں حج کی اہمیت اور حکمت:

حج اسلام کے ارکان میں پانچواں رکن ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص پر فرض کیا ہے جو حج کی استطاعت رکھتا ہے۔ عمرہ کا حکم بھی یہی ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ دونوں عبادتیں اصل ہیں کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: **وَاتِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ** (اللہ کے لیے حج اور عمرہ پورے کرو، البقرہ ۲: ۱۹۶) مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک عمرہ سنت ہے جیسا کہ تفصیل آئندہ آئے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار بار عمرہ کیا اور ہر بار سوائے اس عمرہ کے جو آپؐ نے حج کے ساتھ کیا ذوالقعدہ میں عمرہ کیا، (۴) پہلا حدیبیہ سے ۶ ہجری میں، دوسرا ۷ ہجری میں عمرہ قضا، تیسرا ۸ ہجری میں فتح مکہ کے سال اور چوتھا ۱۰ ہجری میں حج کے ساتھ، اس میں بھی آپؐ نے احرام ذوالقعدہ میں باندھا اور عمرہ کے اعمال ذوالحجہ میں ادا کیے۔

شافعیہ میں سے قاضی حسین کہتے ہیں کہ حج تمام عبادات سے افضل ہے کیوں کہ یہ مالی اور بدنی دونوں عبادتوں پر مشتمل ہے۔ حلیمی کہتے ہیں کہ حج میں تمام اقسام کی عبادتیں

جمع ہو گئی ہیں۔ جس نے حج کیا گویا اس نے روزہ بھی رکھا، نماز بھی پڑھی، اعتکاف بھی کیا، زکوٰۃ بھی دی، جہاد بھی کیا، اور راہ خدا میں سفر بھی کیا کیوں کہ ہمیں اس کے لیے بلایا گیا تھا جب کہ ہم ابھی اپنے آباء و اجداد کی پیٹھوں میں تھے۔ حج ایمان کی طرح ہے جو کہ افضل عبادت ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ نماز تمام عبادتوں سے افضل ہے، (۵) کیوں کہ وہ دین کا ستون ہے۔

## کیا حج جہاد سے افضل ہے؟

مختلف احادیث میں مختلف اعمال کو دوسرے اعمال سے افضل قرار دیا گیا، کبھی جہاد کو افضل قرار دیا گیا، کبھی ایمان کو، کبھی نماز کو اور کبھی دوسرے کسی عمل کو، ان احادیث میں سے ایک حدیث وہ ہے جسے شیخین نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، کون سا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا، اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانا، کہا گیا، اس کے بعد، آپؐ نے فرمایا، جہاد فی سبیل اللہ، اس کے بعد، فرمایا: حج مقبول“۔ ایک اور حدیث میں جسے ابوداؤد کے سوا باقی صحاح ستہ نے روایت کیا حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: ”ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیانی گناہوں کا کفارہ ہے اور مقبول حج کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں“، حج مبرور سے مراد مقبول حج ہے۔ نووی نے کہا ہے کہ ایسا حج جس میں کسی گناہ کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو۔

شوکانی کے بقول (۶) ان احادیث کو جمع کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان میں مخاطب کے اعتبار سے فضیلت کا بیان ہے۔ اگر مخاطب ایسا ہے کہ میدان جنگ میں اس کی نمایاں کارکردگی ہوتی ہے اور اس میں باطل سے ٹکرانے کی قوت ہے تو اس کے لیے جہاد افضل

ہے اور اگر بہت مال دار آدمی ہے تو اس کے لیے صدقہ افضل ہے، اسی طرح مخاطبوں کے اختلاف کے اعتبار سے اعمال کے افضل ہونے میں اختلاف ہے۔

مالکیہ کے نزدیک (۷) نفل حج جہاد سے افضل ہے البتہ اگر دشمن کے حملے کا خوف ہو تو جہاد نفل حج سے افضل ہے۔

### مشروعیت کی حکمت:

حج اور عمرہ فرض کفایہ ہیں، یعنی سال میں ایک بار خانہ کعبہ میں یہ عبادت ادا کی جائے۔ عمرہ اور حج میں یہ فرق ہے کہ عمرہ سال کے کسی بھی حصے میں اور ساری عمر میں ادا کیا جاسکتا ہے۔ یہ حج کی بہ نسبت آسان ہے کیوں کہ حج متعین ایام کے ساتھ مختص ہے۔ حج کے بہت سے انفرادی اور اجتماعی فوائد ہیں، انفرادی فوائد مندرجہ ذیل ہیں:

حج کے ذریعے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور نفس گناہوں کی آلودگیوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ بعض علماء مثلاً اکابر حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ حج کے ذریعے کبیرہ گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں کیوں کہ حدیث میں ہے کہ: ”ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیانی گناہوں کا کفارہ ہے اور مقبول حج کا بدلہ جنت کے سوا اور کچھ نہیں“۔ اس حدیث میں یہ نہیں کہا گیا کہ یہ بعض گناہوں کا کفارہ ہے بلکہ ایسے شخص کا جنت میں دخول قطعی ہے۔ نیز ایک دوسری حدیث میں ہے ”جس کسی نے حج کیا اور اس میں بے حیائی اور فسق کا ارتکاب نہیں کیا تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو گیا گویا آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا“ (۸) یعنی معصوم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”حج اور عمرہ کرنے والے اللہ کا مہمان ہیں دعا کرتے ہیں تو قبول ہوتی ہے، استغفار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دیتا“



ہے“ (۹)۔ ایک دوسری حدیث میں ہے: ”حاجی کی مغفرت ہو جاتی ہے اور اس کی بھی جس کے لیے حاجی مغفرت کی دعا کرے“ (۱۰)۔

قاضی عیاض کہتے ہیں: اہل سنت کا اجماع ہے کہ کبیرہ گناہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے نیز اس امر کا کوئی بھی قائل نہیں کہ حج سے قرض معاف ہو جاتا ہے خواہ وہ اللہ کا قرض ہو مثلاً نماز اور روزوں کی قضا یا کفارہ ہو۔

حج سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور خطائیں دھل جاتی ہیں البتہ بندوں کے حقوق معاف نہیں ہوتے وہ بدستور ذمے رہتے ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ صاحب حقوق افراد کو اکٹھا کرے گا تاکہ ہر شخص اپنا حق وصول کر لے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی مہربانی سے عزت دے اور صاحب حق کو اپنی طرف سے نعمتیں اور عمدہ بدلہ دے کر راضی کر لے اور مقروض وغیرہ کی عزت و تکریم کے طور پر اسے معاف کر دے۔ بندوں کے حقوق ادا کرنے ضروری ہیں۔ رہے اللہ کے حقوق تو وہ غفور و رحیم و کریم ہیں، ان کی بنیاد اس کی طرف سے معافی اور درگزر پر ہے۔

حج کے ذریعے نفس پاک ہوتا ہے اور اس میں صفائی اور اخلاص لوٹ آتے ہیں جن کے باعث زندگی میں تازگی آتی ہے، انسان کی معنوی حیثیت بلند ہوتی ہے اور اللہ سے امید اور حسن ظن کو تقویت ملتی ہے۔

حج سے ایمان مضبوط ہوتا ہے، اللہ سے عہد کی تجدید ہوتی ہے، سچی اور خالص توبہ کی توفیق ہوتی ہے، نفس میں پاکیزگی اور تہذیب آتی ہے، افکار میں نرمی آتی ہے، خیالات بیت اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

حج انسان کو اسلام کا شاندار ماضی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اسلاف صالحین

کا جہاد یاد دلاتا ہے جس سے انہوں نے نیک اعمال کے ذریعے دنیا کو منور کیا۔

دوسرے سفروں کی طرح سفر حج انسان کو صبر کرنے اور مشقت برداشت کرنے کا عادی بناتا ہے۔ نظم و ضبط کا سبق دیتا ہے اور احکام کی پابندیوں کا درس دیتا ہے۔ انسان راہ خدا میں مشکلات کو ہنسی خوشی برداشت کرتا ہے اور اس میں قربانی و ایثار کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ حج کے ذریعے انسان اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے یعنی مال اور صحت کی نعمتوں کا اور اپنے نفس میں کامل عبودیت کا بیج بوتا ہے اور اللہ کے احکام اور اس کے دین کے لیے سچا خضوع پیدا کرتا ہے۔ کاسانی کہتے ہیں (۱۱) حج میں عبودیت کا اظہار اور نعمت کا شکر ہے۔ عبودیت کا اظہار اس طرح کہ بندہ اپنے معبود کے لیے عاجزی اور ذلت کا اظہار کرتا ہے اور حج میں یہ بات بہت زیادہ ہے کیوں کہ حاجی احرام کی حالت میں پراگندگی کا اظہار کرتا ہے، زیب و زینت کے اسباب چھوڑ دیتا ہے اور ایسے غلام کی طرح کی شکل بناتا ہے جس کا آقا اس سے ناراض ہو اور وہ اپنے مالک کی توجہ حاصل کرنے کے لیے بُرے حال میں اپنے آپ کو پیش کر رہا ہے۔ اور نعمت کا شکر اس طرح کہ عبادات بعض بدنی ہیں اور بعض مالی اور حج بدنی اور مالی عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ اسی وجہ سے جب تک مال نہ ہو اور صحت نہ ہو حج فرض نہیں ہوتا، پس حج میں دونوں نعمتوں کا شکر ہے اور نعمت کے شکر کا طریقہ یہ ہے کہ اس نعمت کو منعم کی طاعت میں خرچ کیا جائے اور نعمت کا شکر عقلاً اور شرعاً واجب ہے۔

### حج کے اجتماعی فوائد:

بلاشبہ حج اسلامیان عالم کے رنگ، زبان اور وطن کے اختلافات کے باوجود باہمی تعارف اور اقتصادی منافع کے آزادانہ تبادلوں کے امکانات کا ذریعہ ہے۔ اس موقع پر

مسلمانوں کے عمومی معاملات پر باہمی مذاکرات کا موقع ملتا ہے اور دشمن کے مقابلے میں ایک دوسرے سے تعاون کر کے ایک صف میں کھڑے ہونے کی راہیں نکلتی ہیں۔ اس کے سوا اور بھی کئی فوائد ہیں جو لیشہدوا منافع لہم (تاکہ اپنے لیے منافع حاصل کریں، الحج، ۲۲: ۲۸) کے ذیل میں آتے ہیں۔

حج سے مسلمانوں میں عالمگیر اخوت کے رابطے مستحکم ہوتے ہیں جن کا ذکر قرآن حکیم میں انما المؤمنون اخوة (مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، الحجرات، ۱۰: ۳۹) میں کیا گیا ہے۔ لوگ یہ محسوس کرتے ہیں وہ حقیقی طور پر برابر ہیں، کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر تقویٰ کے سوا کوئی برتری حاصل نہیں۔

حج اسلامی پیغام کی نشر و اشاعت اور مبلغین اسلام کی کوششوں میں دنیا بھر میں زندگی اور تازگی پیدا کرنے کا باعث ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقع پر حجاج کے وفد سے ملاقاتوں کے ذریعے ہر سال اسلام کا پیغام پہنچایا کرتے تھے۔

رہی یہ بات کہ حج کو ایک عوامی اجتماع کی حیثیت سے اہل اسلام کو خطاب کرنے کا ذریعہ بنایا جائے تو یہ امر شرعاً مطلوب نہیں ہے کیوں کہ اسلامی سیاست کا دار و مدار ارباب تجربہ، اصحاب رائے اور ماہرین پر ہے، ان ہی سے رائے لی جاتی ہے اور ان کو ذمہ داریاں سونپی جاتی ہیں۔ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد کے ذریعے پالیسی سازی ممکن نہیں کیوں کہ پالیسی سازی اسلامی انداز فکر کے مطابق منصوبہ بندی مسلمان حکام کے سپرد ہے اور عام لوگوں کو اس قدر اثر و رسوخ یا اختیار حاصل نہیں کہ وہ کوئی قابل ذکر مقاصد حاصل کر سکیں۔

۳۔ حج اور عمرہ کا حکم:

علماء کا اتفاق ہے کہ کتاب و سنت کے دلائل کی روشنی میں زندگی میں ایک بار حج

فرض ہے۔ کتاب اللہ میں ہے: **وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا، وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ** (جو کوئی سفر کی استطاعت رکھتا ہے اس پر اللہ کے گھر کا حج فرض ہے اور جو انکار کرے گا تو اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔ آل عمران، ۳: ۹۷) ابن عباسؓ کہتے ہیں انکار سے مراد یہ ہے کہ جو اس کی فرضیت کا انکار کرے۔ نیز ارشاد ربانی ہے: **وَاسْتَمُوا الْحِجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ** (اللہ کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو، البقرہ، ۱۹۶: ۲) نیز فرمایا: **وَاذْنِ فِي النَّاسِ بِالْحِجِّ يَا تُوْكُ رَجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ** (لوگوں میں حج کا اعلان کر دو، لوگ پیدل اور کمزور اونٹنیوں پر سوار ہو کر تمہارے پاس آئیں گے جو تنگ گھاٹیوں سے گزر کر آئیں گی تاکہ لوگ اپنے فوائد کے لیے وہاں موجود ہوں، اور متعین دنوں میں اللہ کا نام لے کر اسے یاد کریں، الحج، ۲۲: ۲۷-۲۸)۔

سنت میں ارشاد نبویؐ ہے: ”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا“ (۱۲)۔

### حج کا ایک بار فرض ہونا:

شریعت میں حج زندگی میں صرف ایک بار فرض ہونے کی دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: لوگو، اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے، پس حج کرو، ایک آدمی نے کہا، کیا ہر سال یا رسول اللہ! آپ خاموش رہے، اس نے تین بار سوال دہرایا پھر آپ نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے“ (۱۳)۔ ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح کی ایک حدیث

ہے جس میں پوچھنے والے کا نام اقرع بن حابس بتایا گیا ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ جو زیادہ حج کرے وہ نفل ہے (۱۴)۔ نیز اس سے بھی ایک بار کی وضاحت ہوتی ہے کہ امر تکرار کے لیے نہیں ہوتا اس لیے حج کے بارے میں امر قرآنی میں تکرار نہیں ہے۔

بیہقی اور ابن حبان کی جس حدیث میں ہے کہ ہر پانچ سال میں ایک بار حج کرنا چاہیے تو وہ استحباب کے لیے ہے۔ اس کا متن حضرت ابو سعید خدریؓ سے یوں مروی ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ارشاد ربانی ہے: ”جس بندے کو میں نے بدنی صحت اور مالی وسعت عطا کی اگر وہ پانچ سال میں ایک بار بھی میری طرف چل کر نہیں آیا تو وہ محروم ہے“۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جسے صحت، قوت اور خوش حالی کی نعمت میسر ہے اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ پانچ سال میں ایک بار حج کرے ورنہ اللہ کی رضا سے محروم اور مردود ٹھہرے گا۔

علماء کا اجماع ہے کہ حج صرف ایک بار فرض ہے (۱۵) اس سے زائد نفل ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے: ”حج اور عمرہ پے در پے کیا کرو، ان سے فقر اور گناہ اس طرح صاف ہو جاتے ہیں جیسے بھٹی میں لوہے سونے اور چاندی کا میل صاف ہو جاتا ہے، مقبول حج کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں“ (۱۶)۔

کبھی کسی خاص وجہ کی بنا پر ایک سے زائد بار بھی حج واجب ہو جاتا ہے جیسے کوئی حج کی نذر مان لے کیوں کہ نذر ماننا عبادات اور نیکی کے کاموں کے وجوب کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے نفل حج توڑ دیا تو اس کی قضا واجب ہے۔

کبھی حج حرام ہو جاتا ہے جیسے حرام مال سے حج کرنا اور کبھی مکروہ ہوتا ہے جیسے کسی ایسے شخص کی اجازت کے بغیر حج کرنا جس سے اجازت لینا ضروری ہو (۱۷) مثلاً والدین

میں کوئی خدمت کا محتاج ہو تو ان کی اجازت ضروری ہے، ایسے ہی اگر والدین نہ ہوں تو دادا دادی، نانا نانی والدین کے قائم مقام ہیں، یا کوئی شخص مقروض ہے اور اس کے پاس قرض ادا کرنے کے لیے مال نہیں ہے یا جو کسی مقروض کا ضامن ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے والدین اور قرض خواہ کی اجازت کے بغیر حج پر جانا مکروہ ہے، حنفیہ کے نزدیک کراہت تحریمی ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنفیہ نے کہا ہے کہ اگرچہ حرام مال سے حج کرنے سے گناہ ہوتا ہے لیکن اس سے فرض یا نفل حج ادا ہو جائے گا جیسا کہ غصب شدہ زمین پر نماز درست ہو جاتی ہے اور فرض اور نوافل ادا ہو جاتے ہیں کیوں کہ عبادت کے درست ہونے اور آدمی کے گنہ گار ہونے میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ حنابلہ کا اس میں اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک مال حرام سے حج نہیں ہوتا، کیوں کہ ان کے نزدیک غصب شدہ زمین میں نماز بھی نہیں ہوتی۔

### فرضیت کی قسم:

حج یا تو فرض عین ہے اور یہ اس شخص کے لیے ہے جس نے آئندہ مذکور شرائط کے ساتھ حج نہیں کیا یا فرض کفایہ ہے اور وہ یہ کہ ہر سال حج اور عمرہ کے ذریعے خانہ کعبہ کو آباہ جائے یا محض نفل ہے جو غلاموں اور بچوں کا حج ہے یا مستحب ہے جو ہر پانچ سال بعد ہے بار بار عمرہ کرنا:

شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ کے نزدیک ایک سال میں کئی بار عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں (۱۸) کیوں کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک ماہ میں بار بار عمرہ کیا، ایک بار اپنے حج قرآن کے ساتھ اور دوسری بار حج کے بعد۔ نیز ابو ہریرہؓ سے

متفق علیہ روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے۔“

مالکیہ کے نزدیک ایک سال میں ایک سے زیادہ بار عمرہ کرنا مکروہ ہے۔ نخعی کہتے ہیں کہ صحابہؓ سال میں ایک بار سے زائد عمرہ نہیں کرتے تھے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سال میں ایک سے زیادہ بار عمرہ نہیں کیا۔

**کیا حج فوراً ادا کرنا واجب ہے یا اس میں تاخیر کی جا سکتی ہے؟**

علماء کے اس میں دو نقطہ ہائے نظر ہیں:

امام ابوحنیفہؒ، ابو یوسفؒ، مالکیہ کے راجح تر قول اور حنابلہ کے مطابق (۱۹) جب حج کی استطاعت ہو اور تمام شرائط پوری ہوں تو اس کے فوراً بعد آنے والے حج کے موقع پر حج کرنا واجب ہے یعنی اولین فرصت میں۔ اگر کسی شخص نے واجب ہونے کے بعد کئی سال حج نہیں کیا تو اسے فاسق قرار دے کر اس کی گواہی رد کر دی جائے گی کیوں کہ حج میں تاخیر صغیرہ گناہ ہے اور اس پر اصرار کرنا کبیرہ۔ حج کا فوری وجوب ظنی ہے کیوں کہ اس کی دلیل ظنی ہے جیسا کہ حنفیہ کی رائے ہے کیوں کہ اگر کسی شخص نے دیر سے حج ادا کیا تب بھی وہ ادا ہوگا، قضا نہیں، اگرچہ ادا کیے بغیر مر گیا تو گنہ گار ہوگا۔ فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر حج نہیں کیا تھا کہ مال ضائع ہو گیا تو اگر ہو سکے تو قرض لے کر حج کرے خواہ قرض ادا کرنے پر قادر نہ ہو۔ اگر قرض ادا کرنے کی نیت ہے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے قرض کے سلسلے میں باز پرس نہیں کرے گا۔ حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص استطاعت کے باوجود حج کیے بغیر مر گیا تو اس کے تمام مال سے حج اور عمرہ کے اخراجات نکال لیے جائیں۔ ان کی دلیل: **وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلاً** (جو کوئی سفر کی

استطاعت رکھتا ہو اس پر بیت اللہ کا حج اللہ کے لیے فرض ہے، آل عمران، ۳: ۹۷) اور  
واتموا الحج والعمرة لله (اللہ کے لیے حج اور عمرہ کرو، البقرہ، ۲: ۱۹۶) ہے۔ حنابلہ کے  
نزدیک امر کا تقاضا یہ ہے کہ فوراً حج ادا کیا جائے۔

انہوں نے ان احادیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ: ”قبل اس کے کہ لوگ تمہاری  
زیارت کریں حج کر لو“ (۲۰)۔ نیز ”فرض حج جلدی ادا کرو کیوں کہ کسی کو معلوم نہیں کہ اس کے  
ساتھ کیا پیش آ جائے“ (۲۱)۔ ”جیسے کسی بیماری یا ظاہری مجبوری یا ظاہری مشقت یا ظالم  
حکمران نے حج سے نہ روک دیا ہو وہ حج نہ کرے تو وہ چاہے یہودی مرے چاہے  
عیسائی“ (۲۲)۔ ترمذی کی حدیث میں ہے: ”جسے بیت اللہ تک پہنچنے کے لیے سواری اور زاد  
راہ میسر ہے وہ حج نہ کرے تو وہ چاہے یہودی مرے چاہے عیسائی کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی  
کتاب میں فرمایا: والله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلاً (جو کوئی سفر کی  
استطاعت رکھتا ہے اس پر اللہ کی طرف سے بیت اللہ کا حج فرض ہے“ (۲۳)۔ آل عمران،  
۳: ۹۷)۔ یہ احادیث دوسرے دلائل کے ساتھ مل کر فوری حج کے وجوب پر دلالت کرتی  
ہیں۔ کیوں کہ جس کسی نے اولین فرصت میں حج نہیں کیا اس کے لیے وعید آئی ہے کہ ارشاد  
نبویؐ ہے: ”من ملك... فلم يحج اور حرف فاء بلا تاخیر کے لیے ہوتی ہے جو فوری  
وجوب کا تقاضا کرتی ہے، یعنی جو نہی اسے سواری اور زاد راہ میسر آ گیا اور بلا تاخیر حج نہ کیا۔

شافعیہ (۲۴) اور حنفیہ میں سے امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ حج ادا کرنا فوراً ضروری نہیں  
ہے۔ یعنی یہ نہیں کہ لازماً تاخیر کرے بلکہ فوری واجب نہیں البتہ جس کسی پر اپنا یا کسی  
دوسرے کی طرف سے حج یا عمرہ واجب ہے اس کے لیے مسنون ہے کہ وہ حتی الامکان  
تاخیر نہ کرے تاکہ جلدی اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو اور نیکی کی طرف سبقت کرے



کیوں کہ ارشاد ربانی میں: فاستبقوا الخیرات (نیکیوں کی طرف سبقت کرو، البقرہ، ۲: ۱۳۸) کا حکم ہے کیوں کہ تاخیر کرنے سے حج فوت ہو جانے اور حوادثِ زمانہ کے پیش آ جانے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ البتہ ایک سال سے اگلے سال تک مؤخر کرنا جائز ہے کیوں کہ ان کے نزدیک مشہور روایت کے مطابق حج ۶ ہجری میں فرض ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا عذر اسے ۱۰ ہجری تک مؤخر کیا، اگر تاخیر جائز نہ ہوتی تو آپؐ اسے مؤخر نہ کرتے۔

یہ رائے زیادہ بہتر ہے کیوں کہ اس میں لوگوں کے لیے سہولت ہے، ان پر گنہ گار ہونے کا حکم نہیں لگتا، کیوں کہ جن احادیث سے جمہور نے استدلال کیا ہے وہ سب ضعیف ہیں اور جیسا کہ شافعیہ کی تحقیق ہے حج ۶ ہجری میں سورۃ آل عمران کے نزول کے وقت فرض ہوا۔ جنہوں نے یہ کہا کہ ۱۰ ہجری میں فرض ہوا انہوں نے غلطی کی کیوں کہ سورۃ آل عمران یقینی طور پر اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ البتہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو ادا کر لیا جائے۔

### عمرہ کا حکم:

حنفی مذہب میں اور مالکیہ کے راجح تر قول کے مطابق (۲۵) عمرہ زندگی میں ایک بار سنت مؤکدہ ہے کیوں کہ جن مشہور و مستند احادیث میں اسلام کے فرائض گنوائے گئے ہیں ان میں عمرہ کا ذکر نہیں ہے مثلاً ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ ”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے“۔ اس میں صرف حج کا ذکر ہے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا ”یا رسول اللہ مجھے عمرہ کے بارے میں بتائیں، کیا یہ واجب ہے آپؐ نے فرمایا نہیں، عمرہ کرنا تمہارے لیے بہتر ہے“ (۲۶)۔ ایک

روایت میں ہے کہ اولیٰ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ”حج جہاد ہے اور عمرہ نفل ہے“ (۲۷)۔

شافعیہ کی راجح روایت میں اور حنابلہ کے نزدیک (۲۸) عمرہ حج کی طرح فرض ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: **وَاتِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ** (یعنی حج اور عمرہ دونوں رضائے الہی کی خاطر مکمل ادا کرو، البقرہ، ۲: ۱۹۶)۔ امر کا تقاضا یہ ہے کہ عمرہ بھی واجب ہو۔ نیز حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ: ”انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، یا رسول اللہؐ، کیا عورتوں پر بھی جہاد فرض ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، ایسا جہاد جس میں لڑائی نہیں ہے یعنی حج اور عمرہ“ (۲۹)۔

میرے خیال میں یہ دوسری رائے صحیح تر ہے کیوں کہ آیت اسی پر دلالت کرتی ہے اور پہلے گروہ کی پیش کردہ احادیث ضعیف ہیں۔

حنابلہ نے امام احمدؒ سے روایت کی ہے کہ اہل مکہ پر عمرہ واجب نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ابن عباسؓ جو عمرہ کو واجب قرار دیتے تھے کہا کرتے تھے، اہل مکہ، تم پر عمرہ واجب نہیں ہے، تمہارا عمرہ بیت اللہ کا طواف ہے۔ عطاء سے یہ روایت بھی ہے کہ عمرہ کا سب سے بڑا رکن بیت اللہ کا طواف ہے اور وہ طواف کرتے ہیں، اس لیے وہی کافی ہے۔

## بحث دوم: حج اور عمرے کی شرائط اور ان کے موانع

اس میں دو مطالب ہیں:

### مطلب اوّل: حج اور عمرے کی شرائط۔

شرائط کچھ مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں ہیں اور کچھ عورتوں کے ساتھ مختص ہیں۔ جب یہ شرائط پائی جائیں تو حج ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے ورنہ نہیں۔

عمومی شرائط: عمومی شرائط میں سے کچھ کا تعلق حج کے وجوب سے، صحیح ہونے سے اور ادا سے ہے، مثلاً اسلام اور عقل۔ کچھ شرائط ایسی ہیں جن کا تعلق وجوب سے اور ادا سے ہے۔ صحیح ہونے سے نہیں۔ مثلاً بالغ ہونا اور آزاد ہونا اور کچھ کا تعلق صرف وجوب سے ہے اور وہ ہے حج کی استطاعت۔

یہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں: (۳۰)

### ۱۔ اسلام:

کافر پر حج اس طرح واجب نہیں کہ دنیا میں اس سے حج ادا کرنے کا مطالبہ ہو اور اگر وہ حج ادا کرے تو بھی اس کا حج درست نہیں کیوں کہ اس میں عبادت کے ادا کرنے کی اہلیت نہیں ہے۔ اگر کسی کافر نے حج کیا پھر مسلمان ہو گیا تو اس پر اسلامی حج کرنا واجب ہے اور حالت کفر میں کیا ہوا حج قابل قبول نہیں ہوگا۔ حنفیہ کے نزدیک آخرت کے احکام کے اعتبار سے بھی کافر پر حج واجب نہیں ہے اس لیے حج چھوڑنے پر اس سے باز پرس نہیں ہوگی کیوں کہ کفار سے شریعت کے فروری مسائل کا مطالبہ نہیں ہے، جمہور کے نزدیک باز پرس ہوگی کیوں کہ کفار بھی فروری مسائل کے مخاطب ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک اسلام حج کے درست ہونے کے لیے شرط ہے وجوب کے لیے نہیں۔ کافر پر بھی حج واجب ہو جاتا ہے البتہ اسلام لائے بغیر حج درست نہیں ہوتا۔ شافعیہ کے نزدیک مرتد پر حج واجب ہے لیکن جب تک اسلام قبول نہ کرے حج درست نہیں ہوگا۔ البتہ اصل کافر پر حج واجب نہیں۔

## ۲۔ مکلف ہونا یعنی عاقل بالغ ہونا:

بچے اور دیوانے پر حج واجب نہیں کیوں کہ ان دونوں سے شرعی احکام کا مطالبہ نہیں ہے، اس لیے ان پر حج واجب نہیں ہوگا۔ دیوانے کا حج اور عمرہ درست نہیں کیوں کہ وہ عبادت کا اہل نہیں ہے۔ اگر بچے نے حج کیا پھر بالغ ہو گیا یا دیوانے نے حج کیا پھر تندرست ہو گیا تو دوبارہ اسلامی حج کریں۔

بالغ ہونے سے پہلے بچے نے جو حج کیا تھا وہ نفل قرار پائے گا کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”تین افراد کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ سونے والے کی تا آنکہ بیدار ہو جائے، بچے کی تا آنکہ بالغ ہو جائے اور دیوانے کی تا آنکہ تندرست ہو جائے“ (۳۱)۔ نیز آپؐ نے فرمایا: ”اگر کسی بچے نے اپنے خاندان کے ساتھ حج کیا، پھر اگر مر گیا تو اس کا وہی حج کافی ہے اور اگر بالغ ہو گیا تو دوبارہ حج کرے۔ اگر کسی غلام نے اپنے مالکوں کے ساتھ حج کیا، اگر مر گیا تو وہی کافی ہے اور اگر آزاد ہو گیا تو دوبارہ حج کرے“ (۳۲)۔

روزے کی طرح احرام بھی دیوانگی، بے ہوشی، موت اور نشے سے باطل نہیں ہوتا۔

اگر بچے نے حج کیا تو اس کا حج درست ہے لیکن وہ فرض حج کے قائم مقام نہیں ہے۔ اگر دیوانے یا بہت چھوٹے بچے نے حج کیا تو اس کا حج درست نہیں کیوں کہ حج کا درست ہونا عقل و شعور پر موقوف ہے۔

## بچے یا دیوانے کو حج کرانا:

الف۔ شافعیہ مالکیہ اور حنابلہ (۳۳) کہتے ہیں ولی کو اختیار ہے مثلاً باپ یا دادا ہو خواہ احرام میں ہو یا نہ ہو، خود اس نے حج کیا ہو یا نہ کیا ہو، باشعور بچے یا بے شعور بچے یا دیوانے کی طرف سے احرام باندھے اور اپنے دل سے نیت کرے کہ میں نے ان کو صاحب احرام بنا دیا ہے یا زبان سے کہے کہ میں نے ان کی طرف سے احرام باندھا، ان کا موجود ہونا ضروری ہے نہ احرام کی طرف متوجہ ہونا۔ اس نیت سے ولی محرم ہو جائے گا اور بے ہوش یا مریض کی طرف سے احرام باندھنا جائز نہیں۔

بچے یا دیوانے کی طرف سے احرام باندھنے کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روجاء کے مقام پر کئی سوار ملے، آپ نے پوچھا، کون ہو؟ کہنے لگے، مسلمان، انہوں نے پوچھا، آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: رسول اللہ، ایک عورت نے ایک بچے کو اٹھا کر بلند کیا اور پوچھا، کیا اس کا بھی حج ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں اور تمہیں اجر ملے گا“ (۳۳)۔

## ولی کی اجازت:

باشعور لڑکے کے لیے اپنے ولی یعنی باپ اگر وہ نہ ہو تو دادا کی اجازت کے بغیر احرام باندھنا جائز نہیں۔ شافعیہ کے نزدیک وصی اور نگران باپ کے قائم مقام ہے۔ البتہ بھائی، چچا اور ماں شافعیہ کی صحیح تر روایت کے مطابق ولی نہیں ہو سکتے بشرطیکہ ان کے لیے وصیت نہ کی گئی ہو یا حاکم نے انہیں ولی نہ بنایا ہو۔ ولی اس شخص کو اجازت دے جو بچے کی طرف سے احرام باندھنا چاہتا ہے۔

اگر بے شعور بچے یا دیوانے نے احرام باندھ لیا تو ولی اس کی طرف سے وہ کام کرے

جو بچہ یا دیوانہ خود نہیں کر سکتا لیکن ولی کا اکیلے وہ کام کرنا کافی نہیں بلکہ انہیں ساتھ لے کر کرے اس کے ساتھ طواف اور سعی کرے لیکن احرام اور طواف کی رکعات اس کی طرف سے خود پڑھے۔ اگر ولی نے بچے کو طواف اور سعی میں سواری پر بٹھا لیا تو خود اس کا ڈرائیور یا پیچھے سے چلانے والا بن جائے، اگر ایسا نہیں کیا تو طواف درست نہیں ہوگا۔

بچے کا نجاست سے پاک ہونا اور طواف میں ستر ڈھانپنا ضروری ہے، باوضو ہونا ضروری نہیں۔ جن جگہوں پر وقوف کرنا ہوتا ہے وہاں بچے اور دیوانے سے وقوف کرایا جائے۔ اگر وقوف واجب ہو تو ان کا وقوف کرانا واجب ہوگا اور اگر مستحب ہو تو مستحب ہوگا۔ اگر بچہ خود کنکر مار سکتا ہو تو خود کنکر مارنا واجب ہیں اور اگر خود کنکر اٹھانے سے عاجز ہے تو اس کی طرف سے ولی اسے اٹھا کر دے۔ اگر بچہ خود نہیں پھینک سکتا تو ولی اس کے ہاتھ میں کنکر تھما دے اور اپنی طرف سے مارنے کے بعد اس کی طرف سے مارے۔ اگر پہلے اپنی طرف سے کنکر نہیں مارے اور بچے کی نیت کر کے مارے تو بھی اس کی اپنی طرف سے سمجھے جائیں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو کام بچہ خود کر سکتا ہو وہ خود کرے اور کوئی دوسرا اس کی طرف سے نہ کرے جیسے وقوف، مزدلفہ وغیرہ میں رات کو ٹھہرنا اور جو کام خود نہیں کر سکتا، اس کی طرف ولی کرے۔

اگر باشعور لڑکے نے اعمال حج میں کوئی زیادتی کر دی تو ولی کے مال پر قربانی (دم) واجب ہوگا اور ولی پر واجب ہے کہ لڑکے کو احرام میں جو کام ممنوع ہیں ان سے روکے اور اگر بے شعور بچے سے کوئی ممنوع کام ہو گیا تو اس کا فدیہ کسی کے ذمے نہیں ہے۔

سفر کے سبب زائد اخراجات صحیح تر قول کے مطابق ولی کے ذمے ہیں کیوں کہ وہی

اسے حج پر لے کر جا رہا ہے۔

اگر لڑکا حج کے دوران جماع کر لے تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا اور بچپن میں ہی اسے قضا کرے جیسا کہ بالغ نفل حج کرنے والے کا حج فاسد ہو جاتا ہے اور اسے قضا کرنا ہوتی ہے کیوں کہ لڑکے اور بالغ دونوں کا احرام باندھنا صحیح ہے اور جن چیزوں سے بالغ کا حج فاسد ہو جاتا ہے ان سے لڑکوں کا حج بھی فاسد ہو جاتا ہے کیوں کہ اس نے دانستہ حرمت کا علم ہوتے ہوئے جماع کر لیا اور اپنے اختیار سے احرام کھولنے سے پہلے جماع کر لیا۔

لڑکا جو نیکی کرے گا اس پر اس کو ثواب ملے گا لیکن جو گناہ کرے گا اس کا اسے گناہ نہیں ہوگا۔ اس پر اجماع ہے۔

ب۔ امام ابوحنیفہؒ کی مشہور روایت یہ ہے کہ بچے کا حج درست نہیں کیوں کہ حدیث میں ہے: ”تین افراد سے ذمہ داری اٹھالی گئی، بچے سے تا آنکہ بالغ ہو جائے۔“ نیز نذر پر قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بچے کی نذر کا کوئی اعتبار نہیں، اس پر نذر واجب ہوتی ہے، نہ اس کی نذر درست ہے۔ کیوں کہ اگر اس کی عبادت درست ہو تو جب اسے توڑ دے تو اس کی قضا بھی واجب ہو۔ نیز یہ بدنی عبادت ہے اور بدنی عبادت بچے کی طرف سے ولی نہیں کر سکتا جیسا کہ نماز نہیں پڑھ سکتا۔

## ۲۔ آزاد ہونا:

غلام پر حج واجب نہیں ہے کیوں کہ یہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں بہت وقت لگتا ہے۔ سفر طے کرنا پڑتا ہے اور اس کے لیے سواری اور زاد راہ کی شرط ہے، اس کے حج سے اس کے آقا کے جو حقوق اس سے متعلق ہیں وہ ضائع ہو جاتے ہیں، اس لیے اس پر حج واجب نہیں جیسا کہ جہاد واجب نہیں۔

## بچپن اور غلامی کے حج کا حکم:

اس شرط اور اس سے پہلی شرط کی بنا پر (۳۵) جس نے نابالغی کی حالت میں حج کیا، بعد میں بالغ ہو گیا یا غلام تھا اور عرفہ کا وقت ختم ہونے کے بعد آزاد ہو گیا تو دوبارہ فرض حج کریں کیوں کہ اوپر مذکور حدیث میں ہے: ”جس بچے نے اپنے خاندان کے ساتھ حج کیا، پھر بالغ ہو گیا تو دوبارہ حج کرے اور جس غلام نے اپنے مالکوں کے ساتھ حج کیا، پھر آزاد ہو گیا تو دوبارہ حج کرے۔“

اگر وقوف عرفہ سے پہلے لڑکا بالغ ہو گیا یا غلام آزاد ہو گیا تو نئے سرے سے احرام باندھ کر وقوف عرفہ کریں اور اپنا حج مکمل کریں، یہ ان کا فرض حج ہوگا، اس میں کوئی اختلاف نہیں، کیوں کہ انہوں نے ارکان حج میں سے کوئی چیز ترک نہیں کی اور واجب ہونے سے پہلے کوئی رکن ادا نہیں کیا۔

اگر احرام کی حالت میں وقوف عرفات سے پہلے یا وقوف عرفات کے دوران کوئی لڑکا بالغ ہو گیا تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کا فرض حج ادا ہو گیا کیوں کہ آزاد اور بالغ ہونے کی حالت میں اسے وقوف عرفات کا موقع مل گیا، پس حج ہو گیا، جیسا کہ اگر اس وقت احرام باندھتا تب بھی حج ادا ہو جاتا۔

لیکن مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک ان کا حج ادا نہیں ہوگا کیوں کہ ان کے نزدیک حج ادا کرنے کے لیے یہ شرط ہے کہ احرام باندھنے والا احرام باندھتے وقت عاقل و بالغ (مکلف) ہو، انہوں نے نفل ادا کرنے کے لیے احرام باندھا تھا، اب اس سے فرض حج ادا نہیں ہو سکتا۔

لیکن حنفیہ کے بقول اگر لڑکے نے وقوف عرفات سے قبل احرام کی تجدید کر لی مثلاً



تلبیہ کہہ لیا یا فرض حج کی نیت کر لی اور حج کے اعمال یعنی وقوف، طواف زیارت اور سعی وغیرہ مکمل کر لیے تو اس کا فرض حج ہو گیا، البتہ اگر غلام نے ایسا کیا تو اس کا فرض حج ادا نہیں ہوگا کیوں کہ لڑکے کا احرام صحیح تھا لیکن ضروری نہیں تھا اس لیے کہ لڑکا مکلف نہیں تھا، وہ احرام توڑ سکتا تھا جب اس نے فرض حج کا نیا احرام باندھ لیا تو پہلا احرام ٹوٹ گیا لیکن غلام کا احرام ضروری تھا کیوں کہ اس میں تعمیل حکم کی اہلیت تھی، اور چوں کہ اس کا احرام نفل تھا، اس لیے اس کا دوسرا احرام اس صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جب کہ پہلے احرام کو توڑ دے اور اس صورت میں پہلا احرام نہیں ٹوٹا لہذا پہلا احرام ٹوٹے بغیر دوسرا احرام صحیح نہیں ہوا۔ اسی بنیاد پر کافر اور دیوانے کا احرام بچے اور غلام کے احرام سے مختلف ہے، ان کا احرام سرے سے ہوتا ہی نہیں ہے، کیوں کہ ان میں احرام باندھنے کی اہلیت ہی نہیں ہے۔

### بچے، غلام اور بیوی کو اجازت دینا:

باشعور بچے کو ولی کی اجازت کے بغیر احرام باندھنے کا حق نہیں ہے، ولی کی اجازت کے بغیر اس کا احرام درست نہیں کیوں کہ اس کی وجہ سے ولی کی ایسی ذمہ داریاں ہو جاتی ہیں جن کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے اس لیے حنفیہ کے سوا دوسرے فقہاء کے نزدیک بلا اجازت احرام درست نہیں ہوگا، جیسا کہ خرید و فروخت۔

اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ مالک کی اجازت کے بغیر غلام کے لیے احرام باندھنا جائز نہیں کیوں کہ اس صورت میں غلام اپنے اوپر ایک ایسی چیز واجب کر لیتا ہے جو واجب نہیں اور اس کے ذریعے مالک کے حقوق ضائع ہوتے ہیں۔ اگر اس نے احرام باندھ لیا تو اس کا احرام درست ہوگا کیوں کہ یہ بدنی عبادت ہے اور بدنی عبادت مالک کی اجازت کے بغیر شروع کی جاسکتی ہے۔ جیسے نماز اور روزہ البتہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک

صحیح روایت یہ ہے کہ مالک کو احرام کھولانے کا اختیار ہے (۳۶)۔ کیوں کہ احرام باندھے رہنے سے مالک کے حقوق اس کی اجازت کے بغیر ضائع ہونے کا امکان ہے، اس لیے مالک کو اس کا پابند نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ ایسی حالت میں روزہ رکھنا جب کہ بدن کو کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اس صورت میں غلام محصر (جس شخص کو کسی وجہ سے حج سے روک دیا گیا ہو) سمجھا جائے گا۔

بیوی کے لیے شوہر کی اجازت کے بغیر نفل حج یا عمرہ کا احرام باندھنا جائز نہیں کیوں کہ اس سے شوہر کے حقوق ضائع ہوتے ہیں۔ اگر بیوی بلا اجازت احرام باندھ لے تو شوہر کو کھولانے کا اختیار ہے کیوں کہ شوہر کے حقوق ادا کرنے ضروری ہیں اس لیے وہ جیسے بیوی کا اعتکاف ختم کرا سکتا ہے اسی طرح احرام بھی کھولا سکتا ہے۔ اس صورت میں بیوی محصر سمجھی جائے گی۔

والدین کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنی اولاد کو فرض یا نذر حج سے روکیں، نہ ان کا احرام کھولا سکتے ہیں اگر وہ ایسا کریں تو اولاد کے لیے والدین کی اطاعت کرنا جائز نہیں یعنی نہ حج چھوڑیں اور نہ احرام کھولیں۔ اسی طرح تمام ایسے امور میں جو واجب ہیں مثلاً باجماعت نماز، جمعہ، واجب علم کے حصول کے لیے سفر کرنا، کیوں کہ یہ امور فرض ہیں ان کے لیے والدین کی اجازت کی ضرورت نہیں جیسا کہ نماز کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں۔

۴۔ حج کے لیے بدنی اور مالی استطاعت، نیز پرامن حالات ہونا:

اس سے مراد یہ ہے کہ مکہ معظمہ تک پہنچنے کی قدرت ہو کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: واللہ علی الناس حج البيت من استطاع الیہ سبیلاً (جو کوئی استطاعت رکھتا ہے اس پر اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج فرض ہے۔ آل عمران، ۳: ۹۷) لیکن استطاعت کی حدود اور وجوہ

میں فقہاء میں بعض اختلافات بھی ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ (۳۷) استطاعت کی تین قسمیں ہیں: بدنی، مالی اور امن سے متعلق۔ بدنی استطاعت سے مراد یہ کہ صحت مند ہو، مریض، دائم المرض، جو شخص کھڑا نہ ہو سکتا ہو، مفلوج، اندھے پر حج فرض نہیں ہے، خواہ اسے کوئی ساتھ لے جانے والا میسر ہو، اتنے بوڑھے شخص پر جو از خود سواری پر نہیں بیٹھ سکتا، قیدی یا جسے ظالم بادشاہ نے حج پر جانے سے روک دیا ہو، ان پر حج فرض نہیں ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حج کے وجوب کے لیے استطاعت کی شرط رکھی ہے۔

اس سے مراد مکلف ہونے کی استطاعت ہے یعنی اسباب سفر صحیح سالم ہوں اور وہاں پہنچنے کے تمام وسائل میسر ہوں۔ اسباب میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ بدن ایسے تمام عوارض سے صحیح سالم ہوں جن کی بنا پر سفر حج کے ضروری امور انجام دینے مشکل ہوں۔ ابن عباسؓ نے من استطاع الیہ سبیلاً کی تفسیر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ”سبیل“ سے مراد یہ ہے بدن تندرست ہو اور سواری اور زاد سفر کے لیے رقم موجود ہو اور کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

مالی استطاعت سے مراد یہ ہے کہ سواری اور زاد راہ کا مالک ہو یعنی آنے جانے کے اخراجات پر قادر ہو اور سواری سفر کا ذریعہ ہے۔ یہ چیزیں رہائش کی ضرورت اور دوسرے ضروری اسباب مثلاً لباس، گھر کے ساز و سامان اور خادم وغیرہ سے زائد ہوں کیوں کہ یہ کسی بھی شخص کی اصلی ضروریات ہیں۔ نیز یہ سامان ان افراد کے اخراجات سے زائد ہو جن کے اخراجات کی اس پر ذمہ داری ہے اور اس کی واپسی تک کا خاندان کے لیے انتظام ہو۔

سواری پر قدرت کے بارے میں متعدد شرائط ہیں:

الف۔ حاجی کے لیے مختص سواری ہو۔ اگر ایسی مشترک سواری ہے جس پر وہ کسی

دوسرے کے ساتھ باری باری سوار ہوتا ہے تو اسے سواری پر مطلوبہ قدرت نہیں سمجھا جائے گا۔ آج کے دور میں گاڑیوں، بحری اور ہوائی جہازوں میں مشترک سواری پر قدرت کا اعتبار ہے۔

ب۔ لوگوں کے حالات کے مطابق ہو: جو شخص اونٹ کے اگلے حصہ پر رکھے ہوئے تختہ پر نہیں بیٹھ سکتا اور ہودج یا محمل میسر نہیں ہے تو اس پر حج فرض نہیں ہے۔

ج۔ سواری کی ضرورت باہر کے حاجی کے لیے ہے۔ یعنی مکہ سے تین یوم یا اس سے زیادہ مسافت سے آنا ہو جو شخص مکہ میں رہتا ہے یا مکہ کے قریب ہے (یعنی مکہ سے تین دن سے کم کی مسافت پر ہے) تو وہ اگر پیدل چل سکتا ہے تو پھر اس پر حج واجب ہوگا ورنہ نہیں۔

امن کے حوالے سے استطاعت یہ ہے: کہ راستے پر امن ہوں اور بالعموم حفاظت اور سلامتی سے سفر ہو سکتا ہو، خواہ رشوت دے کر، کیوں کہ پر امن راستوں کے بغیر حج کی استطاعت کا مفہوم متعین نہیں ہوتا۔ یہ حج کے وجوب کی شرط ہے، یہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے، بعض علماء کی رائے میں یہ ادا کی شرط ہے۔

### عورت کا مامون ہونا:

عورت کے ساتھ کوئی عاقل بالغ یا قریب بلوغ محرم بھی موجود ہو، جس سے عورت محفوظ ہو، فاسق نہ ہو، خاندانی یا سسرالی رشتہ سے محرم ہو یا شوہر ہو اور عورت کے خرچ پر نہ کرے۔ عورت کا شوہر یا محرم کے بغیر حج کرنا مکروہ تحریمی ہے بشرطیکہ عورت کے گھر اور مکہ کے درمیان تین دن رات یا اس سے زائد سفر کی مسافت ہو۔ اگر محرم کے بغیر عورت نے کیا تو حج ادا ہو جائے گا مگر مکروہ ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اگر کوئی محرم نہ ہو تو عورت کے

شادی کرنا واجب نہیں۔ محرم کا وجود و جوب کی شرط ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ادا کی شرط ہے لیکن ہمارے دور میں عورت اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ سفر نہ کرے کیوں کہ برائی کا غلبہ ہو گیا ہے کیوں کہ اس کے ساتھ تنہائی میں رہنا مکروہ ہے جیسا کہ جوان سالی کے ساتھ۔

کمال ابن الہمام نے فتح القدر میں اس رائے کو اختیار کیا ہے کہ صحت اور راستے کے پرامن ہونے کے بعد محرم کا ہونا عورت کے لیے حج کے وجوب ادا کی شرط ہے۔ اگر بیماری کے باعث یا راستے کے پرخطر ہونے کی وجہ سے یا شوہر یا محرم نہ ہونے کی وجہ سے حج نہ کر سکے تو حج کی وصیت کرنا واجب ہے۔

حج کے وجوب کے لیے سفر خرچ اور سواری کی شرط میں اس وقت ان چیزوں کا ہونا ضروری ہے جب اس شہر کے لوگ حج کے لیے جا رہے ہوں۔ اگر اس وقت کسی کے پاس مال ہو تو اس کے لیے کسی دوسری جگہ خرچ کرنا جائز نہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں (۳۸) استطاعت سے مراد یہ ہے معمول کے طریقے سے مکہ پہنچنے کا امکان ہو، پیدل یا سواری پر اور صرف وہاں پہنچنے کی استطاعت ضروری ہے، واپسی کی استطاعت کی شرط اس صورت میں ہے جب کہ مکہ میں یا کسی قریبی شہر میں رہائش ممکن نہ ہو حاجی کے لیے اپنے شہر واپس آنا ضروری نہیں ہے۔ استطاعت کا تعلق درج ذیل تین چیزوں سے ہوگا۔

۱۔ بدنی قوت: یعنی معمول کے مطابق مکہ پہنچنا ممکن ہو، پیدل یا سواری پر، خشکی یا سمندر کے راستے اور اس دوران میں غیر معمولی شدید مشقت کا سامنا نہ کرنا پڑے، معمول کی مشقت تو سفر میں ہوتی ہی ہے کیوں کہ سفر عذاب کا ٹکڑا ہے۔ پیدل چلنے کی استطاعت کو شرط میں شامل کرنے والے صرف مالکیہ ہیں۔ ان کے نزدیک اگر کوئی اندھا پیدل چل کر

حج کر سکتا ہے اور اسے کوئی قائد میسر ہے تو اس پر حج فرض ہے، عورت کے لیے زیادہ دور پیدل چل کر جانا مکروہ ہے۔

ب۔ خرچ کے لیے نقدی موجود ہونا: لوگوں کے حالات اور ان کے طرز زندگی کے مطابق جس قدر نقدی کی ضرورت ہو۔ اگر کسی شخص کے پاس کوئی ہنر ہے اور وہ مہارت اس کی ضروریات کی کفالت کر سکتی ہے تو وہ نقدی کے قائم مقام ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک سواری اور سفر خرچ بالذات شرط نہیں۔ اگر کوئی پیدل چل کر پہنچ سکتا ہے تو سواری کی ضرورت نہیں ہے اور اگر کسی کے پاس کوئی ایسا ہنر ہے جس سے وہ ضروریات پوری کر سکتا ہے تو اپنے ساتھ رقم یا سفر خرچ لے کر چلنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مکہ پہنچنے کی استطاعت اگر ہے تو اسے استطاعت سمجھا جائے گا خواہ کسی شخص نے کسی مفلس پر کوئی جانور، جائیداد، کتابیں، یا کوئی آلات فروخت کیے ہوں اور ان کی قیمت اتنی ہو کہ ان سے مکہ پہنچ سکتا ہے خواہ حج کے بعد فقیر ہو جائے یا ایسی اولاد رہ جائے جس کے اخراجات اس کے ذمے ہوں کیوں کہ لوگ انہیں صدقات دے دیں گے بشرطیکہ ان کے ہلاک ہو جانے یا شدید تکلیف میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو یعنی ایسے حالات ہوں کہ لوگ انہیں صدقات نہیں دیں گے یا ان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ ہو۔

قرض لے کر حج واجب نہیں ہوتا خواہ بیٹے سے قرض لیا ہو جب کہ اسے ادا کرنے کی امید نہ ہو، اسی طرح ہبہ یا بغیر سوال کے ملنے والے صدقہ سے بھی واجب نہیں ہوتا سوال کر کے لیے ہوئے صدقہ سے بھی حج واجب نہیں ہوتا، خواہ سوال کرنے کی اس عادت تھی یا نہیں تھی لیکن راجح قول یہ ہے کہ جس کسی کی مقیم ہونے کی حالت میں سو

کرنے کی عادت ہو اور اسے معلوم ہو یا ظن غالب ہو کہ سفر میں لوگ اسے اتنا دے دیں گے کہ اس کا گزارا ہوتا رہے گا تو اس پر حج واجب ہے یعنی اپنے شہر کا عادی گداگر اگر یہ سمجھتا ہو کہ اسے حج کے دوران کچھ نہ کچھ ملتا رہے گا تو اس پر حج واجب ہے ورنہ نہیں۔

ج۔ راستہ محفوظ ہو: خشکی یا سمندر کا راستہ جس پر سفر کرنا ہو وہ بالعموم محفوظ ہو، اگر صرف سمندر کا راستہ ہو اور وہ بالعموم محفوظ نہ ہو تو حج واجب نہیں ہے۔ عورت کے لیے سمندری سواری پر حج واجب نہیں جب تک کہ کشتی میں اس کی نشست مختص نہ ہو۔

اس سے مراد یہ ہے کہ راستے میں جان و مال کے بارے میں کسی غاصب، چور اور ڈاکو کا اندیشہ نہ ہو۔ کیوں کہ کبھی آدمی کی بہ نسبت مال کی زیادہ اہمیت ہوتی ہے اور لوگ جان لینے کے بجائے مال چھیننے کو ترجیح دیتے ہیں اور ایک کو دوسرے سے کوئی نسبت نہیں۔

عورت کے بارے میں مزید یہ ہے کہ اس کے ساتھ شوہر یا نسب یا رضاعت یا سسرالی رشتوں سے کوئی محرم ہو (۳۹) یا فرض، نذر یا قضاء حج میں ایسی خواتین یا رفقاء ساتھ ہوں جن کے بارے میں اطمینان ہو تو شوہر یا محرم نہ ہو تب بھی حج واجب ہے، رفقاء میں خواہ صرف عورتیں ہوں یا عورتیں اور مرد دونوں ہوں۔ اگر عورت طلاق یا شوہر کی وفات کے باعث عدت میں ہے تو اس کے لیے عدت کے گھر میں رہنا ضروری ہے۔ اگر اس نے حج کر لیا تو حج ادا ہو جائے گا لیکن گناہ ہوگا۔

شافیہ کے نزدیک (۴۰) اگر کوئی شخص مکہ سے قصر کی مسافت (۸۹ کیلو میٹر) کے فاصلے پر ہے تو اس پر حج یا عمرہ کے وجوب کے لیے جس استطاعت کی شرط ہے اس میں سات شرائط ہیں، جن میں سے تین اوپر مذکور ہیں۔

۱۔ بدنی قدرت: صحت مند ہو، بغیر شدید نقصان یا سخت مشقت کے سواری پر بیٹھ سکتا ہو،

ورنہ اس کو صاحب استطاعت نہیں سمجھا جائے گا، نابینا کو اگر کوئی قائد میسر ہے جو اسے ساتھ لے کر چلے اور اترتے وقت اس کی رہنمائی کرے، سواری پر بٹھائے تو اس پر حج واجب ہے جس شخص پر اس کی حماقت کے باعث پابندی عائد ہو اس پر دوسرے لوگوں کی طرح حج فرض ہے لیکن اسے مال نہ دیا جائے تاکہ اسے فضول خرچ نہ کر دے بلکہ اس کا ولی خود اس کے ساتھ سفر کرے اور راستے میں ضرورت کی مطابق اس پر خرچ کرے یا اس کے ساتھ اپنے قائم مقام کسی کو بھیجے۔ اگر کوئی محض احسان کے طور پر ساتھ لے جانے والا نہ ملے تو کسی کو معمول کی اجرت دے کر ساتھ بھیجے تاکہ راستے میں اس کی ضروریات کے مطابق اس پر خرچ کرتا رہے۔

۲۔ مالی قدرت: زاد سفر اور اس کے برتن اور مکہ آنے کے اخراجات (یعنی اپنے شہر سے مکہ اور مکہ سے واپس اپنے شہر تک خواہ وہاں اس کے اہل و عیال اور خاندان نہ ہو)۔

اگر کوئی شخص روزانہ اپنی ضروریات کے مطابق کماتا ہو اور اس کا سفر طویل ہو (دو مرحلے یا اس سے زیادہ ۸۹ کیلو میٹر) اسے حج کا مکلف نہیں کہا جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر ایک دن میں کئی روز کے اخراجات کے برابر کمالیتا ہو تب بھی نہیں کیوں کہ ہو سکتا ہے کسی عارضے کی وجہ سے اس کا روزگار ختم ہو جائے۔ اور اگر ختم نہ ہو تو بھی سفر کی مشقت اور محنت مزدوری کی مشقت کو جاری رکھنے میں بہت مشقت ہے۔ یہ رائے امام مالک کی اور مذکورہ رائے کے برعکس ہے جس میں کہا گیا ہے کہ سفر کے دوران محنت مزدوری سے کماتا ہے تو حج کرے۔ اگر سفر مختصر ہو مثلاً مکہ میں ہی ہو یا مکہ سے دو مرحلوں سے کم فاصلے پر اور ایک دن میں کئی دنوں کی ضروریات کے مطابق کماتا ہو تو اسے حج کا مکلف کہا جائے گا کیوں کہ اس میں مشقت کم ہے۔

۳۔ سواری موجود ہو، (یعنی سفر کا وسیلہ ہو) جو سفر کے قابل ہو اور معمول کی قیمت



خریدی جاسکتی ہو یا اجرت پر لی جاسکتی ہو۔ سواری ایسے شخص کے لیے ضروری ہے جو مکہ سے دو مرحلوں یا اس سے زیادہ فاصلے پر رہتا ہو چاہے پیدل چل سکتا ہو یا نہ، مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے لیکن جو شخص پیدل چل سکتا ہے اس کے لیے حج کرنا مستحب ہے تاکہ ان علماء کے اختلاف سے بچ سکے جن کے نزدیک اس پر حج واجب ہے یہ شرط بھی مالی قدرت کے ذیل میں آتی ہے۔

اگر کسی شخص کے اور مکہ کے درمیان دو مرحلوں سے کم فاصلہ ہو اور وہ پیدل چلنے پر قادر ہو تو اس پر حج واجب ہے اور اگر پیدل نہ چل سکتا ہو، مثلاً بے بس ہو یا اسے کوئی ظاہری تکلیف ایسی ہو جس کے باعث چلنا مشکل ہو تو وہ ایسے شخص کی طرح ہے جو دور رہتا ہے اس لیے بھی یہ شرط ہے کہ اس کے پاس سواری ہو۔

یہ بھی شرط ہے کہ زاد سفر اور سواری فوری قابل ادا یا مؤجل قرض سے زائد ہو، قرض خواہ کسی انسان کا ہو یا اللہ کا ہو مثلاً نذر یا کفارہ، نیز جن لوگوں کے اخراجات اس کے ذمے ہیں ان سے بھی زائد ہو اور ان کے لیے اتنی مدت کے اخراجات الگ سے ہوں (۴۱) جو اس کے لیے آنے جانے کی مدت ہے تاکہ وہ ضائع نہ ہو جائیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آدمی کے گنہ گار ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت افراد کو ضائع کر دے“ (۴۲)۔

صحیح یہ ہے کہ زاد سفر اور سواری اس کے مناسب حال رہائش اور اس کے خادم سے بھی زائد ہوں جس کی اسے اپنے منصب یا اپنی احتیاج کی وجہ سے ضرورت ہے کیوں کہ ان دونوں چیزوں کی اسے فی الحال ضرورت ہے۔

صحیح تر یہ ہے کہ اگر آدمی کے پاس مال تجارت ہے تو اسے زاد سفر، سواری اور دیگر

ضروریات کے لیے خرچ کرے، نیز اگر اس کے پاس زمینیں، مکانات وغیرہ ہیں جن سے اسے منافع حاصل ہوتا ہے تو انہیں فروخت کر کے ان ضرورتوں میں صرف کرے جیسا کہ قرض ادا کرنے کے لیے ان کو فروخت کرنا ضروری ہے۔

۴۔ پانی، زادراہ اور جانوروں کے چارہ کا ایسے جگہوں پر ملنا بھی شرط ہے جہاں سے معمول کے مطابق اٹھا کر لے جانا ممکن ہو چاہے معمول کی قیمت پر دست یاب ہو اور اس سے مراد وہ قیمت ہے جو اس جگہ اور ان حالات کے مطابق ہو خواہ قیمتیں زیادہ ہوں۔ اگر یہ چیزیں دست یاب نہ ہوں یا ان میں سے کوئی ایک نہ ہو یا معمول کی قیمت سے زیادہ کی ملتی ہوں تو ایسے شخص پر حج اور عمرہ فرض نہیں ہے۔ یہ شرط بھی مالی قدرت کے ذیل میں آتی ہے۔

۵۔ حالت امن ہو: راستہ پر امن ہو، اگرچہ ہر مقام پر اس کی مناسبت سے جان و مال کے بارے میں تشویش ہو۔ اس سے مراد امن عام ہے۔ اگر کسی شخص کو اپنی جان، بیوی یا مال کے بارے میں درندے، دشمن یا چور ڈاکو کا خوف ہو اور اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ ہو تو اس پر حج واجب نہیں ہے کیوں کہ اس صورت میں ضرر کا اندیشہ ہے۔

اگر راستے میں محافظ ساتھ لے کر چلنے سے راہ پر امن ہو جاتا ہو اور اگر معمول کی اجرت دے سکتا ہو تو محافظ ساتھ لے کر چلنا واجب ہے۔

۶۔ عورت کے ساتھ شوہر یا کوئی نسبی یا غیر نسبی محرم ہو یا قابل اعتماد عورتیں ہوں، کیوں کہ اکیلی عورت کے لیے سفر کرنا حرام ہے خواہ کسی قافلے یا جماعت میں ہی کیوں نہ ہو کیوں کہ ہو سکتا ہے وہ کسی بہکاوے یا دھوکے میں آجائے کیوں کہ صحیحین کی حدیث ہے: ”کوئی عورت دو دن کا سفر نہ کرے مگر یہ کہ اس کا شوہر یا کوئی محرم ساتھ ہو“۔ ضروری نہیں کہ شوہر اور محرم قابل اعتماد ہوں کیوں کہ طبعی تقاضے شرعی احکام کی بہ نسبت زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔

اگر عورتیں ہوں تو ضروری ہے کہ قابل اعتماد ہوں تاکہ امن و سلامتی کا اندیشہ نہ ہو اور بالغ ہوں کیوں کہ سفر میں خطرات ہوتے ہیں۔ متاخرین کی رائے یہ ہے کہ اگر قریب بلوغ ہوں تب بھی درست ہے۔ اور یہ کہ اس عورت کے سوا تین اور ہوں کیوں کہ یہ جمع کی کم از کم تعداد ہے۔ اگر ایک عورت جا رہی ہو تو اس کے ہمراہ جانا واجب نہیں۔ یہ تمام شرائط حج کے وجوب کی ہیں۔ جہاں تک جواز کا تعلق ہے تو اگر ایک قابل اعتماد عورت جا رہی ہو تو اس کے ساتھ دوسری عورت کے لیے جانا جائز ہے۔ یہی صحیح قول ہے۔ صحیح تر رائے یہ ہے کہ ان میں سے کسی کے لیے بھی محرم ساتھ ہونا شرط نہیں اگر عورت کے ساتھ محرم اجرت کے بغیر جانے کو تیار نہ ہو تو عورت کے لیے اس کی اجرت دینا ضروری ہے۔

اگر نفل حج ہو یا اور کوئی سفر ہو جو واجب نہیں تو اکیلی عورت کے لیے دوسری عورت کے ہمراہ بلکہ محض عورتوں کی جماعت کے ہمراہ سفر کرنا جائز نہیں۔ اگر نفل حج کر رہی ہو اور اس کے ساتھ محرم بھی ہو، پھر محرم مر جائے تو حج مکمل کرے، اسی طرح اکیلی عورت دار الکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کر سکتی ہے۔

۷۔ وقت میں گنجائش ہو۔ دیگر تمام شرائط کے سوا یہ بھی ضروری ہے کہ حج تک اتنا وقت رہتا ہو کہ وہاں پہنچ کر حج ادا کر سکتا ہو، استطاعت میں جس وقت کا اعتبار ہے وہ شوال سے دس ذوالحجہ تک کا وقت ہے۔ اگر اس وقت میں نہیں پہنچ سکتا تو حج واجب نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں (۴۳) جس استطاعت کی شرط ہے وہ یہ ہے کہ زاد سفر اور سواری پر قدرت ہو، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استطاعت کی تفسیر میں زاد سفر اور سواری کا ذکر فرمایا لہذا آپ کی تفسیر کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، سبیل سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: زاد سفر اور سواری“ (۴۴)۔ ابن عمرؓ

سے روایت ہے کہ ”ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا، یا رسول اللہ، حج کس سے واجب ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا، زاد سفر اور سواری سے“ (۴۵)۔

شافعیہ کی صحیح روایت میں اور حنابلہ کے نزدیک اگر بیٹا یا کوئی اجنبی مال خرچ کر رہا ہو تو حج فرض نہیں ہوتا اور وہ مال قبول کرنا واجب نہیں کیوں کہ مال قبول کرنے میں دوسرے کا احسان لینا ہے۔

حنابلہ اس سلسلے میں شافعیہ سے ہم آہنگ ہیں کہ اگر کسی شخص پر حج فرض نہیں تھا لیکن اس نے حج کا ارادہ کر لیا اور کسی دوسرے کو تکلیف دیے بغیر حج کرنا اس کے لیے ممکن ہو مثلاً پیدل حج کرے اور راستے میں محنت مزدوری کرتا جائے، لوگوں سے نہ مانگے تو اس کے لیے حج کرنا مستحب ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: یأتوک رجالا وعلی کل ضامر (تیرے پاس آئیں گے پیدل اور دہلی اوستیوں پر، الحج، ۲۲: ۲۷) اس آیت میں پہلے پیدل حج کا ذکر کیا کیوں کہ اللہ کی اطاعت میں مبالغہ ہے اور اختلاف سے بچنے کی راہ بھی ہے۔ جس شخص کا پیشہ گداگری ہو اس کے لیے حج مکروہ ہے۔

حنابلہ کے نزدیک بھی زاد سفر کی وہی شرائط ہیں جو شافعیہ کے ہاں ہیں یعنی آنے جانے کے اخراجات ہوں، کھانے، پینے اور لباس کا انتظام ہو اور جو چیزیں خریدنا پڑتی ہیں، ان کے خریدنے کے لیے روپیہ پیسہ ہو، جب کہ ان کی قیمت معمول کے مطابق ہو یا معمولی زیادہ ہو، اتنی نہ ہو کہ اس کا سارا مال اسی میں ختم ہو جائے۔

اگر راستے میں زاد سفر، پانی اور جانوروں کا چارہ دست یاب نہ ہو تو ساتھ لے کر چلنا ضروری ہے اور اگر معمول کی منزلوں پر یہ چیزیں دست یاب ہوتی ہوں تو ساتھ لے جانا ضروری نہیں، کیوں کہ اس میں مشقت ہے اور لوگوں کا معمول بھی یہ نہیں ہے۔

یہ بھی شرط ہے کہ زاد سفر اور پانی کے برتنوں پر بھی قدرت ہو کیوں کہ ان کے بغیر چارہ کار نہیں۔ مسافت خواہ کم ہو یا زیادہ زاد سفر کی شرط کا اعتبار ہے کیوں کہ اس کے بغیر گزارا نہیں۔ اگر اس کی ضرورت کسی شخص کو نہ ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

سواری کے لیے ضروری ہے کہ اس سفر کے قابل ہو، خواہ خرید لے یا آنے جانے کے لیے کرائے پر لے لے۔ نیز وہ آلات بھی موجود ہوں جن سے سواری کے خراب ہونے کی صورت میں اس کی اصلاح کی جاسکتی ہو۔

اگر مکہ سے واپسی کا سفر دور ہو تو وہاں سے سواری کا ہونا بھی ضروری ہے خواہ پیدل چلنے پر قادر ہو۔ کیوں کہ استطاعت سے مراد زاد سفر اور سواری ہے۔ منزل دور ہونے سے مراد یہ ہے کہ اتنا فاصلہ ہو جس میں نماز قصر کی جاتی ہے یعنی دو معتدل دنوں کے سفر کی مقدار، اگر اس سے کم مقدار کا سفر ہو تو سواری کا ہونا شرط نہیں، مکہ کا رہنے والا ہو یا مکہ تک قصر سے کم مسافت ہو۔

اگر اس مسافت کے لیے لوگ بالعموم پیدل سفر کرتے ہیں تو پیدل سفر کر کے حج کرے، کیوں کہ اس میں معمولی مشقت ہے اور اس میں پیدل چلنے میں کوئی خوف اندیشہ نہیں اور اگر اتنے سفر میں قافلے سے بچھڑ جائے تب بھی ہلاکت کا اندیشہ نہیں ہے ہاں اگر بڑھاپے یا کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے پیدل نہیں چل سکتا تو سواری کا ہونا ضروری ہے خواہ قصر کی مسافت سے کم سفر ہو کیوں کہ اس صورت میں ضرورت ہے۔ اگر ہاتھوں اور پاؤں پر جا سکتا ہو تو ایسا کرنا ضروری نہیں کیوں کہ اس میں مزید مشقت ہے۔

جن لوگوں کی ضروریات کی کفالت اس کے ذمے ہیں ان کی ضروریات سے زائد اتنے وقت کے لیے جس میں حج کا سفر مکمل ہوگا زاد سفر اور سواری ہونا ضروری ہے۔ یہ

ضروری نہیں کہ واپسی کے بعد کے اخراجات بھی موجود ہوں کیوں کہ اخراجات کا تعلق انسانی حقوق سے ہے اور انسان ضروریات کے زیادہ محتاج ہیں اور انسانی حقوق کی تاکید زیادہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”آدمی کا یہی گناہ کافی ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت افراد کو ضائع کر دے“ (۴۶)۔

زاد سفر اور سواری اپنی اور خاندان کی رہائش، خادم اور دوسری ضروریات سے زائد ہونا ضروری ہے، نیز قرض کی ادائیگی سے بھی فاضل ہو کیوں کہ قرض ادا کرنا بنیادی ضروریات میں سے ہے، یہ انسانی حقوق سے متعلق ہے، جس کی زیادہ تاکید ہے۔

اگر شادی کی ضرورت ہے اور گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے تو پہلے شادی کر لے کیوں کہ یہ واجب ہے اور اس کے بغیر چارہ کار نہیں۔ یہ ضروری اخراجات کی مانند ہے اور اگر گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو پہلے حج کرے کیوں کہ شادی کرنا مستحب ہے، اسے حج پر جو کہ واجب ہے مقدم نہ کرے۔

اگر کسی کی جائداد ہو جس کا اپنی رہائش یا اپنے خاندان کی رہائش کے لیے ضرورت مند ہو یا اپنے اور اپنے خاندان کے اخراجات کے لیے اس کے کرائے کا حاجت مند ہو یا سامان تجارت ہو کہ اگر کم ہو گیا تو اس کا نفع اتنا کم ہو جائے گا کہ اس کے اخراجات پورے نہیں ہوں گے یا جانور ہوں جن کی ضرورت ہو تو اس پر حج واجب نہیں ہے البتہ اگر ان میں سے کوئی چیز اصلی ضروریات سے زائد ہو تو اسے فروخت کر کے حج کرنا واجب ہے۔ اگر کتابیں ہوں کہ جن کی ضرورت ہے تو انہیں فروخت کر کے حج کرنا واجب نہیں اور اگر ان کی ضرورت نہ ہو تو اتنی فروخت کر دے جن سے حج کر سکے۔

اگر کسی مالدار آدمی کے ذمے اتنا قرض ہے جس سے حج کیا جاسکتا ہے اور وہ شخص

قرض ادا کر دے گا تو حج واجب ہے کیوں کہ اس صورت میں حج پر قادر ہے اور اگر کسی تنگ دست کے ذمے قرض ہے یا قرض کی واپسی مشکل ہے تو حج واجب نہیں ہے۔

راستوں کا پرامن ہونا کہ ان میں کوئی دشمن وغیرہ نہ ہو شرط ہے، نیز عورت کے ساتھ شوہر یا محرم کا ہونا ضروری ہے۔ اگر اس کے ساتھ ان میں سے کوئی نہ ہو تو عورت پر حج فرض نہیں ہے اور وقت میں اتنی گنجائش ہو کہ ان شرائط کی تکمیل کے بعد وہ اس وقت میں حج کے لیے روانہ ہو کر بروقت مکہ پہنچ سکتا ہو (۴۷)۔ یہ رائے حنفی اور شافعی مذہب کے مطابق ہے لیکن حنابلہ کے نزدیک ان شرائط کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ یہ شرائط حج کے وجوب کی شرائط ہیں جیسا کہ حنفیہ اور شافعیہ کی رائے ہے۔ ان کے بغیر حج واجب نہیں ہوتا، دوسری یہ کہ یہ حج کے لیے روانگی کی شرائط ہیں۔ اگر کوئی شخص، حج کے بغیر مر گیا تو اس کی موت کے بعد اس کی طرف سے حج کرنا واجب ہے کیوں کہ اس کے ذمے حج فرض تھا، پہلی روایت کے مطابق اس کے ذمے حج فرض نہیں تھا اور حنبلی مذہب میں فتویٰ اسی پر ہے۔

اکثر علماء کے نزدیک مرد کے لیے جائز نہیں کہ اپنی بیوی کو فرض حج سے روکے، یہی امام شافعی کا قول ہے کیوں کہ فرض سے روکنے کا اسے اختیار نہیں ہے جیسے کہ رمضان کے روزوں اور پنجگانہ نماز سے نہیں روک سکتا، البتہ عورت کے لیے مستحب ہے کہ اس کی اجازت لے لے۔ اگر اجازت دے دے تو فبہا ورنہ بلا اجازت چلی جائے البتہ نفل حج سے روک سکتا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ شوہر بیوی کو فرض اور مسنون حج سے روکنے کا اختیار رکھتا ہے کیوں کہ مرد کا اس سے فوری حق متعلق ہے جب کہ حج بعد میں بھی کیا جا سکتا ہے البتہ نماز

روزے سے منع نہیں کر سکتا اور فرق یہ ہے کہ حج کے لیے بہت وقت ہوتا ہے وہ کسی وقت بھی ادا کیا جا سکتا ہے جب کہ نماز روزے میں ایسا نہیں ہے۔

### عورتوں کے لیے خاص شرائط:

اوپر کی بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے فقہی مذاہب میں دو خاص شرائط ہیں، جو یہ ہیں:

۱۔ اس کے ساتھ شوہر یا کوئی محرم ہو، اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو اس پر حج واجب نہیں ہے۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کیوں کہ اوپر مذکور حدیث میں ہے: ”کوئی عورت تین دن کا سفر اس طرح نہ کرے کہ اس کے ساتھ کوئی محرم نہ ہو“ (۴۸)۔ نیز دوسری حدیث میں ہے: ”عورت شوہر کے بغیر حج نہ کرے“ (۴۹)۔ شافعیہ کے نزدیک اگر قابل اعتماد عورتوں کی جماعت ہو تو ان کے ساتھ عورت حج کر سکتی ہے، ایک عورت کے ہمراہ نہیں۔ مالکیہ کے نزدیک اگر قابل اعتماد رفقاء ہوں خواہ صرف مرد یا صرف عورتیں یا دونوں، ان کے ساتھ عورت حج کے لیے جا سکتی ہے۔ شافعیہ اور مالکیہ کی دلیل آیت: **وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا** (جو حج کی استطاعت رکھتا ہے اس کے لیے بیت اللہ کا حج اللہ کے لیے فرض ہے، آل عمران، ۳: ۹۷) کا عموم ہے۔ اگر عورت کو اپنے نفس کے بارے میں اطمینان ہے تو اس پر حج فرض ہے۔

علماء کے نزدیک محرم شخص کی پہچان کا قاعدہ یہ ہے کہ جس کے ساتھ کسی محترم مبارک سبب کے باعث ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہو خواہ وہ حرمت نسبی ہو یا رضاعی یا سسرالی رشتہ کے باعث۔ ہمیشہ کے لیے حرام ہونے کی شرط سے بہنوئی اور خالو، پھوپھا اس سے نکل گئے اور مبارک سبب کی شرط سے ایسی عورت کی ماں اور بیٹی جس سے شبہ کی بنا پر جمار



کر لیا ہو خارج ہو گئیں اور جو محترم ہو کی شرط سے ایسی بیوی نکل گئی جس سے لعان کی وجہ سے علیحدگی ہوئی ہو (۵۰)۔

یاد رہے کہ شافعیہ، مالکیہ اور دوسرے فقہاء کے درمیان اس اختلاف کا تعلق ایسے سفر سے ہے جو فرض ہے اور سفر حج بھی فرض ہے، اس سفر پر دوسرے اختیاری سفر کو قیاس کرنا بالاجماع درست نہیں ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا: ”کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ ملے مگر یہ کہ اس کا محرم ساتھ ہو اور کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا، یا رسول اللہ، میری بیوی حج کرنے چلی گئی ہے اور میں نے فلاں فلاں غزوہ میں نام لکھوایا ہوا ہے، آپ نے فرمایا، جاؤ، اپنی بیوی کے ہمراہ حج کرو“ (۵۱)۔

۲۔ طلاق یا شوہر کی وفات کے باعث عدت میں نہ ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے عدت کے دوران عورتوں کو سفر پر نکلنے سے منع فرمایا: لا تخرجن من بیوتھن ولا یخرجن (انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں۔ الطلاق، ۶۵: ۱) کیوں کہ حج تو کسی دوسرے وقت میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے جب کہ عدت کے مخصوص ایام ہیں اور وہ طلاق یا شوہر کی وفات کے فوراً بعد کے ایام ہیں، اس لیے دونوں امور کے مابین توافق اور جمع کر لینا بہتر ہے۔

یاد رہے کہ یہ دو شرائط دیگر شرائط کے ساتھ یعنی بدن کا صحیح سالم ہونا اور بیماری یا نابینا پن کا نہ ہونا جو سفر میں رکاوٹ ہو اور ظاہری رکاوٹ مثلاً قید وغیرہ کا نہ ہونا اور راستے کا محفوظ ہونا۔ حنفیہ کے نزدیک حج کے وجوب ادا کی شرائط ہیں، جو پانچ ہیں جب کہ مطلقاً حج کے فرض ہونے کی شرائط ان کے نزدیک آٹھ ہیں اور وہ ہیں: اسلام، عقل، بلوغ،

آزادی، وقت، زاد راہ پر قدرت خواہ مکہ میں ہی ہو، سواری پر قدرت اور بلا مشقت حج ادا کرنے کی قوت۔

اگر کسی شخص نے معذوری کے باوجود مشقت اٹھا کر اپنی طرف سے حج کر لیا تو اگر وہ عاقل بالغ، آزاد ہے تو حنفیہ کے نزدیک اس کا فرض ادا ہو گیا کیوں کہ اس میں فرض کی اہلیت تھی، اگرچہ اس پر اس لیے واجب نہیں تھا کہ اس میں مشقت تھی، جب اس نے مشقت برداشت کر لی تو فرض حج ادا ہو گیا۔

حنابلہ کے نزدیک جو عورت شوہر کی وفات کے بعد عدت گزار رہی ہو وہ حج کا سفر نہ کرے اور جو قطعی طلاق کے بعد عدت گزار رہی ہو وہ حج کے لیے جاسکتی ہے کیوں کہ شوہر کی وفات کی صورت میں بیوہ کو اسی گھر میں رہنے اور سفر نہ کرنے کی پابندی ہے اور قطعی طلاق کے بعد ایسی پابندی نہیں ہے۔ اگر کسی عورت کو رجعی طلاق ہوئی اور وہ حج کے لیے چلی گئی، پھر اس کا شوہر فوت ہو گیا تو اگر گھر کے قریب تھی تو واپس آ جائے اور اپنے گھر میں عدت گزارے اور اگر دور چلی گئی تو سفر جاری رکھے۔

حج میں کسی کو قائم مقام بنانا اور دوسرے کسی کی طرف سے حج کرنا (۵۲)۔

اس موضوع پر بحث درج ذیل امور پر گفتگو کا تقاضا کرتی ہے:

۱۔ کن عبادتوں میں کسی کو قائم مقام بنایا جاسکتا ہے اور کن میں نہیں بنایا جاسکتا؟

عبادات کی تین قسمیں ہیں: (۵۳)

۱۔ خالص مالی عبادتیں مثلاً زکوٰۃ، کفارہ، قربانی کے گوشت کی تقسیم، ان میں بالاتفاق کسی کو نائب بنانا جائز ہے خواہ مجبوری ہو یا نہ ہو، کیوں کہ ان عبادت کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو فائدہ پہنچے اور وہ کسی بھی شخص کے ذریعے پہنچ سکتا ہے، خواہ اصل ہو یا نائب۔

ب۔ خالص بدنی عبادتیں مثلاً نماز روزہ، ان میں کسی کو نائب بنانا جائز نہیں کیوں کہ ان میں اصل مقصد نفس کو مجاہدہ کرانا ہے اور وہ نائب کے ذریعے نہیں ہو سکتا۔

ج۔ ایسی عبادتیں جو بدنی اور مالی عبادتوں کا مجموعہ ہوں مثلاً حج، ان میں جمہور (مالکیہ کے سوا) کے نزدیک عجز اور مجبوری کی صورت میں نائب بنانا جائز ہے کیوں کہ جو مشقت مقصود ہے وہ اپنے کرنے سے بھی ہو جاتی ہے اور اگر مالی مشقت ہو تو دوسرے کے کرنے سے بھی ہو جاتی ہے۔ یہ عبادت نماز سے مختلف ہے کیوں کہ اس میں بالعموم سفر وغیرہ میں مال خرچ کرنا پڑتا ہے، اس لیے مالی عبادت بھی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ زندہ آدمی کی طرف سے فرض یا نفل حج میں کسی کو نائب بنانا جائز نہیں خواہ اجرت پر ہو یا بلا معاوضہ، اجارہ اس میں فاسد ہوتا ہے کیوں کہ یہ ایک بدنی عمل ہے، نماز اور روزے کی طرح اس میں بھی کسی کو نائب بنانا درست نہیں کیوں کہ حج کا مقصد وطن چھوڑ کر نفس کو مؤدب بنانا اور معمول کی زندگی سے ہٹ کر اس کی تہذیب کرنا ہے، نیز سلا ہوا لباس چھوڑ کر قیامت، آخرت اور قبر کو یاد کرنا ہے اور ان مقامات پر شعائر اللہ کی تعظیم کرنا اور جن امور کی حقیقت معلوم نہیں ان میں اپنی فرماں برداری کا اظہار کرنا مثلاً رمی جمار، صفا و مروہ کے درمیان سعی وغیرہ اور یہ مقاصد خود کیے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔

البتہ اگر میت نے وصیت کی ہو تو اس کی طرف سے حج کراہت کے ساتھ جائز ہے اور اس کی طرف سے نفل حج جائز نہیں ہے۔

۲۔ میت کو ثواب پہنچانا:

علماء کا اتفاق ہے کہ دعا، صدقہ اور قربانی کا ثواب میت کو پہنچتا ہے کیوں کہ حدیث

میں ہے: ”جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں، تین چیزیں باقی رہتی ہیں: صدقہ جاریہ، علم جس سے نفع ہو رہا ہو، نیک اولاد جو دعا کرے“ (۵۳)۔

جمہور اہل سنت و جماعت (۵۵) کی رائے یہ ہے آدمی کو حق ہے کہ وہ اپنے کسی بھی نیک عمل مثلاً نماز، روزے، صدقہ یا تلاوت قرآن کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچائے، یوں کہے: یا اللہ جو کام میں نے کیا، اس کا ثواب فلاں کو پہنچا دے کیوں کہ روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رنگ دار دھنبے ذبح کیے۔ ایک اپنی طرف سے اور دوسرے اپنی امت کے ان افراد کی طرف سے جنہوں نے توحید اور رسالت محمدیؐ کی گواہی دی“ (۵۶)۔ آپؐ نے ایک بھیڑ کی قربانی اپنی امت کی طرف سے دی۔ نیز روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا، یا رسول اللہ، میرے والدین تھے، میں ان کی زندگی میں ان سے حسرت سلوک کیا کرتا تھا، ان کی وفات کے بعد ان سے کیا حسن سلوک کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ”نیک کے بعد یہ بھی نیک ہے کہ تو اپنی نماز کے ساتھ ان کے لیے بھی نماز پڑھ اور اسی روزے کے ساتھ ان کے لیے بھی روزہ رکھ“ (۵۷)۔

رہی یہ آیت کہ: وان لیس للانسان الا ما سعی (انسان کے لیے وہی ہے جو اپنے کوشش کی، النجم، ۵۳: ۳۹) تو اس سے مراد یہ ہے کہ عدل کا تقاضا یہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسے ثواب پہنچانا چاہے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ کمال ابن الہمام تصریح کی ہے اور دوسری آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے جس میں ہے: والذین آمنوا واتبعتهم ذریعتهم بایمان الحقنا بهم ذریعتهم (جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد ایمان میں ان کا اتباع کیا، ان کی اولاد کو ہم ان سے ملا دیں گے، الطور، ۵۲: ۲۱)۔

حدیث میں جو آتا ہے کہ ”جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے تین کے سوا باقی اعمال

ختم ہو جاتے ہیں“ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ دوسروں کے اعمال بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں ہے: ”کوئی کسی کی طرف سے روزہ نہ رکھے اور نہ کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھے“، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے اصل آدمی کی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی۔ یہ مطلب نہیں کہ ثواب بھی نہیں ملتا۔

اس میں ایسی کوئی بات نہیں جو عقلاً ناممکن ہو، اتنی سی بات ہے کہ جو ثواب ایک شخص کو ملنا تھا وہ دوسرے کو دے دیا جائے اور پہنچانے والا اللہ تعالیٰ ہے جو اس پر قادر ہے، اس لیے یہ بات کسی ایک عمل کے ساتھ مختص نہیں۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے کسی عمل کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچائے اور ثواب نہ پہنچتا ہے، نہ اس سے کوئی نفع ہوتا ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: وان لیس للانسان الا ما سعی وان سعیہ سوف یُری (انسان کو وہی ملتا ہے جس کے لیے اس نے کوشش کی اور اس کی کوشش عن قریب اسے دکھا دی جائے گی، النجم، ۵۳: ۳۹-۴۰)، نیکی کا ثواب جنت ہے اور کسی شخص کے بس میں نہیں کہ خود جنت کا وارث ہو جائے چہ جائیکہ دوسروں کو جنت بخشے۔

امام مالکؒ اور شافعیؒ کہتے ہیں: صدقہ، مالی عبادت اور حج کا ثواب دوسرے کو پہنچایا جا سکتا ہے البتہ دوسری عبادت مثلاً نماز، روزہ اور تلاوت وغیرہ کا ثواب نہیں پہنچایا جا سکتا۔

۳۔ حج میں قائم مقام بنانے کا شرعی جواز اور اس کے جواز کے پہلوؤں پر فقہاء کی آراء:

جو شخص حج کے بغیر مر گیا یا ایسا مریض جو اپنی بیماری کے باعث حج نہیں کر سکتا اور مال دار ہے ان کی طرف سے حج کرنا جائز ہے۔ اس بارے میں فقہاء کی حسب ذیل

آراء ہیں (۵۸)۔

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ جس شخص پر کسی عذر کے باعث حج واجب نہیں ہوا مثلاً بیمار ہے اور اس کے پائل مال ہے تو ضروری ہے کہ اس کی طرف سے کوئی دوسرا شخص حج کرے اور اس کا فرض حج ادا ہو جائے گا۔ یعنی جب کوئی شخص خود حج کرنے سے معذور ہو تو کسی دوسرے کو نائب بنانا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ معذوری مستقل ہو جو موت تک چلے اور خود قدرت نہ رکھتا ہو۔ اگر کسی شخص نے اپنی کوتاہی کے باعث حج نہیں کیا اور مر گیا تو اس کی طرف سے حج کرنے کی وصیت درست بلکہ واجب ہے اور جو اس کی طرف سے حج کرے وہ اس کے شہر سے سفر کر کے جائے، خواہ اس نے کوئی جگہ مقرر نہ کی، پس دو حالتوں میں نیابت جائز ہے: معذوری کی حالت میں اور موت کے بعد وصیت کی صورت میں۔

مالکیہ کی مستند روایت یہ ہے کہ زندہ آدمی کی طرف سے حج کرنا جائز نہیں اور مرے والے نے اگر وصیت کی ہو تب جائز ہے لیکن اس صورت میں بھی مکروہ ہے اور وصیت ایک تہائی مال سے نافذ کی جائے جو شخص معذور ہے اس پر حج فرض نہیں جب تک خود حج کی استطاعت نہ رکھتا ہو کیوں کہ آیت میں ہے: *من استطاع الیہ سبیلاً* (جو استطاعت رکھتا ہو، آل عمران، ۳: ۹۷) اور معذور استطاعت ہی نہیں رکھتا۔

شافعیہ نے دو صورتوں میں کسی دوسرے کی طرف سے حج کرنے کو جائز قرار دیا ہے:

۱۔ معضوب یعنی معذور ہو: معضوب سے مراد وہ شخص ہے جو خود بڑھاپے یا دائمی مرض وغیرہ کی وجہ سے اتنا معذور ہو کہ خود سواری پر نہ بیٹھ سکتا ہو، ایسے شخص پر حج واجب بشرطیکہ اسے کوئی ایسا شخص میسر ہو جو معمول کی اجرت لے کر اس کی طرف سے حج کرے اور اس معذور کے پاس اپنی اصلی ضروریات سے زائد اتنا مال ہو جس سے خود حج کر

ہو، سفر حج کے دوران؛ حج کرنے والے کے بال بچوں کا خرچ اس کے ذمے نہیں ہے کیوں کہ وہ اس کے بغیر صاحب استطاعت ہے، کیوں کہ استطاعت کا تعلق جہاں ذاتی قدرت سے ہوتا ہے وہاں مال خرچ کر کے لوگوں سے کام کروانے کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔

جو شخص بڑھاپے یا کسی ایسی بیماری کے باعث جس سے صحت کی امید نہ ہو خود حج کرنے سے معذور ہو تو اس پر واجب ہے کہ کسی کو اجرت پر اپنی طرف سے حج پر بھیجے یا کوئی قابل اعتماد شخص بلا معاوضہ اس کی طرف سے حج کرنے پر تیار ہو جائے تو اسے حج کروائے۔

ب۔ جو شخص حج کیے بغیر مر گیا اور اس پر حج فرض تھا تو اس کے ورثاء پر واجب ہے کہ اس کی طرف سے اس کے ترکے سے حج کروائیں جیسا کہ اس کا قرض ادا کرنا واجب ہے۔ وارثوں کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ترکے میں سے اتنا سامان الگ کر دیں جو اس کے اپنے حج پر آنے جانے کا خرچ اور اس دوران میں خاندان کے اخراجات کے لیے کافی ہو۔

خلاصہ: شافیہ کے نزدیک حج کی استطاعت کی دو قسمیں ہیں: ایک ذاتی استطاعت اور دوسرے کسی دوسرے سے تعاون حاصل کرنے کی استطاعت، پہلی قسم کی استطاعت کی شرائط اوپر بیان کی گئی ہیں کہ اگر حاجی کے اور مکہ کے درمیان قصر نماز کی مسافت ہو یعنی دو مرحلے یا اس سے زائد تو سواری، زاد راہ، راستہ محفوظ ہو، بدن تندرست ہو اور وقت میں اتنی گنجائش ہو کہ تمام انتظامات مکمل کرنے کے بعد گھر سے چل کر بروقت حج کے لیے پہنچ سکتا ہو۔

دوسری قسم یہ ہے کہ خود موت یا بڑھاپے یا دائمی مرض یا کسی ایسی بیماری کی وجہ سے جس سے تندرست ہونے کی امید نہ ہو یا ایسے بڑھاپے کے باعث جس میں شدید مشقت کے بغیر سواری پر نہ بیٹھ سکتا ہو حج کرنے سے عاجز ہو، ایسے عاجز زندہ شخص کو معصوب کہتے ہیں۔

اگر مرنے والا زندگی میں حج کی استطاعت رکھتا تھا اور اس نے حج نہیں کیا تو اس

کی طرف سے حج کرانا واجب ہے بشرطیکہ اس نے ترکہ چھوڑا ہو، ورنہ ورنہ پر واجب نہیں البتہ کسی بھی وارث یا اجنبی کے لیے اس کی طرف سے حج کرنا جائز ہے خواہ اس نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

البتہ معضوب کی اجازت کے بغیر اس کی طرف سے حج کرنا درست نہیں اور اگر اس کے پاس مال ہے اور اپنی اصلی حاجات سے اتنا زیادہ ہے کہ کسی کو اجرت دے کر حج پر بھیج سکتا ہے تو اس کے لیے کسی کو بھیجنا واجب ہے۔ اجرت پر آدمی حاصل کرنے کے دن اس کی مالی حالت کا اعتبار ہوگا خواہ اجرت پر پیدل کو بھیجے یا سوار کو، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ معمول کی اجرت پر راضی ہو۔ اگر اس کے پاس مال نہ ہو اور اس کے بیٹے بیٹیوں میں سے کوئی اسے احسان کے طور پر دینے کو تیار ہوتا کہ اس کی طرف سے حج کرایا جائے تو بھی کسی کو اپنی طرف سے حج کرائے۔

نفل حج میں بھی مرنے والے اور معضوب دونوں کی طرف سے کسی کو نائب بنایا جا سکتا ہے، صحیح قول یہی ہے۔ اگر کسی معذور نے کسی کو اپنا نائب بنایا کہ وہ اس کی طرف سے حج کرے پھر اس کا عذر ختم ہو گیا اور صحت مند ہو گیا تو صحیح یہ ہے کہ وہ حج کافی نہیں بلکہ خود حج کرے (۵۹)۔

اس بنا پر جس پر حج واجب تھا اور اس نے حج نہیں کیا اور مر گیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر حج ادا کرنے پر قادر ہونے سے پہلے مر گیا تو اس کا فرض ساقط ہو گیا اور قضاء واجب نہیں ہوگی اور اگر ادا کرنے پر قادر ہونے کے بعد مر گیا تو فرض ساقط نہیں ہوگا اور اس کے ترکہ سے کسی کو حج کرانا واجب ہے۔ میقات سے کسی کو حج کرانا واجب ہے کیوں کہ حج میقات سے واجب ہوتا ہے اور اصل خرچ دینا واجب ہے کیوں کہ یہ قرض کی طرح واجب



ہے اس لیے صرف اصل خرچ دینا ہوگا جیسا کہ انسانی قرضوں میں اصل قرض دینا ہوتا ہے۔ اگر کسی کے ذمے حج اور انسانی قرض دونوں جمع ہو گئے اور ترکہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ دونوں دیے جاسکیں تو صحیح یہ ہے کہ حج کرایا جائے (۶۰)۔

حنابلہ بھی شافعیہ کی طرح دو صورتوں میں دوسرے کی طرف سے حج کو جائز قرار دیتے ہیں:

### ۱۔ معصوب:

جو شخص بڑھاپے، معذوری، ایسی بیماری جس سے صحت کی امید نہ ہو، اتنا بھاری ہونے کے باعث کہ سواری پر ناقابل برداشت مشقت کے بغیر نہ بیٹھ سکتا ہو خود حج کرنے سے عاجز ہو یا عورت محرم سے محروم ہو۔

ان میں سے ہر ایک پر حج واجب ہے اگر کوئی ایسا قائم مقام میسر ہو جو آزاد ہو اور مال ہو جو دے کر کسی کو حج پر بھیج سکے، جو اس کی طرف سے اسی شہر سے حج اور عمرہ فوری طور پر کرے یا کسی ایسے شہر سے جہاں سے اس کے لیے کرنا آسان ہو۔

یہ جائز ہے کہ مرد کی طرف سے عورت حج کرے اور اس کے برعکس بھی عورت کی طرف سے مرد، اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک مرد کی طرف سے عورت کو حج کرانا مکروہ ہے کیوں کہ عورت کے حج میں ایک گونہ کمی ہوتی ہے مثلاً وہ طواف میں رٹل نہیں کرتی اور صفا و مروہ کے درمیان سعی میں تیز نہیں چلتی اور بال نہیں منڈواتی۔

اگر اس کے پاس کسی کو رقم دے کر بھیجنے کے لیے مال نہ ہو تو بلا اختلاف اس پر حج فرض نہیں ہے، کیوں کہ صحت مند شخص کے پاس بھی اگر حج کا سامان نہ ہو تو اس پر حج فرض

نہیں تو مریض پر بطریق اولیٰ فرض نہیں ہوگا۔ اگر مال تو ہو لیکن کوئی بطور نائب حج کرنے والا میسر نہ ہو تو اوپر وقت میں گنجائش کے ذیل میں جو دو روایتیں آئی ہیں انہیں کے مطابق یہاں بھی اختلاف ہے کہ کیا حنبلی مذہب میں یہ شرط وجوب ہے کہ مرنے کے بعد کچھ واجب نہیں ہوگا یا حج کی تیاری کی شرط ہے کہ مرنے کے بعد اس کی طرف سے حج کرنا واجب ہوگا۔

جس شخص کو امید ہو کہ اس کی بیماری ختم ہو جائے گی یا قید سے رہائی مل جائے گی اس کے لیے جائز نہیں کہ کسی کو نائب بنا کر اس سے حج کرائے۔ اگر ایسا کیا تو اس کی طرف سے فرض ادا نہیں ہوگا کیوں کہ اسے خود حج کرنے پر قدرت حاصل ہونے کی امید ہے اس لیے اس کے لیے نائب بنانا جائز نہیں، اور اگر بنا دیا تو اس کی طرف سے حج نہیں ہوگا جیسا کہ فقیر کسی کو نائب بنا دے۔

اگر نائب کے احرام باندھنے سے پہلے معذور آدمی تندرست ہو گیا تو بالاتفاق نائب کا حج اس کی طرف سے درست نہیں ہے کیوں کہ اصل آدمی کو بدل کے حج شروع کرنے سے پہلے حج پر قدرت حاصل ہو گئی جیسا کہ تیمم کرنے والے کو پانی مل جائے تو اس پر وضو کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

اگر معذور شخص نے اپنی طرف سے حج کر لیا، پھر اسے صحت ہو گئی تو اس پر دوسرا حج واجب نہیں ہے، کیوں کہ اس نے پہلا حج کر کے حکم خداوندی پر عمل کر لیا اور ذمہ داری پوری کر دی، اگر تندرست نہ ہوتا تب بھی دوسرا حج واجب نہیں تھا، شافعیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ دوسرا حج کرنا اس کے لیے واجب ہے کیوں کہ پہلا حج مایوسی کے دنوں کا تھا، جب صحت مند ہو گیا تو معلوم ہوا کہ اس کی مایوسی درست نہیں تھی اس لیے اب قدرت حاصل

ہونے والا حج کرے جیسا کہ اگر کوئی عورت حیض سے مایوس ہو کر مہینوں کے حساب سے عدت گزار رہی ہو کہ پھر اسے حیض آجائے تو مہینوں کا حساب باطل ہو جائے گا۔

کسی زندہ شخص کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر فرض یا نفل حج کرنا جائز نہیں، کیوں کہ یہ عبادت میں نیابت ہے اور کسی عاقل بالغ کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر نیابت درست نہیں جیسا کہ زکوٰۃ بلا اجازت کسی کی طرف سے دینا جائز نہیں۔

## ۲۔ میت جس پر حج واجب ہو:

جس پر مذکورہ بالا تمام شرائط کی تکمیل کے باعث حج واجب تھا، پھر حج کیے بغیر فوت ہو گیا، اس نے دانستہ بلا عذر حج کو مؤخر کیا یا دانستہ نہیں کیا بلکہ بیمار ہو گیا اور صحت مند ہونے کی امید تھی یا قید یا گرفتار ہو گیا اور اس دوران مر گیا تو اس کے تمام مال سے حج اور عمرہ کا خرچ الگ کر لیا جائے خواہ اس نے وصیت نہ کی ہو اور اس کی طرف سے اس جگہ سے حج کروایا جائے جہاں اس پر حج واجب ہوا تھا، نہ کہ جہاں اس کی وفات ہوئی ہے کیوں کہ قضا اسی طرح کرنا ضروری ہے جیسا کہ ادا واجب ہوا تھا بلکہ یہ بھی واجب ہے کہ اس کی طرف سے حج کرنے والا اس شہر سے قصر کی مسافت کی مقدار دور نہ رہتا ہو، دوسرے شہر سے نائب بنانا جائز ہے بشرطیکہ فاصلہ قصر کی مسافت سے کم ہو۔ کیوں کہ قصر سے کم فاصلہ کا اعتبار نہیں۔ جس شخص پر حج واجب تھا وہ یا اس کا نائب راستے میں فوت ہو گیا تو جہاں وہ یا اس کا نائب فوت ہوا ہے وہیں سے آگے دوسرا نائب حج کرے تاکہ باقی مسافت قولاً اور فعلاً مکمل ہو۔

اگر کسی اجنبی نے کسی مرنے والے کی طرف سے حج کر دیا تو مرنے والے کا حج ادا ہو جائے گا خواہ ولی کی اجازت کے بغیر کیا ہو، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج

کو قرض سے تشبیہ دی یعنی میت کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر حج کرنا جائز ہے خواہ فرض حج ہو نفل البتہ زندہ کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانتے ہوئے کہ مرنے والے کی طرف سے اجازت نہیں تھی، اس کی طرف سے حج کرنے کا حکم دیا اور جہاں فرض جائز ہو نفل بھی جائز ہوتا ہے۔

اگر کسی مسلمان نے نفل حج کی وصیت کی اور جگہ نہیں بتائی کہ کہاں سے نائب بنایا جائے تو وصیت کرنے والے کے میقات سے نائب بنانا جائز ہے بشرطیکہ کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جو اس کے خلاف ہو مثلاً اس نے اتنا خرچ اس کے لیے چھوڑا ہو جو اس کے اپنے شہر سے حج کے لیے کافی ہو۔ تو پھر اس کے شہر سے حج کرانا متعین ہو جائے گا۔ اگر اس کے شہر سے حج کرانے کے لیے مال کافی نہ ہو مثلاً تھوڑا مال چھوڑا یا اس کے ذمے قرض بھی تھا تو حصے کے مطابق حج کے لیے رقم لے لی جائے اور جہاں سے اس رقم سے حج ہو سکتا ہو وہیں سے حج کر دیا جائے کیوں کہ قرض کے مشابہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مالکیہ اور حنفیہ میت کی طرف سے حج کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں بشرطیکہ اس نے وصیت کی ہو اور وصیت ایک تہائی مال میں نافذ ہوگی، جمہور غیر مالکیہ زندہ معذور اور عاجز مریض کی طرف بھی حج کو جائز قرار دیتے ہیں۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک نائب اسی جگہ سے حج کا سفر شروع کرے گا جہاں سے اصل نے کرنا تھا اور شافعیہ کے نزدیک میقات سے کرے گا۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک حج کی وصیت تمام مال سے نافذ ہوگی، صرف ایک تہائی سے نہیں۔

میت کی طرف سے نائب جمہور کے نزدیک بلا تاخیر حج کرے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: **واتموا الحج والعمرة لله (اللہ کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو، البقرہ، ۲: ۱۹۶) واللہ**

علی الناس حج البیت (اللہ کے لیے لوگوں کے ذمہ بیت اللہ کا حج ہے، آل عمران، ۳: ۹۷) اور امر کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر فوری عمل کیا جائے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تاخیر کرنا جائز ہے، نائب بھی تاخیر کر سکتا ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا تھا اور خود مدینہ میں رہے تھے، نہ لڑائی ہو رہی تھی اور نہ کوئی اور مصروفیت تھی اور اکثر لوگ حج پر قدرت کے باوجود مدینہ میں ہی رہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حج میں تاخیر جائز ہے۔

### نائب بنانے کے شرعی جواز کے دلائل:

حج میں دوسرے کو نائب بنانے کے شرعی جواز کے لیے فقہاء نے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کی احادیث سے استدلال کیا کہ ”بنو ختم کی ایک عورت نے کہا، یا رسول اللہ، میرے باپ پر حج فرض ہے اور وہ اتنا بوڑھا ہو گیا ہے کہ اونٹ کی پیٹھ پر نہیں بیٹھ سکتا، آپ نے فرمایا، تم اس کی طرف سے حج کر لو“ (۶۱)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر والد حج کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ حجتہ الوداع کے موقع کی بات ہے۔

ابن عباسؓ سے ہی روایت ہے کہ: ”جھینہ کی ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا، میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی لیکن حج نہیں کر سکی، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اس کی طرف سے حج کرو، اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کا قرض نہ ادا کرتی، اللہ کا قرض بھی ادا کرو، اللہ کا زیادہ حق ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے“ (۶۲)۔

دارقطنی میں یہ الفاظ آئے ہیں: ”ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا

اور کہا میرا باپ مر گیا، اس کے ذمے حج فرض تھا، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا: اگر تمہارے باپ کے ذمے قرض ہوتا تو کیا تم اسے نہ ادا کرتے؟ اس نے کہا، کیوں نہیں، آپ نے فرمایا تو اس کی طرف سے حج بھی کرو۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کی طرف سے اگر اولاد حج کرے تو حج ادا ہو جاتا ہے، نیز حج کو قرض سے تشبیہ دی گئی ہے۔ دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کا کوئی وارث حج کرے تب بھی فرض ادا ہو جاتا ہے مثلاً ایک شخص نے کہا کہ ”میری بہن نے حج کی منت مانی تھی“ اور یہ نہیں پوچھا گیا تھا کہ وہ اپنی بہن کا وارث ہے یا نہیں؟

سنت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرط ہے کہ نائب نے پہلے اپنا حج کیا ہوا ہو۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا، لیبک عن شبرمہ آپ نے پوچھا، شبرمہ کون ہے؟ اس نے کہا، میرا بھائی یا قریبی رشتہ دار، آپ نے پوچھا، کیا تو نے خود حج کیا ہے؟ اس نے کہا، نہیں، آپ نے فرمایا، پہلے اپنی طرف سے حج کرو اس کے بعد شبرمہ کی طرف سے“ (۶۳)۔

## ۴۔ حج کے لیے اجرت پر آدمی حاصل کرنا:

متقدمین حنفیہ کے نزدیک (۶۴) حج، اذان، قرآن کی تعلیم، اور فقہ وغیرہ کی تعلیم ایسے امور جو دینی ثواب کے کام ہیں ان پر اجرت لینا دینا جائز نہیں کیوں کہ یہ کام کرنے والے کے ساتھ مختص ہوتے ہیں۔ اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہا: میں تجھے اس بات کی اتنی اجرت دوں گا کہ تم میری طرف سے حج کرو تو یہ حج نہیں ہوتا۔ فقہ حنفی میں فتویٰ اس پر ہے کہ اجرت دینے والے کی طرف سے حج ادا ہو جاتا ہے۔ دراصل اس نے یہ کہا کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم میری طرف سے حج کرو اور اس میں اجرت کا ذکر نہیں اور اسے

بقدر کفایت اخراجات ملیں گے کیوں کہ اس نے اپنے آپ کو ایک ایسے کام کے لیے فارغ کر لیا ہے جس کا فائدہ مستأجر کو ہوگا۔ حج اس کی طرف سے اس وجہ سے جائز ہوگا کہ جب اجارہ باطل ہو گیا تو حج باقی رہ گیا۔ راستے کے معمول کے اخراجات سے زائد رقم حج کرانے والے کو واپس کر دے، ہاں اگر وارث اسے چھوڑ دیں یا مرنے والے نے وصیت کی ہو کہ زائد رقم حج کرنے والے کو رہنے دی جائے تو جائز ہے۔

حج اور دوسری عبادات پر واجب دینے کے عدم جواز کی دلیل ابی بن کعبؓ کی حدیث ہے کہ وہ ایک آدمی کو قرآن پڑھاتے تھے، اس نے ایک کمان انہیں تحفتاً دی، انہوں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ”اگر تمہیں یہ پسند ہو کہ تمہیں آگ کی کمان پہنائی جائے تو اسے پہن لو“ (۶۵)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن ابی العاصؓ سے کہا تھا ”ایسے شخص کو مؤذن بناؤ جو اذان پر اجرت نہ لے“ (۶۶) کیوں کہ یہ ایسی عبادت ہے جو کرنے والے کے ساتھ مختص ہے، اسے اس کا ثواب ملتا ہے اس لیے نماز روزے کی طرح اس پر اجرت لینا جائز نہیں۔

جمہور فقہاء (۶۷) اور متاخرین حنفیہ نے حج اور دوسری عبادات پر اجارہ کو جائز قرار دیا ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: ”جن چیزوں پر تم اجرت لو، ان میں سب سے زیادہ مستحق اللہ کی کتاب ہے“ (۶۸)۔ صحابہ کرامؓ نے کتاب اللہ سے دم کر کے اس پر اجرت لی اور اس کی اطلاع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کی تو آپؐ نے اسے جائز قرار دیا (۶۹) چوں کہ حج کا خرچ لینا جائز ہے جیسا کہ متقدمین حنفیہ نے بھی یہی رائے دی ہے تو اس پر اجرت لینا بھی جائز ہے جیسا کہ مساجد اور پل تعمیر کرنے پر اجرت لینا جائز ہے۔

دونوں آراء میں اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ جب حج پر اجرت لینا جائز نہیں تو محض

نائب کے ذریعے حج کرانا درست ہے، جو مال اسے دیا جائے گا وہ راستے کا خرچ ہوگا۔ اگر نائب مرجائے یا سفر میں رکاوٹ پڑ جائے یا بیمار ہو جائے یا راستہ بھول جائے تو جو خرچ کر چکا ہے اس کا تاوان نہیں ہے کیوں کہ اس نے مال کے مالک کی اجازت سے خرچ کیا۔ اگر نائب پر کسی ممنوع عمل کے ارتکاب سے کفارہ واجب ہو تو وہ اپنے مال سے دے، کیوں کہ مالک نے ممنوع عمل کے ارتکاب کی اجازت نہیں دی تھی۔ اس لیے اس کی ذمہ داری نائب پر ہوگی، ٹھیک اسی طرح کہ اگر نائب نہ ہوتا تو بھی اس پر ہوتی۔ اگر نائب نے حج فاسد کر دیا تو قضا اصل آدمی کے ذمے ہے، نائب سے خرچ واپس لے لے کیوں کہ نائب کی زیادتی اور غلطی کی وجہ سے حج نہیں ہو سکا۔ اسی طرح اگر نائب کی کوتاہی کی وجہ سے حج فوت ہو جائے تو بھی یہی حکم ہے۔ اگر نائب کی کوتاہی کے بغیر فوت ہو جائے تو وہ اخراجات کا حق دار ہوگا کیوں کہ اس کی وجہ سے حج فوت نہیں ہوا۔ اس لیے اس نے اصل کی مخالفت نہیں کی، جیسا کہ اگر نائب مرجائے تو اس میں نائب کی کوئی کوتاہی نہیں۔

اگر سفر کے دوران نائب مر گیا تو جہاں مرا ہے وہاں سے آگے دوسرے آدمی کو حج کرائے اور نائب کے پاس جو مال بچ رہا تھا وہ واپس لے لے، ہاں اگر مالک اپنی مرضی سے دے دے تو جائز ہے۔ نائب اپنے آپ پر بقدر ضرورت کنجوسی کے بغیر خرچ کرے۔ اگر نائب نے قریب کا راستہ چھوڑ کر دور کا راستہ اختیار کیا یا مکہ میں اتنا قیام بڑھا دیا جس میں نماز قصر کی جاتی ہے جب کہ جلدی واپس آ سکتا تھا تو زائد اخراجات اپنے مال سے کرے۔

اگر زندہ یا مردہ کی طرف سے حج کرنے کی اجرت دینا جائز ہے تو اس میں اجارہ کی تمام شرائط کا اعتبار کیا جائے۔ اجارہ کی تعیین، عقد اجارہ، جو اجرت وہ لے گا اس کا مالک



ہو جائے گا اور اس میں تصرف کرنا اس کے لیے جائز ہوگا اور اخراجات وغیرہ میں کٹناش ہوگی اور جو بیچ رہے گا وہ نائب کا ہے۔ اگر راستے میں روک لیا گیا یا راستہ بھول گیا یا اخراجات کی رقم گم ہوگئی تو اس کی ذمہ داری نائب پر ہے۔ اور حج اس کے ذمے ہے اور اگر مر گیا تو اجارہ ختم ہو جائے گا کیوں کہ جس امر پر اجارہ کیا گیا تھا وہ باقی نہیں رہا، جیسا کہ کرایے پر لیا ہوا جانور مر جائے تو معاہدہ ختم ہو جاتا ہے۔ حج اسی جگہ سے آگے کرنا ہوگا جہاں تک نائب پہنچ گیا تھا اور جو کفارے واجب ہوں گے وہ اسی پر ہوں گے کیوں کہ حج اس کی ذمہ داری ہے۔

### مالکیہ کے نزدیک حج پر اجارہ:

مالکیہ اگرچہ میت کی طرف سے حج کے اجارہ کو جائز قرار دیتے ہیں بشرطیکہ اس نے وصیت کی ہو لیکن کسی انسان کے اجرت پر عبادت کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں، وہ عبادت حج ہو یا کوئی اور مثلاً قراءت، امامت اور دینی تعلیم، البتہ کتاب اللہ کی تعلیم اس سے مستثنیٰ ہے، اس میں اجارہ صحیح ہے۔ حج پر اجارہ کی مالکیہ کے نزدیک دو قسمیں ہیں:

۱۔ متعین اجرت پر اجارہ: تمام اجاروں کی طرح اجرت اجیر کی ملکیت ہوگی، اگر اصل ادا کرنے سے عاجز آگیا تو اس کے مال سے ادائیگی کی جائے گی اور جو بیچ رہے گا وہ اجیر کا ہے۔

۲۔ صرف اخراجات: وہ یہ ہے کہ حج کرنے کے لیے مال دیا جائے، اگر مزید ضرورت ہو تو مستاجر پوری کرے گا اور اگر بیچ رہے تو مستاجر کو واپس کرنا ہوگا۔

اگر میت نے وصیت کی کہ اس کے مال سے حج کرایا جائے اور اس نے فرض حج نہیں کیا تھا تو ایک تہائی مال سے اس کی وصیت نافذ کی جائے۔ اگر وصیت نہیں کی تو اس

کے ذمے سے حج ساقط ہو گیا۔

اجیر اس شخص کی طرف سے حج کی نیت کرے جس کا اجیر ہے اور اگر اجیر نے خود بے فرض حج نہیں کیا ہوا تب بھی مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک کسی دوسرے کی طرف سے حج کر سکتا ہے، اس میں شافعیہ اور حنابلہ کا اختلاف ہے جیسا کہ ہم شرائط میں بیان کریں گے۔

## ۵۔ کسی دوسرے کی طرف سے حج کی شرائط:

حنفیہ نے (۷۰) کسی دوسرے کی طرف سے حج کی بیس شرائط بیان کی ہیں۔ ذیل میں ہم دوسرے فقہاء کی آراء کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہیں:

- ۱۔ احرام باندھتے وقت نائب اصل کی طرف سے حج کرنے کی نیت کرے، کیوں کہ وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ دوسرے کی طرف سے حج کر رہا ہے اس لیے اس کی طرف سے نیت کرنا ضروری ہے۔ افضل یہ ہے کہ زبان سے یوں کہے: میں فلاں کی طرف سے احرام باندھ رہا ہوں اور فلاں کی طرف سے لبتک کہہ رہا ہوں مثلاً: میں نے فلاں کی طرف سے حج کی نیت کی اور اس کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے لیے احرام باندھا اور لبتک کہا، جیسا کہ اپنی طرف سے حج کرتے ہوئے اپنی نیت کرتا ہے۔ اگر اس کا نام بھول جائے تو اصل کی نیت کر لے وہی کافی ہے اور دل سے نیت کر لینا کافی ہے۔ اس شرط پر سب کا اتفاق ہے۔
- ۲۔ اصل خود اپنی طرف سے حج کرنے سے عاجز ہو اور اس کے پاس مال ہو۔ اگر اصل خود حج کرنے پر قادر ہو اور صحت مند ہو، اس کے پاس مال ہو تو کسی دوسرے کا اس کی طرف سے حج کرنا جائز نہیں۔ مالکیہ کے سوا جمہور کا اس پر اتفاق ہے۔ مالکیہ کے نزدیک زندہ شخص کی طرف سے مطلقاً حج کرنا جائز نہیں۔ اس بنا پر جو شخص خود حج کر سکتا ہو اس کی طرف سے واجب حج کے لیے کسی کو نائب بنانا بالاجماع درست نہیں ہے۔

میت کی طرف سے تمام فقہاء نے حج کی اجازت دی ہے، البتہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اگر اس نے وصیت کی ہو اور دوسرے فقہاء کے نزدیک وصیت نہ کی ہو تب بھی جائز ہے۔ البتہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر حج پر قادر تھا اور اپنی کوتاہی کے باعث حج کے بغیر مر گیا تو اس کی طرف سے حج کرنا واجب ہے۔

۳۔ حج سے معذوری مسلسل ہو مثلاً قید ہو یا مرض موت میں گرفتار ہو تو حنفیہ اور شافعیہ کا اتفاق ہے کہ اس کی طرف سے حج جائز ہے۔ اگر مرنے سے پہلے معذوری ختم ہو جائے تو نائب کا حج کافی نہیں ہوگا کیوں کہ کسی دوسرے کی طرف سے حج خلاف قیاس جائز ہے، اس لیے صرف اسی صورت میں جائز ہوگا جب مریض کے صحت یاب ہونے کی امید نہ ہو اور مجبوری ہو۔

حنابلہ کے نزدیک نائب کا حج کافی ہے کیوں کہ اس نے دیے گئے حکم کے مطابق عمل کیا اور ذمہ داری پوری کی پس اگر اس کی معذوری ختم نہ ہوتی تب بھی حج درست ہوتا۔

۴۔ حج واجب ہو: اگر کسی فقیر کو یا ایسے شخص کو حج کرایا جس پر حج واجب نہیں تھا تو اس کا کسی دوسرے کی طرف سے حج صحیح نہیں۔ اگر بعد میں اس پر حج واجب ہو جائے تب بھی نائب بننا صحیح نہیں تھا۔

۵۔ کسی کو حج کرانے سے پہلے عذر موجود ہو۔ اگر کسی تندرست آدمی نے کسی کو حج کرایا، بعد میں معذور ہو گیا تو پہلا حج کافی نہیں ہے۔ یہ دونوں شرائط بدیہی طور پر سمجھی جا سکتی ہیں۔

۶۔ حنفیہ کے نزدیک پورا یا اکثر خرچ اصل آدمی کے مال سے دیا جائے، ہاں اگر وارث اپنی خوشی سے مورث کی طرف سے حج کے لیے کچھ دے دیں تو میت کی ذمہ داری ادا ہو

جائے گی، بشرطیکہ اس نے اپنی طرف سے حج کرنے کی وصیت نہ کی ہو۔

اگر نائب بطور احسان اپنے مال سے حج کرے تو حنفیہ کے نزدیک میت کی طرف سے حج ادا نہیں ہوگا اسی طرح اگر مرنے والا یہ وصیت کر جائے کہ اس کے مال سے حج کرادیا جائے اور بعد میں وارث اپنے مال سے حج کرادے تو میت کی طرف سے حج ادا نہیں ہوگا کیوں کہ حج میت کے مال پر فرض ہوا تھا، جب اس کے مال سے ادا نہیں ہوا تو میت کی طرف سے ادا نہیں ہوا۔

شافعیہ اور حنابلہ نے اس کی اجازت دی ہے کہ وارث یا کوئی اجنبی اپنے مال سے کسی کی طرف سے حج ادا کرے۔ خواہ میت نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو یا وارث نے اجنبی کو اجازت نہ دی ہو حج ادا ہو جاتا ہے جیسا کہ فرض ادا ہو جاتا ہے۔

۷۔ اصل شخص نے جس طرح کہا تھا اسی طرح میقات سے حج کے لیے احرام باندھے، اگر پہلے عمرہ کر لیا اور اصل نے حج کرنے کا کہا تھا، پھر مکہ سے ہی حج کیا تو جائز نہیں اور اسے تاوان ادا کرنا پڑے گا۔ اگر اصل نے مفرد حج ادا کرنے کا کہا تھا اور نائب نے تمتع کر لیا تو اصل کی طرف سے حج ادا نہیں ہوگا اور حنفیہ کا اتفاق ہے کہ اسے تاوان دینا ہوگا۔ اگر اصل نے مفرد حج کرنے کا کہا اور نائب نے قرآن کرتے ہوئے حج اور عمرہ دونوں کر لیے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس نے اصل کے حکم کی مخالفت کی اس لیے اخراجات کا ضامن ہوگا البتہ صاحبین کے نزدیک استحساناً اس کا حج ہو جائے گا۔

اگر میت نے حج کی وصیت کی اور مال اور جگہ کی تعیین کر دی تو تعیین کے مطابق عمل کیا جائے اور اگر کچھ مقرر نہیں کیا تو میت کے شہر سے اس کے لیے حج کیا جائے۔ یہ قیاس کا تقاضا ہے، استحسان کا نہیں اور عمل قیاس پر ہوگا۔

شافعیہ کے نزدیک نائب پر اصل کے میقات سے حج کرنا فرض ہے کیوں کہ حج میقات سے واجب ہوتا ہے اگر اصل نے مفرد حج کرنے کا حکم دیا تھا، نائب نے اسی کی طرف سے قرآن (حج اور عمرہ) کر لیے تو اس کی طرف سے قرآن صحیح ہوگا، جیسا کہ صاحبین کی رائے ہے۔ اور اگر اس نے مفرد حج کا حکم دیا تھا اور نائب نے تمتع کر لیا اور اصل کی طرف سے حج نہیں ہوگا اور فرض ادا نہیں ہوگا جیسا کہ حنفیہ نے کہا ہے۔ مالکیہ کے نزدیک قرآن کیا چاہے تمتع دونوں برابر ہیں۔ افراد بھی صحیح ہے بشرطیکہ یہ شرط اصل کی طرف سے نہ ہو بلکہ جس کو وصیت کی گئی اس کی طرف سے ہو۔

حنابلہ کے نزدیک نائب پر اصل کے شہر سے حج کرنا واجب ہے کیوں کہ حج معذور یا میت پر اس کے شہر سے واجب ہوا تھا تو نائب پر اسی طرح واجب ہوگا جیسا کہ اصل پر واجب تھا، کیوں کہ قضا ادا کے مطابق ہونا ضروری ہے، جیسا کہ نماز، روزے کی قضا۔ نذر اور قضا حج کا بھی یہی حکم ہے۔ حنابلہ کے نزدیک اصل کی طرف سے مفرد حج کیا جائے یا تمتع یا قرآن، ہر صورت میں جائز ہے اور مسافت کی اجرت یا میقات کی وجہ سے زائد اخراجات نائب پر ہوں گے۔ اگر اصل کے دو وطن ہوں تو جو ان میں سے میقات کے قریب تر ہو وہاں سے نائب بنایا جائے۔ اگر کوئی شخص حج کے لیے نکلا اور راستے میں مر گیا تو جہاں اس کا انتقال ہوا وہیں سے آگے اس کی طرف سے حج کیا جائے کیوں کہ اس نے حج کا بعض حصہ ادا کر لیا ہے۔ ادا شدہ حصہ دوبارہ واجب نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر نائب راستے میں مر جائے تو جہاں مرے وہیں سے آگے نائب کیا جائے۔

اگر کسی شخص نے حج کے لیے احرام باندھا، پھر مر گیا تو باقی ماندہ حج کے لیے نائب مقرر کرنا صحیح ہے خواہ وہ شخص اپنی طرف سے حج کر رہا ہو یا کسی دوسرے کی طرف سے کیوں کہ یہ

ایک ایسی عبادت ہے جس میں نائب بنانا جائز ہے۔ اگر کچھ ارکان ادا کرے فوت ہو گیا تو باقی ارکان ادا کیے جائیں، جیسا کہ زکوٰۃ میں حکم ہے۔

اگر میت نے اتنا ترکہ نہیں چھوڑا کہ اس کے شہر سے حج کیا جاسکے تو جہاں سے حج کیا جاسکتا ہو، وہیں سے اس کی طرف سے حج کروا دیا جائے۔

اگر میت نے نفل حج کی وصیت کی اور ایک تہائی ترکہ سے حج کے اخراجات پورے نہیں ہوتے تو جہاں سے حج کیا جاسکتا ہے، وہیں سے حج کروایا جائے یا حج کی تکمیل کے لیے تعاون کیا جائے یا کسی ایسے قابل اعتماد آدمی کو نائب بنایا جائے جو کم از کم مال میں حج کرے یا اگر وارث اضافے پر راضی ہوں تو اس میں دیا جائے یا اس نے کسی رقم کی وصیت کی تھی تو اس میں سے حج کروایا جائے بشرطیکہ وہ ایک تہائی سے بڑھ نہ جائے۔

۸۔ حج کا حکم دیا ہو: حنفیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ اصل نے اپنی طرف سے حج کرنے کہا ہو، کسی کی اجازت کے بغیر اس کی طرف سے حج کرنا جائز نہیں۔ البتہ وارث کر سکتا ہے، اس کے لیے جائز ہے کہ اپنے مورث کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر حج کرے اور اگر میت نے وصیت نہ بھی کی ہو تب بھی اس کی ذمہ داری پوری کر دے۔ اگر کسی دلیل قبیلہ شعم کی عورت کی حدیث ہے جو اوپر گزری ہے اور اللہ کی مشیت میں اس کی گنجائش ہے۔ اگر کوئی اجنبی اس کی طرف سے حج کرے تو امید ہے کہ اس کا فرض ادا جائے گا کیوں کہ یہ ایصال ثواب ہے جو کسی قریب یا دور کے آدمی کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ ان شاء اللہ حج ادا ہو جائے گا اور اگر وصیت کی تو قطعی طور پر ادا ہو جائے گا۔

۹۔ حنفیہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ اجرت نہ مقرر کی گئی ہو، ان کے نزدیک اجرت

پر حج کرانا درست نہیں، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ اگر کسی شخص کو اجرت کے طور پر لیا اور کہا کہ میں تم سے اجرت پر معاملہ کرتا ہوں کہ تم میری طرف سے حج کرو تو اس کا حج ادا نہیں ہوگا، فتویٰ اس پر ہے کہ ادا ہو جائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اجارہ کے ذکر کے بغیر حج کرنے کا کہا ہے۔ جمہور نے اس کی اجازت دی ہے کہ جیسا کہ اجرت پر حج کی بحث میں تفصیل گزر چکی ہے۔

حنابلہ نے وضاحت کی ہے کہ آدمی کے لیے مستحب ہے کہ اگر اس کے والدین فوت ہو گئے ہوں یا معذور ہوں تو ان کی طرف سے حج کرے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رزین کو حکم دیا تھا کہ ”اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ کر“۔ نیز ”ایک عورت نے اپنے باپ کے بارے میں پوچھا جو حج کیے بغیر فوت ہو گیا تھا، آپ نے فرمایا، اپنے باپ کی طرف سے حج کرو“، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ”جس نے اپنے والدین کی طرف سے حج کیا یا ان کا قرض ادا کیا تو وہ قیامت کے دن نیکو کار لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا“ (۷۱)۔

مستحب یہ ہے کہ اگر نفل حج ہے یا ماں باپ دونوں پر واجب تھا تو پہلے ماں کی طرف سے حج کرے کیوں کہ ماں کا حق مقدم ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا، میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا، تمہاری ماں، اس نے کہا، پھر کون؟ آپ نے فرمایا، تمہاری ماں، اس نے کہا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں، اس نے کہا پھر کون؟ آپ نے فرمایا، تمہارا باپ“ (۷۲)۔ البتہ اگر باپ پر حج واجب تھا، ماں پر نہیں تھا تو پہلے باپ کی طرف سے حج کرے کیوں کہ نفل کے بجائے واجب ادا کرنا زیادہ ضروری ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے ماں باپ دونوں کی طرف سے احرام باندھ لیا تو وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے کر لے کیوں کہ جو کوئی بلا اجازت کسی کی طرف سے حج کرتا ہے وہ دراصل حج ادا کرنے کے بعد اس کا ثواب کسی کو پہنچاتا ہے اس لیے ادا کرنے سے پہلے کی نیت کا اعتبار نہیں اور ادا کرنے کے بعد کسی ایک کو اس کا ثواب پہنچا سکتا ہے، اس کے برعکس اگر کسی کے حکم سے حج کر رہا ہے تو اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

۱۰۔ نائب میں یہ اہلیت ہو کہ اس کا حج درست ہو۔ یعنی بالاتفاق مکلف (عائل بالغ) ہو۔ حنفیہ نے اجازت دی ہے کہ اگر نائب باشعور قریب البلوغ ہو تب بھی صحیح ہے لیکن کم عمر بچے کا کسی کی طرف سے حج کرنا حنفیہ کے نزدیک درست نہیں۔

**حج ضرورہ:** ضرورہ سے مراد وہ شخص جس نے خود حج نہ کیا ہو، حنفیہ کے نزدیک یہ شرط نہیں کہ نائب نے خود پہلے حج کیا ہو بلکہ اگر اس نے پہلے خود حج نہ کیا ہو تب بھی کسی کی طرف سے حج کر سکتا ہے یعنی حج ضرورہ جائز ہے لیکن مکروہ تحریمی ہے۔ ان کی دلیل نثعمب کی حدیث ہے جو مطلق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اپنے والد کی طرف سے حج کرو“ اور یہ نہیں پوچھا کہ اس نے پہلے حج کیا ہوا ہے یا نہیں۔ جہاں تفصیل جا ضروری ہو وہاں تفصیل چھوڑ دینے کا مطلب یہ ہے کہ گفتگو اور خطاب عام ہے، اس میں کوئی شرط نہیں ہے۔ کراہت کا سبب یہ ہے کہ اس نے اپنا فرض حج چھوڑ دیا ہے۔

مالکیہ کی بھی یہی رائے ہے کہ حج کی وصیت کی صورت میں اپنا حج کرنے سے پہلے کسی دوسرے کی طرف سے حج کرنا مکروہ ہے، چوں کہ حج میں تاخیر کی جا سکتی ہے۔ اگر میں تاخیر کرنا جائز نہ ہوتی جیسا کہ ان کی مستند روایت ہے تو یہ رائے درست قرار نہ پاتی۔ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں جب تک نائب نے اپنا فرض حج ادا نہ کیا ہو کسی دوسرے



طرف سے حج کرنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ اوپر مذکور حدیث میں ہے کہ جو شخص شہرمہ کی طرف سے تلبیہ کہہ رہا تھا، آپ نے اسے کہا کہ پہلے اپنا حج کرو، پھر شہرمہ کی طرف سے کرنا۔ ختمیہ کی حدیث میں آپ نے تفصیل اس لیے نہیں پوچھی کہ آپ کو معلوم ہوا ہو گا کہ اس خاتون نے پہلے اپنا حج کیا ہوا ہے، اگرچہ روایات میں اس کا ذکر نہیں ہے لیکن احادیث کو جمع کرنے کا یہی طریقہ ہے جیسا کہ کمال ابن الہمام نے کہا ہے۔ اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں ہے ”لا ضرورة فی الاسلام“ اسلام میں ضرورت (جس نے خود حج نہ کیا ہو وہ کسی کی طرف سے حج کرے) کی گنجائش نہیں (۷۳)۔

اگر کسی پر حج فرض ہو تو اس کے لیے نفل حج کرنا یا نذر حج یا عمرہ کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ نفل اور نذر حج فرض حج سے کم تر درجے کی چیز ہے اس لیے انہیں مقدم کرنا جائز نہیں، جیسا کہ کسی دوسرے کے حج کو اپنے حج پر مقدم کرنا جائز نہیں۔ اگر کسی دوسرے کی طرف سے احرام باندھا اور خود اس پر حج فرض تھا تو وہ احرام اس کی اپنی طرف سے ہوگا، جیسا کہ ابن عباسؓ کی سابقہ روایت میں ہے کہ ”جو شخص شہرمہ کی طرف سے حج کر رہا تھا، آپ نے اسے پوچھا، کیا تو نے اپنا حج کر لیا ہے؟ اس نے کہا، نہیں آپ نے فرمایا، اسے اپنا حج بنا لو اور پھر شہرمہ کی طرف سے حج کرنا“۔

اگر کسی شخص کے ذمے فرض حج اور قضا اور منت کا حج جمع ہو جائیں تو پہلے فرض حج کرے پھر قضا پھر منت کا حج۔ اگر اس کے سوا کسی اور ترتیب سے احرام باندھا تب بھی پہلے فرض حج ادا ہوگا، نیت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

۱۱۔ نائب سواری پر حج کرے، کیوں کہ اس کا فرض یہی ہے کہ حج سواری پر کیا جاتا ہے۔ اس لیے مطلقاً حج کرنے کے حکم سے سواری پر حج کرنا مراد ہوگا۔ اگر کسی نے پیدل

حج کیا تو اس نے اصل کے حکم کی خلاف ورزی کی جس کی بنا پر وہ اخراجات کا ضامن ہوگا۔ جس کسی نے دوسرے کو اپنی طرف سے حج کرنے کا کہا۔ اس نے پیدل حج کیا تو اخراجات کا ضامن ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک زیادہ سفر سواری پر طے کرنے کا اعتبار ہے، ہاں اگر خرچ کم پڑ گیا اور پیدل حج کیا تو جائز ہے، سواری حج کے واجب ہونے کی رائے سے مالکیہ کے سوا جمہور کو بھی اتفاق ہے، مالکیہ کے نزدیک اگر پیدل حج میں شدید مشقت نہ ہو تو حج پیدل فرض ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

۱۲۔ اگر اصل نے حج کی وصیت کی تھی تو نائب اصل کے وطن سے سفر حج شروع کرے بشرطیکہ ایک تہائی ترکے میں اتنی گنچائش ہو اور اگر تہائی ترکے کی رقم کم ہو تو جہاں سے پوری ہو، وہیں سے حج کروایا جائے۔ یہ حنفیہ کی رائے ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ میت کے تمام مال سے حج کروایا جائے کیوں کہ یہ قرض ہے اور واجب ہے اس لیے سارے مال پر قرض ہوگا جیسا کہ آدمیوں کا قرض ہوتا ہے۔

۱۳۔ اگر اصل نے نائب مقرر کر دیا ہے تو وہ خود حج کرے مثلاً اس نے کہا، میری طرف سے فلاں شخص حج کرے، کوئی دوسرا نہیں تو کسی دوسرے کا حج درست نہیں اور اگر کسی نے کیا تو میت کی طرف سے منسوب نہیں ہوگا اور پہلا اور دوسرا دونوں حاجی حج کے اخراجات کے ضامن ہوں گے۔ البتہ اگر نائب کو اختیار دے دے کہ جیسے چاہے کرے تو اس صورت میں اگر وہ کسی کو مال دے کر حج پر بھیج دے تو بھی اصل کی طرف سے حج ادا ہو جائے گا۔

۱۴۔ نائب اپنا حج توڑ نہ دے۔ اگر اس نے حج توڑ دیا تو وہ اصل کی طرف سے نہیں

ہوگا، خواہ اس نے اس کی قضا کر لی ہو، یہ حنفیہ کی رائے ہے، جس کی تفصیل آگے آئے گی کیوں کہ اصل نے اسے صحیح حج کرنے کو کہا تھا، جو جماع سے خالی ہو اور اس نے اس طرح کا حج نہیں کیا بلکہ اصل کے حکم کی مخالفت کی، اس لیے وہ اخراجات کا ذمہ دار ہوگا اور حج اصل کی طرف سے نہیں ہوگا بلکہ اس کی اپنی طرف سے ہوگا کیوں کہ جو شخص حج توڑتا ہے قضا اسی پر واجب ہوتی ہے۔

۱۵۔ مخالفت نہ کی جائے: اگر اصل نے مفرد حج کرنے کا کہا اور نائب نے قرآن یا تمتع کیا، خواہ میت کی طرف سے کیا ہو تو وہ اصل کی طرف سے نہیں ہوگا اور وہ اخراجات کا ضامن ہوگا، اگر اصل نے عمرہ کرنے کا کہا اس نے عمرہ کرنے کے بعد اپنی طرف سے حج کر لیا یا اصل نے حج کرنے کا کہا اور اس نے حج کرنے کے بعد اپنی طرف سے عمرہ کر لیا تو جائز ہے۔ البتہ اس نے جو حج یا عمرہ اپنے لیے کیا، اس کے اخراجات اپنے مال سے ادا کرے، جب اپنے حج یا عمرہ کو پورا کرنے سے فارغ ہو گیا تو اخراجات لوٹ کر دوبارہ میت کے مال پر عائد ہوں گے۔ اگر اس کے برعکس کیا تو درست نہیں۔

۱۶۔ صرف ایک حج کا احرام باندھے: اگر پہلے اصل کی طرف سے احرام باندھا، پھر اپنی طرف سے حج کا احرام باندھا تو جائز نہیں، ہاں اگر دوسرا توڑ دے تو جائز ہے۔

۱۷۔ صرف ایک آدمی کی طرف سے حج کرے: اگر دو آدمیوں نے اسے حج کرنے کا کہا تھا اور دونوں کی طرف سے حج کی نیت کی تو تاوان دینا ہوگا۔

۱۸-۱۹۔ نائب اور اصل دونوں مسلمان ہوں اور عاقل ہوں، کافر کی طرف سے مسلمان کا حج کرنا اور دیوانے کی طرف سے عاقل کا حج کرنا یا اس کے برعکس درست نہیں۔ ہاں اگر دیوانے پر دیوانگی طاری ہونے سے پہلے حج فرض ہو گیا تھا تو اس کی طرف

سے حج کرانا جائز ہے۔

۲۰۔ عرفہ میں وقوف فوت نہ ہو، اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

کسی دوسرے کی طرف سے نفل حج کرنا: اوپر جو شرائط مذکور ہیں یہ تمام شرائط حنفیہ کے نزدیک فرض حج کی ہیں، کسی دوسرے کی طرف سے نفل حج کرنے کی اسلام، عقل و شعور کے سوا کوئی شرائط نہیں ہے، اس کے لیے کسی کو اجرت بھی دی جا سکتی ہے کیوں کہ نفل میں گنجائش ہوتی ہے۔ نفل کی بنیاد زری پر ہے جب کہ فرائض میں زری نہیں ہوتی (۷۴)۔

۶۔ نائب کا اصل کی مخالفت کرنا:

اصل یہ ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کی طرف سے بطور نائب حج کر رہا ہے اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ اصل نے اسے جن کاموں کے لیے وکیل بنایا، یا جو کام کرنے کا حکم دیا ان کا اہتمام کرے۔ اگر اس نے اصل کے حکم کی مخالفت کی تو کیا حکم ہے؟

حنفیہ کہتے ہیں (۷۵) جسے حج کرنے کا کہا گیا ہے اس کی مخالفت کی درج ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ اصل نے صرف حج یا صرف عمرہ کرنے کا کہا اور نائب نے دونوں کو ملا دیا، اس نے اصل کی مخالفت کی اور اس کے ذمے اخراجات کا تاوان ہے، یہ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے، کیوں کہ اس نے اصل کے حکم کے مطابق عمل نہیں کیا، اسے ایک معین طریقے پر سفر کرنے کا کہا گیا تھا، اس نے وہ معین طریقہ اختیار نہیں کیا، اصل کی مخالفت کی، اس لیے ضامن ہوگا۔ صاحبین کہتے ہیں کہ استحساناً اصل کی طرف سے حج یا عمرہ ادا ہو جائے گا اور حج کرنے والا قرآن کی قربانی کا ضامن نہیں ہوگا، کیوں کہ اس نے نہ صرف مطلوبہ کام کیا بلکہ اس پر اضافہ بھی کیا، اسے نیکی کے کام میں اضافہ کرنے کی دلالت اجازت تھی، اسے

مخالفت نہیں سمجھا جائے گا کیوں کہ یہ مخالفت بھلائی کی طرف ہے۔

ب۔ اگر اصل نے اپنی طرف سے حج کرنے کا کہا تھا، نائب نے عمرہ کیا تو اس کے ذمے تاوان ہوگا۔ اگر عمرہ کر لیا، پھر مکہ سے ہی حج کیا تو حنفیہ کا اتفاق ہے کہ اسے اخراجات واپس کرنے پڑیں گے، کیوں کہ اسے حج کے لیے سفر کرنے کا کہا گیا تھا، جب کہ اس نے سفر کے بغیر حج کیا۔

ج۔ اگر اسے عمرہ کرنے کا کہا گیا، اس نے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کر لیا، پھر اپنی طرف سے حج کا احرام باندھ لیا تو یہ مخالفت نہیں کیوں کہ اس نے اسی طرح کیا جیسا کہ اسے کہا گیا تھا، یعنی سفر کر کے عمرہ کرنا، اس کے بعد اپنی طرف سے حج کرنا ایسا ہی ہے جیسے عمرہ کے بعد اسے اور کام مثلاً تجارت وغیرہ میں مشغول ہو جانا، البتہ حج کے اخراجات اسے اپنے پاس سے کرنے ہوں گے، کیوں کہ یہ وہ اپنے لیے کر رہا ہے۔

د۔ اگر اسے حج کرنے کا کہا گیا اور اس نے پیدل حج کیا تو تاوان ادا کرے کیوں کہ اس نے حکم کی خلاف ورزی کی، کیوں کہ جب حج کا کہا جائے تو متعارف یہی ہے کہ سواری پر حج کرنے کا کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی حکم دیا، جب مطلقاً حج کا ذکر ہو تو سواری پر حج مراد ہوتا ہے، جب پیدل حج کیا تو اصل کے حکم کی خلاف ورزی کی۔

ه۔ اگر دو آدمیوں نے کسی کو اپنی طرف سے حج کرنے کا کہا اور اس نے دونوں کی طرف سے احرام باندھ لیا تو مخالفت کا ارتکاب کیا، یہ حج اس کی اپنی طرف سے ہوگا، دونوں کو تاوان ادا کرے، کیوں کہ ہر ایک نے اسے مکمل حج کرنے کا کہا تھا، جو اس نے نہیں کیا، اس لیے دونوں کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی اور ان میں سے کسی کا حج نہیں ہوا، اس لیے ان کو تاوان ادا کرے البتہ حج کرنے والے کا اپنا حج ہو گیا کیوں کہ اصل یہ ہے

کہ عمل کرنے والے کا اپنا ہو، دوسرے کی طرف سے تب ہوتا ہے جب اس عمل کو دوسرے کے لیے کیا جائے، جب دوسروں کے حکم کی مخالفت ہوئی تو عمل ان کے لیے نہ ہوا لہذا اپنے لیے ہی باقی رہا۔

اگر ان میں سے کسی ایک متعین فرد کی طرف سے احرام باندھا تو اس کی طرف سے حج صحیح ہو گیا، تو دوسرے کو تاوان ادا کرے، اگر کسی ایک کو متعین کیے بغیر ایک کی طرف سے احرام باندھا، تو حج تک حج کے اعمال شروع نہ کرے ان میں سے کسی ایک کے لیے تعین کر سکتا ہے، اسی طرح بیٹے نے اگر والدین میں سے کسی ایک کی طرف سے احرام باندھا تو درست ہے خواہ متعین نہ کیا ہو، پھر ان میں کسی ایک کو متعین کر لے کیوں کہ احرام حج ادا کرنے کا حصہ نہیں بلکہ حج کے افعال ادا کرنے کے جواز کی شرط ہے۔

اگر دو آدمیوں میں سے ایک نے حج کرنے کا کہا اور دوسرے نے عمرہ کا، اگر انہوں نے جمع کر کے قرآن کرنے کی اجازت دی تو جمع کر لے، جائز ہے، اگر انہوں نے جمع کرنے کی اجازت نہیں دی تھی لیکن اس نے جمع کر لیے تو کرنی کے نزدیک جائز ہے، قدوری کے نزدیک نہیں اور یہی راجح ہے کیوں کہ اس نے ان کی مخالفت کی، کیوں کہ ان میں سے ایک نے ایسے سفر کا حکم دیا تھا جو حج کا سفر ہوتا لیکن اس نے اسے حج اور عمرہ کا سفر بنا دیا، جو مخالفت ہے۔

### مخالفت کا کفارہ:

اگر نایب کوئی ایسی مخالفت کرے جس کی وجہ سے کفارے میں جانور (بکری وغیرہ) کی قربانی واجب ہوتی ہو تو یہ کفارہ نایب پر ہوگا۔ اگر اصل کے کہنے سے حج قرآن کیا تو حج قرآن کی قربانی اصل کے ذمے ہے۔ الغرض احرام سے متعلق تمام کفارے حج کرنے والے

کے مال سے ادا کیے جائیں، البتہ اگر حج کرنے والے کو راستے میں روک دیا گیا ہو تو اس کی قربانی حج کرانے والے کے مال سے دی جائے کیوں کہ اسی نے نائب کو حج کرنے کی ذمہ داری سونپی ہے، اس لیے یہ قربانی اخراجات کے ضمن میں آتی ہے تو اصل کے مال سے ادا کی جائے۔

اگر دوسرے کی طرف سے حج کرنے والے نے وقوف عرفات سے پہلے بیوی سے جماع کر لیا تو اس کا حج فاسد ہو گیا لیکن اعمال حج جاری رکھے اور خرچ اپنے مال سے لے اور اس سے پہلے کے اخراجات اصل کو واپس کرے اور اپنے مال سے حج قضا کرے۔

و۔ جس نے کسی دوسرے کی طرف سے حج شروع کیا اور راستے میں بیمار ہو گیا تو اس کے لیے جائز نہیں کہ میت کی طرف سے آگے کسی اور کو اخراجات دے کر حج کرائے کیوں کہ اسے خود حج کرنے کی اجازت تھی، کسی دوسرے کو نہیں، البتہ اگر میت کی طرف سے مطلق اجازت تھی تو جائز ہے۔

ز۔ اگر کسی شخص نے کسی ایسے آدمی کو حج کرایا جو بعد میں مکہ میں مقیم ہو گیا تو جائز ہے کیوں کہ حج کا فریضہ تمام اعمال حج کی تکمیل سے ادا ہو گیا، بہتر یہ ہے کہ وہ شخص حج کر کے واپس آ جائے کیوں کہ جتنا خرچ زیادہ ہوگا حج کرانے والے کو ثواب زیادہ ملے گا۔

اگر نائب حج سے فارغ ہو گیا اور اس نے پندرہ دن یا اس سے زائد وہاں ٹھہرنے کی نیت کر لی تو اپنے مال سے خرچ کرے، کیوں کہ مقیم ہونے کی نیت درست ہے، اس نے سفر چھوڑ دیا، اب اسے اصل کے مال سے خرچ کرنے کی اجازت نہیں، اگر خرچ کرے گا تو تاوان دینا ہوگا کیوں کہ اس نے دوسرے کا مال بلا اجازت خرچ کیا۔

اگر مقیم ہونے کی نیت کے بغیر چند روز مکہ میں ٹھہر گیا، اگر معمول کے مطابق مثلاً

تین دن ٹھہرا تو اخراجات اصل کے مال سے کرے اور اگر معمول سے زیادہ ٹھہرا تو اپنے مال سے خرچ کرے۔

تجارت اور اجارہ وغیرہ کے لیے ٹھہرنے سے حج کے جواز پر کوئی اثر نہیں پڑتا، تاجر، اجیر اور کرائے پر کام کرنے والے کا حج درست ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم (تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم اللہ کا فضل یعنی رزق تلاش کرو، البقرہ، ۲: ۱۹۸)۔

حنابلہ کہتے ہیں (۷۶):

ا۔ اگر کسی کو حج کرنے کا کہا گیا، اس نے میقات سے اپنے لیے تمتع کا عمرہ کیا، پھر حج کیا تو اگر واپس میقات پر آ کر احرام باندھ کر حج کیا تو جائز ہے اور اس پر کوئی گناہ یا کفارہ یا تاوان نہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے، کیوں کہ جب اس نے میقات سے احرام باندھ لیا تو حج صحیح طور پر ادا کر دیا۔ اگر اس نے مکہ سے احرام باندھا تو ایک قربانی کفارے کے طور پر دے کیوں کہ اس نے میقات سے احرام ترک کر دیا اور میقات سے احرام باندھ کر مکہ جانے پر جس قدر اخراجات آتے تھے اتنے اخراجات اصل کو واپس کرے، کیوں کہ اس نے ایسی کوتاہی کی ہے جس پر قربانی بطور کفارہ واجب آتی ہے، اس کے اخراجات ختم نہیں ہوں گے، جیسا کہ احرام کے بغیر میقات سے گزر جائے اور آگے جا کر احرام باندھے۔

ب۔ اگر اصل نے اسے مفرد حج کرنے کا کہا تھا اور اس نے قرآن کر لیا تو حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک اس پر کوئی تاوان نہیں، یہی صاحبین کی رائے ہے جو امام ابوحنیفہؒ کی اوپر مذکور رائے کے برعکس ہے کیوں کہ ان کے نزدیک اس نے مخالفت کا ارتکاب کیا، جمہور کی



دلیل یہ ہے کہ اس نے نہ صرف وہ کام کیا، جس کا اسے کہا گیا تھا بلکہ اس پر اضافہ بھی کیا، اس لیے درست ہے اور کوئی تاوان نہیں جیسے کسی کو ایک دینار کی ایک بکری خریدنے کو کہا جائے اور وہ دو بکریاں خرید کر لے آئے جو ایک ایک دینار کی ہوں تو جائز ہے۔ پھر اگر اس نے حج کے بعد عمرہ کرنے کا کہا تھا اور اس نے کر لیا تو اس پر کوئی تاوان نہیں، اور اگر نہیں کیا تو اتنی مقدار کا خرچ واپس کر دے۔

ج۔ اگر اس نے تمتع کرنے کا کہا تھا، نائب نے قرآن کر لیا تو شافیہ اور حنابلہ کے نزدیک اصل کی طرف سے قرآن ہو جائے گا، کیوں کہ اس نے حج اور عمرہ دونوں کا حکم دیا تھا، نائب نے صرف اس حد تک مخالفت کی کہ مکہ سے احرام باندھنے کے بجائے میقات سے احرام باندھ لیا، اس لیے اخراجات میں سے کچھ بھی واپس نہیں کرنا پڑے گا۔

اگر مفرد حج کر لیا تو اصل کی طرف سے ہو جائے گا اور نصف خرچ واپس کرے کیوں کہ اس نے میقات سے عمرہ کا احرام نہیں باندھا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا اور میقات سے حج کا احرام باندھنا ایک اضافہ ہے جس پر کسی معاوضے کا مستحق نہیں ہے۔

د۔ اگر اصل نے قرآن کا حکم دیا تھا نائب نے افراد یا تمتع کر لیا تو درست ہے اور دونوں قسم کے حج اصل کی طرف سے سمجھے جائیں گے اور اس قدر اخراجات اصل کو واپس دیے جائیں جو میقات سے احرام نہ باندھنے کے نتیجے میں فرق پڑتا ہے۔

ه۔ اگر کسی کو دو آدمیوں نے نائب بنایا، ایک نے حج کے لیے اور دوسرے نے عمرہ کے لیے اور دونوں نے اسے قرآن کرنے کی اجازت دے دی اور اس نے قرآن کر لیا تو جائز ہے کیوں کہ یہ شرعی طریقہ حج ہے۔ اگر ان کی اجازت کے بغیر قرآن کر لیا تو بھی صحیح ہے اور دونوں کا حج و عمرہ ادا ہو جائے گا، اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے البتہ ہر ایک کو نصف خرچ

واپس کرے کیوں کہ اس نے ان کی اجازت کے بغیر ان کا سفر کیا اور کام وہ کر دیا جس کا اسے کہا گیا تھا البتہ اس کے طریقے میں مخالفت کی، اصل میں نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ تمتع کی جگہ قرآن کر لے۔

اگر ایک نے اجازت دی تھی، دوسرے نے نہیں دی تو جس نے نہیں دی اسے نصف خرچ واپس کیا جائے۔ حج قرآن کی قربانی نائب کے ذمے ہوگی، اگر اسے قرآن کرنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی کیوں کہ قربانی کا لزوم اس کے سبب (حج قرآن) کی اجازت کا نہ پایا جانا تھا اور اگر اجازت دی گئی تھی تو قربانی کے اخراجات ان کے ذمے ہوں گے جنہوں نے اجازت دی اور اگر ایک نے اجازت دی تھی دوسرے نے نہیں تو جس نے اجازت دی تھی اس کے ذمے نصف قربانی کے اخراجات ہوں گے اور باقی نصف نائب کے ذمے۔

و۔ اگر کسی کو حج کرنے کا کہا گیا، اس نے حج کر لیا، پھر اپنی طرف سے عمرہ کر لیا یا عمرہ کرنے کا کہا گیا تھا، اس نے عمرہ کر لیا، پھر اپنی طرف سے حج کر لیا تو درست ہے اور کوئی خرچ واپس نہیں کرنا پڑے گا کیوں کہ اس نے اپنی ذمہ داری ٹھیک ٹھیک پوری کر دی۔

اگر اسے میقات سے احرام باندھنے کا کہا گیا تھا، اس نے کسی دوسری جگہ سے احرام باندھ لیا تو کوئی حرج نہیں کیوں کہ دونوں مقامات برابر ہے۔

اگر کسی کو اپنے شہر سے احرام باندھنے کا کہنا گیا تھا، اس نے میقات سے احرام باندھ لیا تو جائز ہے کیوں کہ میقات سے احرام باندھنا افضل ہے۔

اگر کسی کو میقات سے احرام باندھنے کا کہا گیا تھا، اس نے اپنے شہر سے احرام باندھ لیا تو جائز ہے کیوں کہ اس میں ایسا اضافہ ہے جو نقصان دہ نہیں۔

اگر کسی کو سال کے دوران حج یا مہینے کے دوران عمرہ کرنے کو کہا گیا اس نے وقت آگے پیچھے کر دیا تو کوئی حرج نہیں کیوں کہ اس نے فی الجملہ حکم پر عمل کر دیا۔

ز۔ اگر کسی شخص کو دو آدمیوں نے نائب بنایا اور اس نے دونوں کی طرف سے احرام باندھ لیا تو اس کا اپنا حج یا عمرہ ہوگا، ان میں سے کسی کا نہیں ہوگا، جیسا کہ حنفیہ کی رائے بھی یہی ہے کیوں کہ کسی ایک کو دوسرے پر کوئی امتیاز نہیں۔

اگر کسی نے اپنی طرف سے اور کسی دوسرے کی طرف سے بھی احرام باندھا تو اپنی طرف سے ہوگا، کیوں کہ جب اپنی نیت کیے بغیر اپنی طرف سے ہوتا ہے تو اپنی نیت کے ساتھ بطریق اولیٰ اپنی طرف سے ہوگا۔

اگر اپنی اور کسی دوسرے کی طرف سے متعین کیے بغیر کسی ایک کی طرف سے احرام باندھا تو یہ احتمال ہے کہ اس کی اپنی طرف سے ہو کیوں کہ کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔ اس لیے یہ ایسے ہی ہے جیسے دونوں کی طرف سے احرام باندھ لیا ہو اور یہ احرام صحیح بھی ہو سکتا ہے، کیوں کہ نامعلوم فرد کی طرف سے احرام باندھا جا سکتا ہے۔ اس لیے یہ احرام کسی کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے اور احرام باندھنے والا اسے جس کے لیے چاہے کر سکتا ہے۔ اگر اس نے کسی کے لیے متعین نہیں کیا اور طواف کا ایک چکر پورا کر لیا تو اب کسی دوسرے کے لیے نہیں ہو سکتا، اب اس کی اپنی طرف سے ہوگا، کیوں کہ طواف غیر متعین شخص کی طرف سے نہیں کیا جا سکتا۔

مطلب دوم: حج کے موانع:

اوپر کی بحث سے جو حج کی شرائط کے بارے میں ہے معلوم ہوتا ہے بعض امور ایسے ہیں جو حج کے لیے رکاوٹیں اور موانع ہیں، جو درج ذیل ہیں: (۷)

۱۔ والدین ہونا: والدین اور دادا دادی وغیرہ میں سے کوئی ایک اپنی کسی ایسی اولاد کو جو مکہ میں نہ ہو نفل حج اور عمرہ کا احرام باندھنے سے روک سکتے ہیں، فرض سے نہیں، کیوں کہ والدین کی خدمت جہاد ہے، جیسا کہ صحیحین میں ہے حتیٰ کہ فرض حج کے لیے بھی ان سے اجازت لینا مسنون ہے۔

۲۔ زوجیت: شافعیہ کے نزدیک شوہر کو اختیار ہے کہ بیوی کو فرض اور مسنون حج سے روک دے کیوں کہ شوہر کا فوری حق اس سے متعلق ہے جب کہ حج بعد میں کیا جا سکتا ہے اور جمہور کے نزدیک شوہر کو حق نہیں کہ بیوی کو فرض حج سے روکے کیوں کہ حج فوری واجب ہے اور اگر بیوی نے فرض حج کا احرام باندھ لیا تو شوہر کا حق نہیں کہ احرام کھولا دے ہاں اگر اسے کوئی ضرر پہنچ رہا ہو تو کھولا جا سکتا ہے۔

۳۔ غلامی: مالک کو اختیار ہے کہ غلام کو فرض اور مسنون حج سے روک دے اور جب مالک روک دے تو غلام اس شخص کی طرح احرام کھول دے جسے کوئی رکاوٹ پیش آ جائے۔ اگر غلام نے مالک کی اجازت سے احرام باندھا تو اسے حج مکمل کرنے سے نہیں روک سکتا۔ روکنے کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ غلام کے تمام منافع مالک کے لیے ہیں۔

۴۔ ظلماً قید ہونا یا قرض میں گرفتار ہونا، اس صورت میں احرام کھول دے۔

۵۔ قرض کا مطالبہ: قرض خواہ کو یہ حق ہے کہ خوش حال مقروض کو حج کے سفر سے روک دے، مقروض کو اس صورت میں احرام کھولنا جائز نہیں، مقروض کو احرام کھولنے کے بجائے قرض ادا کرنا چاہے، اگر قرض میعاد ہی ہے تو قرض خواہ کو حق نہیں کہ مقروض کو سفر سے روک دے۔

۶۔ پابندی: بے وقوف شخص اپنے ولی یا وصی کی اجازت کے بغیر حج نہ کرے، یہ صورت

صرف مالکیہ نے ذکر کی ہے، اور کسی نے نہیں کی۔

۷۔ دشمن کی طرف سے احرام باندھنے کے بعد رکاوٹ: احرام باندھنے والے کو اعمال حج ادا کرنے سے روک دیا گیا ہو اور لڑائی کیے بغیر یا رقم دیے بغیر جانا ممکن نہ ہو تو اتنی دیر انتظار کرنے کے بعد کہ جس میں رکاوٹ ختم ہونے کا امکان ہو بالا جماع احرام کھول دینا چاہیے۔

جب رکاوٹ ختم ہونے سے مایوس ہو جائے تو جہاں بھی ہو خواہ حرم میں یا حرم کے باہر تو احرام کھول دے، مالکیہ کے نزدیک اس پر قربانی نہیں ہے البتہ اگر قربانی کا جانور ساتھ ہے تو قربانی کر دے۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ قربانی کرنے کے بعد احرام کھول دے، قربانی میں ایک بکری یا گائے یا اونٹ کا ساتواں حصہ کافی ہے، شافعیہ کے نزدیک سر منڈائے یا بال کٹوائے اور شافعیہ کے نزدیک قضا نہیں ہے اور نہ عمرہ۔ اگر پہلے حج نہیں کیا ہو تو حج کرنا فرض ہے۔ اور اگر حرم میں ہے تو سر منڈائے اور اگر حرم کے باہر روک دیا گیا ہے تو حنفیہ کے نزدیک سر منڈانا ضروری نہیں ہے۔ حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کی قضا ہے، اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ حنابلہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ سر منڈانا ضروری نہیں۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نیت سے ہی احرام ختم کر دے۔

جس کسی کو جبراً روک دیا گیا ہو، مالکیہ نے اس کی پانچ حالتیں بیان کی ہیں، جن میں سے تین میں احرام کھول دینا جائز ہے، ایک یہ ہے احرام باندھنے کے بعد عذر پیش آئے یا پہلے سے پیش آیا ہو لیکن اسے معلوم نہ ہو یا معلوم ہو لیکن اس کا خیال ہو کہ یہ رکاوٹ نہیں ہوگی۔ چوتھی صورت میں احرام کھولنا جائز نہیں اور وہ یہ ہے کہ ایک راستہ میں

رکاوٹ ہو لیکن کسی دوسرے طریقے سے پہنچا جاسکتا ہو۔

پانچویں صورت میں احرام کھولنا جائز ہے اور وہ یہ ہے کہ شروع میں نیت کر لی ہو کہ اگر زاد راہ ختم ہو گیا تو احرام کھول دے گا یا بیمار ہو گیا یا شک ہو کہ راستہ میں رکاوٹ ہوگی یا نہیں وغیرہ۔ ان صورتوں میں احرام کھولنا جائز ہے۔

۸۔ بیماری: جو احرام کے بعد بیمار ہو گیا تو مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک احرام باقی رکھے تا آنکہ صحت مند ہو جائے، خواہ بیماری کتنی طویل ہو۔

حنفیہ نے بیماری کی صورت میں احرام کھولنے کی اجازت دی ہے جیسا کہ دشمن کے راستہ بند کرنے کی صورت میں اجازت ہے۔

## بحث سوم: حج اور عمرہ: اوقات اور جگہیں

اس عنوان کے تحت دو مطالب ہیں:

### مطلب اوّل: حج اور عمرہ کا وقت

۱۔ حج کا وقت: حج کا وقت معین ہے، قرآن کریم نے اس آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے: *يسألونك عن الالهة، قل هي مواقيت للناس والحج (لوگ آپ سے نئے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں، فرما دیجیے یہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے وقت مقرر کرنے کا ذریعہ ہے۔ البقرہ، ۲: ۱۸۹)* نیز ارشاد ربانی ہے: *الحج أشهر معلومات (حج کے متعین مہینے ہیں، البقرہ، ۲: ۱۹۷)* یعنی اس کے زیادہ تر اعمال معلوم مہینوں میں ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک (۷۸) حج کے مہینے تین پورے مہینے ہیں: یعنی شوال، ذو القعدہ اور ذوالحجہ (۷۹)۔ یہ پورے حج کا وقت ہیں کیوں کہ ارشاد ربانی میں عموم ہے: *الحج أشهر معلومات (حج کے معلوم مہینے ہیں البقرہ، ۲: ۱۹۷)* اس لیے ضروری ہے ذوالحجہ کے پورے دنوں پر ایام حج کا اطلاق ہو، کیوں کہ جمع کی کم از کم تعداد تین ہے۔ احرام کا وقت یکم شوال، عید الفطر کی رات سے شروع ہوتا ہے اور عید الاضحیٰ کی صبح تک ہے، جس کسی نے عید الاضحیٰ کی فجر ہونے سے ایک لمحہ پہلے احرام باندھ لیا اور وہ عرفہ میں ہے تو اس کا حج ہو گیا، اس کے بعد اس کے ذمے طواف افاضہ اور سعی رہ جاتے ہیں، کیوں کہ مالکیہ کے نزدیک حج کا رکن عرفات میں رات کا قیام ہے اور وہ پورا ہو گیا۔

شوال شروع ہونے سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے لیکن اگر کوئی باندھ لے تو ان کے نزدیک درست ہو جاتا ہے، جیسا کہ متعین جگہوں سے پہلے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے احرام باندھنا مکروہ ہے، مقررہ وقت اور جگہ سے پہلے احرام کے درست ہونے کا سبب یہ ہے کہ یہ کمال احرام کا وقت ہے، وجوب احرام کا نہیں اور طواف افاضہ ذوالحجہ کے آخر تک کیا جائے تب بھی درست ہو جاتا ہے۔

پس حج کی مدت شوال کے آغاز سے یوم الاضحیٰ کی فجر سے پہلے تک حج کے احرام کا وقت ہے اور قربانی کے دن کے طلوع فجر سے ذوالحجہ کے آخر تک حج کے احرام کھولنے کے جواز کا وقت ہے۔ اہل مکہ کے لیے مستند روایت کے مطابق یکم ذوالحجہ کو احرام باندھنا افضل ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک (۸۰) حج کے مہینے شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں کیوں کہ عبادلہ اربعہ (ابن مسعود، ابن عباس، ابن عمر اور ابن زبیر) سے یہی روایت ہے اور ارشاد نبویؐ ہے: ”حج اکبر کا دن قربانی کا دن ہے“ (۸۱)۔ اس لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ حج اکبر کا دن حج کے مہینوں میں شامل نہ ہو۔ نیز قربانی کے دن میں حج کا ایک رکن ادا کیا جاتا ہے یعنی طواف زیارت اور اس میں حج کے کئی دوسرے اعمال کرنے ہوتے ہیں مثلاً جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارنا، قربانی کرنا، سر منڈانا، طواف، سعی اور منی واپس جانا دس ذوالحجہ کے گزر جانے سے حج فوت ہو جاتا ہے جب کہ اگر ابھی حج کا وقت باقی ہو تو اس کے فوت ہو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارشاد ربانی الحج أشهر معلومات (حج چند معلوم مہینے ہیں، البقرہ، ۲: ۱۹۷) سے مراد دو ماہ پورے اور تیسرے ماہ کا کچھ حصہ ہے، پورا مہینہ نہیں کیوں کہ دس ذوالحجہ کے بعد کا وقت حج کے مہینے میں شامل نہیں، وہ نہ احرام باندھنے کا



وقت ہے، نہ حج کے ارکان ادا کرنے کا، بلکہ وہ وقت محرم کی طرح ہے۔

دو سے زائد اشیا کو جمع کے لفظ سے تعبیر کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ قرء (قرء کی جمع حیض یا طہر) میں تین قرء میں اس طہر کا کچھ حصہ شامل ہوتا ہے جس میں طلاق دی ہو (لیکن اس کے لیے جمع کا لفظ استعمال ہوا) پچھلی آیت میں ارشاد ہے فمن فرض فیہن الحج (جو ان مہینوں میں حج فرض کر لے) یعنی ان میں سے اکثر میں۔

اگر ان مہینوں سے پہلے کوئی احرام باندھ لے تو جائز ہے اور اس کا حج درست ہے۔ اسے عمرہ میں تبدیل نہ کرے کیوں کہ ارشاد ربانی: واتموا الحج والعمرة لله (حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو، البقرہ، ۲: ۱۹۶) کے حکم میں عموم ہے، لیکن حج کے مہینے شروع ہونے سے پہلے افعال حج میں سے کوئی فعل ادا کرنا جائز نہیں۔ جب احرام باندھا تو احرام صحیح ہو جائے گا کیوں کہ اسے مکمل کرنے کا حکم ہے، حنفیہ کے نزدیک احرام شرط ہے، اس لیے نماز کے وقت سے پہلے وضو کر لینے کے مشابہ ہے۔ احرام کا مفہوم اپنے لیے کچھ چیزیں حرام کر لینا اور کچھ واجب کر لینا ہے اور یہ کسی بھی وقت درست ہے۔ وقت سے پہلے احرام باندھنا ایسا ہی ہے جیسے میقات (یعنی مقررہ جگہ) سے پہلے احرام باندھ لینا۔ انہوں نے وقت کے میقات کو جگہ کے میقات سے تشبیہ دی ہے۔ بہر حال حج کے مہینے شروع ہونے سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے کیوں کہ بخاری میں ابن عباسؓ کی روایت ہے: ”سنت یہ ہے کہ حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام نہ باندھے۔“

شافعیہ بھی (۸۲) حنفیہ اور حنابلہ کی طرح یہی کہتے ہیں کہ حج کے مہینے شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کی دس راتیں ہیں، قربانی کے دن کے طلوع فجر تک، لیکن ان کی رائے یہ ہے کہ حج کے مہینوں کے سوا اگر کسی شخص نے حج کا احرام باندھا تو وہ عمرہ کا احرام ہوگا کیوں کہ حج

ایک ایسی عبادت ہے جو وقت کے ساتھ مختص ہے۔ اگر کسی نے اس وقت کے سوا وہ عبادت کرنا چاہی تو اس جنس کی دوسری عبادت شمار ہوگی، جیسے کسی شخص نے ظہر کا وقت شروع ہونے سے پہلے ظہر کی نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہی تو اس کی وہ نماز نفل شمار ہوگی۔ شافعیہ نے زمانی میقات کو اوقات نماز سے تشبیہ دی ہے، حج قبل از وقت نہیں ہو سکتا۔ ان کی دلیل یہی آیت ہے: الحج أشهر معلومات (حج کے معلوم مہینے ہیں، البقرہ، ۲: ۱۹۷) اصل عبارت یوں ہے ”حج کا وقت چند مہینے ہیں“ یا ”حج کے مہینے معلوم مہینے ہیں“ مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس سے مراد وقت ہے تو وقت سے پہلے احرام باندھنا جائز نہیں جیسا کہ وقت سے پہلے نماز پڑھنا درست نہیں۔

ایک سال میں ایک سے زائد حج کرنا درست نہیں، کیوں کہ سارا وقت ایک حج کے لیے کافی ہوتا ہے اس لیے دوسرا حج کرنا ممکن ہی نہیں۔

## ۲۔ عمرہ کا وقت:

علماء کا اتفاق ہے (۸۳) کہ عمرہ سارا سال کسی بھی وقت جائز ہے، خواہ حج کے مہینے ہوں یا کوئی اور وقت، یعنی عمرہ کا زمانی میقات سارا سال ہے، اس میں کسی بھی وقت عمرہ کا احرام باندھا جا سکتا ہے کیوں کہ اس کے لیے کوئی متعین وقت مختص نہیں ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عمرے ذوالقعدہ میں اور ایک شوال میں کیا (۸۴)۔ ارشاد نبویؐ ہے: ”رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے“ (۸۵)۔ مسلم کی روایت میں ہے: ”عمرہ حج میں داخل ہو گیا۔ آپؐ نے یہ بات دو بار کہی۔ پھر فرمایا نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔“ اس کا مفہوم صحیح تر قول کے مطابق یہ ہے کہ قیامت تک حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا

جائز ہے اور اس کا مقصد جاہلیت کی اس رسم کو ختم کرنا ہے جس میں حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا درست نہیں سمجھا جاتا تھا۔

بار بار عمرہ کرنے کی رائے کی تفصیل: جمہور کے نزدیک ایک سال میں کئی بار عمرہ کرنا مکروہ نہیں ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ سال میں کئی بار عمرہ کرے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی اوپر مذکور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سال میں دو بار ذوالقعدہ اور شوال میں یعنی آخر شوال اور اول ذوالقعدہ میں عمرہ کیا۔

حضرت انسؓ کی حدیث صحیحین میں ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار بار عمرہ کیا، ہر بار ذوالقعدہ میں اور اپنے حج کے ساتھ“۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث صحیحین میں ہے کہ ”ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے“۔ اسی بنا پر شافعیہ کہتے ہیں کہ بکثرت عمرہ کرنا مسنون ہے خواہ ایک دن میں کئی بار عمرہ کرے کیوں کہ مستند روایت کے مطابق عمرہ طواف سے افضل ہے لیکن حضرت عائشہؓ کی حدیث قوی تر دلیل ہے، دوسری احادیث سے بظاہر ایک سال میں زیادہ بار عمرہ کرنے کی دلیل نہیں نکلتی۔

مالکیہ کے نزدیک ایک سال میں ایک سے زائد بار عمرہ کرنا مکروہ ہے کیوں کہ یہ عبادت طواف اور سعی پر مشتمل ہے اس لیے سال میں صرف ایک بار کی جائے جیسا کہ حج سال میں ایک بار کیا جاتا ہے، اس پر جواب یہ کیا گیا ہے کہ حج کا وقت مقرر ہے، وہ سال میں ایک بار سے زائد کیا ہی نہیں جاسکتا، جب کہ عمرہ کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ اس میں نماز کا تصور ہے جو بار بار پڑھی جاسکتی ہے۔

عمرہ کب مکروہ ہے؟ عرفہ کے دن، قربانی کے دن اور عید کے بعد تین دن (ایام تشریق) حنفیہ کے نزدیک عمرہ کرنا مکروہ تحریمی ہے کیوں کہ یہ حج کے دن ہیں اور حج کے

لیے مقرر ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص حج کا احرام باندھ لیتا ہے تو اس کے بعد جب تک حج کے تمام اعمال یعنی طواف سعی اور تمام جمرات پر کنکریاں مارنے سے فارغ نہ ہو جائے عمرہ نہیں کر سکتا، کنکر مارنے میں اگر جلدی نہ کرے اور اگر جلدی کرے یعنی تین دن کنکر مارے تو چوتھے دن سورج کے زوال کے بعد جتنی دیر میں کنکریاں ماری جاتی ہیں اس کی مقدار وقت کے بعد عمرہ کا احرام باندھ سکتا ہے یعنی اگر چار دن کنکر مارے تو چوتھے دن فارغ ہونے کے بعد اور اگر تین دن مارے تو چوتھے دن اس وقت تک انتظار کرے جب کہ کنکر مارنے کے وقت کی مقدار گزر جائے بشرطیکہ اس نے طواف اور سعی پہلے کیے ہوئے ہوں۔

چوتھے دن کنکر مارنے کے بعد سے غروب آفتاب تک احرام باندھنا مکروہ ہے اور اگر چوتھے دن کنکر مارنے کے بعد غروب آفتاب سے پہلے احرام باندھ لیا تو احرام باندھنا درست ہے لیکن طواف اور سعی میں تاخیر کرنا واجب ہے، ورنہ طواف اور سعی کی کوئی حیثیت نہیں اور دونوں کو دوبارہ کرے ورنہ ساری عمر احرام باقی رہے گا۔

شافعیہ کے نزدیک جب تک حج کا کوئی عمل مثلاً کنکر مارنا باقی ہے حاجی کے لیے عمرہ کا احرام باندھنا جائز نہیں کیوں کہ احرام کا جب تک کوئی ایک حکم بھی باقی ہے تو گویا احرام باقی ہے۔ اس کے سوا کسی وقت احرام باندھنا مکروہ نہیں اور بار بار عمرہ کرنا بھی مکروہ نہیں ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ عمرہ کا احرام باندھنا کسی بھی وقت مکروہ نہیں ہے، خواہ قربانی کے دن ہو، عرفہ کے دن یا ایام تشریق میں، جیسا کہ محض طواف کرنا مکروہ نہیں ہے،

کیوں کہ اصل یہ ہے کہ عمرہ کرنا مکروہ نہ ہو اور مکروہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

### مطلب دوم: حج اور عمرہ کے میقات

لغت میں میقات ”حد“ کو کہتے ہیں، شریعت میں میقات سے مراد وہ متعین جگہ یا وقت ہے جو کسی عبادت کے لیے مختص ہو، کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ حج یا عمرہ کا احرام باندھے بغیر میقات سے آگے گزر جائے ورنہ اس پر ایک قربانی بطور کفارہ یا واپس میقات کی طرف لوٹ آنا واجب ہوگا۔ اگر میقات (مقررہ جگہ) سے پہلے احرام باندھ لیا تو بالاتفاق جائز ہے بلکہ اگر حرام کاموں سے بچنے کی امید ہو تو حنفیہ کے نزدیک افضل ہے۔ افضل ہونے کی دلیل یہ ارشاد ربانی ہے: **وَاتِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ** (اللہ کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو، البقرہ، ۱۹۶:۲) اور مکمل کرنے میں یہ بات شامل ہے کہ اپنے قبیلے کے گھروں کے بعد سے احرام باندھ لے جیسا کہ حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہا، نیز اس میں مشقت زیادہ ہے اور تعظیم بھی زیادہ ہے۔

مکہ میں رہنے والے اور باہر سے آنے والے جسے ”آفاقی“ کہا جاتا ہے لوگوں کے لیے الگ الگ میقات ہیں (۸۶)۔

۱۔ مکہ میں مقیم افراد کے لیے میقات: جو کوئی مکہ میں مقیم ہے، خواہ مقامی ہو یا باہر کا، حج کے لیے اس کا میقات حرم ہے یعنی مکہ شہر کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مکہ کے اندر سے احرام باندھنے کا حکم دیا تھا، آپؐ نے فرمایا ”حتیٰ کہ مکہ والے بھی یہیں سے احرام باندھیں“ (۸۷)۔ جو کوئی مکہ شہر سے باہر حدود حرم میں رہتا ہو وہ بھی اپنے گھر سے احرام باندھ لے، مسجد حرام سے احرام باندھنا مستحب ہے۔

## عمرہ کا میقات:

حرم سے باہر ”حلّ“ سے عمرہ کا احرام باندھے خواہ کسی بھی جانب سے ہو اور خواہ ایک قدم کے فاصلے پر ہوتا کہ سفر کا مفہوم پیدا ہو، کیوں کہ حج عرفہ میں ادا ہوتا ہے جو حرم سے باہر ”حلّ“ میں ہے، اس کے لیے احرام حرم سے باندھا جائے اور عمرہ حرم میں ادا ہوتا ہے۔ اس کے لیے احرام حرم کے باہر سے باندھا جائے تاکہ احرام میں دونوں باتیں (حلّ اور حرم) اکٹھی ہو جائیں۔ ہر احرام میں یہ شرط ہے۔ اگر کسی نے عمرہ کا احرام حرم سے باندھ لیا تو احرام درست ہے، البتہ کفارے میں ایک جانور قربانی کرے یا احرام باندھ کر حرم سے باہر نکل جائے اور پھر واپس آئے۔

عمرہ کے لیے احرام باندھنے کی سب سے افضل جگہ شافعیہ کے نزدیک جعرانہ ہے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے عمرہ کیا تھا، جیسا کہ شیخین کی روایت ہے، پھر تنعیم ہے کیوں کہ آپؐ نے حضرت عائشہؓ کو وہاں سے عمرہ کرنے کو کہا تھا، پھر حدیبیہ ہے (۸۸)۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک افضل جگہ تنعیم ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد الرحمن بن ابی بکرؓ کو تنعیم سے حضرت عائشہؓ کے ساتھ عمرہ کرنے کا حکم دیا تھا (۸۹)۔ نیز یہ مکہ سے قریب ترین جگہ ہے جو حرم سے باہر ہے، پھر جعرانہ ہے اور پھر حدیبیہ۔ مالکیہ کے نزدیک عمرہ کرنے والے کو اختیار ہے چاہے جعرانہ سے احرام باندھے تنعیم سے۔

## ۲۔ حرم سے باہر (حلّ) میں رہنے والوں کے لیے میقات:

جو لوگ جو پانچ میقاتوں (احرام باندھنے کی مقررہ جگہوں) کے اندر لیکن حرم سے باہر رہتے ہیں، جیسا کہ بستان بنی عامر وغیرہ کے رہنے والے یہ لوگ میقات کے اندر

حرم سے باہر رہتے ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک جس کسی کا گھر میقات کی بہ نسبت مکہ کے قریب ہے وہ حج اور عمرہ کے لیے اپنے گھر سے احرام باندھے۔

شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ جو کسی ایسی جگہ ہے کہ وہاں سے میقات کو سیدھا راستہ نہیں جاتا تو وہ میقات کے برابر جگہ سے خواہ خشکی ہو یا سمندر احرام باندھے اور اگر دو میقاتوں کے برابر جگہ آتی ہو تو جو میقات اس کے قریب تر ہو اس کے برابر سے احرام باندھے اور اگر دونوں کا فاصلہ برابر ہو تو جو میقات مکہ سے زیادہ فاصلے پر ہو اس کے برابر سے احرام باندھے اور اگر کوئی میقات برابر نہ آتا ہو تو مکہ سے دو مرحلوں کے فاصلے پر سے احرام باندھ لے۔ جس کسی کا گھر مکہ اور میقات کے درمیان ہو تو اپنے گھر سے احرام باندھے۔

جو شخص حج یا عمرہ کے ارادے کے بغیر میقات سے گزر گیا، بعد میں اسے حج یا عمرہ کرنے کا خیال آیا تو جہاں ہے وہیں سے احرام باندھ لے۔

حنفیہ کے نزدیک حل میں رہنے والوں کے لیے حج اور عمرہ کا میقات ان کے خاندان کے گھر (بستی) ہیں یا حرم اور اپنے گھروں کے درمیان جہاں سے چاہیں احرام باندھ لیں کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: **وَاتِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ (اللہ کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو، البقرہ، ۲: ۱۹۶)** حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے گھروں کے پاس سے احرام باندھو۔ حج اور عمرہ کے میقات سے احرام باندھے بغیر گزرنا جائز نہیں۔ حل کا وہ تمام علاقہ جو ان کے گھروں اور حرم کے درمیان ہے ایک جگہ کی طرح ہے، اس لیے اس جگہ کے آخری سرے سے یعنی حل کے آخری کنارے سے احرام باندھ سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہیں ان کے لیے حج اور عمرہ کا میقات بالاتفاق حل ہے اور یہ ان کی اپنی بستیاں ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک کسی کام کے لیے احرام کے بغیر مکہ میں داخل ہونا جائز ہے۔

### ۳۔ آفاقی یعنی دور سے آنے والوں کے لیے میقات:

ان سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے گھر ان مقررہ جگہوں (میقات) سے باہر ہیں جو احرام کے لیے مقرر کی گئی ہیں اور وہ لوگ جو ان مقامات پر سے گزرتے ہیں جو لوگ حج اور عمرہ کرنے کے لیے جاتے ہیں ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ جگہیں مقرر کی تھیں، جیسا کہ صحیحین میں ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کے لیے ذوالحلیفہ، شام والوں کے لیے حجفہ، اہل نجد کے لیے قرن منازل، اہل یمن کے لیے یلملم مقرر کیں اور فرمایا کہ یہ جگہیں وہاں کے لوگوں کے لیے اور ان دوسرے لوگوں کے لیے بھی ہیں جو وہاں سے گزریں اور حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں، جو ان جگہوں کے اندر رہتے ہیں وہ اپنے گھر سے احرام باندھیں اور مکہ والے مکہ سے احرام باندھیں (۹۰)۔ یہ چاروں میقات کو شامل ہیں۔ ذات عرق کے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے مرفوع روایت ہے کہ ”مدینہ والوں کے لیے میقات ذوالحلیفہ ہے اور دوسرے راستہ سے حجفہ ہے اور عراق والوں کے لیے ذات عرق ہے“ (۹۱)۔

یہ پانچوں میقات ان لوگوں کے لیے ہیں جو مکہ میں نہیں رہتے اور حرم کی مختلف جہات کے اعتبار سے ہر طرف جگہیں مقرر کی گئی ہیں۔ جو شخص حج یا عمرہ کی نیت سے مکہ میں داخل ہونا چاہتا ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ احرام باندھے بغیر ان میں سے کسی جگہ سے آگے گزرے۔ یہ جگہیں مندرجہ ذیل ہیں:



۱۔ اہل مدینہ کا میقات ذوالحلیفہ (آبار علی) ہے، جو مدینہ سے چھ میل کے فاصلے پر ہے اور مکہ سے دس منزلوں کی مسافت پر ہے اور یہ تمام میقاتوں سے بعید تر (۴۶۰ کیلو میٹر) ہے۔

۲۔ اہل شام، مصر، المغرب وغیرہ تمام ممالک کا میقات حجفہ (رابع) ہے جو مکہ سے تین منزلوں (۱۸۷ کیلو میٹر) کے فاصلے پر ہے۔ آج کل اہل شام اہل مدینہ کے میقات سے بھی گزرتے ہیں اور یہاں سے بھی، اس لیے انہیں اختیار ہے کہ جس میقات سے چاہیں احرام باندھ لیں کیوں کہ جس شخص نے دو میقاتوں سے گزرنا ہو اس کے لیے واجب ہے کہ وہ آخری میقات سے احرام باندھے اور بغیر احرام کے نہ گزرے، پہلے سے باندھنا افضل ہے۔

۳۔ اہل عراق وغیرہ اہل مشرق کا میقات ذات عرق ہے، مکہ سے دو منزلوں کے فاصلے پر وادی عقیق کی بلندی پر، مکہ سے شمال مشرق میں ۱۹۶ کیلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔

۴۔ اہل یمن، تہامہ اور ہندوستان کا میقات یلملم ہے جو مکہ سے جنوب میں دو منزلوں کے فاصلے پر ایک پہاڑی ہے۔

۵۔ اہل نجد، کویت، امارات، اور طائف کا میقات قرن منازل ہے، مکہ سے دو منزلوں کے فاصلے پر ایک پہاڑ ہے اسے قرن ثعالب بھی کہتے ہیں۔ آج کل جس جگہ کو ”السیل“ کہتے ہیں (۹۴ کیلو میٹر) اس کے قریب ہے۔

جو کوئی احرام باندھے بغیر میقات سے آگے گزر جائے کفارے کے طور پر ایک جانور ذبح کرنا اس پر واجب ہے ہاں اگر واپس لوٹ آئے تو کفارے سے بچ جائے گا۔ مالکیہ کے نزدیک ہر صورت میں کفارہ دینا ہوگا، خواہ واپس لوٹ آئے، اس کی تفصیل آگے

آئے گی۔ اگر حرم کے سوا کسی اور جگہ ٹھہرنے کے لیے میقات سے آگے بڑھ گیا، حنفیہ کے نزدیک اگر اس کی نیت پندرہ دن ٹھہرنے کی ہے تو احرام کے بغیر گزرنا جائز ہے، یہ ان کے نزدیک مقیم ہونے کی کم از کم مدت ہے کیوں کہ اس سے کم مدت کے لیے کسی جگہ ٹھہرنے سے وہ جگہ وطن (اقامت) کے حکم میں نہیں آتی۔

جو کوئی میقات کے برابر سے گزرے اور جو برابر سے نہ گزرے:

جو کوئی بری، بحری یا ہوائی راستے سے دو میقاتوں کے درمیان سے گزرے تو وہ غور و فکر کر لے تاکہ اس میقات سے احرام باندھے جو اس کی گزرگاہ سے قریب تر ہو، خواہ دوسرا میقات مکہ سے دور فاصلے پر ہو، اگر دونوں میقات گزرگاہ سے برابر ہیں تو جو میقات مکہ سے بعید تر ہو وہاں سے احرام باندھے، اگر یہ معلوم نہ ہو کہ راستے میں کب اور کس جگہ میقات کے برابر سے گزرے گا تو احتیاط یہ ہے کہ دور سے ہی احرام باندھ لے تاکہ یہ امر یقینی ہو کہ احرام کے بغیر میقات سے آگے نہیں گزرا، کیوں کہ میقات سے پہلے احرام باندھ لینا جائز ہے اور میقات کے بعد ناجائز۔ پس احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ایسا کام کرے جس میں شک نہ ہو۔ اگر اوپر مذکور کسی میقات کے برابر سے نہ گزر رہا ہو تو مکہ سے دو منزلیں یعنی ۸۹ کیلومیٹر کے فاصلے پر احرام باندھ لے کیوں کہ مکہ سے قریب تر میقات بھی اس سے کم فاصلے پر نہیں ہے۔

حج اور عمرہ کرنے کے بعد مکہ میں داخل ہونے والے کا حکم:

شافعیہ کہتے ہیں (۹۲) کہ جس نے فرض حج یا عمرہ ادا کر لیا، پھر کسی ایسی ضرورت کے لیے مکہ میں داخل ہونا چاہتا ہے جو بار بار پیش نہیں آتی۔ مثلاً زیارت، تجارت، پیغام رسانی وغیرہ کے لیے یا مکہ کا رہنے والا ہے اور سفر سے واپس گھر آ رہا ہے کیا اس کے لیے حج یا

عمرہ کا احرام باندھنا ضروری ہے۔ اس مسئلہ میں تفصیل ہے۔

ا۔ اگر باغیوں، ڈاکوؤں وغیرہ کے خلاف ایسی لڑائی لڑنے کے لیے مکہ میں داخل ہوا جو مباح یا واجب ہے۔ یا کسی ظالم سے ڈر کر یا کسی قرض خواہ سے بھاگ کر مکہ میں داخل ہو گیا اور تنگ دستی کی وجہ سے قرض ادا کرنے کے قابل نہیں اور ان حالات میں مشکل میں پھنسے اور خطرہ مول لیے بغیر حج یا عمرہ کے مناسک ادا کرنے کے لیے باہر نہیں نکل سکتا تو بالاتفاق اس کے لیے احرام باندھنا ضروری نہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن احرام کے بغیر مکہ میں داخل ہوئے تھے (۹۳) کیوں کہ آپ کو لڑائی کا اندیشہ تھا۔

ب۔ جو شخص کسی ایسی ضرورت کے لیے مکہ میں داخل ہوتا ہے جو بار بار پیش نہیں آتی اس کے لیے احرام باندھ کر داخل ہونا مستحب اور بلا احرام مکہ میں داخل ہونا مکروہ ہے۔ جو کوئی ایسی ضرورت کے لیے مکہ میں داخل ہوا جو بار بار پیش نہیں آتی مثلاً ملاقات، تجارت، مریض کی تیمارداری تو شافعیہ کے نزدیک صحیح تر قول یہ ہے کہ اس کے لیے احرام باندھنا مستحب ہے، واجب نہیں۔ امام مالک اور احمد کہتے ہیں کہ احرام باندھنا واجب ہے اور امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ اگر اس کا گھر میقات کے اندر ہے یا مکہ سے قریب ہے تو احرام کے بغیر مکہ میں داخل ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔

ج۔ جو لوگ بار بار شہر میں داخل ہوتے ہیں مثلاً ایندھن، گھاس فروخت کرنے والے، شکاری، پانی بھرنے والے، ڈاک دینے والے اور ڈرائیور وغیرہ ان کے لیے احرام کے بغیر داخل ہونا جائز ہے کیوں کہ ابن عباس کی روایت ہے: ”کوئی شخص احرام کے بغیر مکہ میں داخل نہ ہو آپ نے لکڑہاروں کو اس سے مستثنیٰ قرار دے دیا“ (۹۴) کیوں کہ ان لوگوں پر احرام کی پابندی عائد کرنے میں مشقت ہے۔

حرم میں رہنے والوں کے لیے بالاتفاق مکہ میں داخل ہونے کے لیے احرام کی پابندی نہیں ہے جیسا کہ حرم میں رہنے والا اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو تو اس کے لیے تحیۃ المسجد کے نوافل پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔

جو کوئی حرم میں داخل ہونا چاہے لیکن مکہ میں نہیں تو اس کا حکم وہی ہے جو مکہ میں داخل ہونے والے کا ہے، اس مذکور تفصیل اور اختلاف کے ساتھ۔

اگر حرم میں داخل ہونے کے لیے کسی شخص پر احرام باندھنا واجب تھا لیکن وہ احرام کے بغیر داخل ہو گیا تو گنہ گار ہوگا لیکن شافعیہ کے نزدیک فتویٰ اس پر ہے کہ اس پر قضا واجب نہیں کیوں کہ اس سے تسلسل پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض شافعیہ نے کہا ہے کہ ہر عبادت جو واجب ہو جب اسے چھوڑ دیا جائے تو اس کی قضا یا کفارہ ہے، البتہ مکہ میں داخل ہونے کے لیے احرام اس سے مستثنیٰ ہے، نیز شک کے دن کھانے پینے سے رکا رہنا، جو کوئی اس روز رکا نہ رہے، بعد میں معلوم ہو کہ اس دن روزہ تھا تو اسے نہ تو رکنا واجب ہے اور نہ کفارہ۔

امام ابوحنیفہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قضا واجب ہے کیوں کہ ہر قسم کے واجبات کی قضا ضروری ہے۔

د۔ جس شخص پر حج فرض نہیں تھا مثلاً غلام، بچہ، کافر، جب غلام آزاد ہو گیا، لڑکا بالغ ہو گیا یا کافر مسلمان ہو گیا اور اس نے احرام باندھنے کا ارادہ کیا تو حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک جہاں ہے وہیں سے احرام باندھ لے، اس پر کوئی کفارہ نہیں، کیوں کہ جہاں سے اس پر احرام واجب ہوا وہیں سے اس نے احرام باندھا ہے، پس وہ مکہ میں رہنے والے یا ایسے لوگوں کے مشابہ ہے جو میقات کے اندر رہتے ہیں۔

شافعیہ کے نزدیک ایسے تمام افراد پر کفارے کی قربانی واجب ہے کیوں کہ ان میں

سے ہر ایک نے واجب ترک کیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک کافر مسلمان ہو جائے یا لڑکا بالغ ہو جائے تو ان پر کفارہ نہیں البتہ غلام پر کفارہ ہے۔

کیا میقات سے احرام باندھنا افضل ہے یا اپنے گھر سے؟

حنفیہ کے نزدیک (۹۵) اگر حج کے مہینوں میں احرام باندھ رہا ہے اور راستے محفوظ ہیں تو اپنے شہر سے احرام باندھنا افضل ہے کیوں کہ واتموا الحج والعمرة لله (اللہ کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو، البقرہ، ۲: ۱۹۶) کی تفسیر حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ نے یہی کی ہے کہ اپنی بستی سے احرام باندھو۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جس نے مسجد اقصیٰ سے احرام باندھا اور مسجد حرام میں آکر حج یا عمرہ کیا، اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف ہو گئے یا فرمایا، اس کے لیے جنت واجب ہو گئی“ (۹۶) کیوں کہ اس نے زیادہ عمل کیا، حضرت عمرؓ نے ایلیا (القدس) سے احرام باندھا تھا اور ضبی بن معبد سے جنہوں نے اپنے گھر سے احرام باندھا کہا: ”تو نے اپنے نبی کی سنت پر عمل کیا“ (۹۷)۔

جمہور فقہاء (۹۸) کے نزدیک میقات سے احرام باندھنا افضل ہے کیوں کہ اس میں صحیح احادیث کی موافقت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے عمل کی پیروی ہے کہ انہوں نے میقات سے احرام باندھا اور وہ افضل کام کیا کرتے تھے اور اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع کے موقع پر میقات سے احرام باندھا، نیز عمرہ حدیبیہ میں بھی، جیسا کہ بخاری کی کتاب المغازی میں ہے۔ نیز میقات سے پہلے احرام باندھنا اگرچہ جائز ہے لیکن اس کی پابندی مشکلات کا باعث ہے اور عبادات میں دقت پیدا کرتی ہے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے

فرمایا: ”تم میں سے ہر ایک احرام سے باہر جس قدر چاہے لطف اندوز ہو لے، نہ معلوم اسے احرام میں کیا صورت پیش آئے“ (۹۹)۔ حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ ”عمران بن حصینؓ نے اپنے شہر سے احرام باندھا، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپؓ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ لوگوں کو سنانا چاہتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابیؓ نے اپنے شہر سے احرام باندھا“۔ نیز ”عبداللہ بن عامر نے خراسان سے احرام باندھا، جب حضرت عثمانؓ سے ملے تو انہوں نے انہیں ملامت کیا اور ان کے اس عمل کو ناپسند کیا“ (۱۰۰)۔ بخاری میں ہے کہ ”حضرت عثمانؓ خراسان یا کرمان سے احرام باندھنے کو ناپسند کرتے تھے“۔

میرے نزدیک یہی راجح ہے تاکہ انسان مشقت میں مبتلا نہ ہو اور اس سے احرام میں ممنوع افعال کا ارتکاب نہ ہو۔ بیت المقدس سے احرام باندھ کر آنے کی حدیث ضعیف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضبی سے جو کہا تھا کہ ”تو نے اپنے نبیؐ کی سنت کی پیروی کی“ تو اس سے ان کی مراد حج اور عمرہ ملا کر ادا کرنا تھا نہ کہ میقات سے پہلے احرام باندھنا کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میقات سے احرام باندھنا ہے۔ رہی حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی یہ بات کہ ”عمرہ کی تکمیل یہ ہے کہ اپنے شہر سے اسے شروع کرو“ اس کا مطلب یہ ہے کہ سفر کا آغاز اپنے شہر سے کرو، یہ نہیں کہ احرام اپنے شہر سے باندھو، یہی مفہوم سفیان ثوری اور امام احمد نے بیان کیا ہے، یہ نہیں کہ احرام وہاں سے باندھو کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ اپنے گھروں سے احرام نہیں باندھتے تھے۔

احرام کے بغیر جو کوئی میقات سے آگے گزر جائے اس کا کفارہ:

اگر کوئی شخص حج یا عمرہ کی نیت سے سفر کر رہا ہے اور احرام کے بغیر پانچوں میقاتوں سے آگے بڑھ جاتا ہے، پھر میقات پر واپس آ کر وہاں سے احرام باندھتا ہے اور احرام

حالت میں میقات سے آگے بڑھتا ہے تو بلاجماع اس پر کوئی کفارہ نہیں کیوں کہ جب وہ احرام باندھنے سے پہلے واپس میقات پر آ گیا اور یہاں آ کر احرام باندھا تو پہلے وہاں سے گزر جانا کالعدم ہو گیا اور ابھی سے میقات سے اس کے احرام کا آغاز ہوا۔

اگر میقات سے گزرنے کے بعد اس نے احرام باندھ لیا اور اعمال حج میں سے کوئی بھی کام کیے بغیر واپس میقات آ گیا تو اس میں فقہاء کی تین آراء ہیں (۱۰۱)۔ یاد رہے کہ ان آراء کا اطلاق فقہائے حنفیہ کے نزدیک مکہ میں رہنے والے پر ہوتا ہے جس نے میقات کو چھوڑ دیا اور حج کے لیے حل (حرم کے باہر) سے احرام باندھا اور عمرہ کے لیے حرم سے احرام باندھا۔

۱۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ اگر واپس میقات پر آ کر تلبیہ کہا تو اس سے کفارے کی قربانی معاف ہو گئی اور اگر تلبیہ نہیں کہا تو معاف نہیں ہو گی، کیوں کہ ابن عباسؓ نے اس شخص کو جس نے میقات سے گزرنے کے بعد احرام باندھا تھا، کہا: ”واپس میقات پر جاؤ اور تلبیہ کہو، ورنہ تمہارا حج نہیں ہوگا“۔ انہوں نے میقات سے تلبیہ کہنے کو واجب قرار دیا، پس تلبیہ کہنے کا اعتبار کرنا واجب ہے۔

۲۔ صاحبین، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ جو شخص میقات سے احرام کے بغیر گزر گیا پھر اس نے احرام باندھا تو اس پر کفارے کی قربانی واجب ہے، اگر وہ واپس میقات پر نہ آیا، ہاں اگر حج کا کوئی بھی عمل مثلاً طواف وغیرہ کیے بغیر واپس میقات پر آ گیا تو کفارہ معاف ہو جائے گا، خواہ تلبیہ کہے یا نہ کہے، چاہے اسے بلا احرام میقات سے گزرنے کی حرمت معلوم ہو یا نہ ہو کیوں کہ میقات کا حق یہ ہے کہ وہاں سے احرام کے بغیر آگے نہ گزرے، یہ نہیں کہ وہیں سے احرام باندھے۔ اور کفارے کی معافی اس وجہ سے

کہ ابن عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”جس نے حج کا کوئی عمل چھوڑ دیا وہ کفارے کی قربانی دے“۔ (۱۰۲) اگر احرام کے بغیر میقات سے گزر گیا تو اس پر واجب ہے کہ واپس وہاں آئے تاکہ وہاں سے احرام کی حالت میں گزرے، ہاں اگر وقت تنگ ہو یا راستہ پر خطر ہو تو پھر واپس آنا ضروری نہیں۔

اس مسئلہ کا اطلاق مکہ میں حرم کے اندر رہنے والے پر ہوتا ہے، اگر وہ میقات تک نہیں گیا اور عمرہ ادا کرنا شروع کر دیا تو اس پر کفارے کی قربانی ہے اور اگر احرام باندھ کر حرم سے باہر چلا گیا تو کفارہ معاف ہو جائے گا۔ جیسا کہ میقات سے گزرنے والا احرام کی حالت میں واپس میقات پر آ جائے۔

اگر احرام باندھنے والے نے میقات سے پہلے ہی اپنا حج فاسد کر لیا تو حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک کفارے کی قربانی معاف نہیں ہوگی اور حنفیہ کے نزدیک معاف ہو جائے گی کیوں کہ اس پر قضا واجب ہے۔

۳۔ مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ جس نے میقات سے گزرنے کے بعد احرام باندھا اس کے لیے واپس میقات پر آنا ضروری نہیں وہ کفارے کی قربانی دے کیوں کہ اس نے بلا احرام میقات سے تجاوز کیا ہے۔ اور احرام باندھنے کے بعد واپس آنے سے کفارہ معاف نہیں ہوگا کیوں کہ اس کی زیادتی بہر طور باقی ہے۔

اگر احرام نہیں باندھا تو لازماً واپس میقات پر آ جائے ہاں اگر کوئی عذر ہو مثلاً واپسی کی صورت میں حج فوت ہونے کا خوف ہو یا دوستوں سے پچھڑنے کا ڈر ہو یا جان مال کا خطرہ ہو یا واپسی پر قدرت نہ ہو تو اس صورت میں واپسی واجب نہیں البتہ اس زیادتی پر کفارے کے طور پر قربانی دینا واجب ہے۔



## بحث چہارم: حج اور عمرے کے اعمال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حج اور عمرہ:

- ۱۔ حج کے اعمال دس ہیں جو حسب ذیل ہیں (۱۰۳)۔
- ۱۔ احرام: حج یا عمرے کی یا دونوں کی نیت، یعنی یوں کہے، میں حج یا عمرے کی نیت کرتا ہوں اور اللہ کے لیے ان کا احرام باندھتا ہوں۔ اگر کسی دوسرے کی طرف سے حج یا عمرہ کر رہا ہو تو یوں نیت کرے۔ میں فلاں کی طرف سے حج یا عمرہ کی نیت کرتا ہوں اور اللہ کے لیے ان کا احرام باندھتا ہوں، پھر احرام کی دو رکعات نماز کے بعد تلبیہ کہے۔
- ۲۔ مکہ میں اوپر کی طرف سے یعنی کداء کی طرف سے داخل ہو، پھر باب بنی شیبہ سے مسجد حرام میں داخل ہو پھر حجر اسود سے شروع کرتے ہوئے طواف قدوم کرے۔
- ۳۔ طواف: طواف تین ہیں۔ طواف قدوم، طواف افاضہ اور طواف وداع۔
- ۴۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی۔
- ۵۔ عرفات اور منیٰ میں وقوف۔ آٹھ ذوالحجہ یعنی یوم ترویہ کو منیٰ کی طرف روانہ ہو (۱۰۴) وہاں ظہر اور عصر کی نماز پڑھے اور رات وہیں رہے، پھر سورج نکلنے کے بعد عرفات کی طرف روانہ ہو۔ نو ذوالحجہ کو مسجد نمروہ میں یا کسی اور جگہ ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی پڑھے، پھر عرفات میں جہاں لوگ ٹھہرتے ہیں وہیں ٹھہرے۔
- ۶۔ رات مزدلفہ میں گزارے، مزدلفہ منیٰ اور عرفات کے درمیان ہے، حاجی مغرب اور عشا کی نماز قصر مزدلفہ میں اکٹھی عید کی رات شفق کے غروب ہونے کے بعد پڑھیں۔ فجر کی نماز مشعر حرام میں پڑھے جو مزدلفہ کے آخری کنارے پر ہے اور عاجزی اور دعا

کرتے ہوئے وہاں وقوف کرے پھر سورج نکلنے سے پہلے منیٰ کی طرف روانہ ہو جائے۔

۷۔ رمی جمار، قربانی کے دن منیٰ میں جمرہ عقبہ (بڑا جمرہ) پر کنکر مارے، جب سورج ایک نیزے کے برابر بلند ہو جائے تو وہاں سات کنکر مارے۔

اس کے بعد عید کے دوسرے، تیسرے اور چوتھے دن منیٰ میں تینوں جمروں پر سات سات کنکر مارے، چھوٹے جمرے سے شروع کرے جو عرفات کی جانب مسجد خیف کے قریب ہے، پھر درمیانے جمرہ پر اور پھر جمرہ عقبہ پر، کنکر مارنے کا وقت سورج کے زوال سے غروب تک کا ہے۔

۸۔ سرمنڈانا یا بال کٹانا: مردوں کے لیے سرمنڈانا افضل ہے۔ عورتیں بال کٹوائیں، سر نہ منڈائیں۔ سارے بال ایک پور کے برابر کاٹے جائیں۔ سرمنڈاتے وقت دعا کرے۔ یہ عمل عید کے دن جمرہ عقبہ پر کنکر مارنے اور اگر قربانی دینا ہو تو جانور ذبح کرنے کے بعد کرے۔ پھر مکہ چلا جائے، اور طواف افاضہ کرے جو فرض ہے۔

۹۔ جانور کی قربانی: جمرہ عقبہ پر کنکر مارنے کے بعد جانور ذبح کرے۔ ذبح کرنے سے پہلے سرمنڈانا جائز ہے اور کنکر مارنے سے پہلے جانور ذبح کرنا جائز ہے بلکہ سورج نکلنے سے پہلے قربانی جائز ہے۔

۱۰۔ طواف وداع: مالکیہ کے نزدیک مستحب اور جمہور کے نزدیک واجب ہے۔ مکہ کے شہری اور دوسرے لوگ جو مکہ میں رہتے ہوں ان کے لیے طواف وداع کا حکم نہیں ہے۔ اگر طواف افاضہ کے بعد عورت کو حیض آ جائے تو مالکیہ کے نزدیک طواف وداع سے پہلے مکہ سے جا سکتی ہے۔

۲۔ عمرے کے اعمال چار ہیں، جو یہ ہیں:

احرام، طواف، صفا و مروہ کے درمیان سعی، سرمنڈانا یا بال کٹوانا۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرہ:

شیخین اور امام احمد حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقعدہ میں تین بار عمرہ کیا، یہ اس عمرے کے سوا تھے جو آپؐ نے حج کے ساتھ کیا (۱۰۵)۔ ایک عمرہ حدیبیہ سے، دوسرا اگلے سال، تیسرا حنین کی غنیمت تقسیم کرنے کے بعد جعرانہ سے اور چوتھا حج کے ساتھ، یہ کل چار عمرے ہیں۔ ایک عمرہ حدیبیہ جو چھ ہجری میں بیت اللہ کی زیارت کے لیے کیا گیا، دوسرا سات ہجری میں عمرہ قضا، تیسرا آٹھ ہجری میں مکہ اور طائف کے درمیان وادی حنین سے عمرہ جعرانہ جو مکہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے اور چوتھا نو ہجری میں حجتہ الوداع کے ساتھ۔

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حج۔ حجتہ الوداع:

مسلم وغیرہ (۱۰۶) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کا طریقہ بیان کیا، یہ عظیم حدیث بہت سے فوائد اور اہم قواعد و نکات اور پچاس سے زائد فقہی احکام پر مشتمل ہے، جیسا کہ نوویؒ نے ابوبکر بن المنذر سے بیان کیا۔

حدیث کا متن: جعفر بن محمد (امام جعفر صادق) اپنے والد محمد (امام باقر) سے روایت کرتے ہیں کہ ہم چند ساتھی جابر بن عبد اللہ کی خدمت میں پہنچے، انہوں نے ہم سے دریافت کیا کہ ہم کون کون ہیں، یہاں تک کہ جب میری باری آئی تو میں نے کہا میں محمد بن علی بن حسین ہوں، انہوں نے اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھا، پھر میرے کرتے کا اوپر والا بٹن کھولا، اس کے بعد نیچے والا کھولا، پھر اپنا ہاتھ میرے سینے کے بیچ رکھا، میں ان دنوں

بالکل نوجوان تھا، پھر فرمایا، میرے بھتیجے، خوش آمدید، جو کچھ تمہیں مجھ سے پوچھنا ہے بے تکلف پوچھو، میں نے ان سے پوچھنا شروع کیا، وہ نابینا ہو چکے تھے۔ اس اثنا میں نماز کا وقت آ گیا، حضرت جاہڑ ایک چھوٹی سی چادر (۱۰۷) لپیٹے ہوئے تھے، وہ اسی میں لپیٹے ہوئے نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، چادر اتنی چھوٹی تھی کہ جب وہ اسے اپنے مونڈھے پر رکھتے تو اس کے کنارے اٹھ کر ان کی طرف آ جاتے حالانکہ ان کی بڑی چادر ان کے قریب ہی لٹکن (۱۰۸) پر رکھی ہوئی تھی، آپؐ نے اسی طرح ہمیں نماز پڑھائی (۱۰۹)۔ پھر میں نے کہا، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی تفصیلات بتائیے (۱۱۰)۔ انہوں نے ہاتھ کی انگلیوں سے نو کی گنتی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آ کر نو سال تک کوئی حج نہیں کیا، پھر ۱۰ ہجری میں آپؐ نے اعلان کرایا کہ اس سال آپؐ کا ارادہ حج کرنے کا ہے، یہ اطلاع پا کر بہت بڑی تعداد میں لوگ مدینہ آ گئے۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس سفر میں آپؐ کے ہمراہ رہ کر آپؐ کی پوری پوری پیروی کرے اور آپؐ کے نقش قدم پر چلے (۱۱۱)۔

پھر ہم آپؐ کی قیادت میں مدینہ سے روانہ ہو کر ذوالحلیفہ پہنچے، وہاں اسماء بنت عمیس کے ہاں محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کروایا کہ ایسی حالت میں، میں کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا، غسل کر لو، اور ایسی حالت میں عورتیں جس طرح کپڑے کا لنگوٹ استعمال کرتی ہیں، اسی طرح استعمال کرو اور احرام باندھ لو (۱۱۲)۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز پڑھی (۱۱۳) پھر اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہوئے (۱۱۴)۔ یہاں تک کہ جب ناقہ بیداء پر پہنچی تو میں نے اس بلندی سے ہر طرف نگاہ

دوڑائی تو آگے، پیچھے، دائیں بائیں حد نظر تک سوار اور پیادے آدمی ہی آدمی نظر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان میں تھے اور آپؐ پر قرآن نازل ہوتا تھا اور آپؐ اس کی حقیقت اور اس کا صحیح مطلب و مدعا جانتے تھے اور ہمارا رویہ، یہ تھا کہ جو کچھ آپؐ کو کرتے دیکھتے تھے وہی ہم بھی کرتے تھے، بیداء کے مقام پر آپؐ نے بلند آواز سے توحید کا تلبیہ کہا (۱۱۵)۔

لبيك اللهم لبيك، لبيك لا شريك لك لبيك، ان الحمد والنعمة لك  
والملك لا شريك لك.

(میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، حمد و نعمت تیرے لیے ہے، بادشاہی تیری ہے، تیرا کوئی شریک نہیں)۔

آپؐ کے رفقاء صحابہؓ جو تلبیہ پڑھتے تھے، انہوں نے اپنا وہی تلبیہ بلند آواز سے کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے غلط نہیں بتایا لیکن آپؐ اپنا تلبیہ پڑھتے رہے (۱۱۶)۔

جابرؓ کہتے ہیں: اس سفر میں ہماری نیت حج کی تھی، عمرہ ذہن میں نہیں تھا (۱۱۷)، یہاں تک کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ میں پہنچے تو آپؐ نے سب سے پہلے حجر اسود کا استلام کیا (۱۱۸)۔ پھر آپؐ نے تین چکروں میں رمل کیا اور چار چکروں میں اپنے معمول کے مطابق چلے (۱۱۹)، پھر مقام ابراہیم کی طرف بڑھے اور یہ آیت تلاوت کی: واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى (البقرہ، ۲: ۱۲۵)۔

مقام ابراہیم آپؐ کے اور بیت اللہ کے درمیان تھا۔ (۱۲۰)

امام جعفرؓ کہتے ہیں کہ میرے والد ذکر کرتے تھے کہ ان دو رکعتوں میں آپؐ نے قل

هو الله أحد اور قل يا أيها الكافرون کی قراءت کی۔ اس کے بعد پھر حجرِ اسود کے پاس آئے اور اس کا استلام کیا، پھر ایک دروازے سے نکل کر صفا پہاڑی کی طرف چلے گئے (۱۲۱)۔ صفا کے قریب پہنچ کر یہ آیت تلاوت فرمائی: ان الصفا و المروة من شعائر الله (بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں، البقرہ، ۲: ۱۵۸)۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: میں اسی صفا سے سعی شروع کرتا ہوں، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پہلے کیا ہے، چنانچہ آپ پہلے صفا پر آئے اور اس حد تک اس کی بلندی پر چڑھے کہ بیت اللہ آپ کی نظر کے سامنے آگیا، اس وقت آپ قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو گئے اور اللہ کی توحید اور تکبیر و تمجید میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے کہا، لا إله إلا الله وحده لا شریک له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، لا إله إلا الله وحده انجز وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده (اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی تنہا معبود اور مالک ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، ساری کائنات پر اس کی فرماں روائی ہے اور حمد و ستائش اسی کا حق ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی تنہا مالک و معبود ہے اس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا، اپنے بندے کی اس نے بھرپور مدد کی اور کفر و شرک کے لشکروں کو اس نے تنہا شکست دی)۔ (۱۲۲)

آپ نے تین بار یہ کلمات فرمائے اور ان کے درمیان دعا مانگی۔ اس کے بعد آپ اتر کر مروہ کی طرف چلے یہاں تک کہ جب آپ کے قدم وادی کے نشیب میں پہنچے تو آپ کچھ دوڑ کر چلے، پھر جب آپ نشیب سے اوپر آگئے تو پھر اپنی عام رفتار کے مطابق چلے، یہاں تک کہ مروہ پہاڑی پر آگئے اور یہاں آپ نے بالکل وہی کیا جو صفا پر کیا تھا، (۱۲۳) یہاں تک کہ جب آپ آخری پھیرا پورا کر کے مروہ پر پہنچے تو آپ نے اپنے

رفقاء صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: اگر پہلے سے میرے خیال میں وہ بات آجاتی جو بعد میں آئی تو میں قربانی کے جانور مدینہ سے ساتھ نہ لاتا (۱۲۳) اور اس طواف وسعی کو جو میں نے کیا ہے عمرہ بنا دیتا۔ تو اب میں تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ تم میں سے جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں ہیں وہ اپنا احرام ختم کر دیں اور اب تک جو طواف وسعی انہوں نے کی ہے اسے عمرہ بنا دیں۔ آپؐ کا یہ ارشاد سن کر سراقہ بن مالکؓ نے کہا، یا رسول اللہ، کیا یہ حکم خاص اس سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے یہی حکم ہے، آپؐ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دو مرتبہ فرمایا: عمرہ حج میں داخل ہو گیا (۱۲۵)، خاص اسی سال کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کے لیے مزید جانور لے کر مکہ معظمہ پہنچے، انہوں نے حضرت فاطمہؓ کو دیکھا کہ وہ احرام ختم کر کے حلال ہو چکی ہیں اور رنگیں کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور سرمہ بھی استعمال کیا ہے، تو انہوں نے ان کے اس رویے کو غلط سمجھا (۱۲۶) اور ناگواری کا اظہار کیا، حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ مجھے ابا جان نے یہ حکم دیا تھا۔ حضرت علی عراق میں بتایا کرتے تھے کہ میں فاطمہؓ پر غصے کا اظہار کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور آپؐ سے پوچھا کہ فاطمہؓ نے جو کیا ہے، اس کے بارے میں آپؐ کا حوالہ دے رہی ہیں اور میں نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا، آپؐ نے فرمایا، فاطمہؓ نے سچ کہا، سچ کہا ہے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ: جب تم نے حج کی نیت کی اور تلبیہ کہہ کر احرام باندھا تو اس وقت تم نے کیا کہا تھا (۱۲۷)۔ انہوں نے کہا، میں نے نیت اس طرح کی تھی: اے اللہ، میں احرام باندھتا ہوں اس چیز کا جس کا احرام باندھا ہو تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے، (۱۲۸) آپؐ نے فرمایا میں چوں کہ کہ

قربانی کے جانور ساتھ لایا ہوں، اس لیے تم بھی احرام کی حالت میں رہو۔ آگے جابر بیان کرتے ہیں کہ قربانی کے جو جانور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ لے کر آئے تھے اور جو بعد میں آپ کے لیے حضرت علیؓ یمن سے لے کر آئے ان کی مجموعی تعداد ایک سو تھی۔ جابر کہتے ہیں۔ تمام لوگوں نے احرام کھول دیے اور بال کٹوا دیے۔ (۱۲۹) البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے انہوں نے احرام نہیں کھولے۔

پھر جب ۸ ذوالحجہ کا دن آیا (۱۳۰) تو سب لوگ منیٰ جانے لگے، لوگوں نے حج کا احرام باندھا (۱۳۱) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ پر سوار ہو کر منیٰ کو چلے، وہاں پر پہنچ کر آپ نے ظہر، عصر، مغرب، عشا اور فجر پانچوں نمازیں پڑھیں (۱۳۲)۔ پھر آپ تھوڑی دیر وہیں ٹھہرے یہاں تک کہ سورج نکل آیا، آپ نے حکم دیا تھا کہ نمرہ کے مقام پر آپ کے لیے صوف کا بنا ہوا خیمہ نصب کر دیا جائے (۱۳۳)۔ پھر آپ چلے اور قریش کو یقین تھا کہ آپ مشعر حرام کے پاس قیام کریں گے جیسا کہ قریش جاہلیت میں کرتے تھے (۱۳۴)۔ آپ مشعر حرام کی حدود سے آگے گزر گئے (۱۳۵) حتیٰ کہ عرفہ پہنچ گئے (۱۳۶)۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کے لیے نمرہ کے مقام پر خیمہ نصب ہے، آپ اس خیمے میں اتر گئے (۱۳۷)۔ یہاں تک کہ جب سورج ڈھل گیا تو آپ نے اپنی ناقہ قصواء پر کجاوہ گسنے کا حکم دیا (۱۳۸)، آپ اس پر سوار ہو کر وادی کے درمیان (۱۳۹) آئے اور آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا (۱۴۰)، جس میں فرمایا:

”لوگو! تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر حرام ہیں بالکل اسی طرح کہ آج کا دن، یہ مہینہ اور یہ شہر (۱۴۱)۔ سن لو، جاہلیت کی تمام چیزیں میرے قدموں کے نیچے دفن اور پامال ہیں، زمانہ جاہلیت کے خون معاف ہیں، اور سب سے



پہلے میں اپنے خاندان کے ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں، جو قبیلہ بنو ہذیل میں دودھ پینے کے لیے رہے تھے اور قبیلہ ہذیل نے انہیں قتل کر دیا تھا۔ زمانہ جاہلیت کے سارے سودی مطالبات ختم کرتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے خاندان کے سودی مطالبات میں سے عباس بن عبدالمطلب کے سودی مطالبات ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں“ (۱۳۲)۔

”لوگو! عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، تم نے انہیں اللہ کی امانت کے طور پر لیا ہے (۱۳۳)۔ اللہ کے حکم اور اس کے قانون کے مطابق ان سے لطف اندوز ہونا تمہارے لیے حلال ہوا (۱۳۴)۔ تمہارا ان پر یہ حق ہے، جس آدمی کا گھر میں آنا اور تمہاری جگہ اور تمہارے بستر پر بیٹھنا تم کو پسند نہ ہو وہ اس کو اس کا موقع نہ دیں، اگر وہ غلطی کریں تو تم ان کو تنبیہ کے طور پر معمولی سزا (۱۳۵) دے سکتے ہو۔ ان کا تم پر حق یہ ہے کہ تم اپنی حیثیت کے مطابق ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرو“ (۱۳۶)۔

”میں تمہارے لیے وہ سامان ہدایت چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اس سے وابستہ رہے تو پھر کبھی گمراہ نہ ہو گے وہ ہے کتاب اللہ۔ قیامت کے دن اللہ کی طرف سے تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا، تو بتاؤ وہاں کیا جواب دو گے؟ لوگوں نے کہا، ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا، رہنمائی، تبلیغ اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔ اس پر آپ نے انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے (۱۳۷)

تین بار فرمایا: اے اللہ تو گواہ رہ۔“

”اس کے بعد اذان ہوئی، پھر اقامت ہوئی، پھر آپؐ نے ظہر کی نماز پڑھائی

پھر اقامت ہوئی اور آپؐ نے عصر کی نماز پڑھائی اور ان دونوں کے درمیان

کوئی نماز نہیں پڑھی (۱۴۸)۔

پھر آپؐ سوار ہو کر میدان عرفات میں وقوف کی جگہ تشریف لائے (۱۴۹)۔ آپؐ نے

اپنی ناقہ قصواء کا رخ اس طرف پھیر دیا جدھر پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں ہیں (۱۵۰)۔ اور

پیدل مجمع آپؐ نے اپنے سامنے کر لیا اور آپؐ قبلہ رو ہو گئے (۱۵۱)۔ آپؐ وہیں کھڑے

رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا (۱۵۲) اور زردی ختم ہو گئی حتیٰ کہ سورج کی ٹکیہ نگاہوں

سے اوجھل ہو گئی، آپؐ نے اسامہ کو اپنے پیچھے بٹھایا (۱۵۳)۔ آپؐ چل پڑے اور آپؐ نے

اپنی اونٹنی قصواء کی زمام کھینچ لی حتیٰ کہ اس کا سر آپؐ کے پائیدان سے ٹکرانے لگا (۱۵۴)،

آپؐ دائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرماتے: ”لوگو، اطمینان سے، سکون سے، آرام

سے“۔ جب کوئی ریت کا ٹیلہ (۱۵۵) سامنے آتا تو آپؐ مہار ڈھیلی چھوڑ دیتے تاکہ اونٹنی اوپر

چڑھ سکے۔

یہاں تک کہ آپؐ مزدلفہ پہنچ گئے، وہاں آپؐ نے ایک آذان اور دو اقامتوں کے

ساتھ مغرب اور عشا کی نماز پڑھائی اور ان کے درمیان نوافل نہیں پڑھے (۱۵۶)۔ پھر آپؐ

لیٹ گئے اور لیٹے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی (۱۵۷)۔ جب صبح ظاہر ہوئی تو آپؐ نے

اذان اور اقامت کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔

پھر آپؐ اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہو کر مشعر حرام پہنچے، (۱۵۸) یہاں آ کر آپؐ قبلہ رو

کھڑے ہوئے اور دعا اور اللہ کی تکبیر، تہلیل اور توحید و تمجید میں مشغول رہے، یہاں تک کہ

خوب اجالا ہو گیا (۱۵۹)۔ سورج نکلنے سے پہلے آپؐ وہاں سے چل پڑے اور آپؐ نے فضل بن عباسؓ کو اپنے پیچھے سوار کر لیا، وہ خوبصورت، نوجوان، عمدہ بالوں والے، گورے چٹے مرد تھے (۱۶۰)۔ جب آپؐ وہاں سے چلے تو کچھ عورتیں پاس سے گزریں (۱۶۱)، فضل ان کی طرف دیکھنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ فضل کے چہرے پر رکھ دیا (۱۶۲)۔ فضل نے اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پہلو بدل کر اپنا ہاتھ اس طرف فضل کے چہرے پر رکھ دیا، دوسری طرف دیکھنے سے بھی آپؐ نے ان کو روک دیا حتیٰ کہ آپؐ وادی محسر (۱۶۳) میں پہنچے۔ آپؐ ذرا تیز چلے پھر اس سے نکل کر اس درمیانے راستے پر ہو لیے (۱۶۴) جو بڑے جمرہ پر پہنچتا ہے۔ پھر اس جمرہ کے پاس پہنچ کر جو درخت کے پاس ہے (۱۶۵) آپؐ نے اس سات کنکریاں پھینکیں، ہر کنکری کے ساتھ آپؐ تکبیر کہتے، کنکریاں مٹر کے دانے کے برابر تھیں (۱۶۶) اور آپؐ نے نشیبی جگہ کھڑے ہو کر پھینکیں۔ اس سے فارغ ہو کر آپؐ قربان گاہ میں تشریف لائے اور آپؐ نے تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح کیے۔ پھر آپؐ نے باقی حضرت علیؓ کے حوالے کر دیے اور جو بیچ رہے تھے وہ انہوں نے ذبح کیے (۱۶۷) اور آپؐ نے انہیں اپنی قربانی میں شریک کیا (۱۶۸)۔ پھر آپؐ نے حکم دیا کہ قربانی کے ہر اونٹ میں سے گوشت کا ایک پارچہ لیا جائے۔ یہ سارے پارچے ایک دیگ میں ڈال کر پکائے گئے، آپؐ نے اور حضرت علیؓ نے اس میں سے گوشت کھایا اور اس کا شور بہ پیا (۱۶۹)۔

پھر آپؐ سوار ہو کر بیت اللہ کی طرف چل پڑے (۱۷۰)، آپؐ نے ظہر کی نماز مکہ میں ادا کی، نماز سے فارغ ہو کر بنی عبدالمطلب کے پاس آئے جو زمزم سے پانی کھینچ کھینچ کر لوگوں کو پلا رہے تھے، آپؐ نے فرمایا: بنو عبدالمطلب، خوب پانی پلاؤ (۱۷۱)، اگر مجھے یہ خطرہ

نہ ہوتا کہ دوسرے لوگ غالب آ کر تم سے یہ خدمت چھین لیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ ڈول کھینچتا (۱۷۲)، انہوں نے ایک ڈول بھر کر آپ کو دیا، آپ نے اس میں سے نوش فرمایا (۱۷۳)۔

## ۵۔ فقہاء کے نزدیک اعمال حج کے احکام:

فقہاء کے نزدیک حج میں کچھ ارکان ہیں کچھ واجبات اور کچھ سنن، ہم پہلے مختصراً ان کا تذکرہ کریں گے پھر ایک جدول کے ذریعے مذاہب کے اختلاف کا موازنہ کریں گے۔  
پہلا مذہب: حنفیہ کہتے ہیں (۱۷۴)۔

ارکان حج کی دو قسمیں ہیں: وقوف عرفہ، یہ حج کا اصلی رکن ہے اور طواف افاضہ (زیارت) کسی رکن کے فوت ہونے سے حج فاسد یا باطل ہو جاتا ہے، رکن یا فرض وہ چیز ہے جو قطعی دلیل سے ثابت ہو۔ واجب وہ ہے جو ظنی دلیل سے ثابت ہو اور اگر عذر کی وجہ سے رہ جائے تو کوئی کفارہ نہیں اور اگر بلا عذر چھوڑ دے تو اس سے کفارے کے طور پر قربانی واجب ہوتی ہے۔

حج کے واجبات بہت سے ہیں جن میں سے پانچ اہم ہیں: صفا و مروہ کے درمیان سعی، مزدلفہ میں وقوف خواہ رات کے دوسرے نصف میں لمحہ بھر کے لیے ہو، رمی جمار، سرمنڈانا یا بال کٹوانا اور طواف وداع۔ یاد رہے کہ سرمنڈانا یا بال کٹوانا اور بیت اللہ کا طواف قربانی کے بعد کیا جائے اور قربانی قربانی کے دنوں میں ہی کی جا سکتی ہے، اس سے پہلے نہیں۔

## حج کی سنتیں:

احرام کے لیے غسل کرنا اور خوشبو لگانا (۱۷۵)۔ نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنا مثلاً

مفرد یہ کہے: اے اللہ، میں حج کی نیت کرتا ہوں تو اسے میرے لیے آسان کر دے اور قبول فرما، عمرہ کرنے والا کہے، اے اللہ میں عمرہ کی نیت کرتا ہوں تو اسے میرے لیے آسان کر دے اور قبول فرما۔ قرآن کرنے والا کہے، اے اللہ میں عمرہ اور حج کی نیت کرتا ہوں، انہیں میرے لیے آسان کر دے اور قبول فرما۔

ہر فرض اور نفل نماز کے بعد تلبیہ کہے، جو یہ ہے: لبیک اللہم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملك، لا شریک لک لکلاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، حمد و نعمت تیرے لیے ہے، بادشاہی تیری ہے، تیرا کوئی شریک نہیں)۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ تھا۔

مکہ میں رات کو یا دن کو داخل ہوں، پھر باب بنی شیبہ سے مسجد حرام میں داخل ہو اور خانہ کعبہ پر نظر پڑتے ہی آہستہ آواز میں کہے: ساری حمد و ثنا اللہ ہی کے لیے ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اللہ سب سے بڑا ہے۔ اے اللہ یہ تیرا گھر ہے، تو نے اسے عظمت، عزت اور شرف سے نوازا ہے، اس کی عزت، عظمت اور احترام میں اضافہ فرما۔“

مکہ کے باہر سے آنے والا اکیلا حج کرنے والا یا قرآن کرنے والا طواف قدوم حجر اسود سے شروع کرے، حجر اسود کی طرف منہ کر کے، نماز کی طرح دونوں کندھوں تک ہاتھ اٹھا کر، تکبیر کہے۔ افضل یہ ہے کہ حجر اسود کو اتباع نبویؐ میں بوسہ دے بشرطیکہ کسی کو ایذا پہنچائے بغیر ممکن ہو ورنہ اس کی طرف رخ کر کے اللہ اکبر کہے، کلمہ پڑھے اور اللہ کی حمد و ثنا کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے جیسا کہ نماز میں درود پڑھتے ہیں۔

پھر خانہ کعبہ کے گرد سات چکر لگائے، پہلے تین چکروں میں رمل کرے اور آخری چار

چکر معمول کے مطابق پورے کرے، ہر چکر میں حجر اسود کو بوسہ دے یا اس کی طرف رخ کر کے ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہہ کر چکر شروع کرے بوسہ دینے میں کسی کو ایذا نہ پہنچائے۔ رکن یمانی کو ہاتھ لگانا سنت نہیں ہے لیکن اگر اسے ہاتھ لگا لیا تو مستحب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سنت نہیں۔ امام محمد کا اس میں اختلاف ہے۔

پھر طواف کے آخر میں مقام ابراہیم کے پاس یا مسجد میں جہاں بآسانی جگہ ملے دو رکعت نماز پڑھے۔ طواف کی دو رکعت حنفیہ کے نزدیک واجب ہیں، دوسروں کے نزدیک نہیں۔

تین مواقع پر امام کا خطبہ دینا مسنون ہے، سات ذوالحجہ کو، عرفہ کے دن اور گیارہ ذوالحجہ کو اور یہ ایک ہی خطبہ ہے نماز ظہر کے بعد، البتہ عرفہ کا خطبہ نماز سے پہلے سورج ڈھلنے کے بعد دو خطبے ہیں۔

خطبہ کا اسلوب یہ ہے کہ اللہ کی حمد و ثنا کرے، تکبیر و تہلیل کہے اور لوگوں کو وعظ کہے۔ انہیں اللہ کے اوامر و نواہی سے آگاہ کرے اور حج کے اعمال مثلاً وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ اور عرفات سے واپسی وغیرہ کی تعلیم دے۔

پھر امام لوگوں کو ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی قصر پڑھائے اور ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ظہر کے وقت میں پڑھائے۔ ان سے پہلے اور بعد میں نوافل نہ پڑھے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، امام ان دونوں میں آہستہ قراءت کرے بخلاف جمعہ اور عیدین کے، ان میں بلند آواز سے قراءت کی جاتی ہے اور اس میں مکہ میں رہنے والوں اور احرام باندھنے والا وغیرہ سب برابر ہیں۔

پھر امام اور لوگ نماز کے بعد عرفات کا رخ کریں اور غروب آفتاب تک وہاں قیام کریں، تکبیر و تہلیل حمد و ثنا اور درود و سلام میں مشغول رہیں۔ اللہ سے اپنی حاجتیں مانگیں اور

الحاح وزاری کے ساتھ دعائیں کریں۔ مزدلفہ میں صبح کا اجالا ہو جانے تک قیام کرنا بھی سنت ہے۔

آٹھ ذوالحجہ کی رات منیٰ میں گزارنا اور وہاں پانچ نمازیں پڑھنا بھی سنت ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں کیا۔ نیز منیٰ میں دو اور راتیں یعنی ایام تشریق کی پہلی رات اور رمی کے دنوں کی دوسری رات گزارنا بھی سنت ہے۔ ایام منیٰ کی راتیں کہیں اور گزارنا مکروہ ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی اور جگہ رہ گیا تو اس پر کفارہ نہیں ہے البتہ گناہ ہے کیوں کہ منیٰ میں رات گزارنا واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ سنت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو لوگوں کو پانی پلانے کے لیے مکہ میں رات رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ (۱۷۶)

سنت یہ ہے کہ قربانی کے دن سورج نکلنے کے بعد زوال آفتاب سے پہلے بڑے جمرہ پر سات سنگ ریزے مارے جو مٹر کے دانے کے برابر ہوں، ہر کنکری انگوٹھے اور انگشت شہادت کے درمیان رکھ کر پھینکے۔

دوسرے اور تیسرے دن تینوں جمرات پر زوال آفتاب کے بعد کنکریاں مارے، ہر کنکری مارتے وقت تکبیر کہے، پہلا جمرہ جو مسجد خیف کے پاس ہے وہاں سے شروع کرے، پھر درمیانے پر اور پھر بڑے جمرہ پر، جب کنکریاں مار کر فارغ ہو جائے تو وہاں کھڑے ہو کر تکبیر و تہلیل اور اللہ کی حمد و ثنا کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور اپنے لیے دعا کرے۔

کنکریاں مزدلفہ سے لے لے یا راستے سے اٹھالے، اس میں اتباع نبویؐ ہے۔ اگر جمرات سے ہی کنکریاں اٹھا کر مار دیں تو عمل ادا ہو جائے گا لیکن اچھا نہیں ہے کیوں کہ ارشاد

نبویؐ ہے، جیسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ”کنکر مار دو، کوئی حرج نہیں“ یہ حکم مطلق ہے۔

جمرہ عقبہ پر پہلا کنکر پھینکتے ہی تلبیہ کہنا ختم کر دے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرہ عقبہ پر پہلا کنکر پھینکتے ہی تلبیہ کہنا بند کر دیا تھا (۱۷۷)۔

وادی محصب یا ابطح میں ٹھہرنا سنت ہے، یہ جگہ مکہ اور منیٰ کے درمیان، مکہ میں داخل ہونے کی جگہ دو پہاڑیوں کے درمیان ایک قبرستان کے پاس ہے جسے حجون کہتے ہیں۔ یہاں تھوڑی دیر ٹھہرے، کیوں کہ یہ سنت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم ابطح میں ٹھہرے تھے (۱۷۸)۔

### عمرہ کے اعمال:

حنفیہ کے نزدیک (۱۷۹) عمرہ کا رکن طواف ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ولیطوفوا بالبيت العتيق۔ (پرانے گھر کا طواف کریں، الحج ۲۲: ۲۹)۔

عمرہ میں دو کام واجب ہیں۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی اور سرمنڈانا یا بال کٹوانا۔ عمرہ کی سنت یہ ہے کہ جب طواف کے پہلے چکر میں حجر اسود کا بوسہ دے یا ہاتھ اٹھائے تو تلبیہ کہنا بند کر دے۔

### دوسرا مذہب: مذہب مالکیہ (۱۸۰)۔

حج کے متعدد ارکان، واجبات، سنن اور مندوبات (مستحبات) ہیں۔ رکن یا فرض وہ ہے جس کے بغیر حج یا عمرہ نہیں ہوتا۔ واجب وہ ہے جسے مجبوری کے بغیر اختیار سے چھوڑ دینا حرام ہے اسے چھوڑ دینے سے حج فاسد نہیں ہوتا بلکہ کفارے کے طور پر قربانی دینے سے کمی پوری ہو جاتی ہے۔



## حج کے ارکان چار ہیں:

۱۔ احرام: حج سے متعلق کسی قول یا فعل کے ساتھ حج کی نیت کرنا مثلاً تلبیہ کہنا، حج کے لیے چل پڑنا، راجح تر قول یہ ہے کہ محض نیت سے احرام شروع ہو جاتا ہے۔

۲۔ صفا و مروہ کے درمیان سات چکر لگانا: الاجھوری نے بیان کیا ہے کہ سعی وقوف عرفہ سے افضل ہے کیوں کہ یہ عمل بیت اللہ کے قریب کیا جاتا ہے اور طواف کے بعد سعی کرنا وقوف عرفہ کے بعد سعی کرنے سے افضل ہے کیوں کہ اس کا تعلق بیت اللہ سے ہے جو حج میں مقصود ہے۔

۳۔ قربانی کی رات عرفہ میں حاضری: خواہ وہاں سے گزر ہی جائے بشرطیکہ اسے معلوم ہو کہ یہ عرفہ ہے اور وہاں حاضری کے رکن کو ادا کرنے کی نیت کرے۔

۴۔ طواف افاضہ: بیت اللہ کے گرد سات چکر۔

## عمرہ کے ارکان تین ہیں:

میقات سے یا حرم کے باہر سے احرام باندھنا، بیت اللہ کے گرد سات چکر لگانا، صفا و مروہ کے درمیان سات چکر لگا کر (سعی) سرمنڈانا واجب ہے اور ایک سال میں ایک سے زائد بار عمرہ کرنا مکروہ ہے۔

احرام میں کئی چیزیں واجب ہیں، کئی سنن اور مستحبات، یاد رہے کہ سنتیں چھوڑ دینے سے کفارے میں قربانی واجب نہیں ہوتی۔

## احرام کے واجبات:

مرد کے لیے سلے ہوئے کپڑے نہ پہننا اور سر ننگا رکھنا، تلبیہ پڑھنا اور احرام کے

ساتھ ہی تلبیہ کہنا، اگر کسی نے سرے سے تلبیہ نہیں کہا یا احرام کے اور تلبیہ کے درمیان طویل وقفہ کر دیا تو قربانی ادا کرے۔

### احرام کی سنتیں:

احرام سے فوراً پہلے غسل کرے، تہہ بند باندھے، کندھوں پر چادر لے، پاؤں میں جوتے پہنے، اگر بڑی چادر اوپر لپیٹ لی تو درست ہے مگر خلاف سنت ہے۔

غسل کے بعد اور احرام سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا سنت ہے۔ اگر فرض نماز پڑھ لی تو وہی کافی ہے۔ لیکن افضل طریقہ اس سے رہ جاتا ہے۔ سوار کے لیے اس وقت احرام باندھنا مستحب ہے جب وہ سواری پر بیٹھے اور پیدل جب چل پڑے۔ احرام باندھنے والے کے لیے مستحب ہے کہ احرام باندھنے سے پہلے اچھی طرح صفائی کر لے مثلاً ناخن کاٹ لیں، موچھیں تراش لے، زیر ناف اور بغلوں کے بال صاف کر لے۔ سر کے بالوں کو کنگھی کر لے اور اگر سر منڈوانے کی عادت ہو تو منڈوا لے تاکہ احرام کی حالت میں اس تکلیف سے بچا رہے۔

مستحب یہ ہے کہ جو تلبیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا وہی کہے یعنی لبیک اللہم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد والنعمة لک والملك لا شریک لک (۱۸)۔

جب بھی ایک حالت سے دوسری حالت میں جائے مثلاً کھڑے، بیٹھے، بلندی پر چڑھتے، نیچے اترتے، سوار ہوتے، اترتے، نیند سے بیدار ہوتے، سوتے وقت اور نمازوں کے بعد خواہ نفل نماز ہو اور دوستوں سے ملاقات کے وقت تلبیہ پڑھے۔

درمیانے درجے کی بلند آواز سے پڑھنا مستحب ہے، نہ آہستہ اور نہ بہت اونچی آواز

سے۔ اسے دھرانے میں اعتدال رکھے، نہ تو بالکل چھوڑ دے کہ احساس عبادت ہی نہ رہے اور نہ مسلسل پڑھتا رہے کہ تنگ آجائے۔

مکہ سے احرام باندھنے والا جہاں سے احرام باندھے وہی سے تلبیہ کہے خواہ مسجد سے یا مسجد کے باہر۔ باہر سے آنے والا عمرہ کرنے والا میقات سے تلبیہ کہے، اسی طرح جس کسی کا حج بندش یا بیماری کے باعث رہ گیا اور وہ عمرہ کر رہا ہے تو وہ بھی میقات سے تلبیہ کہے اور جب تک مکہ کے عام حرم میں نہ پہنچ جائے تلبیہ کہتا رہے۔

میقات کے اندر حرم کے باہر سے عمرہ کرنے والا وہیں سے مثلاً جعرانہ سے احرام باندھنے والا جعرانہ سے تلبیہ کہنا شروع کرے اور مکہ کے مکانات تک پہنچنے تک کہتا رہے۔

حج کا احرام باندھنے والا خواہ حج قرآن کر رہا ہو میقات سے تلبیہ کہنا شروع کرے اور مکہ کے مکانات کو پہنچنے تک یا طواف قدوم کے شروع کرنے تک تلبیہ کہتا رہے۔

### سعی میں واجبات:

واجب طواف مثلاً طواف قدوم اور طواف افاضہ کے بعد سعی کرے۔ اگر اس پر طواف قدوم واجب ہے تو وقوف عرفہ سے پہلے سعی کرے ورنہ طواف افاضہ کے بعد سعی کرے۔

طواف قدوم تین شرائط کے ساتھ واجب ہے: افراد اور قرآن کرنے والے پر جس نے حرم کے باہر سے احرام باندھا ہو، بشرطیکہ وقت تنگ نہ ہو اور طواف قدوم میں مصروف ہو جانے کی وجہ سے حج فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور اس نے عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد اس کا طواف شروع کرنے سے پہلے حج کی نیت نہ کر لی ہو۔ حیض نفاس والی عورتیں، بے ہوش اور دیوانہ طواف قدوم نہ کرنے میں معذور ہیں، جیسا کہ حج فوت ہونے کا خوف ہو تو طواف قدوم چھوڑ دینا چاہیے۔

## طواف کے واجبات:

طواف کے بعد دو رکعات نماز واجب ہے اور ان میں پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورہ الکافرون اور دوسری میں سورۃ اخلاص پڑھنا مستحب ہے۔ نیز یہ دو رکعات مقام ابراہیم پر پڑھنا مستحب ہیں۔

طواف کا آغاز حجر اسود سے کرنا واجب ہے، جو شخص پیدل چل سکتا ہو وہ پیدل چل کر طواف کرے جیسا کہ سعی پیدل کرنا واجب ہے بصورت دیگر کفارے میں قربانی دینا ہوگی۔ طواف مکمل کر کے دو رکعات پڑھنے سے پہلے ملتزم پر دعا کرنا واجب ہے۔ ملتزم حجر اسود اور کعبہ کے دروازہ کے درمیان کی دیوار ہے، اس کے ساتھ سینہ چمٹا کر، دونوں بازو پھیلا لے اور جو چاہے دعا کرے، اسے حطیم بھی کہتے ہیں۔

بکثرت آب زمزم پینا مستحب ہے کیوں کہ اس میں برکت ہے، اچھی نیت سے پیئے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”آب زمزم جس مقصد کے لیے پیا جائے وہ پورا ہو جاتا ہے“۔ (۱۸۲) آب زمزم کو اپنے شہر اور اپنے خاندان کے لیے لے جانا مستحب ہے کیوں کہ وہ بابرکت پانی ہے۔

## طواف کی سنتیں:

۱۔ طواف شروع کرنے سے پہلے حجر اسود کو بلا آواز بوسہ دینا مستحب ہے، بشرطیکہ بھیڑ نہ ہو ورنہ ہاتھ لگائے یا لکڑی لگا کر ہونٹوں سے لگا لے اور مستحب ہے کہ ہر بار بوسہ دیتے وقت تکبیر کہے اور یہ دعا پڑھے: بسم اللہ اللہ اکبر، اللہم ایمانا بک و تصدیقاً بکتابک و وفاء بعہدک و اتباعاً لسنة نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نام سے، اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ تجھ پر ایمان لاتے ہوئے، تیری کتاب کی تصدیق کرتے

ہوئے، تیرے عہد کی پاس داری کرتے ہوئے اور تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی میں۔“

- ۲۔ پہلے چکر میں رکن یمانی کا استلام کرنا، یعنی دایاں ہاتھ اس پر رکھ کر ہونٹوں پر رکھ لینا۔
- ۳۔ مرد خواہ نابالغ ہو، پہلے تین چکروں میں رمل کرے بشرطیکہ بھیڑ نہ ہو۔ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس نے میقات سے احرام باندھا ہو۔ رمل: جلدی چلنے کو کہتے ہیں لیکن اس میں دوڑے نہیں۔ رمل طواف قدوم میں اور عمرہ کے اس طواف میں کیا جاتا ہے جس کا احرام میقات سے باندھا ہو، اگر میقات سے احرام نہ باندھا ہو تو جس کسی نے کسی عذریا نسیان کی وجہ سے طواف قدوم نہیں کیا اس کے لیے طواف افاضہ میں رمل کرنا مستحب ہے۔
- ۴۔ جو دعا چاہے کرے مثلاً اللہ سے عافیت، علم، توفیق، رزق کی وسعت مانگے، کوئی دعا مقرر نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہ دعا کرے: ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة و قنا عذاب النار۔ (اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ البقرہ ۲: ۲۰۱) یا کوئی منقول دعا پڑھے مثلاً اللہم انی امننت بکتابک الذی انزلت و نبیک الذی ارسلت، فاغفر لی ما قدمت و ما اخرت (۱۸۳) (اے اللہ! میں تیری کتاب پر ایمان لایا ہوں جو تو نے نازل کی اور تیرے نبیؐ پر جو تو نے بھیجا، پس میرے پہلے اور پچھلے گناہ معاف فرما دے)۔

### سعی کی چار سنتیں ہیں:

- ۱۔ سعی پر جانے سے پہلے اور طواف کی دو رکعات کے بعد حجر اسود کو بوسہ دینا۔
- ۲۔ صفا اور مروہ پر چڑھنا: اگر مرد وہاں نہ ہوں تو عورت بھی اوپر چڑھے۔
- ۳۔ دونوں سبز میلوں (ستونوں) کے درمیان تیز چلنا، جو رمل سے زیادہ اور دوڑ سے کم

رفتار میں ہو۔ مروہ کی طرف جاتے ہوئے اور صفا کی طرف لوٹتے ہوئے۔

۴۔ صفا اور مروہ پر دعا کرنا، خواہ اوپر چڑھے یا نہ، کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر۔

### طواف کے مستحبات:

جس کسی نے میقات کے سوا مثلاً تنعیم یا جعرانہ سے احرام باندھا ہو وہ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کرے۔ اگر کسی عذر یا نسیان کے باعث طواف قدوم نہیں کر سکا تو طواف افاضہ میں رمل کرے۔ پہلے چکر کے سوا دوسرے چکروں میں حجر اسود کو بوسہ دے اور رکن یمانی کا استلام کرے۔

### سعی کے مستحبات:

نماز کی شرائط مثلاً طہارت اور ستر پوشی اور صفا و مروہ پر کھڑے ہونا مستحب ہے، بیٹھنا مکروہ ہے یا خلاف اولیٰ ہے۔

### عرفہ میں وقوف کے واجبات:

اطمینان، یعنی جتنا وقت دو سجدوں کے درمیان آدمی بیٹھتا ہے کم از کم اتنا وقت اطمینان سے کھڑا رہے یا بیٹھا رہے یا سوار رہے اور سوار رہنا افضل ہے۔

### عرفہ میں وقوف کی سنتیں:

۱۔ زوال آفتاب کے بعد مسجد نمرہ میں جمعہ کی طرح دو خطبے جن میں خطیب حمد اور شہادتین کے بعد لوگوں کو حج کے مسائل کی تعلیم دے، خطبے ظہر کی آذان سے پہلے ہوں، ظہر اور عصر کی نمازیں قصر ادا کی جائیں اور جمع کی جائیں۔ رمی جمار، طواف افاضہ، مزدلفہ سے کنکریاں اکٹھی کرنا، رات مزدلفہ میں رہنا، صبح کی نماز وہیں پڑھنا، طلوع فجر کے قریب

وہاں سے مشعر حرام میں وقوف کرنے کے لیے کوچ کرنا، جمرہ عقبہ پر رمی کرنے کے لیے منیٰ کو چلنا، وادی محسر سے تیز گزرنا، سرمنڈانا یا بال کٹوانا، قربانی کا جانور ذبح کرنا۔

۲۔ مسجد نمرہ میں ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں ظہر کے وقت میں پڑھنا اور عرفات میں رہنے والوں کے سوا دوسرے لوگ قصر نماز پڑھیں، عرفات والے پوری نماز پڑھیں۔ مغرب اور عشا کی نمازیں عشا کے وقت مزدلفہ میں قصر ادا کرنا، البتہ مزدلفہ میں رہنے والے پوری نماز پڑھیں۔

الغرض مکہ، منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں رہنے والے ان جگہوں پر پوری نماز پڑھیں دوسرے لوگ قصر کریں۔

### وقوف عرفہ کے مستحبات:

۱۔ جبل رحمت پر وقوف کرنا: جبل رحمت عرفہ کے مشرق میں بڑی چٹانوں کے پاس معروف جگہ ہے۔

۲۔ لوگوں کے ہمراہ وقوف کرنا: کیوں کہ اجتماع رحمت و قبولیت کا باعث ہوتا ہے

۳۔ وقوف کے وقت سوار ہونا: پھر قدموں پر کھڑے رہنا، اگر تھک جائے تو بیٹھ جائے۔

۴۔ دنیا اور آخرت کی بھلائی کی جو دعا چاہے مانگے، اللہ کے سامنے عاجزی اور زاری کرے خشوع و خضوع سے غروب آفتاب تک دعا جاری رکھے کیوں کہ یہ قبولیت دعا کا موقع ہے۔

مزدلفہ میں اتنی دیر وقوف واجب ہے جتنی دیر آدمی سواری سے اتر کر مغرب اور عشا کی نماز ادا کرتا ہے اور بقدر ضرورت کھا پی لیتا ہے۔ اگر سواری سے نہ اترے تو کفارے کے

طور پر قربانی دے۔

### وقوف مزدلفہ کے مستحبات:

۱۔ وہاں رات کو ٹھہرنا، صبح کی نماز تاریکی میں ادا کرے کہ ابھی چہرے نہ پہنچانے جاتے ہوں وہاں سے روانہ ہونا۔

۲۔ مشعر حرام پر ٹھہرنا (مزدلفہ کے متصل منیٰ کی جانب جگہ ہے) وہاں مغفرت وغیرہ کی دعا کرنا، اللہ کی حمد و ثنا کرنا، جب اجالا پھیل جائے اس وقت تک وہاں قبلہ رو ہو کر مغرب کی طرف منہ کر کے دعا کرے، کیوں کہ یہ جگہیں مکہ سے مشرق کی طرف ہیں۔

۳۔ بطن محسر (مشعر حرام اور منیٰ کے درمیان وادی ہے جس کا فاصلہ اتنا ہے کہ قوت کے ساتھ کمان سے پتھر پھینکا جائے تو دوسرے سرے پر پہنچ جائے) سے تیز تیز چلنا۔

### منیٰ میں کنکریاں پھینکنے کے اور اس کے بعد کے مستحبات:

۱۔ جمرہ عقبہ پر قربانی کے دن کی صبح طلوع آفتاب سے زوال آفتاب تک جب بھی وہاں پہنچے، پیدل ہو یا سواری پر تو سات کنکریاں مارے جو مزدلفہ سے اٹھائی ہوں اور مٹر کے دانے کے برابر ہوں اور دوسرے جمرات پر زوال کے بعد ظہر کی نماز سے پہلے باوضو ہونے کی حالت میں کنکریاں مارے، مسجد خیف کے ساتھ جو جمرہ اولیٰ ہے وہاں سے شروع کرے، پھر جمرہ وسطیٰ پر اور پھر جمرہ عقبہ پر۔ اگر اس ترتیب کی مخالفت کی تو رمی صحیح نہیں ہوگی۔

۲۔ جمرہ عقبہ پر پہلے دن کنکر مارنے کے سوا باقی دونوں دن پیدل رمی کرے۔

۳۔ جمرہ عقبہ اور دوسرے جمرات پر ہر کنکری پھینکتے وقت اللہ اکبر کہے یا یوں کہے ”بسم اللہ“



اللہ اللہ اکبر، رغماً للشیطان وحبزہ ورضاء الرحمن“ (اللہ کے نام سے، اللہ سب سے بڑا ہے، شیطان اور اس کا گروہ ذلیل ہو اور رحمان راضی ہو) جمرہ وسطیٰ کے بائیں طرف کھڑا ہو اور قبلہ رو ہو کر دعا کرے اور حمد و ثنا کہے اور جمرہ اولیٰ اور جمرہ وسطیٰ پر رمی کرنے کے بعد اتنی دیر کھڑا رہے جتنی دیر سورہ البقرہ پڑھی جاتی ہے۔ البتہ جمرہ عقبہ پر رمی کر کے واپس ہو جائے کیوں کہ وقت تنگ ہو گیا ہے۔

۴۔ کنکریاں پے در پے مارے، ان میں گفتگو یا کسی اور مصروفیت کے ذریعے وقفہ نہ کرے۔

۵۔ خود یا کوئی دوسرا جہاں سے چاہے کنکریاں اٹھا کر پاس رکھے۔ البتہ جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارنے کے لیے مزدلفہ سے کنکریاں اٹھائے۔

۶۔ زوال آفتاب سے پہلے اگر ممکن ہو تو قربانی کرے اور سر منڈوائے۔

۷۔ قربانی کا جانور ذبح کرنے کے بعد سر منڈوائے یا بال کٹوائے۔ عورت سارے سر کے بال ایک پور کے برابر کٹوائے اور مرد بالوں کی جڑوں کے قریب سے یا کناروں سے ایک پور کے برابر کٹوائے، مرد کے لیے سر کے کچھ بال منڈوانا اور عورت کے لیے کچھ کٹوانا کافی نہیں۔

۸۔ جو شخص جلدی میں نہ ہو وہ تیسرے دن کی رمی کرنے کے بعد محصب (مکہ سے باہر وادی ہے) میں ٹھہرے اور وہاں چار نمازیں ظہر، عصر، مغرب اور عشا پڑھے، جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا۔ البتہ جو جلدی میں ہو، اس کے لیے یہ عمل مستحب نہیں۔

جب جمرہ عقبہ پر رمی کر چکے، قربانی کر کے، سر منڈوا کر یا بال کٹوا کر فارغ ہو جائے تو طواف افاضہ کے لیے منیٰ سے مکہ کو روانہ ہو جائے، نماز عید منیٰ میں مسنون ہے نہ

مسجد حرام میں کیوں کہ حاجیوں کے لیے عید نہیں ہے۔ آج کل جو جمرہ عقبہ کی رمی کرنے کے بعد مسجد حرام میں عید کی نماز ادا کی جاتی ہے یہ مذہب مالکیہ کے سوا دوسرے مذاہب کے مطابق ہے۔

### جمہرہ عقبہ کی رمی کے دو واجبات:

سرمنڈوانے سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کرنا واجب ہے کیوں کہ جب تک وہاں رمی نہیں کرے گا احرام کھولنا جائز نہیں۔ اس لیے سرمنڈوانا یا کوئی ایسا کام کرنا جو احرام کے منافی ہے درست نہیں۔

طواف افاضہ سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کرنا واجب ہے۔ اگر کسی نے طواف افاضہ یا سرمنڈوانے کے بعد جمرہ عقبہ کی رمی کی تو اسے کفارے کے طور پر قربانی دینا ہوگی۔ البتہ قربانی سے پہلے رمی کرنا یا طواف افاضہ سے پہلے قربانی کرنا یا سرمنڈوانا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ الغرض قربانی کے دن چار کام کرنے ہوتے ہیں: رمی (کنکر مارنا)، قربانی، سرمنڈوانا اور طواف افاضہ کرنا۔

### طواف افاضہ کے مستحبات:

احرام کے دو کپڑوں میں طواف افاضہ کرے تاکہ حج کے تمام ارکان احرام میں ادا ہوں۔ سرمنڈوانے کے فوراً بعد بلا تاخیر طواف کرے اگر کوئی مجبوری یا ضرورت درپیش نہ ہو۔

تیسرا مذہب: مذہب شافعیہ (۱۸۴)۔

حج کے اعمال کی تین اقسام ہیں: ارکان، واجبات، سنن، ارکان وہ ہیں کہ جب تک وہ پورے ادا نہ کیے جائیں حج مکمل نہیں ہوتا اور احرام ختم نہیں ہوگا، خواہ کوئی معمولی سا کام ہی

ارکان میں سے باقی ہو، مثلاً تمام ارکان ادا کر دیے صرف طواف یا سعی کے سات چکروں میں سے صرف ایک چکر رہ گیا تو حج درست نہیں ہوگا اور احرام ختم کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر دو بال منڈوا دیئے۔ تو جب تک تیسرا بال نہ منڈوائے حج مکمل نہیں ہوگا۔ ارکان میں سے کسی رکن کی کمی کفارے وغیرہ سے پوری نہیں ہو سکتی بلکہ وہ رکن ادا کرنا ضروری ہے۔

طواف، سعی اور سر منڈوانا: ان کا کوئی آخری وقت مقرر نہیں۔ اگر ادا نہیں کیے تو جب تک زندہ ہے کسی بھی وقت ادا کر سکتا ہے۔ اور منیٰ میں یا حرم میں سر منڈوانا ضروری نہیں۔ وطن وغیرہ میں بھی سر منڈوا سکتا ہے۔

ارکان میں ترتیب واجب ہے، احرام تمام ارکان پر مقدم ہے اور طواف افاضہ اور سر منڈوانا وقوف عرفہ پر مقدم ہیں اور سعی کے لیے شرط ہے کہ طواف صحیح کے بعد ادا کی جائے اور طواف قدوم کے بعد سعی کرنا درست ہے۔ طواف اور سر منڈوانے میں ترتیب واجب نہیں ہے۔

واجبات سے مراد وہ امور ہیں جن کے چھوڑنے پر کفارے کی قربانی واجب ہوتی ہے۔ اور ان کے بغیر حج ادا ہو جاتا ہے۔ خواہ دانستہ چھوڑ دے یا بھول کر، البتہ دانستہ چھوڑنے سے گناہ ہوتا ہے۔

سنن وہ امور ہیں جن کو چھوڑنے سے نہ گناہ ہوتا ہے نہ کفارہ واجب ہوتا ہے البتہ کمال، فضیلت اور بہت بڑا ثواب رہ جاتا ہے۔

۱۔ ارکان: حج کے پانچ ارکان ہیں:

احرام، عرفہ میں وقوف، طواف، سعی اور سر منڈوانا یا بال کٹوانا (۱۸۵)۔

عمرہ کے چار ارکان ہیں: احرام، طواف، سعی اور سر منڈوانا یا بال کٹوانا۔

## ۲۔ واجبات: حج کے پانچ واجبات ہیں:

۱۔ میقات زمانی اور میقات مکانی سے احرام باندھنا، میقات زمانی، شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کی پہلی دس راتیں ہیں۔ عمرہ کا زمانی میقات سارا سال ہے کیوں کہ سارے سال عمرہ کا احرام باندھا جاسکتا ہے۔ حج کے میقات مکانی مکہ میں مقیم کے لیے خواہ وہیں کا رہنے والا ہو یا باہر کا مکہ ہے اور باہر سے آنے والا ان پانچ مقامات میں سے کسی مقام سے احرام باندھے جن کا اوپر ذکر ہوا (یعنی مدینہ والے ذوالحلیفہ سے، شام، مصر اور مغرب والے حجفہ سے، یمن والے یلملم سے، نجد والے قرن المنازل سے اور مشرق سے آنے والے ذات العرق سے)۔

۲۔ تینوں جمرات پر کنکر مارنا: چھوٹے جمرہ سے شروع کرے (۱۸۶) جو مسجد خیف کے پاس ہے، پھر درمیانی اور پھر جمرہ عقبہ پر جو مکہ کی طرف ہے۔ ایام تشریق میں سے ہر روز ان تینوں جمرات کو کنکریاں مارے۔ البتہ قربانی کے دن صرف جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارے۔

۳۔ رات مزدلفہ میں رہنا: راجح شافعی مذہب کے مطابق یہ واجب ہے سنت نہیں۔

۴۔ منیٰ میں رات گزارنا: راجح شافعی مذہب میں یہ واجب ہے۔

۵۔ مکہ سے سفر کا ارادہ کرے تو طواف وداع کر کے نکلے، خواہ حاجی ہو یا نہ اور سفر خواہ طویل ہو خواہ مختصر، طواف وداع کے واجب ہونے کا قول راجح ہے۔

## ۳۔ سنن:

حج کی عمومی سنتیں آٹھ یا اس سے زائد ہیں، ارکان اور واجبات کے سوا امور سنن ہیں۔

۱۔ افراد، عمرہ سے پہلے حج کرے، یعنی میقات سے صرف حج کا احرام باندھے پھر جب

حج سے فارغ ہو جائے تو حرم سے باہر قریب ترین جگہ سے عمرہ کا احرام باندھے اور جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، سب سے افضل جگہ جعرانہ ہے، پھر تنعمیم اور پھر حدیبیہ۔

۲۔ تلبیہ کہنا: اس کے الفاظ یہ ہیں۔ لبیک اللہم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک،

ان الحمد والنعمۃ لک والملك، لا شریک لک

جو عربی میں اچھی طرح نہ ادا کر سکے وہ کسی دوسری زبان میں ادا کر لے اور عربی میں کہنے کی استعداد کے باوجود کسی دوسری زبان میں ترجمہ کے الفاظ کہنا جائز ہیں۔ احرام کے دوران بکثرت تلبیہ کہے اور مرد بلند آواز سے تلبیہ کہیں۔

جب تلبیہ سے فارغ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور اللہ سے جنت اور اس کی رضا مانگے اور دوزخ سے پناہ مانگے۔

۳۔ طواف قدوم: جو حاجی وقوف عرفہ سے پہلے مکہ میں داخل ہو وہ طواف قدوم کرے، البتہ عمرہ کرنے والا جب عمرہ کا طواف کرتا ہے تو وہی قدوم کی جگہ شمار ہوتا ہے۔

۴۔ طواف سے فارغ ہونے کے بعد دو رکعات مقام ابراہیم کے پیچھے ادا کرنا، دن ہو تو ان میں آہستہ قراءت کرے، رات ہو تو بلند آواز سے پڑھے۔ اگر مقام ابراہیم میں نہ پڑھ سکے تو حجر (حجر اسماعیل) میں پڑھے ورنہ مسجد میں پڑھ لے، اگر وہاں بھی نہ پڑھ سکے تو حرم میں یا حرم کے باہر جہاں ہو سکے پڑھ لے۔

۵۔ احرام کا ارادہ کرتے وقت (۱۸۸) سلعے ہوئے کپڑے اور بنے ہوئے، باندھے ہوئے سب اتار دے۔ بدن کے کسی حصے پر بھی ایسا لباس نہ ہو، نیز موزے اور ایسے جوتے جن سے پاؤں کی انگلیاں چھپ جائیں اتار دے اور جن سے انگلیاں نہ چھپیں وہ پہن لے۔ پھر سفید نئے تہہ بند اور چادر پہن لیں، نئے نہ ہوں تو صاف

ستھرے ہوں کیوں کہ حدیث میں ہے: ”سفید لباس پہنا کرو“۔ ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے: ”تم میں سے جو کوئی احرام باندھے تو تہہ بند چادر اور جوتوں میں احرام باندھے“۔

۶- امام چار خطبے دے: (۱۸۹) پہلا سات ذوالحجہ کو ظہر کی نماز کے بعد خانہ کعبہ کے پاس، دوسرا عرفہ کے دن وادی عرنہ میں اور بالعموم یہ مسجد نمرہ میں دیا جاتا ہے۔ تیسرا قربانی کے دن اور چوتھا ایام تشریق کے دوسرے دن ظہر کی نماز کے بعد، اس میں حج سے واپسی کے مسائل اور طواف وداع وغیرہ کے بارے میں بتائے، لوگوں کو رخصت کرے اور انہیں اللہ کی فرمان برداری کی ترغیب دے اور یہ کہے اور اپنے حج استقامت سے مکمل کرو اور اللہ کی طاعت پر ثابت قدم رہو اور حج کے بعد تمہاری زندگی حج سے پہلے کی زندگی سے بہتر ہو اور اللہ سے تم نے جس خیر اور اطاعت کا معاہدہ کیا ہے اسے فراموش نہ کرنا، ان میں سے ہر خطبہ میں وہ تمام باتیں سکھائے جن کی اگلے خطبے تک ضرورت ہوتی ہے۔

ان میں سے تمام خطبے ایک ایک خطبہ ہے اور ظہر کی نماز کے بعد ہے البتہ عرفات کے دن دو خطبے ہیں اور نماز سے پہلے ہیں۔

۷- حج میں مسنون غسل سات ہیں:

سات امور میں ہر ایک کے لیے غسل کرنا مسنون ہے۔ (۱) احرام کے لیے (۱۹۰) احرام باندھنے والا پانی نہ ہونے کے باعث یا پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہونے وجہ سے غسل نہ کر سکے تو تیمم کرے۔ (۲-۳) حرم میں داخل ہونے کے لیے اور میں داخل ہونے کے لیے خواہ احرام کے بغیر داخل ہو رہا ہو (۱۹۱)۔ (۴) وقوف عرفہ

لیے، افضل یہ ہے کہ نمرہ میں غسل کرے۔ (۵) مزدلفہ میں وقوف کے لیے، قربانی کے دن فجر کے بعد مشعر حرام کے پاس غسل کرے۔ (۶) ایام تشریق میں سے ہر روز زوال آفتاب کے بعد رمی کرنے کے لیے کیوں کہ اس سلسلے میں آثار موجود ہیں اور یہ لوگوں کے اجتماع کی جگہ ہے۔ اس لیے جمعہ کے غسل کی طرح یہاں بھی غسل مسنون ہے۔ (۷) مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے لیے۔

۸- آب زمزم پیٹ بھر کر پینا اور قبلہ رو ہو کر پینا خواہ حج اور عمرہ نہ کر رہا ہو۔ اور جب آب زمزم پیے تو یہ الفاظ کہے: ”اے اللہ! میں نے سنا ہے کہ تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آب زمزم جس مقصد کے لیے پییں وہ پورا ہو جاتا ہے، میں دنیا اور آخرت کی سعادت کے لیے پی رہا ہوں۔ اے اللہ! تو ایسا کر دے“۔ ابن عباسؓ جب آب زمزم پیتے تو یہ دعا کرتے: اللّٰهُمَّ اِنِّى اَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا وَاسْعَاءً وَشِفَاءً مِنْ كَلِّ دَاءٍ۔ (۱۹۲) (اے اللہ! میں تجھ سے علم نافع، کشادہ رزق اور ہر بیماری سے شفا کا سوال کرتا ہوں)۔ سنت یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر پیئے اور تین سانسوں میں پیئے اور اپنے سر، چہرے اور سینے پر چھینٹے مارے۔

حج کے اعمال میں سے ہر عمل کی الگ الگ سنتیں ہیں:

### ۱- احرام کی سنتیں: (۱۹۳)

احرام کے لیے غسل کرنا سنت ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہے، بدن کو خوشبو لگانا اور صحیح یہ ہے کہ کپڑوں کو بھی خوشبو لگائے، عورت اپنے ہاتھوں کو مہندی لگائے، احرام سے پہلے دو رکعات نماز پڑھے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا یہی تقاضا ہے جیسا کہ شیخین نے روایت کی، پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۃ الاخلاص

پڑھے۔ افضل یہ ہے کہ اگر سواری پر ہے تو جو نہی سواری حرکت کرے تو احرام کی نیت کرے اور اگر پیدل ہے تو جو نہی چلے تو احرام کی نیت کرے، تلبیہ بکثرت پڑھے، بلند آواز سے پڑھے اور جب ایک حالت سے دوسری حالت میں جائے مثلاً سواری سے اترے، بلندی سے اترے یا بلندی پر چڑھے یا دوستوں سے ملے تو تلبیہ کہے۔ شافعیہ کے نزدیک احرام کے آغاز میں قبلہ رو ہو کر یہ دعا پڑھنا سنت ہے: ”اے اللہ! میں تیرے لیے اپنے بال، اپنی کھال، گوشت اور خون سب کچھ حرام کرتا ہوں۔“

## ۲- طواف کی سنتیں: (۱۹۴)

سنت نبویؐ کے اتباع میں پیدل طواف کرے چاہے، عورت ہو، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ پہلے طواف میں اور پھر ہر چکر میں حجر اسود کا استلام کرے، دایاں ہاتھ اس پر رکھے، اسے بوسہ دے اور پیشانی اس پر رکھ دے، سنت نبویؐ کے اتباع میں جیسا کہ شیخین نے روایت کی۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو ہاتھ سے اشارہ کرے اور دونوں رکن شامی (جو حجر اسود کے پاس ہیں) کا استلام نہ کرے، نہ انہیں بوسہ دے کیوں کہ صحیحین میں ابن عمرؓ سے یہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود اور رکن یمانی کے سوا کسی کا استلام نہیں کرتے تھے اور رکن یمانی کا صرف ہاتھ سے استلام کرے، اسے بوسہ نہ دے کیوں کہ ایسا منقول نہیں ہے۔

طواف کے شروع میں حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر یہ الفاظ کہے: ”بسم اللہ

اللہ اکبر، اللہم ایماناً بک وتصدیقاً بکتابک ووفاء بعہدک واتباعاً لسنة ناک

محمد صلی اللہ علیہ وسلم“۔ (اللہ کے نام سے، اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ!

تجھ پر ایمان لاتے ہوئے، تیری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے، تیرے عہد کو پورا کرتے



ہوئے اور تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے اتباع میں۔“

کعبہ کے دروازے کے سامنے یوں کہے: اے اللہ! یہ گھر تیرا گھر ہے، حرم تیرا حرم ہے، امن تیرا امن ہے، یہ آگ سے تیری پناہ میں آنے والے کی جگہ ہے یعنی میں تجھ سے آگ سے پناہ کی التجا کرتا ہوں۔

رکن یمانی اور رکن حجر کے درمیان یہ پڑھے: ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة و قنا عذاب النار (اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی سے نواز اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا)۔

پورے طواف میں جو دعا چاہے کرے البتہ منقول دعا غیر منقول دعا سے افضل ہے اور تلاوت قرآن تمام اذکار سے افضل ہے۔

ہر ایسا طواف جس کے بعد سعی کرنا ہو اس کے پہلے تین چکروں میں رمل کرے یعنی قدم قریب قریب رکھتے ہوئے تیز تیز چلے اور باقی چار چکروں میں معمول کے مطابق چلے جیسا کہ شیخین نے ابن عمرؓ سے روایت کی کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب طواف کرتے تو پہلے تین چکروں میں تیز چلتے اور آخری چار میں معمول کے مطابق“ اور رمل کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے: ”اے اللہ! یہ حج قبول فرما، گناہ معاف فرما اور محنت قبول فرما“۔

مرد خواہ لڑکا ہو طواف اور سعی میں سنت نبویؐ کی پیروی کرتے ہوئے اضطباع کرے جیسا کہ ابو داؤد میں ہے، اضطباع یہ ہے کہ چادر کا درمیانی حصہ بائیں کندھے کے نیچے سے گزار کر دونوں کنارے بائیں کندھے پر ڈال لے، عورت نہ رمل کرے نہ اضطباع۔

اختلاف سے بچنے کے لیے مسلسل سات چکر لگائے اور بلا عذر ان میں وقفہ نہ آنے دیں کیوں کہ بعض فقہاء اسے واجب قرار دیتے ہیں۔ عذر سے مراد یہ ہے جماعت کھڑی

ہو جائے یا ضروری حاجت پیش آ جائے، فرض طواف نماز جنازہ یا سنن مؤکدہ پڑھنے کے لیے درمیان میں نہ چھوڑ دے۔

بیت اللہ کی عظمت کے پیش نظر اس کے قریب ہو کر طواف کرے، اس میں استلام اور بوسہ دینے میں سہولت ہے، بیت اللہ کے قریب ہو کر رٹل کیے بغیر طواف کرنا بھیڑ کے دوران دور سے طواف کرنے سے بہتر ہے اور رٹل کرتے ہوئے دور سے طواف کرنا قریب سے طواف کرنے سے بہتر ہے۔

طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعات نماز پڑھے کیوں کہ صحیحین میں ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعات ادا فرمائیں اور فرمایا: مجھ سے حج کے احکام و مسائل سیکھ لو“ پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری میں سورہ اخلاص پڑھے اور رات ہو تو بلند آواز سے پڑھے۔ حجر میں بکثرت داخل ہو کر نماز پڑھے اور دعا کرے۔ حج طواف میں نیت کرنا مسنون ہے اور عام طواف میں اور طواف وداع میں نیت کرنا واجب ہے۔

### ۳۔ سعی کی سنتیں:

سنت یہ ہے کہ سعی کرنے والا طواف ختم کر کے اور دو رکعات پڑھ کر (۱۹۵) حجر اسود کا استلام کرتے ہوئے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کے لیے باب صفا سے نکلے (۱۹۶)۔ مستحب یہ ہے کہ مرد صفا اور مروہ پر ایک درمیانے قد کے آدمی کی قامت کے برابر اوپر چڑھے تاکہ بیت اللہ اسے سامنے نظر آئے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں پہاڑیوں پر چڑھے تھے، یہاں تک کہ بیت اللہ سامنے نظر آنے لگا (۱۹۷)۔

جب اوپر چڑھے تو یہ پڑھے: ”اللہ اکبر، اللہ اکبر، واللہ الحمد، اللہ اکبر علی

ما ہدانا، والحمد لله علی ما اولانا، لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد، یحیی ویمیت، بیدہ الخیر، وهو علی کل شیء قذیر، لا الہ الا اللہ وحدہ انجز وعدہ ونصر عبدہ وهزم الاحزاب وحدہ، لا الہ الا اللہ، ولا نعبد الا ایاہ، مخلصین لہ الدین، ولو کرہ الکافرون“۔

(اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ ہی کے لیے ہیں سب تعریفیں، اللہ سب سے بڑا ہے کہ اس نے ہمیں ہدایت بخشی اس نے جو ہماری دستگیری کی اس پر سب تعریفیں اس کے لیے ہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کی بادشاہی ہے وہی تعریف کے لائق ہے، زندہ کرتا اور مارتا ہے، خیر اسی کے ہاتھ میں ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے گروہوں کو شکست دی، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم صرف اس کی عبادت کرتے ہیں، اپنی عبادت کو اسی کے لیے مختص کرتے ہوئے، خواہ کافروں کو برا لگے۔)

پھر جو چاہے دین و دنیا کی دعا کرے، اوپر مذکور ذکر اور دعا بار بار، دو دو تین تین بار دہرائے (۱۹۸) مسنون یہ ہے کہ سعی کے شروع اور آخر میں چلے اور مرد درمیان میں تیز دوڑے، اس حصے میں جو صفا و مروہ کے درمیان سبز ستونوں کے درمیان ہے۔ (۱۹۹)

مرد دوڑتے ہوئے یہ دعا کرے: اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے، رحم فرما اور جو کچھ تو جانتا ہے اس سے درگزر فرما دے، تو ہی عزت و اکرام والا ہے۔

۴- وقوف عرفہ کی سنتیں (۲۰۰):

مسنون ہے کہ امام نو ذوالحجہ کو زوال آفتاب (ظہر) کے بعد دو خطبے دے، پھر سنت

کے مطابق لوگوں کو ظہر اور عصر کی نمازیں، قصر کرتے ہوئے ظہر کے وقت میں پڑھائے، جیسا کہ مسلم میں ہے۔

غروب آفتاب تک عرفہ میں ٹھہرنا سنت ہے (۲۰۱)۔ افضل یہ ہے کہ غروب آفتاب کے بعد بھی کچھ دیر ٹھہرا رہے تاکہ افق سے زردی کم ہو جائے۔

مسنون ہے کہ حجاج اللہ کا ذکر کریں، دعا کریں، بکثرت کلمہ کا ورد کریں کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”بہترین دعا عرفہ کے دن کی دعا ہے، اور بہترین کلمات جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاءؑ نے کہے یہ ہیں: لا الہ الا اللہ وحدہ، لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قذیر (۲۰۲)۔ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، اس کی بادشاہی ہے اور وہ لائق ستائش ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے)۔ بیہتی میں ہے: اللہم اجعل فی قلبی نوراً و فی سمعی نوراً و فی بصری نوراً اللہم اشرح لی صدري و یسر لی امری (اے اللہ! میرا دل منور کر دے، میری سماعت و بصارت منور کر دے، میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان کر دے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود بھیجے اور دعا میں بتکلف قافیہ بندی نہ کرے، اگر مقفا و مسجع دعا یاد ہو تو کوئی حرج نہیں یا بلا ارادہ ایسی دعا ہو جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

تلاوت قرآن مسنون ہے اور عرفہ میں سورہ حشر کی بکثرت تلاوت کرنا مستحب ہے، نیز سورہ اخلاص کی بھی کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو کوئی عرفہ کے دن ایک ہزار بار سورہ اخلاص پڑھے، اور جو وہ مانگے اسے ملے گا“ (۲۰۳)۔

دعا میں ہاتھ اٹھانا مسنون ہیں، (۲۰۴) با وضو ہو کر قبلہ رو کھڑا ہو اور دعا وغیرہ میں

زیادہ آواز بلند نہ کرے۔

مرد کے لیے، راجح روایت کے مطابق سواری پر وقوف کرنا افضل ہے۔ جبل رحمت کے اوپر چڑھنے میں کوئی فضیلت نہیں۔

عرفہ میں پسندیدہ دعائیں یہ ہیں:

ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة و قنا عذاب النار. اللهم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً و لا یغفر الذنوب الا انت فاغفر لی مغفرة من عندک و ارحمنی انک انت الغفور الرحیم. اللهم انقلنی من ذل المعصية الی عز الطاعة و اکفنی بحلالک عن حرامک و اغنی بفضلك عن سواک و نور قلبی و قبری و اهدنی و اعذنی من الشر کلہ و اجمع لی الخیر، اللهم انی اسألك الهدی و التقی و العفاف و الغنی.

(اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا، اے اللہ! میں نے اپنے آپ پر بہت ظلم کیا، تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں، مجھے اپنی طرف سے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما، بے شک تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اے اللہ! مجھے معصیت کی ذلت سے نکال کر طاعت کی عزت میں لے جا اور مجھے حرام سے بچا کر حلال کو میرے لیے کافی کر دے اور اپنے فضل سے اپنے سوا سب سے بے نیاز کر دے، میرے دل اور میری قبر کو منور فرما، مجھے ہر طرح کے شر سے محفوظ رکھ اور میرے لیے خیر جمع فرما دے، الہی، میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، عفت

اور غنا کا طلب گار ہوں)۔

مناسب ہے کہ اپنی دعا میں دوسرے مسلمانوں کے لیے بھی استغفار کرے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”اے اللہ! حج کرنے والے کو بخش دے اور اسے بھی جس کے لیے حاجی بخش طلب کرے“ (۲۰۵)۔

### ۵۔ مزدلفہ میں وقوف کی سنتیں:

عرفات سے واپسی پر رات مزدلفہ میں رہنا واجب ہے۔ کیوں کہ اتباع سنت کا تقاضا یہی ہے (۲۰۶)۔ اگر رات کے دوسرے نصف میں حاجی مزدلفہ میں موجود نہ ہو تو کفارے کے طور پر قربانی دے۔ مزدلفہ میں مغرب اور عشا کی نمازیں، اکٹھی عشا کے وقت پڑھنا مسنون ہیں (۲۰۷)۔ کیوں یہی اتباع سنت ہے (۲۰۸)۔

آدھی رات کے بعد عورتوں اور کمزور افراد کو آگے منیٰ میں بھیج دینا سنت ہے۔ باقی لوگ صبح ہونے تک وہیں رہیں اور اندھیرے میں صبح کی نماز پڑھیں، اس میں سنت نبویؐ کا اتباع ہے (۲۰۹)۔ پھر منیٰ روانہ ہو جائیں۔ مزدلفہ سے جمرات پر مارنے کے لیے ستر کنکریاں اکٹھی کریں، نسائی اور بیہقی میں فضل بن عباسؓ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ ”قربانی کے دن کی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ”میرے لیے کنکریاں چن لو، میں نے مٹر کے دانے کے برابر آپ کے لیے کنکریاں اکٹھی کیں“۔ چوں کہ مزدلفہ کے پہاڑوں میں نرمی اور بھر بھرا پن ہے اس لیے وہاں سے کنکریاں باسانی مل جاتی ہیں، نیز سنت یہ ہے کہ منیٰ پہنچ کر سب سے پہلے رمی کرے، اس لیے سنت ہے کہ کنکریاں مزدلفہ سے لے لے تاکہ منیٰ میں آ کر کنکریاں جمع کرنے میں نہ لگ جائے۔

منیٰ جاتے ہوئے راستے میں مشعر حرام کے پاس ٹھہرنا اور وہاں قبلہ رو ہو کر اجالا

ہونے تک ذکر اور دعا کرنا سنت ہے، اس میں اتباع نبویؐ ہے (۲۱۰)۔ بکثرت یہ دعا کرے۔  
 اللّٰهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ نیز  
 اس دعا کا اضافہ کرے: اے اللہ! تو نے جس طرح ہمیں یہاں وقوف کرایا اور ہمیں یہ جگہ  
 دکھائی، ہمیں اپنے ذکر کی توفیق دے، جیسا کہ تو نے رہنمائی کی، ہمیں بخش دے، ہم پر رحم  
 فرما جیسا کہ تو نے اپنے اس ارشاد میں وعدہ کیا اور تیرا قول سچا ہے: فَاِذَا اَفْضَيْتُمْ مِنْ  
 عَرَفَاتٍ فَادْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِنْ  
 قَبْلِهِ لَمَنِ الضَّالِّينَ، ثُمَّ اَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ، اِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ  
 رَّحِيمٌ۔ (جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو، اسے یاد کرو جیسا  
 کہ اس نے ہمیں بتایا، اور اس سے پہلے تم بے خبر تھے، پھر وہیں سے پلٹو جہاں سے  
 دوسرے لوگ پلٹ کر آتے ہیں اور اللہ سے معافی مانگو، بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ البقرۃ  
 ۱۹۸، ۱۹۹)۔

نیز یہ بھی کہے: اللہ اکبر تین بار، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر واللہ الحمد۔

پھر طلوع آفتاب سے پہلے حاجی سکون و وقار کے ساتھ وہاں سے چل پڑے اور  
 تلبیہ کہتا ہوا، ذکر کرتا ہوا روانہ ہو، چلنے میں اتنی دیر کر دینا کہ سورج نکل آئے مکروہ ہے،  
 وادی محسر سے تیز تیز گزرے (۲۱۱)، خواہ پیدل ہو یا سوار۔

۷۔ منیٰ میں رمی کی سنتیں:

قربانی کے دن ہر شخص جمرہ عقبہ (بڑے جمرہ) پر طلوع آفتاب کے بعد سات کنکریاں  
 مارے (۲۱۲) اور کنکریاں مارنے کے ساتھ ہی تلبیہ کہنا بند کر دے، کنکریاں مارنا منیٰ کا سلام

ہے اس لیے وہاں اس سے پہلے اور کوئی کام نہ کرے۔

رمی کرنے والے کے لیے سنت یہ ہے کہ جمرہ اس کے سامنے ہو اور مکہ بائیں جانب اور منیٰ دائیں جانب، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور تلبیہ کے بجائے ہر کنکری مارتے ہوئے تکبیر کہتے ہوئے (۲۱۳)، یہ الفاظ کہے:

اللہ اکبر تین بار، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، واللہ الحمد۔

سنت یہ ہے کہ دایاں ہاتھ اتنا اٹھا کر کہ بغل کی سفیدی نظر آئے کنکر پھینکے، عورت ہاتھ نہ اٹھائے اور اس جمرہ کے پاس دعا کرنے کے لیے نہ رکے۔

عید کے دن ان چار کاموں میں ترتیب سنت ہے: عقبہ پر رمی کرنا پھر قربانی کرنا، پھر سرمنڈوانا یا بال کٹوانا، پھر طواف افاضہ، ان کاموں کا وقت قربانی کے دن کی نصف رات سے شروع ہو جاتا ہے۔ اور قربانی کے دن کے آخر تک رمی کا وقت رہتا ہے۔ ذبح کا وقت قربانی کا وقت ہے اور سرمنڈانے، طواف اور سعی کرنے کا کوئی آخری وقت مقرر نہیں ہے۔ حاجی تینوں ایام تشریق میں تینوں جمرات پر روزانہ سات سات کنکر مارے یعنی ۱۱، ۱۲، اور ۱۳ ذوالحجہ کو (۲۱۴) ہر روز زوال آفتاب اور غروب آفتاب کے درمیان، جمرہ اولیٰ سے شروع کرے، پھر جمرہ وسطیٰ پر اور پھر جمرہ عقبہ پر جو منیٰ میں نہیں ہے بلکہ منیٰ وہاں ختم ہو جاتا ہے۔

سنت یہ ہے کہ مٹر کے دانے کے برابر کنکر پھینکے جو طول و عرض میں انگلی کے پورے سے کم ہوتا ہے یعنی باقلا کے دانے کی طرح، اگر اس سے بڑا یا چھوٹا کنکر پھینکا تو مکروہ ہے لیکن رمی ہو جاتی ہے۔



چوتھا مذہب: مذہب حنابلہ (۲۱۵)

حج کے چار ارکان ہیں:

(۱) احرام جو محض نیت سے ہو جاتا ہے۔ (۲) وقوف عرفہ (۳) طواف زیارت، اگر کسی نے چھوڑ دیا اور مکہ سے نکل گیا تو عمرہ کی نیت سے واپس آکر طواف کرے (۴) صفا و مروہ کے درمیان سعی۔

عمرہ کے تین ارکان ہیں: (۱) احرام (۲) طواف (۳) سعی۔

جس نے کوئی رکن چھوڑ دیا اس کا حج یا عمرہ صحیح نہیں ہوگا، ان کے بغیر حج، عمرہ مکمل نہیں ہوتا، جس نے احرام چھوڑ دیا، اس کا سرے سے حج یا عمرہ نہیں ہوگا۔

حج کے واجبات سات ہیں:

میقات سے احرام باندھنا، دن کے وقت غروب آفتاب تک عرفہ میں ٹھہرنا، مزدلفہ میں رات گزارنا، اگر جلدی پہنچ جائے تو نصف رات کے بعد تک وہاں رہنا، منیٰ میں رات گزارنا، جمرات پر رمی کرنا پہلے جمرہ سے شروع کرے، پھر جمرہ وسطیٰ پر اور جمرہ عقبہ پر، سرمنڈوانا یا بال کٹوانا، طواف وداع (یہ طواف صدر بھی کہلاتا ہے)۔ (۲۱۶)

عمرہ میں دو چیزیں واجب ہیں: سرمنڈوانا یا بال کٹوانا اور حرم کے باہر سے یا میقات سے احرام باندھنا۔ جس شخص نے کوئی واجب چھوڑ دیا خواہ بھولے سے یا غلطی سے تو اس کے ذمے کفارہ ہے ایک جانور کی قربانی۔ اگر قربانی نہ دے سکے تو تمتع کرنے والے کی طرح دس روزے رکھے۔

سنن:

مثلاً عرفہ کی رات منیٰ میں گزارنا، طواف قدوم، رمل، انطباع، تلبیہ، حجر اسود اور رکن

یمانی کا استلام، حجر اسود کو بوسہ دینا، اپنے اپنے مقامات پر چلنا اور دوڑنا، خطبے، ذکر اذکار، دعا، صفا و مروہ پر چڑھنا، نہانا، بدن کو خوشبو لگانا، احرام سے پہلے دو رکعات پڑھنا، طواف کے بعد دو رکعات پڑھنا اور رمی کے وقت قبلہ رو کھڑے ہونا۔

ان کے چھوڑنے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا البتہ منت ماننے سے یہ امور واجب ہو جاتے ہیں۔

### احرام کی سنتیں (۲۱۷):

غسل کرنا اور اگر معذور یا مجبور ہو تو تیمم کرے جیسا کہ غایۃ المنتہی میں ہے۔ بال کاٹنا، ناخن کاٹنا، بدن سے بدبو دور کرنا اور مشک، عود یا گلاب کے پانی سے خوشبو لگانا اور عورت کا مہندی لگانا۔

سفید اور صاف تہ بند اور چادر پہننا، جوتے پہننا، مرد سلے ہوئے کپڑے اتار دے، فرض نماز کے بعد یا دو رکعات نفل پڑھ کر احرام باندھنا۔

احرام باندھنے کے بعد، صحیح قول کے مطابق، تلبیہ کہنا، نشیب و فراز میں چڑھتے اترتے ہوئے اور فرض نمازوں کے بعد بکثرت تلبیہ پڑھنا (۲۱۸)، نیز دن اور رات کے آنے جانے کے وقت اور دوستوں سے ملتے وقت اور تلبیہ بلند آواز سے پڑھنا (۲۱۹) لیکن طاقت سے زیادہ زور نہ لگائے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے کوئی نقصان ہو جائے۔ تلبیہ کے بعد دعا کرنا سنت ہے۔ اللہ سے جنت مانگے اور دوزخ سے پناہ مانگے (۲۲۰) اور جو چاہے دعا کرے، آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، کیوں کہ یہ ایسے مواقع ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم ہے، پس اس موقع پر نماز کی طرح درود پڑھے تلبیہ کے بعد درود اور دعا بلند آواز سے نہ پڑھے کیوں کہ حدیث میں ایسا نہیں ہے۔ عورت

کے لیے اس سے زیادہ بلند آواز سے تلبیہ کہنا مکروہ ہے جتنی آواز اس کے ساتھ کی سہیلی سن سکے یا گھر میں گھومنے والا کوئی فرد۔

تلبیہ کے الفاظ بالا جماع یہ ہیں: لبیک اللہم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد والنعمۃ لک والملك لا شریک لکصلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے اتباع کا تقاضا یہ ہے کہ ان الفاظ پر اضافہ نہ کرے۔ جو کوئی عربی میں تلبیہ کہہ سکتا ہو وہ کسی دوسری زبان میں نہ کہے کیوں کہ شریعت نے یہ ذکر مقرر کیا ہے البتہ اگر عربی میں نہ کہہ سکتا ہو تو اپنی زبان میں کہہ لے جیسا کہ نماز میں اپنی زبان میں تکبیر کہنا جائز ہے۔

**طواف کی سنتیں (۲۲۱):**

دائیں ہاتھ سے حجر اسود کا استلام کرنا اور اسے بوسہ وغیرہ دینا، اضطباع کرنا، پہلے تین چکروں میں رمل کرنا (قدم قریب قریب رکھ کر تیز چلنا) متعین جگہوں پر چلنا، دعا، ذکر، خانہ کعبہ سے قریب ہونا، طواف کے بعد دو رکعات پڑھنا، کعبہ کے قریب ہونے کی بہ نسبت رمل کرنا بہتر ہے اور رمل و اضطباع صرف طواف افاضہ میں سنت ہے۔

اگر حجر اسود کو بوسہ دینا مشکل ہو تو دائیں ہاتھ سے استلام کر کے اسے چوم لے، اگر استلام کرنا بھی مشکل ہو تو ہاتھ سے یا کسی چیز سے اشارہ کرے لیکن اس صورت میں ہاتھ نہ چومے۔

حجر اسود کی طرف رخ کر کے یہ الفاظ کہنا سنت ہیں: بسم اللہ، اللہ اکبر، اللہم

ایمانا بک وتصدیقاً بکتابک ووفاء بعهدک واتباعاً لسنة نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ جب بھی استلام کرے تو یہ الفاظ کہے۔ کچھ لوگوں نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر، اللہ اکبر واللہ الحمد۔ طواف کرنے والا اپنا

بایاں پہلو بیت اللہ کے قریب رکھے۔

ہر چکر میں رکن یمانی کا استلام کرے (۲۲۲) اسے بوسہ نہ دے۔ رکن شامی اور مغربی کا استلام نہ کرے۔

رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا پڑھے: ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة و فنا عذاب النار (البقرہ، ۲: ۲۰۱)۔

باقی طواف میں یہ دعا کرے: ”اے اللہ! حج قبول فرما، محنت قبول کر، گناہ بخش دے، اے ہمارے رب! ہمیں معاف فرما اور رحم فرما اور سیدھی راہ دکھا، اور جو تو جانتا ہے اس سے درگزر فرما، تو ہی عزت و اکرام والا ہے“ اور اس کے سوا جو ذکر اور دعا چاہے کرے۔ اس موقع پر تلاوت کرنا بھی سنت ہے۔

سعی کی سنتیں: (۲۲۳)

جیسا کہ شافعیہ نے ذکر کیا سعی کے لیے باب صفا سے باہر نکلے (جو جبل ابی قیس کی طرف ہے) اور مرد صفا کے اوپر چڑھ جائے تاکہ خانہ کعبہ نظر آئے، اس کی طرف رخ کر کے تین بار تکبیر کہے اور تین بار کہے الحمد لله علی ما هدانا، لا اله الا الله وحدہ لا شریک لہ، ... الخ جو دعا اوپر گزر چکی ہے اس کے سوا جو دعا چاہے کرے، پھر صفا سے اترے اور چل پڑے۔ دونوں سبز ستونوں کے درمیان تیز چلے، پھر مروہ پر چڑھے اور وہی دعا کرے جو صفا پر کی تھی، عورت نہ تو پہاڑیوں پر چڑھے اور نہ تیز چلے۔

سعی کی سنتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ: حدث اور نجاست سے پاک ہو، ستر ڈھانپا ہوا ہو، ذکر اور دعا کرے اور جہاں آہستہ چلنا ہے وہاں آہستہ چلے اور جہاں تیز چلنا ہو وہاں تیز چلے، پہاڑیوں پر چڑھے، طواف کے فوراً بعد سعی کرے۔ اگر ایک دن طواف کر لیا اور

دوسرے دن سعی کی تو کوئی حرج نہیں ہے۔

### وقوف عرفہ کی سنتیں (۲۲۳):

جیسا کہ شافعیہ کے ہاں مذکور ہیں، سب سے اہم سنت نمرہ (عرفہ سے پہلے) میں امام کا خطبہ ہے خطبہ مختصر ہو (۲۲۵)۔ تکبیر سے شروع کرے اور اس میں عرفہ میں وقوف، اس کے وقت، وہاں سے روانگی، مزدلفہ وغیرہ میں رات گزارنا اور ظہر و عصر کی نماز اکٹھے پڑھنے کی تعلیم دے۔

دوسرے اعمال حج کے برعکس وقوف عرفہ سواری کی حالت میں سنت ہے، جبل رحمت کے نیچے جو بڑی بڑی چٹانیں بچھی ہوئی ہیں۔ ان کے پاس قبلہ رو ہو کر کھڑا ہو جائے، جبل رحمت پر چڑھنے کا شرعی حکم نہیں ہے۔

ہاتھ اٹھا کر بکثرت دعا، استغفار، عاجزی، زاری، خشوع، اپنی کمزوری اور بے بسی کا اظہار کرے اور تڑپ تڑپ کر اللہ سے مانگے اور ہر دعا تین تین بار ہے اور بکثرت لا اللہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ .. الخ جو شافعیہ کے ہاں مذکور ہے پڑھے۔ جو چاہے دعا کرے اور اس کے ساتھ بکثرت روئے، یہ جگہ ہے کہ یہاں جتنے چاہے آنسو بہالے اور اپنے گناہ بخشوالے۔

### مزدلفہ میں وقوف کی سنتیں: (۲۲۶)

نو ذوالحجہ کے غروب آفتاب کے بعد سکون سے استغفار کرتے ہوئے مزدلفہ کی طرف چلے کیوں کہ وہاں نصف رات گزارنا واجب ہے اور مغرب و عشا کی نمازیں عشا کے وقت جمع کر کے پڑھے اور صبح کی نماز اندھیرے میں ادا کر کے مشعر حرام پر پہنچ جائے (۲۲۷)، مشعر حرام پر چڑھ کر یا ان کے پاس کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثنا اور تکبیر کہے اور خوب اجالا

ہونے تک دعا کرتا رہے جیسا کہ شافعیہ نے دعا بتائی ہے: اے اللہ! جیسا کہ تو نے ہمیں توفیق دی اور یہ جگہ دکھائی ہمیں اپنے ذکر کی توفیق دے..... الخ۔

وادی محسّر سے پیدل ہو یا سوار تیز تیز گزرے۔

حاجی مزدلفہ سے ستر کنکریاں اٹھائے جو چنے کے دانے سے بڑی اور غلہ سے چھوٹی ہوں، جتنا کہ مٹر کا دانہ ہوتا ہے۔ منیٰ یا حرم میں سے کسی جگہ سے کنکریاں اٹھانا مکروہ ہیں۔ اگر کنکریاں نجس نہ ہوں انہیں دھونا سنت نہیں ہے اور نجس ہوں تب بھی مارنا جائز ہے البتہ مکروہ ہے۔

### منیٰ میں رمی کی سنتیں: (۲۲۸)

سب سے پہلے جمرہ عقبہ پر سات کنکریاں مارے یہ منیٰ کی عبادت کا آغاز ہے، قربانی کی رات کے نصف ثانی کے بعد ماری جا سکتی ہیں جیسا کہ اس کے بعد طواف بھی کیا جا سکتا ہے۔ مستحب یہ ہے کہ اچھی طرح سورج نکل آئے پھر کنکریاں مارے، ہر کنکری مارتے ہوئے تکبیر کہے اور یہ دعا کرے کہ ”اے اللہ! میرے حج کو قبول فرما، میرے گناہ بخش دے اور میری کوشش منظور فرما“۔ وادی کے دامن میں ٹھہرے اور قبلہ رو ہو کر اپنی دائیں جانب کنکر مارے اور بازو اتنا بلند کرے کہ بغل کی سفیدی نظر آئے اور وہاں رکے نہیں بلکہ چلتے ہوئے کنکر مارے اوپر سے بھی رمی کر سکتا ہے اور رمی شروع کرتے ہی تلبیہ کہنا بند کر دے۔

قربانی کا جانور ذبح کرنے کے بعد سر منڈوانا سنت ہے اور سر منڈوانا بال کٹوانے سے افضل ہے۔ عید کے دن کے چار کاموں میں ترتیب سنت ہے: پہلے رمی پھر قربانی پھر سر منڈوانا اور پھر طواف جیسا کہ حضرت جابرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال میں بیان کیا (۲۲۹)۔ اگر بھولے سے یا سنت کا علم نہ ہونے کے باعث ترتیب بدل جائے

اکثر علماء کے نزدیک کوئی کفارہ نہیں۔ امام ابوحنیفہ کا اس میں اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر رمی سے یا قربانی سے پہلے سرمنڈالیا تو کفارے میں ایک جانور قربان کرے۔

حج سے فارغ ہو کر ناخن اور مونچھیں کٹوانا، بغلوں، ناک اور زیر ناف کے بال صاف کرنا اور خوشبو لگانا سنت ہے۔ عرفہ کے دن کا خطبہ بھی سنت ہے۔

مستحب ہے کہ قربانی کے دن امام منیٰ میں خطبہ دے، جس کا آغاز تکبیر سے کرے اور اس میں لوگوں کو قربانی، طواف افاضہ اور رمی کے مسائل بتائے۔

ایام تشریق میں ظہر کی نماز پڑھنے سے پہلے جمرات پر رمی کرنا سنت ہے۔ مسجد خیف کے قریب اور مکہ سے سب سے دور جمرہ اولیٰ سے شروع کرے، جمرہ کو اپنے بائیں طرف رکھتے ہوئے قبلہ رو ہو کر رمی کرے، پھر تھوڑا آگے گزر جائے تاکہ اسے کنٹر نہ لگیں پھر کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر لمبی دعا کرے۔

پھر جمرہ وسطیٰ پر رمی کرے، جمرہ کو دائیں ہاتھ رکھتے ہوئے قبلہ رو ہو کر رمی کرے پھر اس کے پاس کھڑے ہو کر طویل دعا کرے، پھر جمرہ عقبہ پر رمی کرے، جمرہ کو اپنے دائیں ہاتھ رکھتے ہوئے قبلہ رو ہو کر رمی کرے اور وادی کے دامن میں چلا جائے۔ اس کے پاس کھڑا نہ ہو۔ رمی جمرات میں ترتیب شرط ہے۔

مستحب ہے کہ امام ایام تشریق کے دوسرے دن بھی خطبہ دے اور اس میں منیٰ سے جلدی کوچ کرنے اور دیر سے جانے کے مسائل بتاتے ہوئے لوگوں کو رخصت کرے اور انہیں ترغیب دے۔

امام کے سوا دوسرے شخص کے لیے دوسرے لوگوں کے لیے ایام تشریق کے دوسرے دن منیٰ سے چلے جانا جائز ہے۔ یہ پہلا کوچ ہے۔ اگر سورج غروب ہو جائے اور حاجی

ابھی منیٰ میں ہو تو اسی کے لیے رات کو وہیں رہنا اور اگلے دن رمی کرنا ضروری ہے۔ جلدی جانے والے پر تیسرے دن کی رمی واجب نہیں رہتی وہ کنکریاں وہیں دفن کر دے۔

مسنون یہ ہے کہ جب منیٰ سے چلے تو ابلح میں (وادی محصب، جو دو پہاڑیوں کے درمیان ہے، قبرستان تک) اترے اور وہاں ظہر سے عشا تک کی نمازیں پڑھ کر تھوڑی دیر آرام کر کے مکہ میں داخل ہو۔



مختلف مذاہب کے مطابق حج کے اہم احوال کا جدول

نمبر	عمل	مذہب حنفی	مذہب مالکی	مذہب شافعی	مذہب حنبلی
۱۔	حج کا حکم	استطاعت ہو تو فوری فرض ہے	فوری فرض ہے	فوری فرض نہیں ہے	فوری فرض ہے
۲۔	عمرہ کا حکم	سنت مؤکدہ	مشہور قول کے مطابق سنت مؤکدہ	فرض، فوری نہیں	فوری فرض
۳۔	حج کا احرام (نیت)	شرط	رکن	رکن	رکن
۴۔	عمرہ کا احرام (نیت)	شرط	رکن	رکن	رکن
۵۔	میقات سے احرام باندھنا	واجب	واجب	واجب	واجب
۶۔	احرام باندھتے ہی تلبیہ کہنا	واجب	واجب	سنت	سنت
۷۔	احرام کے لیے غسل کرنا	سنت	سنت	سنت	سنت
۸۔	احرام کے لیے خوشبو لگانا	سنت	سنت	سنت	سنت
۹۔	تلبیہ کہنا	واجب	واجب	سنت	سنت
۱۰۔	مفرد اور تارن کے لیے طوافِ مزدوم	سنت	صحیح قول واجب	سنت	سنت
۱۱۔	طواف کی نیت	شرط	واجب	سنت	سنت

شرط	شرط	واجب	واجب	۱۲۔	حجر اسود سے طواف شروع کرنا
شرط	شرط	شرط	واجب	۱۳۔	طواف کرتے ہوئے بیت اللہ بائیں طرف ہونا
شرط	سنت	واجب	واجب	۱۴۔	پیدل چل کر طواف کرنا (اگر قادر ہو)
شرط	شرط	شرط	واجب	۱۵۔	طواف کے دوران حدث اصغر واکبر سے پاک ہونا
شرط	شرط	شرط	سنت	۱۶۔	بدن، کپڑے اور جگہ کا پاک ہونا
شرط	شرط	شرط	واجب	۱۷۔	طواف حطیم اور حجر کے باہر سے کرنا
شرط	شرط	شرط	شرط	۱۸۔	مسجد میں طواف کرنا
شرط	شرط	شرط	واجب	۱۹۔	طواف کے سات چکر لگانا
واجب	سنت	واجب	سنت	۲۰۔	مسلل چکر لگانا
شرط	شرط	شرط	واجب	۲۱۔	طواف میں ستر ڈھانپنا
سنت	سنت	واجب	واجب	۲۲۔	طواف کی دو رکعات
رکن	رکن	رکن	رکن	۲۳۔	عمرہ کا طواف
رکن	رکن	رکن	واجب	۲۴۔	صفا و مروہ کے درمیان سعی

شرط	شرط	واجب	واجب	طواف کے بعد سعی کرنا	۲۵-
شرط	شرط	شرط	واجب	سعی کی نیت کرنا	۲۶-
شرط	شرط	شرط	واجب	صفا سے سعی شروع کر کے مردہ پر ختم کرنا	۲۷-
شرط	سنت	واجب	واجب	پیدل سعی کرنا (قاہر ہو)	۲۸-
شرط	شرط	شرط	واجب	سعی کے سات چکر	۲۹-
شرط	سنت	شرط	سنت	وقفہ کے بغیر سعی کرنا	۳۰-
واجب	مشہور قول کے مطابق رکن	واجب	واجب	عمرہ میں سرمنڈانا یا بال کنوانا	۳۱-
سنت	سنت	سنت	سنت	عرفہ کی رات منیٰ میں رہنا	۳۲-
رکن	رکن	رکن	رکن	وقوف عرفہ	۳۳-
(۲۳۰)	طلوع فجر تک	قربانی کے دن	زوال آفتاب سے لے کر	وقوف عرفہ کا وقت: بالاتفاق عرفہ کے دن	۳۴-
واجب	سنت	واجب	واجب	اگر دن کو وقف کیا تو غروب آفتاب کے بعد تک عرفہ میں رہنا	۳۵-

۳۶۔	امام یا نائب کے ساتھ عرفہ سے روانگی	واجب	واجب	سنت	سنت
۳۷۔	مزدلفہ میں مغرب و عشا کی نماز میں تاخیر سے اکٹھی پڑھنا	واجب	سنت	سنت	سنت
۳۸۔	وقوف مزدلفہ کے بعد ایک لمحظہ ہو	واجب خواہ فجر	واجب، اتنا وقت جس میں سواری سے اتر کر دونوں نمازیں اکٹھی پڑھی جاسکیں اور کچھ کھا پی لیا جائے۔	واجب رات کے دوسرے نصف کے بعد وہاں رہنا واجب ہے	واجب رات کے دوسرے نصف کے بعد وہاں رہنا واجب ہے
۳۹۔	مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس فجر سے اجالا ہونے تک ٹھہرنا	مستحب	مستند یہ ہے کہ سنت ہے	سنت	سنت
۴۰۔	عید کے دن جمرہ عقبہ پر رمی	واجب	واجب	واجب	واجب
۴۱۔	حج میں سرمٹا وانا یا بال کٹوانا	واجب	واجب	مستند یہ ہے کہ رکن ہے	واجب
۴۲۔	رمی، ذبح اور سرمٹا وانے میں ترتیب	واجب	سنت	سنت	سنت

۳۳۔	طوافِ افاضہ	اکثر حصہ رکن ہے (یعنی تین پورے اور چوتھا نصف سے زائد چکر)	رکن	رکن	رکن
۳۴۔	طوافِ افاضہ عید کے دن کرنا	واجب	ذوالحجہ میں واجب ہے	سنت	عید کے دن سنت ہے
۳۵۔	رمی جمرہ عقبہ کے بعد طوافِ افاضہ کرنا	سنت	واجب	سنت	سنت
۳۶۔	ایام تشریق میں تینوں جمرات پر رمی	واجب	واجب	واجب	واجب
۳۷۔	رمی میں رات تک تاخیر نہ کرنا	سنت	واجب	سنت	پانی پلانے والوں کے اور چرواہوں کے سوا باقی پر واجب وہ دن رات میں جب موقع ملے رمی کر لیں۔

۴۸-	ایام تشریق میں رات منیٰ میں رہنا	سنت	پانی پلانے اور چرواہوں کے علاوہ باقی لوگوں پر واجب	پانی پلانے اور چرواہوں کے علاوہ باقی لوگوں پر واجب	واجب
۴۹-	طواف وداع	واجب	مستحب	مستند یہ ہے کہ واجب ہے	واجب
۵۰-	ایام تشریق میں عمرہ کرنا	مکروہ تحریمی	درست نہیں، مکروہ ہے حتیٰ کہ چوتھے دن کی رمی کے بعد غروب آفتاب تک	حج کے اعمال مکمل کرنے کے بعد بلا کراہت جائز ہے	بلا کراہت جائز ہے
۵۱-	رمی جمار میں ترتیب پہلا، درمیانہ اور بڑا حجرہ	سنت	واجب	واجب	واجب

## بحث پنجم: حج اور عمرے کے ارکان:

### ارکان حج:

ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک حج کے صرف دو ارکان ہیں: وقوف عرفہ اور طواف افاضہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک چار ہیں۔ احرام، وقوف عرفہ، طواف افاضہ اور سعی شافعیہ کے نزدیک پانچ ہیں۔ احرام، وقوف عرفہ طواف، سعی اور سرمنڈوانا یا بال کٹوانا۔

### عمرہ کے ارکان:

حنفیہ کے نزدیک عمرہ کا ایک رکن ہے: بیت اللہ کا طواف، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک تین ہیں۔ احرام، طواف اور سعی اور شافعیہ کے نزدیک چار ہیں۔ احرام، طواف، سعی اور سرمنڈوانا یا بال کٹوانا۔ یاد رہے کہ سرمنڈوانا یا بال کٹوانا شافعیہ کے سوا جمہور کے نزدیک واجب ہے رکن نہیں۔ اب ان امور پر تفصیلی بحث کرتے ہیں۔

### مطلب اول: احرام

احرام کی حقیقت: احرام کا مطلب ہے حرمت میں داخل ہونا، یہاں اس سے مراد ہے حج یا عمرہ میں داخل ہونے کی نیت کرنا، یا مخصوص حرمتوں میں داخل ہونا یعنی ان کی پابندی کرنا۔ جب احرام باندھ لے تو جب تک وہ عمل مکمل نہ کر لے جس کے لیے احرام باندھا ہے اس سے نہیں نکلے گا۔ اگر اسے فاسد کر دیتا ہے تو قضا واجب ہے۔ اگر وقوف عرفہ رہ جانے کے باعث حج فوت ہو جاتا ہے تو عمرہ مکمل کرے۔ اگر راستے میں روک لیا جاتا ہے یعنی مکمل نہیں کرنے دیا جاتا تو قربانی دے اور قضا کرے۔

احرام پر بحث کے مندرجہ ذیل پہلو ہیں: کوئی شخص کسی عمل سے احرام والا (محرّم) ہو جاتا ہے۔ احرام کا طریقہ، کسی دوسرے کے احرام کی طرح باندھنا (یعنی مبہم یا معلق احرام)، احرام کی جگہ اور وقت، احرام کی نیت کرنے والا کیا کرے؟ حج اور عمرہ کے احرام کی اقسام، ایک احرام کے ساتھ دوسرا احرام، حج پر عمرہ کا یا عمرہ پر حج کا احرام باندھنا، احرام توڑ دینا۔

۱۔ جن افعال سے آدمی محرم (احرام والا) ہوتا ہے۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب کوئی شخص حج یا عمرہ کی نیت کرتا ہے اور ساتھ ہی کوئی ایسی بات یا عمل کرتا ہے جو احرام کی خصوصیات میں سے ہے تو وہ محرم ہو جاتا ہے مثلاً حج یا عمرہ یا دونوں کے لیے تلبیہ کہہ دیا۔

شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کی راجح روایت کے مطابق اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ احرام مطلق نیت سے منعقد ہو جاتا ہے، لیکن اگر تلبیہ نہ کہا تو مالکیہ کے نزدیک کفرے کی قربانی (دم) واجب ہوگا۔ نیز نیت کے وقت سلعے ہوئے کپڑے اتار دے۔ نیت کے ساتھ کوئی ایسی بات یا عمل کرنا جو نیت سے متعلق ہو، اس کے متعلق حنفیہ کہتے ہیں:

جب تک تلبیہ نہ کہے محض نیت سے احرام شروع نہیں ہوتا، یعنی جب تک احرام کے ساتھ کوئی ایسا قول یا عمل نہ ہو جو احرام کی خصوصیت ہو یا اس سے احرام کا پتہ چلتا ہو محض نیت سے احرام شروع نہیں ہوتا کیوں کہ نیت حنفیہ کے نزدیک رکن نہیں بلکہ شرط ہے، جب نیت کر کے تلبیہ کہہ دیا تو ان کے نزدیک احرام شروع ہو گیا۔

مالکیہ کی عبارت یہ ہے: احرام ایسی نیت سے منعقد ہو جاتا ہے جس کے ساتھ حج سے متعلق کوئی قول یا فعل شامل ہو مثلاً تلبیہ کہنا، حج کو چل پڑنا، لیکن راجح قول یہ ہے کہ



محض نیت سے احرام شروع ہو جاتا ہے اور اگر نیت کرتے وقت تلبیہ نہیں کہا یا سلسلے ہوئے کپڑے نہیں اتارے تو کفارہ (دَم) دینا پڑے گا۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: احرام یہ ہے کہ نیت کر کے حج یا عمرہ میں داخل ہو جائے، نیت کے بغیر احرام نہیں ہوتا۔ اگر صرف نیت کی، تلبیہ نہیں کہا تو بھی کافی ہے۔ اگر بلا نیت تلبیہ کہا تو احرام شروع نہیں ہوگا۔ تلبیہ کے ساتھ نیت کا ملنا شرط نہیں ہے کیوں کہ تلبیہ اذکار میں سے ہے، دوسرے اذکار کی طرح حج میں تلبیہ بھی واجب نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ احرام جمہور کے نزدیک نیت سے منعقد ہو جاتا ہے، حنفیہ کے نزدیک محض نیت سے منعقد نہیں ہوتا بلکہ ضروری ہے کہ خصائص احرام میں سے کوئی قول یا فعل اس کے ساتھ ملا ہوا ہو مثلاً تلبیہ یا سلسلے ہوئے کپڑے اتارنا وغیرہ (۲۳۱)۔

نیت کے بغیر احرام صحیح نہیں کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: انما الاعمال بالنیات وانما لكل امرء ما نوى (۲۳۲)۔ (اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی) چوں کہ یہ عبادت محض ہے اس لیے نیت کے بغیر درست نہیں جیسا کہ روزے اور نماز بلا نیت درست نہیں۔

## نیت کا محل:

نیت کا محل دل ہے، احرام دل سے نیت کرنے سے شروع ہو جاتا ہے، اکثر علماء کے نزدیک زبان سے نیت کرنا افضل ہے، جیسا کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حج اور عمرہ کے لیے لبیک کہتے ہوئے سنا“ (۲۳۳) کیوں کہ جب زبان سے نیت کرتا ہے تو بھولنے کا امکان نہیں ہوتا۔

یوں کہے: میں حج کی یا عمرہ کی نیت کرتا ہوں یا میں نے اللہ کے لیے حج یا عمرہ کا

احرام باندھا، یا یوں کہے: اے اللہ! میں حج یا عمرہ کی نیت کرتا ہوں، اسے تو میرے لیے آسان کر دے اور قبول فرما، اگر قرآن کی نیت ہو تو کہے: اے اللہ! میں عمرہ اور حج کی نیت کرتا ہوں، پھر حنفیہ کے نزدیک واجب ہے کہ نماز کے بعد تلبیہ کہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد تلبیہ کہا کرتے تھے، جمہور کے نزدیک احرام کے بعد نیت کے ساتھ تلبیہ کہنا مستحب ہے۔

اگر کسی دوسرے کی طرف سے حج یا عمرہ کر رہا ہو تو کہے: میں حج یا عمرہ فلاں کی طرف سے کر رہا ہوں یا فلاں کی طرف سے اللہ کے لیے حج یا عمرہ کا احرام باندھ رہا ہوں۔

اگر مفرد حج کا احرام باندھ رہا ہے تو تلبیہ کے ساتھ صرف حج کی نیت کرے کیوں کہ حج عبادت ہے اور عبادت نیت کے بغیر نہیں ہوتی۔ جیسا کہ پچھلی بحث میں ہم نے بیان کیا تلبیہ یہ ہے: لبیک اللہم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد والنعم لک والملك، لا شریک لک یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ ان کے درمیان وقفہ نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ راویوں نے بالاتفاق یہی بیان کیا ہے۔ ان الفاظ میں کمی نہ کرے، اگر اضافہ کر دے تو بلا کراہت جائز ہے۔

۲۔ احرام کی صفات، متعین و مطلق احرام، احرام میں نیت کی تبدیلی اور مشروط احرام (۲۳۳)۔

افضل یہ ہے کہ احرام باندھنے والا متعین کرے کہ وہ حج کا احرام باندھ رہا ہے یا عمرہ کا یا دونوں کا کیوں کہ مطلق نیت کی بہ نسبت متعین کرنا افضل ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو متعین نیت کرنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”تم میں سے جو چاہے حج اور عمرہ کا احرام باندھے تو وہ اس طرح کر لے، جو چاہے صرف حج

کا احرام باندھے وہ اس طرح کر لے اور جو چاہے صرف عمرہ کا احرام باندھے وہ صرف عمرہ کا باندھ لے“ (۲۲۵)۔

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی نے حج کا احرام باندھا اور اس پر حج فرض تھا لیکن اس نے فرض حج کی نیت نہیں کی تو استحساناً اس کا فرض حج ہی شمار ہوگا کیوں کہ بظاہر اس کا حال یہ نہیں کہ وہ نفل حج کی نیت کرے اور اس کے ذمے فرض حج باقی رہے۔ پس اس کی حالت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حج اس کا فرض حج شمار ہو اور مطلق کو متعین سمجھا جائے، جیسا کہ رمضان کے روزے مطلق نیت سے رمضان کے ہی شمار ہوتے ہیں۔ البتہ اگر اس نے صراحت کے ساتھ نفل حج کی نیت کی تو نفل ہوگا کیوں کہ صراحتاً نیت کے بعد حالت کی دلالت مؤثر نہیں رہے گی۔

شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے کہ حج کی صحت کے لیے نیت کی تعیین ضروری نہیں، اگر اس نے نفل کی نیت کی اور اس کے ذمے فرض حج یا عمرہ ہے تو فرض ادا ہوگا۔

معین احرام درست ہے مثلاً کسی نے حج کی یا عمرہ کی یا دونوں کی نیت کی تو بالا جماع احرام صحیح ہے کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی مذکورہ بالا حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر مطلق احرام کی نیت کی کہ احرام کے سوا اور کوئی نیت نہیں کی یعنی ایسی نیت کی جس کے ذریعے تینوں عبادتوں (حج، عمرہ، دونوں) میں داخل ہو سکتا ہے یا صرف یہ کہا: میں احرام باندھتا ہوں تب بھی درست ہے، کیوں کہ امام شافعیؒ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ احرام باندھ کر نکلے اور وحی کا انتظار کرنے لگے، آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس کے ساتھ قربانی کا جانور نہیں ہے وہ اسے عمرہ بنا لے اور جس کے ساتھ جانور ہے وہ حج کی نیت کرے۔“

اس طرح کی مطلق نیت میں حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ طواف کا پہلا چکر شروع کرنے سے پہلے کوئی بھی نیت کر سکتا ہے۔ اگر طواف کا ایک چکر مکمل کر لیا تو اب یہ احرام عمرہ کا شمار ہوگا کیوں کہ طواف عمرہ کا رکن ہے اور طواف قدوم سنت ہے، اس لیے طواف کو رکن قرار دینا زیادہ بہتر ہے، جس طرح نیت سے عمرہ متعین ہو جاتا ہے اسی طرح عمل سے متعین ہو جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر نیت میں ابہام چھوڑ دیا اور صرف نسک (حج و عمرہ) کی نیت کی جس میں حج یا عمرہ یا دونوں کی تعیین نہیں کی تو مستحب یہ ہے کہ اسے مفرد حج میں تبدیل کر دے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اسے قرآن (عمرہ و حج) میں تبدیل کرے کیوں کہ اس میں دونوں عبادتوں یعنی حج اور عمرہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے احتیاط ہے۔ جیسا کہ جو شخص متعین کرنا بھول جائے وہ بھی قرآن میں تبدیل کر لے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں اگر حج کے مہینوں میں مطلق احرام باندھا تو جس عبادت کی چاہے نیت کر لے اور پھر اس کے اعمال میں مصروف ہو جائے۔ اگر طواف کر لیا، پھر اسے حج میں تبدیل کرنا چاہتا ہے تو اس کا یہ طواف طواف قدوم ہو جائے گا اور اگر حج کے مہینوں کے سوا مطلقاً احرام باندھا تو شافعیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ یہ عمرہ کا احرام ہے اسے ان مہینوں میں حج میں تبدیل نہ کرے۔

حنابلہ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ مطلق احرام کو عمرہ میں تبدیل کر لے کیوں کہ اگر حج کے مہینے نہیں ہیں تو ان اوقات میں حج کا احرام باندھنا مکروہ یا ممنوع ہے، پہلا قول ان کے نزدیک راجح ہے اور اگر حج کے مہینے ہیں تو بھی عمرہ کرنا بہتر ہے کیوں کہ ان کے نزدیک تمتع کرنا افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو جب

انہوں نے اس طرح احرام باندھا کہ جو رسول اللہ کا احرام وہی میرا احرام، فرمایا تھا کہ اسے عمرہ کر لو۔

احرام کو اس امر سے مشروط کر دینا یہ یا کہ جیسا فلاں نے جیسا احرام باندھا ہے میرا بھی وہی احرام ہے (۲۳۶) یا احرام کو مبہم چھوڑ دینا: احرام کو مبہم چھوڑ دینا جائز ہے۔ یعنی اس طرح احرام باندھے کہ جیسا فلاں نے باندھا اسی طرح میرا احرام ہے کیوں کہ ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ ”میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ نے پوچھا، کیسے احرام باندھا ہے؟ میں نے کہا۔ میں نے یوں کہا تھا، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا میں بھی اسی طرح احرام باندھتا ہوں، آپ نے فرمایا: بہت اچھا کیا، پھر آپ کے حکم سے میں نے طواف اور صفا و مردہ کے درمیان سعی کی، پھر آپ نے فرمایا: احرام کھول دو“ (۲۳۷)۔ اگر وہ شخص جس کے مطابق محرم نے احرام باندھنے کی نیت کی محرم نہ ہو، تو محرم کا مطلقاً احرام شروع ہو جائے گا اور اگر اس نے متعین عبادت (حج و عمرہ) کا احرام باندھا تو اسی کے مطابق احرام ہوگا اور اگر وہ شخص فوت ہو گیا اور معلوم نہ ہو سکا کہ اس نے کون سا احرام باندھا تھا تو یوں سمجھا جائے گا جیسے یہ شخص بھول گیا ہو۔

**تعمین بھول جانے والے کا حکم:**

اگر کسی شخص نے حج و عمرہ کا احرام باندھا، پھر اسے طواف سے پہلے بھول گیا کہ اس نے کس عبادت کی نیت کی تھی، حج یا عمرہ کی یا دونوں کی تو حنابلہ کے نزدیک اسے اختیار ہے جو عبادت چاہے کر لے۔ جب کہ مالکیہ، حنفیہ اور شافعیہ کے جدید قول میں قرآن کرے کیوں کہ اس نے یقینی طور پر احرام باندھا اور یقینی طور پر عبادت مکمل کیے بغیر اسے ختم کرنا درست نہیں اور یقینی طور پر مکمل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک ہی احرام میں

دونوں عبادتیں پوری کرے، تاہم اگر اس نے حج کے اعمال مکمل کر لیے تو حج سے تو فارغ ہو گیا لیکن عمرہ سے فارغ نہیں ہوا کیوں کہ امکان ہے کہ اس نے حج کی نیت کی ہو اور اب حج کے ساتھ عمرہ نہیں کر سکتا۔ اس پر کفارے کی قربانی (دم) بھی واجب نہیں، لیکن صرف حج کے فرض سے سبکدوش ہوگا، اس لیے مالکیہ کے نزدیک ضروری ہے کہ حج کے لیے نئے سرے سے نیت کرے۔

دونوں آراء میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ حج کی نیت توڑ کر عمرہ کرنا حنابلہ کے نزدیک جائز ہے جمہور کے نزدیک جائز نہیں۔

احرام میں شرط عائد کرنا (۲۳۸) شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک احرام میں شرط عائد کرنا جائز ہے۔ مثلاً یہ کہ کسی رکاوٹ، بیماری وغیرہ کی وجہ سے احرام کھول دے گا، اگر شرط عائد نہ کی تو احرام کھولنا جائز نہیں کیوں کہ ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے: ”ضباعہ بنت زبیرؓ نے کہا، یا رسول اللہ، میں بھاری بھر کم عورت ہوں (۲۳۹) اور حج کرنا چاہتی ہوں، آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: احرام باندھ لو، یہ شرط لگا لو کہ اگر رکاوٹ پیدا ہوگئی تو میں احرام کھول دوں گی (۲۴۰)۔ ابن عباسؓ نے کہا، اس نے حج کر لیا“ (۲۴۱)۔

امام ابوحنیفہؒ اور مالکؒ کہتے ہیں کہ شرط لگانا صحیح نہیں، ابن عمرؓ کی رائے پر عمل کا تقاضا یہی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور مالکؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضباعہؓ سے متعلق خاص واقعہ سے ہے۔ اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ کیا ایک شخص کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اس نوعیت کے دوسرے مسائل کے لیے بھی ہوتا ہے یا نہیں؟

جس کسی نے دو حج یا دو عمروں کا احرام باندھا تو ان دو میں سے ایک احرام منعقد ہوگا اور حنابلہ کے نزدیک دوسرا احرام لغو ہوگا کیوں کہ یہ دو ایسی عبادتیں ہیں جن کو بیک

وقت جاری رکھنا درست نہیں، اس لیے دو احرام درست نہیں ہیں، جیسے کہ بیک وقت دو نمازیں درست نہیں۔ اگر اس نے حج یا عمرہ توڑ دیا تو صرف عمرہ کی قضا واجب ہوگی۔

امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور شافعیؒ کہتے ہیں کہ دونوں احرام درست ہوں گے اور ان دو میں سے صرف ایک کی قضا واجب ہوگی کیوں کہ اس نے ایک کا احرام باندھ کر اسے مکمل نہیں کیا اور اگر نیت توڑ دی تو دونوں قضا کرنے ہوں گے کیوں کہ دونوں کی نیت درست تھی۔

### ۳- احرام کی جگہ اور وقت:

احرام کی جگہ کو میقات کہتے ہیں اور احرام کے وقت کو حج اور عمرہ کا وقت کہتے ہیں اور بحث سوم میں، میں نے اس پر بحث کی ہے۔ اس میں ہم نے واضح کیا تھا کہ عمرہ کا وقت بالاتفاق عید کے دن کے سوا اور حنیفہ و مالکیہ کے نزدیک ایام تشریق کے سوا سارا سال ہے۔ اور حج کا وقت تین متعین مہینے ہیں جو جمہور کے نزدیک شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں جب کہ مالکیہ کے نزدیک ذوالحجہ کا پورا مہینہ ہے۔

میقات کے حوالے سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں (۲۳۲)۔

پہلی قسم: آفاقی: وہ لوگ جن کے گھر ان پانچ مقامات سے باہر ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ذریعے لوگوں کے لیے میقات کے طور پر مقرر کیے ہیں یعنی اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ، اہل شام کے لیے جحفہ، اہل نجد کے لیے قرن المنازل، اہل یمن کے لیے یلملم اور اہل عراق کے لیے ذات عرق۔

دوسری قسم: حرم کے باہر رہنے والے: یعنی وہ لوگ جو میقاتوں کے اندر اور حرم سے باہر رہتے ہیں جیسے بستان بنی عامر کے رہنے والے وغیرہ۔ ان کے میقات ان کی اپنی بستیاں ہیں یا حرم کے اور اپنے گھروں کے درمیان جہاں سے چاہیں احرام باندھ لیں۔

تیسری قسم: حرم مکہ کے رہنے والے: حج کے لیے ان کا میقات حرم ہے اور عمرہ کے لیے حرم سے باہر (حل)، لہذا مکہ میں رہنے والے حج کے لیے اپنے گھروں سے یا حرم میں جہاں سے چاہیں احرام باندھیں اور عمرہ کے لیے حرم سے باہر تنعمیم وغیرہ سے۔

### ۴۔ احرام کا ارادہ کرنے والا کیا کرے؟

جب کوئی شخص احرام باندھنے کی نیت کرے تو وہ مسنون اعمال ادا کرے جن کا اوپر حج کے اعمال میں ذکر کیا گیا ہے اور ان میں سے مندرجہ ذیل اعمال اہم ہیں (۲۳۳)۔  
احرام باندھنے والا کس قسم کا لباس اور جوتے نہیں پہن سکتا، اس کا ذکر ممنوعات احرام کی بحث میں آئے گا۔

۱۔ صفائی کے لیے غسل کرے یا وضو کرے، غسل افضل ہے کیوں کہ اس میں نطافت مکمل ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے لیے غسل فرمایا (۲۳۴)۔ یہ غسل طہارت کے لیے نہیں بلکہ نطافت کے لیے ہے اسی لیے حیض نفاس والی عورت بھی غسل کرے کیوں کہ حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”نفاس اور حیض والی عورت غسل کر کے احرام باندھے اور تمام اعمال حج ادا کرے، صرف بیت اللہ کا طواف نہ کرے“ (۲۳۵)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماء بنت عمیسؓ کو کہا کہ وہ غسل کر لیں جب کہ وہ نفاس سے تھیں (۲۳۶)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے احرام کے وقت عورتوں کو بھی غسل کرنے کا شرعی حکم ہے جیسے کہ مردوں کے لیے ہے کیوں کہ یہ عبادت ہے اور حیض و نفاس والی عورتوں کے لیے غسل کی زیادہ تاکید ہے کیوں کہ ان کے بارے میں حدیث موجود ہے۔

اس پر اتفاق ہے۔ اگر پانی نہ ہو تو شافعیہ کے نزدیک تیمم کر لے کیوں کہ غسل ثواب



اور صفائی کے لیے ہے اور جب ایک کام ممکن نہ ہو تو دوسرا کر لیا جائے، تیمم واجب غسل کے قائم مقام ہو جاتا ہے تو مستحب غسل کے بدرجہ اولیٰ قائم مقام ہوگا۔ اگر اتنا ہی پانی ہو کہ صرف وضو کے لیے کافی ہو غسل کے لیے نہ ہو تو وضو کرے اور غسل کے لیے تیمم کرے۔

ابن قدامہ کے نزدیک ایسی حالت میں تیمم مسنون نہیں ہے کیوں کہ یہ غسل مسنون ہے اور اگر پانی نہ ہو تو تیمم مسنون نہیں ہوگا جیسا کہ جمعہ کے غسل میں۔ واجب اور مسنون میں فرق یہ ہے کہ واجب غسل اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ نماز پڑھنا جائز ہو اور تیمم اس کے قائم مقام ہے اور مسنون غسل اس لیے ہے کہ اس سے صفائی اور بدبو دور کرنا مقصود ہوتا ہے اور تیمم سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا بلکہ تیمم کی وجہ سے اور گرد آلود ہو جاتا ہے اور حالت بگڑ جاتی ہے۔ حنابلہ کے نزدیک تیمم کرنا جائز ہے جیسا کہ غایۃ المنتہیٰ میں ہے۔

میل کچیل اور گرد و غبار دور کرنے کے لیے صفائی کرنا، بدبو دور کرنا، بغلیں صاف کرنا، مونچھیں کاٹنا، ناخن تراشنا، زیر ناف کے بال صاف کرنا، بالوں کو کنگھی کرنا مستحب ہے کیوں کہ احرام ایک ایسی چیز ہے جس کے لیے غسل کرنا اور خوشبو لگانا مسنون ہے جیسا کہ یہ تمام کام جمعہ کے لیے مسنون ہیں۔

۲- مرد سلعے ہوئے کپڑے اتار دے اور دو صاف ستھرے کپڑے یعنی تہ بند اور چادر پہنے جو نئے ہوں یا دھلے ہوئے ہوں اور جوتے بھی کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”تم میں سے جو کوئی احرام باندھے وہ تہ بند، چادر اور جوتوں میں احرام باندھے، اگر جوتے نہ ہوں تو موزے پہن لے اور ٹخنوں کے نیچے سے انہیں کاٹ لے“ (۲۲۷)۔ امام احمد سے مشہور روایت یہ ہے کہ موزے کاٹنا ضروری نہیں کیوں کہ ابن عباسؓ کی حدیث ہے: ”جس کے پاس جوتے نہ ہوں وہ موزے پہن لے“ (۲۲۸)۔

عورت کا احرام یہ ہے کہ وہ چہرہ کھلا رکھے، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے، اگر پاس سے مرد گزر رہے ہوں جس کی وجہ سے اسے چہرے کا پردہ کرنا پڑ رہا ہو تو حنابلہ کے نزدیک سر پر کپڑا ڈال کر چہرے پر لٹکالے جیسا کہ حضرت عائشہؓ اور دوسری خواتین جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں کرتی تھیں (۲۴۹)۔

۳۔ جمہور کے نزدیک احرام سے پہلے سارے بدن کو خوشبو لگائے، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک کپڑوں کو خوشبو لگائے کیوں کہ یہ بدن سے الگ ہیں، شافعیہ کے ہاں بھی صحیح روایت یہی ہے کہ کپڑوں کو خوشبو لگائے کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے: ”میں احرام کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہترین خوشبو جو موجود ہوتی تھی لگاتی تھی“ (۲۵۰)۔ اگر احرام باندھنے کے بعد خوشبو کا اثر باقی رہے تو کوئی حرج نہیں کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث صحیحین میں ہے کہ ”گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں مشک کی چمک ابھی بھی دیکھ رہی ہوں۔ (دبیس = چمک، مفرق، مانگ)

مالکیہ کے نزدیک خوشبو نہ لگائے، اور ایسی خوشبو جس کی بو باقی رہے غسل سے پہلے اور غسل کے بعد لگانا مکروہ ہے کیوں کہ روایت میں ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے کہا ”یا رسول اللہ ایسے شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جس نے عمرہ کا احرام باندھ لیا اور وہ خوشبو میں لت پت ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا: جو خوشبو تم نے لگائی ہوتی ہے اسے دھو ڈالو (تین بار فرمایا) اپنا جبہ اتار دو، اور اپنے عمرہ میں وہی کام کرو جو اپنے حج میں کرتے ہو“ (۲۵۱) چوں کہ آپ نے ابتدا میں خوشبو لگانے سے منع کیا تو خوشبو کا باقی رہنا بھی ممنوع ہے جیسے کہ سلا ہوا لباس۔

بظاہر احرام سے پہلے خوشبو لگانا جائز ہے، کیوں کہ جبہ والے آدمی کا قصہ غزوہ حنین

والے سال یعنی ۸ ہجری میں جعرانہ کے مقام پر پیش آیا، جب کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث حجتہ الوداع کے موقع پر ۱۰ ہجری کی ہے، پس یہ پہلی حدیث کی ناسخ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ابن عمرؓ کے خلاف دلیل ہے جو احرام کے وقت خوشبو لگانے سے منع کیا کرتے تھے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک عورت احرام کے وقت اپنے ہاتھوں پر گٹوں تک مہندی لگالے کیوں کہ ابن عمرؓ نے اسے سنت قرار دیا ہے۔

۴۔ غسل کے بعد اور احرام سے پہلے بالاتفاق احرام کی دو رکعات پڑھے یا مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک فرض نماز کے بعد احرام باندھے۔ پہلی روایت کی دلیل صحیحین کی روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ کے مقام پر دو رکعات نماز پڑھی پھر احرام باندھا“ (۲۵۲)۔ حرم مکہ کے سوا دوسری جگہ مکروہ وقت میں یہ دو رکعات پڑھنا جائز نہیں۔ مسنون یہ ہے کہ پہلی رکعت میں قل یا ایہا الکافرون اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھے۔

حنابلہ کے نزدیک فرض نماز کے بعد احرام باندھنا زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ ابو داؤد اور اثرم نے سعید بن مسیب سے انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے احرام کی نیت کی“۔

حنابلہ کے نزدیک نماز کے بعد احرام باندھنا یا سواری پر بیٹھ کر نیت کرنا یا جب چل پڑے اس وقت نیت کرنا برابر ہے جب سواری پر بیٹھ جائے تو تلبیہ پڑھے۔

مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ جب سواری چل پڑے تو احرام کی نیت کرے کیوں کہ شیخین نے یہی روایت کی ہے، یا جب پیدل اپنے راستے پر چل پڑے

کیوں کہ صحیح مسلم میں جابرؓ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ جب ہم احرام باندھنا چاہیں تو جب روانہ ہوں تو احرام کی نیت کریں۔“

۵- تلبیہ کہے: حنفیہ کے نزدیک ہر نماز کے بعد تلبیہ کہے، کیوں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد تلبیہ کہا کرتے تھے“ (۲۵۳) اور یہ افضل ہے۔ جب سواری پر بیٹھے تو تلبیہ کہے، پھر نیت کرے۔ اگر مفرد حج کا احرام باندھ رہا ہے تو تلبیہ کہتے ہوئے حج کی نیت کرے کیوں کہ یہ عبادت ہے اور عبادت نیت کے بغیر نہیں ہوتی۔

شافعیہ کے نزدیک نیت کے ساتھ تلبیہ کہے، کیوں کہ مسلم کی حدیث میں ہے: ”جب تم منیٰ کی طرف روانہ ہو تو حج کے لیے تلبیہ کہو“۔ اہلال کا مفہوم ہے بلند آواز سے تلبیہ کہنا اصل اعتبار نیت کا ہے تلبیہ کا نہیں، اگر نیت کے بغیر تلبیہ کہا تو اعتبار نیت کا ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جب سواری پر بیٹھ جائے اور چلنا شروع کرے تو تلبیہ کہے، کیوں کہ بخاری میں حضرت انسؓ اور ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سواری پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تو آپؐ نے تلبیہ کہا“، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے احرام باندھا، پھر جب آپؐ سوار ہوئے اور سیدھے ہو کر سواری پر بیٹھ گئے تو آپؐ نے تلبیہ کہا“، اہلال کا مطلب ہے بلند آواز سے تلبیہ کہنا۔

بلندی پر چڑھتے اور اترتے وقت تلبیہ پڑھنے کی تجدید کرے، کوئی واقعہ ہو یا دوستوں سے ملے تو بھی تلبیہ کہے، نمازوں کے بعد اور جب کسی کو تلبیہ کہتے ہوئے سنے تو بھی تلبیہ کہے۔

بکثرت تلبیہ کہنا مستحب ہے، احرام کے دوران بلند آواز سے تلبیہ پڑھنا مستحب ہے لیکن بہت زیادہ آواز بلند نہ کرے۔ عورتیں بلند آواز سے تلبیہ نہ کہیں، کیوں کہ ارشاد نبویؐ

ہے: ”افضل حج حج اور شج ہے“ (۲۵۲) حج: بلند آواز سے تلبیہ کہنا اور شج: خون بہانا۔

تلبیہ کے الفاظ اوپر گزر چکے ہیں: (لبیک اللہم ۲۵۵) لبیک، لبیک لا شریک لک البیک، ان الحمد والنعمۃ لک والملك لا شریک لک (یہ ہے کہ ان الفاظ پر اضافہ نہ کرے۔ اگر اضافہ کیا تو جائز ہے۔

اگر نیت کر کے تلبیہ کہا تو حنفیہ کے نزدیک احرام شروع ہو گیا۔

تلبیہ کہنا کب ختم کرے: مالکیہ کے نزدیک جب طواف شروع کرے تو تلبیہ کہنا بند کر دے، سعی سے فارغ ہونے کے بعد پھر تلبیہ کہنا شروع کر دے یہاں تک کہ یوم عرفہ کے زوال آفتاب کے وقت تلبیہ کہنا بند کر دے کیوں کہ حضرت علیؓ اور ام سلمہؓ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ یوم عرفہ کے زوال آفتاب تک تلبیہ کہتے تھے۔ مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک عید کے دن جمرہ عقبہ کی رمی شروع کرتے وقت جب پہلی کنکری پھینکے تو تلبیہ کہنا ختم کر دے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمی شروع کرنے تک تلبیہ کہتے رہے تھے (۲۵۶) نیز رمی سے آدمی احرام کھولنے کا آغاز کرتا ہے۔

یہ حنفیہ کے نزدیک ہے، اگر سر منڈانے سے پہلے رمی کی اور اگر رمی سے پہلے سر منڈا دیا تو تلبیہ کہنا موقوف کر دے کیوں کہ حلال ہونے کی حالت میں تلبیہ کہنا ثابت نہیں ہے۔

عمرہ کرنے والا طواف شروع کرتے ہی تلبیہ منقطع کر دے۔

## ۵۔ حج، عمرہ یا دونوں کے احرام کی اقسام:

حج اور عمرہ کے ادا کرنے کے طریقوں یا احرام کی مختلف اقسام کے بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ وہ تین ہیں: افراد، تمتع اور قرآن یعنی صرف حج ادا کرے یا صرف عمرہ ادا کرے یا عمرہ اور حج دونوں ادا کرے۔ احرام باندھنے والے اشخاص تین قسم کے ہیں:

مفرد حج کرنے والا، صرف عمرہ کرنے والا، دونوں جمع کرنے والا، پہلے کو مفرد، دوسرے کو متمتع اور تیسرے کو قارن کہتے ہیں۔

مفرد حج کرنے والا وہ شخص ہے جو صرف حج کا احرام باندھے، پہلے حج ادا کرے، پھر عمرہ کا احرام باندھے۔

متمتع وہ ہے جو حج کے مہینوں میں پہلے عمرہ کا احرام باندھے، اسے مکمل کرے، پھر اس سال یا انہیں مہینوں میں حج کا احرام باندھے۔

قارن وہ شخص ہے جو آفاقی ہو، مکہ کا رہنے والا نہ ہو اور عمرہ کا رکن یعنی طواف ادا کرنے سے پہلے عمرہ کا اور حج کا اکٹھا احرام باندھے۔ پہلے عمرہ ادا کرے، پھر عمرہ کا احرام کھولنے اور سرمنڈوانے یا بال کٹوانے سے پہلے حج کرے، خواہ شروع میں ہی دونوں کے احرام اکٹھے باندھے ہوں یا پہلے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور عمرہ کا طواف شروع کرنے سے پہلے (یا حنفیہ کے نزدیک طواف کا اکثر حصہ ادا کرنے سے پہلے) حج کا احرام باندھ لیا ہو تو قارن ہو جائے گا کیوں کہ قرآن کا مفہوم یعنی دونوں احرام جمع کرنا پایا گیا۔ اگر عمرہ کا طواف کرنے کے بعد یا طواف کا اکثر حصہ ادا کرنے کے بعد حج کا احرام باندھا تو قارن نہیں ہوگا بلکہ متمتع ہوگا۔ کیوں کہ اس میں متمتع کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ متمتع یہ ہے کہ عمرہ کا پورا رکن ادا کرنے کے بعد حج کا احرام باندھے، عمرہ کا رکن حنفیہ کے نزدیک طواف، جمہور کے نزدیک طواف کے بعد سعی ہے اور شافعیہ کے نزدیک مستند یہ ہے کہ سرمنڈانا یا بال کٹوانا بھی ہے (۲۵۷)۔

ان تینوں میں سے کون سا عمل افضل ہے، اس سلسلے میں فقہاء کے تین مختلف اقوال ہیں:

۱- حنفیہ کے نزدیک (۲۵۸) قرآن (ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ کا احرام جمع کرنا) افضل

ہے تمتع اور افراد سے کیوں کہ اس میں میقات سے احرام باندھنے کے بعد حج اور عمرہ دونوں سے فارغ ہونے تک مسلسل احرام باندھے رکھنا ہے جب کہ تمتع میں ایسا نہیں۔ اس لیے قرآن تمتع سے افضل ہے۔ نیز ارشاد نبویؐ ہے: ”اے آل محمد! حج میں عمرہ شامل کر کے احرام باندھو“ (۲۵۹)۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حج اور عمرہ کا اکٹھا تلبیہ کہتے ہوئے سنا، آپؐ نے کہا: لبیک عمرہ و حجلاً“ (۲۶۰)۔

۲۔ مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں (۲۶۱) کہ مفرد حج قرآن اور تمتع سے افضل ہے، اگر اس سال عمرہ بھی کیا ہو کیوں کہ مفرد حج کے ساتھ قربانی واجب نہیں ہوتی، صحیح یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مفرد حج کیا تھا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ”ہم حجۃ الوداع کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر پر نکلے، ہم میں سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا، بعض نے حج اور عمرہ دونوں کا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حج کا احرام باندھا“ (۲۶۲)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مفرد حج کرنے کی روایت مختلف صحیح اور متواتر طرق سے آئی ہے جو حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت ہے اور یہی حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، حضرت عائشہؓ اور جابرؓ کا قول ہے۔

پھر مالکیہ کے نزدیک قرآن ثواب میں افراد کے برابر ہے۔ قرآن کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ قرآن کی نیت کی یا عمرہ اور حج دونوں کی اکٹھی نیت کی۔ نیت میں عمرہ پہلے رکھنا واجب ہے اور ان میں ترتیب ملحوظ رکھے، الفاظ میں بھی وہ ترتیب مستحب ہے جو عمل میں ہے۔

۲۔ عمرہ کی نیت کی، پھر بعد میں خیال آیا کہ اس کے ساتھ حج بھی ملا لیا جائے۔ عمرہ کے ساتھ حج ملانا درست ہے، حج کے ساتھ عمرہ ملانا درست نہیں کیوں کہ عمرہ کمزور عبادت ہے اس کے ساتھ قوت والی عبادت ملائی جاسکتی ہے، حج کے ساتھ جو قوی عبادت ہے عمرہ

نہیں ملایا جاسکتا۔

شافعیہ کے نزدیک افراد کے بعد تمتع افضل ہے، پھر قرآن، کیوں کہ تمتع کرنے والا پورے دو عمل ادا کرتا ہے۔ البتہ اس کے لیے دو بار میقات پر نہیں جاتا۔ قرآن ایک ہی عمل ایک ہی میقات سے کرتا ہے۔ شافعیہ اعمال کی کثرت کو دیکھتے ہیں۔

۳۔ حنابلہ (۲۶۳) کے نزدیک تمتع افضل ہے پھر افراد پھر قرآن یعنی پہلے اور دوسرے میں شافعیہ کی ترتیب کے برعکس ہے۔ تمتع یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرے، پھر اس سے فارغ ہو کر جہاں سے چاہے حج کا احرام باندھے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمتع کیا، کیوں کہ ابن عمرؓ نے فرمایا: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر عمرہ کے ساتھ حج ملا کر کہا اور ذوالحلیفہ سے قربانی کا جانور ساتھ لے کر آئے تھے“ (۲۶۳)۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ”جس بات کا مجھے اب احساس ہوا، اگر اس کا پہلے احساس ہوتا تو میں قربانی کا جانور ساتھ نہ لاتا اور اسے عمرہ بنا لیتا“ (۲۶۵)۔

افضلیت کے اختلاف کے سلسلے میں یہ ہیں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔ اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے بارے میں فقہاء میں اختلاف ہے اور ہر رائے کی تائید میں صحیح احادیث ہیں۔ ہم دوسری رائے کو ترجیح دیتے ہیں کیوں کہ ان کے راوی زیادہ ہیں، جن میں حضرت جابرؓ بھی شامل ہیں جو پرانے صحابہؓ میں سے ہیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے واقعات کو بہت صحت سے ضبط کیا ہے۔ نیز اس امر پر اجماع ہے کہ مفرد حج میں کوئی کراہت نہیں جب کہ تمتع اور قرآن میں جو کمی آجاتی ہے اس کو پورا کرنے کے لیے قربانی دینا پڑتی ہے، جب کہ



مفرد حج میں قربانی نہیں ہے۔ نووی المجموع میں لکھتے ہیں (۲۶۶) ہمارے خیال میں صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا، پھر اس میں عمرہ شامل کر لیا اور آپ قارن ہو گئے اور حج کے ساتھ عمرہ شامل کر لینا ہمارے دو اقوال میں سے ایک کے مطابق درست ہے لیکن ہمارا صحیح تر قول یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس سال ضرورت کے تحت اسے جائز قرار دیا اور آپ نے ”لبیک عمرۃ فی حج“ فرما کر اسے جائز قرار دیا (۲۶۷)۔

۶۔ ایک احرام کو دوسرے احرام سے ملا لینا، حج کو عمرے کے ساتھ یا حج کے ساتھ عمرہ شامل کر لینا یا حج فسخ کر کے اسے عمرہ کر لینا:  
ایک احرام کے ساتھ دوسرا احرام ملا لینا:

حنفیہ کہتے ہیں (۲۶۸) کہ مکہ میں رہنے والے کے لیے ایک احرام کے ساتھ دوسرا احرام ملا لینا گناہ ہے اسی طرح باہر سے آنے والے کے لیے حج کے احرام کے ساتھ عمرہ کا احرام ملا لینا بھی گناہ ہے جس پر قربانی (دم) واجب ہوتا ہے البتہ عمرہ کے احرام کے ساتھ حج کا احرام ملا لینا جائز ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ عمرہ کے ساتھ حج ملانا: اگر مکہ میں رہنے والے نے عمرہ کا احرام باندھا، اس کے بعد حج کے احرام کی نیت کر لی تو تین احتمال ہیں:

ا۔ عمرہ کا طواف کرنے سے پہلے حج کی نیت کر لی تو ائمہ حنفیہ متفق ہیں کہ اس کے عمرہ کی نیت ختم ہوگئی اگر آفاقی (باہر سے آنے والا) ایسا کرے تو وہ قارن ہو جائے گا۔

ب۔ طواف کے اکثر چکر لگانے کے بعد حج کی نیت کی تو اس کی حج کی نیت بالاتفاق درست نہیں۔ اگر آفاقی ایسا کرے تو وہ متمتع ہوگا بشرطیکہ اس نے طواف حج کے مہینوں میں کیا۔

ج۔ طواف کے کم چکر مثلاً تین لگانے کے بعد حج کی نیت کی تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ حج کی نیت درست نہیں کیوں کہ اس سے عمرہ کا عمل باطل قرار پائے گا اور کچھ اعمال ادا کر کے اس نے اپنے عمرہ کے عمل کو مؤکد کر لیا ہے اور حج کا احرام مؤکد نہیں ہوا اس لیے جو عمل ابھی شروع نہیں ہوا اسے باطل قرار دینا آسان ہے۔

صاحبین کی رائے یہ ہے کہ عمرہ ختم ہو جائے گا کیوں کہ عمرہ کم تر عبادت ہے اور فرض نہیں ہے جب کہ حج برتر عبادت ہے اور فرض ہے، نیز عمرہ کے اعمال کم ہیں، اسے قضا کرنا آسان ہے کیوں کہ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں اور اس کے ارکان تھوڑے ہیں۔

اگر آفاقی ایسا کرے تو وہ قارن شمار ہوگا، جو شخص حج یا عمرہ چھوڑ دے اس پر قربانی (دم) واجب ہوتا ہے کیوں کہ امام ابوحنیفہ نے عبد الملک بن عمیر کے حوالے سے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عمرہ چھوڑنے پر دم (قربانی) دینے کا حکم دیا تھا“۔

عمرہ چھوڑنے میں صرف عمرہ کی قضا ہے اور حج چھوڑنے میں حج اور عمرہ دونوں کی قضا ہے حج کی قضا اس لیے کہ اس نے صحیح طور پر حج شروع کیا، پھر چھوڑ دیا اور عمرہ اس لیے کہ وہ شخص ایسا ہے جس کا حج رہ گیا ہو اور جس کسی کا حج رہ جائے وہ عمرہ ادا کر کے احرام کھول دے۔ یہاں عمرہ ادا کر کے احرام کھولنا ممکن نہیں کیوں کہ وہ پہلے سے عمرہ میں ہے اور بیک وقت دو عمرے کرنے سے منع کیا گیا ہے اس لیے اس پر حج اور عمرہ دونوں کی قضا واجب ہے۔

اگر مکہ میں رہنے والے یا اس کے حکم میں شامل کسی بھی دوسرے شخص نے عمرہ یا حج چھوڑا نہیں بلکہ دونوں جاری رکھے تو دونوں درست ہیں کیوں کہ اس نے جس طرح اپنے

اوپر دونوں لازم کیے تھے اسی طرح ادا کر دیے۔ البتہ اس نے ایسا کام کیا جس سے روکا گیا تھا یعنی حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھے احرام باندھنا، کیوں کہ حج اور عمرہ کے احرام کے اکٹھے کرنا بدعت ہے اور کسی چیز کی ممانعت کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ کام ہی نہیں ہو سکتا البتہ دونوں کو جمع کرنے کی وجہ سے اس پر دم واجب ہوگا کیوں کہ اس نے ایک ممنوع کام کیا اور دونوں کو جمع کرنے کے باعث اس کی عبادت میں کمی واقع ہوگئی۔

۲- ایک حج کو دوسرے حج سے ملانا: اگر کسی نے حج کا احرام باندھا، پھر قربانی کے دن دوسرے حج کا احرام باندھ لیا تو:

ا۔ اگر پہلے حج کے بعد سر منڈا چکا تھا تو دوسرا حج واجب ہو گیا اگر چہ اس پر کوئی کفارہ نہیں، کیوں کہ وہ پہلے حج سے فارغ ہو گیا اور اب اس نے دوسرے حج کا احرام باندھ لیا ہے۔  
ب۔ اگر پہلے حج کے بعد ابھی سر منڈایا تھا تو دوسرا حج اس پر واجب ہو گیا اور اس کی قضا کرے اور کفارے کے طور پر دم دے کیوں کہ دوسرے حج کا آغاز درست ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک خواہ دوسرے احرام کے بعد سر منڈائے یا نہ منڈائے کفارہ ہر حالت میں دے کیوں کہ اگر سر منڈا لیا تو گناہ کا ارتکاب کیا اور اگر نہیں منڈایا تو پہلے حج میں سر منڈانا قربانی کے دن سے مؤخر کر دیا، اس پر بھی دم واجب ہے۔

صاحبین کی رائے یہ ہے کہ اگر دوسرے حج کا احرام باندھنے کے بعد سر نہیں منڈایا یا بال نہیں کٹوائے تو کسی قسم کا کفارہ واجب نہیں، کیوں کہ ان کے نزدیک سر منڈوانے کے عمل کو قربانی کے دن سے مؤخر کرنے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا، البتہ اگر دوسرا احرام باندھنے کے بعد سر منڈا لیا تو گناہ ہے جس پر دم (قربانی) دینا واجب ہے۔

۳- عمرہ کو عمرہ سے ملانا: جو شخص عمرہ سے فارغ ہو گیا لیکن ابھی بال نہیں کٹوائے

تھے کہ دوسرے عمرہ کا احرام باندھ لیا تو حنفیہ کا اتفاق ہے کہ اس پر دم (قربانی) واجب ہے کیوں کہ اس نے قبل از وقت احرام باندھ لیا۔ اس کا وقت پہلے احرام سے سرمنڈاؤنے کے بعد کا تھا، جو کہ نہیں پایا گیا۔ اس نے دو عمروں کا احرام جمع کر لیا، جو مکروہ ہے۔ اس لیے اس پر قربانی واجب ہے جو نقصان کی تلافی اور کفارے کی وجہ سے واجب ہوئی۔

۴- عمرہ حج سے ملانا: جس شخص نے حج کا احرام باندھا، پھر عمرہ کا احرام باندھ لیا تو اس کے ذمے دونوں عمل واجب ہیں، کیوں کہ آفاقی کے لیے دونوں کو جمع کرنا جائز ہے۔ یہ شخص قارن ہو جائے گا، البتہ اس نے سنت طریقے کی خلاف ورزی کی، جو گناہ ہے کیوں کہ سنت یہ ہے کہ حج کو عمرہ سے ملایا جائے نہ کہ عمرہ کو حج سے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: (فمن تمتع بالعمرة الى الحج..... البقرہ ۲: ۱۹۶، جس نے عمرہ کے ساتھ حج سے بھی فائدہ اٹھایا)۔ اسی آیت میں حج کو دونوں مقاصد میں سے دوسرا مقصد قرار دیا گیا لیکن جب اس نے حج ادا نہ کیا تو صحیح ہے۔

جس کسی نے حج کا احرام باندھا، پھر عمرہ کا باندھ لیا، پھر مکہ جانے سے قبل وقوف عرفات کر لیا تو اس کا عمرہ ختم ہو گیا۔ اگر وقوف عرفات نہیں کیا تو عمرہ ختم نہیں ہوگا بلکہ وہ قارن ہو گیا کہ اس نے حج اور عمرہ دونوں کو جمع کرنا ہے اور آفاقی کے لیے یہ جائز ہے لیکن پہلے حج کا احرام باندھنا اور بعد میں عمرہ کا غلط ہے کیوں کہ خلاف سنت ہے کیوں کہ قرآن میں سنت یہ ہے کہ دونوں کا ایک ہی بار احرام باندھے یا عمرہ کا احرام حج کے احرام سے پہلے باندھے۔

اگر حج کا طواف قدوم کر لیا پھر عمرہ کا احرام باندھا اور عمرہ اور حج دونوں اس طرح جاری رکھے کہ پہلے عمرہ کے افعال ادا کیے اور بعد میں حج کے تو اس پر دم واجب ہے۔

کیوں کہ اس نے عمرہ اور حج دونوں جمع کر لیے کیوں کہ وہ قارن ہو گیا ہے، لیکن اس نے پہلے کی بہ نسبت زیادہ غلط کیا کیوں کہ عمرہ کا احرام حج کے طواف سے مؤخر کر دیا۔ اور مستحب یہ ہے کہ عمرہ چھوڑ دے کیوں کہ حج کا احرام حج کے اعمال شروع کر کے مؤکد کر دیا ہے۔ جب عمرہ چھوڑ دیا تو اسے قضا کرے کیوں کہ اسے شروع کرنا صحیح تھا اور اس کے ذمے دم (قربانی) ہے کیوں کہ عمرہ چھوڑ دیا ہے۔

اگر حاجی نے قربانی کے دن یا ایام تشریق میں عمرہ کا احرام باندھا تو عمرہ اگرچہ واجب ہو گیا لیکن اسے چھوڑ دینا ضروری ہے کیوں کہ اس نے حج کا رکن ادا کر لیا اور ہر اعتبار سے اس نے عمرہ کے افعال کی افعال حج پر بنا رکھی ہے، جو کہ خالصتاً غلط ہے کیوں کہ حج کی اہمیت کے پیش نظر ان دنوں میں عمرہ کرنا مکروہ ہے۔ اس لیے عمرہ چھوڑ دے۔ جب عمرہ چھوڑ دیا تو عمرہ کا احرام قبل از وقت کھول دینے سے دم (قربانی) واجب ہوتی ہے۔ عمرہ کی قضا واجب ہے کیوں کہ عمرہ شروع کرنا درست تھا۔ اگر قربانی کے دن شروع کیا جانے والا عمرہ اس نے جاری رکھا اور اس کے افعال مکمل کر لیے تو عمرہ ادا ہو گیا اور عمرہ اور حج کے باقی اعمال جمع کرنے کے باعث دم واجب ہوگا، اگر سرمنڈانے کے بعد عمرہ کا احرام باندھا یا سرمنڈانے سے پہلے عمرہ کا احرام باندھا تو دونوں احرام جمع ہونے کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔

جس کا حج فوت ہو گیا، اس نے عمرہ یا حج کا احرام باندھا تو جس کا احرام اس نے باندھا ہے اسے ختم کر دے کیوں کہ جس کا حج رہ جائے وہ عمرہ کے افعال ادا کر کے احرام کھول دے، اس احرام کو عمرہ کے احرام میں تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی صورت میں دو عمروں کے افعال جمع ہو جائیں گے جو بدعت ہے، اس لیے اسے ترک کر دے، جیسا کہ

کوئی شخص دو حج کرنے کے احرام باندھے تو ان میں سے ایک قضا کرے کیوں کہ حج شروع کرنا درست تھا اور اسے پورا نہ کرنے کی وجہ سے دم واجب ہوگا کیوں کہ قبل از وقت احرام کھول دیا۔

**عمرہ کے بعد حج یا حج کے بعد عمرہ کرنے کے بارے میں جمہور کی رائے:**

جمہور فقہاء (۲۶۹) کی رائے یہ ہے کہ عمرہ کے بعد حج شروع کرنا جائز ہے بشرطیکہ عمرہ کا طواف شروع کرنے سے پہلے حج کا احرام باندھا ہو، حنفیہ کے نزدیک عمرہ کے طواف کے چار چکر پورے کرنے سے پہلے شروع کیا ہو تو بلا اختلاف ایسا شخص قارن ہوگا۔ اگر عمرہ کا طواف کرنے کے بعد حج کا احرام باندھا تو یہ درست نہیں۔ اس طرح قارن نہیں ہوگا۔ کیوں کہ اب اس نے عمرہ کا احرام کھولنا شروع کر دیا ہے، اس موقع پر حج کا احرام باندھنا صحیح نہیں۔

ان کی دلیل ابن عمرؓ کا فعل ہے کہ انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا، پھر اس کے ساتھ حج جمع کر لیا اور فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا (۲۷۰)۔

حج پر عمرہ شروع کرنا جائز نہیں جیسا کہ حنفیہ نے اس کی وضاحت کی ہے کہ اس صورت میں قارن ہو جائے گا جب کہ جمہور کے نزدیک یہ جائز نہیں اور قارن نہیں ہوگا، جیسا کہ الاثرم نے روایت کی کہ حضرت علیؓ نے اس سے منع کیا تھا کہ حج پر عمرہ داخل کرنے کا اور کوئی فائدہ نہیں بجز اس کے جس کا فائدہ پہلے احرام سے حاصل ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے پہلے سے کرایہ پر لی ہوئی کسی چیز کو اسی مدت کے لیے دوبارہ کرایہ پر لینا جو ایک لا حاصل عمل ہے۔

## حج فسخ کر کے اسے عمرہ میں تبدیل کر دینا:

یعنی حج کے احرام کی نیت بدل کر اسے عمرہ کر لینا، علماء کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرامؓ سے کہا تھا کہ حج کا احرام ختم کر کے عمرہ مکمل کر لو اور فرمایا: ”احرام کھول دو، بیت اللہ کا طواف کرو، صفا و مروہ کے درمیان سعی کرو اور بال کٹوا لو اور حلال ہونے کی حیثیت سے رہو۔ اگر میں قربانی کا جانور ساتھ نہ لایا ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جس کا میں تمہیں حکم دے رہا ہوں لیکن میں اس وقت تک احرام نہیں کھول سکتا جب تک کہ قربانی کا جانور اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے“ (۲۷۱)۔ مشہور روایت میں یہ الفاظ ہیں: ”اگر مجھے پہلے اس بات کا خیال ہوتا جس کا اب خیال آیا ہے تو میں قربانی کا جانور ساتھ نہ لاتا اور اسے عمرہ بنا دیتا“۔ جو صحابہؓ قربانی کا جانور ساتھ نہیں لائے تھے آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ احرام کھول دیں اور اپنے حج کے احرام کو عمرہ میں تبدیل کر دیں۔

البتہ اس امر میں علماء میں اختلاف ہے کہ کیا حج کے احرام کو فسخ کر کے عمرہ کر دینا صرف اسی سال کے لیے اور صحابہؓ کے ساتھ مختص تھا یا یہ حکم عام ہے اور قیامت تک سب لوگوں کے لیے باقی ہے؟ (۲۷۲)

حنابلہ اور ظاہریہ کہتے ہیں کہ یہ حکم خاص نہیں تھا بلکہ قیامت تک باقی ہے، جو کوئی بھی حج کا احرام باندھے، اس کے ساتھ قربانی کا جانور نہ ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ اسے عمرہ میں بدل کر عمرہ کے افعال ادا کر کے احرام کھول دے۔

جمہور (مالکیہ، حنفیہ اور شافعیہ) کہتے ہیں کہ یہ حکم اس سال کے لوگوں کے ساتھ مختص تھا اس کے بعد جائز نہیں۔ یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے دیا تھا تا کہ جاہلیت کی اس رسم کو ختم کیا جائے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا حرام ہے، کیوں کہ مسلم

میں حضرت ابو ذرؓ کی حدیث ہے کہ ”حج کو عمرہ میں تبدیل کرنے کی اجازت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو تھی۔“

نسائی میں ہے کہ حارث بن بلالؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، یا رسول اللہ، کیا حج فسخ کر کے عمرہ کرنا ہمارے ساتھ مختص ہے یا سب لوگوں کے لیے ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہمارے ساتھ مختص ہے۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں: دو قسم کے متعے جو عہد نبوی میں رائج تھے میں ان سے منع کرتا ہوں اور ان کے کرنے پر سزا دوں گا ایک نکاح متعہ اور دوسرا حج متعہ۔

حضرت عثمانؓ کی رائے بھی یہی ہے، وہ کہتے ہیں: حج متعہ صرف ہمارے لیے تھا، تمہارے لیے جائز نہیں ابو ذر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے: ہمارے بعد کسی کے لیے جائز نہیں کہ حج کا احرام باندھے اور پھر اسے فسخ کر کے عمرہ بنا لے۔

اس کی تائید اس آیت ربانی سے بھی ہوتی ہے: **وَاتِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ (اللہ کے لیے حج اور عمرہ مکمل کیا کرو، البقرہ، ۲: ۱۹۶)۔**

## مطلب دوم: طواف

اس کی اقسام: ہر قسم کا حکم اور اس کی شرائط (طواف کی جگہ، وقت اور مقدار) اور طواف کی سنتیں:

### ۱- طواف کی اقسام اور ہر قسم کا حکم (۲۷۳)۔

حج میں تین قسم کے طواف کا حکم ہے: طواف قدوم، طواف افاضہ (یا طواف زیارت یا طواف رکن) اور طواف وداع (یا طواف صدر) یہ بیت اللہ کا آخری طواف ہے، اس کا



یہ نام اس لیے ہے کہ اس طواف کے ذریعے آدمی وہاں سے رخصت ہو کر روانہ ہوتا ہے۔ ان کے سوا جو طواف ہیں وہ نفل ہیں۔ سعی کی صرف ایک ہی قسم ہے اور سعی طواف کے بعد ہی ہوتی ہے۔ اگر کسی نے طواف قدوم کے ساتھ سعی کر لی تو بعد میں نہ کرے اور اگر اس وقت نہیں کی تو طواف زیارت کے ساتھ سعی کرے۔

اس امر پر اجماع ہے کہ مکہ میں رہنے والے پر صرف طواف افاضہ ہی واجب ہے، اور اس پر بھی اجماع ہے کہ عمرہ کرنے والے پر عمرہ کا طواف واجب ہے، طواف قدوم نہیں اور اس پر بھی اجماع ہے کہ تمتع کرنے والے پر دو طواف واجب ہیں ایک عمرہ کا طواف، جس کے بعد احرام کھول دے اور دوسرا حج کا طواف قربانی کے دن۔

مفرد حج کرنے والے پر صرف ایک طواف قربانی کے دن واجب ہے، مالکیہ کے نزدیک اگر وقت میں گنجائش ہو تو اس پر طواف قدوم کرنا واجب ہے جو جمہور کے نزدیک سنت ہے۔

قارن کے لیے جمہور کے نزدیک ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے، جو ابن عمرؓ اور حضرت جابرؓ کا مذہب ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ قارن پر دو طواف اور دو سعی واجب ہیں جو حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کا مذہب ہے۔

اس امر پر اجماع ہے کہ ان تین طواف میں سے جو واجب ہے جس کے فوت ہونے سے حج فوت ہو جاتا ہے وہ طواف افاضہ ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: *ولیطوفوا بالبيت العتيق (بيت عتيق کا طواف کریں الحج، ۲۲: ۲۹)* اس کے چھوٹ جانے کا کفارہ دم (قربانی) کے ذریعے سے نہیں دیا جاسکتا۔

مالکیہ کے سوا تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر طواف افاضہ کرنا بھول جائے تو طواف قدوم

اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا کیوں کہ طواف افاضہ قربانی کے دن سے پہلے کرنا ہوتا ہے۔

جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی نے طواف افاضہ نہ کیا تو طواف وداع طواف افاضہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے کیوں کہ طواف وداع بھی طواف ہے اور ایسے وقت میں کیا جا رہا ہے جب کہ طواف افاضہ واجب تھا، اس کے برعکس طواف قدوم طواف افاضہ کے واجب ہونے سے پہلے کر لیا جاتا ہے۔

الغرض عمرہ میں طواف قدوم نہیں ہے، اس میں ایک ہی طواف ہے جسے طواف فرض یا طواف رکن کہتے ہیں۔ اگر عمرہ کے لیے طواف کر لیا تو وہ طواف قدوم اور طواف فرض کے طور پر کافی ہو جاتا ہے۔

قارن اور مفرد حج کرنے والا تین طواف کرے: طواف قدوم، طواف افاضہ اور طواف وداع، مذکورہ طوافوں کے سوا چوتھا نفل طواف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک قارن کے لیے ایک طواف کافی نہیں بلکہ اسے دو طواف کرنے ہوں گے ایک عمرہ کے لیے اور ایک حج کے لیے۔ اگر مفرد یا قارن نے مکہ کے سوا کسی اور جگہ سے احرام باندھا اور وقوف عرفہ سے قبل مکہ میں داخل ہو گیا تو طواف قدوم بھی کرے۔

طواف قدوم جمہور فقہاء کے نزدیک اس حاجی کے لیے سنت ہے جو وقوف عرفہ سے قبل مکہ میں داخل ہوا، خواہ مفرد ہو یا قارن، مکہ میں رہنے والوں پر طواف قدوم نہیں ہے کیوں کہ وہ کہیں باہر سے نہیں آئے۔ مکہ میں باہر سے آنے والوں کے لیے طواف قدوم سنت ہے جو صحیحین کی روایت سے ثابت ہے۔ وقوف عرفہ کے بعد حاجی کے لیے طواف قدوم سنت نہیں ہے اور نہ عمرہ کرنے والے کے لیے سنت ہے کیوں کہ ان کے لیے فرض طواف کا وقت شروع ہو گیا ہے۔

تین طرح کے آدمی سے طواف قدوم معاف ہے: مکہ میں رہنے والے یا جو شخص میقات کے اندر رہتا ہو، عمرہ کرنے والے کے لیے اور حج تمتع کرنے والے کے لیے، خواہ آفاقی ہو اور جو شخص سیدھا عرفات میں وقوف کے لیے پہنچ جائے۔ مالکیہ کے نزدیک جو شخص حرم کے باہر سے احرام باندھتا ہے خواہ مکہ کا رہنے والا ہو، اس کے لیے طواف قدوم واجب ہے اور اگر وقت میں گنجائش ہو اور کوئی شخص طواف قدوم چھوڑ کر سیدھا عرفات پہنچ جائے تو اس پر فدیہ واجب ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں: تمتع کرنے والا طواف افاضہ سے پہلے طواف قدوم کرے پھر طواف افاضہ کرے۔

شافعیہ کے نزدیک جس نے احرام نہ باندھا ہو اس کے لیے بھی جب وہ مکہ میں داخل ہو تو طواف قدوم سنت ہے کیوں کہ اس کا نام ہی بتاتا ہے کہ جو کوئی مکہ میں آ رہا ہے وہ طواف کرے اسی لیے اسے طواف قادم، طواف ورود، طواف وارد اور طواف تحیہ بھی کہتے ہیں۔

اس کی حکمت یہ ہے کہ جس طرح مسجد میں داخل ہونے کا ادب یہ ہے کہ سب سے پہلے تحیۃ المسجد پڑھے، اسی طرح بیت اللہ کا ادب یہ ہے کہ سب سے پہلے طواف کرے، کیوں کہ مسجد حرام میں جانے کا مقصد بیت اللہ کی زیارت ہے اور اس کا تحیہ طواف ہے۔

اگر فرض نماز یا سنت مؤکدہ فوت ہو جانے کا خوف ہو یا جماعت کھڑی ہو یا کوئی فوت نماز یاد آ جائے تو پہلے طواف نہ کرے بلکہ پہلے انہیں ادا کرے، پھر طواف کرے۔

اگر طواف کر رہا ہو اور نماز کھڑی ہو جائے تو طواف منقطع کر کے نماز پڑھے، اگر نفل طواف کر رہا ہو اور جنازہ آ جائے تو طواف منقطع کر کے جنازہ میں شریک ہو۔

احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہونے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ پہلے مکان وغیرہ کرائے پر لینے میں مصروف ہونے کے بجائے طواف قدوم کرے۔

البتہ اگر کوئی خوبصورت اور باوقار عورت دن کے وقت مکہ میں داخل ہوتی ہے اور وہ مردوں کے سامنے نہیں جاتی تو اس کے لیے مسنون یہ ہے کہ طواف کورات تک مؤخر کر دے۔  
اگر مسجد حرام میں داخل ہوا اور اس وقت لوگوں کو طواف سے روک دیا گیا ہے تو تحیۃ المسجد پڑھ لے۔ مسجد میں بیٹھ جانے کی وجہ سے طواف قدوم فوت نہیں ہوتا جب کہ مسجد میں بیٹھ جانے سے تحیۃ المسجد فوت ہو جاتی ہے۔ البتہ وقوف عرفات سے طواف قدوم فوت ہو جاتا ہے جب کہ مکہ سے نکلنے سے فوت نہیں ہوتا۔

حنفیہ کے نزدیک قارن عمرہ کے اعمال یعنی طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی مکمل کرنے کے بعد طواف قدوم کرے۔

مالکیہ کہتے ہیں جو کوئی مسجد حرام میں داخل ہو اس پر طواف قدوم واجب ہے اور اسے وجوب کی نیت کرنی چاہیے تاکہ واجب ادا ہو۔ اگر نفل طواف کی نیت کی تو واجب کی نیت کر کے دوبارہ طواف کرے اور اگر نفل طواف کے بعد سعی کی تھی تو دوبارہ سعی کرے تاکہ واجب ادا ہو۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ دوبارہ یہ اعمال کرنے سے حج فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور اگر حج فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو دوبارہ نہ کرے بلکہ طواف افاضہ کے بعد سعی کر لے اور اگر وقت میں گنجائش ہونے کے باوجود طواف قدوم نہیں کیا تو کفارے کے طور پر قربانی دے اور اگر وقوف عرفہ کے فوت ہونے کا اندیشہ تھا تو کفارہ اور فدیہ معاف ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مالکیہ کے نزدیک طواف قدوم تین شرائط کے ساتھ واجب ہے: مفرد اور قارن نے حرم کے باہر سے احرام باندھا ہو، خواہ مکہ کا رہنے والا ہو اور وقت اتنا تنگ نہ ہو کہ اگر طواف قدوم میں مصروف ہو گیا تو حج فوت ہو جائے گا۔ اگر حج فوت

ہونے کا اندیشہ ہو تو طواف قدوم چھوڑ دے اور عرفات کو چلا جائے اور حرم میں عمرہ کے ساتھ حج نہ ملائے۔ اگر ان تین شرائط میں سے کوئی بھی شرط نہ پائی جائے تو طواف قدوم واجب نہیں اور کفارہ بھی واجب نہیں۔ دم (قربانی) اس شخص پر واجب ہے جو دو شرائط کے ساتھ طواف قدوم ترک کر دیتا ہے۔ (۱) اس طواف کے بعد طواف افاضہ سے پہلے سعی کر لیتا ہے۔ (۲) طواف افاضہ کے بعد دوبارہ سعی نہیں کرتا حتیٰ کہ اپنے وطن واپس چلا جاتا ہے۔ اگر طواف افاضہ کے بعد سعی کر لیتا ہے تو اس کے ذمے دم نہیں ہے۔

طواف افاضہ یا طواف زیارت (۲۷۴) کے بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ حج کا رکن ہے اور اس کے بغیر حج مکمل نہیں ہوتا کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: *ولیطوفوا بالبیت العتیق* (بیت عتیق کا طواف کریں، الحج ۲۲: ۲۹) ابن عبد البر کہتے ہیں کہ یہ حج کے فرائض میں سے ہے اور اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ”ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا تو ہم نے قربانی کے دن طواف افاضہ کیا، صفیہؓ کو حیض آ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ہم بستری کی خواہش کی تو میں نے کہا، انہیں تو حیض آ گیا ہے، آپؐ نے فرمایا، تو کیا ان کی وجہ سے ہمیں رکنا پڑے گا، بتایا گیا کہ انہوں نے قربانی کے دن طواف افاضہ کر لیا تھا، آپؐ نے فرمایا: ٹھیک ہے چل پڑو“ (۲۷۵)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف افاضہ ضروری ہے اور اگر کوئی شخص نہیں کر پاتا تو اسے رکنا پڑتا ہے کیوں کہ حج میں دو ہی ارکان ہیں، ایک ان میں سے طواف ہے جو عمرہ کی طرح حج میں بھی رکن ہے۔

جو کوئی طواف زیارت چھوڑ دے تو جب بھی ممکن ہو احرام باندھ کر اپنے وطن سے واپس آ کر طواف کرے، اور کوئی چیز اس کمی کو پورا نہیں کر سکتی، کیوں کہ حضرت صفیہؓ کے

قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حیض آنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا اس کی وجہ سے ہمیں رکنا پڑے گا؟ کہا گیا کہ انہوں نے قربانی کے دن طواف افاضہ کر لیا تھا، تو آپ نے فرمایا، پھر چل پڑو“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کوئی طواف زیارت نہیں کر سکتا اسے رکنا پڑتا ہے۔ اگر وہ احرام کھول کر حلال ہو جانا چاہتا ہے تو حلال نہیں ہو سکتا، کیوں کہ احرام سے محض نیت کے ذریعے نہیں نکل سکتا۔ اگر کوئی شخص قربانی کے دنوں کو طواف افاضہ نہیں کر سکتا تو طواف معاف نہیں ہوگا بلکہ یہ طواف کرنا واجب ہے کیوں کہ تمام اوقات اس طواف کا وقت ہے۔

### طواف وداع (۲۷۶):

جو شخص مکہ سے نکلنا چاہتا ہے اس کے لیے مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے خواہ وہ مکہ کا رہنے والا ہو اور باہر جانا چاہتا ہو، چوں کہ طواف وداع حیض و نفاس والی عورتوں پر واجب نہیں اس لیے اگر واجب ہوتا تو طواف زیارت کی طرح ان پر بھی واجب ہوتا۔

باقی مذاہب میں طواف وداع واجب ہے اور اس کی کمی دم کے ذریعے پوری کی جا سکتی ہے کیوں کہ ابن عباسؓ کا قول ہے: ”لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ آخر میں بیت اللہ سے ہو کر روانہ ہوں البتہ حیض والی عورتوں کے لیے معافی ہے“ (۲۷۷)۔ مسلم کے الفاظ یوں ہیں: ”لوگ ہر طرف سے واپس جا رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص بیت اللہ سے ہوئے بغیر واپس نہ جائے“۔ ترمذی میں حضرت عمرؓ کی روایت ہے: ”جو شخص حج کرے وہ سب سے آخر میں بیت اللہ سے رخصت ہو البتہ حیض والی عورتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت دے دی تھی“ (۲۷۸)۔ معذور سے طواف وداع معاف ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں کو بھی معاف ہے جیسے نماز حیض والی عورتوں کو

معاف ہے لیکن دوسروں پر فرض ہے۔ طواف وداع کے سلسلے میں حیض والی عورتوں کے استثناء سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کے لیے واجب ہے۔

### طواف وداع چھوڑنے کا فدیہ:

جب طواف وداع کا وجوب ثابت ہو گیا تو یہ بالاتفاق رکن نہیں ہے۔ اس لیے دوسرے تمام واجبات کی طرح اس کی کمی بھی دم (قربانی) کے ذریعے پوری ہوگی۔ اگر کوئی حاجی مکہ یا منیٰ سے روانہ ہو گیا اور دانستہ یا بھولے سے یا طواف وداع کے وجوب کا علم نہ ہونے کے باعث طواف کیے بغیر روانہ ہو گیا تو اگر مکہ سے قصر کی مسافت سے کم فاصلے پر سے واپس آ کر طواف وداع کر لیا اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کا واجب ادا ہو گیا، کیوں کہ جو شخص قصر کی مسافت سے کم فاصلے پر ہے گویا وہ وہیں موجود ہے اسے نہ نماز قصر کرنے کی اجازت ہے نہ روزہ چھوڑنے کی، اس لیے اسے مسجد حرام میں حاضر سمجھا جائے گا۔

روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو مرالظہر ان سے واپس بھیجا تا کہ بیت اللہ کا طواف کر کے روانہ ہو (۲۷۹)۔ پس اگر قریب ہے تو واپس آجائے، اور قریب سے مراد یہ ہے کہ قصر کی مسافت سے کم فاصلے پر ہو اور اگر دور ہے یعنی قصر کی مسافت کو پہنچ گیا ہے تو قربانی کا جانور بھیجے۔

### طواف وداع کی شرائط:

طواف وداع کی کچھ وجوب کی شرائط ہیں اور کچھ اس کے صحیح ہونے کی یا جائز ہونے کی شرائط ہیں۔ وجوب کی شرائط میں سے اہم دو شرائط ہیں:

۱- حاجی آفاقی ہو، حنفیہ کے نزدیک مکہ کے رہنے والے یا میقات کے اندر رہنے والے حج کریں تو ان کے لیے طواف وداع نہیں ہے کیوں کہ یہ طواف بیت اللہ سے رخصتی کے

لیے واجب ہوا ہے۔ حنابلہ کے نزدیک جس کسی کا گھر حرم کے اندر ہو وہ مکہ میں رہنے والے کی طرح ہے اور جو حرم کے باہر خواہ قریب ہی رہتا ہو وہ طواف وداع کیے بغیر نہ جائے کیوں کہ حدیث عام ہے: ”تم میں سے کوئی شخص بیت اللہ کی آخری زیارت کیے بغیر سفر نہ کرے“ (۲۸۰)۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ جو شخص مکہ سے سفر کے ارادے سے نکل رہا ہو، خواہ مکہ کا ہو یا باہر کا، سفر طویل ہو یا مختصر طواف وداع کیے بغیر روانہ نہ ہو، کیوں کہ ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا حدیث کا یہی تقاضا ہے۔ نیز حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حج کے اعمال سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے طواف وداع کیا“۔ یہ عموم مالکیہ کے نزدیک مکہ میں رہنے والے کے لیے مستحب ہے، جیسا کہ ہمیں معلوم ہے۔

۲- حیض و نفاس سے پاک ہو: حیض و نفاس والی عورت پر طواف وداع نہیں ہے اور نہ اس پر طواف وداع چھوڑنے کا کوئی کفارہ ہے، کیوں کہ حدیث میں ہے: ”آپؐ نے حیض والی عورتوں کے لیے یہ طواف چھوڑنے کی رخصت دے دی اور اس کا کوئی بدل مقرر نہیں کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر طواف وداع واجب نہیں ہے۔ اگر واجب ہوتا تو کفارے یا فدیے کے بغیر اسے چھوڑنا جائز نہ ہوتا یعنی اس کے بدلے میں دم (قربانی) دینا پڑتا۔ اگر عورت کو طواف وداع کرنے سے پہلے حیض آ جائے تو طواف کیے بغیر سفر پر روانہ ہو جائے اور اس پر بالاتفاق کوئی فدیہ نہیں کیوں کہ اوپر مذکور حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ حضرت صفیہؓ کو حیض آ گیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طواف وداع کیے بغیر واپسی کا حکم دے دیا۔

اس طواف کے وجوب کے لیے حدث اور جنابت سے پاک ہونا شرط نہیں۔ بے وضو اور جنبی پر بھی طواف وداع واجب ہے، کیوں کہ حدث اور جنابت سے پاک ہونا ممکن ہے۔



## طواف وداع کے درست ہونے کی دو شرطیں:

۱- نیت: چوں کہ یہ عبادت ہے اس لیے اس کی نیت ضروری ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک نیت کی تعیین ضروری نہیں۔ اگر طواف زیارت کے بعد بلا تعیین کوئی طواف کر لیا، یا نفل طواف کیا تو وہ طواف وداع سمجھا جائے گا کیوں کہ وقت خود اس کی تعیین کرتا ہے۔ رمضان کے روزے کی طرح مطلق نیت سے طواف وداع ادا ہو جاتا ہے۔

۲- طواف زیارت کے بعد ہو: اگر کسی نے عرفہ سے واپسی پر کسی نیت کے بغیر یا نفل کی نیت سے یا طواف وداع کی نیت سے طواف کیا تو وہ طواف زیارت شمار ہوگا۔ طواف وداع نہیں، کیوں کہ یہ وقت طواف زیارت کا ہے، طواف وداع کا وقت طواف زیارت کے بعد کا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک طواف افاضہ اور عمرہ کے طواف سے بھی طواف وداع ادا ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس کی نیت کی ہو جیسا کہ فرض ادا کرنے سے تہیہ المسجد ساتھ ادا ہو جاتی ہے۔ اس طواف کی مقدار، طریقہ اور اس کی سنتیں باقی تمام طوافوں کی طرح ہیں، جن کا ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں:

**طواف وداع کا وقت:** جب آدمی حج کے تمام امور سے فارغ ہو کر مکہ سے سفر کی نیت کرے تو سب سے آخر میں بیت اللہ کا طواف کرے۔

یہ حنفیہ کے نزدیک اس کا مستحب یا افضل وقت ہے۔ اگر کسی شخص نے مکہ میں ہی طویل قیام کر لیا لیکن اسے وطن نہیں بنایا تو خواہ طواف کے بعد ایک سال وہاں ٹھہرا رہا ہو اس کا طواف درست ہے اور حنفیہ کے نزدیک قربانی کے ایام میں اور ان کے بعد بھی طواف وداع صحیح ہے، جب بھی کرے گا ادا سمجھا جائے گا، قضا نہیں۔

حنفیہ کے سوا جمہور کے نزدیک جب حاجی مکہ سے جانے لگے تو طواف وداع کرے تاکہ آخر میں بیت اللہ کی زیارت ہو۔ اگر کسی نے طواف وداع کر لیا، پھر وہاں تجارت میں مصروف ہو گیا یا ٹھہر گیا تو دوبارہ طواف وداع کرے کیوں کہ حدیث میں یہی ہے کہ ”کوئی مکہ سے اس وقت تک نہ نکلے حتیٰ کہ سب سے آخر میں بیت اللہ کی زیارت کرے“۔ اگر طواف وداع کے بعد بھی وہاں ٹھہرا رہا تو گویا معمول کے مطابق اس نے مکہ چھوڑ دیا جو درست نہیں جیسا کہ روانگی سے پہلے طواف وداع کر لینا درست نہیں۔

البتہ اگر راستے میں چلتے ہوئے کوئی ضرورت پوری کر لی یا راستے میں اپنے لیے کوئی سامان یا اور کوئی چیز خرید لی تو دوبارہ طواف کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ اس صورت میں اس نے اقامت اختیار نہیں کی کہ یہ سمجھا جائے کہ سب سے آخر میں بیت اللہ کا طواف نہیں کیا گیا۔

### طواف کی جگہ:

بیت اللہ کے ارد گرد ہے، طواف بیت اللہ کا ہی جائز ہے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”جس نے اس گھر کا حج کیا وہ سب سے آخر میں طواف کرے“۔ اور گھر کے طواف کا مطلب اس کے ارد گرد گھومنا ہے۔ اگر کوئی شخص طواف کیے بغیر سفر پر روانہ ہو گیا تو حنفیہ کے نزدیک جب تک میقات کے اندر ہے واپس لوٹ آئے اور طواف کرے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک قصر کی مقدار سفر کے اندر ہے تو واپس آ جائے کیوں کہ اس نے واجب طواف کو چھوڑ دیا ہے اور نیا احرام باندھے بغیر واپس لوٹ آنا اس کے لیے ممکن ہے۔ اگر حنفیہ کے نزدیک میقات سے آگے نکل گیا یا شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک قصر کی مقدار سفر کر چکا تو واپس لوٹنا واجب نہیں۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ نہ لوٹے اور طواف کی جگہ دم (قربانی

دے کیوں کہ اس میں فقرا کا فائدہ ہے اور اس میں آسانی بھی ہے کہ سفر کی مشقت سے بچ جائے گا اور دوبارہ عمرہ کے لیے احرام نہیں باندھنا پڑے گا، کیوں کہ اگر واپس لوٹے گا تو عمرہ کا احرام باندھ کر واپس آنا ہوگا اور عمرہ کا طواف اور سعی کرنے کے بعد طواف وداع کرنا ہوگا۔ حنفیہ کے نزدیک اور حنابلہ کی اصح روایت کے مطابق اگر چلا گیا تو اس پر اس وجہ سے کوئی کفارہ نہیں کہ طواف وداع وقت پر نہیں کیا۔

شافعیہ اور قاضی ابو یعلیٰ حنبلی کے نزدیک اگر قصر کی مقدار سفر طے کرنے کے بعد واپس بھی آجاتا ہے تو اس پر کفارہ واجب رہے گا۔ کیوں کہ طویل سفر یعنی قصر کی مقدار مسافت کے باعث اس پر دم واجب ہو گیا تھا۔

طواف وداع کے بعد دو رکعات نماز پڑھنا، ملتزم پر کھڑے ہونا، حطیم پر کھڑے ہونا، دعا کرنا، آب زمزم پینا اور حجر اسود کو بوسہ دینا۔

جب طواف وداع کرنے والا طواف کے سات چکر پورے کر چکے اور تمام امور سے فارغ ہو جائے تو جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا دو رکعات نماز پڑھ لے، اور مستحب یہ ہے کہ رخصت ہونے والا ملتزم (رکن یعنی حجر اسود اور دروازے کے درمیان چار ہاتھ جگہ ہے) کے ساتھ اپنا سینہ چمٹا لے اور اپنا چہرہ وہاں لگا دے اور بازو پھیلا دے، دایاں پہلو دروازے کی طرف اور بائیں حجر اسود کی طرف ہو اور اللہ سے دعا کرے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی (۲۸۱)۔

حطیم میں میزاب (پرنا لے) کے نیچے آئے، پھر آب زمزم پیئے، حجر اسود کو استلام کرے، بوسہ دے۔ منصور کہتے ہیں کہ میں نے مجاہد سے پوچھا جب میں رخصت ہونے لگوں تو کیا کروں؟ انہوں نے کہا، خانہ کعبہ کے گرد سات چکر لگاؤ، مقام ابراہیم کے پیچھے

دور کعات پڑھو، پھر زمزم پر آؤ، اس کا پانی پیو، پھر ملتزم پر جاؤ جو حجر اسود اور دروازے کے درمیان ہے، اس کا استلام کرو، پھر دعا کرو، اپنی حاجت مانگو، پھر حجر اسود کا استلام کرو اور پھر لوٹ جاؤ۔

فقہاء کہتے ہیں (۲۸۲) کہ ملتزم کے پاس اپنی دعا میں یہ الفاظ کہے:

”اے اللہ! یہ گھر تیرا گھر ہے، میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے کا بیٹا ہوں، تو نے اپنی تخلیقات کو میرے لیے تابع کر کے مجھے یہاں پہنچا دیا، مجھے اپنے شہروں میں پہنچا دیا حتیٰ کہ میں تیرے گھر کی زیارت کی نعمت سے سرفراز ہوا اور تو نے مجھے حج / عمرہ ادا کرنے کی توفیق دی، اگر تو مجھ سے راضی ہے تو اپنی رضا میں اضافہ فرما دے، ورنہ مجھ پر احسان فرما، قبل اس کے کہ میں تیرے گھر سے دور چلا جاؤں۔ اب میری واپسی کا وقت آ گیا ہے، اگر تو مجھے اجازت دے، تیرا نہ تیرے گھر کا کوئی بدل ہے، میں تجھ سے نہ تیرے گھر سے بے رغبتی کا اظہار کر سکتا ہوں، اے اللہ! میرا بدن تندرست رکھ، مجھے جسمانی صحت دے، میرے دین کی حفاظت فرما، میرے پلٹنے کی جگہ خوب صورت کر دے، جب تک میں زندہ ہوں مجھے اپنی طاعت کی توفیق دے، دنیا اور آخرت کی بھلائیاں میرے لیے جمع فرما دے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔“ عورت اگر حیض سے ہے تو مسجد میں داخل نہ ہو، دروازے پر کھڑے ہو کر دعا کرے۔

### واپسی کا طریقہ:

شافعیہ کے نزدیک صحیح مذہب اور باقی مذاہب کے مطابق رخصت ہونے والا اپنی پیٹھ خانہ کعبہ کی طرف کر کے رخصت ہو جائے، اٹے پاؤں نہ چلے، جیسا کہ بکثرت لوگ کرتے ہیں بلکہ اٹے پاؤں چلنا مکروہ ہے کیوں کہ ایسا نہ سنت ہے نہ کسی صحابی سے مروی

ہے، جس بات کی کوئی اصل نہ ہو اس کے بارے میں زحمت اٹھانا درست نہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جب مسجد کے دروازے سے نکلنے لگو تو پیچھے مڑ کر خانہ کعبہ پر نگاہ ڈالو اور کہو: ”خدایا، یہ میری آخری بار نہ ہو۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حج، عمرہ یا کسی غزوہ سے لوٹتے تو فرماتے: ”اللہ کی طرف لوٹ رہے ہیں، توبہ کرتے ہوئے، عبادت کرتے ہوئے، اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے، اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا ہی گروہوں کو شکست دے دی۔“

### حرم سے کوئی چیز لینا:

حرم کی مٹی یا پتھر اپنے ساتھ اپنے شہر میں حرم سے باہر لے جانا جائز نہیں، خانہ کعبہ کی خوشبو ساتھ لے جانا بھی جائز نہیں۔ نہ تبرک کے لیے، نہ کسی اور مقصد سے، جو کوئی ایسی کوئی چیز لے، اس پر واجب ہے کہ واپس رکھ آئے، خانہ کعبہ کے پردے کا کوئی ٹکڑا کاٹنا، اسے ساتھ لے جانا، اسے فروخت کرنا، خریدنا، قرآن حکیم کے اوراق میں رکھنا جائز نہیں۔ اگر کسی نے لیا ہو تو ضروری ہے کہ واپس کرے۔

حرم کے شکار کو مارنا، خواہ احرام میں ہو یا بغیر احرام کے ہو، اس کا مالک بننا اور اسے کھانا حرام ہے حرم سے آبِ زمزم لینا اور اپنے وطن لے جانا جائز ہے کیوں کہ پانی اور نکل آتا ہے جب کہ مٹی اور پتھر اور پیدا نہیں ہوتے۔

### ۲- طواف کی شرائط یا واجبات:

حقیقہ کے نزدیک طواف کے صحیح ہونے کی پانچ شرائط ہیں، مالکیہ کے نزدیک سات، شافعیہ کے نزدیک آٹھ اور حنابلہ کے نزدیک چودہ:

حنفیہ کے نزدیک طواف کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں (۲۸۳)۔

۱- طواف کی نیت: طواف اگر اپنے وقت اور موقع محل پر کیا جا رہا ہو تو محض طواف کی نیت کافی ہے، کسی متعین طواف کی نیت کرنا ضروری نہیں۔ اگر کسی نے سرے سے طواف کی نیت نہیں کی مثلاً بھاگتے ہوئے یا کسی قرض دار کا پیچھا کرتے ہوئے کعبہ کے گرد گھومتا رہا تو طواف نہیں ہوگا۔ طواف اور عرفہ میں یہی فرق ہے کہ طواف میں نیت ضروری ہے وقوف میں نہیں کیوں کہ وقوف عرفہ حج کا ایک رکن ہے اور جب ایک شخص نے حج کا احرام باندھا ہوا ہے تو وقوف عرفہ کے لیے اس کی سابقہ حج کی نیت ہی کافی ہے، جیسے نماز میں رکوع و سجود کی الگ نیت کرنا ضروری نہیں، جب کہ طواف کے لیے احرام باندھنا ضروری نہیں بلکہ حج کا احرام کھول کر طواف کیا جاتا ہے، اس وقت حاجی احرام میں نہیں ہوتا۔

۲- پیدل طواف کرے بلا عذر سوار نہ ہو: اگر کسی نے بلا عذر سواری پر طواف کیا تو جب تک مکہ میں ہے اس پر اعادہ واجب ہے اور اگر واپس وطن لوٹ گیا تو اس پر دم (قربانی) واجب ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: *وَلِيَطُوفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ (بیت عتیق کا طواف کریں، الحج ۲۲: ۲۹)* سوار حقیقتاً طواف کرنے والا نہیں ہوتا، پس اس میں جو کمی پیدا ہو جاتی ہے وہ دم دے کر پوری کی جانی واجب ہے۔

۳- طواف کی جگہ: بیت اللہ کے ارد گرد مسجد میں طواف کرے کیوں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: *وَالِيَطُوفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ (بیت عتیق کا طواف کریں، الحج ۲۲: ۹۲)* طواف بیت سے مراد بیت اللہ کے ارد گرد گھومنا ہے، مسجد حرام میں طواف جائز ہے خواہ بیت اللہ کے قریب ہو یا دور، بشرطیکہ مسجد میں ہو، اگر زمزم کے پیچھے سے مسجد کی دیوار کے قریب طواف کیا تب بھی جائز ہے کیوں کہ یہ بھی بیت اللہ کا طواف ہے۔ اگر کسی نے مسجد کے ارد گرد طواف کیا، اس

کے اور بیت اللہ کے درمیان مسجد کی دیواریں حائل ہیں تو جائز نہیں، کیوں کہ مسجد کی دیواریں رکاوٹ ہیں، یہ بیت اللہ کے اردگرد طواف نہیں ہے، اس لیے یہ طواف شمار نہیں ہوگا۔

حطیم کے باہر سے طواف کرے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے حطیم بیت اللہ کا حصہ ہے۔

۴- طواف کا وقت: طواف افاضہ کا وقت قربانی کے دن صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اس سے پہلے طواف افاضہ کرنا جائز نہیں۔ اس کا کوئی آخری وقت مقرر نہیں ہے بلکہ تمام شب و روز اس کا وقت ہیں۔ اگر کسی نے قربانی کے ایام سے مؤخر کر دیا تب بھی کوئی کفارہ واجب نہیں ہوگا کیوں کہ حدیث میں ہے۔ ”اب کر لو کوئی حرج نہیں“ لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک قربانی کے ایام کے بعد طواف افاضہ کرنے پر دم واجب ہوگا۔ اگر کوئی شخص طواف افاضہ کیے بغیر وطن لوٹ گیا تو پہلے احرام میں ہی واپس آ کر طواف کرے، نئے احرام کی ضرورت نہیں اور تاخیر ہو جانے پر دم ادا کرے۔

قربانی کے دن کی فجر سے پہلے اس لیے جائز نہیں کہ وہ وقت ایک دوسرے رکن یعنی وقوف عرفہ کے لیے مختص ہے اس لیے وہ طواف کا وقت نہیں ہو سکتا۔ یک وقت دو ارکان کے ادا کرنے کا وقت نہیں ہو سکتا۔

۵- طواف کے چکروں کی فرض مقدار: طواف کی فرض مقدار اکثر چکر یعنی تین پورے اور چوتھے چکر کا نصف سے زائد پورا کرنا فرض ہے پورے سات چکر لگانا واجب ہیں، فرض نہیں۔

حدث، جنابت، حیض اور نفاس سے پاک ہونا حنفیہ کے نزدیک طواف کے جواز کے لیے شرط نہیں اور فرض بھی نہیں بلکہ واجب ہے۔ طہارت کے بغیر بھی طواف جائز ہے

کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ولیطوفوا بالبیت العتیق (بیت عتیق کا طواف کریں، الحج ۲۲: ۲۹) طواف کا حکم مطلق ہے اس کے لیے طہارت کی شرط نہیں ہے۔ کتاب اللہ کے مطلق کو خبر واحد سے مقید کرنا جائز نہیں۔ اس لیے حدیث: ”طواف نماز ہے البتہ اللہ تعالیٰ نے اس میں باتیں کرنے کو مباح قرار دیا ہے“ (۲۸۴)۔ محض تشبیہ کے طور پر ہے، جیسے کہ ارشاد ربانی ہے: وازواجه امہاتہم (نبیؐ کی بیویاں تمہاری مائیں ہیں، الاحزاب، ۶: ۳۳) یعنی تمہاری ماؤں کی طرح ہیں، اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ طواف نماز کی طرح ہے یعنی ثواب میں یا فرض ہونے میں۔

اگر طہارت کے بغیر طواف کیا تو جب تک مکہ میں ہے اس کا اعادہ واجب ہے تاکہ اسی نوع کے عمل سے تلافی ہو سکے۔ اگر قربانی کے ایام میں اعادہ کر لیا تو کوئی کفارہ واجب نہیں۔ اگر اس سے تاخیر کر دی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے ذمے دم (قربانی) ہے۔ اگر اعادہ نہ کیا اور اپنے وطن لوٹ گیا تو کفارے میں دم (قربانی) دے البتہ اگر بے وضو طواف کیا ہے تو بکری کی قربانی دے کیوں کہ کوتاہی کم درجے کی ہے اور اگر جنبی تھا تو اونٹ ذبح کرے کیوں کہ کوتاہی سخت ہے۔

وقفے کے بغیر طواف کرنا حنفیہ کے نزدیک شرط نہیں ہے۔ اگر طواف کرنے والے نے درمیان میں نمازہ جنازہ یا فرض نماز پڑھ لی یا نیا وضو کرنے چلا گیا تو واپس آ کر وہیں سے آگے طواف کرے جہاں چھوڑا تھا، نیا طواف کرنا ضروری نہیں، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ولیطوفوا بالبیت العتیق (بیت عتیق کا طواف کریں) اس میں وقفے کے بغیر طواف کرنے کی شرط نہیں ہے۔

حنفیہ کے نزدیک حجر اسود سے شروع کرنا بھی شرط نہیں بلکہ ظاہر الروایت میں یہ سنت



ہے۔ اگر بلا عذر کسی دوسری جگہ سے طواف شروع کر دیا تب بھی جائز ہے مگر مکروہ ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: **وَلِيَطُوفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ** (پرانے گھر کا طواف کریں، الحج، ۲۹:۲۲) مطلق ہے اس میں حجر اسود سے شروع کرنے کی شرط نہیں ہے۔

موزے یا جوتے اگر پاک ہوں تو پہن کر طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتے پہن کر طواف کیا تھا، جیسا کہ کاسانی نے ذکر کیا۔ مالکیہ کے نزدیک طواف کی سات شرائط ہیں، جو یہ ہیں (۲۸۵)۔

۱- حدث اور نجاست سے طہارت اور ستر پوشی جیسا کہ نماز میں ہے البتہ طواف میں بات چیت کرنا جائز ہے۔

۲- چکروں کے درمیان زیادہ وقفہ نہ ہو۔ اگر کسی ضرورت کے تحت یا بلا ضرورت وقفہ کر لیا تو نئے سرے سے طواف شروع کرے۔

اگر مستقل امام کے پیچھے فرض نماز کی جماعت کھڑی ہو جائے تو طواف چھوڑ دینا واجب ہے، مستقل امام وہ ہے جو مقام ابراہیم پر کھڑا ہوتا ہے جسے مقام شافعی بھی کہتے ہیں۔ غیر مستقل امام کے لیے طواف نہ چھوڑے۔ اگر چکر کے درمیان جماعت کھڑی ہو جائے تو مستحب یہ ہے کہ وہ چکر پورا کر لے یعنی حجر اسود تک پہنچ کر چھوڑے تاکہ اگلا چکر حجر اسود سے شروع کر سکے۔ اگر مکمل نہیں کر سکتا تو جس جگہ چکر چھوڑا ہے وہیں سے آگے جاری رکھے اور فرض نماز کا سلام پھیرنے کے بعد نوافل پڑھنے سے پہلے طواف دوبارہ شروع کر دے۔

حاصل یہ ہے کہ فرض نماز کی وجہ سے طواف باطل نہیں ہوتا۔ نوافل اور نماز جنازہ کے باعث باطل ہو جاتا ہے۔ کسی عذر مثلاً نکسیر وغیرہ کے باعث باطل نہیں ہوتا بلکہ خون

دھونے کے بعد وہیں سے طواف آگے جاری رکھے بشرطیکہ خون دھونے کے لیے قریب کی جگہ چھوڑ کر دور نہ جائے اور جہاں جائے وہ جگہ بذات خود دور نہ ہو اور اس دوران نجاست سے پاؤں نہ لگیں۔

۳- ترتیب: بیت اللہ کو بائیں طرف رکھے اور حجر اسود سے ابتدا کرے۔

۴- طواف کرتے وقت تمام بدن بیت اللہ سے باہر ہو، شاذروان اور حجر پر نہ چلے۔

۵- مسجد کے اندر طواف کرے، مسجد کے باہر طواف درست نہیں۔

۶- طواف کے سات چکر پورے کرے، حجر اسود سے واپس حجر اسود تک ایک چکر ہوتا ہے۔

سات سے کم چکر لگانے سے طواف نہیں ہوتا، اگر کسی نے چھ چکر لگائے تو جائز نہیں۔ اگر شک پڑ جائے کہ تین چکر ہوئے یا چار تو کم تعداد کو یقینی جان کر سات چکر پورے کرے۔

۷- طواف کے بعد دو رکعات نماز: جو شخص پیدل طواف کر سکتا ہو اس کے لیے پیدل

طواف کرنا مالکیہ کے نزدیک واجب ہے جیسا کہ پیدل سعی کرنا واجب ہے۔ اگر پیدل

چل سکتا ہو اور سوار ہو کر یا اٹھا کر طواف کرایا جائے تو اگر طواف کا اعادہ نہیں کیا بلکہ مکہ

سے چلا گیا تو دم ادا کرے اور اگر اپنے شہر سے واپس آ کر پیدل طواف کر لیا تو دم واجب

نہیں ہوگا۔ جو شخص پیدل نہیں چل سکتا۔ اس کے ذمے نہ اعادہ ہے نہ دم۔

حجر اسود سے طواف شروع کرنا مالکیہ کے نزدیک واجب ہے۔ اگر کسی اور جگہ سے

شروع کیا تو دم ادا کرے۔

مالکیہ کے نزدیک طواف افاضہ کا وقت قربانی کے دن کی صبح صادق سے شروع ہوتا

ہے۔ جیسا کہ حنفیہ کے نزدیک اس سے پہلے جائز نہیں، جیسا کہ اس دن کی صبح سے پہلے

حجر عقبہ پر کنکریاں مارنا جائز نہیں۔

شافعیہ کے نزدیک طواف کے واجبات، جو شرائط اور آٹھ ارکان دونوں پر مشتمل ہیں مندرجہ ذیل ہیں (۲۸۶)۔

۱- نماز کی طرح طواف میں بھی ستر ڈھانپنا، جیسا کہ صحیحین میں ہے: ”ننگا آدمی بیت اللہ کا طواف نہ کرے“۔ اگر کسی کے پاس پہننے کو کچھ نہیں تھا، اس نے برہنہ طواف کیا تو درست ہے جیسا کہ اس حالت میں نماز درست ہو جاتی ہے۔

۲، ۳- حدث اور کپڑے، بدن اور جگہ کی نجاست سے پاک ہونا، کیوں کہ بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح ہے جیسا کہ اوپر حدیث میں ہے۔ اگر کسی کو حدث لاحق ہو گیا یا اس کا بدن، کپڑا یا مطاف اتنی مقدار میں ناپاک ہو گیا جس کی معافی نہیں ہے یا طواف کے دوران ستر ڈھانپنے پر قادر ہونے کے باوجود ننگا ہو گیا تو پاک ہو کر ستر ڈھانپ کر وہیں سے آگے طواف شروع کرے۔ اگر دانستہ اس نے ان میں کوئی کام کر لیا اور بہت وقت گزر گیا تو بھی، کیوں کہ شافعیہ کے نزدیک وضو کی طرح طواف بھی وقفہ کے بغیر کرنا شرط نہیں، البتہ سنت یہ ہے کہ نئے سرے سے طواف کرے۔

لیکن مطاف میں نجاست کا غلبہ ایسی چیز ہے کہ جس میں عمومی ابتلا ہے بالخصوص حج کے ایام میں اس سے بچنا مشکل ہے اس لیے دانستہ اس پر پاؤں نہ رکھے اور یہ احتیاط کرے کہ نجاست رطوبت والی نہ ہو۔

مناسب یہ ہے کہ تیمم کرنے والا اور پانی کے استعمال سے عاجز افراد طواف رکن کر لیں تاکہ احرام کھول سکیں، پھر اگر ان کی مکہ واپسی ہو تو ان کے لیے اعادہ واجب ہے۔

۴- بیت اللہ طواف کرنے والے کی بائیں جانب ہو، اپنے سامنے دروازے کی طرف چلے، اس میں اتباع سنت ہے، جیسا کہ مسلم نے روایت کی اور یہ بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: ”حج اور عمرہ کے احکام و مسائل مجھ سے سیکھو“۔ اگر اس کی مخالفت کرے گا تو طواف درست نہیں ہوگا کیوں کہ اس میں شریعت کی مخالفت ہے۔ اگر کسی شخص نے پیٹھ کے بل لیٹ کر یا منہ کے بل ہو کر طواف کیا لیکن خانہ کعبہ اس کی بائیں جانب تھا تو طواف درست ہے۔

۵۔ حجر اسود سے ابتدا کرے، مسلم کی روایت کے مطابق، اسی میں اتباع سنت ہے اور اپنا سارا بدن، حجر اسود کے بالمقابل اس طرح کرے کہ بائیں پہلو کا کوئی حصہ حجر اسود کے کسی حصہ سے آگے نکلا ہوا نہ ہو، اگر حجر اسود کے بالمقابل نہ کھڑا ہوا یا پورے بائیں پہلو کے ساتھ حجر اسود کے کسی حصہ کے بالمقابل نہ ہوا مثلاً بدن کا کچھ حصہ حجر اسود سے آگے بڑھا ہوا ہو تو طواف درست نہیں ہوگا۔ جب حجر اسود پر پہنچ جائے تو اگلا چکر پھر وہیں سے شروع کرے۔

یہ بھی شرط ہے کہ طواف بیت اللہ، حجر اسماعیل اور شاذروان (۲۸۷) کے باہر باہر سے ہو، اگر شاذروان پر چلا یا اس کے برابر جو دیوار ہے اسے ہاتھ لگا لیا یا بدن کا کچھ حصہ شاذروان کی فضا میں داخل ہو گیا یا ایک راہداری سے داخل ہو کر دوسری سے نکل گیا (۲۸۸) یا اس کے پیچھے سے گزرا جس کا اندازہ یہ ہے کہ وہ بیت اللہ سے چھ ہاتھ تک ہے یا دیوار سے لگ کر دوسری جانب سے نکل گیا تو طواف صحیح نہیں۔ حجر کے باہر سے طواف کرنے کی دلیل ولیطوفوا بالبيت العتيق (پرانے گھر کا طواف کریں، الحج، ۲۲: ۲۹) ہے کیوں کہ بیت اللہ کا طواف وہی ہوگا جو بیت اللہ کے باہر سے ہو، ورنہ بیت اللہ کے اندر طواف سمجھا جائے گا۔

حجر اس وجہ سے خارج ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باہر سے طواف کیا تھا اور فرمایا: ”حج اور عمرہ کے مسائل مجھ سے سیکھ لو“۔ مسلم میں حضرت عائشہؓ کہتی ہیں ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، کیا حجر خانہ کعبہ کا حصہ ہے؟ آپ نے

فرمایا: ہاں، میں نے کہا، پھر اسے خانہ کعبہ میں شامل کیوں نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا، تمہاری قوم کے پاس پیسے کم پڑ گئے تھے، میں نے پوچھا، دروازہ کیوں اونچا لگا دیا؟ فرمایا: تمہاری قوم نے یہ کام اس لیے کیا تاکہ جسے چاہیں اندر جانے دیں، جسے چاہیں روک لیں، اگر تمہاری قوم عہد جاہلیت کے زیادہ قریب نہ ہوتی اور مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ اگر میں دیوار والا حصہ بیت اللہ میں داخل کر دوں اور دروازے کو زمین کے ساتھ لگا دوں تو ان کے دل پراگندہ ہو جائیں گے تو میں ایسا کر دیتا۔“ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر حجر کا سارا حصہ بیت اللہ میں شامل ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ بیت اللہ سے چھ ہاتھ تک کا حصہ بیت اللہ میں شامل ہے، اس کے باوجود حجر کے باہر سے طواف کرنا واجب ہے کیوں کہ حج میں اتباع نبوی کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔

یاد رہے کہ جو کوئی حجر اسود کو بوسہ دے تو اس کا سر بوسہ دیتے وقت بیت اللہ کے ایک حصے کے اندر چلا جاتا ہے اس لیے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کے پاؤں اپنی جگہ جمے رہیں تا آنکہ بوسہ دینے سے فارغ ہو کر سیدھا کھڑا ہو جائے۔

۶- بیت اللہ کے اردگرد سات چکر لگائے، خواہ ایسے اوقات میں جن میں نماز پڑھنا منع ہے، اتباع سنت کا تقاضا یہی ہے، اگر پورے سات چکر میں سے معمولی سا بھی کم رہ گیا تو طواف نہیں ہوگا، اگر گنتی میں شک پڑ جائے تو کم تعداد کو یقینی سمجھے، جیسا کہ نماز کی رکعات میں ہوتا ہے۔

۷- طواف مسجد کے اندر کرے، اتباع سنت یہی ہے، مسجد کے اردگرد بالا جماع طواف جائز نہیں، مسجد کے اندر خواہ کتنے فاصلے پر کر رہا ہو اور بیت اللہ کے اور طواف کرنے والے کے درمیان ستون وغیرہ حائل ہوں تب بھی طواف صحیح ہے، مسجد کی چھت پر بھی

طواف جائز ہے، اگرچہ چھت خانہ کعبہ سے بلند ہے، جیسا کہ جبل ابوقبیس اگرچہ خانہ کعبہ سے بلند ہے لیکن مستند روایت یہ ہے کہ اس پر نماز صحیح ہے۔

۸- اگر مستقل طواف ہو تو اس کی نیت کرے، جیسا کہ تمام عبادات میں نیت شرط ہے، اگر حج کا حصہ ہو تو الگ نیت کی ضرورت نہیں مثلاً نذر یا نفل طواف کی نیت کرے اور اگر طواف رکن ہو یا عمرہ کا طواف ہو یا طواف قدوم ہو تو الگ نیت کی ضرورت نہیں، کیوں کہ حج اور عمرہ کی نیت میں یہ طواف شامل ہیں۔

طواف وداع کے لیے نیت ضروری ہے کیوں کہ یہ احرام کھولنے کے بعد ہوتا ہے اور شیخین (رافعی اور نووی) کے نزدیک مناسک حج میں سے نہیں ہے اس لیے اس کی تعیین نیت کے ذریعے ضروری ہے۔

طواف افاضہ، جمرہ عقبہ کی رمی قربانی اور سرمنڈانے کا وقت قربانی کی نصف رات کے بعد شروع ہو جاتا ہے کیوں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ کو قربانی کی رات آگے بھیج دیا تھا اور انہوں نے فجر سے پہلے رمی کر لی تھی، پھر طواف افاضہ کر لیا“ (۲۸۹)۔

شافعیہ کے نزدیک پیدل طواف کرنا شرط نہیں بلکہ سنت ہے، جیسا کہ مسلم کی روایت ہے مسنون یہ ہے کہ اگر کوئی عذر نہ ہو تو ننگے پاؤں طواف کرے۔

طواف کی دو رکعات شافعیہ کے نزدیک سنت ہیں۔ طواف کے کچھ دینی واجبات بھی ہیں: مثلاً طواف کے وقت اپنے آپ کو ہر خلاف شریعت امر سے محفوظ رکھے، جن لوگوں پر نظر پڑے انہیں حقیر نہ جانے، ادب ملحوظ رکھے، اپنے ہاتھ اور نگاہ کو ہر گناہ سے محفوظ رکھے۔

حنابلہ کے نزدیک طواف کی چودہ شرائط ہیں (۲۹۰)۔

اسلام، عقل، متعین نیت، طواف کا وقت، اگر قدرت ہو تو ستر ڈھانپنا، حدث سے پاک ہونا، یہ بچے کے لیے شرط نہیں، نجاست سے پاک ہونا، یقینی طور پر سات چکر پورے کرنا، اگر شک پڑ جائے یقینی عدد پر عمل کرنا، چکروں کی تعداد کے بارے میں دو عادل گواہوں کی گواہی قبول ہوگی، بیت اللہ کو بائیں طرف رکھنا، اٹے پاؤں نہ چلنا، اگر پیدل چل سکتا ہو تو پیدل طواف کرنا، طواف کے چکروں میں وقفہ نہ کرنا، مسجد کے اندر طواف کرنا، باہر نہ کرنا، حجر اسود کے برابر کھڑے ہو کر طواف شروع کرنا اور طواف کے دوران بدن کا کوئی حصہ بیت اللہ میں مثلاً حجر یا شاذروان میں داخل نہ کرنا۔

طواف افاضہ کا وقت قربانی کی نصف رات سے شروع ہو جاتا ہے جیسا کہ شافعیہ کی رائے ہے۔

طواف کی دو رکعات سنت ہیں، جیسا کہ شافعیہ کے ہاں۔

طواف کی شرائط کے بارے میں فقہاء کی آراء کا خلاصہ:

طواف کی شرائط کے بارے میں مذکورہ بالا فقہی آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱- حدث اور نجاست سے پاکی حنفیہ کے نزدیک شرط نہیں واجب ہے، باقی مذاہب میں شرط ہے۔

۲- طواف کی نیت: حنفیہ کے نزدیک اصل نیت شرط ہے، تعین شرط نہیں، مالکیہ کے نزدیک بھی شرط نہیں، شافعیہ کے نزدیک اگر طواف مناسک حج و عمرہ سے الگ اور مستقل ہے تو تعین نیت شرط ہے، حنابلہ کے نزدیک معین نیت شرط ہے۔

۳- جو چل سکتا ہو اس کے لیے پیدل طواف کرنا حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط ہے مالکیہ کے نزدیک واجب ہے، شافعیہ کے نزدیک شرط نہیں بلکہ سنت ہے۔

۴- مسجد میں طواف کرنا بالاتفاق شرط ہے۔

۵- حجر اسود سے ابتدا کرنا، حنفیہ کے نزدیک شرط نہیں، واجب ہے۔ مالکیہ کے نزدیک بھی واجب ہے، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط ہے، واجب چھوڑ دینے سے یعنی

اگر حجر اسود کے سوا کسی اور جگہ سے طواف کی ابتدا کی تو دم (قربانی) دینا پڑے گا۔

۶- ترتیب یا بیت اللہ کو بائیں طرف رکھنا حنفیہ کے نزدیک واجب ہے جس کے

چھوڑنے پر دم واجب ہوتا ہے، باقی مذاہب میں شرط ہے، کیوں کہ طواف کرنے والا

گویا کعبہ کا مقتدی ہے اور ایک مقتدی امام کے دائیں جانب کھڑا ہو، امام بائیں

جانب ہو۔

۷- وقفہ کے بغیر طواف کرنا حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک شرط نہیں، مالکیہ اور حنابلہ کے

زیدیک شرط ہے۔

۸- طواف کے سات چکر پورے کرنا حنفیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک شرط ہے اور حنفیہ

کے نزدیک واجب ہے، اکثر چکر لگانا فرض ہے۔

۹- طواف افاضہ کا وقت: حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک قربانی کے دن فجر کے بعد شروع

ہوتا ہے اور شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک قربانی کی رات نصف رات کے بعد شروع

ہوتا ہے۔

۱۰- طواف کی دو رکعات مالکیہ کے نزدیک واجب ہیں اور حنفیہ کے نزدیک اگر نماز کا مباح

وقت ہے، مکروہ نہیں ہے تو واجب ہیں اور شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک سنت ہیں۔



## حیض والی عورت کا حج:

اگر احرام باندھنے کے وقت کوئی عورت حیض یا نفاس سے ہو تو غسل کر کے احرام باندھ لے اور حاجی جو کام کرتے ہیں سب کرے البتہ پاک ہونے سے پہلے بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ جب عورت کو احرام کے بعد حیض یا نفاس آجائے تو غسل نہ کرے بلکہ جس طرح عورتیں خون بہنے کی جگہ آلودگی سے بچنے کے لیے کپڑا باندھ لیتی ہیں اس طرح کپڑا باندھ لے تاکہ خون باہر نہ پھیلے، پھر طواف کے سوا سارے مناسک حج ادا کرے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ طواف کے سوا سارے وہ کام کرو جو حاجی کرتے ہیں (۲۹۱)۔ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے اسماء بنت عمیس سے فرمایا ”بیت اللہ کے طواف کے سوا تمام وہ کام کرو جو حاجی کرتے ہیں“۔

اس لیے ایسی عورت پر طواف قدوم ضروری ہے نہ اس کی قضاء کیوں کہ مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک یہ سنت ہے۔ اگر عورت نے حج تمتع کی نیت کی تھی، پھر عمرہ کے طواف سے پہلے اُسے حیض آ گیا تو بیت اللہ کا طواف نہ کرے، کیوں کہ طواف نماز ہے، اور اس کے لیے مسجد میں داخل ہونا منع ہے۔ اگر حج نوت ہونے کا خوف ہو تو عمرہ کے ساتھ ہی حج کا احرام باندھ لے تو جمہور کے نزدیک حج قرآن ہو جائے گا۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ عمرہ چھوڑ دے اور حج کا احرام باندھ لے، کیوں کہ مسلم میں حضرت عائشہ کی حدیث پر عمل کا تقاضا یہی ہے، آپ نے ان سے فرمایا: ”سر کے بال کھول لو، کنگھی کر لو اور حج کا احرام باندھ لو اور عمرہ چھوڑ دو“ پھر جب انہوں نے تنعمیم سے عمرہ کیا تو آپ نے فرمایا ”یہ عمرہ تمہارے پہلے عمرہ کی جگہ ہے“۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پہلا عمرہ چھوڑ دیا تھا اور حج کا احرام باندھا تھا۔

جمہور کی دلیل حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ حج کا احرام باندھ لو چنانچہ ان کا حج قرآن ہو گیا، پھر جب پاک ہو گئیں تو انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی، پھر آپؐ نے انہیں فرمایا: ”تمہارا حج اور عمرہ کا احرام کھل گیا“۔ تنعیم سے عمرہ کرنے کا حکم انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا تھا، یہ انہوں نے خود ہی بیت اللہ کی زیارت کے لیے کیا تھا اور عمرہ کے ساتھ حج شامل کر لینا بالاجماع جائز ہے۔ اگر حج فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو تب بھی جائز ہے اور اگر فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو بطریق اولیٰ جائز ہے۔ حج اور عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد اس سے باہر آ جانے کی نیت سے اسے توڑ دینا جائز نہیں بلکہ اس سے فارغ ہو کر ہی احرام کھولا جاسکتا ہے اور آپؐ نے جو فرمایا تھا کہ ”عمرہ چھوڑ دو“ اس کا مطلب یہ تھا کہ عمرہ کے افعال یعنی طواف، سعی، اور سر کے بال کٹوانا رہنے دو یہ تمام افعال حج میں داخل ہیں۔

جب عورت کو وقوف عرفہ اور طواف زیارت کے بعد حیض آ جائے تو مکہ سے واپس چلی جائے طواف صدر چھوڑنے پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ حیض والی عورت پر طواف وداع واجب ہے نہ فدیہ۔ جب کہ طواف وداع سے پہلے اسے حیض آ جائے، فقہاء امصار کا اس پر اتفاق ہے۔ اس کی دلیل حضرت صفیہؓ کی مذکورہ حدیث ہے ”جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ انہیں حیض آ گیا ہے، آپؐ نے فرمایا، کیا وہ ہمیں سفر سے روک دے گی؟ بتایا گیا کہ انہوں نے قربانی کے روز طواف افاضہ کر لیا تھا تو آپؐ نے فرمایا کہ پچھ چلنا چاہیے“۔ آپؐ نے نہ تو انہیں فدیہ دینے کا کہا اور نہ اور کوئی حکم دیا۔ ابن عباسؓ کی اور مذکور حدیث میں ہے کہ ”طواف وداع حیض والی عورت کو معاف ہے“۔ نفاس والی کا بھی

وہی حکم ہے جو حیض والی کا ہے۔ کیوں کہ نفاس سے بھی وہی امور معاف یا واجب ہوتے ہیں جو حیض سے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی عورت حیض یا نفاس کی مدت ختم ہونے سے پیشتر مکہ چھوڑنے پر شدید مجبور ہو جائے اور اس نے طواف افاضہ نہ کیا ہو تو غسل کرے اور اپنے پیٹ کے نچلے حصے پر مضبوطی سے حفاظت کی غرض سے کپڑا باندھ لے اور خانہ کعبہ کے گرد طواف افاضہ کے طور پر سات چکر لگائے، پھر صفا و مروہ کے درمیان سات بار سعی کرے اور ایک بدنہ (پانچ سالہ اونٹ یا دو سالہ گائے) ذبح کرے یہ امام ابوحنیفہ کی تقلید میں ہے جو کہتے ہیں کہ اس حالت میں طواف صحیح ہو جاتا ہے البتہ حرام ہے اس لیے بدنہ کفارے کے طور پر دینا واجب ہے (۲۹۲)۔

### ۳۔ طواف کی سنتیں:

ہم نے ہر مذہب کے مطابق حج کی سنتیں الگ الگ بیان کر دی ہیں، یہاں ہم طواف کی سنتوں کا خلاصہ بیان کریں گے (۲۹۳)۔

۱۔ حجر اسود کا استلام (دائیں ہاتھ یا ہتھیلی سے اسے چھونا) طواف کے شروع میں اور ہر چکر کے شروع میں حجر اسود کا استلام کرے اور آواز پیدا کیے بغیر بوسہ دے اور شافیہ کے نزدیک کسی کو ایذا دیے بغیر اس پر پیشانی رکھ دے، اگر بھیڑ نہ ہو۔ اگر ہاتھ سے استلام کرنا ممکن نہ ہو تو کسی چھتری وغیرہ سے پورا حجر اسود کی طرف متوجہ ہو کر استلام کرے، اگر ایسا بھی ممکن نہ ہو تو ہاتھ سے اشارہ کر دے۔ پھر اگر چھتری یا ہاتھ سے حجر اسود کو چھوا ہو تو اس کے بعد آواز پیدا کیے بغیر انہیں اپنے ہونٹوں پر رکھ لے، اگر بوسے کی آواز پیدا ہوگئی تو مالکیہ کی راجح رائے یہ ہے کہ جائز ہے۔ امام مالک کے نزدیک سجدہ کرنا اور پتھر پر چہرہ رگڑنا مکروہ ہے، شافیہ کے نزدیک بوسہ دینا اور تین بار پیشانی رکھنا سنت ہے۔

تکبیر و تہلیل کہے اور اللہ کی حمد و ثنا کرے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔

بوسہ دینے کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے، جیسا کہ شیخین نے روایت کی اور پیشانی رکھنے کی دلیل اتباع سنت ہے جسے بیہقی نے روایت کیا اور کسی کو ایذا دے بغیر ہاتھ سے استلام کرنے کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عمر تم قوی آدمی ہو، حجر اسود پر لوگوں سے مزاحمت نہ کرنا، کہ کمزور کو تکلیف پہنچے، اگر حجر اسود خالی ہو تو ٹھیک ورنہ تہلیل و تکبیر کہو“ (۲۹۳) کیوں کہ لوگوں کو ایذا نہ دینا واجب ہے اور ہاتھ یا چھڑی کو بوسہ دینے کی روایت صحیحین میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ”جب میں تمہیں کوئی کام کرنے کا کہوں تو جہاں تک استطاعت ہو اسے سرانجام دو“ اور مسلم بن نافع کہتے ہیں میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہاتھ کے ساتھ حجر اسود کا استلام کرتے ہوئے دیکھا، یہ فرماتے تھے ”میں نے جب سے رسول اللہ ﷺ کو ہاتھ سے استلام کرتے ہوئے دیکھا اس کے بعد میں نے اسے نہیں چھوڑا“

طواف کے سات چکروں میں سے ہر چکر میں حجر اسود کا بوسہ دے یا استلام کرے کیوں کہ حدیث میں ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر چکر میں رکن یمانی کا استلام کرنا اور حجر اسود کو بوسہ دینا نہیں چھوڑتے تھے“ (۲۹۵)۔

اگر مطلقاً حجر اسود کا استقبال کر کے اور جن فقہاء کے نزدیک طواف کی نیت شرط ہے یعنی حنفیہ اور حنابلہ ان کے نزدیک نیت کر کے طواف کر لیا تو جو مقصد تھا یعنی حجر اسود سے طواف کا آغاز وہ حاصل ہو گیا۔

دونوں شامی رکنوں (جو حجر کے پاس ہیں) کا ہاتھ سے استلام نہ کرے نہ انہیں بوسہ دے اور رکن یمانی (جو حجر اسود سے پہلے ہے) کا ہر چکر کے آخر میں استلام کرے لیکن

اس کو بوسہ نہ دے کیوں کہ ایسا منقول نہیں ہے۔ صحیحین میں ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کیا کرتے تھے“۔

حنابلہ کے نزدیک اگر عورت دن کے وقت مکہ پہنچے تو مستحب ہے رات تک طواف کو مؤخر کر دے کیوں کہ اس میں پردہ زیادہ ہے، حجر اسود کے استلام کے لیے مردوں سے مزاحمت کرنا مستحب نہیں بلکہ اس شخص کی طرح جس کے لیے حجر اسود تک پہنچنا ممکن نہیں، ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرنا کافی ہے۔

۲- دعا: کوئی دعا مقرر نہیں، جو چاہے دعا کرے، افضل دعا وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، ہر چکر کے شروع میں کہے: بسم اللہ واللہ اکبر، اللہم ایمانا بک، وتصدیقا بکتابک ووفاء بعہدک، واتباعاً لسنة نبيک محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (اللہ کے نام سے، اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! تجھ پر ایمان لاتا ہوں تیری کتاب کی تصدیق کرتا ہوں اور تیرے عہد کا وفا دار ہوں اور تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہوں)۔

کعبہ کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر یوں کہے: اللہم ان البیت بیتک والحرم حرمک والامن امنک وهذا مقام العائذ بک من النار۔ اے اللہ! یہ گھر تیرا گھر ہے اور حرم تیرا حرم ہے اور امن تیرا امن ہے اور یہ جگہ ہے جو آگ سے تیری پناہ میں آنے والے کے کھڑے ہونے کی ہے۔

دونوں رکن یمانی کے درمیان کہے: ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار (اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا)۔

قرآن حکیم کی تلاوت کی بہ نسبت ماثور دعا پڑھنا افضل ہے اور تلاوت غیر ماثور دعا سے افضل ہے۔ کیوں کہ یہ ذکر کا موقع ہے اور قرآن افضل ذکر ہے، حدیث قدسی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے: ”جو تلاوت قرآن کی مصروفیت کی وجہ سے مجھ سے مانگ نہ سکا میں اسے مانگنے والوں سے بہتر دوں گا۔ اللہ کے کلام کی دوسرے کلاموں پر اسی طرح فضیلت ہے جیسے اللہ کی اپنی ساری مخلوق پر“ (۲۹۸)۔ لیکن مالکیہ کے نزدیک قراءت مکروہ ہے۔

مسنون یہ ہے کہ ذکر اور تلاوت آہستہ کرے کیوں کہ اس سے خشوع زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ ثواب کو غنیمت سمجھتے ہوئے ہر طواف میں ان امور کی رعایت کرے، پہلے چکر میں اور پھر ہر طاق چکر میں دعا کرنے کی زیادہ تاکید ہے، جیسا کہ حجر اسود کو بوسہ دینے اور استلام کرنے کی زیادہ تاکید ہے کیوں کہ حدیث میں ہے: ”اللہ وتر ہے وہ وتر کو پسند کرتا ہے“۔ شعر پڑھنا مکروہ ہے، نیز طواف میں باتیں کرنا بھی مکروہ ہے کیوں کہ حدیث میں ہے: ”بیت اللہ کا طواف نماز ہے اس کے دوران کم گفتگو کرو“ ایک اور روایت میں ہے ”جو کوئی بات کرے تو اچھی بات کرے“ کیوں کہ بات کرنا آدمی کو دعا کرنے سے ہٹا دیتا ہے۔

۳۔ مردوں اور لڑکوں کے لیے رمل (۲۹۹) کرنا، رمل عورتوں کے لیے نہیں ہے اور صرف پہلے تین چکروں میں کیا جائے۔ رمل کرنا حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک ہر ایسے طواف میں سنت ہے جس کے بعد سعی کرنا ہو یعنی طواف قدوم اور طواف رکن جس کے بعد سعی ہو، یہی مشہور ہے۔ اگر طواف قدوم یا طواف لقاء کیا اور اس کے بعد سعی کرنی ہے تو رمل نہ کرے اور اگر طواف قدوم نہیں کیا یا طواف کیا لیکن اس کے بعد سعی نہیں کی تو طواف زیارت اور طواف عمرہ میں رمل کرے۔

مالکیہ کے نزدیک حج یا عمرہ کا احرام باندھنے والے کے لیے طواف قدوم اور طواف

عمرہ میں رتل کرنا سنت ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طواف میں رتل کیا تھا وہ طواف قدوم تھا اور اس کے بعد سعی تھی۔

رتل اس صورت میں سنت ہے کہ اگر حج یا عمرہ یا دونوں کا احرام میقات سے باندھا اور آفاقی تھا یا میقات کا رہنے والا تھا ورنہ مستحب ہے یعنی جو کوئی میقات کے اندر سے یعنی تنعیم یا جعرانہ سے حج یا عمرہ کا احرام باندھے، اس کے لیے اور جس نے کسی عذر یا نسیان کی بنا پر طواف قدوم نہ کیا ہو اس کے لیے طواف افاضہ میں، خواہ اس نے میقات سے احرام باندھا ہو رتل مستحب ہے۔ نفل طواف اور طواف وداع میں رتل مستحب نہیں ہے۔

حنابلہ بھی مالکیہ سے ہم آہنگ ہیں یعنی ان کے نزدیک طواف قدوم یا طواف عمرہ کے سوا کسی طواف میں رتل مسنون نہیں ہے۔

طواف کے دوسرے چکروں میں معمول کے مطابق چلے کیوں کہ شیخین نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بیت اللہ کا طواف کیا تو پہلے تین چکروں میں تیز تیز چلے اور بعد کے چار چکروں میں معمول کے مطابق“ مسلم کی روایت میں ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود سے رتل کیا اور چار چکروں میں معمول کے مطابق چلے“۔

اگر سواری پر طواف کرے یا کوئی اٹھا کر طواف کرائے تو جانور کو تیز حرکت دے اور اٹھانے والا رتل کرے اور بلا عذر رتل ترک کرنا مکروہ ہے۔ اگر پہلے تین چکروں میں سے کسی میں رتل رہ جائے تو باقی چار میں قضا نہ کرے کیوں کہ ان میں پرسکون رہنے کا حکم ہے، وہ حکم تبدیل نہ کیا جائے۔ جیسے کہ اگر پہلی دو رکعات میں بلند آواز سے قراءت رہ جائے تو بعد کی رکعات میں بلند آواز سے قراءت نہ کرے کیوں کہ اس کی وجہ سے آہستہ

پڑھنے کی سنت فوت ہو جائے گی۔

رمل کے دوران کہے: اے اللہ! اسے حج مقبول بنا دے، گناہ معاف فرما دے اور ہماری محنت قبول فرما۔

۴- امام مالک کے سوا جمہور کے نزدیک اضطباع کرنا، اضطباع یہ ہے کہ چادر کا درمیانی حصہ دائیں بغل کے نیچے سے گزار کر دونوں کنارے بائیں کندھے پر ڈال دے اور دایاں کندھا کھلا رکھے کیوں کہ یعلیٰ بن امیہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اضطباع کرتے ہوئے طواف فرمایا (۳۰۰)۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ نے جعرانہ سے عمرہ کیا اور بیت اللہ کا رمل کیا، اپنی چادریں بغلوں کے نیچے سے گزار کر بائیں کندھے پر ڈال دی تھیں“ (۳۰۱)۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اضطباع رمل کی طرح سنت ہے، ہر اس طواف میں جس میں رمل کیا جائے۔ اس میں اضطباع کیا جائے۔ جس طواف میں رمل نہیں اس میں اضطباع بھی نہیں۔ شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ سعی میں بھی اضطباع کرے، انہوں نے سعی کو طواف پر قیاس کیا کہ دونوں میں ایک ہی مسافت بار بار طے کرنی ہوتی ہے، خواہ اس سعی سے پہلے طواف میں اضطباع کیا ہو یا نہ کیا ہو، طواف کی دو رکعات میں اضطباع مستحب نہیں ہے کیوں کہ نماز میں اضطباع مکروہ ہے جب نماز پڑھنے لگے تو اضطباع ختم کر دے اور جب سعی کرنے لگے تو دوبارہ اضطباع کرے۔

طواف کے سوا اور کسی عمل میں حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اضطباع نہ کرے۔ جب طواف سے فارغ ہو جائے تو چادر درست کر لے کیوں کہ نماز میں اضطباع کرنا مستحب نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں اضطباع نہیں کیا اور سنت آپؐ کی اقتدا



میں ہے۔

عورت نہ رمل کرے نہ اضطباع، یعنی یہ مطلوب ہی نہیں کیوں کہ رمل کرنے میں عورت کے اعضاء کے بیچ و خم ظاہر ہوتے ہیں اور اضطباع میں برہنگی ہوتی ہے، جسے چھپانا ضروری ہے۔ اہل مکہ پر رمل نہیں ہے حضرت ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کے قول کا تقاضا یہی ہے۔

۵۔ مردوں کو بیت اللہ کے قریب طواف کرنا چاہیے کیوں کہ بیت اللہ کو شرف حاصل ہے اور وہی مقصود ہے۔ نیز استلام اور بوسہ دینا قرب کی وجہ سے آسان ہوتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ جیسا کہ بعض نے کہا کہ بیت اللہ سے تین قدم ہٹ کر طواف کرے تاکہ ایسا نہ ہو کہ بدن کا کچھ حصہ شاذ روان پر سے گزرے۔ نیز بھیڑ کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو زحمت نہ ہو، اس لیے کچھ دور ہونا بہتر ہے۔

عورت اور ہجرا مطاف کے کنارے پر طواف کریں، اگر مطاف خالی ہو تو مرد کی طرح قریب جا کر طواف کریں۔

یہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مستحب ہے لیکن کعبہ کے قریب ہونے کی بہ نسبت دور ہو کر رمل کرنا شافعیہ کے نزدیک زیادہ بہتر ہے۔ اگر دور سے بھی رمل کرنا ممکن نہ ہو یا اس سے عورتوں سے ٹکرانے یا ان کے ساتھ اختلاط کا اندیشہ ہو تو قریب سے طواف کرنا اولیٰ ہے۔

طواف کی مؤکدہ سنتوں میں سے شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ ہیں کہ جو پیدل چل سکتا ہو اس کے لیے پیدل چلنا، طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعات نماز پڑھنا، اگر وہاں جگہ نہ ہو تو حجر میں میزاب کے نیچے، ورنہ مسجد حرام میں ورنہ حرم میں جس جگہ جس وقت چاہے پڑھ لے۔

مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک یہ دونوں امور واجب ہیں۔ اگر طواف کے بعد فرض نماز

پڑھ لی تو حنابلہ کے نزدیک طواف کی نماز کے قائم مقام ہو گئی کیوں کہ وہ دو رکعات مناسک کا حصہ ہیں۔ پس اگر فرض نماز پڑھ لی تو اس میں یہ بھی ادا ہو جائیں گی جیسا کہ احرام کی دو رکعات کی جگہ فرض نماز پڑھ لی تو کافی ہے، لیکن حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک فرض نماز طواف کی رکعات کے قائم مقام نہیں ہو سکتی جیسا کہ فجر کی دو رکعات۔

حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک وقفے کے بغیر طواف مکمل کرنا سنت ہے، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط ہے۔

شافعیہ کے نزدیک حج اور عمرہ کے طواف کی نیت کرنا سنت ہے، دوسرے ضواف جو حج یا عمرہ کے نہیں ہیں یا طواف وداع کے لیے نیت کرنا واجب ہے۔

## مطلب سوم: سعی

حنفیہ کے نزدیک سعی واجب ہے، باقی ائمہ کے نزدیک رکن ہے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”سعی کرو، اللہ نے تم پر سعی فرض کر دی ہے“ اور ”اللہ نے تم پر سعی فرض کر دی اس لیے سعی کرو“ (۳۰۲)۔ ارشاد ربانی ہے: ان الصفا والمروة من شعائر اللہ، فمن حج البيت او اعتمر فلا جناح عليه ان يطوف بهما۔ (صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں جو بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کا طواف کرے، البقرہ، ۲: ۱۵۸)۔ اس لیے ہے کہ یہ بتائے کہ ان کا طواف کرنا گناہ کی بات نہیں، اس سے مقصود یہ ہے کہ جاہلیت میں ان دونوں پہاڑوں پر بت رکھے ہوئے تھے، اس لیے یہ سمجھا جاتا تھا کہ ان بتوں کی پرستش کے طور پر ان کے درمیان سعی کی جاتی ہے۔

ذیل میں ہم سعی کے واجبات، سنن اور اس کے اصلی وقت سے مؤخر کرنے کا حکم بیان کرتے ہیں (۳۰۳)۔

### ۱- سعی کے واجبات یا شرائط:

صفا و مروہ کے درمیان سعی کے چند واجبات اور شرائط ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱- سعی سے پہلے صحیح طواف کیا ہو، اس طواف کے اور سعی کے درمیان وقوف عرفہ نہ ہو، اتباع سنت اسی میں ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھ سے مناسک حج سیکھو“ نیز سعی طواف کے تابع ہے، جس کسی نے طواف قدوم کے بعد سعی کر لی وہ دوبارہ نہ کرے۔ حنفیہ کے نزدیک قرآن کرنے والے کے لیے افضل یہ ہے کہ پہلے سعی کر لے۔

حنفیہ نے اس امر کی اجازت دی ہے کہ طواف کا اکثر حصہ مکمل کرنے کے بعد اور پورا

طواف کرنے سے پہلے سعی کی جاسکتی ہے کیوں کہ اکثر کل کے حکم میں ہوتا ہے۔

جمہور کے نزدیک مطلقاً طواف مسنون کے بعد بھی سعی درست ہے اور طواف

رکن یا طواف قدوم کے بعد بھی شافعیہ کے نزدیک سعی کرنا درست ہے۔

۲- ترتیب: سعی صفا سے شروع کرئے اور مروہ پر ختم کرے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے صفا سے شروع کی اور فرمایا: ”جہاں سے اللہ نے ابتدا کی وہیں سے

ابتدا کرو“ (۳۰۴) یعنی اللہ نے فرمایا: ان الصفا والمروة من شعائر اللہ (صفا و

مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں البقرہ، ۲: ۱۵۸) اگر کسی نے مروہ سے شروع

کر کے صفا کی طرف سعی کی تو اسے ایک چکر نہیں سمجھا جائے گا۔

۳- سعی کے سات چکر ہوں، یعنی چار بار صفا پر اور چار بار مروہ پر ٹھہرے اور مروہ پر ختم

کرے یعنی صفا سے مروہ تک ایک چکر ہے اور مروہ سے واپس صفا پر دوسرا چکر۔

اگر شک پڑ جائے تو کم تعداد کو یقینی سمجھے۔ سات چکر کی تعداد کی دلیل اجماع امت

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے۔ (۳۰۵)

۴- صفا و مروہ کے درمیان پورا حصہ طے کرنا، صفا و مروہ کے درمیان پورا فاصلہ طے کرنا

واجب ہے اگر اس میں سے چند قدم بھی چھوٹ گئے تو سعی درست نہیں ہے، رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا اسی میں ہے۔

۵- سعی کے درمیان وقفہ نہ کرے، یہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط ہے اور دوسروں

کے نزدیک طواف کی طرح سنت ہے۔

حنابلہ نے کچھ اور شرائط کا اضافہ کیا ہے جس کی بنا پر ان کے نزدیک سعی کے درست

ہونے کی نو شرطیں ہیں اور وہ یہ ہیں:

اسلام، عقل، متعین نیت اور جو پیدل چل سکتا ہو وہ پیدل سعی کرے۔

جنابت اور حیض سے پاک ہونا جس طرح وقوف عرفہ کے لیے شرط نہیں اسی طرح سعی کے لیے بھی شرط نہیں، جنبی اور حائضہ کی سعی درست ہے، اگر اس نے بیت اللہ کا طواف جنابت اور حیض سے پاک ہونے کی حالت میں کیا، کیوں کہ سعی ایک ایسا عمل ہے جس کا بیت اللہ سے تعلق نہیں ہے۔

## ۲- سعی کی سنتیں:

صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی مندرجہ ذیل سنتیں ہیں:

۱- طواف سے فارغ ہو کر حجر اسود کا استلام کر کے، اسے بوسہ دے کر، طواف کی دو رکعات پڑھ کر باب صفا سے نکلے (جو دونوں رکن یمانی کے درمیان ہے) تاکہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے اتباع سنت اسی میں ہے، جیسا کہ مسلم کی روایت ہے۔

۲- طواف کے فوراً بعد سعی کرے، یعنی طواف اور سعی میں وقفہ نہ ہو، جیسا کہ سعی کے چکروں میں وقفہ نہ ہو، سعی کرنے والے کے لیے درمیان میں رک کر باتیں کرنا یا اور کوئی کام کرنا مکروہ ہے۔ اگر کسی نے ایک دن طواف کیا اور اگلے روز سعی کی تو جائز ہے، سعی کے بعد نماز پڑھنا مسنون نہیں۔

۳- حدث اور نجاست سے طہارت اور ستر ڈھانپنا۔

۴- جو پیدل چل سکتا ہو وہ پیدل چل کر سعی کرے سوار نہ ہو۔

۵- مرد صفا اور مروہ پر اتنا اوپر چڑھیں کہ دروازے سے خانہ کعبہ نظر آئے، یہ شافیہ کے نزدیک ایک قامت کے برابر ہے، اگر وہاں جگہ خالی ہے اور مرد نہیں ہیں تو عورتوں



دین و دنیا کی جو دعائیں چاہے کرے، اس دوران قرآن کی تلاوت کرنا مستحب ہے۔  
 ۷۔ مرد سعی کرتے ہوئے مسجد کی دیوار کے ساتھ ملحق دو سبز میلوں کے درمیان تیز تیز چلے، رٹل کی بہ نسبت تیز اور دوڑ سے کم (۳۰۹) صفا کی طرف جاتے ہوئے اور مردہ کی طرف واپسی میں، اتباع سنت اسی میں ہے جیسا کہ مسلم نے روایت کی۔ عورت اور بیچرا سارے راستے معمول کے مطابق چلے۔

مرد دوڑنے کے دوران اور عورت اور بیچرا اس موقع پر یہ دعا کریں: رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم، انک انت الاعز الاکرم۔

(اے ہمارے رب! بخش دے، رحم فرما اور ہماری جو کوتاہیاں تیرے علم میں ہیں معاف فرما، بے شک تو عزت و اکرام والا ہے) اگر سوار ہو تو سواری کو تیز حرکت دے لیکن یہ خیال رکھے کہ کسی کو ایذا نہ پہنچے۔

۸۔ جیسا کہ نووی نے لکھا ہے، افضل یہ ہے کہ طواف اور سعی کے لیے دیکھے، جب لوگ کم ہوں اس وقت طواف و سعی کرے۔ اگر بھیڑ زیادہ ہو تو مناسب یہ ہے کہ لوگوں کو ایذا سے بچائے۔ سعی کی ہیئت چھوڑ دینا بہتر ہے بجائے اس کے کہ لوگوں کو ایذا دی جائے یا خود تکلیف اٹھائی جائے۔ اگر بھیڑ کی وجہ سے دونوں میلوں کے درمیان دوڑ نہ سکتا ہو تو دوڑنے والے کی سی حرکت کرے جیسا کہ رٹل میں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔

۳۔ سعی کو اپنے اصلی وقت سے مؤخر کرنے کا حکم:

اگر کسی نے سعی اپنے اصل وقت یعنی ایام قربانی سے مؤخر کر کے طواف زیارت کے بعد کر دی تو (۳۱۰)۔

۱۔ اگر اپنے وطن نہیں لوٹ گیا تو سعی کر لے، اس پر کوئی کفارہ نہیں، کیوں کہ واجب ادا

کر لیا گیا اور تاخیر کی وجہ سے کوئی کفارہ یا فدیہ واجب نہیں ہوتا کیوں کہ اس نے اپنے اصل وقت پر سعی کر لی یعنی طواف زیارت کے بعد۔ حنفیہ کے نزدیک اگر کسی نے طواف زیارت کے بعد جماع کر لیا تب بھی کوئی حرج نہیں کیوں کہ طواف زیارت کے بعد احرام ختم ہو گیا سعی حنفیہ کے نزدیک رکن نہیں ہے، اس وجہ سے احرام کھلنے میں رکاوٹ نہیں ہوئی۔

ب۔ اگر اپنے وطن لوٹ گیا تو حنفیہ کے نزدیک دم واجب ہوتا ہے کیوں کہ اس نے بلا وجہ سعی چھوڑ دی جو ان کے نزدیک واجب ہے رکن نہیں۔ اگر واپس مکہ جانا چاہتا ہے تو نیا احرام باندھ کر جائے کیوں کہ طواف زیارت کے بعد پہلا احرام ختم ہو گیا، اب نئے احرام کی ضرورت ہے، اگر واپس آ کر سعی کر لی تو دم معاف ہو جائے گا کیوں کہ جو کام چھوٹ گیا تھا وہ ادا ہو گیا لہذا تدارک ہو گیا۔

سعی، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، جمہور کے نزدیک رکن ہے، اس کے بغیر حج مکمل نہیں ہوتا اور دم کے ذریعے سے اس کو تاہی کا تدارک نہیں ہو سکتا۔



## مطلب چہارم: وقوف عرفہ:

اس کا حکم، جگہ، وقت، اس کی مقدار، سنتیں، اگر اپنے وقت سے فوت ہو جائے تو اس کا حکم (۳۱۱)۔

### ۱- وقوف عرفہ کا حکم:

علماء کا اجماع ہے کہ وقوف عرفہ حج کے ارکان میں سے اصلی رکن ہے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”حج عرفہ ہے“ (۳۱۲)۔ یعنی حج وقوف عرفہ ہے۔ امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ وقوف عرفہ حج کا رکن ہے اس کے بغیر حج مکمل نہیں ہوتا۔

جس کا وقوف عرفہ رہ جائے وہ اگلے سال حج کرے اور اکثر اہل علم کے مطابق قربانی کرے۔

### ۲- وقوف کی جگہ:

عرفہ سارے کا سارا وقوف اور قیام کی جگہ ہے یعنی موقف ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”میں یہاں ٹھہرا ہوں اور عرفہ سارے کا سارا موقف ہے“ (۳۱۳)۔ جو شخص عرفہ میں کسی بھی جگہ ٹھہرا اور افضل یہ ہے کہ جس رحمت کے قریب ٹھہرے، تو اس کا حج مکمل ہو گیا، عرفہ میں کسی جگہ کا تعین نہیں ہے البتہ مناسب یہ ہے کہ وادی عرنہ میں وقوف نہ کرے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شیطان کی وادی ہے، آپؐ نے فرمایا: ”عرفہ سارا موقف ہے البتہ وادی عرنہ سے اٹھ جاؤ“ (۳۱۴) کیوں کہ وادی عرنہ موقف نہیں ہے اور عرفہ سے پہلے مثلاً نمرہ میں ٹھہرنے سے حج نہیں ہوتا، ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ علماء کا اجماع ہے کہ جو شخص وہاں ٹھہرا اس کا حج نہیں ہوگا۔

## عرفہ کی حدود:

عرفہ کی حدود اس پہاڑی سے شروع ہوتی ہے جو وادی عرفہ پر جھکی ہوئی ہے، اس کے بالمقابل پہاڑی تک اور بنو عامر کی دیواروں تک پھیلی ہوئی ہے، آج کل یہ حدود معروف اور متعین ہیں، وادی عرنہ، نمرہ اور مسجد ابراہیم اس میں شامل نہیں، اس کا آخری حصہ عرنہ تک ہے۔

مستحب یہ ہے کہ جبل رحمت کے نیچے بچھی ہوئی بڑی چٹانوں کے پاس ٹھہرے اور قبلہ رو ہو کر قیام کرے، کیوں کہ حضرت جابرؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی قصواء کا رخ چٹانوں کی طرف کر کے پیدل چلنے والوں کا پہاڑ سامنے رکھا تھا اور قبلہ رو ہو کر وقوف فرمایا۔“

## ۳۔ وقوف عرفہ کا وقت:

حاجی کے لیے وقوف عرفہ کا وقت بالاتفاق یوم عرفہ کے زوال آفتاب سے قربانی کے دن کی صبح صادق تک ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زوال آفتاب کے بعد عرفہ میں وقوف فرمایا، نیز آپؐ نے فرمایا: ”مجھ سے مناسک حج سیکھو۔“ حنابلہ کے نزدیک وقوف عرفہ کا وقت یوم عرفہ کی صبح صادق سے شروع ہو کر اگلے دن کی صبح صادق تک ہے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”جو کوئی ہماری اس نماز میں شریک ہوا، اور روانگی تک ہمارے ساتھ رہا اور اس نے عرفہ میں رات کو یا دن کو وقوف کیا تو اس کا حج مکمل ہو گیا وہ احرام کھول لے“ (۳۱۵)۔

جو کوئی زوال آفتاب سے پہلے عرفہ میں ٹھہرا اور زوال سے پہلے ہی وہاں سے چل پڑا تو بالا جماع اس کا وقوف نہیں ہوا اور اگر زوال آفتاب کے بعد اگلے روز کی صبح صادق تک کسی

بھی لمحے واپس وہاں نہیں آیا تو اس کا حج جاتا رہا۔

جو کوئی عرفات سے گزر گیا یا سویا رہا یا بے ہوش رہا اور اسے معلوم نہیں ہوا کہ یہ عرفات ہے لیکن وقوف کے وقت میں وہاں تھا تو حنفیہ کے نزدیک اس کا حج درست ہو گیا۔ عبد الرحمن بن یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ”میں عرفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو نجد کے کچھ لوگ آئے، انہوں نے پوچھا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کیسے ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا، حج عرفہ ہے، جو کوئی نمازیں جمع کرنے والی رات میں صبح صادق سے پہلے وہاں آگیا، اس کا حج مکمل ہو گیا“ (۳۱۶)۔

مالکیہ کے نزدیک عرفات سے گزرنے والے کے لیے دو شرائط ہیں، ایک یہ کہ اسے معلوم ہو کہ یہ عرفہ ہے اور دوسرے یہ کہ وہاں رکن ادا کرنے کے لیے حاضری کی نیت کرے البتہ سونے یا بے ہوشی کی حالت میں وقوف کو جائز قرار دینے میں مالکیہ کی رائے حنفیہ کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ وقوف کرنے والا عاقل ہو، عبادت کی اہلیت رکھتا ہو، خواہ بچہ ہو یا سویا ہوا ہو، کیوں کہ سویا ہوا جاننے والے کے حکم میں ہے، البتہ بے ہوش اور مدہوش آدمی کا وقوف صحیح نہیں ہے کیوں کہ ان میں عبادت کی اہلیت نہیں ہے، کیوں کہ ان کی عقل نیند کے بغیر زائل ہو گئی۔ جو شخص عبادت کی اہلیت رکھتا ہے اور وہ وقت مذکور (عرفہ کے دن زوال آفتاب سے اگلے روز صبح صادق تک) کے نزدیک اور عرفہ کی صبح صادق سے حنابلہ کے نزدیک) میں ایک لمحہ کے لیے بھی عرفات سے گزر گیا تو اس کا وقوف صحیح ہے، خواہ دانستہ وہاں حاضر ہوا ہو یا بے خبری میں وہاں سے گزرا ہو یا خرید فروخت کرتے ہوئے، باتیں کرتے ہوئے، کھیلتے کودتے، نیند کی حالت میں یا وقوف کے

وقت میں صرف عرفات سے گزر گیا ہو اور اسے پتہ بھی نہ ہو کہ یہ عرفات ہے اور وہاں لمحہ بھر بھی نہ ٹھہرا ہو بلکہ اس حدود کے اندر کنارے سے تیزی سے گزر گیا ہو یا کسی قرض دار یا بھاگے ہوئے جانور کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں سے گزرا یا اونٹ پر سوار سویا ہوا تھا اور اونٹ نے عرفات سے لے کر گزر گیا، یا اس طرح کی کوئی بھی صورت ہوئی ہو، ان تمام صورتوں میں وقوف عرفہ درست ہو جائے گا البتہ ثواب اور فضیلت میں کمی رہ جائے گی۔

جمہور (حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ) کے نزدیک غروب آفتاب تک وقوف واجب ہے تاکہ عرفہ میں دن اور رات دونوں میں وقوف ہو جائے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غروب آفتاب تک عرفہ میں ٹھہرے تھے، جیسا کہ حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے۔ حضرت علیؓ اور اسامہؓ کہتے ہیں: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غروب آفتاب کے بعد عرفہ سے روانہ ہوئے“۔ اگر کوئی شخص غروب آفتاب سے پہلے عرفہ سے چلا جائے تو اکثر اہل علم کے نزدیک اس کا حج صحیح اور مکمل ہے البتہ اس پر دم واجب ہوگا۔

شافعیہ کے نزدیک عرفہ میں دن اور رات کو جمع کرنا فقط سنت ہے، اگر کوئی شخص غروب آفتاب سے قبل عرفہ سے چلا گیا تو خواہ اس کے بعد واپس نہ آیا ہو اس پر دم واجب نہیں کیوں کہ صحیح حدیث میں ہے کہ ”جو شخص فجر سے پہلے دن رات میں کسی بھی وقت عرفہ میں آگیا، اس کا حج مکمل ہو گیا“ (۳۱۷)۔ اگر اس پر دم واجب ہو تو اس کا حج مکمل نہیں ہوتا بلکہ ناقص رہتا ہے البتہ دم دینا سنت ہے اسے دم ترتیب و تقدیر کہتے ہیں یعنی علماء کے اختلاف سے بچنے کے لیے دم دینا۔

مالکیہ کے نزدیک قربانی کی رات کے ابتدائی حصے میں عرفہ میں حاضری رکن ہے، خواہ کسی حالت میں ہو۔ خواہ وہاں سے گزرتے ہوئے ہو، بشرطیکہ اسے معلوم ہو کہ یہ عرفہ

ہے اور اس نے وہاں حاضری کی نیت کی ہو یہ دونوں شرائط فقط گزرنے والے کے لیے ہیں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا یا بے ہوش آدمی کے لیے۔ جو شخص زوال آفتاب کے بعد عرفہ میں آیا اور غروب آفتاب سے پہلے وہاں سے چلا گیا وہ اگلے سال دوبارہ حج کرے، ہاں اگر فجر سے پہلے دوبارہ لوٹ آیا تو حج درست ہے لیکن اگر عرفہ سے، امام سے پہلے اور غروب آفتاب کے بعد نکلا تو حج درست ہے۔ اس بنا پر مالکیہ کے نزدیک وقوف عرفہ درست ہونے کی شرط یہ ہے کہ رات کا کچھ حصہ وہاں ٹھہرے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب سورج غروب ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ میں تھے۔ اور ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس کو عرفات میں رات مل گئی اسے حج مل گیا اور جس کی رات جاتی رہی اس کا حج قضا ہو گیا وہ عمرہ کر کے احرام کھول دے اور اگلے سال حج کرے۔“

اس دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل افضلیت کا حامل تھا کیوں کہ آپؐ کو اختیار تھا۔ اور دوسری حدیث میں وقوف عرفہ کا آخری وقت بیان کیا گیا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک زوال آفتاب کے بعد دن یا رات میں کسی بھی وقت وقوف عرفہ سے حج ادا ہو جاتا ہے جب کہ مالکیہ کے نزدیک رات کا وقوف واجب ہے، جس کسی نے چھوڑ دیا وہ دم دے کر کمی پوری کرے، جیسا کہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک بھی جس کسی نے وقوف عرفہ رات کو نہیں کیا اس پر دم واجب ہے، شافعیہ کے نزدیک دم دینا سنت ہے۔

## ۴- وقوف عرفہ کی مقدار:

علماء کا اتفاق ہے کہ عرفات کے میدان میں کسی بھی جگہ ایک لمحہ بھر کے لیے وقوف کافی ہے البتہ مالکیہ کے نزدیک غروب آفتاب کے بعد وقوف میں اطمینان یعنی اتنا وقت ٹھہرنا جتنا دو سجدوں کے درمیان جلسہ کا وقت ہوتا ہے ضروری ہے، خواہ کھڑا رہے، بیٹھے یا سواری پر ہو۔ وقوف عرفہ میں فرض مقدار تو صرف اس قدر ہے کہ مقررہ وقت پر عرفہ میں موجود ہو، خواہ اسے معلوم ہو یا نہ ہو، سویا ہوا ہو یا جاگ رہا ہو، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ہوش میں ہو یا بے ہوش، مدہوش یا دیوانہ ہو، خواہ وہاں رکے یا چلتا ہوا گزر جائے، پیدل ہو یا سوار یا کسی نے اٹھایا ہوا ہو، اس سے فرض ادا ہو جاتا ہے۔ یعنی عرفہ میں موجود ہونا کیوں کہ مذکورہ بالا حدیث میں یہی ہے ”جس نے وقوف عرفہ کیا، اس کا حج مکمل ہو گیا“ چلنا اور دوڑنا وقوف سے خالی نہیں ہوتا، خواہ وقوف کی نیت کرے یا نہ کرے۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وقوف عرفہ کے لیے طہارت، ستر ڈھانپنا، قبلہ رو ہونا اور نیت شرط نہیں ہے۔ وقوف کرنے والا خواہ بے وضو ہو، جنبی ہو یا حیض و نفاس والی عورت کا وقوف صحیح ہے، ابن المنذر کہتے ہیں: تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ جس کسی نے ناپاکی کی حالت میں وقوف عرفہ کیا، اس کا حج ہو گیا اور اس پر کوئی کفارہ نہیں۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے کہا تھا: ”بیت اللہ کے طواف کے سوا وہ سب کام کرو جو حاجی کرتا ہے“۔ حضرت عائشہؓ نے حیض کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وقوف عرفہ کیا لیکن مستحب یہ ہے کہ پاک ہو جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

## ۵- اگر کسی حاجی کا وقوف عرفہ رہ جائے تو اس کا حکم:

اگر کسی شخص کا وقوف عرفہ رہ جائے تو اس کا اس سال کا حج فوت ہو جاتا ہے اور اس

کے تدارک کی اب کوئی صورت نہیں کیوں کہ رکن کسی چیز کی ذات ہوتی ہے اور ذات کے باقی نہ رہنے کے باوجود کسی چیز کا باقی رہنا محال ہے۔

نووی نے الايضاح (ص ۵۴) میں لکھا ہے کہ اگر حاجی وقوف عرفہ میں غلطی کر کے کسی اور دن وقوف کر لیں تو دیکھا جائے:

اگر غلطی سے تاخیر کر لی تو دس ذوالحجہ کو وقوف کیا تو ان کا حج درست ہو جائے گا اور ان پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہوگا، خواہ وقوف کے بعد غلطی کا علم ہو یا وقوف کے دوران۔

اگر غلطی سے گیارہ ذوالحجہ کو وقوف کیا یا غلطی سے پہلے مثلاً آٹھ ذوالحجہ کو کر لیا یا جگہ میں غلطی کی اور عرفات کے بجائے کسی اور جگہ وقوف کر لیا تو ان کا حج کسی قیمت پر درست نہیں۔

اگر دسویں ذوالحجہ کو تھوڑے سے لوگوں نے وقوف کیا، عام حاجیوں نے نہیں تو ان کا حج نہیں ہوگا، صحیح قول یہی ہے۔

اگر کسی ایک یا چند آدمیوں نے ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کی گواہی دی لیکن ان کی گواہی قبول نہیں کی گئی تو ان لوگوں کے نزدیک جو نو ذوالحجہ ہے اس روز ان کے لیے وقوف کرنا ضروری ہے، خواہ دوسرے لوگ بعد میں وقوف کریں۔

## ۶- عرفہ میں وقوف کی سنن اور آداب:

۸ ذوالحجہ کو منیٰ کی طرف روانگی سنت ہے، یوم عرفہ کی فجر تک وہاں ٹھہرے، پھر طلوع آفتاب کے بعد وہاں سے عرفات کو روانہ ہو، اتباع سنت میں حجاج نمرہ کے مقام پر ٹھہریں اور عرفات میں داخل نہ ہوں جیسا کہ مسلم میں ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر چاہیں تو زوال آفتاب تک عرفات میں ٹھہریں، پھر امام ظہر کی نماز سے پہلے اسی طرح دو خطبے دے جیسے جمعہ کی نماز سے پہلے دو خطبے ہوتے ہیں، ان میں لوگوں کو وقوف عرفہ کی جگہ، وقت اور عرفہ سے

روانگی، مزدلفہ میں رات کو قیام اور وہاں سے رمی کے لیے کنکریاں اکٹھی کرنے کی تعلیم دے جیسا کہ حضرت جابرؓ کی حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل معلوم ہوتا ہے۔

پھر مؤذن اذان کہے اور امام لوگوں کو ظہر اور عصر کی نماز جمع اور قصر کرتے ہوئے پڑھائے، اتباع سنت کا تقاضا یہی ہے جیسا کہ مسلم میں ہے، ایک اذان اور دو اقامتیں کہے اور آہستہ قراءت کرے، دونوں نمازوں کے درمیان وقفہ نہ کرے اور حنفیہ کے نزدیک ظہر کے وقت میں عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد اور کوئی نماز نہ پڑھے۔

حنفیہ کے نزدیک ان دونوں نمازوں کو جمع کرنا مناسک حج میں سے ہے اس لیے مقیم اور مسافر سب جمع کریں، لیکن اگر مقیم ہو مثلاً مکہ کا امام ہو تو وہ لوگوں کو پوری نماز پڑھائے، قصر کرنا جائز نہیں اور اس کی اقتدا میں نماز پڑھنے والے حاجی بھی قصر نہ کریں۔

مالکیہ کے نزدیک ظہر اور عصر کو ظہر کے وقت میں جمع کرنا سب کے لیے مسنون ہے حتیٰ کہ عرفہ میں رہنے والوں کے لیے بھی، نیز قصر بھی مسنون ہے مگر عرفہ میں رہنے والے قصر نہ کریں، دونوں نمازیں جمع کرنے کے لیے دوبارہ اذان کہی جائے اور عصر کے لیے الگ اقامت کی جائے، دونوں نمازوں کے درمیان نوافل نہ پڑھے جائیں۔ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ نمازیں جمع نہ کر سکے تو جہاں ٹھہرا ہوا ہے وہیں دونوں نمازیں اکٹھی پڑھے۔

حنابلہ کے نزدیک ہر شخص کو نمازیں جمع کرنے کی اجازت ہے جو بھی عرفات میں ہو، خواہ مکہ کا رہنے والا ہو البتہ مکہ والوں کے لیے قصر کی اجازت نہیں۔ الغرض جمہور ہر قسم کے حاجی کو دونوں نمازیں جمع کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ البتہ مکہ اور عرفات میں رہنے والے قصر نہ کریں جب کہ مالکیہ کے نزدیک مکہ والے بھی قصر کریں۔

شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ عرفہ اور مزدلفہ میں نمازیں جمع کرنا اور قصر کرنا سفر کی وجہ



سے ہے مناسک حج کے باعث نہیں اس لیے یہ صرف مسافروں کے لیے جائز ہے اور سفر اگر قصر کی مقدار کا ہو تو جائز ہے۔ امام مکہ کے رہنے والوں اور جن لوگوں کا سفر ۸۹ کیلومیٹر سے کم ہے انہیں یہ کہے کہ وہ اپنی نماز پوری کر لیں اور دونوں نمازیں جمع نہ کریں۔ سلام پھیرنے کے بعد یوں کہے: اے مکہ والو! اور وہ لوگو جن کا سفر مختصر ہے اپنی نماز پوری کر لو، ہم مسافر ہیں۔ جب حاجی مکہ میں داخل ہوں اور وہاں چار دن ٹھہرنے کی نیت کر لیں تو ان کے لیے پوری نماز پڑھنا ضروری ہے، اگر ۸ ذوالحجہ کو منیٰ روانہ ہوں اور مناسک حج سے فارغ ہونے کے بعد وطن واپسی کی نیت ہو تو جب مکہ سے نکلیں اس کے بعد قصر کریں، کیوں کہ انہوں نے ایسے سفر کا آغاز کر لیا ہے جس میں نماز قصر پڑھی جاتی ہے۔

پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد موقف کی طرف جائیں اور تیز تیز چل کر وہاں پہنچیں۔

### وقوف کے آداب و سنن یہ ہیں (۴۱۸)۔

- ۱- نمرہ میں غسل کرنا۔
- ۲- زوال آفتاب اور دونوں نمازیں پڑھنے سے پہلے کوئی عرفات میں داخل نہ ہو۔
- ۳- امام دو خطبے دے اور دونوں نمازیں باجماعت اکٹھی کرے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔
- ۴- نمازوں سے فارغ ہو کر فوراً وقوف کی جگہ پہنچیں۔
- ۵- افضل یہ ہے کہ جبل رحمت کے دامن میں بڑی چٹانوں کے پاس وقوف کرے۔
- ۶- مناسب ہے کہ غروب آفتاب تک موقف پر رہے تاکہ دن اور رات دونوں کا وقوف ہو جائے بلکہ شافیہ کے سوا جمہور کے نزدیک واجب ہے۔

۷- افضل یہ ہے کہ سواری پر وقوف کرے، یہ پیدل چلنے سے افضل ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا ہے۔ اس سے دعا میں آسانی ہوتی ہے جو اس جگہ کا سب سے اہم مقصد ہے۔

۸- پاک ہو کر، ستر ڈھانپ کر، وقوف عرفہ کی نیت سے قبلہ رو ہو کر کھڑا ہو (۳۱۹)، اگر بے وضو یا جنبی یا حیض کی حالت میں یا نجاست لگی ہو یا برہنہ ہونے کی حالت میں وقوف کیا تو وقوف صحیح ہے لیکن ثواب اور فضیلت سے محروم رہے گا۔

۹- وقوف کرنے والے کے لیے افضل یہ ہے کہ سائے میں نہ ٹھہرے بلکہ سورج کا سامنا کرے البتہ اگر کوئی عذر ہو مثلاً تکلیف ہوتی ہو یا دعا اور تضرع میں کمی واقع ہوتی ہو تو سائے میں چلا جائے۔

۱۰- روزہ نہ رکھے، کیوں کہ روزہ نہ رکھنے سے دعا کرنے میں طاقت اور ہمت پیدا ہوتی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوف کی حالت میں روزہ نہیں رکھا تھا۔

۱۱- دل کی حاضری اور حضوری اور تمام پریشانیاں تھج کر دعا کرے۔

۱۲- کسی سے لڑائی، جھگڑے، گالی گلوچ، نفرت، حقارت اور بری باتوں سے بچے، بلکہ مناسب یہ ہے کہ ہر ممکن مباح گفتگو سے بھی پرہیز کرے کیوں کہ اس سے اہم وقت بے فائدہ کام میں ضائع ہو جاتا ہے۔

۱۳- عرفہ کے دن بالخصوص اور ذوالحجہ کے تمام ایام میں بالعموم بکثرت نیک کام کرے، کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”ان دس ایام کے اعمال سے افضل اور کسی دن کے اعمال نہیں ہیں، لوگوں نے کہا، جہاد بھی نہیں؟ آپؐ نے فرمایا: جہاد بھی نہیں، ہاں اگر کوئی

شخص اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کے لیے نکلا اور اس میں سے کچھ بھی واپس نہ آیا ہو“ (۳۲۰)۔

۱۳- بکثرت دعا، تہلیل، تلاوت قرآن، استغفار، عاجزی و زاری، اپنی کمزوری و بے بسی کا اعتراف اور دعا میں اصرار اور تین تین بار دعا اور تسبیح، تحمید و تکبیر کہے اور بہت زیادہ روئے کیوں کہ یہاں آنسو بہنے چاہیے اور یہاں گناہ معاف کروانے چاہیے۔

ترمذی وغیرہ نے اس سلسلے میں جو سب سے افضل روایت بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”افضل ترین دعا عرفہ کی دعا ہے، اور بہترین کلمات جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے کہے وہ یہ ہیں:

لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير“۔ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کی بادشاہی ہے وہی حمد کے لائق ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

ترمذی نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ میں وقوف کے دوران بہت کثرت سے یہ دعا فرمائی: ”اللہم لك الحمد كالذي نقول وخيراً مما نقول، اللہم لك صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي، واليك مآبى ولك ربي ترائى“۔

(اے اللہ! سب تعریفیں تیرے لیے ہیں، جو ہم کرتے ہیں اور ان سے بہتر جو ہم کرتے ہیں، اے اللہ! میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور موت، تیرے لیے ہے، میرا ٹھکانا تیرے پاس ہے اور میری وراثت تیرے لیے ہے)۔

اللہم انى اعوذ بك من عذاب القبر و وسوسة الصدر و شتات الأمر، اللہم

انی اعوذ بک من شر ما تجیء به الريح (اے اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور سینے کے وسوسے اور معاملات کی پراگندگی سے، اے اللہ! ہوا جو کچھ لاتی ہے اس کی شر سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں)۔

پسندیدہ دعاؤں میں سے یہ بھی ہیں:

اللّٰهُمَّ اَتْنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ، اللّٰهُمَّ اِنِي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَاِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ، اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ تَصْلِحْ بِهَا شَأْنِي فِي الدَّارَيْنِ، وَارْحَمْنِي رَحْمَةً مِنْكَ اسْعِدْ بِهَا فِي الدَّارَيْنِ وَتُبْ عَلَيَّ تَوْبَةً نَّصُوحًا لَا اَنْكُثُهَا اَبَدًا وَالزَّمَنِي سَبِيلَ الْاِسْتِقَامَةِ لَا اَزِيْعُ عَنْهَا اَبَدًا، اللّٰهُمَّ اَنْقِضْ لِي مِنَ الذُّنُوبِ الْمَعْصِيَةَ الَّتِي عَزَّ الطَّاعَةَ وَاغْنِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَبَطَاعَتِكَ عَنْ مَعْصِيَتِكَ وَبِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ وَنُورِ قَلْبِي وَقَبْرِیْ وَاعْزِزْنِي مِنَ الشَّرِّ كُلِّهِ وَاجْمَعْ لِي الْخَيْرَ كُلَّهُ، اسْتَوْدِعْتَنِي دِيْنِي وَ اَمَانَتِي وَقَلْبِي وَبَدَنِي وَخَوَاتِيمَ عَمَلِي وَجَمِيعَ مَا اَنْعَمْتَ بِهِ عَلَيَّ وَعَلَى جَمِيعِ اَحْبَائِي وَالْمُسْلِمِيْنَ اَجْمَعِيْنَ:

(اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور آگ کے عذاب سے بچا، اے اللہ! میں نے اپنے آپ پر بہت ظلم کیا، تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں، مجھے اپنی مغفرت سے نواز، مجھ پر رحم فرما، بے شک تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے، اے اللہ! مجھے اپنی طرف سے بخش دے، جس کے ذریعے دونوں جہانوں میں میری حالت سدہار دے، مجھ پر ایسا رحم کر کہ دونوں جہانوں میں خوش نصیب کر دے، مجھے ایسی خالص توبہ کی توفیق دے کہ اسے میں توڑ نہ سکوں، مجھے ایسی استقامت عطا فرما کہ میرے پاؤں میں کبھی

لغزش نہ آئے، خدایا مجھے نافرمانی کی ذلت سے نکال کر فرماں برداری کی عزت میں منتقل کر دے، حرام سے بے نیاز کر کے حلال میں کفایت فرما دے۔ معصیت سے نکال کر طاعت میں داخل کر دے اور اپنے سوا ہر کسی سے بے نیاز کر دے، میرا دل اور میری قبر منور فرما دے۔ مجھے ہر طرح کی شر سے پناہ دے، میرے لیے ہر طرح کی خیر اکٹھی فرما دے، میں نے اپنا دین، اپنی امانت، اپنا دل، اپنا بدن، اپنے اعمال کا خاتمہ اور وہ تمام نعمتیں جو تو نے مجھ پر، میرے احباب اور تمام مسلمانوں پر کیں تیرے پاس امانت رکھ دی ہیں)۔

مستحب یہ ہے کہ آواز بلند کرتے ہوئے کثرت سے تلبیہ کہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ مناسب یہ ہے کہ یہ تمام انواع ادا کرے، کبھی دعا کرے، کبھی تہلیل و تکبیر کہے، کبھی تلبیہ کہے، کبھی درود پڑھے کبھی استغفار کرے، کبھی اکیلے دعا کرے، کبھی جماعت کے ساتھ۔

اپنے لیے، اپنے والدین، اقرباء، اساتذہ، احباب، دوستوں، ساتھیوں، تمام محسنوں اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے۔

بکثرت استغفار کرے اور تمام گناہوں سے توبہ کرے، دل میں توبہ کا پختہ عزم کرتے ہوئے زبان سے توبہ کے الفاظ ادا کرے۔ ذکر اور دعا کے ساتھ کثرت سے روئے۔ یہ جگہ ہے جہاں آنسو بہائے جاتے ہیں اور گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں اور درخواستوں کی قبولیت کی آرزو کی جاتی ہے۔

یہ ایسا بابرکت اجتماع اور عظیم الشان وقوف ہے جس میں اللہ کے خاص الخاص نیک اور مقرب بندے جمع ہوتے ہیں۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا اجتماع ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عرفہ کے دن کے سوا کوئی ایسا

دن نہیں جس میں اللہ تعالیٰ اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کو آگ کے عذاب سے آزاد کرتا ہو، اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں پر فخر کرتا ہے اور پوچھتا ہے: یہ کیا چاہتے ہیں؟“۔

## بحث ششم: واجبات حج

حج اور عمرہ کے واجبات میں جنہیں ترک کرنے کی تلافی دم (قربانی) سے کی جاسکتی ہے۔ فقہاء میں اختلاف ہے، جیسا کہ ہمیں معلوم ہے۔ حنفیہ کے نزدیک حج کے بائیس واجبات ہیں۔ جنہیں کتاب اللباب نے پینتیس تک شمار کرایا ہے، ان میں سعی، رات کے دوسرے نصف میں خواہ لمحہ بھر کے لیے ہی ہو مزدلفہ میں وقوف، رمی جمار، سرمنڈانا یا بال کٹوانا، اور طواف وداع شامل ہیں، طواف وداع آفاقی (جو میقات سے باہر رہتا ہو) اور اس عورت پر واجب ہے جسے حیض نہ آیا ہو۔

عمرہ کے واجبات ان کے نزدیک صرف دو ہیں: سعی اور سرمنڈانا یا بال کٹوانا۔

مالکیہ کے نزدیک حج کے واجبات پانچ ہیں: صحیح تر قول کے مطابق طواف قدوم، وقوف مزدلفہ، رمی جمار، مشہور روایت کے مطابق سرمنڈانا یا بال کٹوانا، منیٰ میں رات گزارنا، عمرہ میں ایک ہی چیز واجب ہے، سرمنڈانا یا بال کٹوانا۔

شافعیہ کے نزدیک حج کے واجبات پانچ ہیں: میقات زمانی اور مکانی سے احرام باندھنا، رمی جمار، مزدلفہ میں رات گزارنا یعنی وقوف مزدلفہ، راجح قول کے مطابق منیٰ میں رات گزارنا اور طواف وداع۔ عمرہ کے تمام اعمال شافعیہ کے نزدیک ارکان ہیں البتہ حرم کے باہر سے احرام باندھنا واجب ہے، سرمنڈانا یا بال کٹوانا مشہور قول کے مطابق حج اور عمرہ دونوں میں رکن ہیں۔

حنابلہ کے نزدیک حج کے واجبات چھ ہیں: میقات سے احرام باندھنا، دن کے وقت غروب آفتاب تک وقوف عرفہ، نصف رات کے بعد مزدلفہ میں گھبرنا، منیٰ میں رات گزارنا، ترتیب سے جمرات کی رمی کرنا، سرمنڈانا یا بال کٹوانا، طواف واداع۔

عمرہ کے دو واجبات ہیں: سرمنڈانا یا بال کٹوانا، حرم کے باہر سے احرام باندھنا۔

ہم نے میقات سے احرام باندھنے، سعی اور طواف کے اقسام کے احکام بیان کر دیئے ہیں۔ دوسرے واجبات کے احکام کا بیان باقی ہے جو حسب ذیل ہے:

### مطلب اوّل: وقوف مزدلفہ۔

اس کا شرعی طریقہ، اس کا رکن، جگہ، وقت اور اپنے وقت سے رو جائے تو اس کا حکم، وقوف مزدلفہ کی سنتیں (۳۳)۔

۱- مزدلفہ میں وقوف کا طریقہ: تمام مذاہب کا اتفاق ہے کہ مزدلفہ میں وقوف واجب ہے، رکن نہیں ہے۔ جو چھوڑ دے اسے دم دینا ہوگا، حنابلہ کے نزدیک مزدلفہ میں رات رہنا واجب ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک سنت ہے، شافعیہ کے دو قول ہیں: واجب ہے یہ سنت ہے۔ نووی اور سبکی نے واجب قرار دیا ہے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی عذر نہ ہو تو واجب ہے اور اگر کسی مجبوری کے باعث رو جائے تو قطعی طور پر دم واجب نہیں ہوتا۔ عذر میں یہ امر بھی شامل ہے کہ اگر کوئی رات کے وقت عرفہ میں پہنچے اور وقوف عرفہ کی مسروفیت کے باعث مزدلفہ نہیں گھبر سکے۔ نیز جو شخص عرفہ سے سیدھا مکہ آیا اور طواف رکن کر لیا اور مزدلفہ کا قیام اس سے چھوٹ گیا۔ اذرعی کی رائے یہ ہے کہ جو شخص مشقت اٹھائے بغیر مزدلفہ نہ پہنچ سکے اگر ممکن ہو تو اسے اٹھا کر لے جایا جائے، اگر ممکن ہو تو دونوں واجبات کو جمع کرنا ضروری ہے۔ معذور افراد میں وہ خواتین بھی شامل ہیں جنہیں یہ خوف

ہو کہ انہیں حیض یا نفاس آ جائے گا اور وہ عرفہ سے طواف کے لیے مکہ چلی جائیں۔ کفایۃ الاختیار میں ہے کہ مزدلفہ میں رات گزارنا سنت ہے۔ حنفیہ کے نزدیک لمحہ بھر کا وقوف واجب ہے، خواہ وہاں سے صرف گزر جائے، جیسا کہ عرفہ میں ہے اور سنت یہ ہے کہ صبح کا اجالا ہونے تک وہاں ٹھہرے۔

حنابلہ کے نزدیک آدھی رات کے بعد وہاں موجود ہونا واجب ہے، اگر نصف شب کے بعد وہاں سے چل پڑا تو کوئی حرج نہیں، شافعیہ کے نزدیک نصف شب کے بعد اگر ایک لمحہ کے لیے بھی مزدلفہ میں ہے تو واجب ادا ہو گیا۔

مالکیہ کے نزدیک اتنی دیر ٹھہرنا واجب ہے جتنی دیر میں سواری سے اتر کر مغرب اور عشا کی نماز پڑھی جاتی ہے اور کچھ کھا پی لیا جاتا ہے۔ حنابلہ کے سوا باقی فقہاء کی رائے تمام مذاہب میں آسان تر ہے، جس میں آج کے دور میں حاجیوں کی کثرت اور رات کو رہنے کی دقتوں کے پیش نظر آسانی ہے۔

مشعر حرام یعنی جبل قزح پر آنا حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے، مالکیہ کی مستند روایت یہ ہے کہ سنت ہے اور شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک بھی سنت ہے۔

مزدلفہ میں رات رہنے کے وجوب کی دلیل یہ ارشاد ربانی ہے: فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام (جب عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو، البقرہ، ۲: ۱۹۸) نیز ارشاد نبویؐ ہے: ”جو کوئی ہماری اس نماز (یعنی نماز فجر) میں حاضر ہوا اور ہمارے ساتھ وقوف کیا یہاں تک کہ ہم روانہ ہو گئے اور اس سے پہلے دن یا رات کے وقت عرفہ میں وقوف کر چکا تو اس کا حج مکمل ہو گیا، وہ احرام کھول دے“ اسے مسند احمد اور سنن اربعہ نے روایت کیا اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔



مزدلفہ کے کئی نام ہیں: مزدلفہ، جمع، مشعر حرام۔

مزدلفہ کی حد: عرفہ کی گھاٹیوں سے قرنِ محسر تک اور دائیں بائیں جو گھاٹیاں ہیں وہ بھی مزدلفہ میں شامل ہیں، جہاں کہیں بھی ٹھہر گیا وقوف مزدلفہ ادا ہو جائے گا کیوں کہ ارشادِ نبویؐ ہے: ”مزدلفہ موقوف ہے“ (۳۲۲)۔

۲- وقوف مزدلفہ کا رکن: حنفیہ کہتے ہیں: وقوف مزدلفہ کا رکن یہ ہے کہ حاجی مزدلفہ میں ہو، خواہ اپنے عمل سے یا کسی دوسرے کے عمل سے، اس کے کہنے سے یا کہنے کے بغیر اسے کسی نے وہاں اٹھا کر پہنچا دیا ہو، خواہ سویا ہوا ہو، بے ہوش ہو، دیوانہ ہو، مدہوش ہو، نیت کی ہو خواہ نہ کی ہو، معلوم ہو خواہ معلوم نہ ہو، خواہ عرفہ کی طرح وہاں سے صرف گزر جائے۔

مالکیہ کے نزدیک مزدلفہ میں اتنی دیر ٹھہرنا ضروری ہے جتنی دیر وہاں سواری سے اتر کر مغرب اور عشا کی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں اور کچھ کھایا پیا جاسکتا ہے۔ اگر سواری پر سے نہیں اترتا تو دم دے، مشعر حرام کے پاس وقوف سنت ہے، مستند قول یہی ہے۔

شافعیہ کے نزدیک مزدلفہ میں رات گزارنے کا واجب اس سے ادا ہو جاتا ہے کہ لحظہ بھر کے لیے مزدلفہ میں موجود ہے جیسا کہ وقوف عرفات کے بارے میں تھا، اگر وہاں سے گزر گیا، رکا نہیں، تب بھی کافی ہے۔ اس کا وقت رات کا دوسرا نصف ہے، نصف رات کے بعد عورتوں اور کمزور افراد کو آگے منیٰ بھیج دینا سنت ہے، نیز سنتِ نبویؐ کا تقاضا ہے کہ وہ تلبیہ اور تکبیر کہتے ہوئے جائیں (۳۲۳)۔ باقی لوگ وہیں رہیں اور اندھیرے میں صبح کی نماز وہیں ادا کریں۔

حنابلہ کہتے ہیں: مزدلفہ میں رات کو رہنا واجب ہے، جو چھوڑ دے اس پر دم واجب ہوگا، جو وہاں ٹھہرے، اس کے لیے نصف شب سے قبل وہاں سے جانا جائز نہیں۔ اگر اس

کے بعد چلا گیا تو کوئی کفارہ نہیں ہے۔ کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”مجھ سے مناسک حج سیکھ لو“ آدھی رات کے بعد جانا جائز ہے کیوں کہ حدیث میں اس کی اجازت ہے، ابن عباسؓ کہتے ہیں ”میں ان لوگوں میں تھا جن کو آپؐ نے اپنے گھر کے کمزور افراد کے ساتھ مزدلفہ سے منیٰ آگے بھیج دیا تھا“۔ اسی طرح آپؐ نے حضرت اسماءؓ کو اجازت دے دی تھی (۳۲۳)۔

جنابت اور حیض سے طہارت شرط نہیں ہے کیوں کہ یہ عبادت بیت اللہ سے متعلق نہیں، اس لیے طہارت کے بغیر جائز ہے جیسے وقوف عرفہ اور رمی جمار۔

### ۳- مزدلفہ میں وقوف کی جگہ:

مزدلفہ (منیٰ اور عرفہ کے درمیان) بطن محسر (منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان ایک وادی کا نام ہے) کے سوا سارے کا سارا موقف ہے، مزدلفہ میں جہاں چاہے وقوف کرے درست ہے، وادی محسر کے سوا جہاں چاہے اتر جائے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”عرفات وادی عرنہ کے سوا سارا موقف ہے اور مزدلفہ وادی محسر کے سوا سارا موقف ہے“ (۳۲۵)۔

حنفیہ کے نزدیک وادی محسر میں ٹھہرنا مکروہ ہے لیکن اگر وہاں ٹھہر گیا تو وقوف درست ہے البتہ مکروہ ہے۔

افضل یہ ہے کہ امام جبل قزح (مزدلفہ کے آخر میں مشعر حرام) پر قیام کرے اور دوسرے لوگ امام کے پیچھے قیام کریں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ نے جبل قزح پر قیام فرمایا، اور فرمایا: ”مجھ سے مناسک حج سیکھ لو“ (۳۲۶)۔

### ۴- مزدلفہ میں وقوف کا وقت:

فقہاء کی دو آراء ہیں:

۱- حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ وقوف مزدلفہ کا وقت قربانی کے دن کے طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک ہے، کیوں کہ حضرت جابرؓ اور ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلوع آفتاب سے پہلے وہاں سے چل پڑے تھے۔ جس کسی نے طلوع فجر سے پہلے یا طلوع آفتاب کے بعد وقوف کیا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ وقوف کی واجب مقدار لمحہ بھر ہے، سنت مقدار یہ ہے کہ اچھی طرح اجالا ہونے تک وہاں ٹھہرا رہے۔ سنت یہ ہے کہ قربانی کی رات مزدلفہ میں گزارے۔ رات رہنا واجب نہیں، وقوف واجب ہے، افضل یہ ہے کہ نماز کے بعد وقوف کرے، پھر صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھے، پھر مشعر حرام کے پاس وقوف کرے، اللہ سے دعا کرے، اس سے اپنی حاجات مانگے، یہاں تک کہ اجالا ہو جائے، پھر طلوع آفتاب سے پہلے وہاں سے منیٰ کی طرف روانہ ہو جائے، اگر طلوع فجر کے بعد نماز فجر سے پہلے روانہ ہو گیا تو اچھا نہیں کیا لیکن کوئی کفارہ نہیں ہے کیوں کہ اس میں سنت کا ترک ہے۔

۲- جمہور کی رائے یہ ہے کہ وقوف کا وقت رات کا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے:

مالکیہ کہتے ہیں: وقوف کا وقت رات کے اجزا میں سے کوئی جز ہیں، جس کی مقدار یہ ہے کہ اتنی دیر ٹھہرے کہ سواری سے اتر کر مغرب اور عشا کی نمازیں پڑھ سکے اور کچھ کھا پی سکے۔ سنت یہ ہے کہ قربانی کی رات مزدلفہ میں گزارے، جب صبح ہو تو اندھیرے میں نماز پڑھے، پھر اٹھ کر مشعر حرام کی طرف جائے (مزدلفہ کے آخری کنارے پر چھوٹی پہاڑی ہے) مستند یہ ہے کہ یہ سنت ہے، پھر اس پر کھڑے ہو کر اجالا ہونے تک عاجزی و زاری سے دعا کرے، پھر طلوع آفتاب سے پہلے منیٰ کو چلے جائیں اور وادی محسر سے تیز تیز گزریں۔

شافعیہ کہتے ہیں مزدلفہ میں وقوف کا وقت آدھی رات کے بعد کا ہے، جو رات کے

دوسرے نصف میں وہاں نہ ہو وہ قربانی کے طور پر جانور ذبح کرے۔

حنابلہ کہتے ہیں: طلوع فجر تک رات کو مزدلفہ میں رہنا واجب ہے جو چھوڑ دے اس پر دم واجب ہوگا، اگر اوّل وقت میں صبح کی نماز پڑھی تو مشعر حرام کے پاس ٹھہرے، اگر ممکن ہو تو اس پر چڑھ جائے ورنہ اس کے پاس کھڑے ہو کر اللہ کا ذکر کرے، دعا کرے اور بہت محنت سے ذکر و دعا کرے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے:

فاذا افضتم من عرفات فاذكروا الله عند المشعر الحرام (جب عرفات سے واپس ہو تو مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو البقرہ ۲: ۱۹۸) حضرت جابرؓ کی حدیث ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشعر حرام کے پاس آئے، اس پر چڑھے، اللہ سے دعا کی تہلیل و تکبیر اور کلمہ توحید پڑھا“ جو کوئی مزدلفہ میں رات گزراے اس کے لیے نصف شب سے پہلے وہاں سے جانا جائز نہیں۔ اگر اس کے بعد چلا گیا تو کوئی کفارہ نہیں ہے۔

۵- مزدلفہ کا وقوف اگر اپنے وقت سے قضا ہو جائے تو اس کا حکم:

حنفیہ کہتے ہیں، اگر کسی کا وقوف مزدلفہ کسی عذر کی بنا پر قضا ہو جائے تو کوئی کفارہ نہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے کمزور افراد کو آگے بھیج دیا تھا اور کسی کفارے کا حکم نہیں دیا۔ اگر کسی عذر کے بغیر قضا ہو جائے تو دم دے کیوں کہ بلا عذر واجب چھوڑ دینے سے کفارہ واجب ہوتا ہے۔

جمہور کہتے ہیں: مزدلفہ کا وقوف چھوڑنے سے دم واجب ہوتا ہے۔

۶- وقوف مزدلفہ کی سنتیں:

مزدلفہ میں مندرجہ ذیل امور مستحب ہیں:

۱- مشعر حرام کے وقوف اور عید کے لیے رات کو غسل کرے کیوں کہ وہاں اجتماع ہوتا ہے۔ اگر پانی نہ ملے تو تیمم کرے، جیسا کہ نووی نے الايضاح میں ذکر کیا ہے۔

۲- مغرب اور عشا کی نمازیں تاخیر سے جمع کرے، ہر نماز کے لیے اقامت کہے جیسے کہ نمرہ میں اول وقت میں دونوں نمازیں جمع کرنی ہوتی ہیں۔ اکیلا پڑھے چاہے امام کے ساتھ دونوں نمازیں اکٹھی پڑھے۔

۳- رات بھر عبادت کرے، نماز، تلاوت، ذکر، دعا اور عاجزی و زاری میں مصروف رہے۔

۴- آدھی رات کے بعد تیاری کرے اور مزدلفہ سے کنکریاں اکٹھی کرے تاکہ قربانی کے دن جمرہ عقبہ پر سات کنکریاں مار سکے اور ایام تشریق کے تین دنوں میں تریسٹھ کنکریاں مل کر ستر کنکریاں ہوتی ہیں۔ کنکریاں پورے کی مقدار سے کم مٹر کے دانے کے برابر ہو، یعنی باقلا کے دانے کے برابر ان سے بڑی کنکریاں لینا مکروہ ہیں، بلا عذر پتھر توڑنا مکروہ ہے، چھوٹی کنکریاں جمع کرے، اس جگہ کنکر توڑنا منع ہے کیوں کہ اس سے لوگوں کو ڈیذا ہو سکتی ہے۔

جہاں کہیں سے کنکریاں اٹھائے، جائز ہے لیکن مسجد سے، ناپاک جگہوں سے اور جمرات سے جہاں رمی کرنا ہو کنکریاں اٹھانا مکروہ ہے، ابن عباسؓ کا قول ہے: ”جو کنکریاں قبول ہوتی ہیں اٹھالی جاتی اور جو قبول نہیں ہوتیں پڑی رہتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو پہاڑوں کے درمیان کا حصہ کنکروں سے پٹ جائے۔“

مارنے کے لیے جمع کی ہوئی کنکریاں دھونا مکروہ نہیں ہے، نووی اور بعض حنابلہ نے بتایا ہے کہ کنکریاں دھونا مستحب ہیں کیوں کہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ دھویا کرتے تھے، حنابلہ کی کتاب غایۃ الملتحیٰ میں ہے کہ غیر نجس کنکریاں دھونا مسنون نہیں۔

۵- مشعر حرام میں وقوف اور اگر ممکن ہو تو اس پر چڑھنا، ورنہ اس کے پاس یا اس کے

نیچے کھڑا ہو۔

۶- صبح کی نماز اول وقت میں پڑھے، اس دن باقی ایام کی بہ نسبت جلدی نماز پڑھنے کی زیادہ تاکید ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا ہے، تاکہ دوسرے کاموں کے لیے وقت میں گنجائش ہو، اس دن بہت کام کرنے ہوتے ہیں، حج کے ایام میں اس سے زیادہ کام کسی ایک دن میں نہیں ہیں۔

۷- نماز فجر کے بعد قبلہ رو ہو کر مشعر حرام کے پاس وقوف کرے، دعا کرے، اللہ کی حمد و تکبیر و تہلیل اور کلمہ توحید پڑھے اور بکثرت تلبیہ کہے، مستحب یہ ہے کہ اپنی دعا میں کہے:

اللّٰهُمَّ كَمَا اَوْقَفْتَنَا فِيْهِ، وَاَرَيْتَنَا اِيَّاهُ، فَوْقْنَا لَذِكْرِكَ كَمَا هَدَيْتَنَا، وَاغْفِرْ لَنَا  
وَارْحَمْنَا كَمَا وَعَدْتَنَا بِقَوْلِكَ، وَقَوْلِكَ الْحَقُّ: فَاِذَا اَفْضَيْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا  
اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ،  
ثُمَّ اَفِيضُوا مِّنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ، اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (اے اللہ!  
جیسے تو نے ہمیں یہاں کھڑا ہونے کی توفیق دی اور یہ جگہ دکھائی، ہمیں اپنے ذکر کی توفیق  
دے جیسے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی، ہمیں معاف فرما، اور رحم فرما جیسا کہ تو نے اپنے قول  
میں وعدہ کیا اور تیرا قول سچ ہے، جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام کے پاس اللہ کو یاد  
کرو اور جیسے اس نے تمہیں ہدایت کی اسی طرح کا ذکر کرو، اس سے قبل تم ناواقفوں میں  
سے تھے۔ پھر وہاں سے لوٹو جہاں سے دوسرے لوگ لوٹتے ہیں، اللہ سے معافی مانگو، وہ  
بخشنے والا ہے رحم کرنے والا، البقرہ ۲: ۱۹۸-۱۹۹) پھر کہے: اللہ اکبر (تین بار) لا الہ الا  
اللہ، واللہ اکبر، اللہ اکبر، واللہ الحمد۔

وہاں صبح کا اجالا ہونے تک وقوف کرے کیوں کہ حضرت جابرؓ کی مذکورہ بالا حدیث

میں ہے کہ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ٹھہرے رہے تا آنکہ خوب اجالا ہو گیا“ پھر اتباع نبویؐ میں طلوع آفتاب سے پہلے وہاں سے چل پڑے اور تلبیہ و ذکر کرتا جائے کیوں کہ اوپر آیت فاذا افضتم من عرفات ..... (البقرہ، ۲: ۱۹۸) میں یہی حکم ہے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمی جمرہ تک تلبیہ کہتے رہے (۳۲۷)۔

۸- کمزور عورتوں وغیرہ کو طلوع فجر سے پہلے منیٰ روانہ کر دینا تا کہ بھیڑ ہونے سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کر لیں۔ یہ روانگی نصف شب کے بعد ہونی چاہیے۔ شافعیہ کے نزدیک یہ سنت ہے۔

دوسرے لوگ وہیں رکے رہیں یہاں تک صبح کی نماز وہیں پڑھیں، نماز پڑھ کر منیٰ کو روانہ ہو جائیں۔

۹- وادی محسر (مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادی) کے درمیان تیز تیز چلے (۳۲۸) اگر پیدل چل رہا ہو، اگر سوار ہو تو سواری کو تیز چلائے، یہ اتنی جگہ ہے جتنی مسافت پر پتھر پھینکا جا سکتا ہے، وادی کا عرض طے ہونے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں سوار بھی تیز چلے جیسا کہ مسلم میں روایت ہے۔ پیدل چلنے والوں کو سوار پر قیاس کیا جائے گا۔ کیوں کہ اس وادی میں ان لوگوں پر عذاب آیا تھا جو ہاتھیوں کی فوج لے کر خانہ کعبہ کو منہدم کرنے آئے تھے۔

ان کے سوا مزدلفہ میں آنے جانے کے لیے سکون اور وقار کو ملحوظ رکھنا بھی مستحب ہے، کیوں کہ حضرت جابرؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے: ”لوگو، سکون و اطمینان سے“ (۳۲۹)۔

## مطلب دوم: منیٰ میں رمی جمار اور وہاں رات رہنے کا حکم:

ہم رمی کا مفہوم، رمی کا وجوب اور اس وقت اللہ کی طرف رجوع، اس کا وقت، جگہ، شرائط کنکریوں کی تعداد اور مقدار، جنس اور کنکریاں اٹھانے کی جگہ، ہر روز کس جگہ کتنی کنکریاں ماری جائیں، کنکریاں مارنے کی کیفیت، سنت طریقہ، اس کے مکروہات، اگر وقت سے مؤخر ہو جائے تو رمی کا حکم (۳۳۰) وغیرہ سب امور بیان کرنے کے بعد رات کو منیٰ میں رہنے کا حکم بیان کریں گے۔

### ۱- رمی جمار کا مفہوم، اس کی حکمت اور منیٰ کی حدود:

لغت میں رمی جمار کا مطلب ہے چھوٹے پتھر یعنی کنکر پھینکنا، جمار، جمرہ کی جمع ہے۔ جمرہ کنکری کو کہتے ہیں، شریعت میں رمی جمار کا مطلب ہے خاص وقت میں خاص جگہ پر مخصوص تعداد میں کنکر مارنا، اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ اگر کسی نے ہاتھ سے وہاں کنکریاں رکھ دیں تو کافی نہیں کیوں کہ اس میں مارنے کا مفہوم نہیں ہے اور اگر پھینک دیں تو واجب ادا ہو گیا کیوں کہ اس میں مارنے کا مفہوم ہے اگرچہ ہلکا مارنا ہے کیوں کہ اس سے مراد شیطان کو مارنا ہے۔

### رمی کی حکمت:

یہ ایک علامتی عمل ہے جس میں شیطان کی مخالفت کو ایک مادی عمل کے ذریعے سے مشکل کیا گیا ہے کیوں کہ وہ لوگوں کو گناہوں میں مبتلا کرتا ہے۔ صرف اس وقت نہیں بلکہ ہر وقت، کیوں کہ محسوس سے غیر محسوس پر استدلال کیا جاتا ہے۔ نیز اس عمل میں



سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ ہاجرہ اور بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی اقتدا بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں تو ان سب نے ابلیس کو کنکریاں ماریں کیوں کہ وہ ان کے دلوں میں وسوسے ڈال رہا تھا کہ ذبح نہ کریں۔ نیز اس میں کسی تردد اور رکاوٹ کے بغیر اللہ کے حکم کی فرمان برداری ہے۔

### منیٰ کی حدود:

وادی محسر اور جمرہ عقبہ کے درمیان منیٰ ہے۔ وادی منیٰ کا طول تقریباً دو میل ہے۔ عرض کم ہے اس کے ارد گرد جو پہاڑ ہیں، ان کی سامنے کی جانب منیٰ میں شامل ہے اور کچھلی جانب منیٰ میں شامل نہیں ہے۔ جمرات تین ہیں: پہلا یا چھوٹا، درمیانہ اور جمرہ عقبہ یا بڑا جمرہ یا آخری جمرہ۔ پہلا مسجد خیف کے پاس ہے، مسجد خیف یا مسجد ابراہیم علیہ السلام مکہ سے ایک میل سے کم فاصلے پر ہے، جمرہ عقبہ مکہ کی جانب سے منیٰ کے آخر میں ہے۔ عقبہ جس کی طرف یہ جمرہ منسوب ہے منیٰ میں نہیں ہے بلکہ یہ جمرہ مکہ مکرمہ میں وہ جگہ ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ سے قبل انصار سے بیعت لی تھی۔ مکہ سے آنے والے کے لیے منیٰ کے شروع میں ایک بڑی چٹان ہے اور یہ سارے کا سارا راستے کے درمیان واقع ہے اور آخری جمرہ درمیانہ جمرہ سے ۱۵۵ میٹر کے فاصلے پر ہے، حاجی پہلے جمرہ سے شروع کرے اور تیسرے پر ختم کرے۔

### ۲۔ کنکریاں مارنے کا وجوب اور اس میں کسی کو ناسب بنانا:

رمی جمار (قربانی کے دن جمرہ عقبہ پر اور ایام تشریق میں تینوں جمرات پر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے اتباع میں بالاتفاق واجب ہے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ اپنی سواری پر قربانی کے دن جمرہ پر رمی فرما

رہے تھے اور فرماتے تھے: مجھ سے مناسک کی تعلیم حاصل کرو، نہ معلوم، شاید میں اس حج کے بعد حج نہ کر سکوں“ (۳۳۱)۔

جو شخص بیماری، قید، بڑھاپے یا عورت حمل کے باعث خود رمی کرنے سے عاجز ہو، اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی دوسرے کو رمی کے لیے اپنا نائب بنا دے۔ ایسا مریض جیسے رمی کا وقت ختم ہونے تک تندرست ہونے کی امید نہ ہو، قیدی، بوڑھا اور حاملہ عورت بھی کسی کو اپنا وکیل بنا سکتے ہیں، جو ان کی طرف سے تمام جمرات پر رمی کرے، ایک آدمی کئی لوگوں کا وکیل ہو سکتا ہے۔ البتہ وکیل ہر جمرہ پر پہلے اپنی طرف سے رمی کرے، اگر وکیل بنانے والے کے لیے ممکن ہو تو مستحب یہ ہے کہ وہ اپنے وکیل یا نائب کو کنکریاں تھمائے اور خود تکبیر کہے: اللہ اکبر تین بار، لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر، اللہ اکبر، واللہ الحمد، جیسا کہ امام شافعی سے منقول ہے۔

لیکن مالکیہ کے نزدیک وکیل بنانے والے پر دم واجب ہوگا اور وکیل بنانے کا فائدہ یہ ہے کہ مؤکل گناہ سے بچ جائے گا۔ البتہ دم اس کے ذمے واجب ہوگا۔ ہماری رائے میں شدید بھیڑ کی صورت میں عورت کے لیے کسی دوسرے کو وکیل بنا لینا مرض کی بہ نسبت اولیٰ ہے۔

### ۳- رمی کا وقت:

۱۔ جمرہ عقبہ کی رمی (یا بڑے جمرہ کی رمی): شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کا وقت قربانی کی رات کے دوسرے نصف سے شروع ہوتا ہے اور افضل یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد رمی کرے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ کو قربانی کی رات بھیج دیا تھا، انہوں نے طلوع فجر سے پہلے رمی کر لی اور پھر جا کر طواف افاضہ کر لیا،

(۳۳۲) رمی منیٰ کا سلام ہے، اس لیے منیٰ میں اس سے پہلے کوئی کام نہیں کرنا چاہیے۔

مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک رمی کا وقت عید کے دن طلوع آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے، کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”طلوع آفتاب سے پہلے رمی نہ کرو“ (۳۳۳)۔ جمہور کے نزدیک جمرہ عقبہ پر پہلی کنکری پھینکنے کے ساتھ ہی مفرد حج کرنے والا اور قرآن کرنے والا تلبیہ کہنا ختم کر دے کیوں کہ فضل بن عباسؓ سے صحاح ستہ نے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: ”میں مزدلفہ سے منیٰ تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، آپؐ جمرہ عقبہ کی رمی تک مسلسل تلبیہ کہتے رہتے“ (۳۳۴)۔ عمرہ کرنے والا طواف شروع کرنے تک تلبیہ کہے۔

مالکیہ کے نزدیک عرفہ کے دن زوال آفتاب کے وقت جب موقف کی طرف روانہ ہو تو تلبیہ کہنا بند کر دے۔ اس جمرہ پر رمی کا وقت عید کے دن کے اختتام تک ہے کیوں کہ بخاری میں روایت ہے کہ ”ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں نے مساء کے بعد رمی کی، آپؐ نے فرمایا کوئی حرج نہیں“، اور مساء سے مراد زوال آفتاب ہے۔

### ب۔ ایام تشریق میں تینوں جمرات کی رمی کرنا:

ہر روز بالاتفاق زوال آفتاب یعنی ظہر کے بعد رمی کی جائے کیوں کہ ابن عباسؓ کہتے ہیں: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زوال آفتاب کے بعد رمی کی“ (۳۳۵)۔ زوال آفتاب سے پہلے رمی جائز نہیں اور اس کا وقت غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

اگر رات تک رمی مؤخر کر دی تو مالکیہ کے نزدیک قضا ہوگئی کیوں کہ ادا کا وقت یعنی وہ دن جس میں رمی واجب تھی نکل گیا، اب اس تاخیر کی وجہ سے دم دے، ایک یا ایک سے زائد کنکریاں پھینکنے میں دیر ہوگئی تو ایک ہی دم دینا ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک اگر رات آنے تک رمی مؤخر کر دی لیکن صبح سے پہلے کر لی تو جائز

ہے اور دم واجب نہیں ہے کیوں کہ رمی کے دنوں میں رات بھی رمی کا وقت ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایام تشریق کے تیسرے دن یعنی رمی کے چوتھے دن زوال آفتاب سے پہلے رمی جائز ہے کیوں کہ ابن عباسؓ کا قول ہے: ”جب ایام تشریق کا آخری دن شروع ہو جائے تو رمی جائز ہے“۔

حنا بلہ کے نزدیک زوال آفتاب کے بعد دن ہوتے ہی رمی کی جا سکتی ہے، صرف پانی پلانے والے اور چرواہے رات دن میں کسی بھی وقت رمی کر سکتے ہیں۔

شافعیہ کے نزدیک: رمی کا وقت زوال آفتاب سے غروب تک ہے۔ اگر کسی نے دن کی رمی چھوڑ دی تو دوسرے دنوں میں اس کا تدارک کر لے۔ گویا ایام تشریق میں ہر روز رمی کا وقت غروب آفتاب تک باقی رہتا ہے لیکن اگر کسی نے رمی مؤخر کر دی، حتیٰ کہ جمرہ عقبہ کی رمی بھی مؤخر کر دی تو بعد کے ایام تشریق میں کر لی تو ادا ہو گئی۔ معتمد روایت کے مطابق غروب آفتاب سے رمی کا وقت ختم نہیں ہوتا۔ اونٹ چرانے والوں اور پانی پلانے والوں کے لیے (۳۳۶) رعایت یہ ہے کہ وہ صرف ایک دن رمی کی تاخیر کر سکتے ہیں، جس روز رمی کرنا تھی اس سے اگلے دن ادا کر لیں لیکن اکٹھے دو دنوں کی رمی کرنا درست نہیں۔

اگر زوال آفتاب کے بعد ایام تشریق کے دوسرے دن رمی کی اور پھر منیٰ سے مکہ روانہ ہونا چاہتا ہے تو اس کی اجازت ہے اور پہلی روانگی سے یہی مراد ہے اس کی دلیل ارشاد ربانی: فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ (جو پہلے دو دنوں میں جلدی واپس چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، البقرہ، ۲: ۲۰۳) ہے، یعنی تیسرے دن کی رمی چھوڑنا گناہ نہیں، لیکن افضل یہ ہے کہ جلدی نہ کرے بلکہ ایام تشریق کے آخری دن، یعنی تیسرے دن کی رمی کرے تاکہ تمام دنوں کی رمی مکمل کرے پھر روانہ ہو اور یہی مراد ہے اس ارشاد

ربانی سے: ومن تاخر فلا اثم علیہ (جو دیر کرے اس پر بھی گناہ نہیں، البقرہ، ۲: ۲۰۳)۔  
ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں ”جو پہلے دو دنوں میں جلدی واپس چلا جائے،  
اسے بھی بخش دیا گیا اور جس نے دیر کی اسے بھی بخش دیا گیا“۔

ابن مسعودؓ فلا اثم علیہ (اس پر کوئی گناہ نہیں) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ بخشا  
بخشایا واپس ہوگا لیکن یہ تقویٰ کے ساتھ مشروط ہے، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: لمن اتقىٰ  
(جس نے تقویٰ اختیار کیا، البقرہ ۲: ۲۰۳)۔

جمہور کے نزدیک ایام تشریق کے دوسرے دن روانگی کا وقت، جو پہلی روانگی ہے،  
غروب آفتاب سے پہلے ہے، اس کی دلیل مذکورہ بالا آیت اور عبد الرحمن بن یحییٰ کی حدیث  
ہے جسے ابو داؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا کہ ”منیٰ کے تین دن ہیں، جو جلدی کر کے  
پہلے چلا جائے، اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں“۔ یوم  
(دن) کو کہتے ہیں، جس کو منیٰ میں رات آگئی اس نے جلدی نہیں کی، پس اگر سورج  
غروب ہو گیا اور وہ منیٰ میں ہی تھا تو اگلے دن زوال آفتاب کے بعد رمی کرنے سے پہلے  
وہاں سے روانہ نہ ہو۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ عید کے چوتھے دن طلوع فجر سے پہلے حاجی وہاں  
سے جا سکتا ہے۔ اگر فجر طلوع ہو جائے تو رمی کا وقت شروع ہو گیا ہے۔ اس لیے رمی  
کے بغیر نہ جائے (۲۳۷)۔

### ۴۔ رمی کی جگہ:

قربانی کے دن صرف جمرہ عقبہ پر رمی کرے اور باقی ایام میں مینوں جگہوں پر، جمرہ  
اولیٰ، وسطیٰ اور عقبہ پر، شرط یہ ہے کہ یہ کنکریاں اس جگہ گریں جہاں کہ جمرہ واقع ہے، رمی  
کی جگہ نہ گریں۔ اگر کسی نے دور سے رمی کی لیکن کنکریاں جمرہ کے پاس گریں تو رمی

درست ہے، اگر اس کے پاس نہیں گریں تو درست نہیں البتہ اگر اس کے قریب گریں تب بھی حنفیہ کے نزدیک رمی صحیح ہے کیوں کہ قریب کی جگہ جمرہ کے تابع ہے، اس لیے اس کا بھی وہی حکم ہے جو جمرہ کا ہے۔

### ۵- رمی کی شرائط:

رمی کے درست ہونے کے لیے مطلقاً مندرجہ ذیل شرائط ہیں:

۱- رمی ہاتھ سے کرے اور جمہور کے نزدیک پتھر کا ٹکڑا مارنا شرط ہے، کیوں کہ اتباع سنت کا یہی تقاضا ہے، کمان کے ساتھ یا پاؤں کے ساتھ یا زنبور کے ذریعے رمی کرنا یا مٹی کا ٹکڑا مارنا یا کنکر کے سوا اور کوئی چیز مثلاً موتی، سونا، زمرد، فیروزہ، یاقوت، گندھک وغیرہ معدنیات میں سے کوئی چیز مارنا جائز نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک جو چیز جنس زمین میں سے ہو اس سے رمی جائز ہے، مثلاً پتھر، گارا، مٹی اور جس چیز سے تیمم جائز ہے، خواہ مٹھی بھر مٹی ہو وہ ایک کنکری کے قائم مقام ہوگی۔ لکڑی، عنبر، موتی اور جواہر سے رمی جائز نہیں، کیوں کہ اس میں اعزاز ہے اہانت نہیں اور سونے چاندی سے بھی جائز نہیں کیوں کہ اسے شمار کرنا (پھینکنا) کہتے ہیں۔ رمی نہیں کہتے، مینگی سے بھی جائز نہیں، کیوں کہ یہ جنس ارضی میں سے نہیں ہے۔

۲- کنکری اتنی ہو کہ دو انگلیوں کے درمیان رکھ کر پھینکی جاسکے (۳۳۸) یعنی چنے سے بڑی اور غلہ سے چھوٹی فول کے دانے یا کھجور کی گٹھلی کے برابر، بہت چھوٹی کنکری جیسے چنے کے ٹکڑے کے برابر اور بڑا کنکر مارنا مکروہ ہے البتہ رمی ادا ہو جاتی ہے۔ یہ مالکیہ کے نزدیک شرط ہے۔ اور دوسروں کے نزدیک سنت ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹر کے دانے کے برابر کنکریاں مارنے کا صحابہ کرام کو حکم دیا تھا (۳۳۹)۔

۳- اس طرح مارے کہ اسے کنکر مارنا کہا جائے، کنکر وہاں رکھ دینا کافی نہیں کیوں کہ اسے رمی (مارنا) نہیں کہتے، یہ حدیث کے حکم کے خلاف ہے، نیز یہ شرط ہے کہ کنکر مارتے ہوئے جمرہ (۳۳۰) کو مارنے کی نیت کرے۔ اگر کسی دوسری طرف کنکری پھینکی مثلاً ہوا میں اور وہ جمرہ کو جا لگی تو کافی نہیں۔ اگر جمرہ عقبہ کی دیوار کو کنکری ماری جیسا کہ اکثر لوگ کرتے ہیں، اسے لگ کر جمرہ میں جاگری تو کافی نہیں۔ اگر جمرہ سے پہلے ہی کنکری گر گئی جو کنکری مارنے کی جگہ ہے اور جمرہ تک نہیں پہنچی تو بھی کافی نہیں۔ اگر جمرات کی عمارت کے کسی دراڑ میں جا لگی تو تحقیق یہ ہے کہ کافی ہے۔

۴- کنکری جمرہ پر گرے، اگر اس سے پہلے ہی گر گئی تو بالاتفاق کافی نہیں کیوں کہ جمرہ کو مارنے کا حکم ہے اور اسے نہیں مارا گیا۔

۵- سات کنکریاں الگ الگ مارے۔ جمرات کی ترتیب یہ ہے کہ جو جمرہ مسجد خیف کے پاس ہے یعنی عرفات کی طرف سے پہلا جمرہ ہے، اس پر، پھر درمیانے پر اور پھر جمرہ عقبہ پر مارے، یہ سنت ہے جیسا کہ بخاری کی روایت ہے اور یہی جمہور کی رائے ہے۔ اگر ترتیب بدل دی مثلاً پہلے جمرہ عقبہ یا وسطیٰ پر رمی کی تو درست نہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب وار رمی کی تھی اور فرمایا تھا: ”مجھ سے مناسک سیکھو“ حنابلہ کے نزدیک سات کنکریاں شرط نہیں ہیں، اگر ایک دو کم ہو جائیں تو بھی کوئی حرج نہیں، حنفیہ کے نزدیک جمرات میں ترتیب سنت ہے۔

اگر کنکریوں کی تعداد میں شک پڑ جائے تو کم تعداد جو یقینی ہو وہی سمجھے اور باقی تعداد پوری کرے۔ اگر سب کنکریاں ایک ہی مار مار دیں تو کافی نہیں، انہیں ایک کنکری سمجھا جائے گا۔

۶۔ احرام باندھنے والا خود رمی کرے، اگر خود رمی کرنے سے معذور ہو تو کسی دوسرے کو نائب بنا سکتا ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ شرط یہ ہے کہ نائب پہلے اپنی طرف سے رمی کرے۔ اگر اس نے پہلے اپنی طرف سے رمی نہیں کی تو اس کی اپنی رمی شمار ہوگی۔ جیسا کہ حج کے بارے میں یہی مسئلہ ہے۔ مستحب یہ ہے کہ اصل حاجی نائب کو کنکریاں تھماتا جائے اور ممکن ہو تو تکبیر کہے، ورنہ نائب خود کنکریاں لے کر خود ہی تکبیر کہے۔

یہ شرط نہیں کہ پتھر جمرہ میں باقی رہے، نہ یہ شرط ہے کہ رمی کرنے والا جمرہ سے باہر ہو یا با وضو ہو، یا کنکریاں پاک ہوں، اگر کنکریاں نجس ہیں تو بھی جائز ہے البتہ مکروہ ہے۔  
کنکریاں کہاں سے لی جائیں:

رمی جمار کے لیے کنکریاں مزدلفہ سے یا محسر وغیرہ کے راستے سے یا کسی بھی ایسی جگہ سے لی جائیں جو ناپاک نہ ہو، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کہا تھا کہ مزدلفہ سے کنکریاں لیں (۳۴۱)۔ مسلمانوں کا عمل اسی پر ہے۔ مزدلفہ سے کنکریاں لینا فقط سنت ہے۔ حنابلہ کے نزدیک منیٰ یا حرم میں کسی اور جگہ سے یا بیت الخلا سے کنکریاں لینا مکروہ ہیں۔

اگر جمرہ سے ہی کنکریاں لے کر رمی کر لی تو حنفیہ کے نزدیک رمی ہو جائے گی لیکن مکروہ ہے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”رمی کر لو، کوئی حرج نہیں“ مطلق ہے۔ مکروہ اس لیے ہے کہ وہ کنکری رد کر دی گئی ہے کیوں کہ روایت میں ہے ”جن کا حج قبول ہو جاتا ہے، ان کی کنکریاں اٹھالی جاتی ہیں“۔

دوسرے فقہاء کی رائے میں وہاں کنکریاں لے کر مارنے سے رمی نہیں ہوتی کیوں کہ وہ استعمال شدہ کنکریاں ہیں، اگر قبول ہو گئی ہوتیں تو اٹھالی جاتیں۔ جیسا کہ



روایت اور مشاہدہ ہے (۳۳۲)۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو طویل عرصہ سے ماری جانے والی کنکریوں کے ڈھیروں کی وجہ سے دونوں پہاڑوں کا درمیانی حصہ بند ہو جاتا۔

ہر روز ہر جمرہ پر ماری جانے والی کنکریوں کی مقدار:

قربانی کے دن جمرہ عقبہ پر سات کنکریاں ماری جائیں۔ ایام تشریق میں سے ہر روز ہر جمرہ پر سات کنکریاں ماری جائیں گویا ہر روز اکیس کنکریاں ماری جائیں۔ مسلم میں حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرہ عقبہ پر سات کنکریاں ماریں، ہر کنکری پر تکبیر پڑھی“۔ ابن عمرؓ کی حدیث بخاری میں ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر جمرہ پر سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری مارتے ہوئے تکبیر کہی“۔

۶۔ رمی کا طریقہ اور اس کی سنتیں:

۱۔ مرد اور لڑکا رمی کے وقت اپنا ہاتھ اتنا بلند کرے کہ اس کی بغل کی سفیدی نظر آئے، البتہ عورت اور بیچرا اپنا ہاتھ نہ اٹھائیں۔

۲۔ رمی دائیں ہاتھ سے کی جائے۔

۳۔ جمرہ عقبہ کی رمی وادی کے اندر سے اس طرح کی جائے کہ مکہ شہر بائیں جانب اور منیٰ دائیں جانب اور عقبہ سامنے ہو، پھر رمی کرے اور اس جمرہ کے پاس ٹھہرے نہیں کیوں کہ اس کے بعد اور کوئی رمی نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ جس رمی کے بعد کوئی دوسری رمی ہو وہاں ٹھہر کر دعا کرنی چاہیے، اور جس رمی کے بعد اور رمی نہ ہو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا اتباع کرتے ہوئے نہ ٹھہرے (۳۳۳)۔ ایام تشریق میں جمرات کی رمی کرتے ہوئے قبلہ رو ہو کر کھڑا ہو اور دونوں اولین جمرات پر بلندی سے رمی کرے اور ایام تشریق میں رمی کرتے ہوئے جمرہ کے اتنا قریب نہ ہو کہ کنکریاں مارنے والوں کی

کنکریاں اسے لگیں۔ جمرات کی طرف منہ کرتے ہوئے مکہ شہر بائیں جانب اور منیٰ دائیں جانب ہونا چاہیے۔ حاصل یہ کہ دونوں پہلے جمروں پر بلندی سے اور جمرہ عقبہ پر پستی سے رمی کرے۔ پہلے اور دوسرے جمرہ کے بعد دعا کرے اور جمرہ عقبہ کے بعد دعا کیے بغیر لوٹ جائے۔

۴۔ شافعیہ کے نزدیک پیدل رمی کرے، سوار ہو کر نہیں۔ البتہ روانگی کے دن سنت یہ ہے کہ سوار ہو کر رمی کرے تاکہ اس سے فارغ ہو کر روانہ ہو جائے۔ صحیح روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ”اگر آپ سوار ہو کر منیٰ تشریف لائے تو آپ نے سواری کی حالت میں ہی رمی کی“۔ حنابلہ کہتے ہیں پیدل یا سوار جیسے چاہے رمی کر لے کیوں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر بیٹھے ہوئے رمی کی“ (۳۳۳)۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک پیدل جاتے ہوئے یا سوار ہو کر رمی کرنا افضل ہے۔

۵۔ ہر کنکری مارتے ہوئے تکبیر کہے اور یہ الفاظ کہے:

اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر کبیرا والحمد لله کثیرا، وسبحان الله بكرة واصیلاً، لا اله الا الله وحده لا شریک له، له الملك وله الحمد یحیی ویمیت وهو علی کل شیء قدير. لا اله الا الله، ولا نعبد الا اياه مخلصین له الدین ولو کره الکافرون. لا اله الا الله وحده صدق وعده، ونصر عبده، وهزم الاحزاب وحده، لا اله الا الله، والله اکبر.

(اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، بہت بڑا، تمام اور بے حساب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، اللہ پاک ہے، صبح و شام، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، اس کی بادشاہی ہے، اسی کے لیے حمد ہے، وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے اور

وہ ہر چیز پر قادر ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں، اس کے لیے بندگی کو خالص کرتے ہوئے، خواہ کافر اسے ناپسند کریں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے ہی گروہوں کو شکست دی، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ سب سے بڑا ہے)۔ تکبیر کہنے کی دلیل حضرت جابرؓ کی مذکورہ بالا حدیث ہے، نیز حضرت ابن مسعودؓ اور ابن عمرؓ سے بھی ثابت ہے (۳۳۵)۔ اگر یہ الفاظ بھی ہے تو بہت اچھا ہے: اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حِجًّا مَبْرُورًا وَ ذَنْبًا مَغْفُورًا وَ عَمَلًا مَشْكُورًا (اے اللہ! اسے حج مقبول بنا دے، گناہ معاف کر دے اور عمل قبول فرمائے) کیوں کہ ابن مسعودؓ اور ابن عمرؓ دونوں یہ الفاظ کہا کرتے تھے۔

پھر قبلہ رو ہو کر دعا کرے، اللہ کا ذکر کرے اور پہلے جمرہ کی رمی کرنے کے بعد اتنی دیر کھڑے ہو کر تسبیح و تہلیل کرے جتنی دیر میں سورۃ بقرہ پڑھی جاتی ہے، دوسرے جمرہ کی رمی کے بعد بھی اسی طرح کرے، البتہ تیسرے جمرہ کی رمی کے بعد اتباع سنت یہ ہے کہ رکے نہیں بلکہ چل پڑے جیسا کہ بخاری میں ہے البتہ ابن عمرؓ کا عمل بیہتقی نے یہ روایت کیا ہے کہ اتنی دیر ٹھہرے جتنی دیر سورۃ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔

۶۔ جمہور کے نزدیک جمرہ عقبہ پر پہلی کنکری مارتے ہی تلبیہ پڑھنا ترک کر دے بشرطیکہ سرمنڈانے سے پہلے رمی کر رہا ہو اور اگر رمی سے پہلے سرمنڈا لیا تو سرمنڈاتے ہی رمی ترک کر دے کیوں کہ احرام کھولنے کے ساتھ تلبیہ پڑھنا ثابت نہیں جیسا کہ حضرت جابرؓ کی مذکورہ بالا طویل حدیث سے ثابت ہے۔ مالکیہ کے نزدیک یوم عرثہ کے ظہر کے وقت سے تلبیہ کہنا بند کر دے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

۷۔ جمہور کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ کنکری مٹر کے دانے کے برابر ہو، بڑی نہ چھوٹی،

مالکیہ کے نزدیک یہ شرط ہے، اگر کنکری بڑی ہوئی تو مکروہ ہے لیکن بالاتفاق رمی ہو جائے گی اور اگر چھوٹی ہوئی تو بھی جمہور کے نزدیک رمی ہو جائے گی لیکن مکروہ ہے، زیادہ چھوٹی کنکری سے مالکیہ کے نزدیک رمی نہیں ہوتی۔

۸- مستحب یہ ہے کہ کنکریاں پاک ہوں، اگر ناپاک ہیں تو بھی رمی درست ہے البتہ مکروہ ہے، مسجد سے یا حرم سے یا ناپاک جگہ سے کنکریاں لے کر مارنا یا کسی کی پہلے ماری ہوئی کنکریاں لے کر مارنا مکروہ ہے۔ البتہ اگر کسی نے ایسا کر لیا تو رمی ہو جائے گی۔

مالکیہ کے نزدیک وقفہ کے بغیر کنکریاں مارنا مستحب ہے، درمیان میں گفتگو یا اور کسی مصروفیت کا وقفہ نہ آنے دے البتہ بلا وقفہ کنکریاں مارنا واجب نہیں۔

۷- مقررہ وقت کے بعد کنکریاں مارنے کا حکم:

جیسا کہ اوپر بیان ہوا رمی جمار واجب ہے، اگر اس میں تاخیر ہوگئی یا رمی نہ کر سکا تو دم واجب ہے، جیسا کہ فقہ میں اس کی تفصیل موجود ہے (۳۳۶)۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے قربانی کے دن ایک، دو یا تین کنکریاں چھوڑ دیں تو اگلے روز وہ کمی پوری کرے یا ہر کنکری کے بدلے نصف صاع گندم صدقہ کرے (۳۳۷)۔ اگر غلے کی مقدار کی قیمت جانور کی قیمت کو پہنچ جائے تو جو چاہے ادا کر دے۔ اصول یہ ہے کہ جس مکمل عمل کے ترک پر دم واجب ہو اس کے ایک حصے کے ترک پر صدقہ واجب ہوتا ہے۔ اگر رمی پوری کی پوری اگلے دن تک مؤخر کر دی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک دم واجب ہوگا اور اگر اس کا کچھ حصہ چھوڑ دیا جو نصف سے کم ہو تو اس پر صدقہ واجب ہوگا ہاں اگر صدقہ کی قیمت جانور کی قیمت کو پہنچ جائے تو جانور دیا جاسکتا ہے۔ اگر رمی کا اکثر حصہ چھوڑ دیا تو بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک دم واجب ہے کیوں کہ پوری رمی چھوڑنے پر دم واجب ہے تو اکثر کا بھی وہی حکم

ہے جو پوری کا ہے۔

اگر کسی دن بھی رمی نہیں کی حتیٰ کہ چوتھا دن آگیا تو اس دن ترتیب وار رمی کرے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک دم ادا کرے کیوں کہ ان کے نزدیک رمی کا وقت مقرر ہے۔

اگر تینوں جمرات کی رمی چھوڑ دی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک دم ادا کرے کیوں کہ گناہ ایک ہی قسم کا ہے اور اس کی ممانعت کا سبب یعنی احرام ایک ہی تھا اس لیے ایک ہی دم کافی ہے، جیسے کسی نے اگر چوتھائی سرمنڈوا دیا تو اس پر ایک دم واجب ہے اور اگر سارا سرمنڈوا دیا تب بھی ایک دم واجب ہے، جیسا کہ کسی ایک عضو کو خوشبو لگالی یا تمام بدن کو خوشبو لگائی، ایک کپڑا پہن لیا یا کئی کپڑے پہن لیے، ان صورتوں میں ایک ہی دم واجب ہوگا۔

اگر کسی جمرے کی رمی نہیں کی حتیٰ کہ ایام تشریق کے آخری دن کا سورج غروب ہو گیا جو رمی کا آخری دن تھا اور اب رمی کا موقع نہیں رہا تو حنفیہ کا اتفاق ہے کہ اس پر دم واجب ہے کیوں کہ اصل وقت جاتا رہا اور قضا مشکل ہے اور واجب اپنے وقت پر ادا نہیں ہوا، اس لیے دم ادا کرے۔

مالکیہ کے نزدیک (۲۴۸) اگر ایک کنکری بھی اپنے مقررہ وقت سے ایک رات یا ایک دن کی مقدار مؤخر ہوگئی تو دم واجب ہوگا کیوں کہ رمی کے ادا کا وقت نکل گیا اور قضا کا وقت شروع ہو گیا۔

حجرہ عقبہ کی رمی اور دوسرے اور تیسرے دن کی رمی چوتھے دن سورج غروب ہونے سے پہلے قضا کرے، خواہ کسی عذر کی بنا پر رمی مؤخر کی ہو یا بلا عذر یا جمرات کی ترتیب بدل دی ہو، اور دم ادا کرے۔

چوتھے دن کے سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی رمی کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور دم

ادا کرے، اگر کوئی شخص کسی عذر کی بنا پر کسی کو رمی میں اپنا نائب بنائے تو وہ بھی دم دے اور اگر کوتاہی کے سبب کسی کو نائب نہ بنا سکا تو گنہ گار بھی ہوگا اور اگر نائب نے بلا عذر رات تک رمی مؤخر کر دی تو وہ دوسرا دم ادا کرے۔

شافعیہ کے بقول (۳۳۹) اگر قربانی کے دن جمرہ عقبہ کی رمی یا اور کسی دن کی رمی رہ گئی تو راجح روایت یہ ہے کہ ایام تشریق کے باقی ایام میں اس کا تدارک کر لے، کیوں کہ جس حدیث میں چرواہوں اور پانی پلانے والوں کو رمی میں تاخیر کی اجازت دی گئی ہے اس پر قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی اجازت ہو، کیوں کہ معذور اور غیر معذور میں کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ وقوف عرفہ، اور مزدلفہ میں رات گزارنے کے بارے میں ہے۔ اگر دوسرے ایام میں کمی پوری کر لی گئی تو دم واجب نہیں ہوگا کیوں کہ عمل ادا ہو گیا۔ اگر ایک دن یا دو دن یا تین دن کی رمی رہ گئی یا قربانی کے دن کی رمی اور ایام تشریق کی رمی چھوڑ دی اور اس کی تلافی بھی نہ کی تو دم واجب ہوگا، چوں کہ رمی ایک ہی قسم کا عمل ہے اس لیے سرمنڈوانے کے مشابہ ہے۔ اگر کسی نے تین کنکریاں چھوڑ دیں تو مذہب شافعی کے مطابق ایک جانور کی قربانی دے کیوں کہ جمع کی کم از کم تعداد تین ہے، جیسا کہ اگر کسی نے مسلسل تین بال کاٹ لیے تو دم دے، بیہقی نے ابن عباسؓ سے صحیح سند سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”جو شخص حج کا کوئی عمل چھوڑ دے تو دم دے“۔ ایک کنکری چھوڑنے پر ایک مد اور دو پر دو مد غلہ صدقہ کرے۔

حنابلہ کے نزدیک (۳۵۰) اگر رمی اگلے دن تک مؤخر کر دی یا سارے دنوں کی رمی آخری دن تک مؤخر کر دی تو اس نے سنت چھوڑ دی اور اس پر کوئی کفارہ نہیں، جیسا کہ شافعیہ کی رائے ہے البتہ وہ نیت یوں کرے کہ پہلے پہلے دن کی رمی کی، پھر دوسرے کی

اور پھر تیسرے کی، کیوں کہ ایام تشریق رمی کا وقت ہیں۔ اگر اوّل وقت سے مؤخر کر کے آخر وقت میں رمی کر لی تو کوئی حرج نہیں، جیسا کہ کوئی شخص وقوف عرفہ کو آخر وقت تک مؤخر کر لے تو اس کا حج صحیح ہے، چوں کہ یہ ایسا وقت ہے کہ اس میں رمی جائز ہے اس لیے جس طرح پہلے دن جائز ہے آخری دن بھی جائز ہے۔

دوسرے دن اگر پہلے دن کی رمی کی تو وہ قضا نہیں شمار ہوگی بلکہ ادا سمجھی جائے گی البتہ اس میں افضل عمل کا ترک لازم آتا ہے لیکن وقت ایک ہی ہے۔

اگر سرے سے رمی چھوڑ دی یا جمرات کی ترتیب کی خلاف ورزی کی تو دم واجب ہوگا۔ اگر ایک یا دو کنکریاں کم ماریں تو کوئی حرج نہیں۔ ان سے زیادہ کم نہ کرے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں: ”میں پرواہ نہیں کرتا کہ میں نے چھ کنکریاں ماری ہیں یا سات“۔  
منیٰ میں رات گزارنے کا حکم:

آٹھ ذوالحجہ کی رات منیٰ میں گزارنے کے بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ سنت ہے البتہ تشریق کی راتیں منیٰ میں گزارنے کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں، ایک یہ کہ سنت ہے اور دوسری یہ کہ واجب ہے (۲۵۱)۔

پہلی رائے حنفیہ کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ آٹھ ذوالحجہ اور اس کے بعد گیارہ، بارہ ذوالحجہ کی راتیں منیٰ میں گزارنا سنت ہے۔ اگر رمی کرنے کے لیے رات منیٰ میں رہا تو افضل ہے اور اگر وہاں نہ رہا تو اس پر کوئی کفارہ نہیں۔ البتہ اچھا نہیں کیا، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجیوں کو پانی پلانے کے لیے حضرت عباسؓ کو رات مکہ رہنے کی اجازت دے دی تھی، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

دوسری رائے جمہور کی ہے وہ یہ ہے کہ تشریق کی دونوں راتیں منیٰ میں رہنا واجب

ہے، جس نے وہاں رات نہیں گزاری اس پر مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک دم واجب ہے، ہر مذہب کی رائے کی تفصیل درج ذیل ہے:

مالکیہ کہتے ہیں: گیارہ اور بارہ ذوالحجہ کو رات منیٰ میں رہنا واجب ہے لیکن امام مالک نے صرف اونٹ چرانے والوں کے لیے اجازت دی ہے کہ وہ دس ذوالحجہ کو جمرہ عقبہ کی رمی کر کے اپنے گلے میں چلے جائیں اور اگلی دو راتیں منیٰ کا قیام چھوڑ دیں، قربانی کے تیسرے دن آکر دو دنوں کی رمی کر لیں، ایک دوسرے دن کی جو قضا ہوگئی اور ایک تیسرے دن کی جس میں اب رمی کر رہے ہیں۔ پھر اگر چاہیں تو تیسرے دن کی رمی کے لیے وہیں ٹھہر جائیں۔

اسی طرح آپ نے پانی پلانے والوں کو بھی رخصت دے دی کہ وہ رات منیٰ میں نہ رہیں لیکن دن کے وقت منیٰ آنا ضروری ہے، پھر واپس چلے جائیں، کیوں کہ پانی پلانے والے رات کو زمزم کا پانی نکال کر حوض بھر لیتے ہیں۔

شافعیہ کے نزدیک تشریق کی دونوں راتیں منیٰ میں رہنا واجب ہے، اس میں سنت کی پیروی ہے نیز ارشاد نبویؐ ہے: ”مجھ سے مناسک حج سیکھ لو“ واجب یہ ہے کہ رات کا زیادہ حصہ منیٰ میں رہے، جب کہ اس کے برعکس مزدلفہ میں محض رات کے نصف ثانی کا کچھ وقت رہنا کافی ہے تاکہ اس رات مناسک حج کی ادائیگی میں تخفیف کی جاسکے۔ جو رات منیٰ میں نہیں رہتا اس پر دم واجب ہے۔

معذور افراد کے لیے منیٰ میں رات رہنے کی پابندی نہیں ہے۔ معذور افراد میں چرواہے اور پانی پلانے والے شامل ہیں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چرواہوں کو منیٰ میں رات گزارنے سے رخصت دے دی تھی۔ مزدلفہ کو منیٰ پر قیاس کیا گیا کیوں کہ



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو منیٰ کی راتیں مکہ میں گزارنے کی اجازت دے دی تھی تاکہ لوگوں کو پانی پلا سکیں جیسا کہ شیخین نے روایت کی۔

اگر کسی شخص کو کوئی اور مجبوری ہو تو اس کے لیے بھی منیٰ میں رات رہنے کی پابندی نہیں ہے مثلاً کسی کے پاس مال ہے اور اسے اندیشہ ہے کہ منیٰ میں رہا تو مال ضائع ہو جائے گا۔ یا جان کا اندیشہ ہو یا مال کا یا کسی مریض کی تیمارداری کرنا ہو یا خود ایسا بیمار ہو کہ اس کے لیے منیٰ میں رہنا مشکل ہو وغیرہ۔

جو شخص عید کی رات عرفات پہنچ گیا تو اسے مزدلفہ میں رات رہنا معاف ہے کیوں کہ اس وقت وہ وقوف میں مصروف رہا، مزدلفہ میں رات وہ لوگ رہیں جو وقوف عرفات سے فارغ ہو چکے ہوں۔

حنابلہ کہتے ہیں: جو شخص قربانی کے دن طواف افاضہ کر لیتا ہے۔ اس کے لیے سنت یہ ہے کہ واپس منیٰ چلا جائے کیوں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن طواف افاضہ کیا، پھر واپس منیٰ لوٹ گئے اور ظہر کی نماز منیٰ میں پڑھی“ (۲۵۲)۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دن کے آخری حصہ میں طواف افاضہ کیا، جہاں ظہر کی نماز پڑھی پھر آپ صمنیٰ لوٹ گئے اور وہاں تشریق کی راتیں قیام کیا“ (۲۵۲)۔

منیٰ کی راتوں میں رات کو منیٰ میں قیام کرنا واجب ہے لیکن اگر کسی نے منیٰ میں رات نہ گزاری تو اس پر کوئی کفارہ نہیں، جیسا کہ حنفیہ کی رائے ہے کیوں کہ شریعت میں اس سلسلے میں کسی کفارے کا ذکر نہیں۔ امام احمد سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ تین راتیں منیٰ میں نہ گزارنے پر ایک دم واجب ہوتا ہے کیوں کہ ابن عباسؓ کا قول ہے: ”جو شخص اعمال حج میں سے کوئی کام چھوڑ دے یا بھول جائے تو ایک جانور قربانی کرے“۔

## مطلب سوم: سرمنڈوانا یا بال کٹوانا:

یعنی حج اور عمرہ میں مقررہ وقت پر سر کے بال صاف کروانا یا کٹوانا۔

اس عنوان کے تحت ہم اس کا وجوب، کتنی مقدار واجب ہے، اس کا وقت اور جگہ، اس کے اثرات و نتائج اور اپنے وقت یا جگہ سے مؤخر کرنے کے احکام زیر بحث لائیں گے۔ (۳۵۳)

۱- سرمنڈوانے یا بال کٹوانے کا وجوب: جمہور کی رائے: سرمنڈوانا یا بال کٹوانا حج اور عمرہ کے اعمال میں واجب ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ثم ليقضوا تفتهم (پھر اپنا میل کچیل دور کریں، الحج ۲۲: ۲۹) تفت کی تفسیر ابن عباسؓ نے کی ہے کہ ”سرمنڈوانا، عام لباس پہننا وغیرہ“۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں آئے، جمرہ کے پاس تشریف لائے، اس کی رمی کی، پھر منیٰ میں اپنی قیام گاہ پر آئے، قربانی کی، پھر سر موٹڈنے والے سے کہا کہ، یہ لو، اور دائیں جانب اشارہ کیا، پھر بائیں جانب پھر آپؐ نے وہ بال لوگوں کو دے دیے“ (۳۵۵)۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے اللہ! سرمنڈوانے والوں کی مغفرت فرما، لوگوں نے کہا، یا رسول اللہ، اور بال کٹوانے والوں کی بھی؟ آپؐ نے فرمایا، اے اللہ! سرمنڈوانے والوں کی مغفرت فرما، لوگوں نے کہا، یا رسول اللہ، اور بال کٹوانے والوں کی بھی؟ آپؐ نے فرمایا، اور بال کٹوانے والوں کی بھی“ (۳۵۶)۔

شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ سرمنڈوانا یا بال کٹوانا حج اور عمرہ میں رکن ہے کیوں کہ یہ مشہور روایت کے مطابق حج اور عمرہ کے مناسک میں سے ہے کیوں کہ مردوں کے لیے بال کٹوانے

کی بہ نسبت سرمنڈانا افضل ہے اور فضیلت کا تعلق عبادات سے ہوتا ہے، مباح امور سے نہیں ہوتا۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت لکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص سرمنڈاتا ہے، قیامت کے روز ہر بال کے بدلے اسے نور عطا کیا جائے گا۔“

عورت کے لیے سرمنڈانا نہیں ہے بلکہ عورت کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ بال کٹوا دے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”عورتوں کے لیے سرمنڈانا نہیں، ان کے لیے بال کٹوانا ہے“ (۳۵۷)۔ ترمذی نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو سرمنڈوانے سے منع کیا ہے“ (۳۵۸)۔ اور بال کٹوانے کا طریقہ یہ ہے کہ انگلی کے پورے کے برابر سر کے کناروں سے بال کٹوالے، کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا کہ ”عورت کس قدر بال کٹوائے؟ تو انہوں نے اپنے پورے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، اس قدر“۔

حنفیہ کے نزدیک حاجی کے لیے داڑھی کے بال کٹوانا ضروری نہیں ہیں کیوں کہ نص کی رو سے سر کے بال منڈوانے واجب ہیں، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ۔ (اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا ہے کہ تم ان شاء اللہ امن کی حالت میں مسجد حرام میں داخل ہوں گے، اپنے سر منڈوا رہے ہو گے اور بال کٹوا رہے ہو گے، لفتح ۳۸: ۲۷) شافعیہ کہتے ہیں کہ مونچھیں اور داڑھی کے کچھ باں کاٹنے بھی مسنون ہیں تاکہ ان میں سے بھی اللہ کی راہ میں کچھ بال اتارے جائیں۔

جس شخص کے سر پر بال نہ ہوں، حنفیہ کے نزدیک اس کے لیے واجب ہے کہ سر پر استرا پھر ادے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”جس کام کا میں تمہیں حکم دوں اسے حتی المقدور ادا

کرو“ (۳۵۹) جس شخص کے بال ہوں اس کے لیے بال اتروانے اور سر پر استرا پھرانا واجب ہے، اگر کسی سبب سے ایک کام کرنا یعنی بال اتروانا ممکن نہیں تو دوسرا کرنا چاہے۔ اگر وہ بال اتارنے سے عاجز ہے تو سر منڈانے والوں سے مشابہت پیدا کرنے سے تو عاجز نہیں ہے۔

جمہور کے نزدیک جس کے سر پر بال نہ ہوں اس کے لیے سر پر استرا پھرانا مستحب ہے کیوں کہ ابن عمرؓ کا قول ہے: ”قربانی کے دن جس کسی کے سر پر بال نہ ہوں، اس کے سر پر استرا پھیر دیا جائے“۔

## ۲- کتنی مقدار سر منڈانا یا بال کٹوانا واجب ہے؟

اس امر پر اتفاق ہے کہ سارا سر منڈوانا افضل ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: محلقین رؤوسکم و مقصرین (اپنے سر منڈاتے ہوئے یا بال کٹواتے ہوئے، الفتح، ۲۷: ۲۸) عربوں کا اسلوب گفتگو یہ تھا کہ وہ اہم اور افضل امور کا پہلے ذکر کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں بھی یہی ہے کہ بال کٹوانے کو سر منڈوانے کے مقابلے میں تیسرے درجے پر رکھا گیا ہے۔

رأس کا لفظ سارے سر کے لیے بولا جاتا ہے۔ اگر سر کا کچھ حصہ، یعنی ایک چوتھائی سے کم منڈوایا تو حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں، اگر ایک چوتھائی منڈوا دیا تو جائز ہے لیکن مکروہ، کیوں کہ سر سے متعلق عبادات میں ایک چوتھائی سر پورے سر کے قائم مقام ہو جاتا ہے جیسا کہ وضو میں ایک چوتھائی سر کا مسح۔ اور مکروہ اس لیے ہے کہ اس میں سنن کا ترک ہے اور سنت سارا سر منڈوانا ہے۔

کٹوانے کا اندازہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ ہے انگلی کے پورے کے برابر یا

اس سے کچھ زیادہ یا معمولی مقدار میں کم کٹوائے۔ پورے سے مراد انگلیوں کے اوپر کے جوڑ سے آگے انگلیوں کے سرے ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک انگلیوں کے پوروں کی مقدار سے زیادہ کٹوانا واجب ہے تاکہ سارے بال یقینی طور پر کٹ جائیں اور واجب ادا کرنے کا یقین ہو اور ذمہ داری یقینی حد تک پوری ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ سر کے بال کٹوانے یا منڈوانے کی کم از کم تعداد تین بال ہیں کیوں کہ ارشاد ربانی ہے محلقین رؤوسکم (اپنے سر منڈاتے ہوئے، الفتح ۲۸:۲۷) یعنی سروں کے بال، کیوں کہ سر بذات خود تو نہیں مونڈا جاتا اور شعر (بال) جمع ہے جس کی کم از کم تعداد تین ہے یا اگر شعر کو نکرہ مانا جائے تو اتنے بال اس میں ہونے چاہیں جن پر جمع کا اطلاق ہو۔ اگر کسی کے سر پر ایک ہی بال ہے تو اسے اتارنا واجب ہے۔

بال، خواہ مونڈ کر اتارے جائیں یا کاٹ کر یا جلا کر یا اکھیڑ کر۔ جس کے سر پر بال نہ ہوں اس پر استرا پھیرنا مستحب ہے۔ حنفیہ کے نزدیک واجب ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

### ۳۔ سر منڈانے کا وقت اور جگہ:

امام ابوحنفیہؒ کے نزدیک سر منڈانے کی جگہ اور وقت مقرر ہیں۔ وقت قربانی کے دن ہیں اور جگہ حرم ہے۔ اگر کسی نے قربانی کے دنوں سے مؤخر کر دیا، یا سر منڈائے بغیر حرم سے نکل گیا تو دم واجب ہوگا کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے ایام میں حرم میں سر منڈایا، اس لیے آپ کا عمل کتاب اللہ کے مطلق کا بیان ہے، اس میں تاخیر کی وجہ سے دم واجب ہوگا کیوں کہ واجب کو مؤخر کرنے پر کفارہ اسی طرح لازم ہوتا ہے جیسے واجب کے ترک کرنے پر۔

مالکیہ کے نزدیک اگر سرمنڈانے کا عمل مؤخر کر دیا، خواہ سہواً ہو اور اپنے شہر چلا گیا، خواہ شہر قریب ہو تو بھی دم واجب ہوگا۔

البتہ اگر قربانی کے بعد رمی تین ایام سے مؤخر کر دیا تو ایک ضعیف قول یہ ہے کہ اس پر دم واجب ہوگا لیکن المدونہ میں ہے کہ دم واجب نہیں۔ اگر کسی نے ایام تشریق میں مکہ میں سرمنڈایا یا ایام تشریق کے بعد وہیں منڈایا یا منیٰ میں قیام کے دنوں میں حرم سے باہر جا کر سرمنڈا دیا تو اس پر کوئی کفارہ نہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ کی دو روایات میں سے راجح روایت یہ ہے کہ رمی، قربانی اور سرمنڈانے کا وقت قربانی کی رات کے نصف اخیر سے شروع ہوتا ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ پہلے رمی کرے، پھر قربانی پھر سرمنڈائے پھر طواف افاضہ کرے۔

سرمنڈانے، طواف اور سعی کرنے کے لیے کوئی آخری وقت مقرر نہیں۔ اگر کسی نے جانتے ہوئے منیٰ کے دنوں کے بعد سرمنڈایا، یا رمی سے یا قربانی سے پہلے منڈا لیا یا رمی سے پہلے طواف کر لیا تو اس پر کوئی دم واجب نہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سرمنڈانے کا اول وقت بیان کرتے ہوئے فرمایا: *ولا تحلقوا رؤوسکم حتی يبلغ الهدی محلہ*۔ (جب تک قربانی کا جانور اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے سر نہ منڈاؤ، البقرہ ۲: ۱۹۶) لیکن اس کا آخری وقت نہیں بتایا، اس لیے جب بھی کر لے جائز ہے جیسا کہ طواف زیارت اور سعی کا آخری وقت مقرر نہیں ہے کیوں کہ اصل یہ ہے کہ کوئی وقت مقرر نہ کیا جائے اور حاجی جب تک سر نہ منڈالے اور طواف سعی نہ کر لے تو احرام کی حالت میں ہی رہے گا لیکن افضل یہ ہے کہ قربانی کے دن سرمنڈالے اور اس دن سے مؤخر کرنا مکروہ ہے اور ایام تشریق سے مؤخر کر دینا یا سرمنڈائے بغیر مکہ سے چلے جانا شدید مکروہ ہے۔

### ۴- سرمنڈانے یا بال کٹوانے کے اثرات و نتائج اور اس کا حکم:

سرمنڈانے اور بال کٹوانے کا حکم: اس سے احرام باندھنے والے کا احرام ختم ہو جاتا ہے اور وہ حلال ہو جاتا ہے، اس کے لیے حنفیہ کے نزدیک عورت کے سوا ہر چیز جائز ہو جاتی ہے یعنی احرام باندھنے والا جب جمرہ عقبہ کی رمی کر لے، پھر سرمنڈالے تو احرام کی وجہ سے جو چیزیں ممنوع تھیں، ان میں سے بیوی کے سوا سب امور جائز ہو جاتے ہیں البتہ بیوی سے جماع، بوسہ دینا، شہوت سے ہاتھ لگانا ابھی تک حرام رہتا ہے اور حنفیہ کے سوا جمہور کے نزدیک نکاح کرنا بھی حرام رہتا ہے۔ اس کے سوا تمام امور جائز ہو جاتے ہیں۔ پس اگر سرمنڈوا لیا یا بال کٹوا لیے اور جمرہ عقبہ کی رمی کر لی تو عورتوں کے سوا سب چیزیں حلال ہو جاتی ہیں، کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”جب تم نے رمی کر لی اور سرمنڈوا لیا تو خوشبو، سلے ہوئے کپڑے پہننا جائز ہو چکے اور ہر چیز سوائے عورتوں کے“ (۳۶۰)۔ ایک دوسری روایت میں ہے: ”جب تم میں سے کسی نے جمرہ عقبہ کی رمی کر لی، اپنا سرمنڈا لیا، تو اس کے لیے عورتوں کے سوا سب چیزیں حلال ہو گئیں“ (۳۶۱) یعنی جماع، گلے لگنا، ہم آغوش ہونا بھی حرام ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: رمی اور سرمنڈانے کے بعد عقد نکاح (۳۶۲)، جماع اور جماع کے سوا ہم آغوش ہونے کے سوا باقی چیزیں حلال ہو جاتی ہیں کیوں کہ حدیث میں ہے: ”جب تم جمرہ کی رمی کر لو، تو عورتوں کے سوا ہر چیز تمہارے لیے حلال ہو جاتی ہے“ (۳۶۳)۔

مالکیہ کہتے ہیں: رمی اور سرمنڈانے کے بعد عورتوں، شکار اور خوشبو کے سوا باقی چیزیں حلال ہو جاتی ہیں اور یہ امور طواف افاضہ کے بعد حلال ہوتے ہیں۔ اس لیے

سرمنڈانے کے بعد کو وہ پہلا حلال ہونا اور طواف کے بعد کو بڑا حلال ہونا کہتے ہیں، جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

## ۵۔ مقررہ وقت اور جگہ کے بعد سرمنڈانے کا حکم:

اگر کسی نے مقررہ وقت یا جگہ کے بعد سرمنڈایا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک دم واجب ہوگا اور مالکیہ کے نزدیک فقط اس صورت میں دم واجب ہوگا جب سرمنڈائے بغیر لاعلمی سے یا بھولے سے اپنے شہر چلا گیا۔ راجح یہ ہے کہ قربانی کے دن کے بعد ایام تشریق کے تین دنوں کے بعد سرمنڈانے سے کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا جب تک کہ اسی طرح اپنے شہر نہ لوٹ جائے۔

شافعیہ، حنابلہ اور امام یوسف کے نزدیک رمی کے ایام کے بعد سرمنڈانے سے یا واپس اپنے شہر جا کر منڈانے سے کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

## بحث ہفتم: حج اور عمرے کی سنتیں:

ہم نے ہر مذہب کے حوالے سے حج اور عمرہ کی سنتیں تفصیل سے بیان کی ہیں۔ اجمالاً اہم سنتیں یہ ہیں:

۱۔ غسل کرنا، احرام کے لیے خوشبو لگانا اور احرام کی دو رکعات پڑھنا۔

۲۔ احرام کے بعد اور ہر نماز کے بعد تلبیہ پڑھنا۔

۳۔ جمہور کے نزدیک طواف قدوم کرنا، مالکیہ کے نزدیک یہ واجب ہے۔

۴۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک طواف کی دو رکعات، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک

واجب ہیں۔



۵- یوم عرفہ کی رات منیٰ میں گزارنا اور ۸ ذوالحجہ کی ظہر سے لے کر اگلے روز کی فجر تک پانچ نمازیں منیٰ میں پڑھنا سنت ہے۔

۶- قربانی کی رات مزدلفہ میں رہنا اور طلوع آفتاب سے پہلے اجالا ہونے پر وہاں سے نکلنا حنفیہ کے نزدیک سنت ہے ان کے نزدیک صبح کے بعد مزدلفہ میں وقوف واجب ہے جیسا کہ حضرت جابرؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے۔

حنابلہ کے نزدیک رات کو رہنا واجب ہے اور مالکیہ کے نزدیک اتنی دیر جس میں سواری سے سامان اتار جائے، شافعیہ کہتے ہیں کہ رات کے نصف ثانی میں لمحہ بھر مزدلفہ میں رہنا کافی ہے۔

۷- ایام تشریق کی راتوں میں منیٰ میں رہنا حنفیہ کے نزدیک سنت اور دوسرے ائمہ کے نزدیک ایسے افراد کے لیے جو معذور نہ ہوں واجب ہے، اس میں اتباع سنت ہے جیسا کہ ابو داؤد میں ہے۔

۸- منیٰ سے واپس مکہ جاتے ہوئے وادی محصب میں ٹھہرنا جو جون قبرستان کے راستے میں دو پہاڑیوں کے درمیان ہے حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک سنت ہے اور دوسرے ائمہ کے نزدیک مستحب ہے۔ تاہم اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ ایسے مناسک میں شامل نہیں جنہیں ادا کرنا ضروری ہو۔

اس کے سنت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ ”میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، یا رسول اللہ، کل آپ کہاں اتریں گے؟ آپ نے فرمایا: کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر چھوڑا ہے؟ پھر فرمایا، ہم خیف بنی کنانہ میں اتریں گے جہاں قریش نے کفر پر قسمیں کھائی تھیں“ (۲۶۴)۔ خیف سے

مراد یہی وادی محصب ہے۔

مستحب ہونے کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی محصب میں اس لیے اترے تھے کہ وہاں سے روانگی آسان تھی، یہ سنت نہیں ہے، جو چاہے یہاں اترے، جو چاہے نہ اترے“ (۳۶۵)۔

۹۔ حج کے خطبے: یہ ظہر کی نماز کے بعد ایک خطبہ ہے البتہ عرفہ میں نماز سے پہلے اور زوال آفتاب کے بعد دو خطبے ہیں۔ حج کے خطبوں کی تعداد کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں (۳۶۶)۔ ایک رائے یہ ہے کہ تین خطبے ہیں اور دوسری یہ ہے کہ چار ہیں۔ پہلی رائے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی ہے کہ خطبے تین ہیں:

پہلا خطبہ، ذوالحجہ کی سات تاریخ کو، یہ خطبہ مکہ میں خانہ کعبہ کے پاس سات ذوالحجہ کی نماز ظہر کے بعد سنت ہے۔ یہ ایک ہی خطبہ ہے، اس کے دوران بالاتفاق بیٹھنے کا حکم نہیں ہے اور یہ پہلا خطبہ ہے جس میں امام لوگوں کو مناسک حج سکھائے گا۔

اس کا پہلا خطبہ ہونا جمہور کا مذہب ہے کیوں کہ ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ روانگی سے ایک دن قبل خطبہ دیا اور اس میں لوگوں کو حج کے مناسک سکھائے“ (۳۶۷)۔

حنابلہ کے نزدیک یوم عرفہ کا خطبہ پہلا خطبہ ہے۔

اگر منیٰ روانگی کے دن جمعہ ہو تو شافعیہ کے نزدیک امام فجر سے پہلے منیٰ روانہ ہو جائے کیوں کہ جمعہ کو فجر کے بعد اور زوال آفتاب سے پہلے سفر حرام ہے اور اگر یوم عرفہ جمعہ ہو تو حاجیوں کے لیے فجر کے بعد روانگی جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ میں جمعہ کی نماز نہیں پڑھی حالانکہ صحیحین سے ثابت ہے کہ جس روز رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے عرفہ میں وقوف کیا جمعہ کا دن تھا۔

حنابلہ کے نزدیک ۸ ذوالحجہ وغیرہ کو حاجیوں کے لیے روانگی ہر طرح جائز ہے، خواہ فجر سے پہلے یا زوال آفتاب سے پہلے، اگر حاجی چاہے تو روانہ ہو جائے۔ اگر چاہے تو مکہ میں ٹھہرا رہے اور نماز پڑھ کر جائے۔

### دوسرا خطبہ، عرفہ کے دن:

عرفات میں نماز سے پہلے دو ہلکے پھلکے خطبے سنت ہیں ان دونوں کے درمیان خطیب اسی طرح بیٹھے جیسے جمعہ کے خطبوں کے درمیان بیٹھتا ہے۔ پہلے خطبہ میں عرفہ میں وقوف، اس کا وقت، وہاں سے روانگی، مزدلفہ میں رات کا قیام، رمی جمار کے لیے کنکریاں اکٹھی کرنا سکھائے اور عرفہ کے وقوف کے دوران ذکر، دعا وغیرہ کی ترغیب دے کیوں کہ حضرت جابرؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔

مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں: امام خطبہ دے رہا ہو تو مؤذن اذان دینا شروع کر دے یا امام خطبے سے فارغ ہو تو اذان دے اور اذان سے فارغ ہونے کے ساتھ ہی امام دوسرے خطبہ سے فارغ ہو جائے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ امام خطبے سے فارغ ہو کر اذان دینے کا کہے۔

پھر امام لوگوں کو ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی قصر، ظہر کے وقت میں پڑھائے، جیسا کہ مسلم کی روایت کے مطابق سنت ہے۔ اس میں ایک اذان کہے، دو اقامتیں کہے اور قراءت آہستہ کرے۔ دونوں نمازوں کے درمیان سنتیں نہ پڑھے اور حنفیہ کے نزدیک ظہر کے وقت میں عصر کی نماز پڑھنے کے بعد بھی نوافل نہ پڑھے۔

## قربانی کے دن منیٰ میں شافعیہ کے نزدیک تیسرا اور حنابلہ کے نزدیک دوسرا خطبہ

یہ ایک ہی خطبہ ہے جس میں امام لوگوں کو قربانی، طواف افاضہ اور رمی کے مسائل بتائے کیوں کہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن منیٰ میں خطبہ دیا“ (۳۶۸)۔

رافع بن عمرو المزنیؓ کہتے ہیں: ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منیٰ میں خطبہ دیتے ہوئے دیکھا، جب کہ سورج بلند ہو گیا تھا۔ آپؐ ایک خچر پر سوار تھے اور علیؓ، آپؐ کی باتیں دور لوگوں کو پہنچاتے تھے جب کہ لوگ کچھ کھڑے تھے کچھ بیٹھے“۔ (۳۶۹)۔

چوں کہ قربانی کے دن بہت سے افعال حج کرنے ہوتے ہیں اور لوگوں کو ان احکام کے سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے اس روز بھی عرفہ کے دن کی طرح خطبے کی ضرورت ہوتی ہے۔

### منیٰ میں قیام کے دوسرے دن جمہور کے نزدیک تیسرا اور شافعیہ کے نزدیک چوتھا خطبہ:

اس پر اتفاق ہے کہ یہ ایک ہی خطبہ ہے، جس میں امام لوگوں کو منیٰ سے جلدی اور تاخیر سے روانگی کے مسائل سمجھائے۔ بنو بکر کے دو آدمیوں سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ”ہم نے منیٰ میں قیام کے درمیانی عرصہ میں، ایام تشریق کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا اور ہم آپؐ کی سواری کے پاس تھے“ (۳۷۰)۔ چوں کہ لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے کہ انہیں بتایا جائے کہ وہ اگر جلدی جانا چاہتے ہیں تو کیا کریں اور کیسے رخصت ہوں، جب کہ منیٰ کے پہلے دن اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ شافعیہ کے نزدیک چار خطبے ہیں، سات ذوالحجہ کو، نو ذوالحجہ کو عرفہ کے دن، عید کے دن منیٰ میں اور گیارہ ذوالحجہ کو ایام تشریق کے دوسرے دن منیٰ میں۔ حنابلہ کے نزدیک تین ہیں، یوم عرفہ کو، قربانی کے دن اور منیٰ کے دوسرے دن۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بھی تین ہیں: سات ذوالحجہ کو مسجد حرام میں، عرفہ کے دن نماز سے پہلے، زوال آفتاب کے بعد اور گیارہ ذوالحجہ کو۔ خطبہ عرفہ کے سوا باقی سب ایک ایک خطبہ ہے، عرفہ کے دو خطبے ہیں اور اس پر اتفاق ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

## بحث ہشتم: حج اور عمرہ ادا کرنے کا طریقہ:

ہمیں معلوم ہے کہ حج اور عمرہ ادا کرنے کے تین طریقے ہیں: افراد، تمتع اور قرآن (۲۷۱)۔ ان میں سے کون سا افضل ہے؟ اس سلسلے میں مذاہب کا اختلاف ہم ارکان حج و عمرہ کی بحث میں بیان کر چکے ہیں۔

### ۱- حج افراد کا طریقہ:

حج افراد یہ ہے کہ صرف حج کا احرام باندھے اور حج سے فارغ ہونے تک عمرہ نہ کرے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ احرام سے پہلے غسل یا وضو کرے۔ غسل کرنا افضل ہے۔ نئے یا دھلے ہوئے دو کپڑے (چادر) اور تہ بند پہنے، خوشبو لگائے، احرام کی دو رکعات پڑھے، خیال رکھے کہ مکروہ وقت نہ ہو اور یوں کہے: اے اللہ! میں حج کا ارادہ کرتا ہوں، تو اسے میرے لیے آسان کر دے اور قبول فرما۔ پھر نماز کے بعد تلبیہ کہے اور تلبیہ میں حج کی نیت کرے۔ نمازوں کے بعد بکثرت تلبیہ پڑھے، بلندی پر چڑھتے اور اترتے وقت، سوار

ہوتے وقت، احباب سے ملاقات کے وقت اور سحری کے وقت بکثرت تلبیہ پڑھے۔

جب نیت کر کے تلبیہ پڑھ لیا تو محرم ہو گیا، جن چیزوں سے اللہ نے روکا ہے یعنی ہم بستری یا جنسی گفتگو، گناہ اور لڑائی جھگڑا (۳۷۲) ان سے باز رہے۔ نہ شکار کرے، نہ شکار کی طرف اشارہ کرے اور نہ اس کے بارے میں بتائے، سلا ہوا کپڑا نہ پہنے اور نہ موزے پہنے، نہ سر ڈھانپے اور نہ چہرہ، نہ خوشبو لگائے، نہ بال اکھیڑے اور نہ کائے، نہ ناخن تراشے۔

صابن کے بغیر نہانے میں کوئی حرج نہیں، صابن خوشبو کی ایک قسم ہے۔ مکان یا چھتری کے سائے میں رہ سکتا ہے۔ کمر میں تھیلی یا پٹکا باندھ لے (جس میں نقدی رکھتے ہیں اور کمر میں باندھ لیتے ہیں)۔

سامان بحفاظت رکھنے کے بعد جب مکہ میں داخل ہو تو سب سے پہلے مسجد حرام میں جائے اور جیسا کہ حنفیہ نے کہا، باب السلام سے عاجزی اور تواضع سے، بیت اللہ کی عظمت اور شرف کو ملحوظ رکھتے ہوئے داخل ہو، جب بیت اللہ پر نظر پڑے تو تین بار تکبیر و تہلیل کہے اور جو چاہے دعا کرے۔ یہ ایسا موقع ہے کہ اس وقت قبولیت دعا کی بہت امید ہوتی ہے۔

اگر مکہ کا رہنے والا نہیں ہے تو طواف قدوم کرے کیوں کہ یہ بیت اللہ کا سلام ہے۔ حجر اسود سے طواف شروع کرے، اس کی طرف منہ کر کے تکبیر و تہلیل کہتا ہوا نماز کی طرح دونوں ہاتھ اٹھائے، (۳۷۳) ہتھیلیوں سے حجر اسود کا استلام کرے، پھر اگر کسی مسلمان کو ایذا دیے بغیر حجر اسود کو بوسہ دے سکتا ہو تو بوسہ دے (۳۷۴)۔ پھر بائیں جانب سے خانہ کعبہ کے گرد گھومنے لگ جائے اور بیت اللہ کے سات چکر لگائے، حطیم (الحجر) کے پیچھے سے طواف کرے اور ہر چکر میں حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کرے اور جس طرح ابتدا کی تھی اسی طرح استلام کرتے ہوئے طواف ختم کرے، پھر مقام ابراہیم پر یا مسجد میں جہاں

ممکن ہو نماز پڑھے یہ خیال رکھے کہ نماز کے لیے مباح وقت ہو، مکروہ نہ ہو۔

مکہ میں رہنے والوں پر طواف قدوم نہیں ہے۔ اگر محرم مکہ میں نہ داخل ہو بلکہ سیدھا عرفات میں وقوف کرنے کے لیے چلا جائے تو طواف قدوم معاف ہو جاتا ہے اور اس کے چھوڑنے پر کوئی کفارہ بھی نہیں۔

پھر صفا و مروہ کے درمیان سات چکر لگائے، دونوں پہاڑیوں پر چڑھ کر قبلہ رو ہو کر تکبیر و تہلیل کہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، اپنی ضروریات کے لیے دعا کرے، دونوں سبز میلوں کے درمیان تیز تیز چلے، صفا سے چکر لگانا شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے۔

پھر احرام کی حالت میں ہی مکہ میں ٹھہرا رہے اور جب چاہے بیت اللہ کا طواف کرے، پھر ۸ ذوالحجہ کو منیٰ کی طرف روانہ ہو، رات وہاں رہے اور وہاں پانچ نمازیں (ظہر، عصر، مغرب، عشا اور فجر) پڑھے۔

۹ ذوالحجہ کو عرفات کی طرف روانہ ہو اور مسجد نمرہ میں امام کے ساتھ یا اکیلے ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی ظہر کے وقت قصر کر کے پڑھے اور خطبہ سنے، ان نمازوں کے لیے ایک اذان اور دو اقامتیں ہیں۔ مستحب یہ ہے کہ وقوف عرفہ سے پہلے غسل کرے۔

پھر موقف (ٹھہرنے کی جگہ) کی طرف روانہ ہو اور جبل رحمت کے قریب ٹھہرے، عرفات وادی عرنہ کو چھوڑ کر سارا موقف ہے۔ امام کے لیے مناسب یہ ہے کہ اپنی سواری پر ہی عرفات کا وقوف کرے اور لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دے اور مستحب یہ ہے کہ بہت کوشش اور محنت سے دعا کرے۔ جس کسی نے یوم عرفہ کے زوال آفتاب سے قربانی کے دن طلوع فجر تک کسی بھی وقت عرفہ میں وقوف کر لیا، اس کا حج ہو گیا۔ اگر کوئی شخص سوئے

ہوئے یا بے ہوشی میں عرفہ سے گزر گیا اور اسے معلوم تک نہ ہوا کہ یہ عرفہ ہے حنفیہ کے نزدیک اس کا وقوف بھی ادا ہو جاتا ہے۔

جب سورج غروب ہو تو امام لوگوں کو ساتھ لے کر مازین کے راستے روانہ ہو اور مزدلفہ پہنچ کر وہاں اتر جائے۔ مستحب یہ ہے کہ جبل قزح کے پاس اترے جو مشعر حرام ہے۔ امام لوگوں کو عشا کے وقت مغرب اور عشا کی اکٹھی قصر نماز پڑھائے، اس کے لیے حنفیہ کے نزدیک ایک اذان اور ایک اقامت کہی جائے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مزدلفہ کے راستے میں مغرب کی نماز پڑھنا جائز نہیں، اگر کسی نے پڑھ لی تو طلوع فجر سے پہلے اس کا اعادہ کرے۔

جب قربانی کے دن فجر طلوع ہو جائے تو امام لوگوں کو تاریکی میں ہی فجر کی نماز پڑھا دے تاکہ لوگ وقوف کر سکیں، اس کے بعد مزدلفہ میں وقوف کرنا حنفیہ کے نزدیک واجب ہے خواہ لمحہ بھر کے لیے ہو۔ اس کا وقت طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک کا ہے۔ لوگ امام کے ساتھ ٹھہریں۔ امام دعا کرے، تکبیر و تہلیل کہے، تلبیہ پڑھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ مزدلفہ سے رمی کرنے کے لیے ستر کنکریاں چنی جائیں۔ مزدلفہ وادی محسر (منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان ایک وادی ہے) کے سوا سارے کا سارا موقف ہے۔

پھر امام طلوع آفتاب سے پہلے لوگوں کو ساتھ لے کر وہاں سے منیٰ کی طرف روانہ ہو، منیٰ پہنچ کر وادی کے دامن سے مٹر کے دانے کے برابر سات کنکریاں جمرہ عقبہ ماریں، ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہیں، اس کے بعد وہاں نہ ٹھہریں اور نہ کسی اور جمرہ کی اس دن رمی کریں۔ پہلی کنکری مارنے کے ساتھ ہی تلبیہ کہنا ختم کر دیں۔ اگر منڈانے سے پہلے رمی کر رہا ہو اور اگر سر منڈا لیا ہو تو سر منڈانے کے ساتھ تلبیہ کہنا ختم



دے کیوں کہ حلال ہونے کے بعد تلبیہ کہنا ثابت نہیں۔

پھر اگر چاہے تو نفل قربانی کرے کیوں کہ مفرد حج کرنے والے پر قربانی واجب نہیں، پھر سر منڈائے یا انگلی کے پورے کے برابر بال کٹوائے، بال کٹوانے کی بہ نسبت سر منڈانا افضل ہے۔ اب عورت کے سوا باقی تمام امور جو احرام کی وجہ سے حرام تھے جائز ہو جائیں گے۔ البتہ مالکیہ کے نزدیک ابھی شکار کرنا اور خوشبو لگانا حرام ہے۔

پھر عید کے دن یا اس سے ایک یا دو دن بعد مکہ آئے اور وہاں طواف زیارت کرے (یہ فرض طواف ہے) سات چکر لگائے۔ اگر طواف قدم کے بعد سعی نہیں کی تھی تو صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے اور طواف کے پہلے تین چکروں میں مرد رمل کرے اور اگر اب سعی کرنا ہو تو اضطباع بھی کرے (۳۷۵) کیوں کہ ہر ایسا طواف جس کے بعد سعی ہو اس میں رمل اور اضطباع کیا جاتا ہے۔

تین دن کے بعد طواف مؤخر کرنا (یعنی عید کے دن اور اس کے بعد کے دو دن) مکروہ ہے۔ اگر مؤخر کر دیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک دم واجب ہوگا۔ پھر واپس منی لوٹ جائے اور وہاں رمی کرنے کے لیے ٹھہرے۔ قربانی کے دوسرے دن سے زوال آفتاب کے بعد سے رمی کا وقت شروع ہوتا ہے۔ مسجد خیف کے ساتھ جو جمرہ ہے وہاں سے رمی شروع کرے، سات کنکریاں مارے، ہر کنکری مارتے وقت تکبیر کہے، پھر وہاں ٹھہر کر دعا کرے کیوں کہ اس کے بعد بھی رمی کرنا ہے پھر درمیانے جمرہ کی رمی کرے اور وہاں بھی رک کر دعا کرے، پھر جمرہ عقبہ کی رمی کرے اور اس کے پاس نہ ٹھہرے کیوں کہ اس کے بعد اور کوئی رمی نہیں ہے۔

پھر تیسرے دن زوال آفتاب کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرے اس کے بعد

چاہے تو مکہ روانہ ہو جائے اور چاہے تو چوتھے دن کی رمی کرنے کے لیے وہیں ٹھہرا رہے اور چوتھے دن طلوع فجر کے بعد رمی کر کے مکہ واپس ہو اور مکہ جاتے ہوئے وادی محصب (۳۷۶) میں ٹھہرے۔

جب حاجی مکہ سے روانگی کا ارادہ کرے اور بیت اللہ کا طواف کرے، سات چکر لگائے، طواف وداع یا طواف صدر میں رمل نہ کرے۔ مالکیہ کے سوا جمہور کے نزدیک یہ طواف مکہ سے باہر والوں کے لیے واجب ہے پھر واپس اپنے گھر لوٹ جائے کیوں کہ حج سے فارغ ہو گیا ہے۔

عورت اور خنثی مشکل اوپر بیان کردہ تمام مسائل میں مرد کی طرح اعمال کریں البتہ اپنا سر ننگا نہ کریں، چہرہ کھلا رکھیں، تلبیہ کہتے ہوئے آواز بلند نہ کریں، طواف میں رمل نہ کریں، سبز میلوں کے درمیان تیز نہ چلیں، سر نہ منڈوائیں۔ البتہ بال کٹوائیں، سلعے ہوئے کپڑے پہنیں اور موزے پہن لیں۔ اگر عورت کو حیض یا نفاس ہو تو بیت اللہ کے طواف کے سوا سارے اعمال ادا کرے اور طواف کے لیے پاک ہونے کا انتظار کرے۔

اگر احرام کے وقت عورت حیض سے ہو تو غسل کر کے احرام باندھ لے اور اگر وقوف عرفہ اور طواف زیارت کے بعد حیض آئے تو واپس وطن چلی جائے۔ طواف وداع چھوڑ دینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

## ۲- حج تمتع کی تعریف اور طریقہ:

لغت میں تمتع کے معنی ہیں: نفع اٹھانا۔ شرعی اصطلاح میں حنفیہ کے نزدیک حج کے مہینوں میں اپنے گھر واپس آئے بغیر عمرہ کا احرام باندھنا اور اس کے تمام یا اکثر افعال ادا کرنا اور پھر حج کا احرام باندھنا اور اس کے افعال ادا کرنا۔

حنفیہ کے نزدیک تمتع کی دو قسمیں ہیں (۱) ایسا تمتع جس میں حاجی قربانی کا جانور ساتھ لایا ہو۔ (۲) جس میں قربانی کا جانور ساتھ نہ لایا ہو۔ پہلی قسم کا حکم وہی ہے جو قرآن کرنے والے کا ہے یعنی جب مکہ میں داخل ہو تو طواف اور سعی کرے اور اس کے بعد احرام میں ہی رہے، احرام نہ کھولے، حتیٰ کہ ۸ ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھے اور قربانی کے دن قربانی کرے کیوں کہ حضرت جابرؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں ارشاد نبویؐ ہے: ”جس امر کا مجھے اب احساس ہوا، اگر پہلے ہوتا تو میں قربانی کا جانور ساتھ نہ لاتا اور اسے عمرہ بنا لیتا۔“ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر قربانی کا جانور ساتھ نہ ہو تو صرف عمرہ کر کے احرام کھولا جا سکتا ہے، اگر جانور ساتھ ہوتے ہوئے احرام کھولنا جائز ہوتا تو آپؐ یہ نہ فرماتے بلکہ فرماتے کہ میں نے اسے عمرہ بنا لیا ہے اور احرام کھول دیا۔ (۳۷۷) جب تمتع کرنے والا قربانی کا جانور ساتھ لے جانے کا ارادہ کرے تو احرام باندھ لے اور جانور ساتھ لے لے۔

### تمتع کرنے کا طریقہ:

میقات سے شروع کرے اور عمرہ کا احرام باندھے، مکہ پہنچ کر، عمرہ کا طواف اور سعی کر کے سر منڈوا کر یا بال کٹوا کر عمرہ کا احرام کھول دے اور طواف شروع کرتے ہی تلبیہ کہنا موقوف کر دے۔ اس کے بعد حلال ہونے کی حالت میں مکہ میں قیام کرے۔

اس کے بعد آٹھ ذوالحجہ کو مستحب یہ ہے کہ مسجد حرام سے احرام باندھے۔ حدود حرم سے احرام باندھنا شرط ہے کیوں کہ تمتع کرنے والا مکہ کا مقامی سمجھا جاتا ہے اور مقامی حاجی کا میقات حرم ہے جیسا کہ میقات کی بحث میں گزر چکا، پھر جیسے مفرد حج کیا جاتا ہے اس طرح حج کرے۔

افضل یہ ہے کہ ۸ ذوالحجہ سے پہلے احرام باندھے کیوں کہ اس میں نیکی کی طرف سبقت ہے اور مشقت میں اضافہ۔

تمتع کرنے والے پر تمتع کی قربانی واجب ہے (۲۷۸) اگر جانور میسر نہ ہو تو تین دن حج کے دوران اور سات دن حج سے فارغ ہو کر روزے رکھے، خواہ گھر جا کر یا گھر پہنچنے سے پہلے۔

جب قربانی کے دن سر منڈا دیا تو دونوں احراموں سے حلال ہو گیا کیوں کہ سر منڈانے سے آدمی حج سے اس طرح فارغ ہو جاتا ہے جیسے سلام پھیر کر نماز سے، پس دونوں احرام کھل جائیں گے۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ مکہ میں رہنے والوں کے لیے تمتع اور قرآن کرنا درست نہیں ہے وہ صرف حج افراد کریں، حنفیہ کے نزدیک مکہ والوں کے لیے مکروہ ہے۔

### حج تمتع کا باطل ہونا:

اگر کوئی شخص قربانی کا جانور ساتھ لے کر نہیں گیا اور عمرہ سے فارغ ہو کر وطن واپس آ گیا تو اس کا حج تمتع باطل ہو گیا، کیوں کہ وہ واضح طور پر اپنے خاندان میں لوٹ آیا ہے۔ اگر قربانی کا جانور لے کر آیا تھا تو پھر وطن واپس جانے سے تمتع باطل نہیں ہوگا کیوں کہ یہ مکمل طور پر وطن لوٹنا نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک تمتع باطل نہیں ہوتا کیوں کہ اول الذکر کے نزدیک سر منڈانے کے لیے حرم میں واپسی واجب ہے اور مؤخر الذکر کے نزدیک مستحب کیوں کہ سر منڈانے کا تعلق حرم سے ہے۔ اور واپسی کی صورت میں وطن لوٹنا مکمل نہیں ہوتا۔

اگر قرآن کرنے والا اپنے وطن واپس چلا جائے تو حنفیہ کا اتفاق ہے کہ قرآن باطل

نہیں ہوتا۔ حنفیہ کے نزدیک تمتع اور قرآن میں فرق یہ ہے کہ تمتع میں یہ شرط ہے کہ وطن واپسی مکمل نہ ہو اور قرآن میں یہ شرط نہیں ہے۔

**حج کے مہینوں سے پہلے عمرے کا احرام باندھنے والا کب تمتع ہو جاتا ہے؟**

حنفیہ کہتے ہیں: جس کسی نے حج کے مہینوں سے پہلے عمرہ کا احرام باندھا، پھر چار سے کم چکر طواف کے لگائے اور عمرہ کا طواف مکمل نہیں کیا تھا کہ حج کے مہینے شروع ہو گئے۔ پھر اس نے حج کے مہینوں میں طواف مکمل کیا اور حج کا احرام باندھا تو تمتع ہوگا، کیوں کہ حنفیہ کے نزدیک احرام شرط ہے رکن نہیں ہے۔ اس لیے حج کے مہینوں سے پہلے احرام باندھ لینا درست ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ تمتع کے لیے عمرہ اور حج کے افعال حج کے مہینوں میں ادا ہونے ضروری ہیں اور ان میں سے اکثر حج کے مہینوں میں ادا ہوئے اور اکثر کل کے حکم میں ہوتا ہے۔

اگر حج کے مہینوں سے پہلے عمرے کے طواف کے چار یا اکثر چکر مکمل کرنے کے بعد اسی سال حج کیا، تو تمتع کرنے والا نہیں ہوگا، کیوں کہ اس نے عمرے کے اکثر افعال حج کے مہینوں سے پہلے ادا کر کے اس شخص جیسا ہو گیا جس عمرے کا احرام حج کے مہینوں سے پہلے کھول دیا ہو۔

الغرض حنفیہ کے نزدیک اکثر کا وہی حکم ہے جو کل کا ہے اور جب اکثر حصہ عمرہ کا حج کے مہینوں میں ادا ہوا تو گویا سارا عمرہ حج کے مہینوں میں ادا ہوا اور تمتع یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ اور حج ادا کیا جائے۔

**۳- حج قرآن کا طریقہ:**

لغت میں قرآن دو چیزوں کو جمع کرنے کو کہتے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں ایک سفر

میں ایک ہی احرام کے ساتھ حج اور عمرہ کرنے کا نام قرآن ہے۔

قرآن کا طریقہ یہ ہے کہ میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا احرام باندھے، یا تو حقیقتاً دونوں کی اکٹھی نیت کرے یا حنفیہ کے نزدیک حکماً دونوں کا اکٹھا احرام باندھے، دوسرے فقہاء کا اس میں اختلاف ہے۔ حکماً اکٹھا احرام کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے صرف عمرہ کا احرام باندھے، پھر عمرہ کے طواف کا اکثر حصہ مکمل کرنے سے پہلے حج کا احرام باندھ لے تو حج اور عمرہ دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں کیوں کہ عمرہ کا اکثر حصہ ابھی باقی ہے، جمہور کے نزدیک اس کے برعکس صورت جائز ہے یعنی پہلے حج کا احرام باندھے، بعد میں اس پر عمرہ کا احرام باندھ لے، حنفیہ کے نزدیک یہ طریقہ مکروہ ہے۔

حج کے احرام پر عمرہ کا احرام باندھنا حنفیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک طواف شروع کرنے سے پہلے جائز ہے۔ اگر طواف شروع کر دیا خواہ ایک قدم ہی چلا ہو تو حج کے احرام پر عمرہ کا احرام باندھنا جائز نہیں رہے گا۔

اگر تمتع کرنے والا اپنے ساتھ قربانی کا جانور لایا ہے تو تمتع کرنے والا حنفیہ کے نزدیک قرآن کرے گا، جیسا کہ ہم نے وضاحت کر دی، تمتع کرنے والوں کی طرح عمرہ کے بعد احرام نہ کھولے بلکہ احرام میں رہے حتیٰ کہ قربانی کے دن قربانی کرنے کے بعد احرام کھولے۔

قرآن کرنے والا احرام کی دو رکعات کے بعد یہ نیت کرے: ”اے اللہ! میں حج اور عمرہ دونوں کی نیت کرتا ہوں، تو انہیں میرے لیے آسان کر دے اور انہیں میری طرف سے قبول فرما“۔ پھر کہے: لبیک اللہم لبیک.. الخ۔

جب قرآن کرنے والا مکہ میں داخل ہو تو بیت اللہ کے گرد سات چکر لگا کر طواف کرے، پہلے تین چکروں میں رمل کرے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے، یہ عمرہ کے افعال ہیں۔

پھر حنیفہ کے نزدیک مفرد کی طرح حج کے افعال شروع کرے اور مذکورہ بالا سعی کے بعد طواف قدوم کرے اور حج کے لیے طواف افاضہ کرے اور مفرد کی طرح صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے کیوں کہ ارشادِ ربانی ہے: **وَاتِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ (اللہ کے لیے حج اور عمرہ کی تکمیل کرو، البقرہ ۲: ۱۹۶)** اور ان کی تکمیل کا مفہوم یہ ہے کہ تمام افعال پورے ادا کرو اس لیے قرآن کرنے والے اور دوسرے حاجی کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ صحیح بن معبد نے جب دو بار طواف کیا اور دو بار سعی کی تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ ”تم نے اپنے نبیؐ کی سنت کا اتباع کیا“ (۳۷۹)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ قرآن کرنے والے کے بارے میں فرماتے ہیں: ”جب تم حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھو تو دو بار طواف کرو اور دو بار صفا و مروہ کے درمیان سعی کرو“ (۳۸۰)۔

جمہور کے نزدیک (۳۸۱) قرآن کے لیے ایک طواف اور ایک بار سعی کافی ہے کیوں کہ ترمذی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس کسی نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا اس کے لیے ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے تا آنکہ دونوں کا احرام کھول دے“ (۳۸۲) لیکن قرآن کرنے والا حج افراد کرنے والے کی طرح طواف افاضہ سے پہلے طواف قدوم کرے اور اگر طواف قدوم کے بعد سعی نہ کی ہو تو طواف افاضہ کے بعد سعی کرے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: ”جو حج اور عمرہ کو جمع کرتے ہیں وہ صرف ایک طواف کریں“ (۳۸۳)۔ حضرت عائشہؓ نے جب حج اور عمرہ جمع کیے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا صفا اور مروہ کا ایک طواف تمہارے حج اور عمرہ کے لیے کافی ہیں (۳۸۴)۔

## تمتع اور قرآن کی قربانی:

علماء کا اتفاق ہے کہ تمتع اور قرآن کرنے والوں پر قربانی (۳۸۵) واجب ہے؛ کیوں کہ ارشادِ ربانی ہے: فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعِمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (جو حج کے ساتھ عمرہ سے بھی فائدہ اٹھائے وہ جو قربانی باسانی دے سکے دے، البقرہ ۲: ۱۹۶)۔

تمتع اور قرآن کی قربانی درحقیقت شکر کی قربانی ہے، حنفیہ کے نزدیک قربانی دینے والا بھی اس کا گوشت کھا سکتا ہے۔ شافعیہ کے نزدیک نہیں کھا سکتا۔ اگر قرآن کرنے والا مکہ میں داخل نہ ہو اور سیدھا عرفات چلا جائے تو حنفیہ کے نزدیک اس نے عمرہ چھوڑ دیا، اس لیے اب اس پر قرآن کی قربانی واجب نہیں ہوگی البتہ عمرہ چھوڑ دینے کی قربانی واجب ہوگی جو کفارہ کی قربانی ہے اور اس کا گوشت کھانا اس کے لیے جائز نہیں، نیز عمرہ کی قضا بھی کرے، کیوں کہ عمرہ شروع کرنے سے واجب ہو گیا اور ادا نہیں کیا گیا اس لیے اس کی قضا کرے۔

شافعیہ کے نزدیک اگر حج کا احرام باندھنے کے لیے ایسا شخص دوبارہ میقات پر چلا گیا تو اس سے تمتع کی قربانی معاف ہو جائے گی۔

## تمتع اور قرآن کی قربانی کے وقت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے (۳۸۶)۔

جمہور کے نزدیک عید کے دن سرمنڈانے سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کرنے کے بعد، بکری، گائے، اونٹ یا اونٹ کے ساتویں حصہ کی قربانی دے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح قربانی کی تھی۔

شافعیہ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ تینوں ائمہ کے اختلاف سے بچنے کے لیے عید



کے دن ہی قربانی دے لیکن قربانی کے وجوب کا وقت حج کے احرام کا وقت ہے کیوں کہ احرام باندھنے سے ہی حاجی عمرہ کو حج کے ساتھ ملانے والا بن جاتا ہے اور صحیح یہ ہے کہ عمرہ سے فارغ ہو کر قربانی کر سکتا ہے اور یہ قربانی حدود حرم میں کی جائے بشرطیکہ وہاں قربانی کرنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ اپنے شہر میں یا کسی دوسری جگہ قربانی کی استطاعت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

اگر قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو ایام حج میں تین دن روزے رکھے اور عرفہ کا دن ان تین دنوں کا آخری دن ہونا چاہیے۔ اور وطن واپس جا کر سات روزے مزید رکھے، اگر حج سے فارغ ہو کر مکہ میں ہی سات روزے رکھ لے تو جائز ہے۔

اگر قربانی کی استطاعت نہ ہو تو اس کے بدلے میں روزے رکھنے کے اوقات اور مسلسل روزے رکھنے کے بارے میں فقہاء کی آراء:

حنفیہ کہتے ہیں (۳۸۷) مختلف ایام میں بھی روزے رکھنے جائز ہیں۔ مسلسل روزوں کی شرط نہیں ہے۔ تین روزوں کا وقت احرام عمرہ کے بعد حج کے مہینے میں، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فصيام ثلاثة ايام في الحج (البقرہ ۲: ۱۹۶ حج میں تین دن کے روزے ہیں) یعنی حج کے مہینوں میں، کیوں کہ حج بذات خود روزوں کا وقت نہیں ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ ۸ ذوالحجہ سے ایک دن پہلے روزہ رکھے اور عرفہ سے ایک دن پہلے رکھنا جائز ہے۔ اگر ایام حج میں تین روزے نہیں رکھ سکا اور قربانی کا دن آگیا تو پھر لازماً قربانی کرے کیوں کہ روزے قربانی کا بدل ہیں، اور آیت نے روزوں کو حج کے وقت کے ساتھ مختص کر دیا ہے، اگر قربانی کے دن تک کسی شخص نے روزے مؤخر کر دیے اور احرام کھول دیا تو دو قربانیاں دے، ایک تمتع کی قربانی اور دوسری جانور ذبح کرنے سے پہلے احرام کھولنے کا کفارہ۔

باقی ماندہ سات روزے ایام حج کے بعد جہاں چاہے رکھے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے:  
 وسبعة اذا رجعتم (اور سات روزے، جب تم حج سے واپس لوٹ جاؤ، البقرہ ۲: ۱۹۶)  
 یعنی افعال حج سے فارغ ہو جاؤ لیکن ایام تشریق میں روزے نہ رکھے۔

پہلے تین روزے افعال حج شروع کرنے سے پہلے بھی رکھنے جائز ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک (۳۸۸) پہلے تین روزے اور بعد کے سات روزے مسلسل رکھنے  
 واجب ہیں۔ پہلے تین روزے اس طرح رکھے کہ یوم عرفہ کو آخری روزہ ہو۔ اگر کسی کو  
 معلوم نہیں تھا یا بھول گیا تو منیٰ کے تین ایام میں رکھ لے۔ بعد کے سات روزے چاہے تو  
 وطن واپسی کے دوران رکھ لے اور چاہے تو وطن جا کر رکھے۔ لیکن پہلے تین روزے  
 افعال حج شروع کرنے سے پہلے رکھنا جائز نہیں۔

شافعیہ کے نزدیک (۳۸۹) پہلے تین روزے اور بعد کے سات روزے مسلسل رکھنا  
 مستحب ہیں اگر کوئی شخص حج کے دوران تین روزے نہیں رکھ سکا تو راجح روایت یہ ہے کہ  
 ان کی قضا واجب ہے۔ کیوں کہ یہ ایسے روزے ہیں جن کا وقت مقرر ہے، پس رمضان  
 کے روزوں کی طرح ان کی قضا کرے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ پہلے تین روزوں کی قضا اور  
 بعد کے سات روزوں کے درمیان کم از کم چار دن کا (قربانی کا دن اور ایام تشریق) اور  
 اتنے ایام کا وقفہ کرے جتنے دنوں میں بالعموم سفر کر کے اپنے وطن پہنچ سکتا ہے۔ اگر کسی نے  
 مسلسل دس روزے رکھ لیے تو تین روزے درست ہو گئے۔ باقی سات وقفے کے بغیر  
 رکھنے کی وجہ سے درست نہیں ہوئے۔

روزے صرف اس صورت میں جائز ہیں جب کہ حسی طور پر قربانی میسر نہ ہو، مثلاً  
 جانور ہی نہ ہو یا پیسے نہ ہوں یا شرعاً عاجز ہو، مثلاً قیمت مثل سے زائد پر قربانی کا جانور ملتا

ہو یا جانور کی اسے خود ضرورت ہو یا پیسے ہوں لیکن دوسری ضروریات کے لیے بمشکل کافی ہوں یا مال گم ہو گیا ہو وغیرہ۔

تین روزوں کا وقت حج کا احرام باندھنے کے بعد شروع ہوتا ہے کیوں کہ آیت میں ہے: فصيام ثلاثة ايام في الحج (حج کے دوران تین روزے رکھے، البقرہ ۲: ۱۹۶) اس لیے حج کے احرام سے پہلے روزے رکھنا جائز نہیں۔ البتہ قربانی قبل از وقت دینا جائز ہے کیوں کہ روزے بدنی عبادت ہیں اس لیے نماز کی طرح قبل از وقت درست نہیں جب کہ قربانی مالی عبادت ہے اور زکوٰۃ کی طرح قبل از وقت دی جاسکتی ہے۔

مستحب یہ ہے کہ عرفہ کے دن سے پہلے تین روزے مکمل کر لے، کیوں کہ حج کے دوران عرفہ کا روزہ مکروہ ہے اور سات روزے واپس اپنے وطن اور خاندان میں جا کر رکھے، اگر واپسی کا ارادہ ہو، راجح روایت یہی ہے۔ کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: وسبعة اذی جمعتم (جب واپس لوٹ جاؤ تو سات روزے رکھو، البقرہ ۲: ۱۹۶) نیز ارشاد نبویؐ ہے: ”جس کسی کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو وہ حج کے دوران تین دن اور اپنے گھر واپس جا کر سات دن روزے رکھے“ (۳۹۰)۔ گھر کے راستے میں روزہ رکھنا جائز نہیں البتہ اگر مکہ میں قیام کی نیت ہو تو وہیں روزے رکھ لے۔

روزوں کے سلسلے میں حنابلہ کی رائے میں تفصیل موجود ہے، وہ کہتے ہیں (۳۹۱) مسلسل روزے رکھنا واجب نہیں اور تین اور سات روزوں میں سے ہر ایک کے دو دو اوقات ہیں: جواز کا وقت اور مستحب وقت۔

**تین روزوں کا مستحب وقت:**

حج کا احرام باندھنے سے لے کر عرفہ کے دن تک، اس طرح روزے رکھے کہ عرفہ

کے دن آخری روزہ ہو۔ اگرچہ عرفہ کے دن کا روزہ مستحب نہیں ہے لیکن اس صورت میں اس کی ضرورت ہے۔

### تین روزوں کا وقت جواز:

جیسا کہ حنفیہ کی رائے ہے عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد رکھے جاسکتے ہیں۔ مالکیہ اور شافعیہ کا اس میں اختلاف ہے، ان کی رائے میں حج کا احرام باندھنے کے بعد رکھے۔ حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ عمرہ کا احرام تمتع کے دو احراموں میں سے ایک ہے پس اس کے بعد روزے رکھنا اسی طرح درست ہیں جیسے حج کا احرام کے بعد، جیسے قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینا جائز ہے۔ اور دوسرے فریق کی دلیل یہ آیت ہے: فصيام ثلاثة ايام في الحج (حج کے دوران تین روزے رکھے، البقرہ ۲: ۱۹۶)۔

### سات روزوں کا مستحب وقت:

جب واپس گھر پہنچ جائے کیوں کہ اوپر مذکور آیت اور حدیث میں یہی ہے۔ ان کے جواز کا وقت ایام تشریق کے بعد کا وقت ہے، خواہ سفر میں ہو یا مکہ میں قیام پذیر ہو کیوں کہ جو روزہ فرض ہو اور وطن میں رکھنا جائز ہو۔ اس سے پہلے رکھنا بھی جائز ہے جیسا کہ تمام فرائض کا یہی حکم ہے۔ آیت میں اذا رجعتم (جب تم لوٹ جاؤ، البقرہ ۲: ۱۹۶) کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے واجب روزوں کو مؤخر کرنے کی اجازت دی ہے۔ اس سے پہلے رکھنے کی ممانعت نہیں ہے جیسا کہ بیماری یا سفر کی حالت میں رمضان کے روزے مؤخر کرنے کی اجازت ہے، فعدة من ايام آخر (دوسرے دنوں کی گنتی پوری کرو، البقرہ ۲: ۱۸۳) کیوں کہ روزہ کا سبب پائے جانے کے بعد روزے کی اہلیت رکھنے والے فرد نے روزہ رکھا، اس لیے وہ درست ہے جیسا کہ مسافر اور مریض کا روزہ درست ہے۔

اگر حج تمتع کرنے والے نے ایام حج میں تین دن روزہ نہیں رکھا تو بعد میں رکھ لے، خواہ منیٰ میں قیام کے دنوں میں، جیسا کہ مالکیہ اور شافعیہ کی رائے ہے۔ حنفیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ کیوں کہ یہ روزے واجب ہیں اور ان کا وقت نکل جانے سے ساقط نہیں ہوتے جیسے رمضان کے روزے۔ مذکورہ بالا آیت میں ان کے وجوب کا بیان ہے، ساقط ہونے کا نہیں۔ ایام منیٰ میں روزے رکھنا درست ہے کیوں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کا قول ہے ”ایام تشریق میں صرف ایسے افراد کو روزہ رکھنے کی اجازت ہے جنہیں قربانی کا جانور میسر نہ ہو“ (۳۹۲)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی تھی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ایام حج میں تین دن روزے رکھنے کا حکم دیا۔ اب ایام حج میں سے یہی تین دن باقی ہیں، پس انہیں میں روزے رکھے۔ اگر کسی نے ان ایام میں روزے رکھ لیے تو اس کا حکم وہی ہے جو قربانی کے دن سے پہلے روزے رکھنے والے کا حکم ہے۔

اگر کسی نے مسلسل دس روزے رکھ لیے تو تین اور سات میں وقفہ کرنا ضروری نہیں، شافعیہ کے نزدیک ضروری ہے۔ کیوں کہ یہ روزے واجب ہیں اور ایسے وقت میں رکھے جا سکتے ہیں۔ جب روزہ رکھنا جائز ہو، پس ان میں وقفہ واجب نہیں جیسا کہ دوسرے روزوں کے بارے میں احکام ہیں۔

### روزوں کے وجوب کا وقت:

روزے قربانی کا بدل ہیں، اس لیے جب قربانی واجب ہوتی ہے اسی وقت روزے واجب ہوتے ہیں کیوں کہ بدل اسی وقت واجب ہوتا ہے جب اصل واجب ہو، تمام متبادل امور میں یہی اصول ہے۔

## بحث نہم: حج سے حلال یعنی فارغ ہونے کا طریقہ:

فقہاء کا اتفاق ہے کہ حج سے حلال ہونے کے دو مراحل ہیں: پہلا یا چھوٹا اور دوسرا یا بڑا لیکن پہلے مرحلہ پر کیا کیا امور حلال ہو جاتے ہیں اس میں مندرجہ ذیل اختلافات ہیں (۳۹۳)۔

### پہلے مرحلہ کا حلال ہونا:

تین کاموں یعنی جمرہ عقبہ کی رمی، سر منڈانا اور طواف افاضہ۔ ان میں سے کوئی سے دو کام کر لینے سے پہلے مرحلہ پر حلال ہو جاتا ہے اور عورتوں کے سوا تمام امور جائز ہو جاتے ہیں۔ یعنی عورتوں سے جماع اور جماع کے محرکات حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بدستور حرام رہتے ہیں۔ کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”جب تم رمی کر چکو اور سر منڈالو تو تمہارے لیے خوشبو لگانا، سلے ہوئے کپڑے پہننا جائز ہے صرف عورتیں حرام ہیں“ (۳۹۳) یعنی عورتوں کے تعلق سے جو امور حرام تھے مثلاً ہم بستری، بوسہ دینا، شہوت سے ہاتھ لگانا، نیز شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک عقد نکاح بھی حرام ہے۔ ان کے سوا باقی امور مثلاً شکار کرنا، بال کاٹنا اور ناخن تراشنا جائز ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک اس مرحلے پر عورتوں، شکار اور خوشبو کے سوا باقی امور حلال ہو جاتے ہیں، کیوں کہ حضرت عمرؓ کا قول ہے: ”جب تم جمرہ کی رمی کر چکو اور قربانی کر لو، سر منڈالو تو تمہارے لیے خوشبو اور عورتوں کے سوا باقی چیزیں حلال ہو جاتی ہیں“ (۳۹۵)۔ نیز ارشاد ربانی ہے: وَلَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ (احرام کی حالت میں شکار نہ کرو، المائدہ ۹۴:۵) پس شکار کرنا بھی حرام ہے۔

## دوسرے مرحلہ کا حلال ہونا:

مذکورہ بالا تین امور میں سے تیسرا بھی مکمل کر لینے کے بعد حلال ہونے کا دوسرا مرحلہ بھی مکمل ہو جاتا ہے۔ جب رمی جمرہ کر لیا جائے، سر منڈا لیا جائے اور طواف افاضہ کر لیا جائے تو تمام چیزیں جو احرام کی وجہ سے حرام تھیں حلال ہو جائیں گی اور بالا جماع احرام مکمل طور پر ختم ہو جائے گا، البتہ باقی افعال یعنی رمی کرنا بالاتفاق اور حنفیہ کے سوا دوسرے ائمہ کے نزدیک منیٰ میں رات گزارنا واجب ہے جو احرام کے بغیر ادا کیے جائیں گے۔ جیسا کہ پہلا سلام پھیرنے کے بعد نماز مکمل ہو جاتی ہے اور دوسرا سلام اس کے بعد بھی پھیرنے کا حکم ہے البتہ نماز میں دوسرا سلام مستحب ہے اور حج میں مذکورہ بالا افعال واجب ہیں۔

مستحب یہ ہے کہ رمی کے ایام مکمل ہونے سے پہلے جماع نہ کرے تاکہ احرام کا باقی ماندہ اثر بھی ختم ہو جائے۔

## بحث دہم: احرام کے ممنوعات اور مباحات:

### ممنوعات:

وہ امور جو حج یا عمرہ کا احرام باندھنے والے کے لیے حرام ہیں تا آنکہ منیٰ میں سر منڈا دے۔ ان کی بہت سی اقسام ہیں جو چار اصول پر مشتمل ہیں اور وہ یہ ہیں: سلا ہوا لباس پہننا، بدن کو تروتازہ اور صاف ستھرا رکھنا، شکار کرنا اور عورتیں۔

ان چار اصول کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس سے حج فاسد نہیں ہوتا۔ یہ پہلی تین چیزیں ہیں اور دوسری وہ جس سے حج فاسد ہو جاتا ہے اور یہ ہم بستری ہے۔

ان ممنوعات کے بارے میں تفصیلی بحث اور فقہاء کی آراء درج ذیل ہیں: (۳۹۶)

## اصل اول: سلا ہوا لباس پہننا:

اس کے حکم میں اس بنا پر اختلاف ہے کہ احرام باندھنے والا مرد ہے یا عورت۔

۱۔ مرد کا لباس: مرد کے لیے احرام باندھتے ہی کسی ایسی چیز سے پورا یا سر کا کچھ حصہ ڈھانپنا حرام ہے جس سے سر ڈھانپا جاتا ہو خواہ وہ سلی ہوئی ہو یا نہ، پس سر اور چہرے پر گپڑی، کپڑا، ٹوپی رکھنا یا کپڑے سے ڈھانپنا جائز نہیں۔ خواہ کپڑا باریک ہو اور اس کے پیچھے سے جلد نظر آتی ہو، پٹی باندھنا بھی درست نہیں کیوں کہ صحیحین میں ہے کہ ”ایک شخص احرام کی حالت میں گر کر مر گیا تو آپ نے فرمایا: اس کا سر نہ ڈھانپنا، یہ قیامت کے روز تلبیہ کہتا ہوا اٹھے گا“ (۳۹۷)۔ یہ سب کے لیے ہے البتہ اگر مجبوری ہو مثلاً علاج کے طور پر یا سردی گرمی کی وجہ سے تو ڈھانپنا جائز ہے اور اس صورت میں فدیہ واجب ہے۔

البتہ جن چیزوں سے سر اور چہرہ نہیں ڈھانپا جاتا مثلاً گپڑی یا تکیے سے ٹیک لگانا، پانی میں گھس جانا یا حمل کے سائے میں بیٹھنا یا سر پر ہاتھ رکھنا خواہ طویل وقت کے لیے ہو یا سردی کے باعث سر پر ڈوری وغیرہ باندھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر سر پر کوئی سامان یا تھیلا وغیرہ رکھ لیا تو مکروہ ہے اور شافعیہ کی صحیح روایت یہ ہے کہ حرام نہیں، چھتری، مکان، گاڑی، درخت یا خیمے کے سائے میں بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔

حنابلہ کے نزدیک حمل وغیرہ یا کسی کپڑے کے سائے تلے ہونا درست نہیں البتہ عذر کی بنا پر جائز ہے، اس صورت میں فدیہ ادا کرے۔

چہرہ ڈھانپنا اور تہ بند، چادر کے سوا باقی بدن ڈھانپنا بھی حرام ہے، پس جبہ، قمیص، شلوار، موزہ، سلا ہوا جوتا نہ پہنے۔ ان سلا جوتا یا ہوائی چپل (۳۹۸) وغیرہ جس سے انگلیوں کا اکثر حصہ نظر آتا ہو پہننا جائز ہے۔ اگر مطلوبہ اشیاء نہ ملیں یا خریدنے کی استطاعت نہ ہو تو



اگر تہ بند نہ ہو تو شلوار پہن لے اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک موزے ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کر پہن لے۔ حنابلہ کی مشہور روایت اور شافعیہ کے نزدیک موزے کاٹنے ضروری نہیں ہیں۔

عذر کی بنا پر شلوار اور موزے پہننے کے جواز کی دلیل ابن عباسؓ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرفات میں خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ آپؐ فرما رہے تھے، جس کے پاس جوتے نہ ہوں موزے پہن لے اور جس کے پاس تہ بند نہ ہو شلوار پہن لے“ (۳۹۹)۔ حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک ان کے پہننے پر فدیہ واجب نہیں ہوتا جب کہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک فدیہ واجب ہوتا ہے کیوں کہ ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ ”ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، احرام میں آدمی کیا لباس پہنے؟ آپؐ نے فرمایا: قمیص، پگڑی، شلوار، ٹوپی اور موزے نہ پہنے۔ اگر کسی کے پاس جوتے نہ ہوں تو موزے پہن لے اور ٹخنوں کے نیچے سے انہیں کاٹ لے اور ایسے کپڑے نہ پہنے جو زعفران یا درس کی خوشبو والے ہوں“ (۴۰۰)۔

موزوں کو کاٹنا ضروری نہ ہونے کے بارے میں حنابلہ اور شافعیہ کی دلیل ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا حدیث ہے (۴۰۱): ”جس کے پاس جوتے نہ ہوں وہ موزے پہن لے“۔ یہ حدیث ابن عمرؓ کی مذکورہ بالا حدیث سے مؤخر ہے کیوں کہ وہ عرفات کا خطبہ تھا، پس یہ اس کے لیے ناخ ہے۔ اگر کاٹنا ضروری ہوتا تو آپؐ لوگوں کے لیے بیان فرما دیتے کیوں کہ جہاں کوئی بات بیان کرنے کی ضرورت ہو وہاں اسے بیان نہ کرنا جائز نہیں۔ اور جب مطلقاً موزوں کے پہننے کی اجازت دی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کاٹے بغیر پہننے کی اجازت ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ کاٹ لے تاکہ اس صحیح حدیث پر بھی عمل ہو جائے اور

اختلاف سے بچ سکے اور احتیاط کے تقاضے پر عمل کر سکے۔

شلوار اور موزے پہننے پر فدیہ واجب نہ ہونے کے سلسلے میں حنابلہ کی دلیل بھی ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپؓ نے شلوار اور موزے پہننے کا حکم دیا لیکن فدیہ کا ذکر نہیں کیا۔

جن چیزوں کا پہننا حرام ہے ان کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ ایسا لباس جو پورے بدن یا بدن کے کسی عضو کا احاطہ کیے ہوئے ہو پہننا جائز نہیں۔ خواہ سلا ہوا ہو یا ان سلا، پس قمیص، شلوار، جبہ، قبا، موزہ، ایسی قمیص جو سلی ہوئی نہ ہو بلکہ بنی ہوئی ہو، زرہ، جراب، آپس میں جڑا ہوا کپڑا یا ایسا کپڑا جو سارے بدن پر باندھ لیا جائے پہننا جائز نہیں ہے۔

شافعیہ کے نزدیک ایسا جوتا جو پاؤں کے اگلے حصہ کو ڈھانپ لے لیکن ٹخنے کھلے ہوں پہننا حرام ہے۔

لباس میں اعتبار اس امر کا ہے کہ کوئی لباس معمول کے مطابق کیسے پہنا جاتا ہے کیوں کہ اس سے خوب صورتی اور خوش حالی کا انداز پیدا ہوتا ہے۔ اگر کسی نے قمیص یا قبا اوڑھ لی یا شلوار تہ بند کے طور پر استعمال کر لی تو کوئی حرج نہیں اور نہ کوئی فدیہ ہے۔ اگر کسی نے اپنے بدن پر قبا (۴۰۲) یا عبا اس طرح ڈالی کہ اگر اس کے ساتھ بیٹھتا یا کھڑا ہوتا ہے تو اس کا مزید خیال رکھے بغیر وہ بدن پر رکتی نہیں ہے تو فدیہ واجب نہیں ہوگا۔ اگر کوئی شخص پہننے بغیر کوئی سلا ہوا کپڑا اپنی پشت پر ڈال لے یا اپنے ارد گرد لپیٹ لے تو کوئی حرج نہیں۔ مالکیہ کے نزدیک ایسا ان سلا کپڑا جس سے خوش حالی اور ترفہ کا اظہار ہوتا ہے پہننا بھی مکروہ ہے جیسے کسی جانور کی کھال۔

شافعیہ کے نزدیک چادر کو باندھ لینا، بٹن لگا لینا یا کاج کر لینا یا ایک طرف دھا ڈال کر اسے دوسری طرف باندھ لینا جائز نہیں۔ اگر کسی نے بٹن لگا لیے یا سی لیا تو حرج

ہے اور فدیہ واجب ہوگا۔ ہاں ستر ڈھانپنے کے لیے تہ بند کو باندھ لینا جائز ہے۔ چادر کو نہیں۔ البتہ چادر کے کنارے کو تہ بند میں اڑس لینا جائز ہے۔ حنفیہ کے نزدیک تہ بند میں سوراخ کرنا اور اس سے تہ بند میں گانٹھ لگانا مکروہ ہے۔

شافعیہ، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ضرورت کے تحت تلوار جمائل کرنا جائز ہے (۴۰۳)۔ نیز کمر میں تھیلی باندھنا اور پیٹی باندھ لینا، (۴۰۴) انگوٹھی اور گھڑی پہننا جائز ہے۔

درس (۴۰۵)، زعفران اور عصف (۴۰۶) سے رنگے ہوئے کپڑے پہننا جائز نہیں کیوں کہ صحیح حدیث میں ہے: ”ایسا کپڑا نہ پہنے جسے درس یا زعفران لگا ہوا ہو“۔

جس نے قمیص پہنے ہوئے احرام باندھا اور فوراً اتار دی تو اس کے ذمے کوئی فدیہ نہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کو جو خوشبو میں بسا ہوا تھا جبہ پہنے ہوئے احرام باندھتے دیکھا تو فرمایا: ”خوشبو دھو ڈالو، جبہ اتار دو اور جیسے حج کرتے ہو اسی طرح عمرہ کرو“ (۴۰۷)۔ آپ نے اس شخص کو فدیہ دینے کا حکم نہیں دیا۔ البتہ اگر اتارنا ممکن تھا لیکن اس نے بدستور پہنے رکھا تو فدیہ دے کیوں کہ سلا ہوا لباس پہنے رکھنا اسی طرح حرام ہے جیسے شروع میں سلا ہوا لباس پہننا کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جبہ اتارنے کا حکم دیا تھا (۴۰۸)۔

ب۔ عورت کا لباس: عورت سلے ہوئے لباس سے اپنا سر اور سارا بدن ڈھانپے۔ البتہ چہرہ کھلا رہنے دے۔ عورت کے لیے چہرہ اسی طرح ہے جیسے مرد کے لیے سر ہے اور عورت کے احرام کا تعلق اس کے چہرے سے ہے، جیسے مرد کے لیے بالاتفاق احرام میں سر ڈھانپنا حرام ہے اسی طرح عورت کے لیے چہرہ ڈھانپنا حرام ہے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”عورت چہرے پر نقاب نہ ڈالے اور دستاں نہ پہنے“ (۴۰۹)۔ نیز آپ نے فرمایا: ”عورت

کا احرام اس کے چہرے میں ہے۔“

لیکن حنابلہ کہتے ہیں کہ اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر قریب سے مردوں کے گزرنے کے باعث عورت کو چہرے کے پردے کی ضرورت محسوس ہو تو وہ سر کے اوپر سے کپڑا لٹکا کر چہرے پر ڈال لے (۴۱۰)۔ کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: ”ہم احرام کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں، جب ہمارے پاس سے سواری پر مرد گزرتے تو ہم سے بعض اپنی بڑی چادر سر پر سے آگے کر کے چہرے پر لٹکا لیتیں اور جب وہ گزر جاتے تو چہرہ کھول دیتیں“ (۴۱۱)۔ چوں کہ عورت کو چہرے کے پردے کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے ستر ڈھانپنے کی طرح عورت کے لیے چہرہ ڈھانپنا بھی مطلقاً حرام نہیں ہے۔

مالکیہ نے فتنہ کے خوف سے عورت کو چہرہ ڈھانپنے کی اجازت دی ہے۔ البتہ کسی سوئی یا ٹانگے سے جوڑ کر یا سر پر باندھ کر کپڑا چہرے پر نہ ڈالے بلکہ سر کی چادر آگے کر کے چہرے پر اس طرح ڈالے کہ اس کے دونوں کنارے ٹانگے اور باندھے بغیر سر پر ہوں (۴۱۲)۔

حنفیہ اور شافعیہ نے اجازت دی ہے (۴۱۳) کہ کسی رکاوٹ کے ذریعے کپڑا چہرے سے الگ کر کے پردہ کر سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ کوئی لکڑی وغیرہ اس طرح رکھ لی جائے کہ چہرے پر ڈالا ہوا کپڑا چہرے پر نہ لگے، خواہ ایسا گرمی، سردی یا فتنہ وغیرہ کے خوف سے کیا جائے یا بغیر ضرورت کے۔ اگر لکڑی گرنے سے بلا اختیار کپڑا چہرے پر لگ جائے اور فوراً ہٹا دے تو کوئی فدیہ نہیں۔ اگر دانستہ لکڑی ہٹائی جس سے بلا اختیار کپڑا گر گیا اور چہرے پر پڑا رہا تو فدیہ دینا ضروری ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں اگر خنثی مشکل صرف چہرہ ڈھانپ لے یا صرف سر ڈھانپ لے تو اس پر فدیہ نہیں ہے۔ اور اگر دونوں اکٹھے ڈھانپ لے تو فدیہ دے۔ شافعیہ کے نزدیک عورت اگر خضاب لگا لے اور ہاتھ پر کپڑا لپیٹ لے یا خضاب لگائے بغیر کپڑا لپیٹ لے تو فدیہ واجب نہیں ہوگا۔

مرد کے لیے دستا نے پہننا حرام ہیں اور شافعیہ کی صحیح تر روایت کے مطابق عورت کے لیے بھی حرام ہیں اور اگر کسی نے پہن لیے تو فدیہ واجب ہوگا۔

### معذور کا لباس:

یاد رہے کہ لباس اور پردے کے احکام کا تعلق ایسے حالات سے ہے جب کوئی عذر نہ ہو اگر کسی نے سلا ہوا لباس پہن لیا، یا جن اعضاء کو کھلا رکھنا واجب تھا انہیں ڈھانپ لیا تو فدیہ دینا پڑے گا۔ البتہ معذور شخص جسے سر ڈھانپنے کی ضرورت درپیش ہو یا سردی، گرمی وغیرہ کی وجہ سے یا علاج کے طور پر سلے ہوئے کپڑے پہننا پڑیں یا عورت کسی مجبوری سے چہرہ ڈھانپ لیتی ہے تو جائز ہے۔ البتہ فدیہ دینا ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مرد کے لیے ایسا سلا ہوا لباس جو سارے بدن کو یا ہتھیلی کو یا کسی عضو کو احاطہ کر لے پہننا حرام ہے البتہ انگوٹھی، ازار بند اور گھڑی باندھنا جائز ہے۔ ان تمام امور میں عورت کا بھی وہی حکم ہے جو مرد کا ہے۔ البتہ تین مسائل میں عورت کے لیے پردہ کرنا جائز ہے اور وہ ہیں سلا ہوا لباس پہننا، موزے پہننا اور سر ڈھانپنا۔

## اصل دوم:

بدن کو خوشبو لگا کر، بال صاف کر کے یا ناخن وغیرہ کاٹ کر یا خوشبو لگانے کی طرح اور کوئی کام کر کے آراستہ کرنا۔

خوشبو لگانا: مُحْرَم کے لیے کپڑے اور بدن پر خوشبو لگانا حرام ہے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”مُحْرَم ایسا کپڑا نہ پہنے جسے ورس یا زعفران لگا ہوا ہو“۔ ورس ایک خوشبو ہے۔ اسی طرح شافعیہ کے نزدیک سر اور داڑھی کو تیل لگانا حرام ہے، عورت کے لیے تیل لگانا حرام ہے۔ خواہ تیل خوشبو دار نہ ہو جیسے کہ عام تیل یا پگھلا ہوا موم کیوں کہ اس میں زیب و زینت کا پہلو ہے جو کہ احرام کی حالت کے منافی ہے، احرام میں غبار آلود، بال بکھرے ہوئے ہونے چاہے کیوں کہ حدیث میں ہے: ”مُحْرَم وہ ہے جس کے بال بکھرے ہوئے ہوں اور غبار آلود ہو“ (۴۱۴)۔ جس مُحْرَم کو اونٹنی نے کچل کر مار دیا تھا، اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس کے سر پر کپڑا نہ ڈالو، اور نہ خوشبو اس کے قریب لے جاؤ“۔ اگر مُحْرَم نے خوشبو یا تیل لگا لیا تو فدیہ ادا کرے۔

امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں: اگر خوشبو دار تیل لگا لیا مثلاً بنفشہ، گلاب یا پارے کا تیل اور پورے ایک عضو کو لگایا تو قربانی (دم) دینا ہوگا۔ اگر ایسا تیل لگایا جو خوشبو دار نہ ہو جیسا کہ سادہ تیل یا تلوں کا تیل تو بھی دم دینا ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک خوشبو لگانے کی حرمت کا اصول یہ ہے کہ خوشبو اس طرح لگائی جائے کہ کپڑے یا بدن کے ساتھ خوشبو لگائے جیسے گلاب یا مشک کے پانی وغیرہ کا استعمال۔

حنفیہ کے نزدیک مُحْرَم کے لیے نہانے اور حمام میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ نہانا طہارت ہے، اس کی ممانعت نہیں ہے، مُحْرَم سرمہ لگا سکتا ہے کیوں کہ سرمے کی

خوشبو نہیں ہوتی اس لیے وہ خوشبو نہیں ہے۔ البتہ سر اور داڑھی خٹمی سے نہ دھوئے کیوں کہ خٹمی خوشبو کی قسم ہے۔ سر کی جوئیں نہ مارے۔

مالکیہ کے نزدیک بھی خوشبو کی حرمت کا اصول وہی ہے جو حنفیہ کے نزدیک ہے یعنی خوشبو لگانا۔ خوشبو چھوئے بغیر سونگھنا بھی مکروہ ہے۔ خوشبو دار تیل بغیر کسی مجبوری کے نہ لگائے۔ اگر مجبوری ہو تو جائز ہے کیوں کہ مجبوری میں ممنوع چیزیں مباح ہو جاتی ہیں۔ ایسا تیل بھی نہ لگائے جو خوشبو دار نہ ہو، بلا ضرورت سرمہ نہ لگائے۔ جس سرمے میں خوشبو نہ ہو وہ لگا سکتا ہے۔ ایسا کھانا نہ کھائے جس میں ایسی خوشبو ہو جو آگ پر نہ پکی ہو۔ خوشبو پاس رکھنا بھی مکروہ ہے۔ زیادہ دیر تک خوشبو سونگھنا بھی مکروہ ہے۔ صفائی کے لیے حمام میں نہ داخل ہو، البتہ ٹھنڈک کے لیے یا غسل جنابت کے طور پر حمام میں داخل ہونا جائز ہے۔

مالکیہ کے نزدیک اور شافعیہ اور امام ابوحنیفہ کی بھی یہی رائے ہے کہ بلا ضرورت اگر غیر خوشبو دار تیل بدن کو یا بالوں کو لگائے خواہ کسی بیماری میں ہو تو فدیہ دے۔ اگر بیماری کی وجہ سے تیل لگانے کی ضرورت پیش آئے تو ہتھیلی پر یا پاؤں کے تلوے پر تیل لگانا جائز ہے اور بالاتفاق فدیہ نہیں ہے۔ ظاہری بدن پر تیل لگانے کے بارے میں دو اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ فدیہ واجب ہے اور دوسرا یہ کہ واجب نہیں ہے (۴۱۵)۔

خوشبو کے استعمال کے مسئلہ میں شافعیہ، حنفیہ اور مالکیہ سے ہم آہنگ ہیں اور وہ یہ کہ بدن یا کپڑے پر معمول کے مطابق خوشبو نہ لگائی جائے۔ اگر بدن کے کسی حصے کو مشک وغیرہ لگائی تو فدیہ دے خواہ ظاہر بدن پر لگائی یا باطن بدن میں مثلاً خوشبو کھالی یا حقنہ کے ذریعے اندر داخل کی یا سونگھ لی۔ عطار کی دوکان پر یا کسی جگہ جہاں خوشبو کی دھونی دی جا رہی ہو یا خانہ کعبہ کے پاس خوشبو کی دھونی دی جا رہی ہو تو بیٹھنا حرام نہیں ہے۔ قصداً

خوشبو سونگھنا مکروہ ہے۔ اگر خوشبو کو ہاتھ لگایا لیکن ہاتھ کے ساتھ خوشبو کے اجزا نہیں لگے تو صحیح یہ ہے کہ فدیہ نہیں ہے۔ گلاب کا پھول سونگھنا خوشبو کا استعمال ہے جب کہ گلاب کا پانی سونگھنا خوشبو کا استعمال نہیں ہے۔ اگر بند بوتل میں یا بند پوٹلی یا لفافے میں مشک ہو اسے اٹھانے میں کوئی گناہ ہے نہ فدیہ، خواہ اس کی خوشبو آ رہی ہو۔

قصداً خوشبو کا استعمال حرام ہے۔ اگر بھولے سے خوشبو لگالی یا مسئلہ کا علم نہیں تھا یا کسی نے زبردستی لگا دی تو گناہ ہے نہ کفارہ۔ اسی طرح اگر معلوم نہ ہو کہ جو چیز استعمال کر رہا ہے وہ خوشبو ہے تو اس پر بھی گناہ ہے نہ کفارہ۔ اگر یہ خیال ہو کہ خوشبو خشک ہے ہاتھ کو نہیں لگے گی لیکن جب ہاتھ لگایا تو تر تھی تو رانج روایت یہ ہے کہ اس پر بھی فدیہ نہیں ہے۔ اگر بدن یا کپڑے کے ساتھ اس طرح خوشبو لگ گئی کہ اس طرح لگانا حرام تھی تو گناہ ہوگا، فدیہ دینا واجب ہے اور فوراً خوشبو کو زائل کرنا بھی واجب ہے۔

اگر خوشبو بدن کے ساتھ ملتے ہی اس طرح ختم ہو گئی کہ اس کی بو، ذائقہ اور رنگ باقی نہیں رہا، مثلاً دوائی میں تھی جو کھالی تو جائز ہے اور فدیہ واجب نہیں اور اگر استعمال کے بعد اس کی خوشبو باقی رہی تو فدیہ دے، جن اشیا میں خوشبو ہوتی ہے مثلاً سیب اور سنگترہ ان کا کھانا جائز ہے۔ اگر تیل استعمال کیا اور اس کا صرف رنگ باقی رہ گیا، خوشبو اور ذائقہ نہیں رہا تو صحیح یہ ہے کہ حرام نہیں ہے۔

جیسا کہ ہم نے بیان کیا شافعیہ کے نزدیک سر اور داڑھی کے بالوں کو ہر قسم کا تیل لگانا حرام ہے۔ خواہ وہ خوشبو دار ہو یا نہ ہو مثلاً تیل، گھی، اخروٹ یا بادام کا تیل۔ گنجا شخص اپنے سر کو تیل لگا سکتا ہے اور جس کی ابھی داڑھی نہ اُگی ہو ٹھوڑی کو تیل لگا سکتا ہے۔ سر اور داڑھی کے سوا باقی بدن پر غیر خوشبو دار تیل لگایا جا سکتا ہے۔ سر اور داڑھی پر نہیں خواہ



ایک ہی بال ہو یا بال کا کچھ حصہ ہو۔ چہرے کے باقی بال بھی مستند روایت کے مطابق داڑھی کے حکم میں ہیں۔

شافعیہ کے نزدیک خطمی سے سر اور بدن دھونا مکروہ نہیں ہے، اسی طرح بیری کے پتوں اور صابن سے بھی، البتہ بال اکھیڑنے جائز نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ان چیزوں سے سر اور بدن نہ دھوئے اور غیر خوشبو دار سرمہ بھی نہ لگائے۔

شافعیہ کی مستند روایت یہ ہے کہ بالوں میں کنگھی کرنا اور ناخن سے بالوں میں خارش کرنا بھی مکروہ ہے۔

حنابلہ کے ہاں اس سلسلے میں سختی پائی جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دانستہ خوشبو کو ہاتھ لگانا، سونگھنا اور استعمال کرنا حرام ہے۔ محرم نے اگر کپڑے یا بدن کو خوشبو لگائی یا کھانے پینے میں خوشبو استعمال کی یا خوشبو دار تیل یا سرمہ ڈالا یا ناک میں یا مقعد میں خوشبو ڈالی جس کا ذائقہ اور رنگ ظاہر ہو یا دانستہ خوشبو دار تیل سونگھا یا مشک، عنبر، زعفران، ورس، عود کا دھواں وغیرہ یا کوئی ایسی چیز جسے لوگ خوشبو کے لیے کاشت کرتے اور اس سے خوشبو بناتے ہیں مثلاً گلاب، بنفشہ، منثور، یا سمین اور سوسن، اسے ہاتھ لگایا یا سونگھا یا اس سے متعلق کسی چیز کو چھوا جو بدن سے لگ جاتی ہے مثلاً عرق گلاب، تو اس پر فدیہ واجب ہوگا۔

بلا قصد سونگھنا، یا کسی ایسی چیز کو چھونا جو بدن سے نہیں لگی مثلاً مشک کا ٹکڑا یا پھلوں کو یا صحرائی نباتات مثلاً خزامی، غصاء قیصوم، زرگس اور اذخر کو سونگھنا یا ایسی نباتات کو جنہیں لوگ خوشبو کی غرض سے نہیں اگاتے مثلاً مہندی، عصفر، لونگ، یا خوشبو کے سوا کسی اور غرض سے عام تیل لگایا مثلاً عام تیل یا خواہ سر میں یا بدن پر تو یہ حرام نہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا تھا (۴۱۶)۔ یا بلا ارادہ خوشبو سونگھی مثلاً عطار کے پاس بیٹھا تھا۔ اگر

بھولے سے یا دانستہ خوشبو لگالی تو پانی یا کسی دوسرے مائع سے جس سے خوشبو کا ازالہ ممکن ہو اسے دھو ڈالے۔ اگر خوشبو باقی نہ رہے اور رنگ یا کھانے پینے کی اشیا میں اس کا ذائقہ باقی رہے تو کوئی حرج نہیں کیوں کہ اصل مقصد یعنی خوشبو کا حصول اب موجود نہیں رہا۔

مُحْرَم حمام وغیرہ میں سر دھوسکتا ہے اور نہا بھی سکتا ہے البتہ بالوں میں کنگھی نہ کرے کیوں کہ کنگھی کرنے سے بال ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ بیری کے پتوں، خطمی وغیرہ اور صابون، اشنان سے نہا سکتا ہے البتہ مکروہ ہے، احرام کے کپڑے دھوئے جاسکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ: خوشبو لگانا بالاتفاق حرام ہے، حنابلہ کے نزدیک سونگھنا بھی حرام ہے، دوسرے ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک کسی قسم کا تیل لگانا حرام ہے، حنابلہ کے نزدیک خوشبو دار تیل لگانا حرام ہے۔ شافعیہ کے نزدیک فقط سر کو اور بالوں کو تیل لگانا حرام ہے خواہ خوشبو دار نہ ہو۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک صابن سے نہانا جائز ہے حنفیہ کے نزدیک نہیں، مالکیہ کے نزدیک ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے نہا سکتا ہے صفائی کے لیے نہیں۔

### بال صاف کرنا:

بدن کے کسی حصے سے، خواہ ناک کے بال مونڈھ کر یا اکھیڑ کر صاف کرنا، اور ناخن کاٹنا، بالاتفاق حرام ہے۔ کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: وَلَا تَحْلِقُوا رُؤُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ (جب تک ہدی (قربانی کا جانور) اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے اپنے سر نہ منڈاؤ، البقرہ ۲: ۱۹۶)۔ سارے بدن کو سر پر قیاس کیا گیا ہے، کیوں کہ اس سے بھی وہی فائدہ حاصل ہوتا ہے، سر منڈانا زیب و زینت میں داخل ہے جو احرام کے منافی ہے۔ مُحْرَم کو بکھرے بال اور غبار آلود ہونا چاہیے۔ بال اکھیڑنا مونڈنے پر قیاس کیا گیا کیوں کہ دونوں

کا مقصد ایک ہی ہے۔ نص قرآنی میں مونڈنے کا ذکر اس لیے آیا ہے کہ عام طور پر بال مونڈھے جاتے ہیں۔

ناخن نہ تراشے، نہ بغلوں کے اور زیر ناف کے بال اکھاڑے اور نہ مونچھیں تراشے، الغرض بدن کا کوئی بال نہ کاٹے، نہ کسی دوسرے کے بال کاٹے، گرد و غبار اور میل کچیل صاف نہ کرے، ٹوٹا ہوا بال یا کٹے ہوئے ناخن وغیرہ نہ پھینکے، جوں اور مچھر نہ مارے اور نہ انہیں اپنے آپ سے اتار کر پھینکے، اپنے جانور کی چھڑی وغیرہ اتار کر نہ پھینکے۔ اگر کسی جگہ بدن پر خارش ہو تو سختی سے خارش نہ کرے مبادا کوئی جوں ہو جو گر جائے۔ یہ سب امور بلا عذر ممنوع ہیں۔ اگر کوئی عذر ہو تو ان کے کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

### فدیہ کے بارے میں فقہاء کی آراء میں تفصیل ہے:

حنفیہ کہتے ہیں: اگر پورا سر یا سر کا تہائی یا چوتھائی حصہ بلا عذر منڈوا دیا تو ایک جانور کی قربانی (دم) دے، اس کے سوا اور کوئی فدیہ کافی نہیں کیوں کہ بلا ضرورت ایک مکمل عمل کیا گیا جو احرام کے منافی ہے۔ اگر کسی عذر کی بنا پر سر منڈا دیا تو تین میں سے کوئی ایک فدیہ دے، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فمن كان منكم مريضاً أو به أذى من رأسه ففدية من صيام أو صدقة أو نسك (جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو فدیہ میں روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی) (البقرہ ۲: ۱۹۶)۔ اگر چوتھائی سر سے کم منڈوایا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک صدقہ واجب ہوگا۔

اگر مونچھیں مونڈھ دیں تو صدقہ واجب ہوگا کیوں کہ مونچھیں داڑھی کے تابع ہیں۔ اگر ایک یا دونوں بغلوں کے بال اکھاڑ دیے تو ایک کفارہ یعنی ایک دم دے۔ اگر ایک ناخن تراش لیا تو ہر ناخن کے بدلے نصف صاع صدقہ کرے۔ اگر بلا عذر اور بلا ضرورت

ایک ہاتھ یا پاؤں کے ناخن کاٹ دیے تو ایک دم دے کیوں کہ یہ مکمل عمل ہے اس لیے اس کا کفارہ بھی مکمل ہے۔ بال مونڈنے اور ناخن تراشنے کا عمل دانستہ کیا ہو یا بھولے سے، خوشی سے یا زبردستی ہر حالت میں اس کا فدیہ واجب ہے۔

مالکیہ کے نزدیک تکلیف سے بچنے کی ضرورت کے بغیر اگر ایک سے دس تک بال یا ناخن کاٹ لیے تو ایک مٹھی غلہ صدقہ کرے اور ایک سے دس تک جوئیں مار دیں یا مارے بغیر پھینک دیں بشرطیکہ ان کی وجہ سے اذیت میں مبتلا نہیں تھا تو ایک مٹھی غلہ فقیر کو دے، اگر تعداد دس سے زائد ہو جائے تو فدیہ واجب ہوگا۔

پسُو وغیرہ جو چیزیں زمین میں رہتی ہیں مثلاً کیرا، چیونٹی، چھڑی کو اگر مارے نہیں، ویسے زمین پر پھینک دے تو کوئی چیز واجب نہیں ہوتی، حمام میں داخل ہو کر خواہ کتنا طویل وقت رہے اس سے کچھ واجب نہیں ہوگا بشرطیکہ میل نہ اتارے، اگر میل بدن سے اتار دیا تو اس صورت میں فدیہ واجب ہوگا۔

ناخنوں کے نیچے جمع شدہ میل صاف کرنے اور اثنان وغیرہ سے ہاتھ دھونا جس سے میل صاف ہو جائے حرام نہیں ہے۔ وضو اور غسل کی وجہ سے داڑھی اور سر وغیرہ کے بال خود بخود گر جائیں تو کوئی حرج نہیں۔

شافعیہ کی راجح روایت یہ ہے کہ ایک بال کاٹنے پر ایک مُد غلہ دینا ہوگا اور دو بالوں پر دو مُد تین بالوں اور تین ناخنوں پر پورا فدیہ ہے، خواہ بھولے سے کاٹے یا علم نہ ہونے کے باعث، خواہ حجامت کے ذریعے یا ناخن سے خارش کر کے یا سواری کے پالان یا ر کاب وغیرہ سے ٹانگ کے رگڑ کھانے سے یا کنگھی کرنے سے، اگر معلوم ہو کہ اس سے بال گریں گے تو حرام ہے اور فدیہ دینا واجب ہے، اگر معلوم نہ ہو تو مکروہ ہے اور فدیہ

واجب نہیں ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ نے مطلقاً کنگھی کرنے سے منع کیا ہے۔

جو شخص بالوں کی وجہ سے ایذا، میل، گرمی یا زخم کی تکلیف محسوس کر رہا ہو وہ معذور ہے۔ اس کے لیے جائز ہے کہ بال منڈوا دے اور فدیہ دے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے:

فمن كان منكم مريضاً أو به أذى من رأسه ففدية من صيام أو صدقة أو نسك (جو کوئی تم میں سے مریض ہو یا اسے سر کی کوئی تکلیف ہو تو فدیہ دے یعنی روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے، البقرہ ۲: ۱۹۶) صحیحین میں ہے کعب بن عجرہ کہتے ہیں کہ ”یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا، آپ نے فرمایا، قریب ہو جاؤ، میں قریب ہو گیا تو آپ نے فرمایا، کیا تمہیں سر کی جو تکلیف نہیں پہنچاتی؟ ابن عوف کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے میں نے کہا ہاں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ دینے کا حکم دیا کہ روزے رکھیں یا صدقہ کریں یا قربانی دیں (۴۱۷)۔

اگر پلکوں کے اندر ناخن بال اُگ آیا ہو اور اس سے تکلیف ہو رہی ہو تو اسے اکھاڑنا جائز ہے۔ اسی طرح اگر بھنوں کے یا سر کے بال آنکھوں کو ڈھانپ رہے ہوں تو انہیں کاٹنا جائز ہے اور اس پر کوئی فدیہ نہیں۔ اگر ناخن ٹوٹ گیا ہو اور اس کی وجہ سے تکلیف ہو رہی ہو تو اسے کاٹ دے لیکن یہ خیال رکھے کہ اس کے ساتھ صحیح ناخن نہ کٹ جائے۔

مستند قول یہ ہے کہ کنگھی کرنا مکروہ ہے اور ناخن سے بال کھرچنا بھی مکروہ ہے۔ البتہ بدن کو خطمی یا بیری کے پانی سے دھونا مکروہ نہیں، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، بشرطیکہ اس سے بال نہ اکھڑیں کیوں کہ اس میں زیب و زینت نہیں بلکہ میل کی صفائی ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ نہ نہائے۔ اگر سچھنے لگانے اور فصد کھولنے سے بال نہ کٹیں تو احرام کی حالت میں یہ دونوں کام جائز ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اگر سرمہ میں خوشبو نہ ہو تب بھی نہ ڈالے۔ اگر اس

میں خوشبو ہو تو حرام ہے۔

اگر اکھاڑے، مونڈے یا ناخن وغیرہ سے کھرچے بغیر یا کچھنے لگوانے اور فصد کھلوانے کے سوا از خود ایک آدھ بال گر جائے تو کوئی حرج نہیں۔

حنابلہ کی رائے شافعیہ سے ہم آہنگ ہے۔ ان کے نزدیک تین سے کم بالوں اور ناخنوں پر ایک مسکین کو کھانا کھلانا واجب ہے اور تین پر فدیہ دینا، خوشبو لگانے میں بھی فدیہ دے، خواہ کنگھی کرنے یا داڑھی کو خلال کرنے کے دوران بال گریں، خواہ بھولے سے یا زبردستی سے گرائے گئے ہوں، بدن کو نرمی سے خارش کرنا جس سے بال نہ ٹوٹیں جائز ہے۔

اگر جوئیں نکال کر پھینک دیں یا مار دیں تو کوئی فدیہ نہیں کیوں کہ کعب بن عجرہؓ نے جب سر منڈوایا تو بے شمار جوئیں تلف ہو گئیں، اس میں کچھ بھی واجب نہیں ہوا۔ صرف سر منڈانے پر فدیہ واجب ہوا، جوؤں کی کوئی قیمت نہیں اس لیے وہ پسو اور مچھر کی طرح ہیں، وہ شکار نہیں اور نہ کھانے کی چیز ہے۔ اگر ناخن خود ٹوٹ جائے تو اسے تراشنا جائز ہے۔ اس پر فدیہ واجب نہیں ہوتا۔ ابن المنذر کہتے ہیں کہ تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر محرم کا ناخن خود بخود ٹوٹ جائے تو اسے الگ کر دے کیوں کہ ٹوٹے ہوئے ناخن سے اذیت ہوتی ہے اس لیے وہ آنکھ میں اُگ آنے والے بال کی طرح ہے یا جیسے اگر شکار حملہ آور ہو جائے تو اسے مارنا بھی جائز ہے، البتہ اگر ٹوٹے ہوئے ناخن سے زیادہ مقدار کاٹ دیا تو اس پر فدیہ واجب ہے۔

کسی چیز کی درستی کے لیے آئینہ نہ دیکھے مثلاً گرد و غبار صاف کرنے کے لیے یا بال سنوارنے کے لیے یا اور کسی زیب و زینت کے لیے کیوں کہ حدیث میں ہے کہ ”احرام والا شخص بکھرے بالوں والا غبار آلود ہوتا ہے“ دوسری حدیث میں ہے کہ ”اللہ تعالیٰ عرفا

میں وقوف کرنے والوں کے ذریعے فرشتوں پر فخر کا اظہار کرتا ہے اور کہتا ہے: میرے فرشتو، میرے بندوں کو دیکھو جو میرے پاس پراگندہ حال، غبار آلود، برہنہ بدن حاضر ہیں۔“ یا اس طرح کے الفاظ حدیث میں ہیں۔

بہر حال آئینہ دیکھنے پر کوئی فدیہ نہیں ہے۔ یہ محض ادب ہے جس کے ترک پر کوئی گناہ نہیں۔ ضرورت کے لیے مثلاً زخم پر دوائی لگانے کے لیے یا آنکھ میں اُگے ہوئے بال کے ازالے کے لیے یا اور کسی جائز کام کے لیے آئینہ دیکھنا جائز ہے، الغرض ضرورت کے لیے آئینہ دیکھا جاسکتا ہے زینت کے لیے نہیں۔

### اصل سوم: عورتوں سے متعلق مسائل

اس میں دو امور پر بحث ہے (۱) عقد نکاح (۲) ہم بستری اور اسکے مقدمات:

#### عقد نکاح:

جمہور کے نزدیک احرام کی حالت میں عقد نکاح حرام ہے اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز تھا کیوں کہ روایات سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت میمونہؓ سے احرام کی حالت میں نکاح کیا اور اس پر کوئی فدیہ نہیں۔ محرم نہ خود نکاح کرے نہ کسی غیر محرم وکیل کے ذریعے نکاح کرے اور نہ ولی یا وکیل کے طور پر نکاح کروائے۔ اگر ایسا کیا تو نکاح باطل ہے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”محرم نہ نکاح کرے، نہ کروائے نہ پیغام نکاح دے“ (۴۱۸)۔ کیوں کہ احرام کی وجہ سے خوشبو لگانا حرام ہو جاتی ہے پس نکاح بھی حرام ہے کیوں کہ اس میں خوشبو لگانے کی تیاری ہوتی ہے۔ جب محرم نے نکاح کیا یا کروایا یا احرام والی عورت کا نکاح کیا گیا تو نکاح باطل ہے کیوں کہ اس سے منع کیا گیا ہے۔

اسی طرح محرم کا پیغام دینا یا احرام والی عورت کا پیغام نکاح یا احرام باندھنے والا مرد

ایسی عورت کو پیغام نکاح دے جس نے احرام نہیں باندھا ہوا یہ سب حرام ہے، کیوں کہ حدیث میں ہے ”اور پیغام نکاح نہ دے“ کیوں کہ یہ حرام کا سبب بنتا ہے۔ اس لیے شکار کی طرف اشارہ کرنے کی مانند ہے۔

نکاح کے ممنوع ہونے میں اور دوسرے ممنوعات میں فاسد احرام صحیح احرام کی مانند ہے کیوں کہ اس کا حکم احرام کے واجبات کے وجوب کے سلسلے میں باقی ہوتا ہے، اسی طرح احرام کے محرمات کے سلسلے میں بھی باقی ہوتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک احرام کی حالت میں نکاح اور پیغام نکاح جائز ہے کیوں کہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کی حالت میں حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا“ (۴۱۹)۔ جمہور نے حضرت میمونہؓ کی حدیث کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا اور حلال ہونے کی حالت میں خلوت فرمائی اور حضرت میمونہؓ سرف میں اسی سا بان میں فوت ہوئیں جہاں خلوت ہوئی تھی“ (۴۲۰)۔ اور ابو رافعؓ کی حدیث میں ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا اور خلوت کی، میں ان دونوں کے درمیان پیغام رسان تھا“ (۴۲۱)۔ حضرت میمونہؓ اور ابو رافعؓ کو ابن عباسؓ کی بہ نسبت زیادہ علم تھا، اس لیے اگر ابن عباسؓ بڑے ہوتے تب بھی حضرت میمونہؓ اور ابو رافعؓ کی بات کو ان کی بات پر ترجیح ہوتی، حالانکہ وہ اس وقت چھوٹے تھے اور شادی بیاہ کے حقائق سے ناواقف تھے۔ ابن عباسؓ کی اس بات کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ سعید بن مسیب نے کہا ہے کہ ”ابن عباسؓ کو وہم ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا“۔ پھر یہ کہ محرم نکاح نہ کرنے کی حدیث قوی ہے اور



قول اس عمل پر مقدم ہے جو ابن عباسؓ نے بیان کیا، کیوں کہ فعل کے بارے میں یہ امکان بھی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو۔

### جماع اور اس کے مقدمات:

جماع بالاتفاق حرام ہے خواہ جانور سے ہو۔ حلال بیوی کے لیے حرام ہے کہ وہ اپنے محرم شوہر کو جماع کرنے دے کیوں کہ یہ گناہ پر اعانت ہے، اگر مرد حلال ہوا ہو اور اس کی بیوی نے احرام باندھا ہو تو مرد کے لیے جماع کرنا حرام ہے۔ اس بنا پر محرم کے لیے شرم گاہ میں جماع کرنا، شرم گاہ کے باہر جماع کرنا، جماع سے پہلے کے مراحل مثلاً بوس و کنار، شہوت سے ہاتھ لگانا حرام ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: الحج اشہر معلومات فمن فرض فیہن الحج فلا رقت ولا فسوق ولا جدال فی الحج۔ (حج کے معلوم مہینے ہیں، جو کوئی ان میں حج فرض کر لے تو وہ نہ تو عورتوں سے تعلق رکھے، نہ گالی گلوچ کرے اور نہ حج کے دوران لڑائی جھگڑا کرے، البقرہ ۲: ۱۹۷) رقت سے مراد جماع اور مردوں کی عورتوں سے مخصوص ضرورت کا کنایہ ہے۔

محرم کو احرام کے درمیان ان تمام امور سے بچنا چاہیے جن سے اللہ نے اس آیت میں منع کیا ہے یعنی جماع، گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑا۔ ارشاد نبویؐ ہے: ”جس نے حج کیا اور اس دوران میں نہ تو مباشرت کی نہ گالی گلوچ تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے آج ہی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو“ (۴۲۲)۔

اگر وقوف عرفہ سے پہلے کسی نے مباشرت کر لی تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا لیکن اسی فاسد حج کو جاری رکھے اور اگلے سال وقفہ کے بغیر اسے قضا کرے، خواہ نفل حج ہو، نیز اس کے ذمے ایک اونٹ کی قربانی ہے جیسا کہ صحابہ کرامؓ نے یہ فیصلہ کیا تھا، جسے ہم آگے

بیان کریں گے۔

اگر پہلی بار حلال ہونے کے بعد اور دوسری بار حلال ہونے سے پہلے مباشرت کر لی یا پہلی مباشرت کے بعد دونوں بار حلال ہونے سے پہلے دوبارہ مباشرت کر لی تو ایک بکری کی قربانی کرے۔

اگر شرم گاہ کے سوا کسی جگہ جماع کیا، خواہ انزال ہوا ہو یا نہ، یا بوس و کنار کیا یا شہوت سے ہاتھ لگایا تو اس پر دم واجب ہے لیکن مالکیہ کے سوا جمہور کے نزدیک حج فاسد نہیں ہوگا۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ”اگر محرم اپنی بیوی سے بغل گیر ہو تو اس پر دم واجب ہوتا ہے۔“ اس صورت میں خواہ مباشرت اور اس کے مقدمات کا ارتکاب دانستہ کرے یا بھولے سے یا زبردستی کے تحت ہر صورت میں دم واجب ہے۔ اگر کسی نے شہوت سے اپنی بیوی کی شرم گاہ کو دیکھا اور اس سے منی نکل گئی تو کچھ واجب نہیں ہوگا اس کے برعکس اگر شہوت سے چھوا تو دم واجب ہوگا، منی نکلے یا نہ نکلے، فرق یہ ہے کہ چھونا عورت سے لطف اندوز ہونے اور شہوت پوری کرنے کے ضمن میں آتا ہے۔ جب کہ دیکھنا نہ تو لطف اندوز ہونا ہے اور نہ شہوت پورا کرنا بلکہ اس کی وجہ سے دل میں شہوانی خیالات پیدا ہوتے ہیں اور ایسا کوئی کام کرنا محرم کے لیے ممنوع نہیں ہے جس سے شہوت پیدا ہو مثلاً کھانا کھانا۔

شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر شرم گاہ کے سوا کسی جگہ بھولے سے مباشرت کر لی تو کوئی چیز واجب نہیں ہوگی، خواہ انزال ہو یا نہ ہو، ہاتھ سے منی نکالنے پر فدیہ واجب ہوگا۔ اگر بار بار عورت کی طرف دیکھنے سے منی نکل آئی لیکن نہ تو بغل گیر ہوا اور نہ ہاتھ سے منی نکالی تو فدیہ نہیں ہے جیسا کہ حنفیہ کی رائے بھی یہی ہے۔

حنابلہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر شہوانی خیالات یا نظر سے انزال ہو گیا تو کچھ واجب

نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں اپنی ازواج مطہرات کو دیکھتے تھے۔ اگر بار بار دیکھنے سے منی یا ندی نکل آئی تو حنابلہ کے نزدیک دم واجب ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ منی نکلنے سے حج اور عمرہ مطلقاً فاسد ہو جاتے ہیں خواہ مسلسل دیکھنے سے یا مسلسل شہوانی خیالات سے نکلے، محض دیکھنے یا خیال سے نہیں۔ اگر دیکھے یا سوچے بغیر انزال ہو گیا تو اس کے لیے تسلسل کی شرط نہیں ہے گویا مسلسل دیکھنے یا سوچنے کے مسئلہ میں حنابلہ اور مالکیہ دونوں دم کے وجوب کے قائل ہیں لیکن محض دیکھنے یا سوچنے سے منی نکل آئے تو مالکیہ کے نزدیک دم واجب ہے، حنابلہ کے نزدیک کچھ واجب نہیں ہوگا۔

محرم کے لیے بالاتفاق تجارت کرنا، صنعت و حرفت کرنا، اگر بیوی ابھی عدت میں ہے تو اس سے رجوع کرنا جائز ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم (اگر تم اللہ کا فضل تلاش کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں، البقرہ ۲: ۱۹۸) یعنی حج کے دوران۔ جس عورت سے رجوع کیا وہ بیوی ہے اور رجوع بیوی کو روکے رکھنے کے مترادف ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فامسکوهن بمعروف (انہیں دستور کے مطابق روک لو، البقرہ ۲: ۲۳۱) پس رجوع کرنا مباح ہے جیسا کہ طلاق سے قبل بیوی کو نکاح میں روکے رکھنا مباح ہے۔

جن امور سے حج فاسد ہو جاتا ہے ان کا بیان؛ اور جب فاسد ہو جائے تو اس کا حکم:

۱۔ حج فاسد ہونے کی شرائط:

جس جماع سے حج فاسد ہو جاتا ہے اس کے لیے حنفیہ وغیرہ کے نزدیک دو شرائط ہیں:

۱۔ جماع شرم گاہ میں کیا جائے۔ اس شرط پر اتفاق ہے۔ اگر شرم گاہ کے سوا جماع کیا یا

شہوت سے چھووا، بغل گیر ہوا، بوسہ دیا، ہم آغوش ہوا تو حج فاسد نہیں ہوگا لیکن حنفیہ کے نزدیک کفارہ واجب ہوگا خواہ انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

مالکیہ کے نزدیک جماع سے انزال ہوا ہو یا بغیر جماع کے، اس سے دم واجب ہوتا ہے البتہ احتلام اس سے مستثنیٰ ہے۔

شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ مشیت زنی اور شرم گاہ کے سوا جماع کرنا حرام ہے لیکن اس سے حج فاسد نہیں ہوتا البتہ اگر انزال ہو جائے تو دم واجب ہوگا۔ شافعیہ کے نزدیک جماع سے حج کے فاسد ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ جماع کرنے والے کو جماع کی حرمت کا علم ہو۔ اگر بھولے سے جماع کر لے یا اسے جماع کے حرام ہونے کا علم نہ ہو یا عورت جس سے زبردستی ہم بستری کر لی گئی ہو تو نہ حج فاسد ہوتا ہے اور نہ صحیح روایت کے مطابق فدیہ واجب ہوتا ہے۔ فقط جماع ایسا عمل ہے جس سے حج فاسد ہو جاتا ہے، خواہ مرد نے کیا ہو یا عورت نے، حتیٰ کہ اگر کسی عورت نے سوئے ہوئے مرد کا عضو تناسل اپنی شرم گاہ میں داخل کر لیا تو اس کا حج اور عمرہ فاسد ہو جائے گا۔

حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ اگر شرم گاہ کے سوا کسی جگہ جماع کیا اور انزال نہیں ہوا تو دم واجب ہوگا اور اگر انزال ہو گیا تو بدنہ (اونٹ) واجب ہوگا اور صحیح روایت کے مطابق حج فاسد نہیں ہوگا۔ حنابلہ کہتے ہیں: اگر محرم مرد نے شرم گاہ میں جماع کیا اور عورت سے زبردستی کی گئی تو مرد کے ذمہ اونٹ کی قربانی ہے اور اگر عورت نے رضامندی سے جماع کروایا تو دونوں کے ذمہ الگ الگ اونٹ کی قربانی ہے اگر ایک سے زیادہ بار جماع کیا تو اگر پہلی بار کا کفارہ دے دیا تھا تو دوسری بار کرنے پر پھر کفارہ دیں اور اگر نہیں دیا تھا تو ایک ہی کفارہ کافی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک صرف جماع سے حج فاسد ہو جاتا ہے جب کہ مالکیہ کے نزدیک انزال ہونا شرط ہے۔

۲- حنفیہ کے نزدیک دوسری شرط یہ ہے کہ جماع وقوف عرفہ سے پہلے کیا ہو، اگر وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا تو حج فاسد نہیں ہوگا اور اگر وقوف عرفہ کے بعد سر منڈانے سے پہلے جماع کر لیا تو ایک اونٹ کی قربانی دے کیوں کہ حج کا اصل رکن وقوف عرفہ ہے کیوں کہ حدیث میں ہے: ”حج عرفہ ہے“ یعنی وقوف عرفہ ہے اور اگر وقوف عرفہ سے پہلے جماع کر لیا تو جہاں حج فاسد ہو جائے گا وہاں ایک بکری کی قربانی بطور کفارہ بھی واجب ہوگی کیوں کہ صحابہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اس صورت میں ہدی (قربانی) واجب کی تھی۔

حنفیہ کے سوا جمہور کی رائے یہ ہے کہ پہلے حلال ہونے سے قبل (۴۲۳) جماع کرنے سے حج فاسد ہو جاتا ہے۔ خواہ وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا ہو کیوں کہ محرم نے ابھی احرام سے پہلے مرحلہ پر حلال ہونے سے قبل صحیح احرام کی حالت میں جماع کر لیا، اس لیے یہ وقوف عرفہ سے قبل جماع کرنے کے مشابہ ہے، اس صورت میں شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کے ذمے ایک اونٹ کی قربانی ہے، کیوں کہ صحابہؓ نے یہی فیصلہ کیا تھا، مالکیہ کے نزدیک اس کے ذمے اس وقت جب یہ حج قضا کرے ایک قربانی ہے، اور افضل یہ ہے کہ اونٹ کی قربانی دے، پھر گائے، پھر دنبہ اور پھر بکرا۔

عمرہ:

حنفیہ کے نزدیک (۴۲۳) اگر کسی شخص نے عمرہ کے طواف کے چار چکر پورے کرنے سے پہلے جماع کر لیا تو اس کا عمرہ فاسد ہو گیا اور اس کے ذمے قضا ایک بکری کفارے کے طور پر واجب ہے۔ اور اگر چار چکر پورے کرنے کے بعد جماع کیا تو عمرہ فاسد نہیں ہوگا،

اس کی قضا واجب نہیں ہوگی البتہ ایک بکری کفارے کے طور پر ذبح کرنا واجب ہوگی۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک (۲۲۵) اگر عمرہ کی سعی مکمل کرنے سے پہلے اور سر منڈانے سے پہلے جماع کر لیا تو عمرہ فاسد ہو جائے گا اور مالکیہ کے نزدیک عمرہ فاسد کرنے کے کفارے کے طور پر قربانی دے، حنابلہ کے نزدیک ایک بکری واجب ہوگی اور اگر کسی سے زبردستی جماع کر لیا گیا ہو تو اس پر فدیہ واجب نہیں۔ اگر عمرہ کی سعی مکمل کر لی اور سر منڈانے سے پہلے جماع کر لیا تو عمرہ فاسد نہیں ہوگا۔

شافعیہ کے نزدیک (۲۲۶) عمرہ کا احرام کھولنے اور عمرہ سے پورے طور پر فارغ ہونے سے پہلے اگر جماع کر لیا تو عمرہ فاسد ہو جائے گا اور عمرہ فاسد کرنے کا کفارہ اونٹ کی قربانی ہے جیسا کہ حج میں ہے، کیوں کہ یہ گناہ بہت سخت ہے، اس کا کفارہ بھی اسی طرح ہوگا۔

## ۲- حج فاسد ہو جائے تو اس کا حکم:

اگر جماع کرنے کی وجہ سے حج فاسد ہو جائے تو اسے جاری رکھنا واجب ہے اور اگلے سال بلا تاخیر اس کی قضا واجب ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ خواہ نفل حج کر رہا ہو کیوں کہ نفل شروع کرنے سے فرض ہو جاتے ہیں۔ حنفیہ کے سوا دیگر فقہاء کے نزدیک حج کے سوا دوسری نفل عبادات میں شروع کرنے سے فرض نہیں ہوتیں۔ بلا تاخیر قضا کرنا اس لیے واجب ہے کہ اگرچہ حج کی ادائیگی کے وقت میں گنجائش ہے لیکن جب حج شروع کر لیا گیا تو یہ گنجائش ختم ہوگئی، نیز صحابہؓ نے بھی اگلے سال بلا تاخیر اس کی قضا کا فیصلہ دیا تھا۔

اس سلسلے میں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے کیوں کہ دونوں کا حج ایک ہی سبب سے فاسد ہوتا ہے اس لیے دونوں کے بارے میں ایک ہی حکم ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک وقوف عرفہ سے پہلے حج فاسد ہوا ہو یا بعد دونوں

صورتوں میں ایک اونٹ واجب ہوگا، کیوں کہ صحابہؓ نے یہی فیصلہ کیا تھا، انہوں نے وقوف عرفہ سے قبل اور بعد میں کوئی فرق نہیں کیا، نیز وقوف عرفہ کے بعد کا جماع بھی صحیح احرام کی حالت میں عمل میں آتا ہے اس لیے وقوف عرفہ سے پہلے کے جماع کے مشابہ ہے۔ اگر لڑکے نے جماع کر کے حج توڑ دیا تو اس پر بھی قضا واجب ہے۔

مالکیہ کے نزدیک جب یہ حج قضا کرے تو اس وقت ہدی (قربانی) دے کیوں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا تھا تو ابن عمرؓ نے اسے کہا کہ ”اگلے سال تم اور تمہاری بیوی دونوں حج کرو اور دونوں ہدی (قربانی) ادا کرو“۔

اگر کسی شخص نے وقوف عرفہ سے پہلے جماع کر لیا تو حنفیہ کے نزدیک اس کا حج فاسد ہو گیا اور وہ ایک بکری کفارے کے طور پر قربان کرے اور اگر وقوف عرفہ کے بعد سر منڈانے سے پہلے کیا تو اس کا حج صحیح ہو گیا اور وہ ایک اونٹ قربانی کے طور پر ذبح کرے، کیوں کہ وقوف عرفہ سے پہلے جماع کرنے سے اس پر حج کی قضا واجب ہو گئی اور اس کی حیثیت ایسے شخص کی سی ہوگی جس کا وقوف عرفہ رہ گیا ہو، نیز ابن عباسؓ نے بدنہ (اونٹ، گائے، بیل وغیرہ) کو حج میں دو مقامات پر واجب قرار دیا۔ ایک اس صورت میں جب کوئی شخص جنابت کی حالت میں طواف زیارت کرے اور اس کا اعادہ کیے بغیر اپنے وطن لوٹ جائے اور دوسرے جب وقوف عرفہ کے بعد جماع کرے۔ اگر حاجی حج قرآن کر رہا تھا اور اس نے وقوف عرفہ سے پہلے جماع کر لیا تو اس کا حج اور عمرہ دونوں فاسد ہو گئے اور اس کے ذمے ہر ایک عبادت کے بدلے دو دم واجب ہوں گے یعنی دو بکریاں قربان کرے اور حج و عمرہ فاسد ہو جانے کے باوجود انہیں جاری رکھے اور بعد میں انہیں قضا کرے۔ البتہ اس پر دم قرآن واجب نہیں ہوگا۔ شافعیہ کے نزدیک بدنہ کے ساتھ دم

قرآن بھی واجب ہوگا۔

## اصل چہارم: شکار کرنا:

احرام کی حالت میں محرم کے لیے خشکی کے شکار کو مارنا، شکار کرنا، یا شکار کی نشان دہی کرنا حرام ہے، البتہ ایسے جانور جو ابتداً حملہ آور ہو کر ایذا پہنچاتے ہیں مثلاً شیر، بھیڑیا، سانپ، چوہا، بچھو اور پاگل کتا اور عام کتا اس سے مستثنیٰ ہیں۔ مالکیہ کے نزدیک کتے سے مراد ہر وہ وحشی جانور ہے جس سے درندے کی طرح حملہ آور ہونے کا خوف ہو۔ حنفیہ کے نزدیک کتا معروف جانور ہے اور وہی مراد ہے۔

احرام والے کے لیے سمندری شکار مطلقاً جائز ہے اور پالتو جانور مثلاً اونٹ، گائے بکری وغیرہ ذبح کرنا اور ایسے پرندے جو ہوا میں نہیں اڑتے مثلاً مرغی، انہیں ذبح کرنا اور ان کی نشان دہی کرنا جائز ہے۔ کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: **احل لکم صید البحر و طعامہ متاعاً لکم وللسیارة و حرم علیکم صید البر ما دمتم حرماً (تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا کھانا حلال ہے جو تمہارے لیے اور مسافروں کے لیے نفع بخش چیز ہے البتہ جب تک تم احرام کی حالت میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے۔ المائدہ ۹۶:۵)** نیز ارشاد ربانی ہے: **یا ایہا الذین آمنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم (اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار نہ کرو، المائدہ ۵:۹۵)**۔ شکار کی طرف اشارہ کرنے یا اس کی نشان دہی کی حرمت اور اس کے کھانے کے بارے میں ابو قتادہؓ کی حدیث سے حکم واضح ہے کہ جب انہوں نے ایک جنگلی گدھا شکار کیا اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے احرام باندھا ہوا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا، کیا کسی شخص نے شکار کی طرف اشارہ کیا تھا یا اور کسی بات کا حکم دیا تھا؟ صحابہؓ نے کہا، نہیں، آپ نے



فرمایا: پھر کھا لو (۲۲۷)۔ یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ اگر کسی ایسے شخص نے شکار کیا ہو جو احرام میں نہ ہو تو محرم کے لیے ایسے شکار کو کھالینا مطلقاً جائز ہے۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ اگر شکار محرم کے لیے کیا گیا ہو تو اس کے لیے خشکی کے شکار کا گوشت کھانا حرام ہے کیوں کہ صعب بن جثامہ کی حدیث میں ہے کہ ”انہوں نے جنگلی گدھے کا گوشت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا جب کہ آپ ابواء یا ودان میں تھے تو آپ نے واپس لوٹا دیا، پھر جب آپ نے صعب کے چہرے پر افسردگی کے آثار دیکھے تو آپ نے فرمایا: ہم نے صرف اس لیے لوٹا دیا ہے کہ ہم احرام میں ہیں“ (۲۲۸)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ میں صرف یہ وجہ بیان کی کہ آپ احرام کی حالت میں تھے، اس لیے یہی رائے راجح ہے۔ امام شوکانی نے یہی رائے دی ہے۔ نیز حدیث میں ہے: ”خشکی کا شکار تمہارے لیے حلال ہے بشرطیکہ تم نے خود شکار نہ کیا ہو اور تمہارے لیے شکار نہ کیا گیا ہو“۔

ممنوع شکار کے بارے میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

حنفیہ کہتے ہیں (۲۲۹) محرم کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی قابل خوردنی اور ناقابل خوردنی شکار کے درپے ہو البتہ بالعموم ایذا پہنچانے والے جانور اس سے مستثنیٰ ہیں۔ خشکی کے ایسے جانور کا شکار ممنوع ہے جو اپنی تخلیق کے اعتبار سے جنگلی ہو، مباح ہو خواہ کسی کی ملکیت ہو، محرم کے لیے اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ کو ذبح کرنا حرام نہیں کیوں کہ یہ شکار نہیں ہیں۔ اور ان کے بارے میں ممانعت نہیں ہے۔ شکار سے مراد جنگلی جانور ہیں، جن کا شکار ممنوع ہے۔ مرغی اور بٹخ جو گھروں میں رہتی ہوں حرام نہیں ہیں۔ اور گھریلو کتا اور بلی بھی شکار

میں شامل نہیں کیوں کہ یہ پالتو جانور ہیں اور سمندری جانوروں کا شکار حلال اور محرم دونوں کے لیے جائز ہیں کیوں کہ آیت مذکورہ بالا میں اس کی اجازت دی گئی ہے۔ سمندری سے مراد وہ جانور جو سمندر میں پیدا ہوتے ہیں خواہ صرف سمندر میں ہی رہتے ہوں یا خشکی اور سمندر دونوں میں اور خشکی کے جانور سے مراد وہ جانور ہیں جو خشکی میں پیدا ہوتے ہیں، بعد میں خواہ خشکی میں رہتے ہوں یا خشکی اور پانی دونوں میں، اصل اعتبار پیدائش کا ہے۔

پسو، مچھر، چیونٹی، مکھی، کیڑے مکوڑے اور بھیڑ کو مارنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ یہ شکار میں شامل نہیں۔ نہ ہی وحشی جانور ہیں کہ ان کے بارے میں ممانعت ہوئی اور چوں کہ ایسی اشیا میں شامل ہیں جو ابتداءً ایذا دینا شروع کر دیتی ہیں اس لیے ان موذی جانوروں کے مشابہ ہیں جن کے مارنے کی نص نے اجازت دی ہے۔ مثلاً سانپ اور بچھو وغیرہ کہ حدیث میں ہے ”پانچ موذی جانور ایسے ہیں کہ انہیں حرم میں اور حرم سے باہر جہاں بھی ہوں مار دیا جائے اور وہ ہیں: سانپ، بچھو، چوہا، پاگل کتا اور کوا“ (۴۳۰)۔

جوں کو نہ مارا جائے، اس وجہ سے نہیں کہ وہ شکار میں شامل ہیں بلکہ اسے مارنا میل کچیل دور کرنے کے ضمن میں آتا ہے کیوں کہ جوں بھی بالوں کی طرح بدن سے پیدا ہوتی ہے اور بدن سے میل کچیل دور کرنا محرم کے لیے ممنوع ہے۔ اگر کسی نے جوں مار دی تو صدقہ دے جیسا کہ بال کاٹنے پر صدقہ دینے کا حکم ہے۔

اسی طرح ٹڈی مارنا بھی ممنوع ہے کیوں کہ یہ خشکی کا شکار ہے۔

زمینی کیڑے مکوڑے مثلاً چوہا، سانپ، بچھو، گبریلہ، جھینگر وغیرہ کو مارنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ یہ شکار نہیں بلکہ حشرات الارض ہیں، اسی طرح سیبہ اور نیولا کو مارنا بھی جائز ہے کیوں کہ یہ کیڑے مکوڑے ہیں۔

جو جانور بالعموم ابتداءً حملہ آور نہیں ہوتے مثلاً لومڑی وغیرہ، بچو، نیولا، بندر، ہاتھی اور سور اگر حملہ آور ہوں تو انہیں قتل کر دے اور امام زفر کے سوا دیگر ائمہ حنفیہ کے نزدیک اس میں کوئی کفارہ نہیں ہے۔

اگر کوئی محرم کوئی شکار ذبح کر دے اور اس کا ذبیحہ مردار ہے کسی بھی شخص کے لیے کھانا جائز نہیں خواہ وہ محرم ہو یا نہ ہو۔ اگر جو شخص احرام میں نہیں وہ شکار کرے یا شکار کو ذبح کرے تو محرم کے لیے اسے کھانے کی ممانعت نہیں بشرطیکہ اس نے نہ تو شکار کی نشان دہی کی ہو اور نہ شکار کرنے کا حکم دیا ہو۔ خواہ اس شخص نے اپنے لیے شکار کیا ہو یا محرم کے لیے، کیوں کہ اس میں محرم کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں (۴۳۱) محرم خشکی کے جانوروں میں سے کوئی چیز شکار نہ کرے خواہ اس کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ جیسا کہ حنفیہ کی رائے بھی یہی ہے، خواہ وہ جانور پاؤں پر چلنے والا ہو یا حرم میں یا حرم کے باہر اڑتا پرندہ ہو۔ نیز محرم نہ تو شکار کی نشان دہی کرے، نہ اس کی طرف اشارہ کرے۔ اگر محرم نے شکار کرنے کا حکم دیا یا اس کی نشان دہی کی تو گناہ کا ارتکاب کیا لیکن اس پر کفارہ کوئی نہیں ہے۔

اگر محرم کے لیے یا محرم کی وجہ سے کوئی جانور شکار کیا گیا تو اس کا گوشت نہ کھائے، حنفیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ اگر حرم کے باہر غیر محرم نے شکار کیا تو محرم کے لیے کھانا جائز ہے۔

محرّم نے جو شکار ذبح کیا یا قتل کیا، خواہ دانستہ کیا ہو یا غلطی سے، وہ مردار ہے اور کسی کے لیے بھی کھانا جائز نہیں، جیسا کہ حنفیہ کی رائے ہے۔

پالتو جانور مثلاً مویشی اور ایسے پرندے جو ہوا میں نہیں اڑتے مثلاً مرغی اور سمندری

شکار مطلقاً ذبح کرنا محرم کے لیے جائز ہیں اور اس پر اتفاق ہے۔

ضرر رساں جانوروں مثلاً شیر وغیرہ کو مارنا جائز ہے، اس پر اتفاق ہے اور بچو، سور اور بندر کو اس وقت تک نہ مارے جب تک کہ اس کے حملہ کا اندیشہ نہ ہو، جن چیزوں سے ضرر نہیں پہنچتا مثلاً مچھر یا اس سے بڑے کیڑے مکوڑے انہیں مارنا حرام ہے۔

شافعیہ کی رائے یہ ہے (۴۳۲) کہ ہر ایسے جنگلی جانور کا شکار حرام ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہو خواہ وہ جانور مباح ہو یا کسی کی ملکیت ہو، ایسے جانور کا شکار بھی جائز نہیں جو ایسے کسی جانور سے پیدا ہوا ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہو یا پالتو جانور وغیرہ سے پیدا ہو ہو مثلاً جنگلی اور پالتو گدھوں کے ملاپ سے یا بکری اور ہرن کے ملاپ سے جو جانور پیدا ہوا ہو۔ احتیاطاً ایسے جانوروں کے مارنے پر بھی کفارہ دینا واجب ہے۔

ٹڈی کو مارنا حرام ہے، مچھلی اور سمندری شکار کو مارنا جائز ہے۔ سمندری شکار وہ ہے صرف پانی میں رہتا ہو، جو جانور پانی اور خشکی دونوں میں رہتے ہیں ان کا شکار حرام ہے، پرندے پانی میں تیرتے ہیں اور پھر باہر نکل آتے ہیں ان کا شکار حرام ہے، جن جانوروں گوشت نہیں کھایا جاتا ان کا شکار حرام نہیں جیسا کہ حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے، حنفیہ اور مالک کا اس میں اختلاف ہے۔

اگر محرم نے کوئی شکار ذبح کر دیا تو اصح روایت کے مطابق وہ مردار ہے، اس کا آنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں۔

محرم نے جو شکار ذبح کیا ہو اسے کھانا محرم کے لیے حرام ہے، اسی طرح اگر کسی دوسرے نے اس کی اجازت سے ذبح کیا یا اجازت کے بغیر ذبح کیا یا محرم نے آج کرنے میں مدد کی یا ذبح کرنے کا سبب بنا تو اس کے لیے کھانا حرام ہے۔ اگر کھانا تو

گناہ کا ارتکاب کیا لیکن کھانے کی وجہ سے کوئی کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ اگر کسی غیر محرم نے شکار کیا اور محرم اس کا سبب نہیں بنا تو اس کے لیے کھانا جائز ہے اور اس کے ذمے کوئی کفارہ نہیں، جیسا کہ مالکیہ کی رائے ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں (۴۳۳) محرم کے لیے خشکی کے شکار کو مارنا، شکار کرنا یا شکار پر مدد کرنا یا اس کی نشان دہی کرنا حرام ہے بشرطیکہ جانور جنگلی ہو اور اس کا گوشت حلال ہو یا حلال اور حرام جانور کے ملاپ سے پیدا ہوا ہو اور جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان کا شکار کرنا جائز ہے، جیسا کہ شافعیہ کی رائے ہے۔

محرم کے لیے ایسے شکار کا کھانا بھی حرام ہے، اگر کسی غیر محرم نے محرم کے لیے شکار کیا یا ایسا شکار ذبح کیا تو محرم کے لیے اس کا کھانا جائز نہیں جیسا کہ شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”خشکی کا شکار تمہارے لیے حلال ہے بشرطیکہ تم نے خود شکار نہ کیا ہو اور تمہارے لیے شکار نہ کیا گیا ہو“ (۴۳۴)۔ صعب بن جثامہؓ کی حدیث کا محمل بھی یہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگلی گدھے کا گوشت کھانے سے اس لیے باز رہے کہ آپؐ کو معلوم تھا یا آپؐ کا گمان تھا کہ وہ آپؐ کے لیے شکار کیا گیا اور حنفیہ کی دلیل البوقادہؓ کی حدیث کا محمل یہ ہے کہ اگر غیر محرم نے شکار کیا ہو لیکن محرم کے لیے نہ کیا ہو تو محرم کے لیے اسے کھانا جائز ہے۔

جوؤں اور لیکھوں کو مارنا حرام ہے کیوں کہ یہ بال صاف کرنے کی طرح زیب دزینت میں داخل ہے، خواہ کسی دوائی وغیرہ کے استعمال سے جوؤں کا خاتمہ کیا جائے۔ جوئیں نکال کر پھینک دینا بھی حرام ہے البتہ اس میں کوئی کفارہ نہیں ہے کیوں کہ نہ تو یہ شکار ہے اور نہ ان کی کوئی قیمت ہے۔ ٹڈی کو مارنا حرام ہے اور اس کی قیمت بطور کفارہ

صدقہ کرنا واجب ہے۔

جو شکار محرم پر اس وجہ سے کھانا حرام ہو کہ اس کی وجہ سے شکار کیا گیا یا اس کی نشان دہی یا تعاون سے شکار کیا گیا تو غیر محرم پر اس کا کھانا حرام نہیں ہے کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ”یہ غیر محرم افراد کو کھلا دو“۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شکار محرموں کے لیے کیا گیا تھا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صعّب بن جثامہ کو جنگلی گدھے کا گوشت کھانے سے منع نہیں کیا کیوں کہ یہ حلال شکار تھا اور غیر محرم کے لیے جس طرح اس کا شکار کرنا جائز ہے اس کا کھانا بھی جائز ہے۔

کیا کوئی دوسرا محرم جس کے لیے شکار نہ کیا گیا ہو اسے کھا سکتا ہے؟ اس میں احتمال ہیں۔ حضرت عثمانؓ کی رائے یہ ہے کہ اس کے لیے مباح ہے کیوں کہ ظاہر حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ”خشکی کا شکار تمہارے لیے حلال ہے جب تک کہ تم خود شکار نہ کرو اور تمہارے لیے شکار نہ کیا گیا ہو“۔ نیز روایت میں ہے کہ ”حضرت عثمانؓ کو شکار ہدیا گیا، جب کہ آپؓ احرام میں تھے تو آپؓ نے خود نہیں کھایا لیکن دوسرے احباب سے کہ تم کھاؤ کیوں کہ یہ شکار میرے لیے کیا گیا تھا“۔ جس کے لیے شکار نہ کیا گیا ہو اس کے لیے کھانا جائز ہے جیسا کہ غیر محرم اگر اپنے لیے شکار کرے تو اس کا کھانا جائز ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ دوسرے محرم کے لیے بھی حرام کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”یہ غیر محرم کو کھلا دو، ہم احرام میں ہیں“ ہماری رائے میں قول کو ترجیح ہے۔

اگر محرم کسی شکار کو ذبح کرے تو وہ مردار ہے، کسی کے لیے بھی اسے کھانا جائز نہیں۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے، کیوں کہ یہ ایسا جانور ہے جسے ذبح کرنا اللہ نے اپنے حق کے

پر حرام کر دیا ہے۔ پس محرم کے ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا جیسا کہ مجوسی کے ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک خوردنی اور غیر خوردنی دونوں قسم کے جانوروں کا شکار حرام ہے اور دوسرے فقہاء کے نزدیک صرف خوردنی جانور کا شکار یا حلال اور حرام جانوروں کے ملاپ سے پیدا ہونے والے جانور کا شکار حرام ہے۔

اگر محرم اضطراری حالت میں ہو اور اسے کھانے کو شکار اور مردار ہی میسر ہو تو حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک مردار کھائے، شکار نہ کھائے جب کہ شافعیہ کے نزدیک شکار کھالے (۲۳۵)۔ حنابلہ نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ موذی جانوروں کو مارنا جائز ہے مثلاً سانپ اور کوا وغیرہ اور جن جانوروں کے مزاج میں نقصان پہنچانا ہے خواہ نقصان نہ پہنچائیں تب بھی انہیں مارنا جائز ہے مثلاً شیر، چیتا، بھیڑیا وغیرہ اور موذی حشرات الارض مثلاً بھڑ، کھٹل، پسو اور مچھر وغیرہ۔ سمندری اور دریائی شکار مباح ہیں البتہ حرم کے اندر غیر محرم کے لیے بھی ان کا شکار جائز نہیں۔

احرام میں مباح امور:

اوپر کی تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ محرم کے لیے مندرجہ ذیل امور مباح ہیں، اور حرام امور میں شامل نہیں ہیں: (۲۳۶)

۱- محرم بیری کے پتوں یا خٹمی وغیرہ کسی ایسی چیز سے جس سے میل صاف ہو جائے سر دھوسکتا ہے لیکن یہ خیال رکھے کہ بال نہ اکھڑیں، افضل یہ ہے کہ سر بھی نہ دھوئے کیوں کہ اس میں زیب وزینت ہے جب کہ حاجی کو پراگندہ بال، غبار آلود ہونا چاہیے۔ اس امر پر اجماع ہے کہ غسل جنابت کرے۔ اگر غسل جنابت کرنا پڑے تو انگلیوں کے اندر کی طرف

سے نرمی سے مل کر سر دھوئے تاکہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے اور بال نہ گرنے پائیں، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیری کے پتوں اور خطمی وغیرہ سے سر دھونا مکروہ ہے کیوں کہ اس میں صفائی کا پہلو ہے اور اس سے بال جھڑ سکتے ہیں۔ حمام وغیرہ میں بدن دھونا جائز ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔

۲- اگر سرمہ خوشبودار نہ ہو تو سرمہ لگانا جائز ہے البتہ اشمہ کا سرمہ بلا ضرورت لگانا مکروہ ہے، ضرورت ہو تو مکروہ نہیں۔

۳- اگر بال نہ کٹیں تو احرام کی حالت میں ختنہ کرانا، فصد کھلوانا اور چھپنے لگوانا جائز ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں چھپنے لگوائے تھے (۲۳۷)۔ داڑھ اکھڑانا اور ٹوٹی ہوئی ہڈی جوڑنا، سر اور بدن کی اس طرح ناخنوں سے نرمی سے خارش کرنا بال نہ اکھڑیں اور جوئیں نہ گریں جائز ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ ایسا نہ کرے اگر سر یا داڑھی کو خارش کرنے سے ایک یا چند بال گر گئے تو کچھ نہ کچھ جتنا مناسب سمجھے فدیہ یا صدقہ دے دے۔ اگر یہ شک ہو کہ بال خود بخود گرے ہیں یا خارش کرنے سے گرے ہیں تو شافیہ کے نزدیک صحیح روایت یہ ہے کہ فدیہ واجب نہیں ہوگا۔

شافعیہ کے نزدیک محرم کے لیے بدن اور کپڑوں سے جوئیں الگ کرنا مکروہ نہیں بلکہ مار دینی چاہیے اور اس پر کوئی فدیہ نہیں ہے بلکہ محرم کے لیے مستحب ہے کہ انہیں مار دے جیسا کہ غیر محرم کے لیے انہیں مارنا مستحب ہے۔ یہی قول راجح ہے کیوں کہ اس نفاقت حاصل ہوتی ہے اور آدمی اذیت سے محفوظ رہتا ہے جو فقہاء اسے جائز نہیں سمجھتے۔ کا اختلاف اپنی جگہ پر ہے۔ محرم کے لیے سر یا داڑھی سے جوئیں تلاش کرنا مکروہ ہے، کسی نے تلاش کر کے ایک آدھ جوں نکال کر ماری تو کچھ نہ کچھ صدقہ کرے، خواہ



ہی لقمہ کیوں نہ ہو، جیسا کہ امام شافعی کی رائے ہے۔ یہ صدقہ مستحب ہے۔ حنابلہ کے نزدیک محرم نہ تو سر اور داڑھی سے جوئیں تلاش کرے اور نہ انہیں مارے۔ اگر کسی نے اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جوئیں تلاش کیں یا کوئی جوں مار دی یا زندہ پھینک دی یا دوائی ڈال کر ختم کر دی تو اس پر کوئی فدیہ واجب نہیں، حنفیہ کے نزدیک جس قدر چاہے فدیہ دے دے خواہ مٹھی بھر غلہ ہی کیوں نہ ہو۔

۴- محرم ایسے اشعار پڑھ سکتا ہے جن کے پڑھنے میں گناہ نہ ہو۔

۵- محرم مرد اور عورت کے لیے آئینہ دیکھنا مکروہ نہیں ہے۔ البتہ حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک آئینہ دیکھنا مکروہ ہے۔

۶- موذی جانوروں مثلاً چیل، چوہے وغیرہ کو مارنا جائز ہے کیوں کہ حدیث سے ثابت ہے، اسی طرح درندوں کو اور موذی حشرات الارض مثلاً مچھر، پسو اور مکھیوں کو جمہور کی رائے میں مارنا جائز ہے، مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے۔

۷- سمندری جانوروں کا شکار اور پالتو جانوروں اور جو پرندے اڑ نہیں سکتے مثلاً مرغی، لٹخ یا گھریلو مرغابی کو ذبح کرنا جائز ہے۔

۸- مکان، محل یا چھتری کا سایہ لینا اس طرح کہ سر اور چہرے کو نہ لگے جائز ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک محل کے سائے میں بیٹھنا یا کھڑا ہونا درست نہیں اگر کسی نے ایسا کیا تو اس پر دم واجب ہوگا البتہ چھت، دیوار، درخت اور خیمے کا سایہ لینا جائز ہے۔

۹- کمر میں نقدی رکھنے کے لیے پٹی باندھنا جائز ہے، خواہ نقدی کسی دوسرے کی ہو، ستر ڈھانپنے کے لیے کمر بند باندھنا جائز ہے۔ اسی طرح چوڑی پٹی باندھنا بھی جائز ہے لیکن اس صورت میں فدیہ ادا کرے۔

۱۰- احرام کی حالت میں ہتھیار اٹھانا اور ضرورت پڑنے پر دشمنوں سے لڑنا جائز ہے، نیز انگوٹھی، گھڑی اور کمر بند باندھنا جائز ہے۔

۱۱- گفتگو کرنا جائز ہے لیکن محرم کے لیے مستحب یہ ہے کہ ایسی گفتگو جس کا فائدہ نہ ہو ہر حال میں کم سے کم کرے تاکہ اپنے آپ کو لغو اور جھوٹ سے بچا سکے اور حرام باتوں سے بچ سکے کیوں کہ جو زیادہ باتیں کرے گا زیادہ غلطیاں کرے گا۔ محرم کے لیے مستحب یہ ہے کہ تلبیہ، ذکر اللہ قرآن کی تلاوت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور جاہل کی تعلیم میں مصروف رہے یا ضرورت کی بات کرے ورنہ خاموش رہے۔ اگر ایسی گفتگو کی جس میں کوئی گناہ نہیں یا ایسے اشعار پڑھے جو برے نہیں تو مباح ہے لیکن ان کاموں میں زیادہ مشغول نہ ہو۔

## بحث یازدہم: حج میں غلطیوں کا کفارہ:

محرم کو حج کے سلسلے میں کئی عوارض پیش آسکتے ہیں مثلاً کسی غلطی کا ارتکاب ہو جائے، اسے حج ادا کرنے سے روک دیا جائے یا اس کا حج فوت ہو جائے۔ غلطیاں یعنی جنایات، جنایت کی جمع ہے جس کا مفہوم ہے گناہ کا ارتکاب اور شریعت میں اس سے مراد ہے احرام یا حرم کی وجہ سے جو امور حرام ہیں ان میں سے کسی کا ارتکاب کرنا۔

غلطیوں کی دو قسمیں ہیں:

۱- احرام سے متعلق غلطیاں:

اس سے مراد حج یا عمرہ کے افعال کے مخالف کسی کام کا ارتکاب کرنا یا سابقہ احرام کے مخالف کسی ممنوع فعل کا ارتکاب یا حج کے واجبات میں سے کوئی واجب چھو دینا، خواہ غلطی کا ارتکاب بھولے سے، لاعلمی سے یا غلطی سے کیا ہو کسی نے زبردستی

کروایا ہو یا بے ہوشی کی حالت میں ہوا ہو۔ حنفیہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ غلطی کا ارتکاب کرنے والا بالغ ہو، احرام کی حالت میں ہو۔ حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک بچے پر کوئی کفارہ وغیرہ واجب نہیں ہوتا، کیوں کہ اس کے دانستہ عمل کو بھی خطا قرار دیا جائے گا۔ اگر نابالغ لڑکے نے ہم بستری کر لی تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا لیکن اسے جاری رکھے۔ اس کی قضا کے وجوب سے متعلق حنابلہ کی دو آراء ہیں ایک یہ کہ وہ مکلف نہیں اس لیے اس پر قضا واجب نہیں اور دوسرے یہ کہ بالغ کی طرح اس پر بھی قضا واجب ہے۔

اگر لڑکا احرام کی ممنوعات میں سے کسی ممنوع فعل کا ارتکاب دانستہ کرتا ہے، بھولے سے یا جبر کی وجہ سے نہیں تو شافعیہ کے نزدیک اس پر فدیہ اور قضا دونوں واجب ہیں، کیوں کہ لڑکے کا دانستہ عمل دانستہ ہی سمجھا جائے گا۔ یہ شافعیہ کے دو مشہور اقوال میں سے ایک قول ہے (۴۳۸)۔

الغرض لڑکا اگر ہم بستری کر لیتا ہے تو چاروں مذاہب کے ائمہ کے نزدیک بالاتفاق اس کا حج فاسد ہو جاتا ہے البتہ داؤد ظاہری کا اس سے اختلاف ہے، نیز دسوقی مالکی کی رائے یہ ہے کہ حج فاسد نہیں ہوگا۔

## ۲- حرم سے متعلق غلطیاں:

حرم کے اندر شکار کو تنگ کرنا یا درخت کا ٹٹا خواہ حالت احرام میں ہو یا بغیر احرام کے ہو، اگر ایسا کرنے والا شخص مکلف (عادل بالغ) ہے تو اس پر اس کی مثل کے مطابق تادان یا قیمت واجب ہوگی خواہ بھولے سے ایسا کرے، لاعلمی کے باعث، جبر کے تحت یا غلطی سے۔ اس کی تفصیل خصوصیات حرم کے زیر عنوان آگے آرہی ہیں۔

### احرام سے متعلق غلطی:

اس میں کبھی ایک قربانی واجب ہوتی ہے (۴۳۹) اور کبھی زیادہ یا صدقہ واجب ہوتا ہے، اس سے کم تر کوئی چیز یا قیمت، جس کی تفصیل درج ذیل ہے (۴۴۰)۔ یہ تفصیل فدیہ اور شکار کرنے کی تلافی پر بھی مشتمل ہے۔

۱۔ ایسی غلطی جس پر بدنہ (پورا اونٹ یا گائے) واجب ہے، اس کا گوشت فقراء حرم میں تقسیم کر دیا جائے:

۱۔ پہلے مرحلہ پر حلال ہونے سے پہلے اور وقوف عرفہ کے بعد احرام کے دوران ہم بستری کر لینا، جمہور کے نزدیک ایسے شخص کا حج فاسد ہو جاتا ہے، حنفیہ کے نزدیک حج فاسد نہیں ہوتا۔ اگر محرم نے وقوف عرفہ سے پہلے اپنی بیوی سے ہم بستری کر لی تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا اور حنفیہ کے نزدیک اس پر صرف ایک بکری واجب ہے اور وہ اپنا فاسد حج یا عمرہ اخیر تک جاری رکھے، پھر اگر حج تھا تو بالاتفاق متصل اگلے سال اسے قضا کرے اور اگر عمرہ تھا تو فاسد عمرہ مکمل کر کے فوراً عمرہ کی قضا کرے۔

مالکیہ نے جانور کی ہدی کو واجب قرار دیا ہے (یعنی اونٹ، پھر گائے، پھر دنبہ پھر بکرا) اگر وقوف عرفہ سے پہلے ہم بستری کر لی یا احتلام کے سوا اور کسی صورت میں منی خارج ہوئی نیز عید کے دن طواف افاضہ اور جمرہ عقبہ کی رمی سے پہلے بھی اس نوعیت کی غلطی پر ہدی واجب ہوگی۔

۲۔ اگر جنابت، حیض یا نفاس کی حالت میں طواف افاضہ کر لیا۔

۳۔ ایسی غلطی جس پر دو دم (قربانیاں) واجب ہوتے ہیں:

حنفیہ کے نزدیک حج قرآن کرنے والا اگر کوئی ایسی غلطی کرے کہ جس پر مفرد

کرنے والے پر ایک دم واجب ہوتا ہے تو قرآن والے پر دو دم واجب ہوں گے مثلاً کسی نے اگر جانور کی قربانی سے پہلے سر منڈوا لیا تو اس پر حنفیہ کے نزدیک دو دم واجب ہوں گے، ایک قربانی میں تاخیر کرنے کی وجہ سے اور دوسرا حج قرآن کی وجہ سے۔ شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ احرام سے متعلق کفاروں میں حج قرآن اور حج افراد کرنے والے برابر ہیں۔ کیوں کہ قرآن کرنے والا بھی اعمال حج میں افراد کرنے والے کی طرح ہے۔ پس اس پر کفارے بھی مفرد حج والے کی طرح ہوں گے۔ اگر اس نے ہم بستری کر کے حج فاسد کر لیا تو اس پر ایک بدنہ (اونٹ، گائے وغیرہ) واجب ہوگا کیوں کہ احرام ایک ہی ہے اور قرآن کی وجہ سے ایک بکری کی قربانی واجب ہوگی۔ تمتع اور قرآن کا حکم یکساں ہے (۴۴۱)۔

۳۔ ایسی غلطیاں جن پر ایک دم (قربانی) واجب ہوتا ہے۔ کن صورتوں میں اختیار ہے اور کن میں ترتیب ملحوظ رکھنا واجب ہے:

۱۔ سلا ہوا لباس پہننا، سر ڈھانپنا یا منڈوانا، ناخن کاٹنا اور خوشبو لگانا۔

حنفیہ کے نزدیک اگر محرم نے سلا ہوا لباس پہن لیا یا سر ڈھانپ لیا اور اس پر پورا دن گزر گیا تو ایک بکری قربان کرے اور اس کا گوشت فقراء حرام میں تقسیم کرے۔ اگر اس سے کم وقت ایسا کیا تو اس پر صدقہ واجب ہوگا۔

اگر کچھنے لگانے کی جگہ سے بال مونڈ دیے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر دم واجب ہوگا، صاحبین کے نزدیک صدقہ، کیوں کہ اس جگہ سے بال مونڈنا مقصود بالذات نہیں ہوتے۔

اگر چوتھائی سر یا چوتھائی داڑھی یا اس سے زیادہ حصہ مونڈ دیا تو دم واجب ہوگا اور

اس سے کم کے مونڈنے پر صدقہ، کیوں کہ ایک چوتھائی سر مونڈنا ایک مکمل معاشرتی عمل ہے، ایسا کرنا لوگوں کی عادت ہے اس لیے اس کو مکمل غلطی سمجھا جائے گا، اس سے کم ہو تو غلطی کم ہوگی۔

اگر ایک ہی مجلس میں دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کے تمام ناخن کاٹے یا صرف دونوں ہاتھوں کے یا صرف ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے تو ایک بکری واجب ہوگی اور اگر متعدد مواقع پر کاٹے مثلاً ایک مجلس میں دونوں ہاتھوں کے ناخن کاٹے اور دوسری میں دونوں پاؤں کے تو دو دم واجب ہوں گے۔

اگر دونوں ہاتھوں اور پاؤں سے متفرق طور پر پانچ سے کم ناخن کاٹے تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک صدقہ واجب ہوگا۔

اگر محرم نے پورے عضو کو خوشبو لگالی مثلاً سر کو یا منہ کو یا ہاتھ یا پاؤں کو یا ایک عضو سے زائد کو یا پورے بدن کو تو ایک دم (بکری) قربانی دے کیوں کہ اعتبار کثرت کا ہے اور کثرت کی حد ایک عضو ہے۔

اگر محرم نے اپنے کپڑے کو خوشبو لگالی تو دم واجب ہوگا بشرطیکہ پورا دن اسے پہنے رکھا۔ اگر سر، ہاتھ یا داڑھی کو مہندی لگالی تو بھی دم واجب ہوگا۔

اگر کسی نے زیتون یا تل کا تیل لگایا تو بھی دم واجب ہوگا کیوں کہ یہ دونوں چیزیں خوشبو کی اصل ہیں (۴۴۲)، البتہ دوسری قسم کے تیل کا یہ حکم نہیں مثلاً گھی، چربی یا بادام کا تیل، البتہ اگر زیتون کا تیل کھا لیا یا زخم پر دوائی کے طور پر لگایا یا پاؤں کی پھٹوں میں ڈالا یا کانوں میں پٹکایا تو حنفیہ کا اتفاق ہے کہ اس میں دم یا کفارہ کوئی چیز واجب نہیں ہوتی، کیوں کہ زیتون کا تیل ہر اعتبار سے خوشبو نہیں ہے لیکن اگر محرم نے مشک، عنبر، عالیہ یا

کافور وغیرہ استعمال کیں جو بذات خود خوشبو ہیں تو ان کے استعمال سے دم واجب ہوگا، خواہ دوا کے طور پر استعمال کی ہوں۔ اگر کھانے میں ڈال دیں تو خواہ پکائی نہ ہوں، اس میں کچھ واجب نہیں ہوگا، بشرطیکہ خوشبو کا غلبہ نہ ہو البتہ اسے کھانا مکروہ ہے، جیسا کہ خوشبو کا سونگھنا اور سب کو سونگھنا مکروہ ہے۔

اگر کسی عذر کی بنا پر خوشبو لگائی یا بال منڈوائے یا سلا ہوا کپڑا پہن لیا تو اسے اختیار ہے چاہے تو بکری ذبح کرے اور چاہے تو چھ مساکین پر تین صاع، نصف صاع ہر مسکین کے حساب سے (۴۴۳) غلہ صدقہ کرے اور چاہے تو تین روزے رکھے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: **فمن كان منكم مريضاً او به اذى من رأسه ففدية من صيام او صدقة او نسكاً** جو کوئی تم میں مریض ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو وہ فدیہ کے طور پر روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے، (البقرہ، ۲: ۱۹۶)۔

حنفیہ کے سوا جمہور کی رائے یہ ہے کہ جس کسی نے سلا ہوا لباس پہن لیا یا بال منڈوا دیے یا ناخن کاٹے یا خوشبو لگائی یا تیل لگایا یا مسلسل تین بال شافیہ کے نزدیک اور دو سے زیادہ ناخن یا بال حنابلہ کے نزدیک کاٹے تو اسے اختیار ہے چاہے ایک بکری ذبح کر کے فدیہ کے طور پر صدقہ کرے یا تین روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، ہر مسکین کو نصف صاع غلہ دے۔ بکری ذبح کرنا قربانی کہلاتا ہے اور یہ فدیہ کی ایک صورت ہے خواہ ممنوع کام دانستہ کیا ہو یا غلطی سے یا ناواقفیت سے، تنگی اور آسانی ہر صورت میں یہ اختیار ثابت ہے اور اختیار کی دلیل اوپر مذکور آیت ہے: **ففدية من صيام او صدقة او نسك** (فدیہ دے، روزے رکھ کر یا صدقہ کر کے یا قربانی کر کے، البقرہ، ۲: ۱۹۶)۔ نیز کعب بن عجرہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں سر کی جوئیں پریشان کرتی ہیں؟ انہوں

نے کہا، جی ہاں، آپ نے فرمایا: ”ایک بکری کی قربانی دو، یا تین روزے رکھو یا چھ مسکینوں کو تین صاع غلہ دو“ (۴۴۴)۔ سرمنڈوانے پر دوسرے اعمال کو اور معذور پر غیر معذور کو قیاس کیا گیا ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ فدیہ معذور اور غیر معذور دونوں کے لیے ہے جب کہ حنفیہ کے نزدیک صرف معذور کے لیے ہے۔ سر کے بال اور باقی بدن کے بال فدیہ کے اعتبار سے برابر ہیں کیوں کہ تمام بال بدن کے حوالے سے ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور فدیہ میں گندم، جو اور کشمش ہر چیز دی جاسکتی ہے جیسا کہ صدقہ فطر اور قسم کے کفارے ہیں ان میں سے ہر چیز دی جاسکتی ہے۔ اگر پہلے عمل کا فدیہ نہ دیا ہو اور دوسرا عمل کر لیا جائے تو حنابلہ کے نزدیک ایک ہی فدیہ کافی ہے۔ اگر پہلے عمل کا فدیہ دے دیا تھا پھر دوبارہ مثلاً بال کٹوائے تو دوبارہ فدیہ دے۔ اگر کسی محرم نے کسی غیر محرم کا سر مونڈ دیا یا اس کے ناخن تراش دے تو جمہور کے نزدیک اس پر فدیہ نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ اس پر صدقہ واجب ہے کیوں کہ اس نے ایک انسان کے بال ضائع کیے ہیں جو محرم کے بالوں کے مشابہ ہیں۔ اگر کسی نے محرم کی اجازت سے محرم نے یا غیر محرم نے اس کا سر مونڈ دیا تو فدیہ اس شخص پر ہے جس کا سر مونڈا گیا۔ اگر کسی کا سر زبردستی یا نیند کی حالت میں مونڈ دیا گیا تو مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس پر فدیہ نہیں جب کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر فدیہ واجب ہوگا، امام شافعیؒ سے دونوں روایات ہیں (۴۴۵)۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہم بستری کے تمہیدی اعمال پر بھی فدیہ واجب ہوگا مثلاً شہوت کے ساتھ دیکھنے سے منی نکل آنا یا بغیر انزال کے ہم آغوش ہونا یا بار بار دیکھنے یا بوسہ دینے، چھونے اور گلے لگانے سے نڈی خارج ہونا۔ ایک بار ہم بستری کے بعد دوبارہ ہم بستری کی تب بھی فدیہ واجب ہوگا اور حلال ہونے کے دو مرحلوں کے درمیان وقت



میں ہم بستری سے بھی۔ مالکیہ کے نزدیک احتلام کے سوا اور کسی طرح بھی انزال ہو جائے تو وہ ہم بستری کی مانند ہے جس سے حج فاسد ہو جاتا ہے اور دم واجب ہوتا ہے۔

## ۲۔ جماع اور اس کے تمہیدی اعمال:

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر شہوت سے بوسہ دیا یا ہاتھ لگایا تو صحیح رائے یہ ہے کہ منی نکلے یا نہ نکلے اس پر دم واجب ہے، نیز ہاتھ سے رگڑ کر منی نکالنے پر بھی دم واجب ہے، کیوں کہ جماع کی طرف مائل کرنے والے افعال احرام کی وجہ سے مطلقاً حرام ہیں، اس لیے ان میں مطلقاً دم واجب ہے۔

اگر کسی انسان کے دونوں راستوں میں سے کسی ایک میں جماع کیا، خواہ بھولے سے یا زبردستی یا عورت سوئی ہوئی تھی تو اگر وقوف عرفہ سے پہلے کیا تو حج فاسد ہو جائے گا اور ایک بکری یا اونٹ، گائے وغیرہ کا ساتواں حصہ واجب ہوگا اور اپنا حج فاسد اسی طرح جاری رکھے جس طرح وہ لوگ جاری رکھتے ہیں جن کا حج فاسد نہیں ہوتا اور اگلے سال وقفے کے بغیر قضا کرے، خواہ فاسد ہونے والا حج نفل ہو کیوں کہ شروع کرنے سے واجب ہو گیا تھا اور واجب ادا نہیں کیا گیا، بچے اور دیوانے نے اگر اپنا حج فاسد کر دیا ہو تو اس پر دم ہے نہ قضا۔

اگر وقوف عرفہ کے بعد اور سر منڈوانے یا طواف کرنے سے پہلے جماع کر لیا تو حج فاسد نہیں ہوگا، البتہ ایک بدنہ (یعنی اونٹ، گائے، بیل وغیرہ) واجب ہوگا کیوں کہ یہ بہت بڑی غلطی ہے اس کا کفارہ بھی بہت بڑا ہوگا۔

اگر دوبارہ جماع کر لیا تو ایک بکری واجب ہوگی کیوں کہ یہ جماع ایسے احرام کی حالت میں کیا گیا جو پہلے ہی توڑ دیا گیا تھا۔

اگر وقوف عرفہ اور سر منڈانے کے بعد جماع کیا تو ایک بکری کی قربانی دے کیوں کہ

اب صرف عورت سے ہم بستری کی حد تک احرام باقی ہے یعنی حلال ہونے کے دو مرحلوں کے درمیان جماع کیا تو یہ حکم ہے۔

اگر کسی شخص نے عمرہ میں طواف کے چار چکر پورا کرنے سے پہلے جماع کر لیا تو عمرہ فاسد ہو گیا کیوں کہ عمرہ میں طواف، حج میں وقوف عرفہ کے قائم مقام ہے، لیکن طواف جاری رکھے اور فوراً بعد میں قضا کرے اور اس پر ایک بکری واجب ہوگی، کیوں کہ یہ حنفیہ کے نزدیک سنت ہے۔ اگر طواف کے چار چکر پورے کرنے کے بعد اور سر منڈانے سے پہلے جماع کر لیا تو ایک بکری واجب ہوگی لیکن عمرہ فاسد نہیں ہوگا اور قضا نہیں کرنا پڑے گی۔

اس غلطی کے بارے میں حنفیہ کے سوا دوسرے فقہاء کی آراء پہلے بیان کی جا چکی ہیں۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر پہلے مرحلے پر حلال ہونے سے پہلے ہم بستری کر لی تو ایک اونٹ ذبح کرے، اگر اونٹ نہ ہو تو گائے، اگر وہ بھی نہ ملے تو سات بکریاں، اگر وہ بھی دست یاب نہ ہوں تو اونٹ کی قیمت لگا کر اس کا غلہ خرید کر فقرا پر صدقہ کرے اور اگر اس کی گنجائش نہ ہو تو ہر مُد غلہ کے عوض ایک دن کا روزہ رکھے۔ اگر حلال ہونے کے دو مرحلوں کے درمیان یا حج کے فاسد ہو جانے کے بعد ہم بستری کی تو ایک بکری واجب ہوگی، جیسا کہ احرام میں سر منڈانے وغیرہ پر واجب ہوتی ہے۔

۳۔ حج کے واجبات میں سے کوئی واجب ترک کر دینا:

حنفیہ کے نزدیک اگر کسی نے حالت جنابت میں طواف قدوم کر لیا تو ایک بکری واجب ہوگی کیوں کہ غلطی بہت بڑی ہے۔ اگر بے وضو ہونے کی حالت میں طواف زیارت کر لیا تب بھی ایک بکری واجب ہوگی کیوں کہ حج کے رکن میں کمی واقع ہو گئی ہے۔ اگر طواف قدوم بے وضو ہونے کی حالت میں کر لیا تو صدقہ واجب ہوگا۔ اگر طواف زیارت

حالت جنابت میں کر لیا تو ایک اونٹ واجب ہوگا کیوں کہ یہ غلطی بہت بڑی ہے۔ افضل یہ ہے کہ اگر مکہ میں موجود ہے تو دوبارہ طواف کرے، اس صورت میں دم واجب نہیں ہوگا۔

اگر کسی نے طواف وداع بے وضو کر لیا تو صدقہ دے اور اگر حالت جنابت میں کیا تو بکری ذبح کرے۔ اگر کسی نے طواف زیارت کے تین یا اس سے کم چکر چھوڑ دیے تو اس کے ذمے بکری کی قربانی ہے اور اگر چار چھوڑ دیے تو جب تک طواف نہیں کر لے گا حالت احرام میں ہی رہے گا۔

اگر کسی نے طواف وداع یا اس کے چار چکر چھوڑ دیے تو بکری ذبح کرے اور اگر تین چھوڑ دیے تو صدقہ دے۔

اگر طہارت حاصل کر کے طواف کا اعادہ کر لیا تو دم معاف ہو جائے گا کیوں کہ طواف مطلوب طریقے سے ادا ہو گیا۔ صحیح یہ ہے کہ اگر جنابت کی حالت میں طواف کیا تھا تو اس کا اعادہ واجب ہے اور اگر بے وضو طواف کیا تھا تو اعادہ مستحب ہے۔ اگر کسی نے ایسی حالت میں طواف کیا کہ کوئی ایسا عضو جس کو ڈھانپنا واجب ہے، اس کا چوتھائی حصہ کھلا رہا تو جب تک مکہ معظمہ میں ہے اس کا اعادہ واجب ہے اور اگر اعادہ نہیں کیا اور مکہ سے چلا گیا تو اس پر دم واجب ہے۔ جس کسی نے صفا و مروہ کے درمیان سعی چھوڑ دی، اس پر ایک بکری واجب ہے اور اس کا حج مکمل ہو جائے گا۔

اگر کوئی شخص امام سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے عرفہ سے واپس آ گیا تو اس پر دم واجب ہے۔ اگر غروب آفتاب سے قبل واپس عرفات میں چلا جائے تو دم معاف ہو جائے گا، اس کے بعد جانے سے نہیں۔

جو کوئی مزدلفہ میں نہیں ٹھہرا اس پر دم واجب ہوگا۔

جس کسی نے تمام ایام کی رمی چھوڑ دی حتیٰ کہ آخری یعنی چوتھے دن کا سورج غروب ہو گیا تو اس کے ذمے ایک دم ہے۔ جس نے ایک دن کی رمی چھوڑ دی اس کے ذمے بھی ایک دم ہے اور جس نے کسی ایک جمرہ کی رمی چھوڑ دی اس کے ذمے صدقہ ہے۔

اگر کسی نے جمرہ عقبہ کی رمی چھوڑ دی تو اس کے ذمے دم ہے۔

اگر کسی نے سر منڈایا اور قربانی کے ایام گزر گئے یا قربانی کے دنوں میں طواف زیارت نہیں کیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے ذمے دم ہے۔ صاحبین کے نزدیک اس پر کوئی فدیہ یا کفارہ نہیں ہے۔

حج قرآن اور تمتع کرنے والے پر بالاتفاق ایک بکری ذبح کرنا واجب ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کر دیا۔ ہر ایسی غلطی جس میں مفرد حج کرنے والے پر ایک دم واجب ہوتا ہے حج قرآن کرنے والے پر دو دم واجب ہوتے ہیں۔ ایک حج کا دم اور دوسرا عمرہ کا دم البتہ اگر احرام باندھے بغیر میقات سے گزر گیا اور پھر واپس آ کر احرام باندھا تو ایک ہی دم واجب ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ (۴۴۶) حج یا عمرہ میں تین قسم کے دم واجب ہوتے ہیں۔ فدیہ، شکار کا بدلہ اور ہدی (قربانی) فدیہ کے بارے میں ہم تفصیل سے جان چکے ہیں۔ ہدی پانچ قسم کے افعال میں واجب ہے۔ حج یا عمرہ کے کسی واجب کو چھوڑنے کی تلافی کے طور پر مثلاً تلبیہ یا طواف قدوم یا رمی جمار یا منیٰ اور مزدلفہ میں رات گزارنے کا عمل چھوڑ دیا، حج تمتع اور حج قرآن میں ہدی، ہم بستری وغیرہ مثلاً ندی نکلنا یا منہ سے بوسہ دینا وغیرہ پر کفارہ شکار کا بدلہ، کوئی عمل رہ جائے تو اس پر ہدی۔ ہدی کے لیے ضروری ہے کہ اسے ذبح کر جائے اور اس کے متبادل کوئی کام نہیں کیا جا سکتا جب کہ فدیہ اور شکار کے بدلے کے

بارے میں یہ حکم نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں: حج میں جو دم واجب ہوتے ہیں ان کی چار اقسام ہیں:

### ۱- دم ترتیب و تقدیر:

ترتیب سے مراد یہ ہے کہ اسے ذبح کرنا واجب ہے اور اگر عاجز نہ ہو تو دم کا کوئی متبادل عمل قابل قبول نہیں۔ تقدیر کا مفہوم یہ ہے کہ شریعت نے اس کی مقدار متعین کی ہے اور اگر اس کا کوئی متبادل اختیار کرنا پڑے تو اس میں بھی کمی بیشی جائز نہیں ہے۔ اس قسم میں دم تمتع، دم قرآن اور قضا کے طور پر ہدی دینا اور کسی مامور عمل کے چھوڑنے پر مقرر ہدی مثلاً میقات سے احرام نہ باندھنا یا مزدلفہ و منیٰ میں رات نہ گزارنا یا طواف و داع چھوڑ دینا۔ اس قسم میں جس شخص کو گنجائش ہو تو ایک بکری ذبح کرے اور اگر گنجائش نہ ہو تو دس دن کے روزے رکھے۔

### ۲- دم ترتیب و تعدیل:

اس سے مراد ایسا دم ہے جس کی قیمت مقرر کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے اور اگر متبادل اختیار کرنا ہو تو قیمت کا لحاظ رکھا جائے مثلاً جماع کے کفارے کے طور پر اونٹ کی قربانی واجب ہے وہ نہ ہو تو گائے کی، اگر وہ بھی نہ ہو تو سات بکریاں، اگر وہ بھی میسر نہ ہوں تو نقدی میں اونٹ کی قیمت لگا کر اس کا غلہ خرید کر فقرا میں تقسیم کیا جائے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو ہر مد غلے کے مقابلے میں ایک دن کا روزہ رکھے۔

نیز یہ دم اس شخص پر بھی واجب ہے جیسے احرام باندھنے کے بعد حج سے روک دیا گیا ہو، اس کے ذمے ایک بکری ہے، اگر وہ نہ ہو تو اتنا غلہ صدقہ کرے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو ہر مد غلے کے بدلے ایک روزہ رکھے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فَاَنْ

احصرتم فما استیسر من الہدی (اگر تمہیں روک لیا جائے تو جو ہدی میسر ہو اللہ کی راہ میں دے دو، البقرہ ۲: ۱۹۶)۔

### ۳۔ دم تخمیر و تقدیر:

یعنی ایسا دم جس کا متبادل اختیار کرنا استطاعت کے باوجود جائز ہو، اگر کسی نے مسلسل تین بال یا تین ناخن کاٹے تو اسے اختیار ہے چاہے جانور ذبح کرے، چاہے چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے ہر مسکین کو نصف صاع کے حساب سے اور چاہے تو تین روزے رکھے، نیز خوشبو لگانے، سر، داڑھی یا چہرے کے کچھ بالوں کو تیل لگانے، سلا ہوا لباس پہننے، جماع کے تمہیدی اعمال کرنے، مشت زنی کرنے یا ایسا جماع جس سے حج فاسد نہ ہوا ہو کرنے کی صورت میں بھی اختیار ہے۔

بال مونڈنے کی صورت میں خواہ بھولے سے ہو یا حرمت کا علم نہ ہو، فدیہ واجب ہوتا ہے کیوں کہ آیت ولا تحلقوا رؤوسکم (اپنے سر نہ منڈواؤ، البقرہ ۲: ۱۹۶) عام ہے۔ جب کہ بھولے سے یا جہالت کی بنا پر سلا ہوا لباس پہن لیا، خوشبو لگالی، تیل لگا لیا، ہم بستری کر لی یا بوس و کنار کیا تو اس میں فدیہ واجب نہیں ہوگا کیوں کہ ان کاموں میں علم اور ارادہ شرط ہے۔

### ۴۔ دم تخمیر و تعدیل:

یہ درخت کاٹنے اور شکار کرنے کے کفارے کا دم ہے۔ اس میں شکار کی مثل یا اس کی قیمت کے برابر غلہ خرید کر اہل حرم پر تقسیم کرنا واجب ہے، غلہ فقرا کو دیا جائے یا ہر مند غلہ کے بدلے میں ایک روزہ رکھے۔ اگر شکار کا مثل نہ ہو تو اسے اختیار ہے چاہے کھانا کھلا۔ چاہے روزے رکھے، البتہ کبوتر کا شکار اس سے مستثنیٰ ہے، اس میں ایک بکری واجب ہے

دلیل سورۃ المائدہ کی آیت ۹۵ ہے۔ ارشاد ربانی ہے: یا ایہا الذین آمنوا لا تقتلوا الصيد وانتم حرم ومن قتله منکم متعمداً فجزاء مثل ما قتل من النعم یحکم بہ ذوا عدل منکم ہدیاً بالغ الکعبۃ أو کفارة طعام مساکین أو عدل ذلک صیاماً لیدوق وبال امرہ (اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار نہ کرو، جو کوئی دانستہ شکار کو مار دے گا اس کا بدلہ یہ ہے کہ اسی طرح کا جانور ذبح کیا جائے جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل شخص کریں، یہ ہدی کعبہ میں پہنچائی جائے یا کفارے کے طور پر مساکین کو کھانا کھلائے یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ اپنے عمل کا بدلہ چکھے، المائدہ ۵: ۹۵)۔

حرم کے درخت اور نباتات کو کاٹنا حرام ہے، اگر کسی نے کاٹ لیے یا اکھاڑ دیے تو اس کا تاوان واجب ہوگا، نباتات خواہ خورد رو ہو یا خود کاشت۔ بڑے درخت کے بدلے میں، گائے اور چھوٹے کے بدلے میں بکری ذبح کرے، تاکہ امام شافعی نے ابن زبیر سے جو روایت کی ہے اس پر عمل ہو سکے، اگر درخت بہت چھوٹا ہے تو اس کی قیمت ادا کرے۔

حنابلہ کے نزدیک فدیہ سے مراد وہ شے ہے جو حج، عمرہ یا حرم کے سبب واجب ہو اور جو شخص کسی عذر کی بنا پر کوئی ممنوع کام کرے وہ پہلے فدیہ دے۔ فدیہ کی دو قسمیں ہیں۔ تخییر اور ترتیب۔

تخییر سے مراد وہ فدیہ ہے جس میں اختیار ہو کہ چاہے بکری ذبح کر دے، چاہے تین روزے رکھے، چاہے چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، ہر مسکین کو ایک مد یا نصف صاع گندم دے، جو صدقہ فطر کی مقدار ہے۔ یہ فدیہ سلعے ہوئے لباس پہننے میں، خوشبو لگانے میں، سر ڈھانپنے میں یا دو ایک بال یا ناخن کاٹنے میں یا بوس و کنار کرنے میں ہے، جیسا کہ ہم بیان کر چکے یا شکار کے بدلے میں، جس کا بیان آگے آ رہا ہے۔

ترتیب:

۱۔ اگر استطاعت ہو تو بکری ذبح کرے، اگر گنجائش نہ ہو تو دس دن روزے رکھے، جیسا کہ دم تمتع اور قرآن میں، ترک واجب میں، حج فوت ہونے کی صورت میں یا حج سے روک لیے جانے کی صورت میں ترتیب واجب ہے۔ حج سے روک لیے جانے کی صورت کے سوا باقی تمام صورتوں میں تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات واپس اپنے وطن پہنچ کر، ان روزوں کا رکھنا واجب ہے البتہ مسلسل رکھنا یا الگ الگ رکھنا واجب نہیں۔ اگر کوئی شخص ایام منیٰ میں تین روزے نہیں رکھ سکا تو بعد میں دس روزے رکھ لے اور اس پر مطلقاً دم واجب ہوگا۔ جسے حج ادا کرنے سے روک دیا گیا ہو وہ دم دے اور اگر جانور نہ ملے تو اس کی قیمت دے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو حلال ہونے کی نیت سے دس روزے رکھے، پھر حلال ہو، اس صورت میں مساکین کو کھانا کھلانے کا حکم نہیں ہے۔

ب۔ حج کی صورت میں اونٹ وغیرہ ذبح کرے اور عمرہ میں بکری، اگر استطاعت نہ ہو تو دس روزے رکھے، تین ایام حج میں اور سات اپنے وطن واپس جا کر۔ یہ فدیہ شرم گاہ کے سوا کسی جگہ جماع کرنے میں یا منیٰ خارج کرنے میں یا بار بار شہوت کے ساتھ دیکھنے بوس و کنار کرنے سے منیٰ نکلنے میں اور مشمت زنی کرنے میں واجب ہے، خواہ یہ کام غلطی سے کیے ہوں، اگر عورت نے آمادگی سے یہ کام کرنے دیے تو اس کے لیے بھی یہی حکم ہے، البتہ اگر وہ سوئی ہوئی تھی یا اس سے زبردستی کی گئی تو اس پر کچھ واجب نہیں۔ اگر محض شہوانی سوچ سے کسی کو منیٰ نکل آئی یا احتلام ہو گیا یا دیکھنے سے مذی نکل آئی تو اس پر کچھ واجب نہیں، جس کسی نے جوں ماردی یا عقد نکاح کر لیا، اس پر کوئی فدیہ واجب نہیں۔



۴- جن کاموں پر صدقہ واجب ہوتا ہے:

صدقہ کی مقدار نصف صاع گندم (۴۴۷) یا حنفیہ کے نزدیک نقدی کی صورت میں اس کی قیمت ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مندرجہ ذیل صورتوں میں صدقہ واجب ہوتا ہے ان کی طرف ہم اوپر بھی اشارہ کر چکے ہیں:

ا- اگر محرم نے پورے عضو سے کم پر خوشبو لگائی۔

ب- چوتھائی سر یا داڑھی سے کم حصہ مونڈایا یا مونچھیں منڈوا دیں۔

ج- ایک دن یا ایک رات سے کم وقت کے لیے سلا ہوا کپڑا پہن لیا۔

د- اگر متفرق طور پر پانچ سے کم ناخن کاٹے تو ہر ناخن کے بدلے صدقہ دے۔

ه- اگر طواف قدوم، طواف وداع یا کوئی بھی نفل طواف بے وضو ہونے کی حالت میں

کیا۔ اگر طواف قدوم حالت جنابت میں یا طواف زیارت بے وضو کیا تو ایک

بکری واجب ہوگی۔ اگر طواف زیارت حالت جنابت میں کیا تو اونٹ یا گائے

قربانی کرے۔ اگر طواف وداع حالت جنابت میں کیا تو ایک بکری قربانی کے

طور پر دے۔

و- اگر طواف وداع یا سعی میں ایک چکر چھوڑ دیا یا جمرات پر ایک کنکری کم ماری۔

ز- اگر محرم نے کسی دوسرے کا سر مونڈ دیا، دوسرا شخص خواہ محرم ہو یا غیر محرم۔ اگر کسی

دوسرے کے کسی عضو کو خوشبو لگا دی یا کسی کو سلا ہوا کپڑا پہنا دیا تو بالا جماع اس

پر صدقہ واجب نہیں ہوگا۔

مالکیہ کے نزدیک اگر خوب صورتی کے لیے یا بلا وجہ ناخن کاٹ دیا تو ایک مٹھی گندم

صدقہ کرے۔ اگر ناخن تکلیف دیتا تھا اور کاٹ دیا تو صدقہ واجب نہیں ہوگا۔ ایک سے دس تک بال کاٹنے اور ایک سے دس تک جوئیں مارنے یا پھینکنے میں بھی ایک مٹھی گندم فقیر کو دے بشرطیکہ تکلیف کے ازالے کے لیے بال نہ کاٹے گئے ہوں اور جوئیں نہ ماری گئی ہوں۔ اگر مطلقاً ایک سے زائد ناخن کاٹ دیے یا تکلیف کے ازالے کے لیے صرف ایک ناخن کاٹا یا مطلقاً دس سے زائد بال کاٹ دیے یا دس سے زائد جوئیں نکال کر پھینک دیں یا مار دیں تاکہ ان کی تکلیف سے بچے تو اس پر فدیہ دینا ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ رانج یہ ہے کہ ایک بال اور ایک ناخن میں ایک مُد غلہ واجب ہے۔ دو بالوں اور دو ناخنوں میں دو مُد یعنی نصف صاع اور تین بالوں اور تین ناخنوں میں پورا فدیہ ہے یعنی ایک بکری۔

حنابلہ شافعیہ سے ہم آہنگ ہیں۔ ایک بال اور ایک ناخن میں ایک مُد غلہ واجب ہے اور بال یا ناخن کے کچھ حصے کو کاٹنے میں اتنا ہی صدقہ ہے جتنا کہ پورے بال یا ناخن کے کاٹنے میں ہے۔ حنبلی مذہب یہ ہے کہ تین بال یا تین ناخن کاٹنے پر پورا فدیہ ہے۔

۵۔ جن کاموں پر نصف صاع سے کم صدقہ واجب ہوتا ہے یعنی جتنی مقدار چاہے صدقہ کر دے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ٹڈی مار دی یا ایک یا دو یا تین جوئیں مار دیں یا اپنے بدن یا کپڑے سے اتار کر نیچے پھینک دیں یا کپڑا دھوپ میں پھیلا دیا تاکہ مرجائیں یا کسی دوسرے کو بتایا کہ اسے نکال کر مار دو تو جتنا چاہے مثلاً مٹھی بھر غلہ صدقہ کر دے کیوں کہ جوں بدن کے میل سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر زمین پر چلتی ہوئی جوں مار دی تو کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔ ٹڈی خشکی کا شکار ہے۔

### فدیہ دینے کا وقت اور جگہ:

حنفیہ کے نزدیک (۴۳۸) بکری یا اونٹ گائے وغیرہ ذبح کرنے کی جگہ بالاتفاق حرم ہے کیوں کہ جانور ذبح کرنا صرف اسی صورت میں عبادت ہوتا ہے جب اس کا تعلق کسی خاص وقت یا جگہ سے ہو۔ یہاں وقت تو مقرر نہیں اس لیے جگہ مقرر ہوگی۔

البتہ روزے جہاں چاہے رکھ سکتا ہے کیوں کہ روزے رکھنا ہر جگہ عبادت ہے۔ لگاتار روزے رکھنا شرط نہیں۔ اسی طرح صدقہ جہاں چاہے دے سکتا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک (۴۳۹) فدیہ یعنی وہ کفارہ جو محرم کے کسی ممنوع عمل کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اس کی تینوں قسمیں یعنی روزے، صدقہ اور قربانی کسی جگہ اور وقت کے ساتھ مختص نہیں۔ البتہ شکار کرنے اور ہم بستری کرنے کا کفارہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ دوسرے کفارے جب اور جہاں چاہے دے سکتا ہے اور انہیں اپنے وطن واپسی تک مؤخر کر سکتا ہے۔ البتہ جو کفارہ (ہدی) شکار کرنے یا ہم بستری کرنے پر واجب ہو وہ منیٰ یا مکہ میں ادا کرے۔ اگر رات کا کچھ حصہ عرفات میں اپنے قربانی کے جانور کے ساتھ وقوف کیا تو منیٰ میں ذبح کرے ورنہ مکہ میں۔

شافعیہ کے نزدیک (۴۵۰) کسی حرام فعل کے ارتکاب پر جو دم واجب ہوتے ہیں مثلاً کسی عذر کی بنا پر سر منڈا دیا یا رکن کے سوا کسی واجب کے ترک پر جو دم واجب ہوتے ہیں۔ مثلاً کفارے کے دم اور دم تمتع، دم قرآن اور سر منڈانے پر دم کسی وقت کے ساتھ مختص نہیں ہیں۔ البتہ رائج روایت کے مطابق حدود حرم میں ذبح کیے جائیں اور ان کا گوشت حرم کے فقرا اور مساکین کو دینا واجب ہے، خواہ وہ وہیں کے ہوں یا مسافر ہوں۔ تمام واجب دم اور ان کے متبادل صدقے کا غلہ حرم کے مساکین پر ہی تقسیم کیا جائے، نیز

جانور بھی حدود حرم میں ذبح کیا جائے۔ البتہ جس شخص کو حج ادا کرنے سے روک دیا گیا ہو وہ اپنے کفارے کا جانور وہیں ذبح کر دے جہاں اسے روکا گیا تھا۔ قضا حج کے کفارے کا دم اگلے سال اس حج کو قضا کرنے کے لیے احرام باندھنے سے پہلے دیا جا سکتا ہے اور دم تمتع عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اور مستند روایت کے مطابق حج کا احرام باندھنے سے پہلے دیا جا سکتا ہے۔

حنابلہ کے نزدیک (۳۵۱) جو دم یا صدقہ کسی واجب کے ترک یا حرام کے ارتکاب پر واجب ہو وہ حرم میں ہی دینا چاہیے۔ تمتع، قرآن اور نذر کے دم حدود حرم میں دینے واجب ہیں اور ان کا گوشت حرم کے مساکین پر تقسیم کیا جائے۔

افضل یہ ہے کہ جو دم حج کے دوران واجب ہو وہ منیٰ میں اور عمرہ کے دوران واجب ہو مروہ کے مقام پر دیا جائے۔ اگر کوئی شخص نہ تو خود جانور حدود حرم میں پہنچا سکتا ہے اور نہ اپنے کسی وکیل کے ذریعے تو جہاں ممکن ہو ذبح کر دے اور وہیں تقسیم کر دے۔ کسی عذر کی وجہ سے سر منڈانے، سلے ہوئے کپڑے پہننے، سر ڈھانپنے، خوشبو لگانے پر اور شکار کے سوا کسی دوسرے ممنوع کام پر واجب ہونے والا فدیہ حرم سے باہر بھی دیا جا سکتا ہے، خواہ کوئی مجبوری نہ ہو۔ اور فدیہ ذبح کرنے کا وقت ممنوعات احرام میں سے کسی کے ارتکاب کے بعد ہی شروع ہوتا ہے، اور اس سے پہلے تب شروع ہوگا جب اس کے جواز کا سبب پایا جائے جیسا کہ قسم کے کفارہ میں ہے (یعنی جس طرح قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دیا جا سکتا ہے، اسی طرح سر منڈانے سے پہلے کفارہ دیا جا سکتا ہے) شکار کرنے کا فدیہ اس وقت واجب ہوگا۔ جب شکار زخمی ہوا ہو اور کسی بھی واجب کے ترک پر اس وقت فدیہ واجب ہوگا جب واجب ترک کرے گا اور جسے حج سے روک دیا گیا ہو اسے جب روکا گیا

ہو اس وقت اس پر دم واجب ہوگا اور روزے ہر جگہ رکھے جاسکتے ہیں۔

۶۔ ایسے ممنوع افعال جن پر قیمت یا اس کی مثل دینا واجب ہے (یعنی شکار کرنے اور درخت کاٹنے کا بدلہ)۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شکار کو قتل کرنے پر قیمت واجب ہوتی ہے اور جمہور کے نزدیک مثلی جانوروں میں مثل واجب ہوتی ہے یا قیمت۔

امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں (۴۵۲) شکار مارنے یا اس کی نشان دہی کرنے پر قیمت واجب ہوگی۔ شکار سے مراد ہر وہ جانور ہے جو خشکی کا ہو اور فطری طور پر جنگل میں رہنے والا ہو، خواہ مباح ہو یا کسی کی ملکیت ہو، اس کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ مثلاً شیر اور چیتا اگر حملہ آور نہ ہوں، چیل، اُلو، ہرن اور شتر مرغ وغیرہ۔ کتا، بلی، سانپ، بچھو، مچھر، پسو، چیچری، کچھوا، پروانہ، مرغی اور بطخ وغیرہ شکار نہیں ہیں۔ جو کوئی انہیں قتل کرے اس پر ان کی قیمت واجب ہے خواہ دانستہ کرے یا غلطی سے یا اسے اپنا احرام میں ہونا یاد نہ ہو، خواہ پہلی بار ہی مار دے یا بار بار مار کر قتل کرے کیوں کہ یہ نقصان کا تاوان ہے پس مالی معاوضوں کے مشابہ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام یوسف کے نزدیک شکار کی قیمت کا اندازہ اس طرح کیا جائے گا کہ جہاں محرم نے اسے قتل کیا اور اس کے قریب اگر خشکی پر کوئی جگہ ہے تو وہاں جو قیمت ہو اس کا اندازہ دو ایسے عادل آدمی کریں جو جانوروں کی قیمت سے واقف ہوں کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فجزاء مثل ما قتل من النعم یحکم بہ ذوا عدل منکم (اس کا بدلہ یہ ہے کہ جو جانور قتل کیا گیا اس کی مثل دی جائے اور اس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل افراد کریں، المائدہ ۵: ۹۵) ہدایہ میں ہے کہ ایک آدمی بھی کافی ہے، دو ہونا بہتر ہے

کیوں کہ اس میں زیادہ اختیاط ہے اور غلطی کا امکان کم ہے جیسا کہ حقوق العباد میں یہی اصول ہے۔

قیمت متعین ہونے کے بعد شکار کرنے والے کو اختیار ہے چاہے تو اس قیمت کا جانور خرید کر مکہ میں ذبح کر دے اگر اس کی قیمت اتنی ہو کہ اس سے اونٹ، گائے یا بکری خرید کر قربانی کی جاسکتی ہو، چاہے تو غلہ خرید کر مساکین میں تقسیم کر دے۔ ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا جو دے اور اگر چاہے تو ہر نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا جو کے بدلے ایک روزہ رکھے۔ اگر نصف صاع سے کم غلہ بچ رہے تو اسے اختیار ہے چاہے تو اسے صدقہ کر دے اور چاہے تو اس کے بدلے ایک دن کا روزہ رکھے۔ حرم مکہ سے گھاس یا خود رو پودے، درخت کاٹنے پر ان کی قیمت واجب ہوتی ہے جب کہ انہیں کوئی بالغ فرد کاٹے خواہ حالت احرام میں ہو یا نہ ہو اور ان کی قیمت حرم کے شکار کے کفارے کی طرح تقسیم کر دی جائے البتہ اذخر اور سانپ کی چھتری اس سے مستثنیٰ ہے۔

مالکیہ کے نزدیک (۴۵۳) فدیہ کی طرح شکار کے کفارے کی تینوں اقسام کے بارے میں اختیار ہے البتہ ہدی (قربانی کے جانور) کے بارے میں اختیار نہیں۔ کفارے کی مقدار کا فیصلہ دو عادل فقیہ افراد کریں لیکن جس نے شکار کیا ہو وہ ان میں شامل نہ ہو۔ ایک فرد کافی نہیں اور یہ بھی درست نہیں کہ دوسرا فرد خود شکار کرنے والا ہو۔ کافر، فاسق، یا غیر ثقہ شخص اور غیر عالم جاہل شکار کے کفارے کا فیصلہ نہیں کر سکتا کیوں کہ جس شخص کو کسی کام کا ذمہ دار بنا جائے اس کے لیے اپنی ذمہ داری کے امور کا علم ہونا ضروری ہے۔

تینوں اقسام کے کفارے یہ ہیں:

پہلی قسم: جس شکار کو مارا ہو اس کی مثل جانور (اونٹ، گائے، بکری) جو قیمت اور

صورت میں یا صرف قیمت شکار کی مثل ہو، بشرطیکہ عمر اور بے عیب ہونے کے اعتبار سے ایسا ہو جس کی قربانی جائز ہو، چھوٹا جانور یا عیب دار جانور دینا کافی نہیں۔

**دوسری قسم:** غلے کی صورت میں شکار کی قیمت دینا۔ شکار کی قیمت کے برابر اس جگہ جہاں کہ غلہ تقسیم کیا جائے استعمال ہونے والا عمومی غلہ دیا جائے، اس میں شکار کی جگہ اور دن کی قیمت کا اعتبار ہے اور ہر مسکین کو شکار کی جگہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کی مقدار ایک مد غلہ دیا جائے۔ اگر وہاں مساکین موجود نہ ہوں اور اس کے قریبی علاقے کے مساکین کو دیا جائے۔

**تیسری قسم:** غلے کے برابر روزے رکھے جائیں: ایک مد غلے کے برابر ایک دن روزہ رکھے، مکہ معظمہ میں یا جہاں چاہے اور جس وقت چاہے روزے رکھ لے، اس میں حج کے دوران یا حج سے واپسی پر کی کوئی قید نہیں ہے۔

شکار کے کفارے کی مقدار کا فیصلہ کرنے والوں کے لیے طریقہ ہے کہ شتر مرغ یا ہاتھی کو مارنے پر ایک اونٹ، جنگلی گدھے یا جنگلی گائے کے شکار پر ایک گائے، بچو، لومڑی، ہرن اور حرم کے کبوتر اور فاختہ کو مارنے پر ایک بکری اور اس سے کم درجے کا جانور ہو تو لوگوں کو کھانا کھلایا جائے یا روزے رکھے جائیں جن کی قیمت کا تعین دو آدمی کریں۔ حرم مکہ اور مدینہ کے جن درختوں کا کاٹنا منع ہے ان کے کاٹنے پر مالکیہ کے نزدیک کوئی کفارہ نہیں۔

شافعیہ مالکیہ سے متفق ہیں (۴۵۴)۔ اگر محرم کوئی ایسا شکار مار ڈالے جس سے ماتا جلتا پالتو جانور ہوتا ہو تو وہ پالتو جانور کفارے کے طور پر دیا جائے۔ اگر اس طرح کا کوئی جانور نہ ہو تو قیمت دی جائے۔ اور جہاں اس شکار کی مثل جانور کفارے میں دینا ہو وہاں بھی تین طرح کا اختیار ہے۔ کفارے کا جانور ذبح کر کے اس کا گوشت حرم کے مساکین پر

تقسیم کرے یا نقدی میں اس کی قیمت لگا کر اس کا غلہ حرم کے مساکین پر تقسیم کرے یا ہر  
مُد غلے کے بدلے ایک دن کا روزہ رکھے اور جس شکار کی مثل موجود نہ ہو اس کی قیمت کا  
غلہ خرید کر صدقہ کرے یا ہر مُد غلے کے بدلے ایک دن کا روزہ رکھے۔ شتر مرغ کے  
بدلے اونٹ، جنگلی گائے اور گدھے کے بدلے گائے، ہرن کے بدلے بکرا، خرگوش کے  
بدلے ایک سال سے کچھ کم بکری کا بچہ، چوہے کی طرح کے جانور (ربوع) کے بدلے  
بکری کا چار ماہ کا بچہ جس نے دودھ پینا چھوڑ دیا ہو، بچو کے بدلے مینڈھا، لومڑی کے  
بدلے بکری اور گوہ کے بدلے بکری کا ایک سال کا بچہ۔ جن جانوروں کا کفارہ منقول نہیں  
ہیں ان کے بارے میں دو عادل شخص فیصلہ کریں، کیوں کہ ارشادِ ربانی ہے: یحکم بہ ذوا  
عدل منکم (اس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل شخص کریں، المائدہ ۵: ۹۵)۔ جن جانوروں  
کی مثل موجود نہیں ہوتی اور جن کے کفارے کے بارے میں سنت نبویؐ اور آثارِ صحابہؓ سے  
کوئی روایت منقول نہیں ہے ان میں قیمت لگائی جائے گی مثلاً ٹڈی اور دوسرے پرندے۔  
البتہ کبوتر اس سے مستثنیٰ ہے۔ قیمت لگانے میں اس کی اصل پر عمل ہوتا ہے کہ جو قیمت  
والی اشیا ہوں ان میں قیمت کا اعتبار ہے۔ قیمت میں اس جگہ کا اعتبار ہے جہاں شکار کیا  
گیا، مکہ معظمہ کی قیمت کا اعتبار نہیں۔ بڑے جانور کے بدلے بڑا اور چھوٹے کے بدلے  
چھوٹا۔ نر کے بدلے نر اور مادہ کے بدلے مادہ، تندرست کے بدلے تندرست اور عیب دار  
کے بدلے عیب دار دیا جائے بشرطیکہ عیب ایک ہی قسم کا ہو، موٹے کے بدلے موٹا اور  
دبلے کے بدلے دبلا۔ اگر بیمار کے بدلے تندرست یا عیب دار اور دبلے کے بدلے موٹا  
تازہ جانور دے دیا تو یہ افضل ہے۔ جس شکار کی مثل جانوروں میں موجود نہیں لیکن اس کا  
کفارہ صحابہؓ سے منقول ہے وہ کبوتر ہے کہ اس کے بدلے ایک بکری دی جائے۔



رانج روایت کے مطابق حرم مکی کے خود رو تر درخت اور نباتات کاٹنے پر تاوان ہے۔ حرم سے بڑا درخت کاٹنے پر ایک سال کی گائے اور چھوٹا کاٹنے پر ایک بکری اور بہت چھوٹا درخت کاٹنے پر اس کی قیمت۔ شافعیہ کا رانج مذہب یہ ہے کہ خود کاشت درخت اور پودے کاٹنے پر بھی اسی طرح کفارہ ہے اور ان کا کاٹنا اسی طرح حرام ہے جیسے کہ خود رو درختوں اور پودوں کا۔ البتہ اذخر اور کانٹے دار جھاڑیاں کاٹنا جائز ہیں کیوں کہ کانٹے موذی جانور کی طرح ایذا رساں ہیں، ان کے کاٹنے پر کفارہ نہیں ہے۔ صحیح تر قول یہ ہے کہ حرم سے گھاس یا جڑی بوٹیاں جانوروں کو چرانے کے لیے اور دوا، غذا یا اور کسی ضرورت کے لیے لینا جائز ہیں کیوں کہ یہ غذائی پیداوار کے مفہوم میں ہیں۔ جدید مذہب میں مدینہ کے شکار میں حرمت کے باوجود کفارہ نہیں ہے۔

حنابلہ بھی شافعیہ سے متفق ہیں (۳۵۵) شکار کے کفارے میں شکار کرنے والے کو اختیار ہے، چاہے تو اس کی مثل کفارے میں دے اور چاہے تو جہاں شکار کیا ہے اس جگہ یا اس کی قریبی جگہ میں جو اس کی قیمت ہو اس کا غلہ خرید کر ہر مسکین کو ایک مد گندم یا نصف صاع کوئی دوسرا غلہ دے دے یا ہر مسکین کے حصہ کے بدلے میں ایک روزہ رکھے، اگر مطلوبہ مقدار سے کم غلہ باقی بچ رہے تو ایک روزہ رکھے اور جس شکار کی مثل جانوروں میں موجود نہیں ان میں اختیار ہے چاہے قیمت لگا کر اس کا غلہ دے دے یا روزے رکھے، روزے مسلسل رکھنے ضروری نہیں۔

حرم مکہ کے درختوں اور پودوں کا کفارہ دینا ہوگا حتیٰ کہ غذائی پیداوار کا بھی۔ البتہ اذخر گھاس، سانپ کی کھنسی اور پھل اس سے مستثنیٰ ہیں۔ چھوٹے درخت کے بدلے ایک بکری اور بڑے کے بدلے گائے کی قربانی کرے۔ البتہ جانور کی قربانی اور اس کی قیمت

میں سے جو چاہے دے دے البتہ اس کی قیمت بھی شکار کے کفارے کی طرح مساکین میں تقسیم کرے۔ عام گھاس کی قیمت دینا بھی واجب ہے۔ مدینہ منورہ کے شکار اور درختوں کے کاٹنے کی حرمت کے باوجود اس پر کفارہ نہیں ہے۔

### شکار کے کفارے کے اصول:

ابن قدامہ نے شکار کے کفارے کے اصول بیان کیے ہیں (۳۵۶) جن کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

۱- محرم کے شکار کرنے پر کفارے کا وجوب: کفارے کے وجوب پر اہل علم کا اجماع ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعْمِ (اے ایمان والو، احرام کی حالت میں شکار نہ کرو، جو کوئی تم میں سے شکار کو مار ڈالے تو اس کا بدلہ اسی طرح کا جانور ہے جیسا کہ شکار مارا گیا، المائدہ ۵: ۹۵)۔**

### شکار کرنے کی دو صورتوں ہیں: مباح اور حرام

حرام: کسی ایسے سبب کے بغیر جس کے باعث شکار کو مارنا جائز ہو جائے اسے مار دینا حرام ہے۔

### مباح کی تین صورتیں ہیں:

۱- کھانے کے لیے اضطرار کی حالت پیش آ جائے تو علماء کا اتفاق ہے کہ شکار مارنا جائز ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: **وَلَا تَلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو، البقرہ ۲: ۱۹۵)** جب شکار کو مارے گا تو اس کا کفارہ دے گا، خواہ اس کے سوا کوئی چیز میسر ہو یا نہ ہو۔

۲- جب کوئی جانور حملہ آور ہو جائے اور اسے مارے بغیر ہٹانا ممکن نہ ہو تو اسے قتل کیا جا سکتا ہے اور اس کا کوئی کفارہ نہیں۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہؒ کی بھی یہی رائے ہے کیوں کہ اس کا قتل اس کے شر سے بچنے کے لیے ہے اس لیے اس پر کفارہ نہیں جیسا کہ حملہ آور شخص کو مارنے پر قصاص نہیں ہے۔

۳- جب کسی شکار کو کسی درندے یا شکاری کے پھندے سے چھڑاتے ہوئے یا اسے پکڑ کر اس کے پاؤں سے دھاگا وغیرہ کھولتے ہوئے۔ وہ شکار مر جائے تو کوئی کفارہ نہیں ہے کیوں کہ یہ کام شکار کے فائدہ کے لیے کیا جا رہا تھا جو مباح تھا اس لیے اس کے مر جانے پر کفارہ نہیں ہوگا۔

۲- شکار خواہ دانستہ مارے یا غلطی سے دونوں صورتوں میں کفارہ واجب ہے: اور تمام ائمہ مذاہب اس پر متفق ہیں کیوں کہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کے گوہ شکار کرنے پر ایک مینڈھا واجب کیا تھا“ اور آپؐ نے فرمایا ”شتر مرغ کے انڈے کو اگر محرم ضائع کر دے تو اس کی قیمت ادا کرے اور آپؐ نے یہ فرق نہیں کیا کہ عمد یا خطاء“ (۴۵۷)۔ نیز یہ کفارہ درحقیقت ایسے نقصان کی تلافی ہے جس میں عمد اور خطا دونوں برابر ہیں جیسا کہ کسی انسان کا مال ضائع کر دینا۔

۳- کفارہ صرف محرم پر واجب ہوتا ہے: حج اور عمرہ کے احرام میں کوئی فرق نہیں، حج خواہ افراد ہو یا قرآن کیوں کہ اس سلسلے کی نص عام ہے اور اس مسئلے میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔

۴- کفارہ شکار کرنے پر ہی واجب ہوتا ہے: کیوں کہ نص میں یہی بات آئی ہے، ارشاد ربانی ہے: وَلَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ (شکار کو نہ مارو، المائدہ ۵: ۹۵) شکار اسے کہتے ہیں جس

میں تین اوصاف جمع ہوں۔ ایک یہ کہ اس کا کھانا مباح ہو، دوسرے اس کا مالک کوئی نہ ہو اور تیسرے یہ کہ وہ جنگلی ہو۔ اگر شکار ایسا جانور ہے جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا مثلاً درندے اور گندے حشرات الارض اور پرندے اور دوسری حرام چیزیں تو ان کے مارنے پر کفارہ نہیں ہے۔ یہ اکثر اہل علم کی رائے یہ ہے۔ البتہ ان کی رائے میں ایسے جانور کے قتل پر کفارہ واجب ہوگا جو حلال اور حرام جانوروں کے ملاپ سے پیدا ہوا ہو مثلاً ہرنی اور چیتے کے ملاپ سے، کیوں کہ اس کے قتل کی حرمت کے پہلو کو ترجیح دینا احتیاط کا تقاضا ہے۔

جو جنگلی جانور نہیں مثلاً مویشی، گھوڑے، مرغی وغیرہ ان کو ذبح کرنے اور کھانے پر بالاتفاق کوئی کفارہ نہیں ہے اور جانوروں کے پالتو یا جنگلی ہونے کے سلسلے میں اعتبار اصل کا ہوگا ان کی موجودہ حالت کا نہیں۔

۵۔ بالاتفاق خشکی کے شکار پر کفارہ ہے سمندری شکار پر نہیں: کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: احل لکم صید البحر و طعامہ متاعاً لکم وللسیارة و حرم علیکم صید البر ما دتم حرم ما (تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اسے کھانا حلال ہے، تمہارے لیے اور مسافروں کے لیے سامان زیت ہے، جب تک تم احرام کی حالت میں ہو تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام ہے، المائدہ ۵: ۹۶)۔

کھاری سمندر کے جانوروں اور نہروں اور چشموں کے جانوروں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیوں کہ ”بحر“ کے لفظ کا اطلاق ان سب پر ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: وما یستوی البحران هذا عذب فرات سائغ شرابہ وهذا ملح اجاج ومن کل تاکلون لحمًا طریاً (دونوں قسم کے سمندر برابر نہیں، یہ میٹھا، خوشگوار، پینے میں مزیدار اور دوسرا کھاری کڑوا ہے لیکن تم ان میں سے ہر ایک سے تازہ گوشت نکال کر کھاتے ہو،

فاطر، ۱۲:۳۵)۔

سمندری جانور سے مراد وہ جانور ہے جو پانی میں رہتا ہے اور وہیں انڈے بچے دیتا ہے جیسا کہ مچھلی وغیرہ۔ اگر ایسا جانور ہو جو خشکی اور سمندر دونوں میں رہتا ہو مثلاً کچھوا، کیڑا تو وہ بھی مچھلی کی طرح ہے، اس کے شکار پر بھی کفارہ نہیں ہے۔ البتہ پانی کے پرندوں کے مارنے پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ کفارہ ہے اور ٹڈی کے قتل پر بھی اکثر علماء کے نزدیک کفارہ ہے۔

۶- شکار کرنے پر کفارے کے وجوب کی کیفیت: امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ قیمت واجب ہوتی ہے کیوں کہ شکار کی مثل دوسرے جانور نہیں ہوتے، جمہور کے نزدیک مویشیوں میں سے اس کی مثل واجب ہوتی ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فجزاء مثل ما قتل من النعم (اس کا بدلہ یہ ہے کہ شکار کی مثل مویشیوں میں سے کفارہ دیا جائے، المائدہ، ۵: ۹۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچو مارنے کے بدلے مینڈھا دینے کا فیصلہ فرمایا اور صحابہؓ کا اجماع ہے کہ جانوروں میں سے شکار کی مثل دی جائے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ”شتر مرغ کے بدلے اونٹ“ واجب ہے اور ابن عباسؓ اور ابو عبیدہؓ نے جنگلی گدھے کے بدلے اونٹ اور حضرت عمرؓ نے گائے دینے کا فیصلہ دیا۔ مثل سے مراد حقیقتاً مثل ہونا نہیں کیوں کہ مویشیوں اور شکار میں حقیقی مماثلت پائی جانا ممکن ہی نہیں، بلکہ مماثلت سے مراد شکل و صورت کی مماثلت ہے اور میرے نزدیک یہی قول راجح ہے۔

جو شکار مارے جاتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں:

۱- وہ قسم جس کے بارے میں صحابہؓ کے فیصلے موجود ہیں، ان میں وہی چیز واجب ہوگی جو صحابہؓ نے واجب کی اور حنابلہ اور شافعیہ کی یہی رائے ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ ان

میں بھی نئے سرے سے کفارہ طے کیا جاسکتا ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: یحکم بہ ذوا عدل منکم (تم میں سے دو عادل آدمی اس کا فیصلہ کریں، المائدہ ۵: ۹۵) لیکن مالکیہ کا مذہب بھی پہلی رائے کے مطابق ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ حنابلہ اور ان سے ہم آہنگ فقہاء کی دلیل حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں میں جسے ایک محرم نے مار ڈالا تھا مینڈھا دینے کا فیصلہ صادر فرمایا (۲۵۸)۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر محرم بچو مار ڈالے تو مینڈھا دے اور اگر ہرن مار ڈالے تو بکری اور خرگوش میں بکری کا ایک سال سے کم عمر کا بچہ اور چوہے کی طرح کے جانور میں بکری کا چار ماہ کا بچہ“ (۲۵۹)۔

۲- وہ قسم جس کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے کوئی فیصلہ منقول نہیں ہے اس میں دو تجربہ کار عادل مسلمان فیصلہ کریں، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: یحکم بہ ذوا عدل منکم (تم میں سے دو عادل مسلمان اس کا فیصلہ کریں، المائدہ ۵: ۹۵) فیصلے میں ایسا جانور دینے کا فیصلہ کریں جو شکار سے شکل صورت میں مشابہ ہو، نہ کہ قیمت میں کیوں کہ صحابہؓ کے فیصلوں میں قیمت میں مثلیت کا خیال نہیں رکھا گیا۔ حنابلہ کے ہاں فیصلہ کرنے والے کا فقیہ ہونا ضروری نہیں بلکہ عادل ہونا کافی ہے کیوں کہ یہ نص کا تقاضا ہے، مالکیہ کے نزدیک فقیہ ہونا بھی ضروری ہے۔

حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک شکاری خود بھی فیصلہ کرنے والوں میں شامل ہو سکتا ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: یحکم بہ ذوا عدل منکم (تم میں سے دو عادل اس کا فیصلہ کریں) عام ہے اور شکاری ایک دوسرے آدمی کے ساتھ مل کر ہمارے عادل افراد میں شامل ہے۔

## ۷۔ کفارے کی اقسام:

حنابلہ اور شافعیہ کی رائے میں بڑے شکار کے بدلے بڑا جانور اور چھوٹے کے بدلے چھوٹا، نر کے بدلے نر اور مادہ کے بدلے مادہ، تندرست کے بدلے تندرست اور عیب دار کے بدلے عیب دار دیا جائے، کیوں کہ ارشادِ ربانی ہے: فجزاء مثل ما قتل من النعم (اس کا بدلہ شکار کی مثل جانور ہے، المائدہ ۵: ۹۵) اور چھوٹے کی مثل چھوٹا ہی ہوتا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک اتنا جانور دینا ہوگا جس کی قربانی جائز ہے۔ چھوٹے شکار کے بدلے بڑا اور عیب دار کے بدلے تندرست جانور دینا ہوگا کیوں کہ ارشادِ ربانی ہے: ہدیاً بالغ الکعبۃ (ہدی (قربانی) جو کعبہ میں پہنچائی جائے، المائدہ ۵: ۹۵) اور ہدی میں چھوٹا جانور جائز ہے نہ عیب دار۔

## شکار کے کسی عضو کے ضائع ہونے کا تاوان:

حنابلہ نے مذکورہ بالا بیان پر اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر شکار کا کوئی عضو ضائع ہو گیا تو اس کا بھی کفارہ دینا ہوگا، کیوں کہ جب پورے شکار کا کفارہ واجب ہے تو اس کے جز کا کفارہ بھی واجب ہے جیسا کہ آدمی اور مال کے اجزاء کا کفارہ بھی واجب ہوتا ہے، نیز ارشادِ نبویؐ ہے: ”حرم کے شکار کو بھگایا نہ جائے“۔ تو زخمی کرنے کی ممانعت بطریق اولیٰ ہے اور نہی حرمت پر دلالت کرتی ہے، شکار کے سلسلے میں جو کام حرام ہے اس کا کفارہ اسی طرح واجب ہے جیسے کہ شکار کے مارنے پر واجب ہے، پس جس قدر نقصان پہنچایا جائے گا اسی قدر کفارہ واجب ہوگا، یہ اس صورت میں ہے جب کہ شکار کے زخم خود بخود مندمل ہو کر ٹھیک ہو جائیں اور اگر وہ ٹھیک نہیں ہوا بلکہ معذور ہو گیا تو پورے شکار کا کفارہ دینا ہوگا۔ معذور کر دینا ایسا ہی ہے جیسے کہ مار ڈالنا۔ اس سے شکار کی موت بھی واقع ہو

سکتی ہے، جیسا کہ اگر شکار کو اتنا زخمی کر دیا جائے کہ اس سے اس کی موت یقینی ہو تو پورے شکار کا کفارہ واجب ہوگا۔ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

زیادہ زخم آنے پر کفارہ:

اگر محرم نے کسی شکار کو زخمی کر دیا، جس سے وہ کسی چیز میں گر کر مر گیا تو اس کا کفارہ دے کیوں کہ اس کے زخمی کرنے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی، اسی طرح اگر شکار کو بھگایا اور وہ بھاگتے ہوئے مر گیا تو بھی اس کا کفارہ دے اور اگر رک کر کسی جگہ ٹھہر گیا اور وہاں مامون و محفوظ ہو گیا بعد میں مر گیا تو کفارہ نہیں ہے۔ حنابلہ کے نزدیک شکار کے زخمی ہونے کے بعد اور مرنے سے پہلے بھی کفارہ دیا جاسکتا ہے۔

تاوان کا اصول:

شکار کے تاوان کا اصول یہ ہے کہ جس عمل اور سبب سے انسانوں میں تاوان کا قانون لاگو ہوتا ہے اسی سے شکار میں بھی تاوان دینا ہوگا۔ اگر کسی کی سواری اپنے ہاتھ (یعنی اگلے دونوں پاؤں) یا منہ سے کسی جانور کو نقصان پہنچائے تو اس کا تاوان سوار کے ذمے ہے یا اس کے ڈرائیور کے ذمے ہے، اور اگر سواری کے (پچھلے دونوں) پاؤں تلے کوئی شکار کچلا جائے تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہے کیوں کہ پاؤں سے بچانا ممکن نہیں ہے۔

پرندوں کا تاوان دینے کا طریقہ:

جمہور کے نزدیک شتر مرغ کے بدلے میں اونٹ، کبوتر کے بدلے میں بکری دینا ہوگی کیوں کہ شتر مرغ اپنی شکل و صورت میں اونٹ کے مشابہ ہے اس لیے اونٹ اس کی مثل ہے اور آیت نے مثل واجب کی ہے۔ فجزاء مثل ما قتل من النعم (جو چیز ماری جائے اس کی مثل جانور بدلے میں دیا جائے، المائدہ ۵: ۹۵)۔ صحابہ کرامؓ سے منقول ہے کہ کبوتر کے



بدلے میں بکری دی جائے، نیز جو پرندے کبوتر سے بڑے ہوں، مثلاً حباری، سارس، کروان، چکور، اور پانی کے پرندوں میں سے بڑی مرغابی کے بدلے ایک بکری دی جائے۔  
امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ قیمت واجب ہوگی۔

اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ کبوتر وغیرہ کے سوا دیگر پرندوں میں اس جگہ کے اعتبار سے قیمت واجب ہوگی جس جگہ پرندے کا شکار کیا گیا، اسی طرح پرندے کے انڈے میں پرندے کی قیمت دینا پڑے گی کیوں کہ ابن عباسؓ کا قول ہے: ”شتر مرغ کے انڈے میں شتر مرغ کی قیمت دینا ہوگی“۔ مالکیہ کے نزدیک (۳۶۰) شکار کے انڈے اور پیٹ کے بچے میں اس کی ماں کی دیت کا دسواں حصہ واجب ہوگا۔

#### ۸- شکار کے کفارے کے بارے میں اختیار:

تمام مذاہب کا اتفاق ہے کہ شکار کرنے والے کو تین امور میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی اجازت ہے، جس طریقے سے چاہے کفارہ دے دے، خواہ خوش حال ہو یا تنگ دست اور وہ تین امور یہ ہیں: (۱) شکار کی مثل جانور ذبح کرنا (۲) شکار کی قیمت لگا کر اس کا غلہ خرید کر ہر مسکین کو ایک مدغلہ دینا۔ (۳) ہر مدغلے کے بدلے ایک دن کا روزہ رکھنا، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: هدياً بالغ الكعبة أو كفارة طعام مساكين أو عدل ذلك صياماً (قربانی کا جانور جسے کعبہ میں پہنچایا جائے یا کفارے کے طور پر مساکین کو کھانا کھلانا یا اس کے برابر روزے رکھنا، المائدہ ۵: ۹۵) او کا لفظ تخمیر کے لیے ہے یعنی تینوں امور شکار کی مثل جانور ذبح کرنا، کھانا کھلانا اور روزے رکھنا میں سے جو چاہے اختیار کر لے۔ اگر شکار کی مثل جانور کو اختیار کرتا ہے تو اسے ذبح کر کے حرم کے مساکین پر صدقہ کر دے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: هدياً بالغ الكعبة (قربانی کعبہ میں پہنچائی جائے) اور ہدی کو ذبح

کرنا واجب ہے اسے زندہ حالت میں مساکین پر صدقہ کرنا جائز نہیں کیوں کہ اس کا نام ہی ”ہدی“ ہے۔ یہ ہدی کسی بھی وقت ذبح کی جاسکتی ہے اس کا قربانی کے ایام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

### غلے کا اندازہ کرنے کا طریقہ اور غلے کی اقسام:

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر غلہ دینے کا کفارہ اختیار کرے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ شکار کی قیمت لگوا کر اس کا غلہ خریدے اور وہ مساکین پر تقسیم کرے کیوں کہ جب مثلی چیز کی قیمت طے کر لی جائے تو اس کی مثل کی قیمت واجب ہو جاتی ہے لیکن قیمت نقدی کی شکل دینا درست نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جن تینوں امور میں اختیار دیا ہے ان میں قیمت ادا کرنا نہیں ہے۔ کفارے میں غلے کی وہی اقسام دی جائیں جو صدقہ فطر اور کسی تکلیف کے باعث سر منڈانے کے فدیہ میں دی جاتی ہیں یعنی گندم، جو، کھجور اور کشمش۔ امام مالک کی رائے یہ ہے کہ مثل کی قیمت کے بجائے اصل شکار کی قیمت لگائی جائے کیوں کہ جب شکار کے مرنے کے باعث قیمت لگانی ہے تو اس کی قیمت ایسی اشیا کی طرح لگائی جانی چاہے جن کی مثل نہیں ہوتی۔

### روزہ رکھنے کا اندازہ:

روزوں کے بارے میں جمہور کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ ہر مُد غلے کے برابر ایک دن کا روزہ رکھے کیوں کہ یہ ایسا کفارہ ہے جس میں غلہ اور روزے دونوں صورتیں شامل ہیں تو کفارہ ظہار کی طرح اس میں بھی ایک مُد غلے کے برابر ایک دن کا روزہ ہوگا اور مُد ایک مسکین کے کھانے کی مقدار ہے اگر ایک مُد سے کم غلہ بچ رہے تو پورے ایک دن کا روزہ رکھے۔

امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ نصف صاع گندم کے بدلے ایک دن کا روزہ رکھے کیوں کہ ان کے نزدیک ایک مسکین کو نصف سے کم کفارے کے طور پر دینا جائز نہیں کیوں کہ جب مسکین کو غلہ دینے کی بات ہوگی تو شریعت نے جو مقدار مقرر کی ہے وہی مراد ہوگی۔

۹- ایسے شکار جس کا مثل موجود نہیں ہوتا، مثلاً ٹڈی: اسے مارنے والے کو اختیار ہے کہ اس کی قیمت کا غلہ خرید کر مسکین کو کھلائے یا روزے رکھے۔ منابلہ اور شافعیہ کے نزدیک بظاہر قیمت ادا کرنا جائز نہیں، بلکہ قیمت کے مطابق غلہ دینے یا ہر مد کے بدلے ایک روزہ رکھنے میں اختیار ہے۔

۱۰- بار بار شکار کرنا یا شکار کرنے میں شریک ہونا: جب بھی شکار کرے گا اس کا کفارہ دینا ہوگا، دوبارہ کرے گا تو اسی طرح کفارہ دینا ہوگا جیسا کہ پہلی بار کفارہ دینا ہوتا ہے کیوں کہ یہ شکار مارنے کا کفارہ ہے اس میں پہلی بار یا دوسری تیسری بار کا گناہ برابر ہے جیسے کہ کسی انسان کا قتل کہ پہلا دوسرا اور تیسرا برابر ہیں۔ چوں کہ یہ کفارے مارے جانے والے شکار کا معاوضہ ہیں خواہ مثل کے اعتبار سے ہو یا قیمت کے اعتبار سے پس یہ کسی انسان کا مال ضائع کرنے کے مشابہ ہے۔

اگر ایک شکار کو مارنے میں بہت سے لوگ شریک ہو جائیں تو حنابلہ کی صحیح روایت اور شافعیہ کی رائے میں ان سب پر ایک کفارہ ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فجزاء مثل ما قتل من النعم (جس طرح کا شکار کیا گیا ہو اس کی مثل جانور کفارے میں دیا جائے، المائدہ ۵: ۹۵) ایک گروہ نے شکار مارا تو ان سب پر اس کی مثل واجب ہوگی اور جو زائد ہو وہ مثل سے خارج ہے اس لیے کہ وہ واجب نہیں۔

حنفیہ (۴۶۱) اور مالکیہ کہتے ہیں اگر دو محرم ایک شکار کو مارنے میں شریک ہوں تو ان میں سے ہر ایک پر پورا کفارہ واجب ہوگا کیوں کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے پورے احرام کی بے حرمتی کی ہے اور اگر غیر محرم دو افراد حرم میں شکار کرنے میں شریک ہوں تو ان پر ایک کفارہ واجب ہوگا کیوں کہ یہاں کفارہ حرم کے احترام سے متعلق ہے، پس مال کے تاوان کے قائم مقام ہوگا جیسا کہ دو آدمی خطااً ایک شخص کو قتل کر دیں تو ان پر ایک دیت واجب ہوگی لیکن کفارہ ہر ایک پر الگ الگ واجب ہوگا۔

حنابلہ نے اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر شکار کرنے میں محرم کے ساتھ حلال یا کوئی درندہ بھی شریک ہو گیا تو حلال پر کوئی کفارہ نہیں اور محرم کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔

اگر حرم کے شکار میں محرم اور غیر محرم دونوں شریک ہو گئے تو کفارہ نصف دیں گے کیوں کہ شکار کی موت کا سبب ان میں سے ہر ایک اپنے نصف عمل کے برابر ٹھہرا ہے۔

۱۱- خریداری وغیرہ کے ذریعے شکار کا مالک ہونا یا ملکیت ختم ہونا یا وراثت کے ذریعے مالک ہونا:

اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی ملکیت میں کوئی شکار ہے اس نے احرام باندھ لیا تو اس کی ملکیت باقی رہے گی اور اس پر اس کا حکماً قبضہ رہے گا جیسا کہ اگر محرم کے اپنے شہر میں اس کے پاس یا اس کے نائب کے پاس کسی جگہ شکار موجود ہو تو وہ باقی رہتا ہے اور اگر مر جائے تو محرم پر کفارہ واجب نہیں ہوتا اور اس دوران میں اسے فروخت کرنے اور ہبہ وغیرہ کرنے کا اختیار بھی رہتا ہے۔ اگر کوئی محرم کسی سے شکار زبردستی چھین لے تو اسے واپس کرنا واجب ہے اور اس پر سے ظاہری قبضہ ختم کرنا ضروری ہے۔ اگر

شکار محرم کے قبضے میں یا سواری کے ساتھ یا خیمے میں یا ساتھ پنجرے میں یا رسی وغیرہ کے ساتھ بندھا ہوا ہے تو اسے چھوڑ دینا ضروری ہے۔

مالک کا قبضہ برقرار رہنے کی دلیل یہ ہے کہ اس نے شکار کے بارے میں احرام کی حالت میں کوئی عمل نہیں کیا اس لیے اس پر کوئی چیز نہیں ہوگی جیسے اگر کسی دوسرے کی ملکیت میں شکار ہو تو محرم پر کچھ واجب نہیں ہوتا۔

اگر محرم احرام کی حالت میں شکار خریدے یا ہبہ کے طور پر حاصل کرے تو اس کا مالک نہیں بن سکتا۔ اس کی دلیل صعب بن جثامہؓ کی حدیث ہے جو اوپر مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگلی گدھا اس کے مالک کو واپس کر دیا تھا کیوں کہ آپ احرام میں تھے۔ اگر خریداری یا ہبہ کے ذریعے لے لیا اور پھر مر گیا تو اس کا کفارہ دینا ہوگا۔ اگر خریدا تھا تو اس کی قیمت یا اصل شکار اس کے مالک کو واپس کرے اور اگر چھوڑ دیا تو اس کا تاوان مالک کو ادا کرے جیسا کہ اس نے ضائع کر دیا تو تاوان دینا ہوگا، البتہ کفارہ واجب نہیں ہوگا، صرف خریدا ہوا جانور واپس کرنا ہوگا۔

اگر محرم وراثت کے طور پر کسی شکار کا مالک ہوا تو اس کی ملکیت درست ہے کیوں کہ وراثت کے ذریعے مالک ہونے میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں کیوں کہ حکماً وہ اس کی ملکیت میں داخل ہو گیا خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند۔

## احرام کے ممنوع افعال کا جدول

### ممنوع افعال

جان بوجھ کر، غلطی سے، نادانی کی بنا  
پر یا کسی عذر کی وجہ سے ان افعال کے  
ارتکاب کی صورت میں ان کی سزا

<p>ایک بکری ذبح کرے</p>	<p>۱- بلا عذر سلعے ہوئے کپڑے یا جوتے پہننا</p>
<p>ایک بکری ذبح کرے</p>	<p>یا بلا عذر سر ڈھانپنا</p>
<p>ایک بکری ذبح کرے</p>	<p>۲- مرد اپنا سر اور عورت اپنا چہرہ ڈھانپنے۔</p>
<p>ایک بکری ذبح کرے</p>	<p>۳- جسم کے کسی حصے سے کسی طریقے سے</p>
<p>ایک بکری ذبح کرے</p>	<p>بال صاف کرنا۔</p>
<p>حنفیہ کے نزدیک چوتھائی سر مونڈنے پر فدیہ ہے اور اس سے کم پر صدقہ۔ مالکیہ کے نزدیک دس سے زائد بال صاف کرنے پر ایک بکری بطور فدیہ ہے ورنہ ایک مٹھی غلہ۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تین یا اس سے زائد بال صاف کرنے پر ایک بکری بطور فدیہ اور اس سے کم پر حنابلہ کے نزدیک ایک مسکین کو کھانا کھلانا اور شافعیہ کے نزدیک ایک بال پر ایک مد اور دو بالوں پر دو مد غلہ واجب ہے۔</p>	<p>۳- ناخن کاٹنا۔</p>
<p>حنفیہ کے نزدیک ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے ناخن کاٹنے پر فدیہ ہے اور دوسرے ائمہ کے نزدیک وہی تفصیل ہے جو بالوں کے بارے میں ہے۔</p>	<p>۴- مطلقاً خوشبو استعمال کرنا۔</p>
<p>فدیہ ایک بکری ذبح کرے۔</p>	<p>۵- شکار کرنا یا شکار کو پریشان کرنا۔</p>
<p>جمہور کے نزدیک اس کے مثل یا اس کی قیمت کا غلہ صدقہ کرے یا ہر مد غلے کے بدلے ایک روزہ رکھے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک قیمت کے برابر کفارہ ہے چاہے تو اس سے جانور خرید کر ذبح کرے اور چاہے تو اس کا غلہ خرید کر ہر مسکین کو نصف صاع گندم دے یا ہر نصف صاع کے بدلے ایک روزہ رکھے۔</p>	<p>۶- حرم مکہ کی نباتات یا درخت کاٹنا۔</p>
<p>مالکیہ کے نزدیک اس کا کوئی کفارہ نہیں، امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی قیمت واجب ہے اور شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک درخت کے چھوٹا بڑا ہونے کے فرق سے بکری یا گائے کی قربانی واجب ہے اور نباتات کی قیمت۔</p>	<p>۷- حرم مکہ کی نباتات یا درخت کاٹنا۔</p>

اس سے بالاتفاق حج فاسد ہو جاتا ہے۔ مالکیہ کے نزدیک منیٰ خارج ہونے سے بھی حج فاسد ہو جاتا ہے اور بالاتفاق اس کی قضا واجب ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اونٹ یا گائے ذبح کرنا واجب ہے اور مالکیہ کے نزدیک ہدیٰ واجب ہے۔ اگر وقوف عرفہ کے بعد ہو تو حنیفہ کے نزدیک اونٹ، گائے واجب ہے اور اس سے پہلے ہو تو بکری۔ عورت اگر سوئی ہوئی تھی یا اس سے زبردستی کی گئی تو امام احمد کے نزدیک اس پر فدیہ نہیں ہے۔ شافعیہ کے نزدیک اگر کسی نے بھولے سے بوس و کنار کر لیا یا بھولے سے یا مسئلہ معلوم نہ ہونے کے باعث ہم بستری کر لی یا عورت سے زبردستی ہم بستری کر لی گئی تو کوئی چیز واجب نہیں ہوگی اور نہ ان کے نزدیک حج فاسد ہوگا۔

۸- ہم بستری کرنا یا عورتوں سے بوس و کنار کرنا۔

## بحث دوازدهم: حج قضا ہو جانا اور حج سے روک دیا جانا:

فوات سے مراد جن امور سے حج قضا ہو جاتا ہے اور اس کا حکم ذیل میں مذکور

ہے (۳۶۲)۔

جن امور سے حج قضا ہو جاتا ہے:

جس کسی نے حج کا احرام باندھا، فرض کا ہو یا نفل کا، صحیح ہو یا فاسد پھر قربانی کے دن کی صبح صادق تک وقوف عرفہ نہیں کر سکا تو اس کا حج قضا ہو گیا، کیوں کہ وقوف عرفہ کا وقت دس ذوالحجہ کی صبح صادق تک ہے اور حج وقوف عرفہ کا نام ہے۔

ابن جزئی مالکی کہتے ہیں کہ اگر کسی نے حج کے تمام اعمال چھوڑ دیے تو خواہ عرفہ میں عید قربان کی صبح صادق تک وقوف کیا ہو یا نہ کیا ہو اس کا حج فوت ہو جائے گا، عمرہ قضا نہیں ہوتا کیوں کہ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔

### قضا حج کا حکم:

حنفیہ کہتے ہیں کہ جس کا حج قضا ہو جائے اس پر واجب ہے کہ عمرہ کے اعمال مکمل کر کے احرام کھول دے یعنی نیا احرام باندھے بغیر طواف اور سعی کر کے سر منڈالے یا بال کٹوالے پھر اگلے سال حج قضا کرے، اس کے ذمے کوئی دم نہیں ہے کیوں کہ عمرہ کے افعال ادا کرنے کے بعد احرام کھولنا اس کے حق میں اس دم کی طرح ہے جو وہ شخص دیتا ہے جسے حج سے روک دیا گیا اور دونوں چیزیں یعنی دم اور افعال عمرہ کی ادائیگی جمع نہیں ہو سکتیں۔ اگر حج قضا ہو جانا دم کا موجب ہو تو جس شخص کو حج ادا کرنے سے روک دیا گیا ہو اس پر دو دم واجب ہوں، ایک حج قضا ہونے کا اور دوسرا روک دیے جانے کا۔



جمہور کی رائے یہ ہے کہ جس کا حج قضا ہو جائے وہ عمرہ کے افعال ادا کر کے یعنی طواف اور سعی کر کے سر منڈا کر یا بال کٹوا کر احرام کھول دے اور وقفے کے بغیر اگلے سال حج قضا کرے اور قضا کرتے وقت اس کے ذمے ہدی (قربانی) واجب ہوگی البتہ حج کے باقی اعمال مثلاً مزدلفہ اور مشعر حرام پر وقوف، رمی اور منیٰ میں راتوں کو رہنا اس کے ذمے سے ساقط ہو جائے گا۔

### حج قضا ہونے کی دلیل:

قربانی کی رات کا آخری لمحہ ایسا وقت ہے کہ اگر اس وقت تک کوئی شخص عرفات میں نہ پہنچ سکا اور اس روز کی صبح صادق نمودار ہوگئی تو علماء کا اتفاق ہے کہ اس کا حج قضا ہو گیا کیوں کہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے ”جب تک نمازیں جمع کرنے والی رات کی صبح نہ ہو جائے حج قضا نہیں ہوتا۔ ابو الزبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا؟ انہوں نے کہا، ہاں“ (۴۶۳)۔ نیز ارشاد نبویؐ ہے: ”حج عرفہ ہے جو شخص نمازیں جمع کرنی والی رات کی نماز فجر سے پہلے وہاں پہنچ گیا، اس کا حج ہو گیا“۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمع کی رات یعنی مزدلفہ کی رات نکلنے سے حج فوت ہو جاتا ہے۔

ارشاد نبویؐ ہے: ”جو شخص رات کو عرفات میں پہنچ گیا اس کا حج ہو گیا اور جو رات کو بھی نہ پہنچ سکا، وہ عمرہ کر کے احرام کھول دے اور اگلے سال حج کرے“ (۴۶۴)۔

### عمرہ کے ذریعے احرام کھولنے کی دلیل:

حضرت عمر، ابن عمر وغیرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایت ہے (۴۶۵)۔ نیز حج قضا نہ ہو تب بھی اسے توڑ کر عمرہ میں تبدیل کرنا جائز ہے تو قضا ہونے کی صورت میں

بطریق اولیٰ جائز ہے۔

اگلے سال حج قضا کرنے کے وجوب کی دلیل، قضا ہونے والا حج خواہ واجب ہو یا نفل: صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ اور مروانؓ کی روایات سے ثابت ہے، نیز ارشاد نبویؐ ہے: ”جو عرفات میں نہیں پہنچ سکا اس کا حج قضا ہو گیا، وہ عمرہ کر کے احرام کھول دے اور اس پر اگلے سال حج کرنا واجب ہے“ (۴۶۶)۔ نیز حج شروع کرنے سے واجب ہو جاتا ہے اس لیے اس کی حیثیت منت کی سی ہوتی ہے۔ جب کہ دوسری نفل عبادات شروع کرنے سے واجب نہیں ہوتیں۔

حنفیہ کے سوا جمہور کے نزدیک ہدی کے وجوب کی دلیل مذکورہ بالا صحابہ کرامؓ کا قول ہے، نیز عطاءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس کا حج قضا ہو جائے اس کے ذمے دم ہے اور وہ اسے عمرہ میں تبدیل کر لے اور اگلے سال حج کرے“ (۴۶۷)۔ نیز اس نے اپنا احرام مکمل کیے بغیر کھول دیا ہے اس لیے اس پر ہدی واجب ہے، جیسے کوئی شخص حج قضا ہونے سے پہلے اپنا حج کا احرام کھول دے تو اس پر ہدی واجب ہوگی۔

جس کا حج قضا ہو جائے وہ اگر اگلے سال تک احرام میں رہنا چاہے:

اگر ایسا شخص اگلے سال تک احرام کی حالت میں رہنا چاہے تو اسے اختیار ہے کیوں کہ احرام کے آغاز اور حج کی ادائیگی کے درمیان طویل مدت حج کی ادائیگی سے مانع نہیں ہے، جیسا کہ عمرہ میں بھی ایسا ہی ہے یا جو شخص حج کے مہینوں کے سوا احرام باندھے تو اس کے لیے طویل عرصے تک احرام میں رہنا جائز ہے۔

## قضا کا طریقہ:

جمہور کے نزدیک اگر کسی کا حج قرآن فوت ہو گیا تو وہ احرام کھول دے اور اگلے سال حج قرآن کا احرام باندھے تاکہ جس طرح کا حج قضا ہوا ہے اسی طرح کا صورۃ اور معنی ادا ہو اور اس کے ذمے دو قربانیاں واجب ہوں گی ایک قرآن کی اور دوسری حج قضا کرنے کی۔  
حنفیہ کہتے ہیں کہ عمرہ کے لیے طواف وسعی کرے پھر جب تک حج کے لیے طواف اور وسعی نہ کر لے احرام نہ کھولے۔

## وقوف عرفات کے وقت میں غلطی:

اگر لوگوں کو غلطی لگ جائے اور وہ آٹھ یا دس ذوالحجہ کو عرفہ میں وقوف کر لیں یعنی عرفہ کی رات کے سوا کسی اور دن میں تو ان کا حج درست ہے اور ان پر قضا واجب نہیں کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”یوم عرفہ وہ ہے جسے لوگ یوم عرفہ کے طور پر منائیں“ (۴۶۸) کیوں کہ غلطی اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ دو گواہوں نے چاند کی یکم تاریخ سے ایک دن پہلے چاند نظر آنے کی گواہی دے دی اور لوگ آٹھ ذوالحجہ کو عرفہ میں چلے گئے یا آسمان پر بادل تھے، چاند نظر نہیں آیا اور دس ذوالحجہ کو عرفہ میں گئے اور اس طرح کے فیصاوں میں غلطی ہو جاتی ہے اس لیے حج درست ہے۔

اگر لوگوں میں اختلاف ہو گیا، کچھ لوگ صحیح وقت پر وقوف عرفہ کے لیے گئے اور کچھ لوگوں نے غلطی کی تو غلطی کرنے والوں کا حج نہیں ہوگا کیوں کہ اس صورت میں وہ معذور نہیں ہیں۔

## حج سے روک لیا جانا (احصار)

احصار کا مفہوم، اس کے احکام، اس صورت میں قربانی کا جانور کس جگہ اور کس وقت

ذبح کیا جائے، ایسا شخص کیا قضا کرے، رکاوٹ کا خاتمہ (۴۶۹)۔

### ۱- احصار کا مفہوم:

لغت میں احصار کا مفہوم ہے روکنا اور شرعی اصطلاح میں حنفیہ کے نزدیک محرم کوچ کے دو ارکان وقوف عرفہ اور طواف سے روکنا اور جمہور کے نزدیک محرم کوچ یا عمرہ مکمل طور پر ادا کرنے سے ہر طرح سے روکنا مراد ہے۔

حنفیہ کے نزدیک رکاوٹ کا سبب دشمن، بیماری، اخراجات کے لیے رقم کا ضائع ہو جانا، قید، ہڈیاں ٹوٹ جانا، لنگڑا ہو جانا یا اور کوئی ایسی رکاوٹ جس کی وجہ سے محرم نے جس عبادت کا احرام باندھا ہے اسے حقیقتاً یا شرعاً ادا نہ کر سکتا ہو۔ جس شخص کو مکہ میں وقوف عرفہ اور طواف سے روک دیا جائے وہ بھی محصر (روکا ہوا) ہے کیوں کہ وہ بھی حج مکمل کرنے سے معذور ہے اور اس شخص کے مشابہ ہے جسے حرم سے باہر روک لیا گیا ہو۔ اگر کسی ایک رکن کے ادا کرنے پر قادر ہے تو محصر نہیں ہے کیوں کہ اگر طواف پر قادر ہے تو طواف کر کے احرام کھول دے اور اگر وقوف عرفہ پر قادر ہے تو اس کا حج مکمل ہو جاتا ہے، اس صورت میں بھی محصر نہیں ہے۔

جمہور کے نزدیک جو رکاوٹ کسی شخص کو محصر بناتی ہے وہ دشمن کے باعث ہے۔ احرام باندھنے کے بعد اگر دشمن کی وجہ سے رکاوٹ پیدا ہوگی تو بالا جماع احرام کھولا جاسکتا ہے لیکن بیماری یا ایسے قرض کی وجہ سے قید جسے ادا کرنا ممکن ہے یا زاد راہ ختم ہونے کے باعث رکاوٹ پیدا ہو جائے تو احرام کھولنا جائز نہیں۔ اگر بیمار ہو گیا ہے تو صبر کرے تا آنکہ صحت یاب ہو جائے۔ جب تندرست ہو جائے تو جس مقصد کے لیے یعنی حج یا عمرہ کے لیے احرام باندھا ہے اسے پورا کرے۔ مقروض اپنا قرض ادا کرے اور حج کے لیے چلا

جائے۔ اگر قید کے دوران حج کا وقت نکل گیا تو اس کے لیے ضروری ہے کہ مکہ کا سفر کرے اور عمرہ کر کے احرام کھول دے اور اگلے سال قضا کرے۔ جس کا خرچ راستے میں ختم ہو گیا وہ دوسرے حاجی کے ہاتھ اپنا قربانی کا جانور بھیج دے تاکہ مکہ معظمہ میں ذبح کر دیا جائے اور احرام باندھے رہے تا آنکہ بیت اللہ تک پہنچنے پر قادر ہو جائے۔ پس جو کوئی دشمن کی رکاوٹ کے سوا کسی اور سبب سے بیت اللہ تک پہنچنے سے معذور ہو مثلاً بیمار ہو گیا ہو یا لنگڑا ہو گیا یا زاد راہ ضائع ہو گیا ہو یا راستہ بھول گیا ہو تو اس کے لیے احرام کھولنا جائز نہیں بلکہ صبر کرے تا آنکہ اس کا عذر ختم ہو جائے۔

جسے مکہ میں روک لیا گیا ہو:

جو شخص مکہ معظمہ میں دشمن، بیماری یا قید خواہ کسی حق کے باعث ہو، کی وجہ سے روک لیا گیا ہو اس نے اگر وقوف عرفہ کر لیا تو اس کا حج ہو گیا، البتہ طواف افاضہ کیے بغیر احرام نہ کھولے، خواہ کئی سال بعد اس کی نوبت آئے۔

احرام کھولنے کی شرائط:

اگر محرم نے احرام باندھتے وقت یہ شرط رکھ لی کہ بیماری کے باعث احرام کھول دے گا تو بیماری کے سبب احرام کھول دے، کیوں کہ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضباعتہ بنت زبیر کے ہاں گئے اور پوچھا، حج پر جا رہی ہیں؟ انہوں نے کہا بخدا، مجھے درد رہتا ہے، آپ نے فرمایا، ”حج کر لو اور شرط رکھ دو، یوں کہو اے اللہ! جہاں بھی مجھے درد نے روک لیا میں احرام کھول دوں گی“۔ اس پر دوسروں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے لیکن اگر احرام باندھتے ہوئے یہ شرط رکھ لی کہ جہاں کہیں رکاوٹ پیش آگئی تو احرام کھول لے گا حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس کی وجہ سے دم معاف نہیں

ہوتا۔ حنا بلکہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں کچھ بھی واجب نہیں ہوگا، ہدی نہ قضا نہ اور کوئی چیز کیوں کہ عبادات میں شرائط مؤثر ہیں۔

دلائل:

حنفیہ نے آیت: فان احصرتم فما استيسر من الهدى (اگر تمہیں روک لیا جائے تو جو ہدی باسانی دے سکو، دے دو، البقرہ ۲: ۱۹۶) کے عموم کی بنا پر رکاوٹ کے اسباب کو عام رکھا ہے رکاوٹ جیسے دشمنوں کے ذریعے ہوتی ہے بیماری وغیرہ کی وجہ سے بھی ہوتی ہے اور نصوص میں عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوص سبب کا نہیں کیوں کہ حکم الفاظ کے تابع ہوتا ہے اسباب کے نہیں۔ نیز کسائی اور ابو معاذ کا قول یہ ہے کہ بیماری کی وجہ سے رکاوٹ کو احصار اور دشمن کی وجہ سے رکاوٹ کو حصہ کہتے ہیں اس لیے آیت کا تعلق بطور خاص ایسی رکاوٹ سے ہے جو بیماری کے باعث ہو۔

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت فان احصرتم اس موقع پر نازل ہوئی جب کہ صحابہ کرام کو دشمن نے حرم میں جانے سے روک دیا تھا اور آیت کے آخری الفاظ میں اس پر دلیل بھی موجود ہے اور وہ ہے فاذا امنتم (جب تمہیں امن حاصل ہو جائے، البقرہ ۲: ۱۹۶) اور امن دشمن سے ہوتا ہے (۴۷۰)۔

نیز ابن عباس اور ابن عمر دونوں کی رائے یہ ہے کہ ”حصر صرف دشمن کے سبب ہوتا ہے“۔

مالکیہ کے نزدیک احرام کھولنے کی شرائط:

مالکیہ کہتے ہیں کہ محصر کی پانچ حالتیں ہوتی ہیں جن میں سے چار میں احرام کھولنا جائز ہے: وہ یہ ہیں کہ عذر احرام باندھنے کے بعد پیش آیا، یا پہلے سے تھا لیکن اسے معلوم نہیں تھا، یا معلوم تھا لیکن اس کا خیال تھا کہ رکاوٹ نہیں ہوگی یا اسے شک تھا کہ رکاوٹ

پیدا ہوگی یا نہیں اور اس نے رکاوٹ کی صورت میں احرام کھولنے کی شرط لگالی تھی۔

صرف ایک صورت میں احرام کھولنا جائز نہیں وہ یہ کہ ایک راستے میں رکاوٹ ہو اور کسی دوسرے راستے سے پہنچ سکتا ہو۔

### احرام توڑ دینا:

اگر محرم نے کہا کہ میں احرام توڑ کر حلال ہو رہا ہوں، پھر سلا ہوا لباس پہن لیا، شکار کر لیا اور سب وہ کام کرنے لگ گیا جو حلال شخص کرتا ہے تو ایسا شخص بدستور احرام میں رہے گا اس کا احرام باقی رہے گا، اس کے احکام اس پر جاری ہوں گے اور ہر غلطی جس کا وہ ارتکاب کرے گا اس کا کفارہ دینا ہوگا اور ہر فعل پر اس پر دم واجب ہوتا جائے گا۔ اگر ہم بستری کرے گا تو اونٹ ذبح کرے، اس کے سوا دوسرے دم جو اس پر واجب ہوتے رہیں گے اور اس کا حج فاسد ہو جائے گا، احرام توڑنے کی وجہ سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کیوں کہ محض نیت اس سلسلے میں مؤثر نہیں ہوتی۔

### بیوی کا نفل حج کا احرام کھلوا دینا:

شافعیہ اور حنفیہ کے مطابق شوہر کو یہ اختیار ہے کہ وہ بیوی کا احرام کھلوا دے، جیسا کہ شروع سے فرض یا نفل حج کا احرام باندھنے سے روکنے کا اختیار ہے بشرطیکہ اس نے بلا اجازت احرام باندھ لیا ہو، تاکہ شوہر کو بیوی سے لطف اندوز ہونے کا جو حق ہے وہ معطل نہ ہو، جیسا کہ شوہر کو بیوی کا نفل روزہ تڑوانے کا اختیار ہے۔ اگر شوہر نے اجازت دے دی تھی، پھر احرام نہیں کھلوا سکتا کیوں کہ وہ اپنے نقصان پر راضی ہو گیا تھا۔

حنفیہ کے نزدیک فوری طور پر بغیر جانور ذبح کیے احرام کھلوا سکتا ہے اور شافعیہ کے نزدیک ہدی کا جانور ذبح کر کے۔ بیوی کا احرام کھلوانے کا مطلب یہ ہے کہ اسے احرام

کھولنے کا حکم دے اور وہ اسی طرح احرام کھول دے جیسے محصر احرام کھولتا ہے۔ اگر شوہر نے اسے حکم نہیں دیا تو اس کے لیے احرام کھولنا جائز نہیں۔ شوہر ایسی بیوی کا جسے طلاق رجعی یا بائن دے چکا ہو احرام نہیں کھلوا سکتا، ہاں اگر عدت باقی ہو تو اسے سفر سے روک سکتا ہے۔ جب عدت ختم ہو جائے تو عمرہ کر لے اور اگر حج کا وقت ہو تو حج بھی کر لے ورنہ عمرہ کر کے احرام کھول دے اور اگلے سال حج قضا کرے اور قضا کا دم بھی دے۔

## ۲- احصار کے احکام:

احصار (حج یا عمرہ سے روک دیا جانا) سے متعلق کئی احکام ہیں لیکن اصل دو حکم ہیں ایک احرام کھولنے کا جواز اور دوسرے احرام کھولنے کے بعد جس عبادت کا احرام باندھا تھا اس کی قضا۔

پہلا حکم یعنی احرام کھولنے کا جواز: اس میں احرام کھولنے کا مفہوم، اس کے جواز کی دلیل، احرام کیسے کھولا جائے اور ہدی کب اور کہاں ذبح کی جائے، ان امور کا بیان ہوگا۔  
احرام کھولنے کا مفہوم:

اس سے مراد شریعت کے مقرر کردہ طریقے کے مطابق احرام توڑ دینا اور اس سے باہر نکل آنا ہے اس کے جواز کی دلیل ارشاد ربانی ہے: فان احصرتم فما استیسر من الہدی (اگر تمہیں روک لیا جائے تو جو ہدی میسر ہو دے دو، البقرہ ۲: ۱۹۶) اس میں یہ مفہوم پوشیدہ ہے کہ اگر تمہیں حج اور عمرہ مکمل کرنے سے روک دیا جائے اور تم احرام کھولنا چاہو تو جو ہدی میسر ہو ذبح کر کے احرام کھول دو کیوں کہ محض رکاوٹ سے ہدی واجب نہیں ہوتی۔  
احرام کیسے کھولے:

اگر بیت اللہ تک پہنچنا ممکن ہو تو عمرہ کر کے احرام کھول دے اور اگر وہاں پہنچنا ممکن



نہ ہو تو ہدی ذبح کرے۔ حنفیہ کے نزدیک ہدی کا جانور یا قیمت بھیج دے تاکہ اس سے جانور خرید کر مکہ میں ذبح کیا جائے اور جو ہدی نہ ذبح کرے وہ حلال نہیں ہو سکتا۔ حنفیہ کے نزدیک خواہ اس نے احرام باندھتے وقت احصار کی صورت میں بغیر ہدی کے احرام کھولنے کی شرط رکھی ہو یا نہ رکھی ہو۔

ہدی: اونٹ، گائے اور بکری ہے۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ جسے روک لیا گیا ہو وہ ہدی ذبح کر کے احرام کھول دے، خواہ حاجی ہو یا عمرہ کی نیت سے جا رہا ہو یا قرآن کی نیت سے کیوں کہ آیت میں ہے: فان احصرتم فما استیسر من الہدی (اگر تمہیں روک لیا جائے تو جو میسر ہو ہدی دے دو، البقرہ ۲: ۱۹۶) یہ آیت حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی جب مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ سے روک دیا، آپ عمرہ کی نیت سے جا رہے تھے، آپ نے جانور ذبح کیے پھر سر منڈوا دیا اور اپنے صحابہ سے کہا ”اٹھو، قربانی کرو پھر سر منڈوا دو“ (۴۷۱)۔

اگر قارن ہو تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کے ذمے ایک ہی دم ہے اور حنفیہ کے نزدیک دو دم ہیں۔ اس بنا پر قارن نے حنفیہ کے نزدیک دو احرام باندھے ہوئے ہیں اس لیے دو دم دیے بغیر حلال نہیں ہو سکتا اور دوسرے فقہاء کے نزدیک اس نے ایک ہی احرام باندھا ہوا ہے، عمرہ کا احرام حج کے احرام میں شامل ہو گیا ہے اس لیے ایک ہی دم کافی ہے۔

اگر محصر کے پاس ہدی نہ ہو اور وہ ہدی دینے سے عاجز ہو تو حنابلہ کے نزدیک دس دن کے روزے رکھے، تین ایام حج میں اور سات اپنے وطن واپس پہنچ کر کیوں کہ یہ احرام کی وجہ سے واجب ہوا ہے اس لیے دم تمتع اور خوشبو لگانے یا سلا ہوا لباس پہننے پر جس

طرح دم کا بدل ہے اسی طرح دم احصار کا بھی بدل ہے۔ جب تک روزے نہ رکھ لے یا قربانی نہ کر لے احرام نہ کھولے کیوں کہ روزے یا قربانی افعال حج کے قائم مقام ہیں، اس لیے ان کی تکمیل سے پہلے احرام کھولنا درست نہیں۔ شافعیہ کے نزدیک صحیح روایت کے مطابق اگر ہدی میسر نہ ہو تو بکری کی قیمت لگا کر اس کا غلہ خرید کر تقسیم کرے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو ہر مد کے بدلے ایک دن کا روزہ رکھے۔ اگر روزے رکھنا چاہتا ہے تو راجح روایت کے مطابق فوراً احرام کھول سکتا ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں: احصار میں جو ہدی واجب ہے اس کا کوئی بدل نہیں ہے کیوں کہ قرآن نے اس کا بدل ذکر نہیں کیا۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تین اشیا سے احرام کھل جائے گا: جانور ذبح کرنے سے، ذبح کرتے وقت احرام کھولنے کی نیت سے اور اس کے بعد سر منڈانے یا بال کٹوانے سے کیوں کہ حدیث میں ہے: ”اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے“ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن سر منڈایا تھا اور حج و عمرہ کے دوران آپ کے افعال و جوب پر دلالت کرتے ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک سر منڈانا بھی شرط ہے لیکن حلال ہونے کی شرط نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک محصر صرف جانور ذبح کرنے سے سر منڈانے بغیر حلال ہو جائے گا کیوں کہ اوپر مذکور آیت میں مطلقاً جانور ذبح کرنے کا حکم ہے: فان احصرتم فما استیسر من الہدی (اگر تمہیں روک لیا جائے تو جو ہدی باسانی میسر ہو ذبح کر دو البقرہ ۲: ۱۹۶) جن فقہاء نے سر منڈانے کو واجب قرار دیا ہے ان کے نقطہ نظر سے یہ واجب کا ایک حصہ ہے جو نص کی تصریح کے خلاف ہے کیوں کہ سر منڈانا افعال حج سے حلال ہونے

کے لیے ہے جب کہ محصر نے افعال حج ادا ہی نہیں کیے اس لیے اس کے ذمے سر منڈانا نہیں ہے۔ حدیبیہ میں سر منڈانے کی حدیث استحباب اور استحسان پر محمول ہے۔

مالکیہ کے نزدیک جس شخص کو کسی دشمن یا فتنہ و فساد کی وجہ سے حج یا عمرہ سے روک دیا گیا ہو وہ جب تک اس کے ختم ہونے کی توقع رکھتا ہے انتظار کرے، اور جب مایوس ہو جائے تو حرم میں یا حرم سے باہر جہاں کہیں بھی ہو وہیں احرام کھول دے اور اس کے ذمے نہ ہدی ہے اور نہ دم۔ ہاں اگر وہ ہدی ساتھ لایا تھا تو اسے ذبح کر دے اور نیت کے ذریعے نیز سر منڈا کر دو شرائط کے ساتھ حلال ہو جائے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ جب اس نے احرام باندھا تھا اس وقت اسے رکاوٹ کا علم نہیں تھا اور دوسرے یہ کہ وقوف عرفہ سے قبل رکاوٹ ختم ہونے کی امید نہ ہو۔ مشائخ مالکیہ کے نزدیک مستند مذہب یہ ہے کہ اس وقت تک احرام نہ کھولے جب اسے یقین ہو جائے کہ اگر اب رکاوٹ ختم بھی ہو جائے تب بھی یہاں سے روانہ ہو کر وقوف عرفہ کے لیے نہیں پہنچ سکتا۔ اگر اسے معلوم ہو یا گمان یا شک ہو کہ وقوف عرفہ سے پہلے رکاوٹ ختم ہو جائے گی تو جب تک وقوف عرفہ کا وقت ختم نہ ہو جائے احرام نہ کھولے اور جب وقوف عرفہ کا وقت نکل جائے تو عمرہ کر لے۔

حنفیہ کے نزدیک ہدی ذبح کرنے کی جگہ:

حرم ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: **وَلَا تَحْلِقُوا رُؤُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ** (اس وقت تک سر نہ منڈاؤ جب تک ہدی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے، البقرہ ۲: ۱۹۶) اگر ہر جگہ ہدی کا محل ہو تو اس کی اپنی جگہ کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی اور اس کی جگہ کا ذکر قرآن نے دوسری جگہ کیا ہے: **ثُمَّ مَحَلُّهَا إِلَىٰ الْبَيْتِ الْعَتِيقِ** (پھر اس کی جگہ بیت عتیق ہے، الحج ۲۲: ۲۳) یعنی وہ قطعہ ارض جس پر بیت اللہ ہے۔ اس لیے حنفیہ کے نزدیک دم احصار حرم کے

باہر ذبح کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے محصر کسی کے ہاتھ حرم میں بکری بھیج دے اور اس کے ساتھ دن طے کر لے کہ فلاں دن یہ ذبح کر دی جائے، اس کے بعد احرام کھول دے، اب اس کے لیے وہ چیزیں حلال ہو جائیں گی جو ممنوع تھیں۔ جس شخص کو عمرہ سے روک دیا جائے وہ جہاں چاہے ہدی ذبح کر دے۔ صدقہ اور روزے ہر جگہ درست ہیں، جہاں چاہے صدقہ دے دے اور روزے رکھ لے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک قربانی کے دن سے پہلے ہدی ذبح کرنا جائز ہے کیوں کہ نص مطلق ہے، نیز ہدی جلدی احرام کھولنے کے لیے مقرر ہوئی ہے۔ صاحبین کے نزدیک محصر کے لیے قربانی کے دن سے پہلے حج کے دوران ہدی ذبح کرنا جائز نہیں کیوں کہ یہ دم تمتع اور دم قرآن کی مانند ہے۔ پہلی رائے کے مطابق جو کہ راجح ہے ہدی کسی بھی وقت ذبح کی جاسکتی ہے اس کے لیے قربانی کے دن کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں، خواہ رکاوٹ حج ادا کرنے میں پیش آئی ہو یا عمرہ ادا کرنے میں۔

احرام کھولنے کا حکم یعنی اس کے اثرات:

احرام کھلنے سے حلال ہو جائے گا اور وہ تمام کام جو احرام کے دوران حرام تھے جائز ہو جائیں گے کیوں کہ احرام کی پابندی ختم ہو گئی ہے، اب جس طرح احرام باندھنے سے پہلے تھا اسی طرح ہو گیا ہے۔

حنفیہ کے سوا جمہور کی رائے یہ ہے کہ جو حلال ہونا چاہے تو حرم میں یا حرم سے باہر جہاں بھی روک دیا گیا ہو، جس وقت روکا گیا بکری ذبح کرے اور حلال ہو جائے کیوں کہ آیت مطلق ہے: فان احصرتم فما استیسر من الہدی (اگر تمہیں روک لیا جائے تو جو ہدی میسر ہو دے دو، البقرہ ۲: ۱۹۶) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کفار قریش نے

حدیبیہ کے مقام پر روک دیا تھا تو آپ نے ہدی ذبح کر دی، سرمنڈا دیا اور عید قربان کے دن سے پہلے ہی حلال ہو گئے پس جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں جانور ذبح کر دیا جہاں آپ کو روکا گیا محصر بھی وہیں ذبح کر دے۔

اگرچہ قربانی کے دن سے پہلے احرام کھول دینا جائز ہے لیکن شافعیہ، حنابلہ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ احرام باقی رکھے، ہو سکتا ہے رکاوٹ کسی بھی وقت ختم ہو جائے۔ اگر احرام کھولنے سے پہلے رکاوٹ ختم ہو گئی تو بالاتفاق افعال حج یا عمرہ ادا کرنے کے لیے روانہ ہو جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر ہدی ساتھ نہ لایا ہو تو مالکیہ کے نزدیک محصر پر ہدی نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک محصر پر ہدی ہے۔

محصر کے بارے میں دوسرا حکم مندرجہ ذیل ہے:

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حج سے روک دیا گیا تو اس پر حج اور عمرہ کی قضا واجب ہے کیوں کہ وہ ایسے شخص کے مشابہ ہے جس کا حج فوت ہو گیا اور اس نے عمرہ کر کے احرام کھول دیا ہو۔ اگر ادا نہیں کر سکا تو قضا کرے، یہ اس صورت میں ہے جب کہ اس سال حج نہیں کر سکا۔ اگر اس سال حج کر لیا تو پھر اس کے ذمے عمرہ نہیں ہے کیوں کہ اس کا حج فوت نہیں ہوا۔

جس شخص کو عمرہ سے روک دیا گیا ہو وہ عمرہ کی قضا کرے اور جسے حج قرآن سے روک دیا گیا ہو وہ ایک حج اور دو عمرے کرے، ایک حج اور ایک عمرہ کی وجہ اوپر بتا دی گئی ہے کیوں کہ وہ ایسے شخص کے مشابہ ہے جس کا حج فوت ہو گیا اور دوسرا عمرہ اس لیے کہ اس نے عمرہ شروع کر لیا تھا اسے مکمل کیے بغیر اس سے نکل گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک احرام کھولنے کے بعد جس کام کا احرام باندھا تھا اس کی قضا واجب ہے۔

ا۔ اگر صرف حج کا احرام باندھا تھا تو اگر رکاوٹ ختم ہونے کے بعد حج کا وقت باقی ہے اور اسی سال حج کرنا چاہتا ہے تو احرام باندھے اور حج کر لے، اس کے لیے قضا کی نیت نہ کرے اور نہ عمرہ کرنے کی ضرورت ہے اگر ایک سال گزر گیا تو قضا کی نیت سے حج کرے اور ساتھ عمرہ بھی کرے۔ قضا کی نیت کیے بغیر پہلا حج ذمے سے ساقط نہیں ہوگا۔

ب۔ اگر عمرہ کا احرام باندھا تھا تو جب چاہے اسے قضا کر لے کیوں کہ وہ شروع کرنے سے واجب ہو گیا تھا اور اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔

ج۔ اگر قرآن کی نیت کی تھی اور حج اور عمرہ کا احرام باندھا تھا تو ایک حج اور دو عمرے قضا کے طور پر کرے۔ ایک حج اور عمرہ اس لیے کے یہ دونوں شروع کر کے چھوڑ دیے تھے اور دوسرا عمرہ اس لیے کہ اس سال اس کا حج فوت ہو گیا تھا کیوں کہ رکاوٹ کی صورت میں عمرہ کرنا واجب ہو جاتا ہے، کیوں کہ دونوں واجب عبادتوں (حج اور عمرہ) میں سے عمرہ کم از کم عبادت ہے اس لیے وہ یقینی طور پر متعین ہے۔

قضا کے واجب ہونے پر حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حدیبیہ میں احرام کھول دیا تھا تو اگلے سال اسے قضا کیا اور اس کا نام عمرۃ القضاء رکھا گیا، کیوں کہ جب عمرہ مکمل کیے بغیر احرام کھول دیا جائے تو قضا واجب ہوتی ہے جیسا کہ حج فوت ہو جائے تو قضا واجب ہوتی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جو شخص عمرہ کر کے یا صرف نیت سے احرام کھول دے اور اس پر فرض حج یا واجب تھا تو اس طرح احرام کھولنے سے فرض حج ساقط نہیں ہوتا۔ لیکن اگر وہ

نفل حج کر رہا تھا تو اگر رکاوٹ بیماری کی وجہ سے یا حساب میں غلطی کی وجہ سے یا کسی حق کی وجہ سے قید ہونے پر پڑی ہے تو اسے قضا کرے اور اگر رکاوٹ دشمن کے باعث یا فتنہ و فساد کی وجہ سے یا ظلماً قید ہونے کی وجہ سے پڑی ہے تو قضا کرنا ضروری نہیں۔

شافعیہ کے نزدیک جو شخص نفل حج یا عمرہ ادا کر رہا تھا اسے کسی عام یا خاص سبب سے روک لیا گیا تو اس پر قضا واجب نہیں ہے کیوں کہ قرآن و حدیث میں اس کا حکم نہیں ہے۔ حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ صحابہؓ گوروک لیا گیا تھا لیکن اگلے سال آپؐ کے ساتھ تھوڑے لوگوں نے عمرہ کیا، ان کی زیادہ سے زیادہ تعداد سات سو بتائی جاتی ہے۔

اگر نفل نہیں تھا تو اگر پختہ فرض حج تھا مثلاً جس سال حج فرض ہوا اور کرنا ممکن تھا اس کے بعد کے کسی سال میں فرض ادا کر رہا تھا یا قضا یا نذر حج تھا تو یہ فرض اس کے ذمے باقی رہے گا جیسا کہ نماز شروع کر کے توڑ دی جائے تو ذمے میں باقی رہتی ہے۔ اور اگر فرض حج تھا لیکن پختہ نہیں تھا مثلاً جس سال حج فرض ہوا اور کرنا ممکن تھا اسی سال کا حج ادا کر رہا تھا تو رکاوٹ ختم ہونے کے بعد استطاعت کا اعتبار ہوگا اگر دوبارہ استطاعت ہوئی تو حج واجب ہوگا ورنہ نہیں۔

حنابلہ کا بھی صحیح مذہب یہی ہے۔ اگر محصر نے احرام کھول دیا اور بیت اللہ تک پہنچنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں تو اس پر قضا واجب نہیں، البتہ اگر حج واجب تھا تو پچھلا وجوب باقی رہے گا اسے ادا کرے اور اگر نفل تھا تو وقت میں گنجائش ہونے کے باوجود احرام کھول دینا جائز ہے۔ اس کی قضا واجب نہیں جیسا کہ روزہ واجب سمجھ کر شروع کیا ہو لیکن واجب نہ ہو تو توڑنے پر قضا نہیں ہے۔ حنفیہ نے قضا عمرہ کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس

کے بارے میں یہ ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو عمرہ قضا کرنے کا حکم دیا ہو، نیز جن لوگوں نے اگلے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عمرہ کیا ان کی تعداد کم تھی جیسا کہ مذہب شافعیہ کے ذیل میں گزر چکا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ قضا کو واجب قرار دیتے ہیں، جمہور واجب قرار نہیں دیتے۔

### ۳- احصار (رکاوٹ) کا ختم ہو جانا:

حنفیہ کہتے ہیں: اگر احرام کھولنے سے پہلے رکاوٹ ختم ہو گئی تو اگر روانہ ہو کر اپنی بھیجی ہوئی اس ہدی تک پہنچ سکتا ہے جو حرم میں ذبح کرنے کے لیے بھیجی تھی اور حج کر سکتا ہے تو اس کے لیے احرام کھولنا جائز نہیں بلکہ واجب ہے کہ روانہ ہو جائے کیوں کہ متبادل عمل کی تکمیل سے پہلے اس کی معذوری ختم ہو گئی اب اپنی ہدی کا جو چاہے کرے کیوں کہ وہ اس کا مالک ہے اور جس مقصد کے لیے مختص کی گئی تھی اب وہ باقی نہیں رہا۔

اگر روانہ ہو کر ہدی تک پہنچ سکتا ہے لیکن حج نہیں کر سکتا تو احرام کھول دے کیوں کہ اصل مقصد حاصل نہیں کر سکتا اور اگر حج کو پہنچ سکتا ہے لیکن ہدی کو نہیں تو استحساناً احرام کھولنا جائز ہے تاکہ اس کا مال ضائع نہ چلا جائے البتہ افضل یہ ہے کہ ادائے حج کے لیے روانہ ہو جائے۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ جب احرام کھولنے سے پہلے رکاوٹ ختم ہو جائے تو اسے افعال حج و عمرہ ادا کرنے کے لیے روانہ ہو جانا چاہیے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اگر حج کے بعد رکاوٹ ختم ہوئی تو عمرہ کر کے احرام کھول دے اور اگر رکاوٹ ختم ہونے سے پہلے حج کا وقت نکل گیا تو ہدی ذبح کر کے احرام کھول دے۔

اگر فرض حج کرنے جا رہا تھا یا کوئی دوسرا واجب حج تھا تو ارکان حج کی ادائیگی کے



لیے روانہ ہو جانا واجب ہے کیوں کہ شافعیہ کے سوا اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ حج بلا تاخیر ادا کرنا واجب ہے، اور اگر واجب حج نہیں تھا تو پھر کچھ بھی واجب نہیں، گویا اس نے احرام باندھا ہی نہیں تھا۔

## بحث سینزدہم: ہدی (قربانی کا جانور)

ہدی کا مفہوم، اس کی اقسام، دم تمتع کی شرائط، اس کی صفت، اس میں سے کھانے کا حکم، اس کے ذبح کرنے کی جگہ اور وقت، ہدی کون ذبح کرے، اس کا گوشت صدقہ کرنے کا حکم، اس سے خود فائدہ اٹھانا، ہدی کو گلے میں پٹہ ڈلانا یا اور کوئی علامت لگانا، راستے میں ہدی گم ہو جانا (۴۷۲)۔

### ۱- ہدی کا مفہوم:

لغت میں ہدی اس چیز کو کہتے ہیں جو کہیں بھیجی جائے اور شرعی اصطلاح میں ہدی اس جانور (اونٹ، گائے اور بکری) کا نام ہے جو حرم کی طرف لے جائی جائے اور جو شخص حج یا عمرہ کرنا چاہتا ہو اس کے لیے ہدی ساتھ لے جانا سنت ہے۔

### ۲- ہدی کی اقسام اور اس کی صفات:

ہدی: اونٹ، گائے یا بکری ہو سکتی ہے، کم از کم ہدی بکری ہے۔ کبھی دم اور قربانی کو بھی ہدی کہتے ہیں، جب کہ دم اور قربانی سے مراد بکری ذبح کرنا ہے کیوں کہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ بال کٹوانے یا ناخن کاٹنے وغیرہ کے فدیہ میں بکری کی قربانی کافی ہے۔

افضل ترین ہدی اونٹ ہے پھر گائے، پھر دنبہ پھر بکرا کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حدیبیہ میں روک لیا گیا تھا تو آپ نے اونٹ کی قربانی کی اور آپ افضل ترین اعمال اختیار فرماتے تھے۔

ہدی کے طور پر بالاتفاق وہ جانور کافی ہے جو قربانی میں کافی ہے، جس کے دو دانت نکل آئے ہوں یا اس سے زیادہ، حنفیہ کے نزدیک وہ اونٹ ہو تو پانچ سال کا، گائے ہو تو دو سال کی اور بھیڑ ہو تو ایک سال کی اور بکرا ہو تو دو سال کا لیکن حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایک سال سے کم عمر کی بھیڑ جو مثلاً چھ ماہ کی ہو جائز ہے کیوں کہ حدیث میں ہے: بھیڑ سال سے کم عمر کی جائز ہے (۴۷۳) اور قربانی اور ہدی ایک ہی طرح کی چیزیں ہیں۔

ہدی میں ایسا جانور جس کا پورا یا اکثر کان کٹا ہوا ہو، یا دم کٹی ہوئی ہو یا کوئی ہاتھ یا پاؤں کٹا ہوا ہو یا ایک آنکھ نہ ہو یا بہت لاغر یا لنگڑا جو قربان گاہ میں چل کر نہ جاسکتا ہو دینا جائز نہیں کیوں کہ یہ واضح عیوب ہیں۔

ہدی میں نر اور مادہ جانور برابر ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: والبدن جعلناھا لکم من شعائر اللہ (قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لیے شعائر اللہ قرار دیا، الحج ۲۲: ۳۶) ان میں مذکر و مؤنث کی تفریق نہیں کی گئی۔

**شریعت کی رو سے ہدی کی دو قسمیں:**

ہدی کی دو قسمیں ہیں:

واجب اور مستحب:

مستحب ہدی وہ ہے جو پہلے سے واجب نہ ہو اور بندہ اسے اللہ کی رضا کے لیے پیش کرے۔ جو شخص حج یا عمرہ کی نیت سے مکہ معظمہ کا قصد کرے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ کوئی جانور ہدی کے طور پر ساتھ لے جائے۔ اسے وہاں ذبح کر کے تقسیم کر دے کیوں کہ روایت میں ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواونٹ ذبح کیے“ (۴۷۴)۔ جمہور کے نزدیک اپنے شہر سے ہدی لے کر چلنا افضل ہے، اگر نہ ہو سکے تو پھر راستے سے

میقات وغیرہ سے یا مکہ یا منیٰ سے لے لے، ضروری نہیں کہ ہدی حرم کے باہر سے لے کر جائے اور نہ یہ کہ عرفات میں ہدی ساتھ رکھے۔ البتہ یہ مستحب ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ مجھے یہ امر پسند ہے کہ جہاں سے احرام باندھے وہاں سے ہدی ساتھ لے لے، اگر اس کے بعد مکہ کے پاس سے وقوف عرفہ کے بعد ہدی خرید لے تب بھی جائز ہے۔ البتہ جس شخص نے دوران حج ہم بستری کر لی ہو، اگر وہ ہدی لے کر نہیں آیا تھا تو مکہ سے ہدی خرید کر حرم سے باہر چلا جائے اور پھر اسے لے کر مکہ میں داخل ہو۔

مستحب یہ ہے کہ ہدی کا جانور موٹا تازہ اور خوب صورت ہو کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: **وَمَنْ يَعْظُمَ شَعَائِرَ اللَّهِ فَانْهَارَ مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ** (جو شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے، الحج ۲۲: ۲۲)۔ ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے مراد ہدی کو موٹا تازہ، خوب صورت بنانا اور اس کی تعظیم کرنا ہے۔

واجب ہدی کی دو قسمیں ہیں: مساکین کو کھلانے کے لیے منت مانی ہو یا مطلقاً منت مانی ہو۔ منت کی ہدی واجب اور باعث ثواب ہے، کیوں کہ منت پوری کرنا واجب ہے۔

منت کے بغیر واجب ہدی میں دم تمتع، دم قرآن اور وہ قربانیاں شامل ہیں جو کسی واجب کے ترک یا کسی ممنوع کام کے کرنے پر واجب ہوتی ہیں اور اوپر ہم بیان کر چکے ہیں کہ منت کے سوا دوسری ہدی کی مالکیہ کے نزدیک پانچ اقسام ہیں۔

ہدی تمتع اور قرآن، ہم بستری کا کفارہ، واجبات کے ترک پر کفارہ مثلاً رمی جمار یا منیٰ میں اور مزدلفہ وغیرہ میں رات رہنے کا عمل چھوڑ دینا، حج قضا ہونے پر ہدی اور شکار کا کفارہ۔

منت کے بغیر واجب ہدی: منت کے بغیر واجب ہدی کی شافیہ اور حنابلہ کے نزدیک دو اقسام ہیں: ایک وہ جس کا قرآن میں ذکر ہے اور دوسرے وہ جو قرآنی منصوص پر قیاس

سے ثابت ہے (۴۷۶)۔

جس ہدی کا قرآن میں ذکر ہے اس کی چار اقسام ہیں: دم تمتع، شکار کا کفارہ، کسی تکلیف کی وجہ سے سرمنڈانے کا کفارہ اور احصار کا فدیہ۔

اگر حج تمتع کرنے والے کو ہدی میسر نہ ہو تو دوران حج تین روزے رکھے اور جب وطن واپس پہنچ جائے تو مزید سات روزے رکھے کیوں کہ آیت میں ہے: فمن لم يجد فصيام ثلاثة ايام في الحج وسبعة اذا رجعتم (جس کو ہدی میسر نہ ہو وہ ایام حج میں تین روزے رکھے اور جب تم لوٹ جاؤ تو سات روزے مزید رکھو، البقرہ ۲: ۱۹۶) میسر نہ ہونے میں اس جگہ کا اعتبار ہے جہاں ہدی ذبح کرنا ہے، خواہ اس شخص کے پاس اس جگہ کے سوا کسی دوسری جگہ مال موجود ہو، نیز جانور خریدنے کے لیے اس کی قیمت مثلی سے زیادہ ادا کرنا واجب نہیں۔

اگر کوئی شخص ایام حج میں تین روزے نہیں رکھ سکا تو بعد میں تین اور سات روزوں کے درمیان اتنا وقفہ کرے جتنا کہ ادا کی صورت میں وقفہ ہوتا ہے یعنی چار دن اور مکہ سے وطن واپسی کے سفر میں بالعموم جتنے ایام صرف ہوتے ہیں۔

شکار کا کفارہ:

اگر شکار کی مثل موجود ہو تو محرم کو تین امور میں اختیار ہے، شکار کی مثل جانور ذبح کرے، اور حرم کے مساکین پر اس کا گوشت تقسیم کرے یا نقدی میں اس کی قیمت کروا کر اس سے اس قسم کا غلہ خریدے جو صدقہ فطر میں دیا جاسکتا ہے اور مساکین حرم پر اس طرح تقسیم کرے کہ ہر مسکین کے حصے میں ایک مد غلہ آئے یا ہر مد غلے کے بدلے ایک دن کا روزہ رکھے کیوں کہ آیت میں ہے: فجزاء مثل ما قتل من النعم (جو شکار مارا گیا اس کی

مثل جانور بدلے میں دیا جائے، المائدہ ۵: ۹۵) یا اس کے برابر روزے رکھے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: او عدل ذلک صیاماً یا اس کے برابر روزے، المائدہ ۵: ۹۵) اگر شکار کی مثل کوئی جانور موجود نہ ہو تو دو باتوں میں اختیار ہے چاہے تو اس کی قیمت لگوا کر اس کا غلہ خرید کر تقسیم کر دے اور چاہے تو ہر مد غلے کے برابر روزہ رکھے اور غیر مثلی شکار میں اس کی قیمت کا تعین کرنے کے لیے اس جگہ کی قیمت کا اعتبار ہے جہاں شکار کیا گیا ہے نہ کہ مکہ معظمہ کی قیمت کا اور مثلی شکار کی قیمت کا تعین مکہ میں کیا جائے گا نہ کہ اس جگہ کی قیمت کا جہاں شکار کیا تھا۔

### تکلیف دور کرنے کا فدیہ:

مثلاً سر منڈانا یا ناخن کاٹنا، اس میں تین امور میں اختیار ہے، چاہے تو ایک بکری اس طرح کی ذبح کرے جیسی قربانی میں کی جاتی ہے اور اس کا گوشت حرم کے مساکین پر تقسیم کر دے، چاہے تو تین دن کے روزے رکھے اور چاہے تو بارہ مد غلہ حرم کے چھ مساکین پر اس طرح تقسیم کرے کہ ہر مسکین کو دو مد غلہ دے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فمن كان منكم مريضاً أو به اذى من رأسه ففدية من صيام أو صدقة أو نسكاً (جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اسے سر میں تکلیف ہو تو فدیہ دے دے، روزے رکھے یا صدقہ کرے یا قربانی دے، البقرہ ۲: ۱۹۶)۔

### دم احصار:

رکاوٹ کی صورت میں قربانی کی مانند ایک بکری ذبح کرے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فان احصرتم فما استيسر من الهدى (اگر تمہیں روک لیا جائے تو جو ہدی میسر ہو دے دو، البقرہ ۲: ۱۹۶) اگر اس وقت ہدی میسر نہ ہو تو شافعیہ کے نزدیک دم تمتع وغیرہ کی

طرح اس کا بدل دینا واجب ہے یعنی اس کی قیمت کا غلہ اور اگر وہ بھی نہ ہو تو ہر مند غلے کے بدلے ایک دن کا روزہ رکھے، شافعیہ نے ترک واجب پر واجب ہونے والے دم پر اسے قیاس کیا ہے۔ حنابلہ کے نزدیک دم احصار کے بدل میں غلہ نہیں ہے بلکہ دس دن کے روزے رکھے اور امام مالک و ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا کوئی بدل نہیں کیوں کہ قرآن نے کسی بدل کا ذکر نہیں کیا۔

نص قرآنی میں مذکور ہدی پر قیاس کرتے ہوئے واجب کی گئی ہدی کی دو قسمیں ہیں:

۱- حج یا عمرہ کے کسی عمل کے چھوڑنے پر کفارہ اور یہ پانچ امور ہیں: میقات سے احرام نہ باندھنا، مزدلفہ میں رات نہ رہنا، منیٰ میں رات نہ رہنا، رمی اور طواف وداع چھوڑ دینا۔ ان امور کو دم تمتع پر قیاس کیا گیا ہے، نیز اگر حج قضا ہو جائے تو اس پر واجب ہونے والا دم تمتع پر قیاس کیا گیا ہے، اس میں ایک بکری ذبح کرے اور اگر نہ کر سکتا ہو تو دس دن کے روزے رکھے۔

۲- آرام و تفریح، یہ پانچ امور ہیں: شرم گاہ میں یا شرم گاہ سے باہر جماع کرنا، شہوت سے چھوٹنا، بوسہ دینا، خوشبو لگانا، سلا ہوا لباس پہننا، ان امور کو تکلیف دور کرنے کے فدیہ پر قیاس کیا گیا ہے۔ کہ روزے رکھے یا صدقہ دے یا جانور ذبح کرے۔

۳- حج تمتع کی ہدی کی شرائط:

جس کسی نے حج کے مہینوں میں عمرہ کیا، طواف اور سعی کی، پھر اسی سال حج کے لیے احرام باندھا اور اس کے درمیان مکہ سے نکل کر اتنا سفر نہیں کیا جس میں قصر نماز پڑھی جاتی ہے تو وہ تمتع ہے اور اس پر بالا جماع دم واجب ہے۔ کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فمن تمتع بالعمرة الى الحج فما استيسر من الهدى فمن لم يجد فصيام ثلاثة ايام في الحج

الحج وسبعة إذا رجعتم تلك عشرة كاملة ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام (جو شخص حج کے ساتھ عمرہ سے بھی فائدہ اٹھائے و جو ہدی میسر ہو دے دے، اگر میسر نہ ہو تو تین دن ایام حج میں اور سات دن وطن واپسی پر روزے رکھے، یہ پورے دس دن ہوئے، یہ سہولت ان لوگوں کے لیے ہے جن کے خاندان مسجد حرام کے پاس نہیں رہتے، البقرہ ۲: ۱۹۶)۔

حج تمتع کرنے والے پر دم واجب ہونے کی پانچ شرائط ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱- حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھا ہو: اگر حج کے مہینوں کے سوا عمرہ کا احرام باندھا تو تمتع نہیں ہوگا خواہ عمرہ حج کے مہینوں میں کیا ہو یا ان کے سوا کسی وقت۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں البتہ طاؤس اور حسن کے شاذ اقوال اس کے برعکس ہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ یہ کہتے ہیں کہ اگر عمرہ کے چار چکر حج کے مہینوں سے پہلے یا بعد میں لگائے تو تمتع نہیں قرار پائے گا اور اگر چار چکر حج کے مہینوں کے اندر لگائے تو تمتع ہوگا۔

۲- اسی سال حج کرے: اگر حج کے مہینوں میں عمرہ کر لیا اور اس سال حج نہ کیا بلکہ اگلے سال حج کیا تو تمتع نہیں ہوگا اس میں حسن بصری کے شاذ قول کے سوا کسی کا کوئی اختلاف نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى (جو حج کے ساتھ عمرہ سے نفع اندوز ہوتا ہے تو وہ جو میسر ہو ہدی دے دے البقرہ ۲: ۱۹۶) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حج اور عمرہ یکے بعد دیگرے وقفے کے بغیر ہونے چاہئیں۔

۳- حج اور عمرہ کے درمیان اتنا لمبا سفر نہ کرے کہ اس میں نماز قصر پڑھی جاتی ہو، یہ حنابلہ کی رائے ہے کیوں کہ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے: ”جب کسی نے حج کے مہینوں میں عمرہ کیا، پھر وہیں مقیم رہا تو تمتع ہے۔ اگر وہاں سے چلا گیا اور پھر واپس آیا تو تمتع نہیں ہوگا۔“

امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اگر واپس میقات پر آ گیا تو دم تمتع واجب نہیں ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک اگر واپس اپنے شہر لوٹ گیا تو تمتع ختم ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں اگر پہلے شہر واپس لوٹ گیا یا اور کسی شہر میں لوٹ کر چلا گیا جو اس

کے پہلے شہر سے زیادہ دور ہو تو تمتع ختم ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

۴- حج کے احرام سے پہلے عمرہ کا احرام کھول دے۔ اگر عمرہ کے احرام کے کھولنے سے

پہلے اسی پر حج کا احرام باندھ لیا جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھ

ان صحابہ نے کیا تھا جو اپنے ساتھ ہدی لائے تھے تو قارن ہو جائے گا اور اس پر دم تمتع

واجب نہیں ہوگا، کیوں کہ حضرت عائشہ کی متفق علیہ حدیث میں ہے کہ جب انہیں حیض آ

گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حج کا احرام باندھنے اور عمرہ چھوڑ دینے کا حکم

دیا اور ان پر ہدی، روزہ اور صدقہ کوئی چیز واجب قرار نہیں دی۔

البتہ اس صورت میں دم قران دینا ہوگا کیوں کہ اب وہ قارن ہو گیا ہے اور اس

نے ایک ہی سفر میں دو عبادتوں سے فائدہ اٹھایا، دوسرے سفر کی زحمت سے بچ گیا۔

۵- مسجد حرام کے رہنے والوں میں سے نہ ہو: یہ شرط متفق علیہ ہے۔ مسجد حرام کے

رہنے والوں پر دم تمتع واجب نہیں ہے کیوں کہ نص قرآنی ہے: ذلک لمن لم یکن اهل

حاضرى المسجد الحرام (یہ اس کے لیے ہے جس کا خاندان مسجد حرام میں نہ رہتا ہو،

البقرہ ۲: ۱۹۶) کیوں کہ جو کوئی مسجد حرام میں رہتا ہے اس کا میقات مکہ ہے اسے ایک سفر

سے دو عبادتوں کی سہولت میسر نہیں ہے کیوں کہ وہ حج کا احرام اپنے میقات سے باندھے گا

جیسا کہ مفرد حج کرنے والا کرتا ہے۔

مسجد حرام کے رہنے والے کون لوگ ہیں؟ حنفیہ کے نزدیک جو لوگ میقات کے اندر



رہتے ہیں وہ مسجد حرام کے رہنے والے ہیں کیوں کہ یہی وہ مقام ہے جہاں سے افعال حج ادا کیے جاتے ہیں پس یہ جگہ حرم کے مشابہ ہے اور مالکیہ کے نزدیک مکہ اور ذی طویٰ کے رہنے والے اور شافعیہ کی اصح روایت میں حرم سے دو مرحلے (سفر کی مسافت) کے فاصلے کے اندر رہنے والے، کیوں کہ جہاں کہیں بھی اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام کا ذکر کیا ہے اس سے حرم مراد ہے صرف فول و جھک شطر المسجد الحرام اپنا چہرہ مسجد حرام کی سمت کر لو، البقرہ ۲: ۱۲۹) میں کعبہ مراد ہے۔ پس اس سے عام اور غالب استعمال مراد لینا بہتر ہے۔ جو کوئی کسی جگہ کے قریب رہتا ہو اسے کہتے ہیں کہ وہ وہاں کا رہنے والا ہے۔

حنابلہ کے نزدیک اس سے حرم میں رہنے والے مراد ہیں۔ ان کے اور مکہ کے درمیان سفر کی مسافت سے کم فاصلہ ہو کیوں کہ حاضر سے مراد وہ شخص ہے جو قریب ہو اور جو لوگ سفر کی مسافت سے کم فاصلے پر ہیں وہ قریب ہیں اور حاضر کے حکم میں ہیں۔ جیسا کہ شافعیہ کی رائے ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جو ان مقامات کا ارادہ کرے اسے سفر کی رخصتیں حاصل نہیں ہوتیں۔

اگر تمتع کرنے والے کے گھر دو شہروں میں ہوں، قریب اور دور تو وہ مسجد حرام کے رہنے والوں میں شمار ہوگا کیوں کہ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے قریبی شہر سے احرام باندھے، اس لیے تمتع کے ذریعے وہ ایک سفر سے دو فائدے نہیں اٹھا رہا۔

اس بنا پر اگر باہر کا کوئی شخص تمتع کی نیت سے مکہ میں داخل ہوتا ہے کہ عمرہ کے بعد وہیں ٹھہرا رہے گا تو اس پر دم تمتع واجب ہے۔

اگر باہر سے آنے والے نے میقات سے احرام باندھا، پھر عمرہ کی نیت کر کے احرام باندھ کر عمرہ کر کے احرام کھول دیا اور اسی سال حج کے موقع پر حج کا احرام باندھا تو وہ بھی

تمتع ہے۔ اس پر دو دم واجب ہوں گے۔ ایک دم تمتع اور دوسرا میقات سے احرام نہ باندھنے کا کفارہ۔

### دم تمتع کے بدلے روزے رکھنا:

اگر حج تمتع کرنے والے کے پاس ہدی کی گنجائش نہ ہو تو تین دن ایام حج میں اور سات دن وطن واپسی پر روزے رکھے۔ گنجائش سے مراد حج کے موقع پر گنجائش ہے۔ اگر وہاں گنجائش نہیں تو خواہ وطن میں اس کے پاس گنجائش ہو روزے رکھ سکتا ہے، کیوں کہ ہدی کا وجوب وقت کے ساتھ مختص ہے۔ جن عبادات کا تعلق کسی خاص وقت کے ساتھ ہو اس وقت ان عبادات کی استطاعت کا اعتبار ہوتا ہے جیسا کہ طہارت کے لیے پانی اگر موقع پر موجود نہیں ہے تو تیمم کر سکتا ہے۔ مسلسل روزے رکھنا واجب نہیں، مستحب ہیں۔

اگر حج تمتع کرنے والے نے حج کے ایام میں تین روزے نہیں رکھے اور حنفیہ کے سوا جمہور کے نزدیک بعد میں رکھ لے، البتہ حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں دم دینا واجب ہے، وطن واپس جا کر روزے رکھنا کافی نہیں۔ شافعیہ کی راجح روایت یہ ہے کہ تین روزے قضا کرنے اور سات روزوں کے درمیان وقفہ کرے۔

جس کسی نے روزے شروع کر لیے پھر اسے ہدی میسر آگئی، تو حنابلہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس کے لیے روزے چھوڑ کر ہدی دینا ضروری نہیں، ہاں اگر وہ خود چاہے تو دے سکتا ہے کیوں کہ ہدی نہ ہونے کے باعث اس نے روزے شروع کر دیے تھے۔

اگر عورت نے حج تمتع کا احرام باندھا پھر عمرہ کا طواف کرنے سے پہلے اسے حیض آ گیا تو اس کے لیے بیت اللہ کا طواف کرنا جائز نہیں کیوں کہ طواف نماز ہے اور حیض والی عورت کے لیے مسجد میں جانا ممنوع ہے۔ اگر اسے حج فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو اپنے عمرہ

کے ساتھ حج کا احرام باندھ لے اور قارن ہو جائے، یہ جمہور کا قول ہے کیوں کہ مسلم میں حضرت عائشہؓ کے واقعہ میں یہی ہے کہ انہیں حیض آ گیا تھا، انہوں نے پہلے حج کر لیا، پھر تنعمیم سے عمرہ کیا۔

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ عمرہ توڑ دے اور حج کا احرام باندھ لے، ان کی دلیل بھی حضرت عائشہؓ کی یہی روایت ہے کہ جب انہیں حیض آ گیا تو انہوں نے حج کا احرام باندھ لیا اور عمرہ چھوڑ دیا۔ عمرہ چھوڑ دینے کے تین دلائل ہیں ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: ”عمرہ چھوڑ دو“ دوسرے فرمایا ”سر کے بال کھول لو اور کنگھی کر لو“ اور تیسرے فرمایا: ”یہ عمرہ تمہارے پہلے عمرہ کے قائم مقام ہے“۔

#### ۴- ہدی کے گوشت سے حاجی کا خود کھانا:

حنفیہ کے نزدیک (۴۷۷) ہدی، دم تمتع اور دم قران سے خود کھانا جائز ہے بشرطیکہ ہدی اپنے مقام پر پہنچ کر ذبح ہو کیوں کہ یہ بھی قربانی کا گوشت ہے، قربانی کے گوشت کی طرح اس سے بھی خود کھانا جائز ہے۔ جس چیز سے مالک کے لیے کھانا جائز ہو، اس سے غنی کے لیے کھانا بھی جائز ہے، البتہ ہدی کے لیے حرم میں پہنچنا شرط ہے، اگر حرم میں نہ پہنچ سکے تو پھر فقیر کے سوا اور کسی کے لیے اس کا کھانا جائز نہیں۔

البتہ باقی اقسام کی ہدیوں مثلاً کفاروں، نذر اور احصار کی ہدی سے خود کھانا جائز نہیں۔ نفل ہدی اگر اپنے مقام پر نہ پہنچے تو اس سے بھی کھانا جائز نہیں اور اس کا مقام منیٰ ہے یا مکہ۔

مالکیہ کے نزدیک (۴۷۸) ہدی کا مالک چار اقسام کے سوا ہر قسم کی ہدی کا گوشت کھا سکتا ہے وہ چار اقسام یہ ہیں، شکار کا کفارہ، تکلیف کی وجہ سے سرمنڈانے وغیرہ کا کفارہ،

مساکین کے لیے متعین نذر اور مساکین کے لیے نفل ہدی۔ اگر نفل ہدی اپنے مقام (مکہ یا منی) پر پہنچنے سے پہلے مرنے لگے اور ذبح کر دیا جائے تو اسے بھی کھانا جائز نہیں کیوں کہ اس میں مالک پر یہ اتہام آتا ہے کہ اس نے خود خیال نہیں رکھا تا کہ مرنے لگے اور ذبح کر کے کھا جائے۔ البتہ نفل ہدی کے متبادل دینا واجب نہیں۔ اگر ان چار اقسام میں سے مالک نے خود بھی کھا لیا تو بدلے میں جانور ذبح کرے البتہ اگر مساکین کے لیے متعین نذر تھی تو جتنا کھایا ہے اسی قدر مساکین کو بدلے میں کھلائے۔

جن چیزوں کا خود کھانا ممنوع ہے وہ مساکین کے لیے مختص ہیں۔

مذکورہ بالا چار اقسام کے سوا ہدی کی جتنی قسمیں ہیں ان میں سے مالک کے لیے کھانا جائز ہے خواہ وہ اپنے مقام پر پہنچنے کے بعد ذبح کی جائیں یا پہلے۔ حج یا عمرہ میں واجب ہونے والی ہر قسم کی ہدی اس میں شامل ہے مثلاً تمتع اور قرآن کی ہدی، میقات سے احرام کے بغیر آگے گزر جانے، طواف قدوم چھوڑ دینے، سر منڈا دینے، منیٰ اور مزدلفہ میں رات نہ رہنے یا مذی وغیرہ نکلنے پر واجب ہونے والی ہدی یا مساکین کے سوا منت ہدی۔

ان اقسام سے غنی اور قریبی عزیز بھی کھا سکتے ہیں اور ہدی کے مالک کا ایسا نائب جو فقیر نہ ہو کھانے اور نہ کھانے کے مسئلہ میں اصل مالک کی طرح ہے البتہ جن اقسام سے مالک کے لیے کھانا جائز نہیں نائب اگر فقیر ہے تو اس کے لیے کھانا جائز ہے۔

شافعیہ کے نزدیک (۴۷۹) ہدی کی دو اقسام ہیں: واجب اور مستحب، واجب وہ ہدی ہے جو کسی حرام کام کے ارتکاب پر یا حج کے واجبات میں سے کسی واجب کے ترک پر یا نذر پر واجب ہو، اس میں سے ہدی کے مالک کے لیے کھانا جائز نہیں بلکہ اسے اس کے مقام پر ذبح کر کے سارے کے سارے کو اہل مکہ یا دوسرے لوگوں پر تقسیم کر دے اور

سارے جانور کا ان کو مالک بنا دے، خواہ کھال اتارنے سے پہلے۔ آج کل جو جانور ذبح کر کے پھینکنے کا طریقہ ہے، اس سے ہدی ادا نہیں ہوتی۔

جس کسی کے اخراجات ہدی کے مالک کے ذمے ہوں اس کے لیے بھی ہدی کا گوشت کھانا جائز نہیں، نہ اس کے رفقاء کے لیے، خواہ اس کے قافلے کے فقرا ہوں، خواہ قافلہ بہت بڑا ہو جیسا کہ مصری حج کا قافلہ ہوتا ہے اور نہ اغنیا کے لیے کھانا جائز ہے۔

نذر کی ہدی سے کھانے کے عدم جواز کا مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ نذر کے الفاظ صحیح ہوں مثلاً یوں کہے کہ میں اللہ کے لیے حرم میں بکری کی قربانی کروں گا، جو آج کل سید احمد بدوی وغیرہ کی نذر مانی جاتی ہے تو اس کے مالک کے لیے اس میں سے کھانا جائز ہے کیوں کہ یہ نذر صحیح نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ نذر ان کے مجاوروں اور خادموں کے لیے ہو اور وہاں وہ لوگ موجود ہوں تو نذر صحیح ہوگی اور اس میں سے کھانا جائز نہیں (۴۸۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ واجب ہدی میں سے نہ کھائے کیوں کہ یہ ہدی احرام کے باعث واجب ہوئی پس کفارے کے دم سے کھانا اور واجب ہدی میں سے کھانا اور قرآن، تمتع، نذر اور جنایت کے کفارے میں سے کھانا جائز نہیں۔

اگر نفل ہدی ہو تو قربانی کے گوشت کی طرح اس میں سے کھانا جائز ہے اور اس قدر صدقہ کرنا ضروری ہے جس پر کم از کم گوشت کا اطلاق ہوتا ہو، جو ایک شخص کی کم از کم ضرورت ہو۔ افضل یہ ہے کہ جب اسے تقسیم کرنا چاہے تو ایک تہائی خود کھائے، ایک تہائی اغنیا کو ہدیہ دے دے اور ایک تہائی صدقہ کرے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فکلوا منها واطعموا القانع والمعتر (خود بھی کھاؤ اور قناعت شعار اور مانگنے والے دونوں قسم کے لوگوں کو کھلاؤ، الحج ۲۲: ۳۶) قانع سے مراد سائل یا قناعت شعار جسے سوال کے بغیر دیا

جائے اور معتر سے مراد سائل ہے۔

حنابلہ کے نزدیک (۲۸۱) کوئی شخص واجب ہدی میں سے نہ کھائے مثلاً نذر کی ہدی یا متعین ہدی ہو مثلاً یہ کہے کہ یہ میری ہدی ہے یا اسے قلابہ پہنائے یا اس پر نشانی لگالے البتہ تمتع اور قرآن کی ہدی اس سے مستثنیٰ ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے آپ کے ساتھ حجۃ الوداع کے موقع پر حج تمتع کیا اور حضرت عائشہؓ نے عمرہ کے ساتھ حج ملا لیا، جس کی وجہ سے ان کا حج قرآن ہو گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے گائے ذبح کی اور انہوں نے اس کا گوشت کھایا، چوں کہ دم تمتع اور دم قرآن قربانی ہے اس لیے نفلی ہدی کے مشابہ ہے۔ دم تمتع اور دم قرآن کے سوا اور کسی دم کا گوشت کھانا جائز نہیں کیوں کہ دوسرے دم کسی ممنوع فعل کے ارتکاب جیسے شکار کرنے وغیرہ پر واجب ہوتے ہیں۔ نفلی ہدی کا گوشت کھانا مستحب ہے۔ نفلی ہدی سے مراد ایسی ہدی ہے جو ذمے میں واجب نہ ہو بلکہ حاجی اسے خود شروع سے ہی متعین کر لے یا اسے واجب کیے بغیر نفلی قربانی کے طور پر ذبح کر دے۔ کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: فکلو منها (اس میں سے کھاؤ، الحج ۲۲: ۳۶) اس امر کا کم از کم تقاضا یہ ہے کہ یہ گوشت کھانا مستحب ہو، نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قربانی کے اونٹ کا گوشت کھایا (۲۸۲)۔ نیز اسے محفوظ کر کے رکھ لینا بھی جائز ہے کیوں کہ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ”ہم اپنی قربانی کے اونٹوں کا گوشت تین دن کے بعد نہیں کھاتے تھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور فرمایا: کھاؤ اور محفوظ رکھو، پھر ہم نے کھانا اور محفوظ کرنا شروع کر دیا“ (۲۸۳)۔

اگر نہ کھائے تب بھی کوئی حرج نہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پانچ اونٹ ذبح کیے تو آپ نے فرمایا: ”جو چاہے کاٹ کر لے جائے“ اور آپ نے خود ان

میں سے کچھ نہیں کھایا۔

مستحب یہ ہے کہ خود تھوڑا کھائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا لیکن اگر زیادہ کھا لیتا ہے اور اپنے لیے رکھ لیتا ہے تب بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے قربانی کی طرح اس میں بھی تھوڑا سا صدقہ کر دینا کافی ہے۔ اگر سارا کھا لیا تو جتنا صدقہ کرنا چاہیے تھا اس قدر خرید کر صدقہ کرے جیسا کہ قربانی میں ہے۔

اگر ایسی ہدی میں سے جسے خود کھانا ممنوع تھا، کھا لیا یا اس میں سے کچھ قصائی کو معاوضے کے طور پر دے دیا، یا کچھ فروخت کر دیا یا ضائع کر دیا تو اتنے گوشت کا بدل دینا واجب ہے۔ اگر کسی غنی کو کھلا دیا جس کے لیے بطور ہدیہ کھانا جائز تھا تو درست ہے، جیسا کہ قربانی میں ہے کیوں کہ جو خود کھانا جائز ہے بطور ہدیہ دینا بھی جائز ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دم تمتع اور دم قران کا گوشت خود کھانا جمہور کے نزدیک جائز ہے۔ شافعیہ کے نزدیک جائز نہیں اور نذر یا کفارے کے جانور کا گوشت بالاتفاق خود کھانا جائز نہیں اور نفل ہدی کا گوشت خود کھانا بالاتفاق جائز ہے۔

## ۵- ہدی ذبح کرنے کی جگہ اور وقت:

دم احصار سے متعلق ہدایات اوپر گزر چکی ہیں، یہاں عمومی طور پر اس سلسلے میں ہدایات بیان کی جاتی ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک تمتع (۴۸۴) اور قران کی ہدی صرف قربانی کے دن ہی ذبح کی جا سکتی ہے کیوں کہ یہ قربانی ہے، صحیح یہ ہے کہ نفلی ہدی قربانی کے دن سے پہلے بھی ذبح کی جا سکتی ہے لیکن قربانی کے دن ذبح کرنا افضل ہے۔ نفلی ہدی جو محض ثواب کی نیت سے ہو اس میں اسی قدر مطلوب ہے کہ وہ حرم میں پہنچ جائے، جب حرم میں پہنچ گئی تو قربانی کے دن

کے سوا بھی اسے ذبح کرنا جائز ہے، البتہ قربانی کے دن اس لیے افضل ہے کہ اس دن خون بہانے کا زیادہ ثواب ہے۔

باقی اقسام کی ہڈی جس وقت چاہے ذبح کرے کیوں کہ یہ کفارے کے دم ہیں جو قربانی کے دن کے ساتھ مختص نہیں بلکہ نقصان کی تلافی کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔

ہڈی حرم کے سوا اور کسی جگہ ذبح کرنا جائز نہیں کیوں کہ ہڈی اسے کہتے ہیں جو کسی خاص جگہ پہنچائی جائے اور اس کی جگہ حرم ہے۔

مالکیہ کے نزدیک (۴۸۵) مستند روایت کے مطابق منیٰ میں ہڈی ذبح کرنا تین شرائط سے واجب ہے: حج کا احرام باندھتے ہی ہڈی ساتھ لے لی ہو اور جس طرح خود عرفہ میں رات کے ایک حصہ میں وقوف کیا ہو ہڈی کو بھی ساتھ رکھا ہو (۴۸۶) اور قربانی کے دن ذبح کرے۔ اگر یہ شرائط یا ان میں سے بعض شرائط نہ پائی جائے مثلاً عرفہ میں ہڈی کے ساتھ وقوف نہیں کیا یا حج میں ہڈی ساتھ نہیں لایا بلکہ عمرہ میں ساتھ لایا یا قربانی کے ایام گزر گئے تو مکہ میں ذبح کرے۔

پس ہڈی ذبح کرنے کی جگہ منیٰ ہے اگر مذکورہ تینوں شرائط موجود ہوں ورنہ صرف مکہ ہے اور کسی جگہ ذبح نہیں کی جاسکتی۔ افضل یہ ہے کہ جو ہڈی منیٰ میں ذبح کی جائے وہ جمرہ اولیٰ کے پاس کی جائے لیکن منیٰ میں جہاں کہیں بھی ذبح کر دی درست ہے البتہ افضل عمل کے خلاف ہے۔ ہڈی کو قربانی کے دن ذبح کرے۔ کسی ممنوع فعل کے ارتکاب پر دیا جانے والا فدیہ مثلاً سلا ہوا لباس پہننے یا خوشبو لگانے پر بکری ذبح کی جاتی ہے یا شہر میں عام استعمال ہونے والے غلہ سے چھ مساکین کو کھانا کھلانا یا تین دن کے روزے رکھنا خواہ منیٰ کے دنوں میں ہوں (یعنی قربانی کا دوسرا دن اور اس کے بعد کے دو دن) تو یہ تینوں



کام کسی جگہ اور وقت کے ساتھ مختص نہیں ہیں بلکہ انہیں وطن واپسی پر یا اور کسی جگہ جب چاہے ادا کر سکتا ہے۔

شافعیہ کے نزدیک (۳۸۷) اگر ہدی نفل یا نذر کی ہے تو اسے ذبح کرنے کا وہی وقت ہے جو قربانی کا وقت ہے اگر کسی حرام کام کے ارتکاب یا واجب کے چھوڑ دینے پر کفارے کے طور پر ہے تو اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ محصر کو جانور اسی جگہ ذبح کرنا چاہیے جہاں اسے روک لیا گیا یا حرم میں اور محصر کے سوا باقی لوگوں کو پورے حرم میں کسی بھی جگہ ذبح کرنے کی اجازت ہے۔ حرم سارے کا سارا قربان گاہ ہے۔ حج اور عمرہ میں جہاں بھی حرم میں جانور ذبح کیا جائز ہے لیکن حاجی کے لیے خواہ متمتع ہو منیٰ میں ذبح کرنا افضل ہے اور عمرہ کرنے والے غیر متمتع کے لیے مکہ میں مروہ کے پاس کیوں کہ وہی اس کے احرام کھولنے کی جگہ ہے۔

حنابلہ کہتے (۳۸۸) ہیں سر منڈانے پر فدیہ دینے کی جگہ وہی ہے جہاں سر منڈایا ہو کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن عجرہ کو حدیبیہ میں فدیہ دینے کا حکم دیا اور انہیں یہ نہیں کہا کہ اپنی ہدی مکہ معظمہ بھیجو۔ سر منڈانے کے سوا جو دم ہیں وہ مکہ میں دیے جائیں اور شکار کا کفارہ حرم کے مساکین کا حق ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ہدیٰ بالغ الکعبہ (ہدی کعبہ تک پہنچے، المائدہ ۵: ۹۵) رہے روزے تو وہ بالاتفاق جہاں چاہے رکھ سکتا ہے۔

افضل یہ ہے کہ جو دم حج میں واجب ہو وہ منیٰ میں ذبح کیا جائے اور جو عمرہ میں واجب ہو وہ مروہ کے پاس کیوں کہ ابو داؤد میں ارشاد نبوی منقول ہے کہ: ”منیٰ سارے کا سارا قربان گاہ ہے، مکہ کی تمام گھاٹیاں اور تمام راستے قربان گاہ ہیں۔“ جو شخص خود نہ اپنے

وکیل کے ذریعے اپنی ہدی مکہ پہنچا سکتا ہو تو جہاں ممکن ہو ذبح کرے اور گوشت اسی جگہ تقسیم کر دے، ممنوع فعل کے ارتکاب کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔ البتہ حرم کے باہر جو شکار کیا ہو اس کا کفارہ بلا عذر حرم کے باہر دیا جا سکتا ہے کیوں کہ جہاں سبب پایا گیا وہیں کفارہ ادا کیا جا سکتا ہے اور حرم میں بھی دیا جا سکتا ہے۔

ممنوع فعل کے ارتکاب کے فدیہ کا اس وقت شروع ہوتا ہے جب اس فعل کا ارتکاب کیا ہو یا وہ عمل کیا ہو جس کے سبب سے کفارہ مباح ہوتا ہو مثلاً قسم کا کفارہ اس سے پہلے بھی فدیہ دیا جا سکتا ہے۔ شکار مارنے کا کفارہ شکار کے زخمی ہونے کے وقت اور واجب چھوڑنے کا کفارہ واجب چھوڑنے کے وقت اور احصار کا کفارہ رکاوٹ پیدا ہونے کے وقت سے دیا جا سکتا ہے۔ روزے اور سرمنڈانے کا کفارہ ہر جگہ دیا جا سکتا ہے۔ ہدی اور قربانی کا وقت تین دن ہیں: قربانی کا دن اور اس کے بعد کے دو دن۔

۶- ہدی ذبح کرنے والا:

جمہور کے نزدیک اونٹ میں افضل یہ ہے کہ نحر کیا جائے (یعنی سینہ کے بالائی حصہ کی رگیں کاٹی جائیں) اور گائے اور بکری کو ذبح کیا جائے۔ اگر مالک خود ذبح کر سکتا ہو تو بالاتفاق خود ذبح کرنا افضل ہے (۴۸۹) کیوں کہ یہ عبادت ہے اور عبادات خود بجالانا افضل ہیں۔ ان میں زیادہ خشوع ہوتا ہے اور اگر خود اچھی طرح ذبح نہ کر سکتا ہو تو پاس کھڑا ہو کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہدی اپنے ہاتھ سے ذبح کی تھی۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح کیے پھر حضرت علیؓ کے سپرد کر دیا باقی انہوں نے ذبح کیے۔“

اگر ہدی کوئی دوسرا ذبح کر دے تب بھی درست ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ خود پاس

کھڑا ہو کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا تھا: ”اپنی قربانی کے پاس آ جاؤ اللہ تعالیٰ اس کے خون کے پہلے قطرے کے گرنے سے ہی تمہاری بخشش کر دے گا۔“

افضل یہ ہے کہ گوشت خود تقسیم کرے کیوں کہ اس میں احتیاط ہے اور مساکین کا نقصان کم ہے۔ اگر درمیان سے ہٹ جائے اور مساکین کے سپرد کر دے تب بھی درست ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ”جو چاہے کاٹ کر لے جائے۔“

اگر فقرا کو دیا نہ جائے تب بھی ان کے لیے ہدی کا گوشت لینا جائز ہے جب کہ انہیں صریحاً کہا جائے جیسا کہ حدیث میں ہے ”جو چاہے کاٹ کر لے جائے“ یا دلائل اجازت ہو مثلاً مالک گوشت چھوڑ کر ہٹ جائے۔

#### ۷۔ ہدی کا گوشت صدقہ کر دینا:

حنفیہ کے نزدیک (۴۹۰) ہدی کے گوشت کو حرم اور غیر حرم کے مساکین پر صدقہ کرنا جائز ہے کیوں کہ صدقہ کرنا ایک عقلی (قابل فہم) عبادت ہے اور ہر فقیر کو دینا ثواب ہے، حرم کے مساکین کو دینا افضل ہے بشرطیکہ دوسرے مساکین ان کی بہ نسبت زیادہ محتاج نہ ہوں۔

ہدی کے اوپر ڈالنے والے کپڑے اور ان کی رسیاں بھی صدقہ کر دینی چاہے (۴۹۱)۔  
قصائی کو اجرت کے طور پر ان میں سے کوئی چیز نہ دی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا: ”ان کے کپڑے اور رسیاں بھی صدقہ کر دو اور ہدی کے گوشت میں سے قصائی کو اجرت کے طور پر نہ دو۔“

مالکیہ حنفیہ سے ہم آہنگ ہیں (۴۹۲) کہ ہدی کا گوشت، کپڑے اور رسیاں مساکین پر صدقہ کر دی جائیں۔ شافعیہ (۴۹۳) کی رائے یہ ہے کہ شکار کا فدیہ، اذیت کے باعث سر

منڈانے یا ناخن کاٹنے کا کفارہ، دم تمتع اور دم قرآن ذبح کرنے کے مساکین پر تقسیم کیا جائے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ثم محلها الى البيت العتيق (پھر ہدی کو بیت عتیق تک پہنچایا جائے، الحج ۲۲: ۲۳)۔

حنابلہ کی رائے (۴۹۴) یہ ہے کہ ہر قسم کی ہدی، افعال حج میں سے کوئی عمل چھوڑنے یا ممنوع کام کے ارتکاب کا کفارہ مساکین حرم کا حق ہے، اگر وہاں پہنچانے پر قادر ہو۔ البتہ سر منڈانے وغیرہ کا فدیہ وہیں تقسیم کر دیا جائے جہاں کہ سر منڈایا ہے کیوں کہ حضرت کعب بن عجرہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ ہی میں تقسیم کرنے کا حکم دیا تھا۔ نیز حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے: ”ہدی اور کھانا تو مکہ میں ہے اور روزے جہاں چاہے رکھے“ کیوں کہ کھانا کھلانا ایسی عبادت ہے جس کا نفع مساکین کو پہنچتا ہے اس لیے ہدی کی طرح حرم کے ساتھ مختص ہے۔

ذبح کر کے مساکین میں گوشت تقسیم کرنا یا زندہ جانور مساکین کو دینا تا کہ وہ ذبح کر لیں جائز ہے۔ اگر وہ ذبح نہ کریں تو ان سے لے کر ذبح کر کے دے۔ اگر ایسا نہ کیا یا نہ کر سکا تو اس کا ذمہ دار ہوگا۔

مساکین حرم سے مراد وہ مساکین ہیں جو حرم میں رہتے ہوں یا حج وغیرہ کرنے کے لیے وہاں آئے ہوئے ہوں، مساکین وہ لوگ ہیں جن کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ذبیحہ ان کے لیے مباح کر دیا جائے کیوں کہ ابو داؤد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ اونٹ ذبح کیے اور فرمایا: جو چاہے کاٹ کر لے جائے“۔

جس فدیہ کو حرم کے باہر تقسیم کرنا جائز ہے وہ جمہور کی رائے میں ذمی فقرا کو دینا جائز نہیں کیوں کہ ذمی کافر ہیں اس لیے حربی کافروں کی طرح انہیں بھی دینا جائز نہیں۔ حنفیہ

کے نزدیک قربانی کے گوشت کی طرح ہدی کا گوشت یا فدیہ ذمی کافروں کو دینا جائز ہے۔

### ۸- ہدی سے نفع اٹھانا:

ضرورت یا حاجت کے موقع پر ہدی سے نفع اٹھانا جائز ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں (۴۹۵) کہ اگر ضرورت ہو تو اس پر سوار ہو سکتا ہے۔ مستحب یہ ہے کہ بلا ضرورت نہ اس پر سوار ہو نہ سامان لادے بلکہ مکروہ ہے لیکن اگر مجبوری ہو تو سوار ہونا مکروہ نہیں، نیز اگر اس کے بچے سے دودھ بچ جائے تو خود نہ پئے۔

حنفیہ کہتے ہیں (۴۹۶) جو شخص ہدی کے طور پر اونٹ لے کر روانہ ہو اگر اس پر سواری کی مجبوری ہو یا سامان لادے بغیر چارہ کار نہ ہو تو اس پر سوار ہو جائے اور سامان لاد لے اور اگر ضرورت نہ ہو تو سوار نہ ہو کیوں کہ اسے خالص اللہ کے لیے کر دیا گیا ہے اس لیے مناسب نہیں کہ اس کی ذات یا اس کے منافع کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرے تا آنکہ وہ اپنی منزل پر پہنچ جائے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے ”اگر تمہیں مجبوری ہو تو اس پر سلیقے سے سوار ہو جاؤ تا آنکہ دوسری سواری میسر آ جائے“ (۴۹۷)۔ اگر اس پر سوار ہو گیا یا سامان لاد لیا جس کی وجہ سے اس میں کوئی نقص پیدا ہو گیا تو تاوان ادا کرے، اگر وہ دودھ والی ہے تو اس کا دودھ نہ دوھے کیوں کہ دودھ اس میں سے پیدا ہوا ہے اور اس کے تھنوں پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے ڈالے تاکہ اس کا دودھ خشک ہو جائے، بشرطیکہ ذبح کا وقت قریب ہے ورنہ دودھ نکال کر صدقہ کر دے تاکہ دودھ کی وجہ سے جانور کو تکلیف نہ ہو۔ اگر خود استعمال کر لیا تو اس کی قیمت یا اس کی مثل صدقہ کرے کیوں کہ اس کا تاوان دینا ضروری ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ (۴۹۸) ہدی پر ایسے طریقے سے سواری جائز ہے جس میں جانور کو نقصان نہ پہنچے کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ”ایک آدمی ہدی

کے طور پر اونٹ لے جا رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جاؤ، اس نے کہا، یا رسول اللہ یہ ہدی ہے آپ نے فرمایا، اس پر سوار ہو جائے، تمہارے لیے خرابی ہو، دوسری یا تیسری مرتبہ فرمایا“ (۴۹۹)۔ ہدی کے مالک کے لیے اس کا دودھ پینا جائز ہے کیوں کہ اگر دودھ اندر رہ جاتا ہے تو اس سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے۔ اگر اس کا بچہ ہو تو جو بچے کی غذا سے زائد ہو وہ اپنے استعمال میں لائے، ہمارے نزدیک یہی قول راجح ہے۔

شافعیہ کے نزدیک (۵۰۰) اگر ضرورت ہو تو نذر کی ہدی پر سوار ہو جائے ورنہ نہیں اور اس کے بچے سے جو دودھ بچ جائے وہ پی سکتا ہے، افضل یہ ہے کہ اسے صدقہ کر دے۔ اگر اس کے اوپر اون ہو کہ اسے کاٹنے کا کوئی فائدہ نہ ہو اور رہنے دینے سے کوئی نقصان نہ ہو تو اسے کاٹنا جائز نہیں۔ اگر اس کے رہنے دینے میں نقصان ہے تو کاٹ لے اور خود استعمال کر لے۔ مگر اسے صدقہ کر دینا افضل ہے۔

۹۔ ہدی کے گلے میں قلادہ ڈالنا یا اس پر کوئی علامت لگا دینا:

تقلید سے مراد ہدی کے گلے میں قلادہ ڈالنا ہے، بٹی ہوئی رسی ہو یا اور کوئی چیز یا ایک یا دو جوتے ہوں۔

علامت سے مراد شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اونٹ کی دائیں کوہان اور مالکیہ کے نزدیک بائیں کوہان چیر دینا اور اس موقع پر بسم اللہ اللہ اکبر کہے۔ قلادہ ڈالنا بالاتفاق مستحب ہے البتہ علامت لگانے میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں (۵۰۱) علامت لگانا مکروہ ہے کیوں کہ یہ مُثَلَّہ ہے اور ناجائز ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوانات کو عذاب دینے سے منع کیا، اس میں جانور کو ایذا دینا ہے اور ایک عضو کاٹ دینے کی طرح ہے۔ یہی رائے درست ہے۔

ہدی کو عرفہ میں لے جانا واجب نہیں۔ اگر تمتع، قرآن اور نفل ہدی کو عرفہ میں لے جائے تو اچھا ہے کیوں کہ اسے ذبح کرنے کا وقت قربانی کا دن ہے ممکن ہے حاجی کو اس کی رکھوالی کرنے والا کوئی نہ ملے اور اسے عرفہ میں ساتھ رکھنے کی ضرورت ہو، چوں کہ یہ قربانی کا جانور ہے اس لیے اس کی تشہیر ہونی چاہیے جب کہ کفارے کے دم کی شہرت نہیں کرنی چاہیے، انہیں غلطی کے ارتکاب کے دن سے پہلے ذبح کرنا جائز ہے اس لیے اس میں اخفا زیادہ مناسب ہے۔

اگر ہدی اونٹ یا گائے کی ہے اور تمتع، قرآن یا نفل کی ہے تو اسے قلاذہ ڈال دیا جائے کیوں کہ یہ قربانی ہے اس کا اظہار اور تشہیر مناسب ہے، تاکہ شعائر اللہ کی تعظیم ہو، بکریوں کے گلے میں قلاذہ نہ ڈالا جائے۔ جس جانور کو قلاذہ ڈال دیا گیا ہو اسے عرفات میں لے جانا چاہیے ورنہ نہیں۔

احصار کے دم کے لیے مختص جانور کو قلاذہ نہ ڈالا جائے کیوں کہ یہ احرام ختم کرنے کے لیے ہے، کفارے کے لیے دیے گئے جانوروں کے گلے میں بھی قلاذہ نہ ڈالا جائے کیوں کہ یہ نقصان پورا کرنے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں ان کی اخفاء اور عدم تشہیر ہی مناسب ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں (۵۰۲) ہدی کے گلے میں قلاذہ ڈالنا اور اس پر علامت لگانا اور اس پر بڑا عمدہ کپڑا جتنا کہ استطاعت ہو ڈالنا اور اس کی کوہان شق کرنا مستحب ہے، پھر اسے قربان گاہ کی طرف لے جائے، اس کا کپڑا اتار دے اور کھڑے ہو کر اس کے سینے کی رگیں کاٹے یہ کام قربانی کے دن کرے۔ کپڑا اور رسیاں صدقہ کر دے اور قلاذہ خون میں پڑا رہنے دے۔

علامت لگانا، قلاذہ ڈالنا اور کپڑا ڈالنا اونٹ کے ساتھ مختص ہیں، گائے کو قلاذہ ڈالا جائے اور علامت لگائی جائے لیکن کپڑا نہ ڈالا جائے، بکری کو نہ قلاذہ ڈالا جائے نہ کپڑا نہ علامت لگائی جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں (۵۰۳) اگر نفل یا منت کی ہدی لے کر روانہ ہوا ہے تو اگر اونٹ یا گائے ہے تو مستحب یہ ہے کہ دو قیمتی جوتے اس کے گلے میں ڈال دے تاکہ صدقہ کیے جا سکیں اور اس پر علامت بھی لگا لے کیوں کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالخلیفہ میں ظہر کی نماز پڑھی، پھر اونٹ کے پاس آ کر اس کی دائیں کوہان پر علامت لگائی، اس سے خون بہہ پڑا، پھر آپ نے اس کے گلے میں دو جوتے ڈالے“ (۵۰۴) کیوں کہ ممکن ہے دوسروں سے گڈ مڈ ہو جائے جب اس پر علامت لگی ہوگی اور قلاذہ ہوگا تو الگ ہو سکے گا۔ ہو سکتا ہے بھاگ جائے تو علامت اور قلاذہ دیکھ کر جسے ملے وہ لوٹا دے گا۔

اگر بکری لے کر چلے تو اس کے گلے میں پھٹے ہوئے مشکیزے کے ٹکڑے ڈال دے کیوں کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار قلاذہ ڈالی ہوئی بکری بطور ہدی بھیجی“ (۵۰۵)، چوں کہ بکری کے لیے جوتے اٹھانا مشکل ہیں اس لیے ہلکی پھلکی چیز ڈالی جائے۔ اس پر علامت نہ لگائی جائے کیوں کہ بکریوں پر اتنے بال ہوتے ہیں کہ ان میں علامت نظر نہیں آتی۔ نیز بکری کمزور ہوتی ہے۔

ہدی کو قبلہ رو کر کے اس کے گلے میں قلاذہ ڈالا جائے اور علامت لگائی جائے۔ اونٹ کو بٹھا لیا جائے۔ اگر بکری کے گلے میں قلاذہ ڈال دیا یا علامت لگا دی تو ہدی واجب نہیں ہو جاتی، صحیح مشہور مذہب یہی ہے۔ یہ اس طرح ہے جیسے کوئی اپنے گھر کے دروازے



پر ”وقف“ لکھ دے۔

حنابلہ بھی شافعیہ سے ہم آہنگ ہیں (۵۰۶) ان کے نزدیک ہدی کو قلاادہ ڈالنا سنت ہے خواہ اونٹ ہو یا گائے یا بکری، ان کی دلیل حضرت عائشہؓ کی مذکورہ بالا روایت ہے جس میں ہے کہ میں ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قلاادوں کی رسیاں بٹا کرتی تھی، آپ بکری کے گلے میں قلاادہ ڈالتے اور خود اپنے گھر بغیر احرام کے رہتے تھے“۔

اونٹ اور گائے کو علامت لگانا سنت ہے کیوں کہ حضرت عائشہؓ کی متفق علیہ حدیث میں ہے: ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدی کے لیے قلاادے کی رسیاں بیٹیں، پھر آپ نے ان کو علامت لگائی اور ان کے گلے میں قلاادے ڈالے“۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک اونٹ اور گائے کو علامت لگائی جائے، حنفیہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے، مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک بکریوں کو قلاادہ نہ ڈالا جائے، صرف اونٹ اور گائے کو قلاادہ ڈالا جائے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک سب کو قلاادہ ڈالا جائے۔

## ۱۰۔ ہدی کا راستے میں ہلاک ہو جانا:

حنفیہ کہتے ہیں (۵۰۷) جو ہدی لے کر چلا، راستے میں ہدی ہلاک ہو گئی، اگر نفل ہدی تھی تو اس کے ذمے کچھ نہیں ہے، اگر واجب تھی تو اس کے قائم مقام ہدی ذبح کرے کیوں کہ واجب اس کے ذمے باقی ہے جو ابھی ادا نہیں ہوا، یہ اسی طرح ہے جیسے زکوٰۃ ادا کرنے سے پہلے زکوٰۃ کے لیے الگ کی گئی رقم ضائع ہو جائے۔

اگر اس میں کوئی بڑا عیب پیدا ہو گیا تو اس کی جگہ دوسری ہدی دے کیوں کہ واجب اس کے ذمے ہے اور عیب دار جانور کو جو چاہے کرے۔

اگر راستے میں ہدی ہلاک ہونے کے قریب ہو جائے تو اگر نفل ہدی تھی تو اسے ذبح

کرے اس کے قلابہ کو خون میں رنگ کر اس کے پہلو پر مارے تاکہ پہلو بھی خون آلود ہو جائے اور نہ خود اس میں سے کھائے نہ اغنیا کھائیں۔ اس طرح یہ معلوم ہوگا کہ یہ ہدی کا جانور ہے تو فقط فقرا کھائیں گے اغنیا نہیں کھائیں گے۔

اگر قربانی کا جانور واجب تھا تو اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے اور پہلے جانور کو جو چاہے کرے وہ اس کی ملکیت ہے جیسے دوسری چیزیں ملکیت ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں (۵۰۸) اگر نفل ہدی اپنے مقام پر پہنچنے سے پہلے ہلاک ہونے لگے تو اسے ذبح کر کے چھوڑ دے تاکہ لوگ لے جائیں۔ اس میں سے خود نہ کھائے۔ اگر خود کھا لیا تو اس کا بدل دے۔

اگر ہدی کے بچہ پیدا ہو گیا تو اگر ہدی کو قلابہ ڈالنے سے پہلے پیدا ہوا تو اسے ذبح کر دینا مستحب ہے اسے اٹھا کر مکہ نہ لے جائے اور اگر قلابہ ڈالنے یا علامت لگانے کے بعد پیدا ہوا تو اسے اٹھا کر مکہ لے جائے، اس کی ماں پر نہیں بلکہ کسی اور جانور پر، اگر خود نہ چل سکتا ہو۔

شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے (۵۰۹) اگر ہدی ہلاک ہونے لگے یا ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو تو اسے ذبح کر کے اس کے گلے کا جوتا خون میں ڈبو کر اسے اس کے پہلو پر مارے اور پھر وہیں چھوڑ دے تاکہ جو کوئی وہاں سے گزرے اسے معلوم ہو کہ یہ ہدی ہے اور اس سے کھا سکے۔ کیوں کہ ابوقبیسہؓ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدی بھیجا کرتے تھے پھر فرماتے کہ اگر راستے میں مرنے لگے تو اسے ذبح کر کے اس کا جوتا اس کے خون میں ڈبو کر اسے اس کے پہلو میں مار کر چھوڑ دینا خود یا تمہارے ساتھیوں میں سے اسے کوئی نہ کھائے“۔ (۵۱۰)

اگر نفل ہدی ہو تو مالک جو چاہے کرے، اسے بیچ دے، ذبح کرے، کھالے، دوسرے کو کھلا دے، چھوڑ دے جو چاہے کرے کیوں کہ اس کی ملک ہے اور اس کے بدلے میں کچھ واجب نہیں۔

اگر نفل ہدی ہو تو مالک جو چاہے کرے، اسے بیچ دے، ذبح کرے، کھالے، دوسرے کو کھلا دے، چھوڑ دے، جو چاہے کرے کیوں کہ یہ اس کی ملک ہے اور اس کے بدلے میں کچھ واجب نہیں۔

اگر منت کی ہدی تھی تو اسے ذبح کرنا واجب ہے۔ اگر اسے چھوڑ دیا حتیٰ کہ مرگئی تو اس کا تاوان واجب ہوگا جیسا کہ امانت کی حفاظت میں بے احتیاطی کی جس سے وہ ضائع ہوگئی تو تاوان واجب ہوگا۔

ہدی کے مالک، چرواہے اور نگران کے لیے اس میں سے بالاتفاق کھانا جائز نہیں ہے، اس کی دلیل اوپر مذکور حدیث ہے۔ اغنیا کے لیے اس میں سے کھانا بالاتفاق جائز نہیں کیوں کہ ہدی فقرا کا حق ہے، اغنیا کا اس پر کوئی حق نہیں۔ وہ فقرا جو، ہدی کے مالک کے ہمراہی نہ ہوں ان کے لیے بالاجماع کھانا جائز ہے کیوں کہ ناجیہ سلمیٰ کی حدیث ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ ہدی بھیجی اور فرمایا: اگر مرنے لگے تو اسے ذبح کر دینا، پھر اس کا جوتا اس کے خون میں ڈبو کر اسے لوگوں کے لیے چھوڑ دینا“ (۵۱۱)۔ صحیح یہ ہے کہ ہدی کے مالک کے ساتھی فقرا کے لیے بھی اس سے کھانا جائز نہیں۔

اگر ہدی کا مالک خود ہدی کو ہلاک کر دے تو شافیہ کے نزدیک اس کی مثل اور قیمت میں سے جو چیز تاوان کے اعتبار سے زیادہ مالیت کی ہو وہ دینا واجب ہے، جیسا کہ متعین قربانی بیچ دی اور وہ خریدار کے پاس مرگئی۔

اگر کسی اجنبی نے ہدی ہلاک کر دی تو اس پر قیمت واجب ہے، اس سے اس کی مثل خریدی جائے۔ اگر کسی نے ہدی خریدی، پھر اس کو ہدی کرنے کی منت مان لی، پھر دیکھا کہ اس میں عیب ہے تو اسے عیب کی وجہ سے واپس کرنا جائز نہیں کیوں کہ اب اس کے ساتھ اللہ کا حق متعلق ہو گیا ہے اور اللہ کا حق باطل کرنا جائز نہیں۔

اگر قربان گاہ میں پہنچنے سے پہلے ہدی ہلاک ہو گئی یا قربانی سے پہلے قربان گاہ میں ہلاک ہو گئی تو کوئی تاوان نہیں کیوں کہ وہ امانت تھی جس کے بارے میں بے احتیاطی نہیں کی گئی جیسا کہ اگر قربانی کا متعین جانور قربانی کے دن ذبح کرنے سے پہلے یا نذر کا متعین جانور ذبح کرنے سے پہلے مرجائے یا چوری ہو جائے تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہے۔

اگر کسی اجنبی نے مالک کی اجازت کے بغیر ہدی ذبح کر دی تو نذر ادا ہو گئی کیوں کہ اس کو ذبح کرنے کے لیے مالک کی نیت کی ضرورت نہیں تھی البتہ ذبح کرنے والے کو نقصان کا معاوضہ دینا پڑے گا اور وہ زندہ جانور اور ذبیحہ کی قیمت کا فرق ہے کیوں کہ اگر وہ ضائع کر دیتا تو تاوان دینا پڑتا جب ذبح کر دیا تو جتنا نقصان ہوا اس کا معاوضہ دے جیسا کہ گوشت کے لیے بکری ذبح کر دی جائے تو نقصان کا معاوضہ دینا ہوتا ہے۔

اگر معین ہدی قربانی کے وقت سے پہلے ذبح کر دی تو اس کا گوشت صدقہ کرنا واجب ہے اور مقررہ وقت کا اس کا بدل دیا جائے جیسا کہ قربانی کا متعین جانور یا منت کا جانور قربانی کے دن سے پہلے ذبح کر دیا جائے تو اس کا گوشت صدقہ کر دیا جائے۔ اس میں سے کچھ بھی کھانا جائز نہیں اور قربانی کے دن اس کا بدل دینا واجب ہے۔

اگر ہدی یا قربانی کے جانور نے جو کہ نفل کے طور پر دی جا رہی تھی بچہ دیا تو بچہ اسی کا ہے جس کی ملکیت میں بچے کی ماں ہے وہ جو چاہے کرے۔ خواہ اسے فروخت کر دے

یا اور کسی استعمال میں لائے جیسے کہ اس کی ماں کے ساتھ بھی جو چاہے کرے۔ البتہ اگر بچہ منت کے طور پر مانی ہوئی ماں کا ہے تو بچہ بالاتفاق ماں کے تابع ہے۔

حنابلہ کا مذہب اجمالاً وہی ہے جو شافعیہ کا ہے (۵۱۲)۔ اگر ہدی نفل ہے اور اس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے یا چلنے سے عاجز ہے، اپنے گلے کے ساتھ نہیں چل سکتی تو اسی جگہ ذبح کر دی جائے اور مساکین کے لیے چھوڑ دی جائے، خود اس میں سے کھانا جائز نہیں اور نہ مالک کے ہمراہی اس میں سے کھا سکتے ہیں خواہ فقرا ہوں۔ اس کا بدل اس پر واجب نہیں جیسا کہ ابوقبیسہؒ کی مقدم الذکر حدیث میں ہے۔

اگر منت کی ہدی تھی تو اس پر بدل واجب ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جو نفل ہدی بھیجے پھر وہ گم ہو جائے تو اس کا بدل واجب نہیں، ہاں اگر مالک چاہے تو دے دے، اگر منت کی ہدی ہو تو بدل واجب ہے“ (۵۱۳)۔

اگر ہدی کا مالک یا چرواہا یا نگران خود کھالے یا بیچ دے یا کسی مالدار کو کھلا دے یا اپنے ساتھیوں کو کھلا دے تو جتنا گوشت کھایا اس کی مثل دینا واجب ہے۔ اگر خود ضائع کر دی یا اس کی لاپرواہی سے ضائع ہو گئی یا ہلاک ہونے کا اندیشہ تھا لیکن ذبح نہیں کی حتیٰ کہ مرگئی تو اس کا تاوان دے اور تاوان کو فقرا حرم تک پہنچائے۔ اگر کسی فقیر کو کھلا دیا یا اسے کھانے کا حکم دیا تو تاوان نہیں دینا ہوگا، کیوں کہ گوشت مستحق تک پہنچ گیا۔

اگر کسی شخص کے کسی عمل سے ہدی عیب دار ہو گئی تو اس کی قیمت میں جتنی کمی واقع ہوئی ہے اس حد تک تاوان دے جو صدقہ کر دیا جائے۔

## حواشی و تعلیقات

- ۱- الدر المختار، ۲: ۱۸۹؛ اللباب، ۱: ۱۷۷؛ فتح القدیر، ۲: ۱۲۰؛ مغنی المحتاج، ۱: ۲۵۹ و بعد؛ المغنی، ۳: ۲۱۷؛ الشرح الكبير مع الدسوقي، ۲: ۲؛ کشاف القناع، ۲: ۲۳۷۔
- ۲- حاشیہ ابن عابدین منقول از ابن القیم، ۲: ۱۹۰۔
- ۳- مغنی المحتاج، ۱: ۴۶۰؛ کشاف القناع، ۲: ۲۳۶ و بعد۔
- ۴- مسلم نے حضرت انسؓ سے روایت کی۔ شرح مسلم، ۸: ۲۳۳ و بعد۔
- ۵- ایضاً نمبر ۳۔
- ۶- نیل الاوطار، ۴: ۲۸۲ و بعد۔
- ۷- الشرح الكبير، ۲: ۱۰۔
- ۸- بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی، ترمذی نے یہ اضافہ کیا ”اس کے پہلے گناہ معاف ہو جائیں گے“۔ رفث سے مراد فحش گفتگو ہے یا ہم بستری ہے، فسق سے مراد گناہ ہے۔
- ۹- نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔ حدیث کے الفاظ ہیں: ”اللہ کے مہمان تین لوگ ہیں۔ حاجی، عمرہ کرنے والا اور غازی“۔
- ۱۰- البزار، طبرانی نے جامع الصغیر میں، ابن خزیمہ نے اپنی صحیح اور حاکم نے اپنی مستدرک میں نقل کی ہے۔ حاکم کے الفاظ یہ ہیں: ”اے اللہ! حاجی کو بخش دے اور اسے بھی جس کے لیے حاجی مغفرت کی دعا کرے“۔
- ۱۱- البدائع، ۲: ۱۱۸۔

- ۱۲- بخاری اور مسلم نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔
- ۱۳- احمد، مسلم، نسائی (نیل الاوطار، ۴: ۲۷۹؛ شرح مسلم، ۹: ۱۰۱)۔
- ۱۴- احمد، نسائی (نیل الاوطار، ایضاً)۔
- ۱۵- شرح مسلم، ۹: ۱۰۱، المجموع، ۷: ۸؛ نیل الاوطار، ۴: ۲۸۰؛ الدر المختار، ۲: ۱۹۰؛ فتح القدیر، ۲: ۱۲۲۔
- ۱۶- ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے ابن مسعودؓ سے روایت کی۔
- ۱۷- البدائع، ۲: ۲۲۳؛ مغنی المحتاج، ۱: ۴۶۰، ۴۷۰؛ الشرح الكبير، ۲: ۱۰۔
- ۱۸- المغنی، ۳: ۲۲۶؛ شرح مسلم، ۹: ۱۱۸۔
- ۱۹- الدر المختار، ۲: ۱۹۱ و بعد؛ البدائع، ۲: ۱۱۹؛ الشرح الصغير، ۲: ۴؛ کشاف القناع، ۲: ۳۶۵؛ المغنی، ۳: ۲۱۸، ۲۲۱۔
- ۲۰- صحیح حدیث ہے، حاکم اور بیہقی نے حضرت علیؓ سے روایت کی۔
- ۲۱- احمد اور ابوالقاسم اصہبانی نے ابن عباسؓ سے روایت کی۔ اس کی سند میں ابواسرائیل ہے جس کا حافظہ کمزور تھا (نیل الاوطار، ۴: ۲۸۴)۔
- ۲۲- سعید بن منصور؛ احمد؛ ابویعلیٰ اور بیہقی نے ابوامامہؓ سے مرفوعاً روایت کی۔ اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم ضعیف ہے (ایضاً)۔
- ۲۳- ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے، اس کی سند میں کلام ہے اور اس میں ضعف ہے۔
- ۲۴- شرح المجموع، ۷: ۸۲ و بعد؛ المہذب، ۱: ۱۹۹؛ الايضاح، ۱۷: ۱؛ مغنی المحتاج، ۱: ۴۶۰، ۴۷۰۔
- ۲۵- الدر المختار، ۲: ۲۰۶؛ فتح القدیر، ۲: ۳۰۶؛ البدائع، ۲: ۲۲۶؛ مراقی الفلاح، ۱۲۶؛ الشرح

الصغیر، ۲: ۲؛ القوانین الفقہیہ، ۱۴۲؛ بدایۃ المجتہد، ۱: ۳۱۲؛ کاسانی نے البدائع میں عمرہ کے وجوب کی رائے اختیار کی ہے کہ عمرہ قربانی، صدقہ فطر اور وتر نماز کی طرح واجب ہے۔

۲۶- ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا؛ بیہقی؛ ابن ابی شیبہ؛ عبد بن حمید (نیل الاوطار، ۴: ۲۸۱) لیکن اس کی سند میں حجاج بن ارطاة ہے جو ضعیف ہے۔ ترمذی کا اسے صحیح قرار دینا محل نظر ہے کیوں کہ حجاج کے ضعیف ہونے کے بارے میں زیادہ آراء ہیں بلکہ نووی نے کہا ہے کہ اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔

۲۷- دارقطنی؛ بیہقی؛ ابن حزم، اس کی سند ضعیف ہے جیسا کہ ابن حجر نے کہا، انہوں نے مزید بتایا کہ اس سلسلے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ (نیل الاوطار، ایضاً)۔

۲۸- مغنی المحتاج، ۱: ۴۶۰؛ نووی، الايضاح فی مناسک الحج، ۷: ۱؛ المغنی، ۳: ۲۲۳ و بعد۔

۲۹- ابن ماجہ اور بیہقی وغیرہ نے صحیح اسناد سے روایت کی۔

۳۰- البدائع، ۲: ۱۲۰، ۱۲۳، ۱۶۰؛ فتح القدیر، ۲: ۱۲۰ و بعد؛ الدر المختار، ۲: ۱۹۳-۱۹۹؛ اللباب، ۱:

۱۷۷؛ القوانین الفقہیہ، ۱۲۷؛ الشرح الصغیر، ۲: ۶-۱۳؛ بدایۃ المجتہد، ۱: ۳۰۸ و بعد؛

المجموع، ۷: ۱۷-۲۵؛ مغنی المحتاج، ۱: ۲۶۱-۲۶۵؛ المہذب، ۱: ۱۹۵-۱۹۸؛ کشاف

القناع، ۲: ۲۴۰-۲۵۰؛ المغنی، ۳: ۲۱۸-۲۲۲؛ ۲۴۱، ۲۴۸-۲۵۰، نووی، متن الايضاح، ۹۹؛

المجموع، ۷: ۱۷-۱۷؛ غایۃ المنتہی، ۱: ۳۵۰-۳۶۱۔

۳۱- ابو داؤد؛ ابن ماجہ؛ ترمذی نے اسے حسن بتایا، یہ حضرت علیؑ سے مروی ہے۔

۳۲- امام احمد نے مرسل روایت کی، حاکم نے ابن عباسؓ سے روایت کی اور کہا کہ شیخین کی شرائط پر

ہے، لیکن ان دونوں نے اس کی روایت نہیں کی۔ نصب الراية، ۳: ۶؛ نیل الاوطار، ۴: ۲۹۳؛

امام الشافعی اور سعید بن منصور نے بھی روایت کی۔



۳۳- مغنی المحتاج، ۱: ۴۶۱ و بعد؛ الايضاح، ۹۹؛ المجموع، ۷: ۳۴ و بعد؛ الشرح الصغير، ۲:

۱۰؛ المغنی، ۳: ۲۵۲-۲۵۳۔

۳۴- احمد؛ مسلم؛ ابوداؤد اور نسائی نے ابن عباسؓ سے روایت کی (نیل الاوطار، ۴: ۲۹۳) اس مفہوم

میں حضرت جابرؓ سے ایک ضعیف حدیث ہے کہ: ”ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج

کیا، ہمارے ساتھ عورتیں اور بچے بھی تھے، ہم نے بچوں کی طرف سے تلبیہ کہا اور کنکر مارے۔“

اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ ابن عمرؓ کا قول ہے: ”ہم بچوں کے ہمراہ حج کیا کرتے

تھے جو خود کنکر مار سکتا وہ خود مارتا، جو خود نہ مار سکتا اس کی طرف سے کنکر مار دیے جاتے۔“

۳۵- البدائع، ۲: ۱۲۱؛ الشرح الصغير، ۲: ۱۰؛ المجموع، ۷: ۳۳-۳۴؛ المغنی، ۳: ۲۴۸-۲۵۰؛

کشاف القناع، ۲: ۴۴۲؛ اللباب، ۱: ۱۷۷ و بعد۔

۳۶- المجموع، ۷: ۳۶-۳۷؛ کشاف القناع، ۲: ۴۴۲-۴۴۹؛ المغنی، ۳: ۲۵۰۔

۳۷- البدائع، ۲: ۱۲۱-۱۲۵؛ اللباب، ۱: ۱۷۷؛ الدر المختار، ۱۹۳-۱۹۹۔

۳۸- الشرح الكبير، ۲: ۵-۱۰؛ الشرح الصغير، ۲: ۱۰-۱۳؛ بدایة المجتہد، ۱: ۳۰۹؛ القوانین

الفقیہیہ، ۱۲۷۔

۳۹- کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو عورت اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے اس کے

لیے جائز نہیں کہ بغیر محرم کے ایک دن رات کا سفر کرے۔“

۴۰- مغنی المحتاج، ۱: ۴۶۳-۴۷۰؛ المہذب، ۱: ۱۹۶-۱۹۸؛ نووی، الايضاح، ۱۶-۱۷۔

۴۱- اخراجات سے مراد ہے کھانا پینا، لباس، خدمت، رہائش، باپ کو اگر شادی کی ضرورت ہے تو اسے

شادی کرانا، طبیب کی اجرت اور قریبی محتاج رشتہ دار کی دواؤں کی قیمت۔

۴۲- احمد؛ ابوداؤد، حاکم اور بیہقی نے عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت کی، یہ حدیث صحیح ہے۔

- ۴۳ - المغنی، ۳: ۲۱۸-۲۲۲؛ کشاف القناع، ۲: ۲۵۰-۲۵۴۔
- ۴۴ - دارقطنی نے حضرت جابرؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عمروؓ، حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔
- ۴۵ - ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔
- ۴۶ - احمد؛ ابوداؤد؛ حاکم اور بیہقی نے عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت کی۔
- ۴۷ - البدائع، ۲: ۱۲۳-۱۲۴۔
- ۴۸ - متفق علیہ سے روایت ہے نیز امام احمد نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے (نیل الاوطار، ۴: ۲۹۰)۔
- ۴۹ - دارقطنی؛ ابوعوانہ نے اسے صحیح بتایا ہے۔ (ایضاً ۴: ۲۹۱)۔
- ۵۰ - نیل الاوطار، ۴: ۲۹۱۔
- ۵۱ - متفق علیہ، ابن عباسؓ سے روایت ہے، الفاظ مسلم کے ہیں، سبل السلام، ۲: ۱۸۳۔
- ۵۲ - علم نحو کے بعض ائمہ نے کہا ہے کہ غیر، کل اور بعض پر الف لام نہیں آتا، کیوں کہ یہ الفاظ اضافت سے معرفہ نہیں ہوتے اس لیے الف لام سے بھی معرفہ نہیں ہوتے۔ ابن عابدینؓ نے کہا ہے کہ ان پر الف لام آتا ہے لیکن یہ معرفہ بنانے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اضافت کے بدل کے طور پر ہوتا ہے۔ (رد المحتار، ۲: ۳۲۳)۔
- ۵۳ - فتح القدیر، ۲: ۳۰۸ و بعد؛ البدائع، ۲: ۲۱۲ و بعد؛ تبیین الحقائق، ۲: ۸۳-۸۵؛ الدر المختار، ۲: ۳۲۶ و بعد؛ الشرح الكبير مع الدسوقي، ۲: ۱۰؛ الشرح الصغير، ۲: ۱۴-۱۵؛ القوانین الفقہیہ، ۱۲۸؛ الفروق للقرافی، ۲: ۲۰۵؛ مغنی المحتاج، ۱: ۴۶۸؛ متن الايضاح، ۱۷؛ غایۃ المنتہی، ۱: ۳۵۸؛ القواعد لابن رجب، ۳۱۸؛ المغنی، ۳: ۲۲۷-۲۳۰۔

۵۴- مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی (ریاض الصالحین، ۳۳۷)۔

۵۵- مراجع سابقہ۔

۵۶- اس سلسلے میں سات احادیث روایت کی گئی ہیں، حضرت عائشہؓ، ابو ہریرہؓ، حضرت جابرؓ، ابی رافعؓ،

خدیفہ بن اسید الغفاریؓ، ابو طلحہ انصاریؓ اور حضرت انسؓ سے، حضرت عائشہؓ اور ابو ہریرہؓ کی روایات

ابن ماجہ میں ہیں۔ (نصب الراية، ۲: ۱۵۱-۱۵۴)۔

۵۷- دارقطنی؛ اس کی تائید حضرت علیؓ کی روایت سے ہوتی ہے وہ کہتے ہیں: ”جو کوئی قبرستان پر گزرے

اور گیارہ بار قل ہو اللہ احد پڑھے، پھر اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو جتنی تعداد میں وہاں لوگ دفن

ہوں گے سب کو ثواب ملے گا“۔ ابو داؤد میں حضرت معقل بن یسارؓ کی روایت ہے کہ: ”اپنے

مرنے والوں پر سورہ نیس پڑھا کرو“۔

۵۸- البدائع، ۲: ۱۲۳، ۱۲۴؛ الدر المختار، ۲: ۳۲۶-۳۳۳؛ الشرح الصغير، ۲: ۱۵؛ بداية المجتهد،

۱: ۳۰۹؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۶۸؛ بعد؛ المغنی، ۳: ۲۲۷؛ بعد؛ کشاف القناع، ۲۴۱-۲۴۴؛ ۲:

۲۵۵-۲۵۹۔

۵۹- کتاب الايضاح للنووي، ۱۶؛ بعد؛ طبع جماليہ، مصر؛ المہذب، ۱: ۱۹۹۔

۶۰- المہذب، ۱: ۱۹۹؛ المجموع، ۷: ۸۹؛ بعد۔

۶۱- صحاح ستہ اور مسند احمد نے ابن عباسؓ سے روایت کی؛ احمد؛ ترمذی نے اسی طرح کی ایک روایت

حضرت علیؓ سے کی اور اسے صحیح قرار دیا۔ احمد اور نسائی نے عبداللہ بن زبیرؓ سے ان الفاظ میں روایت

کی، ”نعم کا ایک آدمی آیا“ اور اس نے اپنے بوڑھے والد کا حال بیان کیا۔ (نیل الاوطار، ۳: ۲۸۵)

و بعد؛ سبل السلام، ۲: ۱۸۱)۔

۶۲- بخاری، نسائی میں ابن عباسؓ سے اس طرح کی ایک حدیث ہے (ایضاً، ۳: ۲۸۶؛ ایضاً، ۲: ۱۸۲)۔

۶۳- ابوداؤد؛ ابن ماجہ؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ حج اپنی طرف سے کرو، پھر شہرمہ کی طرف سے الگ حج کرو“ دارقطنی میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”یہ تمہارا حج ہے، شہرمہ کی طرف سے اور حج کرو“۔ (نیل الاوطار، ۴: ۲۹۲)۔

۶۴- الدر المختار، حاشیہ ابن عابدین، ۲: ۳۲۹۔

۶۵- ابن ماجہ (نیل الاوطار، ۵: ۲۸۶)۔

۶۶- ابوداؤد؛ ابن ماجہ (ایضاً)۔

۶۷- القوانین الفقہیہ، ۱۲۸؛ الشرح الصغیر، ۲: ۱۵؛ مغنی المحتاج، ۱: ۳۶۹؛ وبعد؛ المغنی، ۳: ۲۳۱ وبعد۔

۶۸- بخاری نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے۔ (نیل الاوطار، ۲: ۲۸۹)۔

۶۹- نسائی کے سوا صحاح ستہ نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے (ایضاً)۔

۷۰- الدر المختار و رد المحتار، ۲: ۳۲۷-۳۳۳؛ فتح القدیر، ۲: ۳۱۷-۳۲۱؛ البدائع، ۲: ۲۱۲

و بعد؛ الشرح الصغیر، ۲: ۱۵؛ الشرح الکبیر، ۲: ۱۸؛ القوانین الفقہیہ، ۱۲۸؛ شرح المحلی،

۲: ۹۰، کتاب الايضاح۔

۷۱- یہ تمام احادیث دارقطنی نے روایت کیں۔

۷۲- مسلم؛ بخاری۔

۷۳- ابوداؤد نے صحیح اسناد سے روایت کیں، بعض مسلم کی شرائط پر ہیں اور باقی بخاری کی شرائط پر۔ امام

شافعیؒ کہتے ہیں کہ جس نے حج نہ کیا ہو اس کے لیے ”صرورۃ“ کا لفظ استعمال کرنا مکروہ سمجھتا ہوں

کیوں کہ اس نے اپنے آپ کو حج پر جانے سے روک رکھا۔ حنابلہ بھی حج نہ کرنے والے

”صرورۃ“ کہنے کو مکروہ سمجھتے ہیں کیوں کہ حدیث میں ہے: اسلام میں صرورہ نہیں ہے۔

- ۷۴- حاشیہ ابن عابدین، ۲: ۳۲۹۔
- ۷۵- البدائع، ۲: ۲۱۳-۲۱۶۔
- ۷۶- المغنی، ۳: ۲۳۳-۲۳۶۔
- ۷۷- القوانین الفقہیہ، ۱۴۰: ۱۳۶ و بعد؛ کشاف القناع، ۲: ۲۳۶-۲۵۰؛  
المغنی، ۳: ۲۴۰؛ البدائع، ۲: ۱۴۰؛ الدر المختار، ۲: ۲۰۰۔
- ۷۸- بداية المجتہد، ۱: ۳۱۵؛ الشرح الصغير، ۲: ۱۷ و بعد؛ الشرح الكبير، ۲: ۲۱ و بعد۔
- ۷۹- حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حج کے مہینے شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ہیں۔
- ۸۰- فتح القدير، ۲: ۲۲۰ و بعد؛ الكتاب مع اللباب، ۱: ۱۹۸؛ المغنی، ۳: ۲۷۱، ۲۹۵؛ کشاف  
القناع، ۲: ۲۷۲۔
- ۸۱- ابوداؤد؛ بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:  
”یہ حج اکبر کا دن ہے۔“
- ۸۲- مغنی المحتاج، ۱: ۲۷۱؛ المہذب، ۱: ۲۰۰۔
- ۸۳- اللباب، ۱: ۲۱۵؛ بداية المجتہد، ۱: ۳۱۵؛ المجموع، ۷: ۱۳۳ و بعد؛ المہذب، ۱: ۲۰۰؛ مغنی  
المحتاج، ۱: ۲۷۱؛ کشاف القناع، ۲: ۲۷۲؛ المغنی، ۳: ۲۲۶؛ القوانین الفقہیہ، ۱۳۰۔
- ۸۴- ابوداؤد نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔
- ۸۵- ابوداؤد، ترمذی، نسائی وغیرہ نے ام معقل صحابیہؓ سے اور بخاری و مسلم نے ابن عباسؓ سے روایت کی۔
- ۸۶- فتح القدير، ۲: ۱۳۱-۱۳۳؛ البدائع، ۲: ۱۶۳-۱۶۷؛ اللباب، ۱: ۱۷۸ و بعد؛ القوانین الفقہیہ،  
۱۳۰؛ حاشیہ الباجوری، ۱: ۳۲۸؛ الشرح الكبير، ۲: ۲۲؛ الشرح الصغير، ۲: ۱۸-۲۵؛ مغنی  
المحتاج، ۱: ۲۷۳-۲۷۶؛ المہذب، ۱: ۲۰۲-۲۰۴؛ کشاف القناع، ۲: ۳۶۶-۳۶۹؛

المغنی، ۳: ۲۵۷-۲۶۷

۸۷- شیخین نے روایت کی۔ مسلم نے حضرت جابرؓ سے روایت کی کہ ”جب ہم نے احرام کھول دیے تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اباح سے احرام باندھنے کا حکم دیا“۔ (نصب الراية، ۳: ۱۶)۔

۸۸- بحر انہ: طائف کے راستے میں مکہ سے چھ فرسخ کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے۔ تنعیم: مسجد عائشہؓ کے نام

سے مشہور جگہ ہے، حدیبیہ: جدہ اور مدینہ کے درمیان مکہ سے چھ فرسخ کے فاصلے پر ایک کنواں ہے۔

۸۹- متفق علیہ۔

۹۰- نیل الاوطار، ۴: ۲۹۵۔

۹۱- ایضاً، ۴: ۲۹۶۔

۹۲- المجموع، ۷: ۱۰-۱۶؛ المہذب، ۱: ۱۹۵؛ الدر المختار، ۲: ۲۱۲؛ الشرح الصغير، ۲:

۲۳؛ المغنی، ۳: ۲۶۸؛ وبعد۔

۹۳- مسلم اور نسائی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی۔ نیل الاوطار، ۴: ۳۰۰۔

۹۴- ابن ابی شیبہؒ نے روایت کی۔ اس میں ایک راوی ضعیف ہے۔ (نیل الاوطار، ۳: ۱۵)۔

۹۵- البدائع، ۲: ۱۶۴؛ اللباب، ۱: ۱۷۸۔

۹۶- ابوداؤد اور احمد نے ام سلمہؓ سے روایت کی، ابن ماجہ میں یہ الفاظ ہیں: ”جس نے بیت المقدس سے

عمرہ کے لیے تلبیہ کہا اس کے گناہ معاف ہو گئے“ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (نیل الاوطار، ۴: ۲۹۸)۔

۹۷- نسائی، ابوداؤد۔

۹۸- بداية المجتهد، ۱: ۳۱۴؛ مغنی المحتاج، ۱: ۴۷۵؛ المغنی، ۳: ۲۶۳۔

۹۹- ابویعلیٰ موصلی نے اپنی مسند میں ابویوبؓ سے روایت کی۔

۱۰۰- سعید اور اثرم نے یہ دونوں حدیثیں روایت کیں۔

۱۰۱- البدائع، ۲: ۱۶۵-۱۶۷؛ الشرح الصغير، ۲: ۲۳؛ وبعده؛ الشرح الكبير، ۲: ۲۳؛ وبعده؛ المغنی

المحتاج، ۱: ۴۷۴؛ وبعده؛ المغنی، ۳: ۲۶۱-۲۶۶۔

۱۰۲- موقوف اور مرفوع دونوں طرح روایت کی گئی، موقوف روایت امام مالک وغیرہ نے صحیح سند سے

ان الفاظ سے کی ہے: ”جو کوئی حج کے اعمال میں سے کوئی عمل بھول جائے یا اسے چھوڑ دے تو

کفارے کے طور پر جانور کی قربانی دے۔“

۱۰۳- القوانین الفقہیہ، ۱۳۱-۱۳۵۔

۱۰۴- اسے یوم الترویہ اس لیے کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو جب حکم ہوا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں تو

انہوں نے رات خواب دیکھا اور اگلے روز صبح سے شام تک غور کرتے رہے کہ کیا یہ خواب اللہ کی

طرف سے تھا یا شیطان کی طرف سے اس لیے اس دن کو یوم الترویہ کا نام دیا گیا یا اس نام کی وجہ

تسمیہ یہ ہے کہ اس روز لوگ عرفات کے مقام پر بکثرت پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔

۱۰۵- اسی طرح کی روایت حضرت عائشہؓ اور ابن عمرؓ سے مروی ہے جو بخاری وغیرہ میں ہے (نیل الاوطار،

۲: ۲۹۸)۔

۱۰۶- ابوداؤد؛ نسائی؛ دارمی؛ ابن ابی شیبہ (دیکھیے: شرح مسلم: ۸: ۱۷۰-۱۹۵)۔

۱۰۷- طیلساں کی طرح ایک کپڑا پیٹ لیا جاتا ہے۔

۱۰۸- مشجب: لکڑیاں جن پر کپڑے اور گھر کا سامان لٹکایا جاتا ہے۔

۱۰۹- اس سے مراد آنے والے کو اس کے مناسب حال خوش آمدید کہنا ہے۔

۱۱۰- حجتہ الوداع مراد ہے۔

۱۱۱- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب نے حج کا احرام باندھا تھا کیوں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے حج کا احرام باندھا تھا۔

۱۱۲- اس سے مراد یہ ہے کہ عورت کمر میں ایک کپڑا باندھ لے اور ایک چوڑا کپڑا خون کی جگہ رکھ کر اس کے دونوں کنارے آگے پیچھے باندھ لے۔

۱۱۳- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احرام کی دو رکعات مستحب ہیں۔

۱۱۴- ابن قتیبہ نے بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کئی اونٹنیاں تھیں: قصواء (جس کے کان کے کنارے کٹے ہوئے تھے) جدعاء (جس کے کان قصواء سے زیادہ کٹے ہوئے تھے) عضباء (جس کے کان چرے ہوئے تھے)۔ محمد بن ابراہیم تمیمی تابعی وغیرہ کہتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک ہی اونٹنی تھی اور یہ تینوں اسی کے نام ہیں۔

۱۱۵- یعنی: لیبک لا شریک لکلبیہ کا مطلب ہے: دعا کی قبولیت اور یہ علامت ہے پکار پر حاضر ہونے کی۔

۱۱۶- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو تلبیہ کے الفاظ منقول ہیں، ان پر اکتفا کرنا مستحب ہے، اس پر اضافہ نہ کیا جائے جیسا کہ اکثر علماء مثلاً امام مالک اور شافعی کی رائے ہے۔ ابن عمرؓ سے یہ اضافہ مروی ہے: لیبک وسعدیک والخیر بیدیک والرغباء الیک والعا حضرت انسؓ سے ”لیبک حقاً تعبداً ورقاً“

۱۱۷- جنہوں نے افراد کو ترجیح دی، اس میں ان کی دلیل ہے۔

۱۱۸- یعنی طواف کے شروع میں ایک بار پتھر کو ہاتھ لگایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کوئی مکہ میں داخل ہو قوف عرفات سے پہلے طواف قدم کرے۔

۱۱۹- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کرنا سنت ہے اور بعد کے چار معمول کے مطابق ہوں۔ رمل سے مراد تیز چلنا اور قریب قریب پاؤں رکھنا ہے۔

۱۲۰- مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے دو رکعت طواف پڑھنے کا سنت ہونا اس سے ثابت ہے یا



رکعات حجر میں یا مسجد میں کسی جگہ یا مکہ میں یا حرم میں پڑھی جائیں۔

۱۲۱- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف کی دو رکعت کے بعد واپس آ کر حجر اسود کا استلام کیا جائے، پھر باب صفا سے نکل کر سعی کی جائے۔

۱۲۲- اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کی طرف سے لڑائی یا کسی اور سبب کے بغیر اللہ نے انہیں شکست دے دی۔ احزاب سے مراد وہ گروہ ہیں جو شوال ۴ھ میں غزوہ خندق کے موقع پر عرب بھر سے حملہ آور ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑنے جمع ہو گئے تھے۔

۱۲۳- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی ذکر، دعا اور اوپر چڑھنا مسنون ہے جیسا کہ صفا پر مسنون ہے۔

۱۲۴- یعنی جس بات کا آخر میں علم ہوا اگر شروع میں ہوتا تو میں قربانی کا جانور ساتھ نہ لاتا۔

۱۲۵- اس کا مطلب یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا قیامت تک جائز ہے، اس سے عربوں کا رواج ختم کرنا مقصود تھا، ان کے عقیدے کے مطابق حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا ممنوع تھا (شرح مسلم، ۸: ۱۶۶ و بعد)۔

۱۲۶- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آدمی اپنی بیوی میں کوئی ایسی بات دیکھے جس سے اس کی دین میں کمزوری ظاہر ہوتی ہو تو اسے ٹوکنے کے۔ حضرت علیؓ نے خیال کیا کہ یہ جائز نہیں اس لیے انہوں نے اسے ناپسند کیا۔

۱۲۷- یعنی تو نے اپنے آپ پر واجب کیا۔ مطلب یہ کہ تو نے نیت کیا کی؟

۱۲۸- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احرام کی نیت کو کسی دوسرے کی نیت کے ساتھ معلق کرنا جائز ہے۔

۱۲۹- یعنی اکثر، کیوں کہ حضرت عائشہؓ نے نہ تو احرام کھولا اور نہ وہ قربانی کا جانور لے کر آئی تھیں۔ بال اس لیے کٹوائے تاکہ حج میں سرمنڈوانے کے لیے کچھ باقی رہیں۔

۱۳۰- یہ ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ تھی۔

۱۳۱- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص مکہ میں ہو اور حج کرنا چاہتا ہو اس کے لیے افضل یہ ہے کہ ۸

ذوالحجہ کو احرام باندھے یہ امام شافعی اور ان کے مقلدین کا مذہب ہے۔

۱۳۲- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچوں نمازیں منیٰ میں پڑھنا سنت ہیں۔

۱۳۳- نمرہ: عرفات کے پہلو میں جگہ ہے جو عرفات میں شامل نہیں۔

۱۳۴- اس کا مطلب یہ ہے کہ قریش دور جاہلیت میں مشعر حرام یعنی مزدلفہ کی پہاڑی کے پاس ٹھہرتے تھے جس کا نام قزح تھا، کیوں کہ مزدلفہ حدود حرم میں ہے۔

۱۳۵- مزدلفہ سے آگے بڑھ گئے، وہاں نہیں ٹھہرے اور عرفات کو چل پڑے۔

۱۳۶- یعنی عرفات کے قریب پہنچ گئے، کیوں کہ آپ کے لیے نمرہ کے مقام پر خیمہ لگایا گیا۔

۱۳۷- یعنی نمرہ میں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر و عصر کی اکٹھی پڑھی جانے والی نمازوں سے پہلے عرفات میں پہنچنا خلاف سنت ہے۔

۱۳۸- سورج ڈھلنے کے بعد یعنی ظہر کا وقت شروع ہونے کے بعد کجاوہ رکھا گیا۔

۱۳۹- یہ وادی عرنہ ہے اور امام مالک کے سوا دیگر علماء کے نزدیک یہ عرفات کا حصہ نہیں ہے۔ ان کی رائے ہے کہ یہ عرفات ہے۔

۱۴۰- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ امام کو یوم عرفہ کے موقع پر حاجیوں کو خطاب کرنا چاہیے، مالکیہ کے سوا دیگر علماء کے نزدیک بالاتفاق سنت ہے۔

۱۴۱- اس کا مطلب ہے کہ اس کی حرمت شدید تر ہے۔

۱۴۲- اس میں جاہلیت کے افعال اور وہ خرید و فروخت جس میں قبضہ نہیں تھا باطل قرار دیے گئے، آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ”میرے پاؤں تلے ہیں“ سے مراد یہ ہے کہ باطل ہیں۔ سود تمام تر ختم

کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اصل مال سے زائد اس کے مالک کو واپس کر دیا جائے۔ وضع: واپس

کرنا، باطل کر دینا۔

۱۴۳- اس میں عورتوں کے حقوق کی رعایت کی ترغیب دی گئی ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔

۱۴۴- اللہ کے مباح کرنے سے: کلمہ سے مراد: فانك حوا اما طاب لكم من النساء (جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کرلو، النساء: ۴: ۳) ہے۔

۱۴۵- اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کسی کا داخلہ تم اپنے گھر میں پسند نہ کرتے ہو اور جسے اپنے گھر نہ بٹھانا چاہتے ہو، خواہ وہ اجنبی ہو یا بیوی کا محرم ہو یا کوئی عورت ہو اسے اجازت نہ دیں۔ معمولی پٹائی سے مراد یہ ہے کہ سخت نہ ہو اور تکلیف دہ بھی نہ ہو۔

۱۴۶- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کا نفقہ اور لباس دینا واجب ہے۔

۱۴۷- یعنی اسے پلٹ کر لوگوں کی طرف اشارہ کرتے۔

۱۴۸- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روز ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کرنا شرعاً جائز ہیں۔ اس پر امت کا اجماع ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حج کے باعث اور امام شافعی کے نزدیک سفر کرنے کے باعث۔

۱۴۹- عرفات میں وقوف کی جگہ جو چٹانوں کے بالمقابل پہاڑی کے سامنے ہے۔

۱۵۰- مستحب یہ ہے کہ جبل رحمت کے دامن میں پھیلی ہوئی چٹانوں پر وقوف کرے، جبل رحمت عرفات کے میدان کے درمیان ہے۔ لوگوں میں جو مشہور ہے کہ جبل رحمت پر چڑھنا چاہیے اور اس کے بغیر وقوف عرفات مکمل نہیں ہوتا، غلط ہے، صحیح یہ ہے کہ عرفات میں کسی بھی جگہ وقوف، جائز ہے۔

۱۵۱- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وقوف عرفات میں قبلہ رو ہونا مستحب ہے، جبل المشاة یعنی لوگوں کا اجتماع۔

۱۵۲- مغرب کے بعد تک وقوف مستحب ہے، یہ جمہور کا مذہب ہے، امام مالک کہتے ہیں کہ صرف دن کا وقوف درست نہیں، صرف رات کا وقوف ضروری ہے۔

۱۵۳- اگر جانور قوی ہو تو پیچھے کسی کو بٹھانا جائز ہے۔

۱۵۴- شفق، بل جانا، بچنس جانا، مورک الرحل: اس سے مراد پائیدان ہے، جس میں سوار جب تھک جاتا

ہے تو اپنا پاؤں رکھتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیدل چلنے والوں اور کمزور سواری والوں کی رعایت کرنا مستحب ہے۔

۱۵۵- یعنی اطمینان سے چلو، اس سے معلوم ہوا کہ عرفات سے اطمینان سے واپسی سنت ہے، جب کشادہ جگہ ملے تو تیز چلے، جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے۔ جبل سے مراد: ریت کا ٹیلا ہے۔

۱۵۶- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغرب اور عشا کو تاخیر سے جمع کرنا مستحب ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ حکم حج کی وجہ سے ہے، اس لیے اہل مکہ، مزدلفہ اور منیٰ سب کے لیے ہے، امام شافعی کے نزدیک سفر کی وجہ سے ہے۔ اس لیے انہیں لوگوں کے لیے جائز ہے جو دو مرحلوں کے سفر پر سے آئے ہوئے ہیں۔ لم یسبح کا مطلب ہے درمیان میں نوافل نہیں پڑھے۔ نوافل کو سب سے اس لیے کہتے ہیں کہ وہ تسبیحات پر مشتمل ہوتے ہیں۔

۱۵۷- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رات مزدلفہ میں یعنی قزح میں گزارنا چاہیے، یہ جمہور مفسرین، اہل سیر اور علماء حدیث کی رائے ہے۔ مشعر حرام سے تمام مزدلفہ مراد ہے۔

۱۵۸- یہ مزدلفہ میں ایک مشہور پہاڑی ہے جس کا نام قزح ہے، جمہور مفسرین، اہل سیر و حدیث کہتے ہیں کہ مشعر حرام سے سارا مزدلفہ مراد ہے۔

۱۵۹- ضمیر فجر کی طرف لوٹتی ہے یعنی خوب روشنی ہو جائے۔

۱۶۰- یعنی خوب صورت، عورتیں ان پر فریفتہ ہو جائیں۔

۱۶۱- ظعن، طعینہ کی جمع ہے، اصل میں اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس پر عورت سوار ہو، پھر مجازاً عورت کے لیے استعمال ہونے لگ گیا۔

۱۶۲- اس میں یہ ترغیب ہے کہ مرد اجنبی عورتوں کو اور عورتیں اجنبی مردوں کو نہ دیکھیں۔

۱۶۳- اس کا نام اس لیے محسر ہے کہ یہاں اصحاب فیل تباہ ہوئے تھے۔

- ۱۶۳- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرفات سے اس راستے سے واپسی سنت ہے۔
- ۱۶۵- حجرہ کبریٰ یعنی حجرہ عقبہ جو درخت کے پاس ہے، سنت یہ ہے کہ پہلے اس پر کٹکریاں مارے، اس سے پہلے اور کوئی کام نہ کرے۔
- ۱۶۶- باقلا (موٹھ) کے دانے کے برابر ہو، بڑا نہ چھوٹا، البتہ پتھر ہو، یہ جمہور کی رائے ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک جو چیز بھی جنس ارض سے ہو خواہ معدنیات میں سے ہو اس سے رمی جائز ہے۔
- ۱۶۷- یعنی جو باقی بچ گئیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے بہت جانور ہونا مستحب ہیں اور خود ذبح کرنے مستحب ہیں، کسی دوسرے کو نائب بنانا بلاجماع جائز ہے، بشرطیکہ نائب مسلمان ہو۔ شافعیہ کے نزدیک اگر نائب کو جانور دیتے وقت اور اسے ذبح کرتے وقت نیت کرے تو اہل کتاب کو بھی نائب بنایا جا سکتا ہے۔ بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو جانور مدینے سے لائے تھے وہ آپ نے خود ذبح کیے اور حضرت علیؓ جو یمن سے ساتھ لائے تھے وہ انہوں نے ذبح کیے۔
- ۱۶۸- بظاہر اسی قربانی میں انہیں شریک کیا، قاضی عیاض کہتے ہیں کہ میرے نزدیک حقیقتاً شریک نہیں کیا، بلکہ انہیں کچھ جانور آپ نے دے دیے تاکہ وہ انہیں ذبح کریں۔
- ۱۶۹- بضع، گوشت کا ٹکڑا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے جانور سے خود کھانا مستحب ہے۔
- ۱۷۰- یہ طواف افاضہ ہے جو بلاجماع حج کے ارکان میں سے ایک رکن ہے، شافعیہ کے نزدیک، اس کا اول وقت قربانی کی رات کے نصف سے شروع ہوتا ہے۔
- ۱۷۱- یعنی کنویں کے رسی سے پانی کھینچ کر لوگوں کو ڈول سے پلاؤ، یعنی ڈول بھر بھر کر حوض میں ڈالو تاکہ لوگ پییں اور لوگوں کو پانی پلاؤ، زمزم، مسجد حرام میں مشہور کنواں ہے اس کے اور خانہ کعبہ کے درمیان ۳۸ ذراع کا فاصلہ ہے۔
- ۱۷۲- اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ اسے بھی ارکان حج میں سے سمجھنے لگ جائیں گے اور لوگوں کا

اژدہام ہو جائے گا، لوگ تم پر غالب آ جائیں گے اور تمہیں پانی پلانے سے ہٹادیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ لوگوں کو پانی پلاتا۔

۱۷۳- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماء زمزم پینا مستحب ہے۔

۱۷۴- البدائع، ۲: ۱۲۵، ۱۳۳، ۱۳۳، وبعده، ۱۲۸۔

۱۷۵- خوشبو کی حالت میں باقی رہنے کو خوشبو لگانا نہیں کہتے، اس لیے وہ مکروہ نہیں ہے۔

۱۷۶- متفق علیہ، ابن عباسؓ سے مروی ہے (نیل الاوطار، ۵: ۷۹)۔

۱۷۷- حجتہ الوداع کے بارے میں حضرت جابرؓ کی طویل حدیث کا مفہوم ہے۔ بیہقی نے صراحۃً ابن مسعودؓ سے روایت کی۔ (نصب الراية، ۲: ۷۹)۔

۱۷۸- مسلم نے ابن عمرؓ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بطح میں اترتے تھے۔ (ایضاً، ۸۸) زہری نے حضرت سالمؓ سے روایت کی، لیکن حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ان بطح میں اترنا سنت نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے وہاں اترتے تھے کہ وہاں سے نکلنا آسان ہوتا تھا۔ (نیل الاوطار، ۵: ۸۳-۸۴)۔

۱۷۹- البدائع، ۲: ۲۲۶ وبعده۔

۱۸۰- الشرح الصغير، ۲: ۱۶، ۳۹، ۵۳، ۶۰، ۷۲ وبعده؛ القوانین الفقہیہ، ۱۳۱-۱۳۲۔

۱۸۱- شیخین نے عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کی، اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ایک بار حاضری کے بعد پھر حاضر ہوں، اب پھر اسی طرح حاضر ہوں جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو پکارا تھا تو بھی جواب دیا تھا اور جب دوسری بار ارواح سے کہا گیا تھا الست بربکم بہترین بات وہ ہے جو نووی نے المجموع میں لکھا ہے: لبیک کا مطلب ہے حاضر ہوں، ایک کے بعد دوسری بار، تیرے ہر حکم میں اور ہر خطاب کے موقع پر۔

۱۸۲- احمد؛ ابن ماجہ؛ بیہقی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کی۔

۱۸۳- بخاری۔

۱۸۴- حاشیہ الباجوری، ۱: ۳۲۳-۳۲۴؛ کتاب الايضاح للنووی، ۶۹-۷۰؛ مغنی المحتاج، ۱: ۵۱۳۔

۱۸۵- شافعیہ کے نزدیک سرمنڈوانا رکن ہے اور یہی مشہور اور مستند قول ہے، اگر رہ جائے تو قربانی کے کفارے سے اس کی کمی پوری نہیں ہوتی جب تک عمل مکمل نہ ہو احرام نہیں کھلے گا۔

۱۸۶- یاد رہے کہ بڑا جمرہ، جمرہ عقبہ ہے، شافعیہ اور حنابلہ کی بعض کتابوں میں جمرہ اولیٰ کو بڑا جمرہ کہا گیا ہے جو غلط ہے۔

۱۸۷- مطلب یہ ہے کہ جب تو نے ہمیں حج کے لیے بلایا تو میں حاضر ہوں اور بار بار حاضر ہوں۔

۱۸۸- احرام کی حالت میں سلعے ہوئے لباس اتار دینا واجب ہے، البتہ جب احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو سلا ہو لباس اتار دینا سنت ہے۔

۱۸۹- شرح مسلم للنووی، ۸: ۱۸۲؛ مغنی المحتاج، ۱: ۴۹۵ و بعد۔

۱۹۰- یعنی جب حج یا عمرہ کا یا دونوں کا ارادہ کرے، مرد ہو خواہ عورت، خواہ حیض یا نفاس والی ہو ترمذی نے اس روایت کو حسن قرار دیا۔

۱۹۱- شیخین نے احرام والے کے لیے روایت کی اور امام شافعی نے بلا احرام کے لیے بھی۔

۱۹۲- حاکم نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

۱۹۳- مغنی المحتاج، ۱: ۴۷۸-۴۸۳۔

۱۹۴- ایضاً، ۱: ۴۸۷-۴۹۲۔

۱۹۵- مسلم۔

۱۹۶- مسلم، باب صفا، دونوں رکن یمانی کے بالتقابل جو دروازہ ہے۔

۱۹۷- مسلم-

۱۹۸- مسلم-

۱۹۹- مسلم-

۲۰۰- مغنی المحتاج، ۱: ۲۹۶ و بعد-

۲۰۱- مسلم-

۲۰۲- ترمذی نے عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت کی۔

۲۰۳- مستغفری نے کتاب الدعوات میں ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت کی، حسن بصری کہتے ہیں، چند

مقامات پر دعا قبول ہوتی ہے۔ طواف میں، ملتزم پر، میزاب کے نیچے، بیت اللہ میں، صفا و مروہ

پر، سعی میں، مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے، عرفات میں، مزدلفہ میں، جمرات کے پاس۔

۲۰۴- حدیث میں ہے سات مواقع پر ہاتھ اٹھائے، نماز شروع کرتے ہوئے، قبلہ رو ہوتے وقت، صفا

و مروہ پر، دونوں موقفوں پر، دونوں جمرات پر۔

۲۰۵- حاکم نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

۲۰۶- مسلم-

۲۰۷- مغنی المحتاج، ۱: ۲۹۸-۵۰۱-

۲۰۸- متفق علیہ

۲۰۹- شیخین نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ کمزور افراد کو آگے بھیج دیا جائے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں

کہ ”مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے کمزور افراد کے ساتھ مزدلفہ کی رات

آگے بھیج دیا تھا“۔ اسی طرح اندھیرے میں نماز فجر پڑھنا بھی شیخین کی روایت ہے، نیز

اندھیرے میں نماز فجر پڑھنا ہر روز مستحب ہے مزدلفہ کے ساتھ مختص نہیں۔ تغلیس: اندھیرے میں



چلنا، آخر شب کی تاریکی۔

۲۱۰- مسلم۔

۲۱۱- وادی محسر: مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان ۵۳۵ ذراع کی وادی ہے جس میں مسلم کے مطابق جلدی

چلنے کا حکم ہے کیوں کہ بیت اللہ کو منہدم کرنے کے لیے آنے والے اصحاب فیل پر یہاں عذاب نازل ہوا تھا اور اصحاب فیل کا ہاتھی یہاں رک گیا اس لیے اسے محسر کہتے ہیں۔

۲۱۲- اتباع نبویؐ میں، جیسا کہ مسلم میں ہے۔ یہ جمرہ منیٰ میں نہیں ہے بلکہ مکہ کی جانب سے غربی سمت میں منیٰ کی آخری حد ہے۔

۲۱۳- اتباع نبویؐ میں؛ مسلم۔

۲۱۴- اخبار صحیحہ سے استفاد اتباع نبویؐ میں، جب کہ آپؐ کا ارشاد ہے: ”مجھ سے حج کے مسائل و احکام سیکھو“۔

۲۱۵- کشاف القناع، ۲: ۶۰۵؛ غایۃ المنتہی، ۱: ۴۲۱؛ وبعد؛ المحرر فی الفقہ الحنبلی لابن تیمیہ، ۲۲۲-۲۲۵۔

۲۱۶- اس کا نام ”صدر“ اس لیے ہے کہ صدر کا مطلب ہے، مسافر کا اپنے مقصد سے واپس آنا، یہ واپسی کا طواف ہوتا ہے۔

۲۱۷- غایۃ المنتہی، ۱: ۳۶۵؛ وبعد؛ ۳۷۱؛ کشاف القناع، ۲: ۴۸۸؛ وبعد۔

۲۱۸- سہل بن سعدؓ کی حدیث ہے ”جو مسلمان تلبیہ کہتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے دائیں بائیں درخت، پتھر، مکانات حتیٰ کہ یہاں اور وہاں سے زمین کے اجزاء بھی تلبیہ کہتے ہیں“۔ ترمذی نے جید سند کے ساتھ روایت کی؛ ابن ماجہ۔

۲۱۹- حضرت انسؓ کا قول ہے: میں نے لوگوں کو چیختے ہوئے سنا، بخاری۔

۲۲۰- دارقطنی نے خزیمہ بن ثابتؓ سے روایت کی کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تلبیہ سے فارغ

ہوتے تو اللہ سے مغفرت اور رضا مانگتے اور اس کی رحمت پہ آگ سے پناہ مانگتے۔“۔

۲۲۱ - غایۃ المنتھی، ۱: ۳۹۹-۴۰۲۔

۲۲۲ - طواف کرنے والا جب خانہ کعبہ کے بائیں جانب چلتا ہے تو پہلا رکن شامی و عراقی (شام کی

سمت) آتا ہے اس کے ساتھ رکن غربی ہے (مغرب کی سمت) پھر رکن یمنی (یمن کی سمت)۔

۲۲۳ - غایۃ المنتھی، ۱: ۴۰۴-۴۰۶۔

۲۲۴ - ایضاً، ۱: ۴۰۷ و بعد ۴۱۲، ۴۱۵۔

۲۲۵ - امام منیٰ میں بھی عید کے دن خطبہ دے اور ایام تشریق کے دوسرے دن بھی۔

۲۲۶ - غایۃ المنتھی، ۱: ۴۰۹ و بعد۔

۲۲۷ - مزدلفہ میں چھوٹی سی پہاڑی سے جسے قزح کہتے ہیں، سارے مزدلفہ کو مشعر کہا جاتا ہے۔

۲۲۸ - غایۃ المنتھی، ۱: ۴۱۰ و بعد؛ ۴۱۴ و بعد۔

۲۲۹ - المغنی، ۳: ۴۴۶۔

۲۳۰ - فقہاء و قوف کے آخری وقت پر متفق ہیں، اول وقت کے بارے میں اختلاف ہے۔ حنا بلہ کہتے

ہیں کہ یوم عرفہ کو طلوع فجر سے قوف کا وقت شروع ہوتا ہے۔ المغنی، ۳: ۴۱۵۔

۲۳۱ - البدائع، ۲: ۱۶۱ و بعد؛ فتح القدیر، ۲: ۱۳۴ و بعد؛ اللباب، ۱: ۱۷۹ و بعد؛ القوانین الفقہیہ، ۱: ۱۳۱؛

الشرح الصغیر، ۲: ۱۶ و بعد، ۲۵؛ مغنی المحتاج، ۱: ۴۷۶-۴۷۸؛ المہذب، ۱: ۲۰۴ و بعد؛

غایۃ المنتھی، ۱: ۳۶۵؛ المجموع، ۷: ۲۲۶ و بعد؛ المغنی، ۳: ۲۸۱-۲۸۸۔

۲۳۲ - بخاری، مسلم نے ابن عمرؓ سے روایت کی۔

۲۳۳ - مسلم؛ ایک قول یہ ہے کہ حضرت انسؓ کو حج اور عمرہ کو ملانے کے سلسلے میں اشتباہ ہوا ہے، نیچے کے

کسی راوی کو نہیں۔

۲۳۳- البدائع، ۲: ۱۶۳؛ الشرح الصغير، ۲: ۲۵؛ وبعد، المہذب، ۱: ۲۰۵؛ مغنی المحتاج، ۱: ۴۷۶ -

۴۷۸؛ المغنی، ۳: ۲۸۴ - ۲۸۷؛ الشرح الكبير، ۲: ۲۶؛ وبعد۔

۲۳۵- متفق علیہ؛ حضرت عائشہؓ سے روایت کی گئی ہے۔ (نیل الاوطار، ۴: ۳۰۸؛ وبعد) احلال کے معنی

ہیں: تلبیہ کے لیے آواز بلند کرنا۔ استہل الصبی کا مطلب ہے بچے نے چیخ ماری، اصل میں جب لوگ چاند دیکھتے تو چیخ مارتے تھے، اس لیے کہا جاتا ہے استہل الهلال پھر ہر طرح کے چیخنے والے کو مستہل کہا جانے لگا۔

۲۳۶- حالہ سے یہی مراد ہے یعنی اپنے احرام کو کسی دوسرے کے احرام سے متعلق کر دینا کہ جیسے فلاں

نے احرام باندھا ہے میں بھی اسی نیت سے احرام باندھتا ہوں، اس صورت میں اسی شخص کی طرح

محرم ہوگا (شرح مسلم، ۸: ۱۹۸؛ وبعد)۔

۲۳۷- متفق علیہ (شرح مسلم، ۸: ۱۹۸؛ وبعد)۔

۲۳۸- نیل الاوطار، ۴: ۳۰۸؛ المغنی، ۳: ۲۸۲؛ وبعد۔

۲۳۹- حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے: ”درد ہے، تکلیف ہے“۔

۲۴۰- یعنی میں احرام کھول دوں گی۔

۲۴۱- بخاری کے سوا صحاح ستہ نے روایت کی۔ نسائی میں ہے: ”جو تو مستثنیٰ کر دے وہ تیرے رب کے

ہاں اسی طرح ہے“ (نیل الاوطار، ۴: ۳۰۷) اور روایات بھی ہیں۔ حضرت عائشہؓ سے ایک متفق

ناہیہ روایت ہے۔ امام احمد نے عکرمہ سے روایت کی ہے۔

۲۴۲- البدائع، ۲: ۱۶۳ - ۱۶۷۔

۲۴۳- فتح القدیر، ۲: ۱۳۳ - ۱۳۰؛ اللباب، ۱: ۱۷۹؛ القوانین الفقہیہ، ۱۳۱؛ الشرح الصغير، ۲: ۲۹

؛ وبعد؛ مغنی المحتاج، ۱: ۴۷۸ - ۴۸۲، ۵۰۱؛ المہذب، ۱: ۲۰۴؛ وبعد، المجموع، ۷: ۲۱۱ - ۲۲۶؛

المغنی، ۳: ۲۷۰ - ۲۷۵، ۲۸۸ - ۲۹۳، ۳۰۱، ۳۲۵، ۳۳۰؛ غایۃ المنتہی، ۱: ۳۶۵ و بعد۔

۲۴۳ - سنن دارمی اور ترمذی وغیرہ نے زید بن ثابتؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

احرام کے لیے غسل فرمایا، نصب الراية، ۳: ۱۷۔

۲۴۵ - ابوداؤد اور ترمذی نے ابن عباسؓ سے روایت کی (نیل الاوطار، ۴: ۳۰۳)

۲۴۶ - مسلم نے جابرؓ سے روایت کی۔

۲۴۷ - احمد نے ابن عمرؓ سے روایت کی۔ کعبان ثخنہ (نیل الاوطار، ۴: ۳۰۵)۔

۲۴۸ - متفق علیہ، یہ روایت ابن عمرؓ کی مذکورہ بالا روایت کے لیے ناخ ہے۔ (نیل الاوطار، ۴: ۵)۔

۲۴۹ - ابوداؤد اور الاثرم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔

۲۵۰ - بخاری؛ مسلم؛ نسائی میں ہے جب احرام کا ارادہ کیا۔

۲۵۱ - متفق علیہ، یعلیٰ بن امیہؓ سے۔

۲۵۲ - نصب الراية، ۳: ۲۰ و بعد۔

۲۵۳ - ترمذی اور نسائی نے ابن عباسؓ سے روایت کی (نصب الراية، ۳: ۲۱)۔

۲۵۴ - ترمذی؛ ابن ماجہ نے ابن عمرؓ سے روایت کی۔ ترمذی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اور ابوالقاسم اصہبانی

نے جابرؓ سے اور ابن ابی شیبہ اور ابو یعلیٰ نے ابن مسعودؓ سے روایت کی۔ (نصب الراية، ۳: ۳۳)۔

۲۵۵ - اس کی اصل یا اللہ، حرف ندا حذف کر کے اس کی جگہ میم لگا دیا گیا۔

۲۵۶ - شیخین نے فضل بن عباسؓ سے روایت کی۔

۲۵۷ - البدائع، ۲: ۱۶۷؛ القوانین الفقہیہ، ۱۳۵؛ مغنی المحتاج، ۱: ۵۱۳ و بعد؛ غایۃ المنتہی، ۱:

۳۶۶ و بعد۔

- ۲۵۸- فتح القدیر، ۲: ۱۹۹ و بعد؛ اللباب مع الكتاب، ۱: ۱۹۲ و بعد؛ تبیین الحقائق، ۲: ۴۰ و بعد۔
- ۲۵۹- طحاوی نے ام سلمہؓ سے روایت کی (نصب الراية، ۳: ۹۹)۔
- ۲۶۰- بخاری و مسلم نے حضرت انسؓ سے روایت کی۔ (ایضاً)۔
- ۲۶۱- الشرح الصغير، ۲: ۳۳۲؛ القوانین الفقہیہ، ۱۳۵؛ بداية المجتهد، ۱: ۳۲۳؛ مغنی المحتاج، ۱: ۵۱۳؛ المہذب، ۱: ۲۰۰ و بعد، المجموع، ۷: ۱۳۷-۱۶۶؛ الشرح الكبير، ۲: ۲۷-۲۹۔
- ۲۶۲- بخاری؛ مسلم۔
- ۲۶۳- غایۃ المنتہی، ۱: ۳۶۶۔
- ۲۶۴- بخاری؛ مسلم نے ابن عمرؓ سے روایت کی (نصب الراية، ۳: ۱۱۳)۔
- ۲۶۵- بخاری؛ مسلم؛ ابوداؤد اور نسائی نے جابر بن عبد اللہؓ سے روایت کی۔ (جمع الفوائد، ۱: ۳۶۹ و بعد)۔
- ۲۶۶- المجموع، ۷: ۱۵۰۔
- ۲۶۷- مسلم نے حضرت انسؓ سے روایت کی۔
- ۲۶۸- فتح القدیر، ۲: ۲۸۸-۲۹۳؛ تبیین الحقائق، ۲: ۷۴-۷۶۔
- ۲۶۹- نیل الاوطار، ۳: ۳۱۸؛ الشرح الصغير، ۲: ۳۵؛ المغنی، ۳: ۲۸۴؛ اللباب، ۱: ۱۹۳۔
- ۲۷۰- متفق علیہ؛ حضرت نافعؓ سے روایت ہے (نیل الاوطار، ۳: ۳۱۷)۔
- ۲۷۱- یہ مسلم کے الفاظ ہیں۔ موسیٰ بن نافعؓ سے روایت ہے (شرح مسلم، ۸: ۱۶۶)۔
- ۲۷۲- شرح مسلم، ۸: ۱۶۷؛ بداية المجتهد، ۱: ۳۲۲؛ المغنی، ۳: ۲۸۷۔
- ۲۷۳- البدائع، ۲: ۱۲۷ و بعد، ۱۳۲ و بعد؛ اللباب، ۱: ۱۸۳، ۱۸۹، ۱۹۱؛ شرح المجموع، ۸: ۱۲ و بعد؛ القوانین الفقہیہ، ۱۳۲؛ الشرح الكبير، ۲: ۳۳ و بعد، الشرح الصغير، ۲: ۴۲، ۶۰، ۷۰؛ مغنی

المحتاج، ۱: ۲۸۳، ۵۰۳؛ ۵۰۹ و بعد؛ المغنی، ۳: ۳۷۰، ۴۴۰، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۵۸، ۴۶۵؛ حاشیة الباجوری، ۱: ۳۳۳؛ کتاب الايضاح للنووی، ۷۶-۷۷؛ غایة المنتهی، ۱: ۳۹۵، ۴۱۳، ۴۱۶، و بعد؛ بدایة المجتهد، ۱: ۳۳۲۔

۲۷۳- اسے طواف افاضہ اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ یہ منیٰ سے مکہ واپسی پر ادا کیا جاتا ہے، اسے طواف زیارت اس لیے کہتے ہیں کہ حاجی منیٰ سے واپس آتے ہیں اور بیت اللہ کی زیارت کرتے ہیں، وہاں ٹھہرتے نہیں بلکہ منیٰ میں رات گزارتے ہیں۔

۲۷۵- متفق علیہ (نیل الاوطار، ۵: ۸۸)۔

۲۷۶- اسے طواف وداع اس لیے کہتے ہیں کہ بیت اللہ سے رخصت ہوتے وقت کیا جاتا ہے اور اسے طواف صدر بھی کہتے ہیں، کیوں کہ لوگ اس طواف کے بعد اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔

۲۷۷- متفق علیہ۔

۲۷۸- ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، نسائی اور حاکم نے بھی روایت کی۔ امام شافعی نے یہ اضافہ کیا: ”آخری مناسک بیت اللہ کا طواف ہے“۔ (نصب الراية، ۳: ۸۹)۔

۲۷۹- سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کی ہے۔

۲۸۰- احمد؛ مسلم؛ ابوداؤد؛ ابن ماجہ، متفق علیہ روایت میں ہے: ”لوگوں کو حکم دیا گیا کہ سب سے آخر میں

بیت اللہ کا طواف کریں البتہ حیض والی عورت کے لیے اس میں نرمی ہے“۔ احمد نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ اگر حیض والی عورت نے طواف افاضہ کر لیا ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طواف صدر کیے بغیر وطن لوٹ جانے کی اجازت دے دی تھی۔

۲۸۱- ابوداؤد نے عبدالرحمن بن صفوانؓ سے اور عمر بن شعیب نے اپنے باپ اور دادا کے واسطے سے روایت کی۔

۲۸۲- یہ امام شافعی کا کلام ہے۔ بیہقی نے روایت کی ہے۔

۲۸۳- البدائع، ۲: ۱۲۸-۱۳۲؛ فتح القدیر، ۲: ۱۸۰-۱۸۲۔

۲۸۴- ابن حبان اور حاکم نے ابن عباسؓ سے ان الفاظ سے روایت کی: ”بیت اللہ کا طواف نماز ہے، البتہ

اللہ نے اس میں بات کرنے کی اجازت دی ہے، جو کوئی بات کرے تو صرف اچھی بات کرے۔“

ترمذی کے الفاظ یہ ہیں: ”بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح ہے“ (نصب الراية، ۳: ۵۷)۔

۲۸۵- القوانین الفقہیہ، ۱۳۲، الشرح الصغير، ۲: ۴۶-۴۸، ۶۰؛ بدایة المجتہد، ۱: ۳۳۰ وبعده۔

۲۸۶- معنی المحتاج، ۱: ۲۸۵-۲۸۷، ۴۸۷، ۵۰۴۔

۲۸۷- دیوار کے عرض سے بنیاد سے جو حصہ خارج کر دیا گیا، دو تہائی ذراع کے برابر زمین سے بلند جگہ

ہے یعنی رکن غربی اور یمانی کے درمیان جو چھوٹی دائرے میں دیوار ہے، قریش نے رقم ۴ پڑ

جانے کے باعث اس کی تعمیر چھوڑ دی تھی وہ کعبہ کا حصہ ہے۔

۲۸۸- شمال کی جانب شامی رکنوں کے درمیان کی جگہ، جس کے ارد گرد دیوار ہے اور دونوں رکنوں کے

درمیان کھلی جگہ ہے، اب مغربی جانب کا راستہ بند کر دیا گیا ہے۔ یہ چھ ہاتھ جگہ ہے۔ دوسرے

الفاظ میں یہ بیت اللہ کی دیوار کے ساتھ ملا ہوا نچلا حصہ ہے جو دیوار کے ساتھ فٹ پاتھ کی طرح

ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جو بیت اللہ کی تعمیر کے وقت اس سے زائد بچ رہی تھی۔

۲۸۹- ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے بیان کی، نیز صحیح مسلم کی شرط پر یہ روایت پوری

اترتی ہے۔

۲۹۰- غایۃ المنتہی، ۱: ۴۰۲؛ المغنی، ۳: ۴۴۰ وبعده۔

۲۹۱- حضرت جابرؓ سے متفق علیہ روایت ہے۔ مسلم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے انہیں عمرہ کے افعال چھوڑ دینے کا حکم دیا اور یہ کہ حج کا احرام باندھ لیں، چنانچہ

انہوں نے قرآن کر لیا اور عرفات میں وقوف کیا اور طواف کے سوا سارے مناسک مکمل کیے اور طواف پاک ہونے تک مؤخر کر دیا۔ (شرح مسلم، ۸: ۱۳۳-۱۳۰؛ نیل الاوطار، ۴: ۳۱۸)۔

۲۹۲- شرح مسلم میں اس موضوع کا مطالعہ کیجئے، ۸: ۱۳۹ و بعد؛ بدایۃ المجتہد، ۱: ۳۳۱؛ فتح القدیر، ۲: ۲۲۲-۲۲۳؛ مغنی المحتاج، ۱: ۵۱۴؛ المغنی، ۳: ۴۶۱، ۴۸۱ و بعد۔

۲۹۳- الدر المختار، ۲: ۲۲۷-۲۳۳؛ البدائع، ۲: ۱۳۱؛ مراقی الفلاح، ۱۲۴؛ القوانین الفقہیہ، ۱۳۲؛

الشرح الصغير، ۲: ۴۸-۵۲؛ الايضاح، ۳۳-۴۴؛ مغنی المحتاج، ۱: ۲۸۷-۲۹۲؛ غایۃ

المنتہی، ۱: ۴۰۲؛ المغنی، ۳: ۳۷۲-۳۷۶، ۳۷۹، ۳۸۳۔

۲۹۴- امام شافعی اور امام احمد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

۲۹۵- ابو داؤد؛ نسائی نے ابن عمرؓ سے روایت کی۔

۲۹۶- اس سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ نے اپنے احکام پر عمل کرنے اور نواہی سے رکنے کا لیا ہوا ہے۔

۲۹۷- یعنی دعا کرنے والا، جو اللہ سے آگ کی پناہ کی التجا کرتا ہے۔

۲۹۸- ترمذی نے اسے حسن قرار دیا۔

۲۹۹- رمل یا جنب کا مفہوم ہے قریب قریب پاؤں رکھ کر تیز تیز چلنا، جس میں دوڑنا بھی نہ ہو اور پھلانگنا

بھی نہ ہو۔ رمل ایک ایسا عمل ہے کہ اس کی وجہ اب باقی نہیں رہی لیکن اس کا حکم باقی ہے۔ اس کا

سبب یہ تھا کہ صحابہؓ جب عمرہ کرنے کے لیے آئے تو مکہ والوں نے کہنا شروع کیا کہ بیٹرب کے

بخار نے ان کو کمزور کر دیا ہے۔ کفار مکہ کے اس اتہام کو دور کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے صحابہؓ سے کہا کہ وہ ابتدائی چکروں میں رمل کریں۔

۳۰۰- ابو داؤد نے صحیح سند سے روایت کی، ابن ماجہ؛ ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا (نیل الاوطار، ۵: ۳۸)۔

۳۰۱- احمد؛ ابو داؤد؛ بغل کے نیچے سے مراد یہ ہے کہ دائیں کندھے کے نیچے سے چادر گزار کر اس کے



دونوں کنارے بائیں کندھے پر ڈال دے۔ عواتق جمع عاتق: کندھا (نیل الاوطار، ۵: ۳۸)۔

۳۰۲- دونوں روایتیں امام احمد نے روایت کی ہیں: پہلی روایت حبیبہ بن ابی تجراہ سے اور دوسری صفیہ بنت شیبہ سے ہے۔ (نیل الاوطار، ۵: ۵۰)۔

۳۰۳- البدائع، ۲: ۱۳۴ و بعد؛ الدر المختار، ۲: ۲۳۴؛ الشرح الصغير، ۲: ۵۰ و بعد؛ الشرح الكبير، ۲: ۴۱؛ القوانین الفقہیہ، ۱۳۲؛ مغنی المحتاج، ۱: ۴۹۳ و بعد؛ الحضر میہ، ۱۲۸؛ الايضاح، ۴۲-۴۳؛ غایۃ المنتہی، ۱: ۴۰۴-۴۰۶؛ المغنی، ۳: ۳۸۵-۳۸۹۔

۳۰۴- نسائی، مسلم کی شرط پر ہے، مسلم میں الفاظ یہ ہیں: ”میں شروع کرتا ہوں“ خبر ہے امر نہیں، سنن اربعہ نے نبداً (ہم شروع کرتے ہیں) کے الفاظ سے روایت کی ہے۔

۳۰۵- شیخین نے روایت کی۔

۳۰۶- سات مواقع پر اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں: نماز شروع کرتے وقت، کعبہ پر پہلی نظر پڑتے وقت، صفا پر، مروہ پر، عرفات میں، مزدلفہ میں، پہلے اور درمیانے جمرہ پر۔

۳۰۷- بے شمار نعمتیں۔

۳۰۸- یعنی اس کی قدرت۔

۳۰۹- تیز چلنا۔

۳۱۰- البدائع، ۲: ۱۳۵۔

۳۱۱- البدائع، ۲: ۱۲۵-۱۲۷؛ الدر المختار، ۲: ۲۳۷ و بعد؛ اللباب، ۱: ۱۹۱ و بعد؛ الشرح الصغير، ۲:

۵۳-۵۷؛ القوانین الفقہیہ، ۱۳۳؛ بدایۃ المجتہد، ۱: ۲۳۵-۲۳۷؛ مغنی المحتاج، ۱:

۴۹۶، ۵۱۳؛ الايضاح، ۴۷؛ المغنی، ۳: ۴۰۷-۴۱۶؛ غایۃ المنتہی، ۱: ۴۰۸۔

۳۱۲- ترمذی؛ ابوداؤد؛ ابن ماجہ؛ نسائی۔

۳۱۳- ابوداؤد؛ ابن ماجہ۔

۳۱۴- ابن ماجہ۔

۳۱۵- عروہ بن مضر ہے صحاح خمسہ نے روایت کی۔ تفت سے مراد وہ کام ہیں جو احرام کھولنے والا احرام کھولتے وقت کرتا ہے مثلاً سر منڈانا یا بال کٹوانا، زیر ناف اور بغلوں کے بال صاف کرنا وغیرہ جو فطری خصائص ہیں۔

۳۱۶- ابوداؤد؛ ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ مزدلفہ کی رات کو لیلۃ جمع کہتے ہیں (نیل الاوطار، ۵: ۵۹)۔

۳۱۷- احمد؛ سنن اربعہ نے روایت کی ہے۔ سنن ترمذی نے عروہ بن مضر بن اوس کی روایت کو صحیح قرار

دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرفہ کا پورا دن وقوف کا وقت ہے (نیل الاوطار، ۵: ۵۸) لیکن

علماء نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ”نہارا“ سے زوال آفتاب کے بعد کا وقت

ہے۔ یاد رہے کہ حنابلہ نے ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے عرفہ کے دن فجر کے بعد سے وقوف

کی اجازت دی ہے۔

۳۱۸- الايضاح، ۵۱-۵۲۔

۳۱۹- حنفیہ اور حنابلہ کے درمیان طواف اور وقوف میں نیت کی شرط کے سلسلے میں: کہ طواف میں نیت

شرط ہے اور وقوف میں نہیں اختلاف کا سبب یہ ہے کہ احرام کے وقت کی نیت حج کے تمام

مناسک کو شامل ہے۔ وقوف احرام کی حالت میں ہوتا ہے جب کہ طواف کبھی احرام میں ہوتا ہے

کبھی احرام کے بغیر، اس لیے حنفیہ نے اصل نیت کی شرط لگائی ہے، تعیین نیت کی نہیں۔

۳۲۰- بخاری نے ابن عباسؓ سے روایت کی۔ دس دنوں کو ایام معلومات اور ایام تشریق کو ایام معدودات

کہتے ہیں۔ ابن جزی مالکی نے القوانین الفقہیہ (ص ۱۴۳) میں کہا ہے کہ ایام معلومات قربانی

کے تین دن ہیں اور ایام معدودات منیٰ کے ایام ہیں جو ایام تشریق بھی ہیں۔ یہ قربانی کے دن

کے بعد کے تین دن ہیں۔ قربانی کا دن معلوم ہے معدود نہیں، دوسرا اور تیسرا دن معلوم بھی ہے معدود بھی اور چوتھا دن معدود ہے معلوم نہیں۔

۳۲۱- البدائع، ۲: ۳۱۵ و بعد، ۱۵۵ و بعد؛ الدر المختار، ۲: ۲۴۱-۲۴۵؛ فتح القدیر، ۲: ۱۶۹-۱۷۳؛ اللباب، ۱: ۱۸۶ و بعد؛ الشرح الصغير، ۲: ۵۷ و بعد؛ القوانین الفقہیہ، ۱۳۳؛ الايضاح، ۵۵ و بعد؛ مغنی المحتاج، ۱: ۲۹۹ و بعد؛ ۱: ۴۰۹ و بعد؛ المغنی، ۲: ۴۱۷-۴۲۶، ۴۵۰-۴۵۶؛ شرح المجموع، ۸: ۱۲۰؛ کفاية الاختيار، ۱: ۲۳۰۔

۳۲۲- ابوداؤد؛ ابن ماجہ۔

۳۲۳- متفق علیہ (نصب الراية، ۳: ۷۲)۔

۳۲۴- متفق علیہ۔

۳۲۵- پانچ صحابہؓ نے روایت کی، ابن ماجہ میں حضرت جابرؓ سے، مسند احمد میں جبیر بن مطعمؓ سے، طبرانی اور حاکم میں ابن عباسؓ سے، ابن عدی نے ابن عمرؓ سے اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔ ابن عباسؓ کے سوا بقول حاکم یہ تمام اسناد ضعیف ہیں۔ امام حاکم کے مطابق ابن عباسؓ کی روایت شرط مسلم پر صحیح ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: ”عرفہ سارا موقف ہے، وادی عرنہ سے اٹھ جاؤ، مزدلفہ سارا موقف ہے، وادی حمر سے اٹھ جاؤ“۔ (نصب الراية، ۳: ۶۰ و بعد)۔

۳۲۶- حضرت جابرؓ کی طویل حدیث جو اوپر بیان ہوئی۔

۳۲۷- متفق علیہ، فضل بن عباسؓ سے روایت ہے۔

۳۲۸- اسے وادی ناربھی کہتے ہیں جو پانچ سو ہاتھ لمبی اور پینتالیس ہاتھ چوڑی ہے۔

۳۲۹- بخاری نے ابن عباسؓ سے یہ الفاظ نقل کیے: ”لوگو! سکون اختیار کرو، بھاگ دوڑ میں کوئی نیکی نہیں“۔

۳۳۰- البدائع، ۲: ۱۳۶-۱۳۹، ۱۵۶-۱۵۹؛ الدر المختار، ۲: ۲۴۵-۲۴۹؛ القوانین الفقہیہ، ۱۳۳؛ اللباب، ۱:

۱۸۸-۱۹۰: الشرح الصغير، ۲: ۵۸ و بعد؛ ۶۳-۶۹: مغنی المحتاج، ۱: ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۶، ۵۰۹-۵۰۹؛

الایضاح، ۵۸-۶۰: المغنی، ۳: ۲۲۲-۲۳۰؛ غایۃ المنتهی، ۱: ۴۱۰-۴۱۱، ۴۱۲۔

۳۳۱- احمد؛ مسلم؛ نسائی (نیل الاوطار، ۵: ۶۵)۔

۳۳۲- ابوداؤد۔

۳۳۳- احمد اور سنن اربعہ نے ابن عباسؓ سے روایت کی، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا، اس کے الفاظ

ہیں، ”نبیؐ نے اپنے اہل خانہ کے کمزور افراد کو آگے بھیج دیا اور فرمایا: سورج نکلنے سے پہلے رمی نہ

کرنا“ (نیل الاوطار، ۵: ۶۷)۔

۳۳۴- نیل الاوطار، ۴: ۳۲۲۔

۳۳۵- احمد؛ ابن ماجہ؛ ترمذی (نیل الاوطار، ۵: ۷۹)۔

۳۳۶- اہل سقایہ: مسجد حرام میں ایک جگہ ہے جہاں زمزم کے کنوئیں سے پانی نکال کر حوضوں میں بھریا

جاتا تھا جہاں سے حاجی پانی پیتے تھے، پانی بھرنے والوں کے لیے منیٰ میں رات گزارنے کی

معافی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی بھرنے کے لیے حضرت عباسؓ کو مکہ میں رات

رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ شیخین نے روایت کی ہے۔

۳۳۷- فتح القدیر، ۲: ۲۹۸؛ الشرح الصغير، ۲: ۶۳؛ السراج الوہاج، ۱۶۵؛ کشاف، لقناع، ۲:

۵۱۱؛ المغنی والشرح الكبير، ۳: ۴۷۹۔

۳۳۸- خذف: دو انگلیوں سے کنکری پھینکنا۔

۳۳۹- احمد؛ سنن اربعہ؛ ترمذی نے حضرت جابرؓ کی روایت کو صحیح قرار دیا (نیل الاوطار، ۵: ۶۳)۔

۳۴۰- حجرہ، عمارت یا آج کل ستون بنا ہوا ہے، اس کے ارد گرد کنکریاں مارنے کی جگہ۔

۳۴۱- ابن عدی؛ احمد؛ حاکم؛ نسائی (نصب الراية، ۳: ۷۶)؛ احمد اور مسلم نے فضل بن عباسؓ سے

روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”چھوٹی چھوٹی کنکریوں سے جمرہ پر رمی کرو“  
(نیل الاوطار، ۵: ۶۲)

۳۳۲- دارقطنی؛ حاکم نے ابوسعید خدریؓ کی روایت کو صحیح قرار دیا، ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، یا رسول اللہ، جن جمرات پر ہم ہر سال کنکریاں مارتے ہیں لگتا ہے کنکریاں کم ہو جاتی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: جو قبول ہوتی ہیں، اٹھالی جاتی ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو کنکریوں کے پہاڑ لگ جاتے۔“ ابن عباسؓ کی روایت ہے: ”کیا تجھے معلوم نہیں، جس کا حج قبول ہو جاتا ہے اس کی کنکریاں اٹھالی جاتی ہیں۔“ (نصب الراية، ۳: ۷۸ و بعد)۔

۳۳۳- بخاری نے ابن عمرؓ سے روایت کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی وضاحت ہے کہ ”پھر جمرہ عقبہ کے پاس آئے اور سات کنکر مارے، ہر کنکری مارتے وقت تکبیر کہے، پھر لوٹ جائے اور وہاں کھڑا نہ ہو“ (نصب الراية، ۳: ۷۷)۔

۳۳۴- مسلم نے حضرت جابرؓ کی طویل حدیث روایت کی۔ احمد نے ابن عمرؓ سے روایت کی۔

۳۳۵- نصب الراية، ۳: ۶۷ و بعد۔

۳۳۶- البدائع، ۲: ۱۳۸؛ اللباب، ۱: ۲۰۵۔

۳۳۷- شرعی یا بغدادی صاع ۲۷۵۱ گرام کے برابر ہے۔

۳۳۸- الشرح الصغير، ۲: ۶۳، ۶۸؛ الشرح الكبير مع الدسوقي، ۲: ۴۷ و بعد۔

۳۳۹- مغنی المحتاج، ۱: ۵۰۸ و بعد۔

۳۵۰- المغنی، ۳: ۴۵۵ و بعد؛ غایۃ المنتهی، ۱: ۴۱۰، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۲۱۔

۳۵۱- فتح القدير، ۲: ۱۸۳؛ اللباب، ۱: ۱۸۹؛ الشرح الصغير وحاشیہ، ۲: ۶۵؛ مغنی المحتاج، ۱: ۵۰۵

و بعد؛ المغنی، ۳: ۴۴۹؛ الايضاح، ۶۶ و بعد۔

۳۵۲- متفق علیہ۔

۳۵۳- ابوداؤد۔

۳۵۴- البدائع، ۲: ۱۲۰-۱۲۲؛ بداية المجتهد، ۱: ۳۳۰؛ الشرح الكبير، ۲: ۴۶؛ الشرح الصغير، ۲:

۵۹، ۶۲، ۷۳؛ مغنی المحتاج، ۱: ۵۰۲، ۵۱۳؛ المغنی، ۳: ۲۳۲-۲۳۹؛ غایة المنتهی، ۱:

۴۱۲؛ القوانین الفقہیہ، ۱۳۳؛ الايضاح، ۶۳، ۵۸۔

۳۵۵- احمد؛ مسلم؛ ابوداؤد (نیل الاوطار، ۵: ۶۸)۔

۳۵۶- متفق علیہ (نیل الاوطار، ۵: ۶۹)۔

۳۵۷- دارقطنی اور ابوداؤد نے ابن عباسؓ سے روایت کی (نیل الاوطار، ۵: ۷۰)۔

۳۵۸- حضرت عائشہؓ سے اسی طرح کی روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو سر

منڈانے سے منع فرمایا“۔

۳۵۹- بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، الفاظ یہ ہیں: ”جس چیز سے میں روکوں، اس

سے رک جاؤ، جس کا حکم دوں.....“۔

۳۶۰- سعید نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔

۳۶۱- الاثرم؛ ابوداؤد نے اسے ضعیف بتایا۔

۳۶۲- شافعیہ کے نزدیک یہ راجح ہے جیسا کہ نوویؒ نے اسی کو ترجیح دی۔

۳۶۳- نسائی میں جید سند کے ساتھ مروی ہے۔

۳۶۴- بخاری؛ مسلم؛ ابوداؤد؛ نسائی؛ ابن ماجہ۔ مقاسمہ یہ تھا کہ قریش اور بنو کنانہ نے عہد کیا تھا کہ

بنو ہاشم اور بنو مطلب سے رشتہ داری، خرید و فروخت اور تعلقات نہیں رکھیں گے جب تک کہ وہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالے نہ کر دیں۔ (نیل الاوطار، ۵: ۸۴)۔

۳۶۵- متفق علیہ (نیل الاوطار، ۵: ۸۳ و بعد)۔

۳۶۶- البدائع، ۲: ۱۵۱ و بعد؛ الدرالمختار، ۲: ۲۳۶ و بعد؛ القوانین الفقہیہ، ۱۳۳؛ الشرح الصغیر، ۲:

۵۴؛ مغنی المحتاج، ۱: ۴۹۵ و بعد؛ الايضاح، ۴۷؛ غایۃ المنتہی، ۱: ۴۱۲، ۳۱۵؛ المغنی، ۳:

۴۰۷، ۴۴۵، ۴۵۶؛ المحرر، ۱: ۲۴۹۔

۳۶۷- بیہقی نے جید سند سے روایت کی۔

۳۶۸- بخاری۔

۳۶۹- ابوداؤد۔

۳۷۰- ابوداؤد؛ دارقطنی نے سراء بنت نبہان سے اسی طرح کی ایک روایت بیان کی۔

۳۷۱- دیکھیے: فتح القدیر، ۲: ۱۳۴-۲۲۳؛ اللباب شرح الكتاب، ۱: ۱۷۹-۱۹۹؛ القوانین الفقہیہ،

۱۳۱-۱۳۵؛ المہذب، ۱: ۲۲۰-۲۳۲؛ غایۃ المنتہی، ۱: ۴۰۷-۴۱۲۔

۳۷۲- رفت: جماع یا فحش گفتگو؛ فسوق: گناہ؛ جدال: رفیقان سفر وغیرہ سے لڑائی جھگڑا۔

۳۷۳- یوں کہے: لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر، اللہم انت السلام، ومنک السلام، والیک یعود

السلام، فحینا ربنا بالسلام، اللہم ایمانا بک، وتصدیقاً بکتابک، ووفاء بعہدک واتباعاً

لسنة نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم

۳۷۴- طواف کے دوران: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، صدق وعدہ، ونصر عبدہ وھزم

الاحزاب وحدہ۔

۳۷۵- رمل: طواف کرتے ہوئے قدم قریب قریب رکھ کر تیز تیز چلنا، اضطباع: چادر کا درمیانی حصہ دائیں

کندھے کے نیچے سے گزار کر دایاں کندھا کھلا رکھ کر دونوں کنارے بائیں کندھے پر ڈال دینا۔

طواف کی دو رکعات پڑھتے ہوئے چادر اس طرح رکھنا مکروہ ہے، جب سعی کرنے لگے تو پھر

اضطباع کر لے۔

۳۷۶- اسے اٹح اور خیف بنی کنانہ کہتے ہیں۔

۳۷۷- فتح القدیر، ۲: ۲۱۴۔

۳۷۸- حنفیہ کے نزدیک یہ شکرانے کی قربانی ہے، اس میں سے کھا سکتا ہے۔

۳۷۹- زیلعی کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس طرح نہیں ہے۔ ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے صبی بن

معبدا ثعلبی سے روایت کی، انہوں نے کہا ”میں نے دونوں کا اکٹھا احرام باندھا“، حضرت عمرؓ نے

فرمایا: ”تو نے اپنے نبی کی سنت کی پیروی کی“ (نصب الراية، ۳: ۱۰۹)۔

۳۸۰- محمد بن حسن نے کتاب الآثار میں روایت کی (نصب الراية، ۳: ۱۱۱)۔

۳۸۱- المغنی، ۳: ۴۶۵ و بعد؛ مغنی المحتاج، ۱: ۵۱۴۔

۳۸۲- ابن ماجہ نے ابن عمرؓ سے روایت کی، مسند احمد کے الفاظ یہ ہیں: ”جس نے حج اور عمرہ کو ملا لیا،

اس کے لیے دونوں میں ایک ہی طواف کافی ہے“۔ (نصب الراية، ۳: ۱۰۸)۔

۳۸۳- متفق علیہ

۳۸۴- مسلم

۳۸۵- المغنی، ۳: ۴۶۹؛ مغنی المحتاج، ۱: ۵۱۶۔

۳۸۶- اللباب، ۱: ۱۹۳؛ الشرح الصغير، ۲: ۱۴۰؛ مغنی المحتاج، ۱: ۵۱۶؛ المغنی، ۳: ۴۷۵۔

۳۸۷- الدر المختار، ۲: ۲۶۴ و بعد؛ اللباب، ۱: ۱۹۳ و بعد۔

۳۸۸- القوانین الفقہیہ، ۱۴۰؛ بدایة المجتہد، ۱: ۳۵۷۔

۳۸۹- مغنی المحتاج، ۱: ۵۱۶ و بعد۔



۳۹۰- متفق علیہ، ابن عمرؓ سے روایت ہے۔

۳۹۱- المغنی، ۳: ۲۷۶-۲۷۸۔

۲۹۲- بخاری۔

۳۹۳- البدائع، ۲: ۱۵۹؛ الدر المختار، ۲: ۲۵۰؛ الشرح الصغير، ۲: ۵۸-۶۰؛ القوانین الفقہیہ،

۱۳۸؛ المہذب، ۱: ۲۳۰؛ مغنی المحتاج، ۱: ۵۰۵؛ غایۃ المنتہی، ۱: ۴۱۲؛ المغنی، ۳: ۴۳۸

و بعد؛ کشف القناع، ۲: ۵۸۵۔

۳۹۴- سعید بن منصور نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی، الاثرم اور ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں: ”جب تم

میں سے کسی نے جمرہ عقبہ پر رمی کر لی تو عورتوں کے سوا اس کے لیے ہر چیز حلال ہو گئی۔“

ابوداؤد نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے (نصب الراية، ۳: ۸۰-۸۱)۔ نسائی اور ابن ماجہ نے

ابن عباسؓ سے یہ الفاظ روایت کیے: ”جب عمرہ کی رمی کر لو تو تمہارے لیے عورتوں کے سوا ہر چیز

حلال ہے۔“

۳۹۵- یہ روایت منقطع ہے۔ عبد اللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں: ”حج کی سنت ہے کہ جمرہ کبریٰ کی رمی کر لی جائے

تو عورتوں اور خوشبو کے سوا سب چیزیں حلال ہو جاتی ہیں تا آنکہ طواف کر لے۔“ حاکم کہتے ہیں

کہ یہ روایت شیخین کی شرائط پر ہے۔ (نصب الراية، ۳: ۸۱-۸۲)۔

۳۹۶- البدائع، ۲: ۱۸۳-۲۰۶، ۲۱۶-۲۱۹؛ القوانین الفقہیہ، ۱۳۶-۱۳۸؛ الشرح الصغير، ۲: ۷۴۔

۱۱۰؛ الايضاح، ۲۳-۳۱؛ مغنی المحتاج، ۱: ۵۱۸-۵۲۳؛ المہذب، ۱: ۴۰۴-۴۱۲؛ المغنی، ۳:

۲۹۵-۳۴۳؛ کشف القناع، ۲: ۲۹۱-۵۱۰؛ غایۃ المنتہی، ۱: ۳۷۳-۳۸۲۔

۳۹۷- احمد، نسائی، اور ابن ماجہ نے بھی ابن عباسؓ سے روایت کی (نیل الاوطار، ۵: ۸)۔

۳۹۸- جو آگے سے کھلا ہو، ایسا جو تاج یا موزہ جو پاؤں کے اگلے حصے کو ڈھانپ لے جائز نہیں۔

۳۹۹- متفق علیہ۔

۴۰۰- ایضاً۔

۴۰۱- اس بنا پر آج کے دور کا معروف جوتا، بوٹ وغیرہ اگر انگلیوں کے اوپر سے آگے سے کاٹ لیا جائے تو پہننا جائز ہے، پیچھے سے کاٹنے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ بالعموم جوتوں سے ٹخنے نہیں چھپتے، گویا ٹخنوں کے نیچے سے موزے کاٹنے کی طرح ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں بالاتفاق فدیہ واجب نہیں ہوتا۔

۴۰۲- آگے سے گھلی چادر جو لباس کے اوپر پہنی جاتی ہے۔

۴۰۳- بخاری اور احمد نے براء اور ابن عمرؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل مکہ سے عمرہ قضا کے بارے میں اتفاق ہوا تھا کہ تلواروں کے سوا کوئی اسلحہ نہ لایا جائے۔ (نیل الاوطار، ۵: ۹)۔

۴۰۴- جس میں نقدی رکھی جاتی ہے اور کمر میں باندھ لی جاتی ہے۔ منطقہ؛ بوٹے کی طرح کی پیٹی جس میں نقدی رکھی جاتی ہے۔

۴۰۵- ورس: یمن میں پیدا ہونے والی ایک زرد بوٹی، جس سے رنگ دیا جاتا ہے اور کھانے میں خوشبو کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔

۴۰۶- کیوں کہ اس کی خوشبو ہوتی ہے۔

۴۰۷- متفق علیہ۔

۴۰۸- ابن قدامہ حنبلیؒ کہتے ہیں کہ ہماری رائے کے مطابق پچھلے عمل پر فدیہ کا حکم نہیں دیا، کیوں کہ وہ حرمت سے ناواقف تھا، پس جاہل آدمی بھولنے والے کی مانند ہے۔

۴۰۹- بخاری وغیرہ نے روایت کی۔

۴۱۰- المغنی، ۳: ۳۲۵-۳۲۶۔

۳۱۱- ابوداؤد؛ الاثرم۔

۳۱۲- الشرح الصغير، ۲: ۷۵۔

۳۱۳- الايضاح، ۲۴؛ البدائع، ۲: ۱۸۶۔

۳۱۴- ترمذی اور ابن ماجہ نے ابن عمرؓ سے روایت کی کہ ”ایک شخص نے کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، حاجی کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: غبار آلود، میلا کچھلا۔“

۳۱۵- الشرح الكبير، ۲: ۵۹-۶۱۔

۳۱۶- ترمذی اور احمد وغیرہ نے ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کی، یہ حدیث ضعیف ہے۔

۳۱۷- نیل الاوطار، ۵: ۱۱۔

۳۱۸- مسلم۔

۳۱۹- متفق علیہ۔

۳۲۰- ابوداؤد؛ الاثرم۔

۳۲۱- ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے اور میمونہؓ اپنے بارے میں زیادہ باخبر تھیں اور ابورافعؓ جو واقعہ بیان کرتے ہیں اس واقعہ میں سفیر تھے۔

۳۲۲- متفق علیہ۔

۳۲۳- حلال ہونے کا پہلا مرحلہ تین کاموں میں سے دو کی تکمیل سے ہو جاتا ہے: جمرہ عقبہ کی رمی، سر منڈانا اور طواف افاضہ۔

۳۲۴- الكتاب مع اللباب، ۱: ۲۰۲۔

۳۲۵- الشرح الصغير، ۲: ۹۴؛ غایۃ المنتہی، ۱: ۳۸۲۔

۳۲۶- مغنی المحتاج، ۱: ۵۲۲۔

۳۲۷- مسلم؛ بخاری نے ابوقنادہ سے مختلف الفاظ سے روایت کی۔ (نیل الاوطار، ۵: ۲۱)۔

۳۲۸- متفق علیہ، احمد؛ شیخین (مرجع سابق، ۱۸)، احمد، مسلم؛ ابوداؤد اور نسائی نے اس طرح کی حدیث زید بن ارقم سے روایت کی۔

۳۲۹- البدائع، ۲: ۱۹۵-۲۰۶؛ الکتاب، ۱: ۲۰۶-۲۱۰؛ فتح القدیر، ۲: ۲۵۵۔

۳۳۰- مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہ سے روایت کی، ابوداؤد اور احمد کے ہاں قدرے مختلف الفاظ ہیں۔

۳۳۱- القوانین الفقہیہ، ۱۳۷؛ الشرح الصغیر، ۲: ۹۹-۱۱۰۔

۳۳۲- مغنی المحتاج، ۱: ۵۲۲-۵۲۶؛ المہذب، ۱: ۲۱۰؛ ایضاح، ۲۸؛ وبعد۔

۳۳۳- المغنی، ۳: ۳۰۹-۳۱۵؛ کشاف القناع، ۲: ۵۰۲-۵۱۴؛ غایۃ المنتہی، ۱: ۳۷۶-۳۷۹۔

۳۳۴- ابوداؤد؛ نسائی، ترمذی نے کہا ہے کہ اس باب میں یہ سب سے عمدہ حدیث ہے۔ اس میں مختلف احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے اور ان کا اختلاف بیان کر دیا گیا۔

۳۳۵- یہ المغنی نے بیان کیا ہے، ۳: ۳۱۵؛ کشاف القناع، ۳: ۵۱۴۔

۳۳۶- ایضاح للنووی، ۳۰؛ المغنی، ۳: ۲۹۷-۳۰۸۔

۳۳۷- متفق علیہ، ابن عباس سے روایت ہے۔

۳۳۸- شرح المجموع، ۷: ۲۸؛ ایضاح، ۹۹۔

۳۳۹- جب دم کا لفظ استعمال ہو تو اس سے مراد ایک بکری یا اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ مراد ہوتا ہے جو قربانی میں واجب ہے۔

۳۴۰- الدر المختار، ۲: ۲۷۳-۲۹۶؛ فتح القدیر، ۲: ۲۲۳-۲۵۴؛ الکتاب مع اللباب، ۱: ۱۹۹-۲۱۰؛

القوانين الفقيهه، ۱۳۸ وبعده؛ بداية المجتهد، ۱: ۳۳۶-۳۵۶؛ الشرح الكبير، ۱: ۵۳-۷۱؛  
 الشرح الصغير، ۲: ۸۴-۹۸؛ مغنی المحتاج، ۱: ۵۲۱-۵۲۶؛ المهذب، ۱: ۲۱۰-۲۱۷؛ غاية  
 المنتهى، ۱: ۳۸۴-۳۹۱؛ المغنی، ۳: ۳۵۵-۳۹۲، ۵۲۶، ۵۳۳ وبعده؛ مراقی الفلاح، ۲۶،  
 وبعده؛ حاشية الشرقاوی، ۱: ۵۱۰ وبعده۔

۳۳۱- شرح المجموع، ۷: ۳۸۵، ۳۹۴، ۴۰۰، ۴۱۸۔

۳۳۲- جو تیل لگانے سے بکری ذبح کرنا واجب ہے وہ بالوں کو تیل یا کریم لگانا ہے۔

۳۳۳- اصوع، صاع کی جمع قلت ہے اور جمع کثرت صیغان ہے اور اصع کے طور پر جمع کا لفظ عوام میں غلط  
 استعمال ہوتا ہے، صاع جمہور کے نزدیک ۲۷۵۱ گرام ہے اور حنفیہ کے نزدیک ۳۸۰۰ گرام ہے۔

۳۳۴- فرق سے مراد تین صاع ہیں۔

۳۳۵- المغنی، ۳: ۳۹۳-۳۹۶

۳۳۶- الشرح الصغير، ۲: ۱۹۹؛ القوانين الفقيهه، ۱۳۹۔

۳۳۷- حنفیہ کے نزدیک ۱۹۰۰ گرام اور جمہور کے نزدیک ۱۳۷۵ گرام ہے۔

۳۳۸- الدر المختار، ۲: ۲۸۸؛ اللباب، ۱: ۲۰۱۔

۳۳۹- الشرح الصغير، ۲: ۹۳؛ القوانين الفقيهه، ۱۳۸ وبعده۔

۳۵۰- مغنی المحتاج، ۱: ۵۳۰-۵۳۲۔

۳۵۱- غاية المنتهى، ۱: ۳۸۸ وبعده۔

۳۵۲- اللباب، ۱: ۲۰۶ وبعده۔

۳۵۳- الشرح الصغير، ۲: ۱۱۲-۱۱۸۔

۳۵۴- مغنی المحتاج، ۱: ۵۲۳-۵۲۹۔

۴۵۵- غایۃ المنتہی، ۱: ۳۸۴-۳۹۷۔

۴۵۶- المغنی، ۳: ۵۰۲-۵۲۶۔

۴۵۷- یہ دونوں روایت ابن ماجہ میں ہیں۔

۴۵۸- ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے۔

۴۵۹- دارقطنی، جفرہ: بکری کا بچہ جس نے دودھ چھوڑ دیا ہو اور چرنا چکنا شروع کر دیا ہو۔

۴۶۰- الشرح الصغیر، ۲: ۱۱۸۔

۴۶۱- اللباب، ۱: ۲۱۱ و بعد۔

۴۶۲- البدائع، ۲: ۲۲۰ و بعد؛ فتح القدیر، ۲: ۳۰۳ و بعد؛ اللباب، ۱: ۲۱۴ و بعد؛ الشرح الصغیر، ۲: ۱۳۰

و بعد؛ القوانین الفقہیہ، ۱۲۲، المہذب، ۱: ۲۳۳؛ المغنی، ۳: ۵۲۶-۵۳۰؛ مغنی المحتاج، ۱:

۵۳۷؛ حاشیۃ الشرقاوی، ۱: ۵۱۱ و بعد۔

۴۶۳- الاثرم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی۔

۴۶۴- دارقطنی نے ابن عمرؓ سے روایت کی اور اسے ضعیف بتایا۔

۴۶۵- امام شافعیؒ نے اپنی مسند میں روایت کی، مالک نے مؤطا میں صحیح سند کے ساتھ ہبار بن الاسود سے

روایت کی کہ حضرت عمرؓ نے قضا کے وجوب اور دم ادا کرنے کا فتویٰ دیا تھا جو صحابہؓ میں مشہور ہو گیا۔

۴۶۶- دارقطنی نے ابن عباسؓ سے روایت کی۔

۴۶۷- النجاد نے اپنی سند سے روایت کی۔

۴۶۸- دارقطنی نے عبدالعزیز بن عبداللہ بن خالد بن اسید سے روایت کی۔ دارقطنی نے بھی ان سے اور

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تمہاری عید فطر اس روز

ہے جس دن تم عید کرو اور عید الاضحیٰ اس روز ہے جب تم قربانی دو“۔

۳۶۹- البدائع، ۲: ۱۷۵-۱۸۲؛ فتح القدير، ۲: ۲۹۵-۳۰۲؛ اللباب، ۱: ۲۱۲-۲۱۳؛ بداية المجتهد، ۱: ۳۲۲-۳۲۶؛ القوانين الفقهية، ۱۳۱؛ الشرح الصغير، ۲: ۱۳۳-۱۳۶؛ الشرح الصغير، ۲: ۹۳-۹۸؛ مغنی المحتاج، ۱: ۵۳۲-۵۳۷؛ المجموع، ۸: ۲۲۲-۲۶۸؛ المهذب، ۱: ۲۳۳-۲۳۵؛ المغنی، ۳: ۳۵۶-۳۶۲؛ كشاف القناع، ۲: ۶۰۷-۶۱۲؛ الايضاح، ۹۷-۹۸۔

۳۷۰- لیکن ابن رشد نے (بداية المجتهد، ۱: ۳۳۵) میں کہا ہے کہ بظاہر ارشاد ربانی ہے: فاذا آمنتم فمن تمتع بالعمرة الى الحج (جب تم حالت امن میں ہو تو جو کوئی حج کے ساتھ عمرہ بھی کرے۔ البقرہ، ۲: ۱۹۶) کا تعلق غیر محصر سے ہے بلکہ اس کا تعلق تمتع حقیقی سے ہے گویا یوں کہا گیا ہے جب تمہیں کوئی خوف اور خطرہ نہ ہو بلکہ تم حج اور عمرہ دونوں سے استفادہ کر رہے ہو تو جو ہدی میسر ہو وہ اللہ کی راہ میں دو، اس مفہوم کی تائید اگلے حصہ آیت سے ہوئی ہے: ذلك لمن لم يكن اهله حاضري المسجد الحرام (یہ ان لوگوں کے لیے ہے جن کا خاندان مکہ میں قیام پذیر نہ ہو، البقرہ، ۲: ۱۹۶) جب کہ احصار میں بالاتفاق مکہ کے رہنے والے اور باہر والے برابر ہیں۔

۳۷۱- بخاری اور احمد نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے۔ (نیل الاوطار، ۵: ۹)۔

۳۷۲- فتح القدير، ۲: ۳۲۶-۳۳۳؛ الكتاب مع اللباب، ۱: ۲۱۵-۲۲۰؛ الشرح الصغير، ۲: ۱۱۹-۱۲۹؛ بداية المجتهد، ۱: ۳۶۳-۳۶۷؛ القوانين الفقهية، ۱۳۹؛ وبعد؛ المهذب، ۱: ۲۳۵-۲۳۷؛ مغنی المحتاج، ۱: ۵۱۵؛ المغنی، ۳: ۴۷۰؛ وبعد، ۴۸۰، ۵۳۳-۵۵۴؛ كشاف القناع، ۲: ۶۱۵-۶۱۹؛ شرح مسلم، ۸: ۱۳۸؛ البدائع، ۲: ۱۷۲-۱۷۹، ۱۷۵؛ المجموع، ۸: ۲۶۹-۲۹۶۔

۳۷۳- ابن ماجہ؛ جوان مینڈھے اور جوان بکرے میں فرق ہے، اول الذکر جفتی کرتے ہیں اور ان سے حمل

ٹھہرتا ہے بخلاف مؤخر الذکر کے۔ جو ان ہونے کا علم ان کی پشت پر اون اگنے سے ہوتا ہے۔

۴۷۴- حدیث صحیح ہے۔ بخاری مسلم۔

۴۷۵- شعائر لغت میں علامت کو کہتے ہیں۔ شعائر اللہ سے مراد اللہ کے دین کی علامتیں ہیں۔

۴۷۶- حاشیہ الشرقاوی، ا: ۵۰۸-۵۱۰؛ المغنی، ۳: ۵۴۳ و بعد۔

۴۷۷- اللباب، ا: ۲۱۷۔

۴۷۸- الشرح الصغیر، ۲: ۱۲۵-۱۲۸؛ القوانین الفقہیہ، ۱۴۰؛ الشرح الکبیر، ۲: ۸۹۔

۴۷۹- حاشیہ الشرقاوی علی تحفة الطلاب، ا: ۵۰۶؛ و بعد؛ الايضاح، ۶۳۔

۴۸۰- اسی طرح کی جگہ چراغ جلانے کی منت ماننا، اگر اس جگہ ایسے لوگ ہیں جو اس سے نفع اٹھائیں گے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

۴۸۱- المغنی، ۳: ۵۳۷، ۵۴۱، ۵۴۸؛ غایۃ المنتہی، ا: ۳۸۸۔

۴۷۲- مسلم۔

۴۸۳- بخاری۔

۴۸۴- الكتاب مع اللباب، ا: ۲۱۷ و بعد۔

۴۸۵- الشرح الصغیر، ۲: ۹۲-۹۳، ۱۴۰؛ الشرح الکبیر، ۲: ۸۶۔

۴۸۶- یا اس کے نائب نے ہدی کے ساتھ وقوف کیا ہو، جو تاجر وہاں رات کے ایک حصے میں جانور فروخت کرنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں ان سے عرفہ کی صبح کو خریدنا کافی نہیں ہے۔

۴۸۷- حاشیہ الشرقاوی، ا: ۵۰۶؛ الايضاح، ۶۳۔

۴۸۸- المغنی، ۲: ۴۳۲-۴۳۳، ۳: ۵۴۵-۵۴۸؛ غایۃ المنتہی، ا: ۳۸۸ و بعد۔



- ۴۸۹- الباب، ا: ۲۱۸؛ الشرح الصغير، ۲: ۱۲۹؛ الشرح الكبير، ۲: ۸۷؛ المغنی، ۳: ۵۴۱۔
- ۴۹۰- الكتاب مع اللباب، ا: ۲۱۸۔
- ۴۹۱- الجلال، جُل کی جمع ہے، لباس کی طرح جانور کو سردی سے بچاتی ہے۔ خطام سے مراد باگ ہے۔
- ۴۹۲- الشرح الصغير مع حاشیہ الصاوی، ۲: ۱۲۸۔
- ۴۹۳- حاشیہ الشرفاوی، ا: ۵۰۹۔
- ۴۹۴- المغنی، ۳: ۴۳۳، ۵۴۵ و بعد؛ غایۃ المنتهی، ا: ۳۸۸۔
- ۴۹۵- القوانین الفقہیہ، ۱۴۰؛ الشرح الكبير، ۲: ۹۲۔
- ۴۹۶- اللباب، ا: ۲۱۸ و بعد۔
- ۴۹۷- ابو داؤد۔
- ۴۹۸- المغنی، ۳: ۵۴۰۔
- ۴۹۹- بخاری؛ مسلم؛ احمد۔
- ۵۰۰- الايضاح، ۶۲؛ شرح المجموع، ۸: ۲۷۸، ۲۸۱۔
- ۵۰۱- الكتاب مع اللباب، ا: ۲۱۸، ۲۲۰۔
- ۵۰۲- القوانین الفقہیہ، ۱۳۹-۱۴۰؛ الشرح الصغير، ۲: ۱۲۲ و بعد۔
- ۵۰۳- المہذب، ا: ۲۳۵ و بعد؛ الايضاح للنووی، ۶۱؛ شرح المجموع، ۸: ۲۶۹۔
- ۵۰۴- مسلم نے انہیں الفاظ سے روایت کی۔
- ۵۰۵- مسلم کے الفاظ یہی ہیں، بخاری کا یہ مفہوم ہے۔
- ۵۰۶- المغنی، ۳: ۵۴۹۔

۵۰۷- الكتاب، ۱: ۲۱۹۔

۵۰۸- الشرح الكبير، ۲: ۹۱-۹۲۔

۵۰۹- المهذب، ۱: ۲۳۶، المجموع، ۸: ۲۷۸، ۲۸۱-۲۸۹۔

۵۱۰- صحیح مسلم۔

۵۱۱- ابوداؤد؛ ترمذی؛ نسائی؛ ابن ماجہ؛ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۵۱۲- المغنی، ۳: ۵۳۷-۵۳۹۔

۵۱۳- دارقطنی نے ابن عمرؓ سے روایت کی۔

## فصل دوم

### حریم (مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ) کی خصوصیات

اس فصل میں دو مباحث ہیں: حرم مکہ اور حرم مدینہ

#### بحث اوّل: حرم مکہ معظمہ:

اس میں حدود حرم، خانہ کعبہ کی تعمیر اور اس کی خصوصیات، مسجد حرام کی فضیلت، مکہ میں سکونت اختیار کرنا، مکہ اور مدینہ میں سے کون سا افضل ہے؟ مکہ میں داخل ہونے کے آداب، حرم مکہ میں ممنوع امور، حرم مکہ کے خصائص، مکہ کے اہم تاریخی مقامات کی زیارت۔

#### ۱- حرم مکہ کی حدود:

حرم مکہ کی حدود سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے شکار کرنا، درخت کاٹنا، اور وہاں کی مٹی اور پتھر اٹھا کر لے جانا ممنوع ہے۔ ان سے متعلق احکام کا بیان اور یہ کہ کن اعتبار سے حرم مکہ دوسری جگہوں سے مختلف ہے۔

#### حرم کی حد:

مکہ سے مدینہ کے راستے کی طرف تین میل تک ہے، بنونفار کے گھروں یا کنوؤں تک آج کل اس جگہ کو مساجد عائشہؓ کہتے ہیں۔ یمن کی جانب لبن کی گھاٹی کے کنارے تک سات میل تک، عراق کی طرف مکہ سے سات میل تک جبل منقطع یا المقطع تک، طائف اور وادی نمرہ کی طرف مکہ سے عرفات کی جانب سات میل تک اور جعرانہ کی طرف شعب آل

عبداللہ ابن خالد تک نو میل تک اور جدہ کی طرف مکہ سے دس میل تک منقطع ادا عشاش تک اور وادی عرفہ کی طرف گیارہ میل تک۔ وچ کی وادی جو طائف کی طرف ہے وہ حرم میں شامل نہیں بلکہ حرم سے باہر (حل) ہے (۱)۔

یاد رہے کہ تمام اطراف سے حرم کی علامتیں مقرر ہیں اور وہاں نشانات نصب کیے گئے تھے۔ ازرقی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے علامتیں نصب کی تھیں۔ جبریل علیہ السلام نے انہیں جگہیں بتائی تھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تجدید کرنے کا حکم دیا، پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت معاویہؓ نے ان کی تجدید کروائی۔ آج کل یہ جگہیں واضح اور معروف ہیں۔

مدینہ حل تھا، اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم قرار دیا۔ صحیح یہ ہے کہ مکہ قدیم ترین دور سے حرم تھا، کیوں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کے دن سے حرم قرار دیا اور اللہ کے حرم قرار دینے کے باعث یہ قیامت تک حرم رہے گا“ (۲)۔

## ۲- کعبہ کی تعمیر، اس کی خصوصیت اور مسجد حرام کی فضیلت:

کعبہ کی تعمیر پانچ مرتبہ عمل میں آئی (۳)، ایک فرشتوں نے یا آدم علیہ السلام نے بنایا یا شیث بن آدم نے بنایا جیسا کہ سہلی نے ذکر کیا، پھر ابراہیم علیہ السلام نے انہی بنیادوں پر تعمیر کیا، پھر بعثت نبویؐ سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں قریش نے دور جاہلیت میں تعمیر کیا، پھر جب جل گیا تو ابن زبیرؓ نے بنایا اور پھر حجاج بن یوسف نے تعمیر کیا اور یہ عمارت آج تک موجود ہے۔

مسجد حرام کی توسیع کا کام حضرت عمرؓ کے دور میں ہوا بلکہ سب سے پہلے حضرت عمرؓ

نے اس کی تعمیر کی، پھر عثمانؓ کے عہد میں اس کی توسیع ہوئی، پھر ولید بن عبد الملک کے دور میں پھر مہدی کے دور میں، پھر اسی طرح رہی تا آنکہ سعودی حکمرانوں کے دور میں اس کی کئی بار توسیع ہوئی اور حال ہی میں مغرب کی جانب بہت بڑی توسیع ہوئی۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ مجھے یہ امر پسند ہے کہ خانہ کعبہ کو اس کے حال پر رہنے دیا جائے اور گرایا نہ جائے، کیوں کہ اس کے گرانے سے اس کا احترام متاثر ہوتا ہے اور اس کا تماشا بنتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کو یمنی کپڑے کا غلاف پہنایا، پھر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت معاویہؓ، ابن الزبیرؓ اور بعد کے لوگوں نے غلاف پہنایا۔

ولید بن عبد الملک پہلا حکمران تھا جس نے اسلامی عہد میں بیت اللہ کو سونے سے مزین کیا۔ امام غزالیؒ نے خانہ کعبہ کو سونے اور ریشم سے مزین کرنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ اسراف نہ ہو۔ خانہ کعبہ کو خوشبو لگانا بھی جائز ہے۔ تبرک وغیرہ کے لیے خانہ کعبہ کی کوئی چیز لینا حرام ہے۔ اگر کوئی شخص لے لے تو اسے واپس کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص تبرک کے طور پر لینا چاہتا ہو تو اپنے پاس سے خوشبو لائے اور خانہ کعبہ سے لگا کر پھر اپنے پاس رکھ لے، جیسا کہ نووی نے کہا ہے۔

### بیت حرام:

اللہ رب العالمین کی عبادت کے لیے روئے زمین پر اللہ کے گھروں میں سے پہلا گھر یہی بنایا گیا۔ اسے زمانی اور رتبی برتری حاصل ہے، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: **إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ، فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ، وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا** (بے شک لوگوں کے لیے پہلا گھر جو بنایا گیا وہ مکہ میں ہے، برکت والا، جہانوں کی ہدایت کے لیے، اس میں کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم علیہ

السلام ہے۔ جو اس میں داخل ہو گیا اسے امن حاصل ہو جاتا ہے۔ آل عمران، ۳: ۹۶)۔ اس کی سب سے اہم نشانی مقام ابراہیم علیہ السلام ہے اور دوسری یہ اللہ کی طرف نسبت کے باعث اس کی تعظیم واجب ہے، حتیٰ کہ اہل عرب کے ہاں جو کوئی وہاں پناہ حاصل کر لے، جب تک وہاں رہے امن میں رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس خصوصیت کو باقی رکھتے ہوئے فرمایا: **وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى** (جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے ٹھکانا اور جائے امن بنایا، تم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو، البقرہ، ۲: ۱۲۵) **أَو لَمْ نَمُكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا** (کیا ہم نے انہیں امن والے حرم میں ٹھکانا نہیں دیا۔ القصص ۲۸: ۵۷) **أَو لَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيَتَخَطَفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ** (کیا دیکھتے نہیں کہ ہم نے انہیں پر امن حرم دیا ہے اور ان کے ارد گرد کے علاقوں میں لوگ غارت گری کا شکار ہو رہے ہیں۔ العنکبوت، ۲۹: ۶۷) اس لیے امام مالک اور شافعی کے نزدیک بلا ضرورت مکہ میں ہتھیار اٹھا کر چلنا حرام ہے البتہ اگر ضرورت ہو تو جائز ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا: **”مکہ میں ہتھیار اٹھانا جائز نہیں“**۔

حرم میں گناہوں اور نیکیوں میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **وَمَن يَرِدْ فِيهِ بِالْحَادِ بِظَلَمٍ نَّذَقَهُ مِن عَذَابِ الْيَمِّ** (جو کوئی حرم میں ظلم کے ساتھ کج روئی کا ارادہ کرے ہم اسے دردناک عذاب چکھاتے ہیں، الحج ۲۲: ۲۵) حرم میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے: **”میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری جگہ کی ایک ہزار نماز کے برابر ہے۔ بجز مسجد حرام کے کہ مسجد حرام کی ایک نماز کا ثواب میری مسجد سے ایک سو گنا زیادہ ہے“** (۴)۔ امام احمد نے حضرت ابن عمرؓ سے ان الفاظ میں

روایت کیا ہے: ”مسجد حرام میں نماز ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے“۔ طبرانی نے ابوالدرداء سے روایت کی ہے کہ: ”مسجد حرام میں نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد میں نماز ایک ہزار کے برابر ہے اور بیت المقدس میں نماز پانچ سو نمازوں کے برابر ہے“۔ اس سے تین مساجد کی افضلیت معلوم ہوتی ہے۔ مسجد حرام پھر مسجد نبویؐ پھر مسجد اقصیٰ۔ مسجد حرام مطلقاً تمام مساجد سے افضل ہے۔ اس میں عبادت کا قصد کرنا مقصود بالذات ہے۔ اگر وہاں نماز پڑھنے کی منت مانے تو وہیں نماز ادا کرنا واجب ہے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”تین مساجد کے سوا اور کسی مسجد کے لیے قصداً سفر نہ کیا جائے: مسجد حرام، میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ“ (۵)۔

مسجد حرام کے لفظ سے بالعموم مسجد مراد ہوتی ہے کبھی اس سے حرم اور کبھی مکہ بھی مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ذلک لمن یکن اہلہ حاضری المسجد الحرام (یہ اس شخص کے لیے جس کا خاندان مسجد حرام یعنی مکہ کا رہنے والا نہ ہو، البقرہ ۲: ۱۹۶) حج کے ایام میں مکہ کو شعائر حج کے اہم ترین مقام کی حیثیت دی گئی ہے جس سے اس کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے (۶)۔

### ۳۔ مکہ میں سکونت اختیار کرنا اور اس کی فضیلت:

نووی اور زرکشی (۷) سمیت علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے۔ کہ نماز اور دوسری تمام عبادات کے ثواب کے اضافے کے سلسلے میں حرم مکہ مسجد حرام کی طرح ہے حسن بصری کہتے ہیں: مکہ میں ایک روزے کا ثواب ایک لاکھ روزے کے برابر ہے اور ایک درہم کا صدقہ ایک لاکھ درہم کے برابر ہے، اسی طرح ہر نیکی ایک لاکھ گنا بڑھ جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مکہ کا رمضان دوسری جگہ کے رمضان سے

ایک ہزار گنا افضل ہے“ (۸)۔ نیز فرمایا: ”جس نے مکہ سے پیدل حج کیا، حتیٰ کہ واپس مکہ لوٹ آیا تو اسے حرم کی نیکیوں میں سے ہر قدم پر سات سو نیکیاں ملیں گی اور حرم کی نیکیاں ایک لاکھ کے برابر ہیں“ (۹)۔

علماء کی ایک جماعت جن میں ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، مجاہدؓ اور احمد بن حنبلؓ شامل ہیں۔ کہتی ہے کہ مکہ میں جس طرح نیکی کا ثواب کئی گنا ہے اسی طرح گناہ کی سزا بھی کئی گنا ہے۔ بعض متأخرین جن کی رائے میں گناہ کی سزا بھی بڑھ جاتی ہے یہ کہتے ہیں کہ گناہ کی تعداد میں نہیں بلکہ اس کی شدت میں اضافہ ہو جاتا ہے کیوں کہ ایک برائی کا بدلہ اسی قدر ہے جتنی کہ برائی ہو البتہ برائیاں با یک دیگر متفاوت ہوتی ہیں۔ اللہ کے حرم میں گناہ کرنا دوسری جگہوں پر گناہ کرنے کی بہ نسبت بہت بڑا اور سخت عمل ہے۔

حرم میں گناہ کا ارادہ کرنا بھی گناہ ہے، خواہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو، ارشاد ربانی ہے: **وَمَنْ يَرِدْ فِيهِ بِالْحَادِ بِظَلَمٍ نَذَقَهُ مِنْ عَذَابِ الِيمِ** (جو کوئی حرم میں ظلم کے ساتھ ٹیڑھ پن کا ارادہ بھی کرے گا اسے ہم دردناک عذاب میں مبتلا کریں گے، الحج ۲۲: ۲۵)۔ یہ ایک استثنائی صورت ہے کہ حرم کے احترام کی وجہ سے گناہ کا ارادہ کرنے پر بھی گناہ ہے جب کہ دوسری جگہوں پر جب تک گناہ کیا نہ جائے محض ارادے سے گناہ نہیں ہوتا۔

حرم کے پڑوس میں رہنے کے بارے میں امام مالک اور امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے کیوں کہ اس میں یہ اندیشہ ہے کہ حرم کے احترام میں کمی واقع ہو اور مسلسل وہاں رہنے کے باعث اس سے تعلق اور انس و محبت میں فرق آجائے جس کی وجہ سے حرم کی تعظیم اور احترام میں کمی واقع ہو، جو ممنوع ہے۔ دور رہنے سے وہاں جانے اور بار بار جانے کا شوق اور داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ نیز حرم میں گناہوں کے ارتکاب کا اندیشہ بھی ہے جو ممنوع ہے۔



حنفیہ کے نزدیک صاحبینؓ کی رائے کو ترجیح ہے اور وہ یہ ہے کہ مکہ یا مدینہ میں رہنا مکروہ نہیں، بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ مکہ کی بہ نسبت مدینہ میں رہنا افضل ہے۔

شافعیہ، حنابلہ اور صاحبین کے نزدیک جس شخص کو گناہ میں مبتلا ہونے کا خوف نہ ہو اس کے لیے مکہ یا مدینہ میں رہنا مستحب ہے (۱۰)۔ کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے بارے میں فرمایا: ”تم مجھے اللہ کی زمین میں سب سے زیادہ محبوب ہو، اگر مجھے یہاں سے نکالا نہ گیا ہوتا تو میں کبھی نہ نکلتا“ (۱۱)۔ امام احمد کہتے ہیں، جو شخص استطاعت رکھتا ہو اس کے لیے مکہ کی بہ نسبت مدینہ میں رہنا زیادہ بہتر ہے۔ کیوں کہ وہ مسلمانوں کی جائے ہجرت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو کوئی مدینہ کی تکلیفوں اور سختیوں پر صبر کرے گا میں قیامت کے روز اس کا گواہ اور سفارشی ہوں گا“ (۱۲)۔

### ۴۔ کیا مکہ افضل ہے یا مدینہ (۱۳)؟

قاضی عیاض وغیرہ کہتے ہیں: اس امر پر اجماع ہے کہ روئے زمین پر مطلقاً وہ قطعاً ارض سب سے افضل ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو چھو رہا ہے، اس کے بعد مکہ اور مدینہ باقی روئے زمین سے افضل ہیں۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا مکہ افضل ہے یا مدینہ؟ امام مالک حضرت عمرؓ اور دوسرے مدنی صحابہؓ کے اتباع میں مدینہ کو افضل قرار دیتے ہیں کیوں کہ وہ ہجرت کی جگہ ہے، صحابہؓ کا مستقر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہائش کا شہر ہے، اس کی فضیلت کے بارے میں متعدد صحیح احادیث آئی ہیں (۱۳)۔ ان میں سے ایک یہ کہ ”مدینہ پاک شہر ہے گندگی کو اس طرح باہر پھینک دیتا ہے جیسے آگ چاندی سے میل کچیل کو الگ کر دیتی ہے“ (۱۵)۔

اکثر علماء اور تینوں ائمہ کی رائے یہ ہے کہ مکہ افضل ہے کیوں کہ مکہ کے بارے میں

اوپر مذکور حدیث میں ہے کہ: ”اللہ کی قسم تو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر جگہ ہے اور اللہ کی سب سے زیادہ محبوب قطعہ ارض ہے اگر مجھے یہاں سے نکالا نہ جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا“ (۱۶)۔

نیز حدیث میں ہے: ”اے مکہ! اللہ کی قسم تو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر ہے اور اللہ کا سب سے پسندیدہ شہر ہے، اگر مجھے تجھ سے نکالا نہ جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا“ (۱۷)۔

ترمذی میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”تم مجھے کتنے اچھے اور کتنے پیارے لگتے ہو، اگر میری قوم نے مجھے تم سے نکال نہ دیا ہوتا تو میں تمہارے سوا اور کسی جگہ نہ رہتا“۔

العز بن عبد السلام نے مکہ کی مدینہ پر فضیلت کے کئی اسباب بیان کیے ہیں مثلاً:

۱- حج اور عمرہ کے لیے مکہ کا سفر کرنا، جب کہ یہ دونوں واجب ہیں، مدینہ میں اس طرح کی کوئی عبادت واجب نہیں۔

۲- اللہ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے وقت سے ہی اسے حرام قرار دیا۔

۳- اللہ نے اسے جاہلیت اور اسلام دونوں میں امن کی جگہ اور حرم بنایا۔

۴- اس میں حج اور عمرہ کے سوا کوئی داخل نہیں ہو سکتا خواہ یہ عبادتیں واجب ہوں یا مستحب۔

۵- مکہ میں داخل ہونے کے آداب:

جو کوئی مکہ میں داخل ہو رہا ہو اس کے لیے مندرجہ ذیل امور مستحب ہیں: (۱۸)

۱- جس کسی نے میقات سے حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہو اس کے لیے مناسب ہے کہ

سیدھا مکہ کا رخ کرے اور وہاں سے عرفات جائے۔

۲- جب حرم مکہ میں پہنچے تو یہ دعا کرے: اللہم هذا حرمک وامنک فحرمنى على النار و آمنى من عذابک يوم تبعث عبادک، واجعلنى من اولیائک واهل طاعتک (اے اللہ! یہ تیرا حرم ہے اور تیرا امن ہے، مجھے آگ پر حرام کر دے اور مجھے عذاب سے مامون کر دے، جس روز تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا، مجھے اپنے دوستوں اور اطاعت شعاروں میں سے بنا دے)۔ اور جس قدر ممکن ہو دل میں اور بدن پر خشوع و خضوع طاری کرے۔

۳- جب مکہ میں پہنچے تو مکہ میں داخل ہونے کی نیت سے ذی طوی (۱۹) کے مقام پر غسل کرے، اگر کسی دوسرے راستے سے آ رہا ہو تو وہاں غسل کرے۔ یہ غسل ہر کسی کے لیے حتیٰ کہ حیض، نفاس والی عورت اور بچے کے لیے بھی مستحب ہے۔

۴- مستحب یہ ہے کہ ثنئیہ کداء (۲۰) سے مکہ میں داخل ہو اور جب وطن واپس جانے لگے تو ثنئیہ کداء (۲۱) سے باہر نکلے۔

۵- شافعیہ کے نزدیک صحیح تر قول یہ ہے کہ مکہ میں پیدل داخل ہو، سوار ہو کر نہیں۔

۶- دن اور رات میں کسی بھی وقت مکہ میں داخل ہو سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقع پر دن میں اور عمرہ کے موقع پر رات میں داخل ہوئے تھے، شافعیہ کے نزدیک دن میں مکہ میں داخل ہونا مستحب ہے۔

۷- مکہ میں داخلے کے وقت بھیڑ میں لوگوں کو تکلیف پہنچانے سے بچے، جو کوئی ساتھ لگے اس سے نرمی سے پیش آئے اور دل میں اس جگہ کی عظمت کا خیال رکھے جس کی طرف جا رہا ہے۔

۸- جو کوئی حرم کے باہر سے آ رہا ہے اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ حج یا عمرہ کا احرام

باندھ کر مکہ میں داخل ہو۔ شافعیہ کے نزدیک احرام باندھ کر داخل ہونا مستحب ہے، دوسرے علماء کے نزدیک واجب ہے۔

۹- جب خانہ کعبہ پر نگاہ پڑے تو مستحب یہ ہے کہ ہاتھ اٹھالے، حدیث میں آتا ہے کہ خانہ کعبہ پر نگاہ پڑتے وقت مسلمان کی دعا قبول ہوتی ہے، اس وقت یہ دعا کرے:

اللہم زد هذا البيت تشریفاً وتعظيماً وتكريماً ومهابةً وزد من شرفه وعظمه ممن حجه او اعتمره تشریفاً وتكريماً وتعظيماً وبراً (اے اللہ! اس گھر کی عزت، عظمت، احترام اور ہیبت میں اضافہ فرما، اور جو کوئی اس کا حج یا عمرہ کرے اس کی عزت، احترام، عظمت اور نیکی میں اضافہ فرما) اس دعا کا اضافہ بھی کر لے: اللہم انت السلام ومنك السلام فحينا ربنا بالسلام اے اللہ! تو سراپا سلامتی ہے اور تجھی سے سلامتی ہے ہمیں اے ہمارے رب! سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ۔

دنیا اور آخرت کے جن اہم امور کے متعلق چاہے دعا کرے، سب سے اہم دعا اپنی مغفرت کی دعا ہے۔ کعبہ کی زیارت کرتے وقت جس قدر عاجزی، خشوع اور خضوع پیدا کر سکتا ہو کرے، یہ صلحاء اور عارفین کا طریقہ ہے۔

خانہ کعبہ کے سامنے یوں کہے: اللہم ان هذا البيت بيتك والحرم حرمك والامن امنك وهذا مقام العائذ بك من اللارے اللہ! یہ گھر تیرا گھر ہے، یہ حرم تیرا حرم ہے، امن تیرا امن ہے، یہ تجھ سے آگ سے پناہ مانگنے والے کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔

۱۰- مستحب یہ ہے کہ مکہ میں داخل ہوتے ہی مکان کراہے پر لینے اور لباس تبدیل

کرنے وغیرہ کاموں میں مصروف ہونے کی بجائے سب سے پہلے طواف کرے، یہ طواف قدوم ہے جو جمہور کے نزدیک سنت اور مالکیہ کے نزدیک واجب ہے، بعض ساتھیوں کو سامان اور سواریوں کے پاس چھوڑ دے اور طواف کرے، پھر سب اپنے سامان اور سواریوں کے پاس واپس آ کر مکان کرائے پر حاصل کریں۔

خوبصورت اور معزز خواتین کے لیے مستحب یہ ہے کہ مردوں کے سامنے نہ جائیں اور طواف مؤخر کر دیں، رات کو مسجد میں داخل ہوں۔

باب بنی شیبہ سے مسجد میں داخل ہونا مستحب ہے، داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں اندر رکھے اور یہ دعا پڑھے: أَعُوذُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَبِسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ فِي عِظَمَتِ وَالِ اللَّهِ كِي، اس کی باعزت ذات اور اس کی قدیم بادشاہت کی پناہ میں آتا ہوں شیطان مردود سے، اللہ کے نام سے، سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما، اے اللہ! میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

جب مسجد سے باہر نکلے تو پہلے بائیں پاؤں باہر رکھے اور یہی دعا پڑھے البتہ آخر میں افتتاح لی ابواب فضلک (میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے) کہے۔ ہر مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا اور ذکر مستحب ہے۔

جب مسجد حرام میں داخل ہو تو مناسب یہ ہے کہ تحیۃ المسجد یا اور کسی کام میں مصروف نہ ہو بلکہ حجر اسود کی طرف جائے اور وہاں سے طواف قدوم شروع کرے، یہ مسجد حرام

کا سلام ہے۔ ہر شخص خواہ احرام میں ہو یا نہ ہو مسجد حرام میں داخل ہونے والے کے لیے طواف کرنا مستحب ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص فرض یا قضا نماز پڑھنے یا جماعت سے رہ گیا ہو اور اسے ادا کرنا یا وتر یا صبح کی سنتیں یا دوسری مؤکدہ سنتیں پڑھنے کے لیے داخل ہوا ہو تو پہلے وہ پڑھے اور اس کے بعد طواف کرے۔

اگر ایسے وقت میں مسجد میں داخل ہوا ہو کہ لوگوں کو طواف سے روک دیا گیا ہے تو تحیۃ المسجد پڑھ لے۔

۱۲- حج کرنے والے کے لیے بیت اللہ میں داخل ہو کر دو رکعت پڑھنا مستحب ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا، جو توں اور موزوں سمیت خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو اور حجر اسماعیل میں بھی جو توں اور موزوں کے ساتھ نہ جائے کیوں کہ وہ خانہ کعبہ کا حصہ ہے۔ کعبہ میں ہتھیار نہ لے جائے۔

خانہ کعبہ کے پردے جب اتارے جائیں تو صدقہ کر دیے جائیں، خانہ کعبہ کی خوشبو نہ لی جائے۔ حرم کی مٹی باہر نہ لے جائے نہ باہر سے حرم میں مٹی منتقل کی جائے، اسی طرح حرم کے پتھر اور مٹی حرم سے باہر نہ لے جائے۔

۱۳- جو کوئی مکہ معظمہ میں حج یا عمرہ کے لیے جائے اس کے لیے مستحب ہے کہ وہاں سے واپسی سے پہلے ایک ختم قرآن حکیم وہاں کرے۔

۱۴- مالکیہ کے نزدیک طواف و داع مستحب ہے، دوسرے ائمہ کے نزدیک واجب ہے۔

۶- وہ احکام جن میں حرم دوسری جگہوں سے مختلف ہے (حرم کی خصوصیات اور وہاں کی ممنوعات)۔

حرم مکہ کے کچھ خاص احکام ہیں، جن میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں (۲۲):

۱- مناسب یہ ہے کہ کوئی شخص بلا احرام حرم میں داخل نہ ہو، یہ شافیہ کے نزدیک مستحب اور دوسروں کے نزدیک واجب ہے۔

۲- حرم میں شکار کرنا ہر شخص کے لیے خواہ وہ احرام میں ہو یا نہ ہو حرام ہے البتہ ایسے جانور جو غالباً ایذا پہنچاتے ہیں، انہیں مارنا جائز ہے، اس میں داؤد ظاہری کا اختلاف ہے۔ کیوں کہ حدیث میں ہے: ”شکار کو ڈرایا یا بھگایا نہ جائے“۔

۳- حرم میں درخت کاٹنا، خودروتازہ جھاڑیاں کاٹنا، جنہیں لوگ خود نہیں اُگاتے مثلاً گھاس، جھاڑیاں، کانٹے دار درخت کاٹنا حرام ہیں، البتہ اگر ضرورت ہو مثلاً اذخر وغیرہ (خوشبو دار گھاس) کاٹنا جائز ہے۔ مالکیہ نے چھ مزید اشیاء کو اذخر کے ساتھ شامل کیا ہے: سنا (جو سناکی کے نام سے مشہور ہے) کیوں کہ دوائی کے لیے اس کو کاٹنے کی ضرورت ہوتی ہے، ہش، (ٹیزھی چھڑی سے درختوں سے پتے اتارنا) (۲۳) چھڑی، مسواک، مکہ میں مکان بنانے کے لیے درخت کاٹنا، باغوں کی درستگی کے لیے شاخیں اور جھاڑ جھنکاڑ صاف کرنا جائز ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا: ”اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت اس شہر کو حرام قرار دے دیا تھا۔ یہ قیامت تک اللہ کے حرام کرنے کے سبب حرام ہے، اس کے کانٹے دار درخت نہ کاٹے جائیں، شکار نہ بھگائے جائیں۔ گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے، ہاں مالک کی تلاش کے لیے اٹھائی جا سکتی ہے اور اس کا

گھاس نہ کاٹا جائے“ (۲۴) حضرت عباسؓ نے کہا، اذخر کو مستثنیٰ فرمادیں، یا رسول اللہ، کیوں کہ یہ ہمارے لیے جلانے کے کام آتا ہے اور گھروں میں استعمال ہوتا ہے، آپؐ نے فرمایا: ”اذخر مستثنیٰ ہے“ (۲۵)، درخت کاٹنے پر جمہور کے نزدیک اس کا تاوان دینا واجب ہے، مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ جن درختوں اور نباتات کو لوگ خود اگاتے ہیں، شافعیہ کی اظہر روایت کے مطابق ان کو کاٹنے کی حرمت اور تاوان خود رو درختوں کی طرح ہے کیوں کہ اوپر مذکور حدیث عام ہے۔ اذخر کا کاٹنا جائز ہے اور کاٹنے عوج (کانٹے دار جھاڑی) وغیرہ کی طرح ہے جن سے ایذا پہنچتی ہے اور یہ موذی شکار کی مانند ہے۔ ان کے کاٹنے پر تاوان نہیں ہے۔ شافعیہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ حرم سے جانوروں کے لیے گھاس کاٹنا، دوائی کے لیے حنظل وغیرہ کاٹنا اور کھانے کے لیے خرفہ کا ساگ یا دوسری سبزیاں کاٹنا جائز ہیں (۲۶)۔

شافعیہ کے سوا دوسرے فقہاء کے نزدیک خود کاشتہ درخت اور پودے کاٹنا جائز ہیں مثلاً اخروٹ، بادام، کھجور وغیرہ کے درخت یا اراک کے درخت یا انار، خس، تربوز اور گندم کے پودے، خشک درخت اور گھاس کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیوں کہ وہ مر گئے ہیں بلکہ وہ زمین کو چھوڑ چکے ہیں لیکن اس کے لیے درخت کے پتے لینا جائز ہے۔ اسی طرح سانپ کی چھتری کاٹنا بھی جائز ہے کیوں کہ اس کی جڑ نہیں ہوتی، وہ پھل کی طرح ہے، کوئے، چیل، چوہے، سانپ، آوارہ کتے اور مچھر، چیوٹی، پسو، چچڑی وغیرہ کو مارنے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح وہ چیزیں بھی جو شکار نہیں ہیں، البتہ ان میں وہی اختلاف ہے جو اوپر مذکور ہے۔

وج (طائف کی وادی) کا شکار اور اس کے درخت کاٹنے حرام ہیں، شافعیہ کے



نزدیک اس کا تاوان نہیں ہے، کیوں کہ حدیث میں ہے کہ ”وج کا شکار اور درخت حرام ہیں“۔ (۲۷) حنابلہ کے نزدیک یہ مباح اور حلال ہیں، کیوں کہ اصل اباحت ہے۔ اس حدیث کو امام احمد نے ضعیف قرار دیا ہے البتہ شافعیہ کے نزدیک اس کا تاوان ہرگز نہیں ہے۔

۴- حرم کی مٹی اور پتھر وہاں سے نکالنا منع ہے، اکثر شافعیہ کے نزدیک مکروہ ہے، نووی کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حرام ہے، حنفیہ کے نزدیک حرم کے پتھر اور مٹی وہاں سے لے جانے میں کوئی حرج نہیں۔

۵- جمہور کے نزدیک ہر قسم کے کافر کے لیے حرم میں داخل ہونا منع ہے، خواہ سکونت کے لیے یا محض وہاں سے گزر رہا ہو، امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے جب تک کہ وہاں مستقل سکونت اختیار نہ کرے۔

۶- مکہ میں گری پڑی چیز اٹھانا جائز نہیں، ایسی چیز کو اپنی ملکیت میں لانا حرام ہے، البتہ اس کا اعلان کرنے کے لیے اور حفاظت سے اپنے پاس رکھنے اور مالک تک پہنچانے کے لیے اٹھانا جائز ہے، دوسرے علاقوں میں گری پڑی چیز اٹھانا جائز ہے، کیوں کہ حدیث میں ہے ”مکہ میں گری پڑی چیز اٹھانا جائز نہیں، ہاں جو اعلان کرنے کے لیے اٹھائے، اس کے لیے جائز ہے“۔

۷- جو شخص حرم مکہ میں کسی کو قتل کر دے اس پر دیت غلیظہ واجب ہوتی ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: وَلَا تَقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يَقَاتِلُواكُمْ فِيهِ (مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کرو جب تک کہ وہ تم سے وہاں لڑائی نہ کریں، البقرہ، ۱۹۱:۲) کیوں کہ حرم میں امن کی ضمانت دی گئی ہے اور اگر غلطی سے کوئی قتل کر دے

تو دیت غلیظہ واجب ہوگی، خواہ قاتل اور مقتول دونوں حرم میں ہوں یا ان میں سے کوئی ایک حرم میں ہو۔

دیت غلیظہ کی مقدار امام احمد کے نزدیک اونٹوں کی تعداد کے اضافے سے متعلق ہے کہ ایک تہائی دیت زائد دی جائے، امام شافعی کے نزدیک اونٹوں کی عمر کے اضافے سے متعلق ہے تعداد نہیں۔ شافعیہ کے نزدیک حرم مدینہ میں قتل پر دیت غلیظہ نہیں ہے۔

جمہور کے نزدیک اگر باغی حرم میں ہوں اور لڑائی کے بغیر ان کو بغاوت سے روکنا ممکن نہ ہو تو حرم مکہ میں باغیوں سے لڑائی کرنا جائز ہے، علماء کی ایک جماعت اس سے متفق نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ باغیوں سے لڑائی کا تعلق حقوق اللہ سے ہے جسے ضائع کرنا جائز نہیں ہے، پس حرم میں اللہ کے حقوق کی حفاظت کرنا انہیں ضائع کرنے کی، نسبت زیادہ اہم ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک حرم میں حدود و قصاص قائم کیے جاسکتے ہیں، کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: وَلَا تَقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يَقَاتِلُوَكُمْ فِيهِ (مسجد حرام کے پاس ان سے قتال نہ کریں جب تک کہ وہ تم سے وہاں قتال نہ کریں، البقرہ ۲: ۱۹۱) کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن نطل کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، جب کہ وہ خانہ کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ موذی چیزوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا وہ خواہ حرم میں ہوں یا حل میں انہیں قتل کر دیا جائے کیوں کہ وہ فطرتاً موذی تھے۔

امام احمد، امام ابوحنیفہ اور ظاہریہ کے نزدیک جس پر حد یا قصاص واجب ہو وہ جب

تک حرم میں ہے محفوظ ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ومن دخله کان آمناً (جو حرم میں داخل ہوا سے امن ہے، آل عمران ۳: ۹۷) نیز ارشاد نبوی ہے: ”لا یحل لا مرئی یؤمن بالله والیوم الآخر ان یسفک بہ دماً“ (۲۸) (کسی ایسے شخص کے لیے جو اللہ اور قیامت پر یقین رکھتا ہے جائز نہیں کہ حرم میں خون بہائے)۔

۸- مشرک کو حرم میں دفن کرنا جائز نہیں اور دفن کیا گیا تو اس کی لاش نکالنا واجب ہے۔

۹- حج کے کفارے اور قربانیاں بطور خاص حرم میں ذبح کرنا ہوتی ہیں۔

۱۰- اگر تمتع یا قرآن کرنے والا حرم کے اندر رہتا ہو تو اس پر دم تمتع اور دم قرآن واجب نہیں۔

۱۱- شافعیہ کے نزدیک مکہ اور سارے حرم میں کسی وقت نفل نماز پڑھنا جائز ہے، خواہ ان نوافل کا کوئی سبب ہو یا نہ ہو۔

۱۲- اگر حرم جانے کی منت مانے تو شافعیہ کے نزدیک حج یا عمرہ کے لیے جانا ضروری ہو جاتا ہے جب کہ دوسری مساجد میں جانے کی منت ماننے سے وہاں جانا واجب نہیں ہوتا۔ البتہ مسجد نبویؐ اور مسجد اقصیٰؑ بھی اس سے مستثنیٰ ہیں، وہاں جانے کی منت ماننے سے وہاں جانا ضروری ہو جاتا ہے کیوں کہ مذکورہ بالا حدیث میں ہے: ”ارادۃ سفر جائز نہیں بجز.....“ الحدیث۔

۱۳- اگر صرف مکہ میں جانور ذبح کرنے کی منت مانی تو شافعیہ کے نزدیک وہاں ذبح کر کے حرم کے مساکین پر گوشت تقسیم کرنا واجب ہے۔ اگر کسی دوسرے شہر میں ذبح کرنے کی منت مانی تو شافعیہ کی صحیح تر روایت یہ ہے کہ ایسی منت واجب نہیں ہوتی۔

۱۴- شافعیہ کے نزدیک صحرا میں پیشاب پانخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنا حرام ہے۔

- ۱۵- مسجد حرام میں نماز پڑھنے اور دوسری تمام عبادات کا ثواب کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔
- ۱۶- اہل مکہ کے لیے مسجد حرام میں نماز عید پڑھنا مستحب ہے، جب کہ دوسرے لوگوں کے لیے عید گاہ میں نماز عید پڑھنا افضل ہے، شافعیہ کے نزدیک صرف اس صورت میں جب کہ مسجد تنگ ہو (۲۹) اگر مسجد کشادہ ہو تو عید گاہ کے بجائے مسجد میں افضل ہے۔
- ۱۷- حرم میں مقیم شخص کے لیے حرم کے باہر سے حج کا احرام باندھنا جائز نہیں۔
- ۷- مکہ کے اہم تاریخی مقامات کی زیارت:

ابن جزئی کہتے ہیں (۳۰) جن مقامات کی تبرکاً زیارت کا قصد کرنا چاہیے ان میں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ہاجرہ کی قبریں ہیں جو حجر میں ہیں، حضرت آدم علیہ السلام کی قبر ہے جو جبل ابوقبیس پر ہے، وہ غار ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں ہے وہ جبل ابوثور پر ہے، غار حراء ہے، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی، ان قبور کی زیارت ہے جو مکہ اور مدینہ میں صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ کی ہیں۔

### جبل حراء یا جبل نور:

مکہ کے شمال میں مکہ سے پانچ کیلو میٹر کے فاصلے پر ہے، عرفات جاتے ہوئے بائیں ہاتھ واقع ہے، تقریباً دو سو میٹر بلند ہے، یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی جس میں سورہ علق کا ابتدائی حصہ نازل ہوا۔

### جبل ثور:

مکہ کے ارد گرد کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے جو پانچ سو میٹر بلند ہے اور مکہ کے جنوب میں چھ میل کے فاصلے پر ہے، مدینہ کی طرف ہجرت کے دوران رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ابو بکرؓ تین دن تک یہاں چھپے رہے۔  
 دوسرے تاریخی مقامات میں دار ارقم ہے جو صفا کے پاس ہے، رقم مخزومی چھ صحابہؓ  
 کے بعد مسلمان ہوئے، ان کا گھر شروع اسلام کی خفیہ تبلیغ کا مرکز تھا، وہیں حضرت عمرؓ  
 اسلام لائے۔

معلّٰة یا حجون کا قبرستان: مکہ کے شمال مشرق میں مکہ والوں کا قدیم ترین قبرستان ہے  
 جو جاہلی دور سے آج تک کا قبرستان ہے، یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد اور  
 چچاؤں اور دوسرے بنو ہاشم کی قبریں ہیں، یہاں بعض صحابہؓ اور تابعین کے مزار بھی ہیں یہیں  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دادوں عبد مناف اور عبد المطلب کی اور آپ کے چچا  
 ابوطالب کی قبریں ہیں، یہیں آپ کی والدہ سیدہ آمنہؓ کی قبر ہے، یہیں آپ کی زوجہ سیدہ  
 خدیجہؓ دفن ہیں اور یہیں عبد اللہ بن زبیرؓ اور ان کی والدہ اسماء بنت ابی بکرؓ کی قبریں ہیں۔

منیٰ مکہ سے سات کیلو میٹر کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے، جس میں تین جمرات ہیں،  
 چھوٹا، درمیانہ اور بڑا اور مسجد کبش ہے جو اس مینڈھے کی طرف منسوب ہے جو اسماعیل  
 علیہ السلام کے فدیہ کے طور پر ذبح ہوا اور مسجد بیعت ہے، جہاں اہل مدینہ نے رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور مسجد خیف کے نام سے بڑی مسجد ہے۔

### عرفات:

سطح سمندر سے ۲۲۵ میٹر بلند پہاڑی ہے اور مکہ کے جنوب مشرق میں ۲۵ کیلو میٹر  
 کے فاصلے پر ہے اس کے شمال میں جبل رحمت ہے، جس کے پاس ۱۰ ہجری میں حجۃ  
 الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوف کیا تھا اور اسی جگہ یہ آیت نازل  
 ہوئی: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام

دینا (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا، المائدہ ۵:۳)۔

## بحث دوم: حرم مدینہ منورہ

حدود حرم، مسجد نبویؐ کی فضیلت، حرم مدینہ کی خصوصیات، وہاں کے ممنوع امور، حرم مدینہ کس اعتبار سے حرم مکہ سے مختلف ہے، مسجد نبویؐ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کی زیارت، مدینہ کے تاریخی مقامات کی زیارت۔

### ۱- حرم مدینہ کی حدود

حرم مدینہ شمالاً جنوباً: چاروں طرف سے بارہ بارہ میل کی مسافت ہے، عائر سے ثور تک، کیوں کہ صحیحین میں حدیث ہے کہ ”مدینہ عیر سے ثور تک حرم ہے“۔ عیر یا عائر مدینہ کے قریب ایک پہاڑی ہے۔ ثور احد کے پیچھے شمال کی جانب ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے۔ احد کا پہاڑ حرم میں شامل ہے (۳۱)۔ شرقاً غرباً بھی بارہ بارہ میل ہے، مدینہ دونوں طرف کے سوختہ سنگلاخ کے درمیان ہے، کیوں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں طرف کے سوختہ سنگلاخ کے درمیان علاقے کو حرم قرار دیا تھا“ (۳۲)۔ مدینہ کی مسافت چاروں طرف سے بارہ بارہ میل ہے، اب جو اس کی فصیل ہے وہ عہد نبوت میں کنارے پر تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے ارد گرد بارہ میل کی حد بندی کی تھی۔

بہتر یہ ہے کہ اسے یثرب نہ کہا جائے کیوں کہ یہ قدیم جاہلی نام ہے، اس کا نام

طیبہ، طابہ، الدار، المدینہ اور یثرب ہے۔

### ۲- مسجد نبویؐ کی فضیلت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے ہمراہ یہ مسجد 70x60 ہاتھ تعمیر

فرمائی۔ پھر حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، عبد الملک بن مروان اور اس کے بیٹے ولید (۳۳) نے یکے بعد دیگرے اس کی توسیع کی۔ اس کی آخر توسیع ملک عبد العزیز آل سعود کے ہاتھوں ہوئی اور مغرب کی طرف بہت بڑا رقبہ اس میں شامل کر لیا گیا تاکہ حج کے دوران نماز پڑھنے کے لیے جگہ میسر آسکے۔ اب اس میں توسیع کا اتنا بڑا کام جاری ہے کہ تقریباً پرانا مدینہ شہر سارے کا سارا مسجد نبویؐ میں شامل ہو گیا ہے۔

اس مسجد میں ایک نماز کا ثواب دوسری جگہ کے ایک ہزار نماز سے افضل ہے، کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے جسے صحیحین نے بیان کیا ہے کہ ”میری اس مسجد میں ایک نماز کا ثواب دوسری کسی مسجد کی ایک ہزار نماز سے افضل ہے، بجز مسجد حرام کے“۔ نووی کہتے ہیں کہ یہ فضیلت فرض اور نفل تمام نمازوں کو شامل ہے جیسا کہ مکہ میں ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ اس کا تعلق ثواب سے ہے یعنی ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نماز سے زیادہ ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ ایک نماز ایک ہزار نمازوں کے لیے کافی ہو جائے گی۔ اگر کسی پر دو نمازیں فرض ہیں اور وہ مسجد نبویؐ میں ایک نماز پڑھتا ہے تو وہ دو نمازوں کے قائم مقام نہیں ہوگی۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

امام نووی کی رائے یہ ہے کہ اس فضیلت کا تعلق صرف اس مسجد سے ہے جو عہد نبویؐ میں مسجد تھی، اضافہ شدہ حصے کے ساتھ نہیں ہے کیوں کہ آپؐ کا ارشاد ہے۔ ”میری اس مسجد میں“۔ جب کہ دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ جتنی اس میں وسعت ہوتی جائے گی، اس کے لیے فضیلت ثابت ہوتی جائے گی۔ جیسا کہ مکہ معظمہ کی مسجد کے بارے میں یہی حکم ہے کہ اس میں وسعت سے اس کی فضیلت اس حصے کے لیے بھی ثابت ہو جاتی ہے جس کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب مسجد نبویؐ

میں اضافہ کیا تو فرمایا: اگر ہم اس میں اتنا اضافہ کر دیں کہ یہ جہانہ (۳۳) تک پہنچ جائے تو بھی مسجد نبویؐ ہی رہے گی“ (۳۵)۔

ایک اور حدیث میں اس مسجد میں نماز کی فضیلت بیان کی گئی ہے: ”جس کسی نے میری اس مسجد میں چالیس نمازیں پڑھیں کہ درمیان میں کوئی نماز رہ نہ گئی ہو تو اس کے لیے آگ سے نجات لکھ دی جاتی ہے۔ اور قیامت کے دن اسے نجات مل جائے گی“ (۳۶)۔ اگر مسجد نبویؐ یا مسجد اقصیٰؑ جانے کی منت مانی تو شافعیہ کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ وہاں جانا مستحب ہے، واجب نہیں اور صحیح یہ ہے کہ کچھ دیر وہاں اعتکاف کرنے سے منت پوری ہو جاتی ہے۔ افضل یہ ہے کہ وہاں دو رکعت نماز پڑھ لے۔

### ۳- حرم مدینہ کی خصوصیات:

حرم مدینہ: لاتین کے درمیان ہے۔ لائبہ، سیاہ سوختہ پتھروں والی زمین کو کہتے ہیں، (مدینے کے دونوں طرف سوختہ سنگلاخ ہے) حرم مدینہ کو مندرجہ ذیل احکام میں امتیاز حاصل ہے (۳۷)۔

۱- مدینہ میں شکار کرنا اور درخت کاٹنا حلال اور محرم دونوں کے لیے اسی طرح حرام ہیں جیسا کہ مکہ میں، یہ جمہور کی رائے ہے، امام ابوحنیفہؒ کا اس میں اختلاف ہے، کیوں کہ حدیث میں ہے ”ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا اور میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں، دونوں طرف کے سنگلاخ کے درمیان حرم ہے۔ یہاں کے درخت کاٹے جائیں نہ شکار کیا جائے“ (۳۸)۔ اگر کوئی ایسا کر لے تو توبہ استغفار کرے، اس کا فدیہ کوئی نہیں اور نہ جمہور کے نزدیک اور شافعیہ کے جدید قول کے مطابق اس کا کوئی تاوان ہے۔ ”یا ابا عمیر“ کی حدیث جو آگے مذکور ہے سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ نیز مدینہ حج کی جگہ نہیں ہے جب کہ



مکہ کے شکار اور درخت کا تاوان دینا ہوگا۔

شاید امام ابوحنیفہ نے اس حدیث سے استدلال کیا، اے ابوعمیر! تمہارے بلبل نے کیا کیا؟ (۳۹) لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ ممکن ہے یہ حدیث مدینہ کو حرم قرار دینے سے پہلے کی ہو یا یہ پرندہ حرم مدینہ سے باہر کا ہو۔

۲- نووی کے نزدیک مدینہ کی مٹی اور پتھر وہاں سے باہر لے جانا حرام ہیں۔

۳- شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مدینہ میں سکونت اختیار کرنا مستحب ہے کیوں کہ اس سے نیکیوں میں اضافہ اور درجات میں بلندی ہوتی ہے، کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”جس نے مدینہ کی تنگی تکلیف پر صبر کیا میں قیامت کے روز اس کا گواہ اور سفارشی ہوں گا“ (۴۰)۔

حنفیہ کے نزدیک، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، جو شخص اپنے آپ پر اعتماد رکھتا ہے اس کے لیے مدینہ اور مکہ میں سکونت اختیار کرنا مکروہ نہیں ہے۔

۴- شافعیہ کے نزدیک مدینہ میں روزے رکھنا اور مدینہ والوں کو صدقہ دینا، ان سے نیکی کرنا مستحب ہے کیوں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسائے ہیں بالخصوص مدینہ کے رہنے والے۔ طبرانی میں ایک ضعیف روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مدینہ منورہ کا رمضان دوسری جگہ کے رمضان سے ایک ہزار گنا بہتر ہے“۔

۵- مدینہ کے رہنے والوں کو دوسری جگہوں میں رہنے والوں کی بہ نسبت زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے حصہ ملے گا اور زیادہ عزت حاصل ہوگی کیوں کہ اوپر مذکور حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے: ”جس نے مدینہ کی تنگی تکلیف پر صبر کیا.....“ الخ۔ ایک دوسری حدیث میں ہے: ”اپنی امت میں سے سب سے پہلے میں جن لوگوں کے لیے سفارش کروں گا وہ اہل مدینہ ہیں، پھر اہل مکہ پھر اہل طائف“۔ (۴۱)

۶- جب مدینہ کی دیواریں نظر آئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور یہ دعا پڑھے: اللّٰهُمَّ هَذَا حَرَمٌ نَبِيكَ فَاجْعَلْهُ وَقَايَةً لِي مِنَ النَّارِ وَامَانًا مِنَ الْعَذَابِ وَسُوءِ الْحِسَابِ (اے اللہ! یہ تیرے نبی کا حرم ہے اسے میرے لیے آگ سے حفاظت، عذاب اور برے حساب سے امن کا ذریعہ بنا دے)۔

### ۴- حرم مدینہ اور حرم مکہ میں فرق:

حرم مدینہ دو باتوں میں حرم مکہ سے مختلف ہے (۴۲)۔

۱- حرم مدینہ کے ایسے درخت کاٹنے جائز ہیں جن کی بیج، تکیے اور کجاوے وغیرہ بنانے کے لیے ضرورت ہو اور جانوروں کے چارے کے لیے جس گھاس کی ضرورت ہو، کیوں کہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ”جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو حرم قرار دیا تو لوگوں نے کہا، ہم محنت مزدوری اور کھیتی باڑی کرنے والے لوگ ہیں اور اپنی ان زمینوں کے سوا ہمارے پاس کوئی زمین نہیں ہے اس لیے ہمیں اجازت دیں، آپؐ نے فرمایا، ہاں پائے، تکیے، ٹیک لگانے کے لیے اور بیج وغیرہ بنانے جائز ہیں، ان کے سوا درخت نہ کاٹے جائیں اور نہ پتے گرائے جائیں“ (۴۳)۔ پس آپؐ نے ان چیزوں کو مستثنیٰ کر کے مباح کر دیا جیسا کہ مکہ میں اذخر کو مستثنیٰ کر دیا۔

نیز حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ”مدینہ عائر سے ثور تک حرم ہے، نہ اس کا گھاس کاٹا جائے نہ شکار کیا جائے اور نہ وہاں سے کوئی درخت کاٹا جائے ہاں کوئی بھی شخص اپنے اونٹ کو چارہ کھلا سکتا ہے“۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چراگاہ سے نہ تو پتے کاٹے جائیں اور نہ درخت، ہاں معمولی طور پر پتے

گرائے جاسکتے ہیں“ (۴۴) چوں کہ مدینہ درختوں اور کھیتی والا علاقہ ہے اس لیے ضرورت کے باوجود اگر وہاں سے گھاس پھونس کاٹنے سے منع کیا جائے تو لوگوں کو تکلیف ہوگی جب کہ مکہ اس طرح کا شہر نہیں ہے، مالکیہ کے نزدیک مدینہ کے درخت وغیرہ کاٹنے اور شکار کرنے پر تاوان نہیں ہے، دوسرے علماء کا اس میں اختلاف ہے، اگر کسی نے خلاف ورزی کی تو صرف توبہ استغفار کرے۔

۲- اگر کسی نے مدینہ کے باہر شکار پکڑا پھر اسے لے کر مدینہ میں داخل ہو گیا تو اسے چھوڑنا ضروری نہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے ”اے ابوعمیر! تمہارے بلبیل نے کیا کیا؟“ یہ ایک چھوٹا سا پرندہ ہوتا ہے، بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں شکار روکے رکھنا جائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔

مدینہ کی بہ نسبت مکہ کا احترام زیادہ ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ مکہ میں بلا احرام داخل ہونا درست نہیں۔

## ۵- مسجد نبویؐ اور قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت:

مسجد نبویؐ کی زیارت مستحب ہے، جیسا کہ اوپر مذکور حدیث میں ہے کہ مسجد نبویؐ ان تین مساجد میں سے ہے جن کی طرف سفر کرنے کا حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت اور آپؐ کے دونوں ساتھیوںؓ کی قبور کی زیارت مستحب ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک تمام روئے زمین سے افضل ترین قطعہ ارض ہے۔ اس کی زیارت کے آداب و احکام حسب ذیل ہیں (۴۵):

۱- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرنا سنت ہے، کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب

ہوگی“ (۴۶)۔ ”جو میری زیارت کے لیے آیا اور میری زیارت کے سوا اس کا کوئی مقصد نہیں تھا تو اللہ پر اس کا حق ہے کہ قیامت کے روز میں اس کی سفارش کروں“ (۴۷)۔ بخاری میں روایت ہے: ”جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا، اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو مقرر کر دیتا ہے جو وہ درود مجھ تک پہنچاتا ہے اور اس کی دنیا اور آخرت کے معاملات کے لیے درود کافی ہو جاتا ہے اور میں قیامت کے روز اس کا گواہ اور سفارشی ہوں گا“۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت سب سے افضل عبادت اور سب سے بڑی باسعادت کاوش ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤوک فاستغفروا اللہ واستغفرلہم الرسول لوجدوا اللہ تواباً رحیماً (اگر انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا تو آپ کے پاس آتے، اللہ سے معافی مانگتے اور اللہ کے رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پاتے، النساء: ۴۶)۔ حج اور عمرہ کرنے والے کے لیے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت دوسرے لوگوں کے نسبت دو اعتبار سے زیادہ اہمیت ہے، ایک یہ کہ بالعموم حاجی دور دراز کے علاقوں سے آتے ہیں، جب وہ مدینہ کے اتنے قریب ہوتے ہیں تو زیارت نبوی کو ترک کر دینا بہت بری بات ہے، دوسرے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے: ”جس نے حج کیا اور میری زیارت نہیں کی، اس نے مجھ پر زیادتی کی“ (۴۸)۔ ایک اور حدیث میں ہے: ”جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی، اس نے گویا میری زندگی میں مجھے دیکھا“ (۴۹)۔

۲- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے ساتھ ساتھ یہ بھی مستحب ہے کہ سفر میں مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے اور اس کی زیارت کا ثواب حاصل کرنے کی نیت بھی کرے۔

۳- اس سفر کے دوران بکثرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا مستحب ہے

بالخصوص جب مدینہ منورہ کے درخت اور حرم پر نگاہ پڑے۔

۴- مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرنا اور صاف ستھرے کپڑے پہننا مستحب ہے۔

۵- دل میں یہ خیال تازہ رکھے کہ مدینہ بہت عزت و شرف والی جگہ ہے اور مکہ کے بعد دنیا میں سب سے افضل شہر ہے۔

۶- مسجد نبویؐ کے دروازے کے پاس وہی دعا پڑھے جو اوپر ہم نے مسجد حرام اور ہر مسجد میں داخل ہونے کے لیے تحریر کی ہے، داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے اندر رکھے اور نکلنے وقت پہلے بائیں پاؤں باہر نکالے۔

پھر روضہ نبویؐ (۵۰) کا رخ کرے، یہ منبر اور قبر مبارک کے درمیان ہے، منبر کے قریب تحیۃ المسجد پڑھے، مسجد کے قبلہ کی جانب جو دائرہ ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہو کیوں کہ یہی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے کی تھی۔

۷- جب روضہ میں یا کسی دوسری جگہ مسجد میں تحیۃ المسجد پڑھ لے تو اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرے اپنے مقصد کی تکمیل اور زیارت کی قبولیت کی دعا کرے پھر قبر مبارک کے پاس آئے۔ پشت قبلہ کی طرف کر کے قبر مبارک کی دیوار کی طرف منہ کر کے، آپؐ کے سر مبارک سے چار ہاتھ کے فاصلے پر نگاہیں نیچی کر کے، خشوع اور عاجزی سے، دل کو دنیوی تعلقات سے خالی کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جلال کو دل میں حاضر کرتے ہوئے کھڑا ہو، سلام عرض کرے اور آواز بلند نہ کرے، سلام میں یوں کہے:

انسلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا نبی اللہ، السلام

علیک یا خیرۃ اللہ، السلام علیک یا خیر خلق اللہ، السلام علیک یا

حبيب الله، السلام عليك يا نذير، السلام عليك يا بشير، السلام عليك يا طهر، السلام عليك يا طاهر، السلام عليك يا نبي الرحمة، السلام عليك يا نبي الأمة، السلام عليك يا ابا القاسم، السلام عليك يا رسول رب العالمين، السلام عليك يا سيد المرسلين وخاتم النبيين، السلام عليك يا خير الخلائق اجمعين، السلام عليك يا قائد الغر المحجلين، السلام عليك وعلى آلك واهل بيتك وازواجك وذريتك واصحابك اجمعين، السلام عليك وعلى سائر الانبياء وجميع عباد الله الصالحين.

جزاك الله يا رسول الله عنا افضل ما جزى نبيا ورسولا عن امته وصلى الله عليك كلما ذكرك ذاكر، وغفل عن ذكرك غافل، افضل واكمل واطيب ما صلى على احد من الخلق اجمعين

اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، واشهد انك عبده ورسوله وخيرته من خلقه واشهد انك قد بلغت الرسالة واديت الامانة، ونصحت الامة، وجاهدت في الله حق جهاده.

اللهم وآته الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاماً محموداً الذي وعدته واته نهاية ما ينبغي ان يسأله السائلون.

اللهم صل على محمد عبدك ورسولك النبي الأمي، وعلى آل محمد وازواجه وذريته، كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم، وبارك على محمد النبي الأمي، وعلى آل محمد

وازواجه وذریئہ کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم فی  
العالمین، انک حمید مجید۔

اے رسول اللہ، آپ پر سلام، اے نبی اللہ آپ پر سلام، اے اللہ کے منتخب آپ  
پر سلام، اے اللہ کی تمام مخلوق سے بہتر، آپ پر سلام، اے حبیب اللہ، آپ پر  
سلام، اے نذیر، آپ پر سلام، اے بشیر، آپ پر سلام، اے پاک آپ پر سلام،  
اے طاہر آپ پر سلام، اے نبی رحمت آپ پر سلام، اے امت کے نبی آپ پر  
سلام، اے ابوالقاسم آپ پر سلام، اے رب العالمین کے رسول آپ پر سلام،  
اے سید المرسلین اور خاتم النبیین آپ پر سلام، اے تمام مخلوق سے بہتر آپ پر  
سلام، اے چمکتی پیشانیوں اور روشن چہروں والوں کے قائد آپ پر سلام، آپ  
پر، آپ کی آل، اہل بیت، ازواج مطہرات، اولاد اور اصحاب کرام سب پر  
سلام، آپ پر اور تمام انبیاء اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر سلام۔

اے رسول اللہ، اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے اس سے بہتر بدلہ دے  
جتنا اس نے کسی نبی اور رسول کو اس کی امت کی طرف سے دیا ہے، آپ پر  
اللہ کی رحمتیں، جب بھی کوئی یاد کرنے والا آپ کو یاد کرے یا جب کوئی غافل  
یاد نہ کرے، سب سے افضل، کامل تر، پاکیزہ رحمتیں جو اللہ نے اپنی ساری  
مخلوق میں سے کسی پر بھی نازل کی ہوں۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی  
شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اس کے بندے اور رسول ہیں،  
مخلوق میں سب سے بہتر، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے پیغام پہنچا دیا،

امانت ادا کر دی، امت کی خیر خواہی کی اور اللہ کے لیے جہاد کا حق ادا کر دیا۔  
اے اللہ! رسول اللہ کو وسیلہ، فضیلت اور اس مقام محمود سے نواز جس کا تو نے  
ان سے وعدہ کیا اور کسی بھی مانگنے والے کے لیے جو کچھ مناسب ہے، اس کی  
آخری حد آپ کو عطا فرما۔

اے اللہ! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرما، جو تیرے بندے،  
تیرے رسول، نبی امی ہیں اور آپ کی آل، ازواج، اولاد پر جیسا کہ تو نے  
ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی اور محمد صلی  
اللہ علیہ وسلم پر برکت نازل فرما جو نبی امی ہیں اور آپ کی آل اور ازواج اور  
اولاد پر جیسا کہ تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم  
علیہ السلام پر، تمام جہانوں میں، تو لائق ستائش، عظمت والا ہے۔

جو کوئی مختصر سلام کرنا چاہے یوں کہے: السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ  
علیک وسلم.

پھر مشرق کی طرف اپنے دائیں جانب ہاتھ کے برابر پیچھے ہٹے اور حضرت ابو بکر  
صدیقؓ کو سلام کہتے ہوئے یوں کہے: السلام علیک یا ابابکر صفی رسول اللہ و ثانیہ  
فی الغار، جزاک اللہ عن امة نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم خیراً (اے ابو بکر، رسول اللہ  
کے مخلص ساتھی، غار میں دوسرے فرد، آپ پر سلام ہو، اللہ تعالیٰ آپ کو امت محمدیہ کی  
طرف سے بہترین بدلہ دے)۔

پھر اپنے دائیں ہاتھ کی طرف ایک ہاتھ کے برابر پیچھے ہٹے اور حضرت عمر رضی اللہ  
عنه کو سلام کرتے ہوئے یوں کہے: السلام علیک یا عمر، اعز اللہ بک الاسلام،



جزاک اللہ عن امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیراً (اے عمرؓ، آپ پر سلام ہو، اللہ نے آپ کے ذریعے اسلام کو عزت دی، اللہ تعالیٰ آپ کو امت محمدیہ کی طرف سے بہترین اجر دے)۔

پھر آدھے ہاتھ کے برابر واپس لوٹے اور کہے: السلام علیکم ایہ ضجعی رسول اللہ ورفیقیہ و وزیریہ و مشیریہ و المعاونین لہ علی القیام فی الدین، القائمین بعدہ بمصالح المسلمین جزاکما اللہ احسن الجزاء (اے رسول اللہ کے ساتھ لیٹنے والو، تم دونوں پر سلام، آپ کے دونوں ساتھیو، وزیرو، مشیرو، دین کے قیام میں آپ کے ساتھ تعاون کرنے والو، آپ کے بعد امت کی مصلحتوں کا اہتمام کرنے والو، اللہ تعالیٰ تم دونوں کو بہترین جزا دے)۔

پھر لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے سر کے پاس دیوار والے حجرہ کے کونے کے پاس آئے اور قبلہ رو ہو کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کرے اور اپنے لیے جو ضروری سمجھے اور جو پسند کرے دعا کرے اور اپنے والدین کے لیے، جن اقرباء، اساتذہ، مشائخ، بھائیوں اور تمام مسلمانوں کے لیے چاہے دعا کرے اور یہ دعا اس طرح شروع کرے۔

اللہم انک قلت وقولک الحق: ولو انہم اذ ظلموا انفسہم  
جاؤوک فاستغفروا اللہ واستغفرلہم الرسول لوجدوا اللہ تواباً  
رحیماً، وقد جنناک سامعین قولک طائعین امرک، مستشفعین  
نبیک، ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالايمان ولا تجعل فی  
قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤوف رحیم، ربنا آتنا فی الدنیا  
حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار، سبحان ربک رب

العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين.  
 (اے! اللہ تو نے فرمایا، اور تیرا قول سچا ہے کہ اگر لوگوں نے اپنے آپ ظلم کیا  
 تھا تو تیرے پاس آجاتے۔ اللہ سے معافی مانگتے اور اللہ کے رسول ان کے  
 لیے استغفار کرتے تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پاتے، ہم تیری  
 بات سن کر تیرے پاس آگئے ہیں، تیرے حکم کی اطاعت کر رہے ہیں، تیرے  
 نبی کی سفارش لائے ہیں، اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان  
 بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں اہل ایمان  
 کے لیے کینہ نہ رکھ، بے شک تو مہربان رحم کرنے والا ہے، اے ہمارے  
 رب! تو دنیا میں بھی ہمیں بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ  
 کے عذاب سے بچا، تیرا رب، جو رب العزة ہے ان باتوں سے پاک ہے جو  
 لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں، اللہ کے رسولوں پر سلام ہو، سب  
 تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو رب العالمین ہے)۔

پھر روضہ میں واپس آئے اور بکثرت دعا کرے اور نماز پڑھے اور درود پڑھے، صحیحین  
 میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری قبر اور منبر  
 کے درمیان کی جگہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے“  
 منبر کے قریب کھڑے ہو کر دعا کرے۔

پھر ابولبابہؓ کے ستون کے پاس آئے، جس سے انہوں نے اپنے آپ کو باندھ دیا تھا  
 تا آنکہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کی، یہ قبر مبارک اور منبر کے درمیان ہے۔ وہاں دو رکعات  
 نماز پڑھ کر توبہ استغفار کرے اور جو چاہے دعا کرے۔ اور پھر حنانه ستون کے پاس آئے

جہاں وہ کھجور کے ٹنڈ کا باقی ماندہ حصہ تھا جس نے رونا شروع کر دیا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ کر منبر پر خطبہ دینا شروع کیا حتیٰ کہ آپ اتر کر آئے، اسے گلے لگایا، پھر خاموش ہوا۔

۸- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کا طواف کرنا جائز نہیں۔ اسے ہاتھ سے چھونا اور بوسہ دینا مکروہ ہے بلکہ ادب یہ ہے کہ اس سے اتنے فاصلے پر کھڑا ہو کہ جتنے فاصلے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں کھڑا ہوتا۔

۹- مدینہ میں قیام کے دوران مناسب یہ ہے کہ تمام نمازیں مسجد نبویؐ میں ادا کرے اور مسجد حرام کی طرح وہاں بھی اعتکاف کی نیت کرے اور جب مدینہ سے رخصت ہونے لگے تو دو رکعات نماز پڑھ کر یہ دعا کرے: اللّٰهُمَّ تَجْعَلْهُ آخِرَ الْعَهْدِ بِحَرَمِ رَسُولِكَ وَسَهْلَ لِي الْعُودِ إِلَى الْحَرَمَيْنِ سَهْلَةً وَارْزُقْنِي الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الْآخِرَةِ وَالْدُنْيَا وَرُدْنَا إِلَيْهِ سَالِمِينَ غَانِمِينَ (اے اللہ! اس موقع کو حرم نبویؐ کی آخری زیارت، نہ بنا اور حرمین میں واپسی کو آسان فرما دے اور دنیا و آخرت میں عفو و عافیت سے نواز اور ہمیں سلامتی اور منافع کے ساتھ واپس لوٹا)۔

۱۰- امام مالک کے نزدیک اہل مدینہ کے لیے ہر بار مسجد میں آتے جاتے وقت قبر مبارک پر کھڑے ہونے کو مکروہ قرار دیا۔ وہ کہتے ہیں، یہ مسافروں کے لیے ہے یا مدینہ کے اس شخص کے لیے جو سفر سے واپس آئے یا سفر پر روانہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس کھڑا ہو درود پڑھے اور دعا کرے اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو سلام کرے۔ فرق یہ ہے کہ اہل مدینہ وہاں مقیم ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ ”اے اللہ! میری قبر کو عبادت گاہ نہ بنا دینا“۔

## ۶- مدینہ منورہ کی اہم یادگاروں کی زیارت:

مدینہ منورہ کی یادگار جگہوں کی زیارت کرنا سنت ہے اور یہ تقریباً تیس مقامات ہیں جنہیں اہل مدینہ پہچانتے ہیں، ان میں سے اہم جگہیں مندرجہ ذیل ہیں (۵۱)۔

### ۱- مدینہ کی دوسری مساجد کی زیارت:

مستحب ہے کہ مدینہ منورہ کی دوسری مساجد کی زیارت بھی کرے مثلاً مسجد قبا جو مدینہ سے جنوب مغرب میں ہے اور یہ مدینہ میں تعمیر ہونے والی پہلی مسجد ہے۔ ہفتہ کے دن اس کی زیارت کے لیے جائے اور اس کی زیارت سے ثواب کی نیت کرے، وہاں نماز پڑھے، حدیث میں ہے کہ ”مسجد قبا میں نماز پڑھنے پر ایک عمرہ کا ثواب ملتا ہے“ (۵۲)۔ صحیحین میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سوار اور کبھی پیدل مسجد قبا تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعات نماز پڑھتے“ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ”آپ ہفتہ کے دن تشریف لے جاتے“۔ وہاں اپنے غم و اندوہ دور کرنے کی دعا کرے جیسا کہ اس مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غم و اندوہ دور ہو گئے تھے۔

عید گاہ کی مسجد یا مسجد غمامہ: جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز پڑھتے تھے۔

مسجد فتح: مدینہ کے شمال مغرب میں جبل سلع پر واقع ہے، جہاں خندق کھودی گئی تھی۔

مسجد قبلتین: مدینہ کے شمال مغرب میں وادی عقیق کے کنارے پر ایک چھوٹی سی مسجد

ہے، اس کا نام مسجد قبلتین اس لیے ہے کہ اس میں دو قبلے ہیں ایک شمال کی جانب بیت

المقدس کی طرف اور دوسرا جنوب کی جانب، مکہ کی طرف۔

## ۲- بقیع کی زیارت:

مسجد نبویؐ سے مشرق کی جانب چند سو میٹر کے فاصلے قبرستان ہے، جس میں دس ہزار سے زائد صحابہ کرامؓ دفن ہیں، جن میں آل بیت، شہداء احد اور بعض شہداء بدر بھی شامل ہیں، بالخصوص جمعہ یا جمعرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنے کے بعد وہاں کی زیارت کرے اور یہ دعا کرے:

السلام علیکم دار قوم مومنین، انا ان شاء اللہ بکم لاحقون، اللّٰهم اغفر  
لاهل بقیع الغرقد اللّٰهم اغفر لنا ولهم.

(اے اہل ایمان کے گھر، تم پر سلام ہو، ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں،  
اے اللہ! بقیع غرقد والوں کو معاف فرما، اے اللہ! ہماری اور ان کی مغفرت فرما)۔

جو قبریں سامنے نظر آ رہی ہیں مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے  
حضرت ابراہیمؑ، حضرت عثمانؓ، حضرت عباسؓ، حضرت حسن بن علیؓ، علی بن حسینؓ، حضرت  
جعفر بن محمدؓ وغیرہم کی زیارت کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت  
صفیہؓ کی قبر کی زیارت پر ختم کرے۔ ان قبور کی زیارت کے فضائل میں بکثرت صحیح احادیث  
موجود ہیں۔

## ۳- تاریخی مقامات کی زیارت:

مستحب ہے کہ بئر اریس (کنواں) کی زیارت کرے، روایت میں ہے کہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا لعاب دھن شامل کیا تھا، اس کا پانی پئے، اس سے وضو  
کرے، یہ کنواں مسجد قبا کے پاس ہے۔

مسجد نبویؐ کے مشرق میں جنوبی کنارے پر حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا گھر ہے۔ اس



## حواشی و تعلیقات

- ۱- المجموع، ۷: ۴۴۰ وبعد؛ الايضاح، ۸۷؛ غاية المنتهى، ۱: ۳۹۵؛ اعلام الساجد باحكام المساجد للزرکشی، ۶۳۔
- ۲- صحیح حدیث ہے، بخاری و مسلم نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے۔
- ۳- الايضاح، ۸۱، ۸۲، ۸۵۔
- ۴- احمد؛ ابن حبان نے ابو الزبیرؓ سے روایت کی (سبل السلام، ۲: ۲۱۶)۔
- ۵- احمد؛ صحیحین؛ ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔
- ۶- ہمیں معلوم ہے کہ مالکیہ کے نزدیک ”ایام معلومات“ قربانی کے تین دن ہیں اور ایام معدودات منیٰ کے تین دن یعنی ایام تشریق جو قربانی کے دن کے بعد کے تین دن ہیں۔
- ۷- اعلام الساجد باحكام المساجد، ۱۱۹-۱۲۹؛ فتح القدير، ۲: ۳۳۵؛ الدر المختار، ۲: ۳۵۴؛ الايضاح، ۸۲، غاية المنتهى، ۱: ۳۹۵۔
- ۸- بزار نے ابن عمرؓ سے روایت کی، لہٰذا نے مجمع الزوائد میں بتایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔
- ۹- حاکم نے متدرک میں ابن عباسؓ سے روایت کی اور کہا کہ اس کی سند صحیح ہے، بیہقی نے اپنی سنن میں روایت کی اور اسے ضعیف قرار دیا۔
- ۱۰- فتح القدير، ۲: ۳۳۵؛ غاية المنتهى، ۱: ۳۹۵؛ اعلام الساجد، ۱۲۹ وبعد؛ المغنی، ۳: ۵۵۶۔
- ۱۱- ترمذی نے ابن عباسؓ اور عبد اللہ بن عدی بن الحمراء سے ملتے جلتے الفاظ میں روایت کی (جامع الاصول، ۱۰: ۱۸۵)۔

- ۱۲- مسلم؛ موطاً اور ترمذی نے ابن عمرؓ سے روایت کی (جامع الاصول، ۱۰: ۱۹۸)۔
- ۱۳- الايضاح، ۷۲؛ الدر المختار، ۲: ۳۵۲؛ اعلام الساجد، ۱۸۵؛ القوانین الفقہیہ، ۱۲۳۔
- ۱۴- دیکھیے: جامع الاصول، ۱۰: ۱۹۲-۲۱۱۔
- ۱۵- مسلم نے زید بن ثابتؓ سے روایت کی (جامع الاصول، ۱۰: ۲۰۱)۔
- ۱۶- ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا۔
- ۱۷- نسائی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔
- ۱۸- الايضاح، ۳۱-۳۳؛ الكتاب مع اللباب، ۱: ۱۸۲؛ الدر المختار و رد المحتار، ۲: ۳۵۱؛ القوانین الفقہیہ، ۱۲۳؛ مغنی المحتاج، ۱: ۵۱۱؛ المغنی، ۳: ۳۶۸-۳۷۰، ۵۵۵۔
- ۱۹- طاء پر تینوں حرکات پڑھی جاتی ہیں، عمرہ کے معمول کے راستہ اور مسجد عائشہ کی طرف سے مکہ داخل ہوتے ہوئے مکہ کے نشیب میں ہے۔
- ۲۰- کاف کی زبر کے ساتھ مکہ کے اوپر کی جانب، وہاں سے قبرستان کو راستہ مڑتا ہے، ثنیہ، گھائی شمالی کی جانب۔
- ۲۱- کاف کی پیش کے ساتھ، قعیقان پہاڑی کے قریب مکہ کی نخلی جانب، جنوب کی طرف، ذی طوی کے راستے میں۔
- ۲۲- المجموع، ۷: ۴۲۳-۴۲۴؛ المہذب، ۱: ۲۱۸-۲۲۰؛ الكتاب مع اللباب، ۱: ۲۱۱؛ الشرح الصغير مع الصاوی، ۲: ۱۱۰؛ المغنی المحتاج، ۱: ۵۲۷؛ المغنی، ۳: ۳۲۳-۳۵۵؛ بداية المجتہد، ۱: ۳۱۹؛ البدائع، ۲: ۲۰۷-۲۱۱؛ جامع الاصول، ۱۳۷، ۱۵۳-۱۶۹؛ الدر المختار، ۲: ۲۹۷؛ الايضاح، ۹۵-۹۷؛ طبع الجمالیہ، مصر۔
- ۲۳- مجن: ایک طرف سے ٹیڑھی لاشی، درخت پر چھڑی مارنا کہ اس سے پتے جھڑیں حرام ہے۔



- ۲۴- الخلا: ہری گھاس۔
- ۲۵- بخاری، مسلم اور نسائی نے ابن عباسؓ سے روایت کی (جامع الاصول، ۱۰: ۱۸۳؛ عضد الشجر کلہاڑی سے درخت کا ٹٹا، القین: لوہار، غلام۔ گھروں کے لیے کا مطلب یہ ہے کہ چھت پر لکڑیاں ڈالنے کے بعد اوپر گھاس ڈالتے تھے۔
- ۲۶- مغنی المحتاج، ۱: ۵۲۷ و بعد۔
- ۲۷- بیہقی نے زبیر بن عوامؓ سے روایت کی ہے۔ ضعیف حدیث ہے۔
- ۲۸- بخاری و مسلم؛ سابقہ حدیث کا حصہ ہے کہ ”اللہ نے مکہ کو حرام کیا، اسے انسانوں نے حرام نہیں کیا، کسی شخص کے لیے جو اللہ اور قیامت پر یقین رکھتا ہے یہاں خون بہانا جائز نہیں۔“
- ۲۹- المجموع، ۵: ۵۔
- ۳۰- القوانین الفقہیہ، ۱۴۳۔
- ۳۱- اعلام الساجد للزرکشی، ۲۲۶-۲۲۹؛ مغنی المحتاج، ۱: ۵۲۹؛ غایۃ المنتہی، ۱: ۳۹۷۔
- ۳۲- مسلم نے عتبہ بن مسلمؓ، ابوسعید خدریؓ اور جابر بن عبد اللہؓ سے روایت کی۔ لابت: سوختہ پتھروں کی سرزمین، لابتان یعنی مشرق و مغرب کی جانب کے کنارے (جامع الاصول، ۱۰: ۱۹۴)۔
- ۳۳- اعلام الساجد، ۲۲۳-۲۲۵۔
- ۳۴- مدینہ کا قبرستان۔
- ۳۵- اعلام الساجد، ۲۲۶ و بعد۔
- ۳۶- طبرانی نے الاوسط میں انس بن مالکؓ سے روایت کی۔ انسؓ سے صرف نبیؐ روایت کرتے ہیں اور ابن ابی الرجال اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔
- ۳۷- اعلام الساجد للزرکشی، ۲۲۲-۲۷۳؛ القوانین الفقہیہ، ۱۴۳؛ الشرح الصغیر، ۲: ۱۱۱ و بعد؛

المجموع، ۷: ۴۴۷-۴۵۵؛ الايضاح، ۹۶؛ المہذب، ۱: ۲۱۹؛ مغنی المحتاج، ۱: ۵۲۹؛

المغنی، ۳: ۳۵۳-۳۵۵؛ غایۃ المنتہی، ۱: ۳۹۷؛ الدر المختار، ۲: ۳۵۲۔

۳۸- مسلم؛ العصاه، ایک پڑا کانٹے دار درخت ہے۔

۳۹- ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں شریل بن سعد سے، بخاری و مسلم نے حضرت انسؓ سے روایت کی۔

الغیر، نغر کی تصغیر ہے: بلبیل۔

۴۰- مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ، ابوسعیدؓ اور ابن عمرؓ سے روایت کی۔

۴۱- طبرانی؛ بزار نے عبد الملک بن عباد بن جعفر سے اس سند سے صرف یہی ایک حدیث روایت کی۔

۴۲- مغنی المحتاج، ۱: ۵۲۸؛ اعلام الساجد، ۲۲۳۔

۴۳- احمد؛ المسد: چرخ پر کاتی ہوئی رسی۔

۴۴- یہ دونوں احادیث ابوداؤد نے روایت کی ہیں۔

۴۵- الايضاح، ۸۶-۸۸، ۹۱؛ القوانین الفقہیہ، ۱۴۳؛ مغنی المحتاج، ۱: ۵۱۲؛ غایۃ المنتہی، ۱:

۳۹۶؛ المغنی، ۳: ۵۵۶-۵۵۹؛ مراقی الفلاح، ۱۲۷-۱۲۹۔

۴۶- ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور بزار اور دارقطنی نے ابن عمرؓ سے روایت کی (نیل الاوطار، ۵: ۹۵)۔

۴۷- ابن سکن نے اپنی سنن الصحاح المأثورہ میں روایت کی، ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ضعیف

حدیث روایت کی کہ: ”جو کوئی مجھے سلام کرتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح لوٹا دیتا ہے اور میں اس

کے سلام کا جواب دیتا ہوں“۔ دارقطنی نے ایک اور ضعیف حدیث روایت کی کہ ”جس نے حج کیا

اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی، گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی“۔

۴۸- ابن عدی نے الکامل میں، دارقطنی، ابن حبان اور بزار نے روایت کی (نیل الاوطار، ۵: ۹۵)۔

یہ حدیث ضعیف ہے۔

- ۴۹- دارقطنی؛ ابویعلیٰ؛ بیہقی اور ابن عدی نے ابن عمرؓ سے روایت کی۔ دوسرے محدثین نے بھی روایت کی اور تعدد طرق کی وجہ سے اس کی ایک روایت دوسری کی تائید کرتی ہے۔
- ۵۰- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور نماز پڑھنے کی جگہ کے درمیان چودہ ہاتھ اور ایک بالشت کا فاصلہ ہے اور منبر اور قبر مبارک کے درمیان تریپن ہاتھ اور ایک بالشت کا فاصلہ ہے۔
- ۵۱- الايضاح، ۹۰-۹۱؛ مغنی المحتاج، ۱: ۵۱۲ وبعده۔
- ۵۲- ترمذی وغیرہ نے اسید بن ظہیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔
- ۵۳- بخاری نے سہل بن سعدؓ اور ترمذی نے حضرت انسؓ سے روایت کی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

## فصل سوم

حج وغیرہ کے آداب سفر اور حج سے واپس آنے والے حاجی کے آداب  
اس فصل میں دو مباحث ہیں:

## بحث اول: حج وغیرہ کے آداب سفر

امام نووی نے سفر کے بہت عظیم اور مفید آداب بیان کیے ہیں، جو یہ ہیں: (۱)

- ۱- مشورہ: جس شخص کے دین، تجربے اور حج کے بارے میں معلومات پر اعتماد ہو اس سے مشورہ کرنا مستحب ہے۔ جس سے مشورہ کیا جائے اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ خیر خواہی کرے کیوں کہ جس سے مشورہ کیا جائے وہ امین ہوتا ہے اور دین نام ہی خیر خواہی کا ہے۔
- ۲- استخارہ: جب حج وغیرہ کا ارادہ کرے تو مناسب ہے کہ اللہ سے خیر مانگے، اس کے لیے دو رکعت نماز نفل پڑھے اور اس کے بعد یہ دعا کرے:

اللّٰهُمَّ اِنِي اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ، وَاسْتَغِيْرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاسْأَلُكَ  
مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ، فَاَنْتَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ، وَانْتَ  
عِلْمُ الْغِيُوْبِ، اللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنْ ذَهَابِيْ اِلَى الْحَجِّ فِيْ هَذَا الْعَامِ  
خَيْرٌ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ وَعَاجِلِهِ وَاجَلِهِ فَاقْدِرْهُ  
لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ، ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ. اللّٰهُمَّ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنْهُ شَرٌّ لِيْ فِيْ  
دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ وَعَاجِلِهِ وَاجَلِهِ، فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ،  
وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ، وَاقْدِرْ لِيْ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ ارْضِنِيْ بِهِ.

(اے اللہ! میں تیرے علم کے طفیل تجھ سے بھلائی کا طلب گار ہوں اور تیری قدرت سے استطاعت چاہتا ہوں اور تیرے فضل عظیم کا سوال کرتا ہوں کیوں کہ تو قادر ہے، میں قادر نہیں، تو جانتا ہے، میں نہیں جانتا اور تو غیب کا عالم ہے۔ اے اللہ! اگر تیرے علم میں میرا اس سال حج کے لیے جانا، میرے دین، دنیا، زندگی، مآل، حال اور مستقبل کے لیے بہتر ہے تو اسے میرے لیے مقدر فرما دے اور آسان فرما دے اور میرے لیے اس میں برکت فرما۔ اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ میرے لیے میرے دین، دنیا، زندگی، مآل، حال اور مستقبل کے لیے اچھا نہیں ہے تو مجھے اس سے اور اسے مجھ سے پھیر دے اور جہاں کہیں میرے لیے بھلائی ہے وہ مقدر فرما دے اور مجھے اس پر راضی کر دے)۔

مستحب یہ ہے کہ اس نماز میں فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری میں سورۃ اخلاص پڑھے اور استخارہ کے بعد جس کام کے لیے دل رضامند ہو وہی کرنا شروع کر دے۔

۳- توبہ، حقوق کی اور قرضوں کی ادائیگی: جب سفر کا ارادہ کرے تو تمام گناہوں سے توبہ کرے، لوگوں کے حقوق ادا کرے اور جس قدر ممکن ہو قرض ادا کرے، امانتیں واپس کرے، جن لوگوں سے معاملات یا تعلقات رہے ہوں ان سے حقوق معاف کرائے، اپنی وصیت لکھے اور اس پر گواہ بنائے اگر قرض ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اپنے قرضوں کی ادائیگی پر وکیل بنائے اور اپنے خاندان کے لیے ان کی ضروریات زندگی چھوڑ کر جائے۔

۴- والدین اور شوہر کی رضامندی: اپنے والدین کو اور جن لوگوں کے احسانات ہوں ان کو راضی کرے، عورت اپنے شوہر اور قریبی رشتہ داروں کو راضی کرے اور مرد کے لیے مستحب یہ ہے کہ اپنی بیوی کے ساتھ حج کرے۔

اگر حج فرض ہو تو والد کو یہ اختیار نہیں کہ بیٹے کو حج سے روکے البتہ نفل حج سے روک سکتا ہے بلکہ شافعیہ کے نزدیک صحیح تر قول یہ ہے کہ اگر بیٹے نے نفل حج کا احرام باندھ لیا ہو تو والد احرام کھلوا سکتا ہے۔

شوہر کو بھی اختیار ہے کہ بیوی کو نفل حج سے روک دے بلکہ شافعیہ کی راجح روایت کے مطابق فرض حج سے بھی روک سکتا ہے کیوں کہ شوہر کے حقوق فوری ہوتے ہیں۔ اگر طلاق رجعی دی ہو تو عدت کے دوران شوہر اسے روک سکتا ہے البتہ اگر عورت نے احرام باندھ لیا ہو تو مرد احرام نہیں کھلوا سکتا، ہاں اگر طلاق رجعی دی ہو تو اس سے رجوع کر کے اس کا احرام کھلوا سکتا ہے یعنی اسے کہے کہ ایک بکری ذبح کر کے احرام کھول دو اور سر کے تین یا تین سے زائد بال کاٹ کر حلال ہو جائے۔

۵- حج کے اخراجات حلال ہوں۔ اس امر کا خیال رکھے کہ حج کے اخراجات غیر مشتبہ خالص حلال مال سے ہوں۔ اگر مشتبہ مال یا غصب شدہ مال سے حج کیا تو جمہور کے نزدیک حج درست ہوگا لیکن حج مقبول نہیں ہوگا۔ امام احمد کے نزدیک حرام مال سے حج نہیں ہوتا۔

۶- پاک مال اور خرچ زائد از ضرورت ہو۔ مستحب یہ ہے کہ زائد از ضرورت مال ساتھ لے کر جائے تاکہ وہاں محتاج لوگوں کی مدد کر سکے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولا

تیمموا الخبیث منه تنفقون (اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے اور زمینی پیداوار میں سے پاکیزہ اور عمدہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور جو کچھ راہ خدا میں دیتے ہو اس میں ردی چیزیں دینے کا ارادہ نہ کرو، البقرہ ۲: ۲۶۷) طیب سے عمدہ اور خبیث سے ردی اشیا مراد ہیں۔

۷- خریداری میں جھگڑا نہ کرے: حج اور تمام عبادات کی وجہ سے یہ مستحب ہے  
۸- اخراجات، زاد راہ اور سواری میں کسی دوسرے سے شراکت نہ کرے: باہمی اختلافات اور لڑائی جھگڑے سے بچنے کے لیے یہ مستحب ہے۔

۹- مضبوط آرام وہ سواری کا حصول مستحب ہے، شافیہ کے صحیح مذہب کے مطابق پیدل کی بہ نسبت سواری پر حج کا سفر کرنا افضل ہے۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر سفر حج کیا اور آپ کی سواری ”زاملہ“ تھی۔ زاملہ اس اونٹ کو کہتے ہیں جس پر کھانے پینے کا اور دوسرا سامان بھی لادا جاتا ہے۔

۱۰- حج کا طریقہ سیکھنا: جب حج کا ارادہ کرے تو حج کا طریقہ سیکھنا ضروری اور فرض عین ہے۔ اس لیے کہ علم کے بغیر عبادت صحیح نہیں ہوتی۔ مستحب ہے کہ حج کا طریقہ سکھانے والی کوئی آسان کتاب ساتھ ہو اور اس کا مطالعہ جاری رکھے اور سارے سفر میں بار بار اس کا مطالعہ کرے تاکہ حج کا طریقہ اچھی طرح معلوم ہو جائے۔

۱۱- رفیق سفر ساتھ ہو: مناسب یہ ہے کہ کوئی ایسا رفیق سفر ساتھ ہو جس سے طبعی مناسبت ہو، نیکی کی رغبت رکھتا ہو، برائیوں سے متنفر ہو، جب کوئی بات بھول جائے تو یاد دلا دے اور جب یاد ہو تو اسے پورا کرنے میں مدد کرے۔ پورے سفر میں اپنے ساتھی کو خوش رکھنے کا خیال رکھے۔ ہر ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائے اور اپنے دوسرے ساتھی کو اپنے

سے بہتر اور زیادہ قابل احترام سمجھے، اپنے آپ کو محترم نہ جانے اور اگر کبھی رفقائے سفر کی طرف سے سختی کا سامنا ہو تو اس پر صبر کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا سفر کرنے کو مکروہ سمجھا، اور آپؐ نے فرمایا: ”ایک سوار شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سواروں کی جماعت ہے“۔ (۲) جب تین یا تین سے زیادہ رفقائے سفر ہوں تو اپنے سے افضل اور زیادہ درست رائے والے کو اپنا امیر بنا لیں، کیوں کہ حدیث میں ہے ”جب تین ہوں تو اپنے میں سے ایک کو امیر بنا لیں“ (۳)۔

## ۱۲۔ خلوص نیت سے عبادت کے لیے اپنے آپ کو فارغ کر لے:

مستحب یہ ہے کہ اپنے آپ کو محض عبادت کے لیے فارغ کر لے اور تجارت نہ کرے۔ اس کی وجہ سے دل مشغول ہو جاتا ہے۔ اگر تجارت کی توجیح درست ہو جائے گا کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم (اگر تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں، البقرہ ۲: ۱۹۸) اپنے عمل میں محض اللہ کی رضا جوئی کی نیت کرے، کیوں کہ ارشاد باری ہے: وما امرنا الا لیعبدوا اللہ مخلصین له الدین (انہیں یہی کہا گیا کہ اللہ کی عبادت کرو، اس کے لیے بندگی کو خالص کرتے ہوئے، البینہ ۹۸: ۵) نیز ارشاد نبویؐ ہے: ”انما الاعمال بالنیات“ (اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے)۔

اگر کسی دوسرے کی طرف سے حج کر رہا ہے تو افضل یہ ہے کہ بلا معاوضہ احسان کے طور پر کرے اور اگر اجرت لے کر حج کیا تو افضل عمل ترک ہو گیا، جس کے لیے حج کیا گیا اس کو عبادت کا ثواب ہوگا اور کرنے والے کو مقدس مقامات کی زیارت کی سعادت حاصل ہوگی۔

## ۱۳۔ سفر جمعرات کو صبح شروع کرے: مستحب ہے کہ جمعرات کو سفر شروع

کرے کیوں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت کم جمعرات کے سوا سفر کیا“ (۴)۔ اگر



جمعرات کو نہ کر سکے تو پیر کو کرے کیوں کہ آپؐ نے مکہ سے پیر کے دن ہجرت کی، مستحب یہ ہے کہ صبح صبح سفر پر روانہ ہو کیوں کہ صحیح الغامدی کی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے دعا فرمائی: ”اے اللہ! میری امت کے صبح کے اوقات میں برکت رکھ دے“ (۵)۔

۱۴- سفر پر روانگی کے نوافل: مستحب یہ ہے کہ جب گھر سے روانہ ہونا چاہے تو دو رکعات نفل پڑھے، پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھے (۶)۔ نیز سلام پھیرنے کے بعد آیت الکرسی اور سورۃ قریش (۷)، سورۃ اخلاص اور معوذتین (آخری دو سورتیں) پڑھ کر حضور قلب اور اخلاص سے دنیوی اور اخروی امور میں آسانی کے لیے دعا کرے اور سفر اور دوسرے امور میں اللہ سے مدد اور توفیق مانگے اور جب اٹھے تو حضرت انسؓ سے مروی یہ دعا کرے:

اللّٰهُمَّ الْيَك تَوْجِهَتْ وَبِكَ اعْتَصَمْتُ اللّٰهُمَّ اكْفِنِي مَا اَهْمَنِي وَمَا لَمْ  
اهتم به اللّٰهُمَّ زِدْنِي التَّقْوَى وَاغْفِرْ لِي ذَنْبِي.

(اے اللہ! میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، تجھ سے وابستہ ہوتا ہوں، جو امور مجھے فکر مند کریں اور جن کا میں اہتمام نہ کر سکوں ان کے لیے تو کافی ہو جا، اے اللہ! میرے تقویٰ میں اضافہ فرما دے اور میرے گناہ بخش دے)۔

۱۵- رخصت ہونا: مستحب یہ ہے کہ اگر گھر والوں، پڑوسیوں اور احباب سے رخصت ہو، انہیں الوداع کہے، ان سے اپنی کوتاہیوں کی معافی کی درخواست کرے اور ہر ایک دوسرے کو رخصت کرتے ہوئے کہے: استودع اللہ دینک و امانتک و خواتیم عملک، زودک اللہ التقوی، وغفر ذنبک، ویسر لک الخیر حیث کنت۔ (میں تیرے دین، تیری امانت اور تیرے خاتمہ عمل کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں، اللہ تیرے

تقویٰ میں اضافہ فرمائے، تیرے گناہ معاف فرمائے اور تو جہاں کہیں بھی ہو تیرے لیے نیکی میں آسانی فرمائے۔

۱۶- گھر سے نکلنے کے وقت دعا: سنت یہ ہے کہ جب گھر سے نکلے تو جو دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ دعا کرے، جو یہ ہے: اللّٰهُمَّ اِنِّى اَعُوْذُ بِكَ اِنْ اَضَلُّ اَوْ اُضِلُّ، اَوْ اَزِلُّ اَوْ اُزَلُّ، اَوْ اَظْلِمُّ اَوْ اُظْلَمُّ، اَوْ اَجْهَلُّ اَوْ اُجْهَلُّ عَلٰى (اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ بھٹک جاؤں یا بھٹکا دیا جاؤں، پھسل جاؤں یا پھسلا دیا جاؤں، کسی پر ظلم کروں یا مجھ پر کوئی ظلم کرے، جہالت کا کام کروں یا مجھ سے جاہلانہ سلوک کیا جائے)۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب آدمی گھر سے نکلے اور یہ دعا کرے: بسم اللہ، تو کلت علی اللہ، لاحول و لا قوۃ الا باللہ. (اللہ کے نام سے، اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں، اللہ سے نہ کوئی طاقت ہے اور نہ قوت) تو اسے کہا جاتا ہے: تو سیدھے راستے پر ہے، تیری کفایت اور حفاظت کی جائے گی۔ مستحب ہے کہ گھر سے روانگی کے وقت کچھ نہ کچھ صدقہ کرے، نیز ہر ضرورت جس کے پورا ہونے کی خواہش ہو اس سے پہلے صدقہ کرے۔

۱۷- سواری کے وقت دعا کرنا: مستحب ہے کہ جب سوار ہونے لگے تو یوں کہے: بسم اللہ اور جب سواری پر بیٹھ جائے تو کہے: الحمد للہ، سبحان الذی سخر لنا هذا وما کنا له مقرنین (۸) وانا الی ربنا لمنقلبون. (اللہ کا شکر ہے، وہ ذات پاک ہے جس نے یہ سواری ہمارے لیے مسخر کر دی ورنہ ہم تو اسے قابو نہیں کر سکتے تھے۔ اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں)۔ پھر تین بار الحمد للہ اور تین بار اللہ اکبر کہے۔ پھر کہے: سبحانک، اللّٰهُمَّ اِنِّى ظَلَمْتُ نَفْسِى، فاغفر لى، فانه لا یغفر الذنوب الا انت

(اے اللہ! تو پاک ہے، اے اللہ، میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، تو مجھے بخش دے، تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں ہے) صحیح حدیث میں ایسا ہی آیا ہے۔ مستحب ہے کہ اس کے ساتھ ان الفاظ کا اضافہ کر لے: اللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ فِى سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى، وَ مِنْ الْعَمَلِ مَا تَحِبُّ وَ تَرْضٰى، اللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرِنَا وَ اطْوِعْنَا بَعْدَهُ، اللّٰهُمَّ اَنْتَ الصّٰحِبُ فِى السَّفَرِ، وَ الْخَلِيفَةُ فِى الْاَهْلِ وَ الْمَالِ. اللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَ كَاٰبَةِ الْمَنْقَلِبِ، وَ سَوْءِ الْمَنْظَرِ فِى الْاَهْلِ وَ الْمَالِ وَ الْوَلَدِ. (اے اللہ! ہم تجھ سے اس سفر میں نیکی اور تقویٰ کا سوال کرتے ہیں، اور ایسے عمل کا جو تجھے پسند ہو اور جس سے تو راضی ہو اے اللہ! ہم پر ہمارا سفر آسان کر دے اور اس کا بعد لپیٹ دے، اے اللہ! تو ہمارا سفر کا ساتھی ہو جا اور ہمارے خاندان اور مال کا خلیفہ، اے اللہ، ہم تجھ سے سفر کی مشقتوں، منزل کی شکستہ سامانیوں اور گھر بار، مال و جائیداد اور بال بچوں کی آشفته حالی سے پناہ مانگتے ہیں) صحیح حدیث میں ایسا ہی وارد ہوا ہے۔

### ۱۸- رات کا سفر کرنا اور سواری سے نرمی کا برتاؤ کرنا:

مستحب یہ ہے کہ زیادہ سفر رات کے وقت کرے، حضرت انسؓ کی حدیث میں ہے: ”رات کی تاریکی میں سفر کرو کیوں کہ رات کو زمین لپیٹ دی جاتی ہے (۹)۔ صبح و شام سواری سے اتر کر جانوروں کو آرام کا موقع دے، جانور کی پشت پر سونے سے اجتناب کرے کیوں کہ صحیح حدیث میں جانوروں کی پیٹھ کو منبر بنانے سے روکا گیا ہے البتہ اگر ضرورت ہو تو جائز ہے کیوں کہ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر خطبہ دیا تھا۔

سواری پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنا اور مجبوری کے بغیر اسے بھوکا رکھنا حرام

ہے۔ اگر سواری مضبوط ہو تو پیچھے کسی کو بٹھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے۔

۱۹- سفر میں سادگی اور نرمی اختیار کرنا: مستحب یہ ہے کہ دوران سفر بہت زیادہ کھانے، زیب و زینت، آرائش و زیبائش اور انواع اقسام کے کھانوں اور لباس سے پرہیز کرے کیوں کہ حاجی تو پراگندہ حال، غبار آلود ہوتا ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے ابن عمرؓ سے روایت کی کہ ”ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا اور پوچھا حاجی کون ہے؟ آپ نے فرمایا، پراگندہ حال، میلا کچھلا۔“

لوگوں کے ساتھ نرمی اور حسن خلق سے پیش آئے۔ لڑائی جھگڑے، سختی، تلخی اور راستے میں پانی حاصل کرنے کی جگہوں پر اگر ممکن ہو تو لوگوں کے ساتھ دھکم پیل سے بچے۔ اپنی زبان کو گالی گلوچ، غیبت، جانوروں کو لعنت کرنے اور تمام ناپسندیدہ الفاظ کہنے سے محفوظ رکھے کیوں کہ حدیث میں ہے: ”جس نے حج کیا اور شہوانی افکار و اعمال اور فسق سے بچا رہا تو وہ گناہوں سے یوں پاک ہو جائے گا جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے جنم لیا ہو۔“

۲۰- کتا اور گھنٹی ساتھ نہ ہو: سفر میں کتا اور گھنٹی ساتھ رکھنا مکروہ ہے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”جس قافلے میں گھنٹی ہو اس کے ہمراہ فرشتے نہیں ہوتے“ (۱۰)۔ نیز ارشاد فرمایا: ”ملائکہ ان مسافروں کا ساتھ نہیں دیتے جن کے ساتھ کتا یا گھنٹی ہو“ (۱۱) ”گھنٹی شیطان کی بانسری ہے“ (۱۲)۔

۲۱- تکبیر و تسبیح کہنا: سنت یہ ہے کہ بلندی پر چڑھے تو تکبیر کہے، نیچے وادی وغیرہ میں اترے تو تسبیح کہے لیکن آواز بلند نہ کرے۔

۲۲- جب کوئی قصبہ نظر آئے تو دعا کرے: مستحب یہ ہے کہ جب کسی قصبے یا

منزل پر پہنچے تو یوں کہے: اللّٰہم انی اسألك خیرها وخیر اهلها وخیر ما فیها  
واعوذ بک من شرها وشر اهلها وشر ما فیها (اے اللہ! میں تجھ سے اس جگہ کی اور  
اس کے رہنے والوں کی اور جو کچھ یہاں ہے اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس جگہ کی  
برائی، اس کے باسیوں اور جو کچھ یہاں ہے اس کی برائی سے تیری پناہ میں آتا ہوں)۔

۲۳- منزل پر اترنے کی دعا: سنت ہے کہ جب کسی منزل پر اترے تو یہ دعا

کرے: اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق (میں اللہ کے کلمات تامہ کی پناہ  
میں آتا ہوں اس کی تمام مخلوق کی شر سے) خولہ بنت حکیم کی حدیث میں ہے جسے مسلم نے  
روایت کیا کہ ”جو شخص کسی جگہ ٹھہرا اور پھر اس نے یہ کلمات کہے اعوذ بکلمات اللہ  
التامات من شر ما خلق تو اسے وہاں سے روانگی تک کسی چیز سے نقصان نہیں پہنچے گا“۔

سواریوں سے کجاوے اتارتے وقت تسبیح پڑھنا مستحب ہے کیوں کہ حضرت انسؓ کہتے ہیں

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جگہ اترتے تو تسبیح پڑھتے تا آنکہ کجاوے اتار لیتے“۔

راستوں کے پیچوں بیچ ٹھہرنا مکروہ ہے کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

”رات کو راستوں پر پڑاؤ نہ ڈالو کیوں کہ رات کو کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض یہاں

ٹھہرتے ہیں“ (۱۳)۔

۲۴- رات آنے کی دعا: سنت یہ ہے کہ جب رات پڑنے لگے تو یہ دعا کرے

جسے ابو داؤد نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر

پر ہوتے اور رات آجاتی تو یہ دعا کرتے: یا ارض، ربی وربک اللہ، اعوذ باللہ من

شرك وشر ما فیک وشر ما خلق فیک وشر ما یدب علیک، اعوذ بک من

اسد واسود والحیة والعقرب ومن ساکن البلد (۱۴) و من والد وما ولد“۔

(اے زمین، میرا اور تیرا رب اللہ ہے، میں تیری شر سے، جو کچھ تجھ میں ہے اس کی شر سے، جو کچھ تجھ میں پیدا کیا گیا اس کی شر سے اور جو مخلوق تجھ پر چلتی ہے اس کی شر سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں، میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں شیر سے ہر شخص سے، سانپ، بچھو، بستی کے رہنے والوں اور والد اور اولاد کی شر سے)۔

۲۵- خوف کے وقت کی دعا: جب کسی قوم یا کسی انسان وغیرہ سے خوف ہو تو وہ دعا کرے جسے ابو موسیٰ اشعریؓ نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی قوم کا خوف ہوتا تو یوں کہتے: اللّٰہم انا نجعلک فی نحورہم ونعوذبک من شرورہم (۱۵) (اے اللہ، ہم تجھے ان کے سینوں کے مقابل کرتے ہیں اور ان کے شر سے تیری پناہ میں آتے ہیں)۔“

اس موقع پر اور ہر جگہ دعاء کرب کی کثرت مستحب ہے اور دعاء کرب یہ ہے: لا اللّٰہ الا اللّٰہ العظیم الحلیم لا الہ الا اللّٰہ رب العرش العظیم لا الہ الا اللّٰہ رب السموات ورب الارض ورب العرش الکریم (۱۶)۔ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عظیم اور حلیم ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرش عظیم کا رب ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زمین و آسمان اور عرش کریم کا رب ہے)۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی بات سے بہت پریشانی لاحق ہوتی تو فرماتے: یا حی یا قیوم برحمتک استغیث (۱۷)۔ (اے زندہ اور قائم خدا تیری رحمت کے ذریعے فریاد کرتا ہوں)۔

۲۶- مختلف پریشانیوں میں مسافر کے لیے دعائیں: جب سواری پریشان کرے تو اس کے کانوں میں یہ آیت پڑھے: افغیر دین اللّٰہ یبغون ولہ اسلم من فی

السموات والارض طوعاً و کرہاً والیہ یرجعون (کیا اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں، جب کہ آسمانوں اور زمین کی مخلوق خوشی سے یا ناخوشی سے ہر حال میں اس کی مطیع ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والی ہے، آل عمران، ۳: ۸۳) جب سواری بھدک جائے تو دو یا تین بار آواز دے، اللہ کے بندو، اسے روکنا۔

جب کشتی (بحری جہاز) پر سوار ہو تو کہے: بسم اللہ مجریہا و مرسہا، ان ربی لغفور رحیم (اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور ٹھہرنا، بے شک میرا رب بخشنے والا رحم کر نیوالا ہے، ہود ۱۱: ۴۱) نیز وما قدروا اللہ حق قدرہ .... الآیہ (لوگوں نے اللہ کی اتنی قدر نہیں کی جتنا کہ حق تھا ..... الانعام ۶: ۹۱)۔

۲۷۔ سفر میں دعا: پورے سفر کے دوران اپنے لیے، اپنے والدین، احباب، مسلمانوں کے حکمرانوں اور تمام مسلمانوں کے لیے اہم دنیوی اور اخروی امور کے سلسلے میں بکثرت دعا کرے کیوں کہ ارشاد نبویؐ ہے: ”تین دعاؤں کے قبول ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں: مظلوم کی بددعا، مسافر کی دعا، اور والد کی اولاد کے لیے دعا“ (۱۸)۔

۲۸۔ طہارت اور نماز کا اہتمام: مسلسل با وضو رہنا اور با وضو سونا مستحب ہے اور نماز کے مخصوص اوقات پر نمازیں ادا کرے۔ شافعیہ کے نزدیک سفر میں نمازیں جمع کرنا اور قصر کرنا جائز ہے اور چاہے تو جمع کرے نہ قصر۔ شافعیہ کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ ان میں سے ایک کام کرے اور دوسرا چھوڑ دے۔ افضل یہ ہے کہ قصر کرے لیکن جمع نہ کرے تاکہ اختلاف سے بچ سکے کیوں کہ امام ابوحنیفہؒ نے قصر کو ضروری اور جمع کو ممنوع قرار دیا ہے۔ صرف عرفات اور مزدلفہ میں نمازیں جمع کی جائیں۔

اگر نمازیں جمع کرے تو پہلی نماز کے لیے اذان کہے اور ہر نماز کے لیے اقامت

کہے جیسا کہ مسافر کی نماز کے عنوان کے تحت تفصیل گزر چکی ہے۔

سفر میں بھی نماز باجماعت پڑھنا مستحب ہے البتہ جتنی جماعت کی تاکید حضر میں ہے اتنی سفر میں نہیں۔ سفر میں فرائض کے ساتھ مؤکدہ سنتیں بھی پڑھے جیسا کہ حضر میں پڑھنا ہوتی ہیں۔



## بحث دوم: حاجی کے سفر حج سے واپسی کے آداب:

حاجی کے لیے اور ہر مسافر کے لیے سفر سے واپسی سے متعلق کچھ آداب ہیں، جن میں سے مندرجہ ذیل اہم ہیں (۱۹)۔

۱- ابن عمرؓ کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت ثابت ہے کہ آپؐ جب کسی غزوہ، حج یا عمرہ سے واپس آتے تو جب کسی بلند جگہ پر چڑھتے تو تین بار تکبیر کہنے کے بعد یہ دعا پڑھتے:

لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، آئبون، تائبون، عابدون، ساجدون، لربنا حامدون، صدق الله وعده، ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده (۲۰)۔

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے، وہی تعریف کا مستحق ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہم لوٹ آئے، اس کی طرف رجوع کرنے والے ہیں، اس کی عبادت کرنے والے، اسے سجدے کرنے والے، اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے ہی دشمن کے لشکروں کو شکست دی۔ مسافر بھی واپسی پر یہی دعا کرے۔

۲- جب گھر کے قریب پہنچے تو آگے کسی کو بھیج دے تو گھر میں اس کے آنے کی اطلاع کر دے تاکہ اچانک گھر نہ پہنچے۔

۳- جب اپنے قصبے میں پہنچے تو یہ دعا کرے: اللہم انی اسألك خیرها، وخیر ما فیها، واعوذ بک من شرها وشر ما فیها (اے اللہ! میں تجھ سے اس جگہ کی اور جو کچھ

میں ہے اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس کے شر اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں) بعض علماء کے بقول یہ دعا بھی مستحب ہے: اللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَنَا بَہَا قَرَارًا وَرِزْقًا حَسَنًا اللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا جَنَاهَا، وَاعْزِزْنَا مِنْ وَبَاهَا وَحَبِّنَا اِلَى اَهْلِهَا، وَحَبِّ صَالِحِي اَهْلِهَا اِلَيْنَا (اے اللہ! تو ہمیں یہاں سکون اور عمدہ رزق عطا فرما، اس کی پیداوار سے ہمیں رزق عطا فرما، اس کی وبا سے محفوظ رکھ اور ہمیں اس کے باسیوں کا محبوب بنا دے اور اس کے نیک افراد کو ہمارا محبوب بنا دے) ابن السنی نے کتاب الاذکار میں یہ دعا ذکر کی ہے۔

۴۔ جب واپس آئے تو رات کو گھر نہ پہنچ جائے بلکہ صبح کے وقت پہنچے ورنہ دن کے آخری حصے میں کیوں کہ مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گھر واپس نہیں آتے تھے بلکہ صبح یا شام کے وقت آتے تھے“۔

۵۔ جب گھر واپس پہنچے تو پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نفل پڑھے، پھر جب گھر میں داخل ہو تو بھی دو رکعت نفل پڑھ کر دعا کرے اور اللہ کا شکر ادا کرے۔

۶۔ جو کوئی حاجی کو سلام کرے اس کے لیے مستحب ہے کہ کہے: ”اللہ تعالیٰ تمہارا حج قبول کرے، تمہارے گناہ معاف کرے، تمہارے اخراجات کا بدل عطا فرمائے“ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”اے اللہ! حاجی کو اور جس کے لیے حاجی مغفرت کی دعا کرے اسے بخش دے“ (۲۱)۔ عوام حاجی کے پاؤں میں جو بکری ذبح کرتے ہیں اس کا گوشت کھانا حرام ہے کیوں کہ کسی دوسرے کی تعظیم کے طور پر جو جانور ذبح کیا جائے خواہ اس پر اللہ کا نام لیا جائے اسے کھانا حرام ہے۔ حاجیوں کے استقبال کے مظاہر عبادت میں اخلاص کے منافی ہیں۔

۷۔ جب گھر میں داخل ہو تو مستحب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوتے وقت جو دعا کیا کرتے تھے وہ دعا کرے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس گھر تشریف لاتے تو یہ الفاظ کہتے: توباً توباً، لربنا اوباً، لایغادر حوباً یعنی ہم اللہ سے ایسی کامل توبہ کا سوال کرتے ہیں جس کے بعد کوئی گناہ باقی نہ رہے۔

۸۔ حج سے واپس آنے کے بعد کی زندگی پہلے کی زندگی سے بہتر ہونی چاہیے۔ یہ حج کی قبولیت کی علامات میں سے ہے اور ہر آنے والا دن پہلے دن سے نیکی اور بھلائی میں بہتر ہونا چاہیے۔ نیکی کے رجحان میں مسلسل اضافہ ہونا چاہیے۔

## حواشی و تعلیقات

- ۱- الايضاح، ۴-۱۱
- ۲- احمد؛ ابوداؤد؛ ترمذی اور حاکم نے عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت کی، حدیث صحیح ہے۔
- ۳- ابوداؤد نے سند حسن سے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔
- ۴- شیخین نے کعب بن مالکؓ سے روایت کی۔
- ۵- ابوداؤد؛ ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔
- ۶- حدیث میں ہے کہ ”کوئی شخص اپنے خاندان میں ان دو رکعات سے بہتر کوئی چیز چھوڑ جاتا جو سفر شروع کرنے سے پہلے پڑھتا ہے“۔
- ۷- آثار سلف میں ہے کہ ”جو شخص گھر سے نکلتے وقت آیت کرسی پڑھ لے اسے اپنی عبادت گاہ سے باجماعت واپس آنے تک کوئی گزند نہیں پہنچتا“۔
- ۸- یعنی انہیں تابع نہیں کر سکتے۔
- ۹- ابوداؤد؛ حاکم اور بیہقی نے حضرت انسؓ سے روایت کی، حدیث صحیح ہے۔
- ۱۰- ابوداؤد نے حسن سند سے ام حبیبہؓ ام المؤمنین سے روایت کی۔
- ۱۱- مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔
- ۱۲- ابوداؤد وغیرہ۔
- ۱۳- ابن ماجہ نے حضرت جابرؓ سے مختلف الفاظ سے روایت کی۔ تعریس: رات کو اترنا۔
- ۱۴- الاسود: انسان، اہل لغت ہر شخص کو اسود کہتے ہیں، ساکن البلد: جن، بلد: وہ زمین جس میں حیوانات رہتے ہوں، خواہ وہاں کوئی عمارت نہ ہو۔

- ۱۵- ابو داؤد؛ نسائی وغیرہ۔
- ۱۶- بخاری؛ مسلم نے ابن عباسؓ سے روایت کی۔
- ۱۷- ترمذی نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کی، حاکم نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔
- ۱۸- ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی، ابو داؤد کی روایت میں ”علیٰ ولدہ“ کے الفاظ نہیں ہیں۔
- ۱۹- الايضاح، ۱۰۰ و بعد؛ المغنی، ۳: ۵۵۹۔
- ۲۰- بخاری و مسلم نے ابن عمرؓ سے روایت کی۔
- ۲۱- حاکم نے ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی اور کہا کہ یہ حدیث مسلم کی شرائط پر ہے۔ یہ دعا حضرت انسؓ سے مرفوعاً مروی ہے۔

# فقه إسلامي: دلائل ومساكن

الفقه الإسلامي وأدلته

(جلد سوم)